کشف الاسرار

اردو ترجمہ و شرح

درمختار

اول

ترجمہ و اضافات

مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی (مفتی دار العلوم دیوبند)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند

کشف الاسرار

اُردو ترجمہ وشرح

دُرِّ مختار

جلد اوّل

مصنفہ

فقیہ، محدث، عالم، حافظ حدیث

حضرت علاء الدین حصکفیؒ

کتاب الطہارت

کتاب الصلوٰۃ

ترجمہ واضافات

مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی

مفتی دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند

Pin. 247554

عرض ناشر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے برادر نسبتی اور احقر کے دادا حضرت مولانا یعقوب الرحمٰن عثمانیؒ سابق پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد (آندھرا) کے دست مبارک سے مکتبہ فیض القرآن دیوبند کا قیام ۱۹۵۱ء میں عمل میں آیا تھا اور سب سے پہلی کتاب تفسیر فیض الرحمٰن جو سورۂ الحمد اور معوذتین تک ہی تھی شائع ہوئی، فروری ۱۹۵۲ء میں میرے دادا کا انتقال ہوا تو ادارے کی تمام تر ذمہ داری میرے والد بزرگوار محترم مشہود الرحمٰن عثمانی اقبال پر آ گئی، والد محترم نے دیگر کتب کے علاوہ قابل ذکر کتابوں میں تفسیر ابن کثیر معہ حواشی واضافات، تفسیر حقانی معہ حواشی واضافات تفہیم البخاری ترجمہ وشرح بخاری شریف اور زیر نظر کتاب کشف الاسرار شرح درمختار جیسی بنیادی کتابیں چھاپ کر عظیم جلیل القدر خدمات انجام دینے کی سعادت حاصل کی اور مکتبہ فیض القرآن کو بین الاقوامی حیثیت دی، اس کیلئے بارگاہِ الٰہی میں جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے، ۱۹۸۶ء میں اس عظیم ادارے کی ذمہ داری والد بزرگوار نے احقر کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی، جہاں میری تمنا تھی کہ بزرگوں کی اس گراں قدر خدمات میں اضافہ کروں وہیں میرے سامنے دور حاضر کے تقاضے، افراط زر، معیاری کتابت، اعلیٰ طباعت، نفیس کاغذ، حسین جلدیں ایک بڑا چیلنج تھیں، حق تعالیٰ نے مجھے حوصلہ دیا اور الحمد للہ اس سلسلے میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔

مطبوعات فیض القرآن کی یہ بھی بڑی خوش نصیبی رہی کی ابتداء سے ہی ادارے کی سرپرستی میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی، مولانا ظہور الباری اعظمی، مولانا مفتی کفیل الرحمٰن عثمانی اور دیگر ممتاز علماء کا ہاتھ رہا ہے، تفسیر ابن کثیر معہ حواشی واضافات، کشف الاسرار شرح درمختار اُردو اور تفہیم البخاری ترجمہ وشرح بخاری شریف جیسی اہم کتابوں کو لکھوانے اور تصحیح کا خصوصی اہتمام کرنے پر بطور معاوضہ ادارے نے زر کثیر صرف کیا، اور اسے افراط وتفریط نیز ردوبدل سے پاک رکھنے کے لئے ان تمام کتابوں کے دائمی حقوق مکتبہ فیض القرآن دیوبند کے نام محفوظ کردیئے گئے۔

احقر نے دیگر کتابوں کے علاوہ فقہ اسلامی کی بنیادی کتاب شامی عربی کامل معہ تقریرات رافعی وتکملہ شائع کی، جس کیلئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اس سے اعلیٰ معیار پر عالم اسلام میں کہیں بھی یہ کتاب آج تک نہیں چھپ سکی، یہ سب حق تعالیٰ کا فضل، بزرگوں کی دعائیں اور ادارے سے متعلقین کے تعاون کا نتیجہ ہے۔

زیرنظرکتاب فقیہ، محدث، عالم، حافظ حدیث حضرت علامہ علاءالدین حصکفیؒ کی تصنیف عربی زبان میں تھی۔ فقہ میں اس کتاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ تمام اردو فتاوی کی کتب میں اس کا حوالہ دیا جاتا ہے۔
ضرورت شدید تھی کہ اس کتاب کو اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس کتاب کا ایک ترجمہ غایۃ الاوطار کے نام سے طویل عرصہ قبل شائع ہوا تھا مگر اُردو کافی دقیق اور مشکل ہونے کی وجہ سے تشنگی باقی رہ گئی تھی۔
اب الحمدللہ موجودہ نسخہ جدید اُردو و ذیلی عنوانات کے ساتھ شائع ہوگیا ہے جس کی وجہ سے قاری کو مسئلہ دیکھنے میں سہولت ہوگئی ہے اور مفہوم واضح بھی کر دیا گیا ہے۔ کتاب کا جدید ترجمہ مولانا مفتی ظفیرالدین صاحب مفتی دارالعلوم نے نہایت محنت اور توجہ کے ساتھ کر کے اس کا صحیح حق ادا کر دیا ہے۔ حق تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے۔ (آمین)

نسخہ کی چند خصوصیات

(۱) ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی، تاکہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور ان کو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔
(۲) عربی متن خط نسخ (عربی خط) میں لکھا گیا ہے، اور ترجمہ خط نستعلیق (اردو خط) میں۔
(۳) عموماً باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے، اس ترجمہ میں اس عنوان کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔
(۴) کہیں کہیں عربی کے مشکل الفاظ کی تحقیق و تشریح، حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔
(۵) شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔
(۶) ترجمہ میں جہاں جہاں کسی کتاب سے مدد لی گئی ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔
(۷) ضروری مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

مجھے توقع ہے کہ آپ اسے پڑھ کر خوش ہوں گے، اگر کہیں کوئی کوتاہی نظر سے گذرے گی تو براہ کرم اس سے ناشر کو مطلع فرمائیں۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس پر غور کر لیا جائے اور تصحیح کر دی جائے۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس متبرک کام کو قبول فرمائیں۔ اور زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس مستند ترین کتاب سے مستفید ہونے کا موقع ملے، نیز میرے اور میرے بزرگوں کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

احقر ودود الرحمٰن عثمانی تاج

یکم جون ۱۹۹۹ء

کشف الاسرار شرح اردو درِّ مختار جلد اوّل

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر

فتویٰ شامی عربی کامل

مع تکملہ و تقریرات رافعی

فقہ حنفی کی مستند کتاب "رد المحتار" (فتویٰ شامی) کسی تعارف کی محتاج نہیں، ہندوستان میں پہلی مرتبہ اس مکمل کتاب کو شائع کرنیکا (الحمد للہ) یہ فخر مکتبہ فیض القرآن کو حاصل ہے۔

یہ وہ نسخہ ہے جس کا انتخاب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی" صاحب (پاکستان) حضرت مولانا قاضی مجاہد صاحب قاسمی (پٹنہ) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب (صدر مفتی دار العلوم دیوبند) حضرت مولانا مظفر حسین صاحب (صدر مفتی مظاہر علوم سہارنپور) حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری (مدرس دارلعلوم دیوبند) جیسے جید عالم و مفتیان کرام کے ذریعے کیا گیا چنانچہ ان حضرات کی تقریظ شامل کتاب ہیں۔

نسخہ کی خصوصیات:-

(۱) یہ وہ نسخہ ہے جو تقریباً دو صدیوں سے علماء امت کے ہاتھوں میں ہے چنانچہ جملہ فتاویٰ کی کتب میں اسی نسخہ کا حوالہ ملتا ہے جسکی وجہ سے مفتیان کرام کو مسئلہ تلاش کرنے اور حوالہ دینے میں بیحد سہولت ہوتی ہے اسلئے یہ نسخہ علماء اور مفتیان کرام کیلئے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

(۲) اس نسخہ میں ایک طویل حاشیہ جو کہ تقریباً ۶۵۰ بڑے سائز کے صفحات پر مشتمل ہے تقریرات رافعی کے نام سے شامل ہے جو اس نسخہ کی افادیت میں بیش بہا اضافہ کرتا ہے۔

(۳) فتاویٰ شامی کے اکثر ایڈیشن مٹیالہ اور کم قیمت کے کمزور کاغذ پر آتے رہے ہیں جسکی وجہ سے الفاظ واضح نہیں ہوتے اور کمزور نگاہ کے لئے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے نیز کاغذ پائدار نہ ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ میں ہی بوسیدہ ہو جاتا ہے اب ہم نے زرکثیر صرف کر کے عمدہ مضبوط سفید چکنے کاغذ پر اس نسخہ کو شائع کر کے نہایت نمایاں کردیا ہے چنانچہ اب بزرگ و ضعیف حضرات بھی بسہولت اس کتاب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

(۴) جلدوں کی زیادہ تعداد سے بچنے کے لئے بجائے چھوٹے سائز کے یہ نسخہ اصل قدیم بڑے سائز پر چھاپا گیا ہے جس میں قاری کو مختلف مجلدات کی طرف رجوع کرنا نہیں پڑے گا (گویا کہ دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا)

ناشر: مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یو پی)

تفہیم البخاری

عربی متن اور اردو شرح

صحیح بخاری شریف

فخر دوعالم سرور کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ کا گراں قدر مجموعہ جو امام عالی مقام امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ بن محمد اسماعیل بخاری" نے چھ لاکھ احادیث نبوی میں سے منتخب فرماکر سولہ سال میں مرتب کیا ہے، قرآن کریم کے بعد دنیا کی وہ مستند ترین اور لاثانی کتاب ہے جس میں قطعی بچی احادیث کا عظیم علمی خزانہ پوشیدہ ہے۔

اہم خصوصیات :

﴿۱﴾ اطمینان بخش ترجمانی عام فہم شرح اس زمانہ کی ذہنی سطح کے مطابق کی گئی ہے۔

﴿۲﴾ احادیث رسول ﷺ کے مسائل حاضرہ سے کامل انطباق

﴿۳﴾ حدیث کے ان پہلوؤں کی واضح ترجمانی جن کو موجودہ شارحین نے چھوا تک نہیں۔

﴿۴﴾ بخاری شریف کے لطائف و خصوصیات کی کامل رعایت۔

﴿۵﴾ قدیم و جدید شارحین کی گرانقدر تحقیقات سے پوری کتاب آراستہ و مزین

﴿۶﴾ فقہی مذاہب کی ترجمانی معتدل لب ولہجہ میں، اور محدثین و فقہاء کے اختلافات کی دلآویز وضاحت کی گئی ہے۔

﴿۷﴾ ایک کالم میں عربی متن احادیث اور مقابل کالم میں ترجمہ و تشریح

سائز: ۲۰×۳۰ قیمت کامل سیٹ مجلد ۶ جلد =

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنّف درّ مختار
محمد علاء الدّین حصکفی

در مختار فقہ کی کتابوں میں ظاہری اور معنوی دونوں حیثیتوں سے ممتاز ہے، اپنی ترتیب و تبویب، جامعیت اور جزئیات فقہی پر حاوی ہونے کے اعتبار سے علماء امت میں ہمیشہ یہ کتاب مقبول رہی ہے، اسکے مصنف محمد علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ بہت سی دوسری گراں قدر کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔

آپ کا نسب نامہ یہ ہے :۔ محمد بن علی بن محمد بن علی بن عبدالرحمٰن بن محمد بن جمال الدین بن حسن بن زین العابدین۔

آپ کے لئے علماء یہ الفاظ لکھتے ہیں۔ "فقیہ، محدث، عالم، فاضل، نحوی، حافظ حدیث، طلیق اللسان، فصیح البیان جیدّ التقریر والتحریر، جامع معقول و منقول، صاحب تصانیف کثیرہ۔"

آپ کی علمی صلاحیت اور فقہی کمال کے سلسلے میں آپ کے استاذ شیخ خیر الدین رملی (۱۰۸۱ھ) یہ اعتراف بہت کافی ہے جو وہ اپنی سند اجازت میں تحریر فرماتے ہیں۔

"محمد بن علی نے پہلے مجھ سے کچھ ایسے سوالات کئے کہ ان کی وجہ سے مجھ پر ان کی روایت کا کمال اور ان کی وسعت ملکہ نمایاں ہو گئی، میں نے مختصر طریقے پر ان کے سوالات کے جوابات دیئے، پھر انہوں نے جیسے جیسے نکات پوچھے کہ مجھ پر ان کا علم و فضل عیاں ہو گیا، وہ برابر استفادہ کرتے رہے اور میں جو کچھ کر سکتا تھا کرتا رہا۔"

در مختار کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں :۔

الدار المنتقی فی شرح الملتقی، شرح المنار، شرح قطر، مختصر فتاویٰ صوفیہ، تعلیقات بخاری، حاشیہ تفسیر بیضاوی از بقرہ تا اسرائیل، حواشی درر۔ ان کے علاوہ دوسرے حواشی اور رسالے۔

انہوں نے در مختار میں فقہ کی ۳۰۷ مستند کتابوں سے مسائل اخذ کئے ہیں اور جو جزئیات کہیں نہیں ملتے وہ یہاں مرتب نظر آئیں گے

آپ نے علم کا بڑا حصہ اپنے پدر بزرگوار اور امام محمد محاسنی و خطیب دمشق سے حاصل کیا، ۱۰۶۲ھ میں حدیث کی سند حاصل کی، اور پھر رملہ تشریف لے گئے جہاں مشہور فقیہ شیخ الحنفیہ خیر الدین رملی سے فقہ حاصل کیا، پھر بیت المقدس گئے اور فخر بن زکریا المقدسی الحنفی سے استفادہ کیا۔ ۱۰۶۷ھ میں انہوں نے حج کیا اور مدینہ منورہ میں صفی قشاشی سے مستفید ہوئے اور انہوں نے سند اجازت مرحمت فرمائی، اور بھی بہت سے علماء و مشائخ سے آپ نے علم و فن حاصل کیا۔

درس و تدریس کا مشغلہ برابر جاری رکھا، گھر پر تنویر الابصار پڑھاتے تھے، مدرسہ تقویہ میں بیضاوی شریف اور جامع اموی دمشق میں بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

شروع میں آپ نے عسرت کی زندگی گذاری مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے فراغت و خوش حالی عطا فرمائی، روم کا سفر کیا جہاں بہت دنوں مدرسہ حتمقیہ کے مہتمم رہے۔ پھر بڑی شان اور عزت و احترام سے دمشق کے مفتی بن کر واپس ہوئے اور پانچ سال دمشق میں افتاء کے فرائض انجام دیتے رہے، درس بخاری جب جامع اموی میں شروع کیا تو وہاں سے شہرت ہوئی اور علمی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے۔

۱۰/ شوال ۱۰۸۸ھ یوم دو شنبہ کو آپ کا انتقال ہوا اور مقبرہ باب الصغیر میں آپ کی تکفین و تدفین عمل میں آئی۔ جس سال آپ کا انتقال ہوا اس پورے سال آپ نے یہ اہتمام کیا کہ بخاری کا سبق شروع کرتے وقت اور ختم کرتے وقت سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرتے اور اس کا ثواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو ہدیہ فرماتے۔ اخیر رمضان میں یہ سلسلہ ختم ہوا اور عید کے دوسرے دن جامع اموی میں آپ تشریف لے گئے جہاں بہت سارے لوگ جمع ہوئے، وہاں آپ نے آخری درس دیا اور لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سب حضرات لا الٰہ الا اللہ کا ورد فرمایا کریں، اور بکثرت ایسا کیا کریں۔

اس مجمع سے فارغ ہو کر گھر تشریف لے گئے اور آٹھویں یا دسویں دن آپ خدا کو پیارے ہو گئے۔

عرض مترجم

یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سب سے زیادہ ضرورت فقہی مسائل و احکام کی ہوتی ہے تاکہ وہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خرید و فروخت، اجارہ، ذبائح، شکار، شرکت، حظر و اباحت اور ان سے متعلق جو مسائل پیش آئیں، ان سے وہ باخبر ہوں تاکہ وہ اپنی عبادات، معاملات اور اخلاق کو شریعت کے مطابق ڈھال سکیں۔

فقہ حنفی میں سیکڑوں کتابیں عربی، فارسی اور اردو میں پائی جاتی ہیں مگر جو درجہ عربی کی مشہور و مقبول کتاب ''در مختار'' کو ایک عرصہ سے حاصل ہے وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں، جزئیات کا جو ذخیرہ اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اور کتاب میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مفتیانِ کرام اور علمائے عظام میں جو قبولِ عام اس کو حاصل رہا اور آج بھی ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے... اس کتاب کی مقبولیت کا ہی نتیجہ تھا کہ آج سے سو سال پہلے یعنی ۱۲۷۱ھ میں ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا خرم علی ملہوریؒ نے تیرہ چودہ سال اس کے ترجمہ پر محنت کی اور پوری کتاب کا (بجز تھوڑے سے حصہ کے) اپنے زمانہ کے

مطابق سلیس اور رواں ترجمہ کیا اور بقدر ضرورت تشریح بھی کرتے گئے، جس میں انہوں نے اس کی شرح طحطاوی اور دوسری فقہ کی کتابوں کو سامنے رکھا اور وہ بہت مقبول ہوا۔

ایک عرصہ گزرا یہ ترجمہ جو "غایۃ الاوطار" کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوا تھا، نایاب ہو گیا، کہیں ڈھونڈے نہیں ملتا، دوسرے اس سو سال میں زبان و بیان میں ملک کہیں سے کہیں پہونچ چکا ہے، اردو زبان نے اس عرصہ میں جو نمایاں ترقی کی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، آج سو سال پہلے کی اردو کا سمجھنا آسان نہ رہا، اسلوب بالکل بدل چکا ہے۔

اس لئے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ "در مختار" کا نیا ترجمہ سامنے آئے، جو آج کی زبان و انداز میں ہو، تا کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ سکے بلکہ ذوق و شوق کے ساتھ لے اور دلچسپی سے مطالعہ کرے۔

بعض احباب اور بزرگوں کے اصرار سے خاکسار کو اس کے لئے وقت نکالنا پڑا، اور خدا کا نام لیکر کام شروع کر دینا پڑا، ترجمہ میں اصل کتاب کے ساتھ اسکے حواشی و شروح کو بھی سامنے رکھا گیا ہے اور سابق ترجمہ "غایۃ الاوطار" بھی سامنے ہے، وہ تمام باتیں جو پہلے ترجمہ میں پائی جاتی تھیں ان تمام کا اس نئے ترجمہ میں بھی پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مترجم کو اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔

(۱) ترجمہ کے ساتھ ساتھ متن کی عربی عبارت بھی باقی رکھی گئی، تا کہ اہل علم اس سے پورے طور پر مستفید ہوں اور ان کو کوئی اشکال پیش نہ آئے۔

(۲) عربی متن خط نسخ (عربی خط) میں لکھا گیا ہے، اور ترجمہ خط نستعلیق (اردو خط) میں۔

(۳) عموماً ہر باب کے آخر میں مصنف نے "فروع" کے نام سے ایک عنوان قائم کیا ہے اور اس کے نیچے ضروری جزئیات کے بیان کا اہتمام کیا ہے، اس ترجمہ میں اس عنوان کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے۔

(۴) کہیں کہیں عربی کے مشکل الفاظ کی تحقیق و تشریح، حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

(۵) شامی اور طحطاوی کا خلاصہ سمیٹ لینے کی سعی کی گئی ہے۔

(۶) ترجمہ میں جہاں جہاں کسی کتاب سے مدد لی گئی ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(۷) ضروری مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

مجھے توقع ہے کہ آپ اسے پڑھ کر خوش ہوں گے، اگر کہیں کوئی کوتاہی نظر سے گذرے گی تو براہ کرم اس سے مترجم کو مطلع فرمائیں گے تا کہ دوسرے ایڈیشن میں اس پر غور کر لیا جائے اور تصحیح کر دی جائے۔

اخیر میں دعاء ہے کہ مترجم کی یہ خدمت مقبول بارگاہ الٰہی ہو، اور یہ اس کے لئے زاد آخرت بنے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

طالب دعاء

محمد ظفیر الدین غفرلہ

دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حمدا لك يا من شرحت صدورنا بانواع الهداية سابقا و نورت بصائرنا بتنوير الابصار لاحقا وافضت علينا من اشعة شريعتك المطهرة بحراً رائقاً واغدقت لدينا من بحار منحك لموفرة نهرا فائقا واتممت نعمتك علينا حيث يسرت ابتداء تبييض هذا الشرح المختصر تجاه وجه منبع الشريعة والدرر وضجيعيه الجليلين ابى بكرؓ وعمرؓ بعد الاذن منه صلى الله عليه وسلم

ترجمہ اے وہ ذات پاک جس نے پہلے ہمارے سینوں کو ہدایت کی مختلف قسموں سے کھول دیا، ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور پھر تو نے ہمارے باطن کی بینائی کو ظاہر کی آنکھوں میں روشنی عطا کر کے نورانی بنادیا، اور اپنی پاک شریعت کی شعاعوں سے ہم پر خوشگوار سمندر کے دہانے کھول دئے، اور اپنی بخششوں کے بھرپور دریاؤں سے ہمارے لئے صاف ستھری نہر جاری فرمائی اور تو نے ہم پر اپنی نعمت پوری فرمادی اس طرح کہ اس مختصر شرح کی تبییض کی ابتداء مقدس شریعت اور موتیوں کے روبرو آسان فرمادی جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل میں آپ کے دو جلیل القدر ساتھی ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما آرام فرما ہیں اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد عمل میں آیا۔

تشریح شارح نے اپنی کتاب بسم اللہ اور حمد سے شروع کی، تاکہ اس حدیث پر عمل باقی رہے جس سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کام بسم اللہ اور حمد سے شروع کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس کے ترک پر ابتر اور بے برکت ہونے کی وعید سنائی ہے، پھر اس طرح قرآن پاک کے طریقہ پر عمل بھی ہو گیا، جو ایک بڑی نعمت ہے۔

بیان حمد میں براعت استہلال کے طور پر فقہ کی مشہور کتابوں کا نام آگیا ہے جیسے ہدایہ، تنویر الابصار (متن در مختار) البحر الرائق۔ النہر الفائق (یہ دونوں کنز الدقائق کی مشہور و مقبول عام شرحیں ہیں) اور کتاب الدرر۔

مصنفؒ نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ کتاب مدینہ منورہ میں روضہ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لکھی گئی ہے اور اس طرح کہ خواب میں یا بذریعہ الہام خود ذات بابرکت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی، بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ صاحب تنویر الابصار نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اٹھ کر سینہ سے لگایا اور اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈال دی، جس سے معلوم ہوا کہ ماتن یعنی تنویر الابصار کے مصنف اور شارح یعنی در مختار کے مصنف دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں اور اس طرح حق ہے کہ یہ کتاب در مختار مقبول عام و خاص ہو، اور واقعہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی مقبولیت عطا فرمائی ہے، ہر ذی علم عالم اور مفتی اس کتاب اور اس کے حواشی و شرح کا محتاج ہے، اور کہنا چاہیے کہ فتویٰ میں آج جو درجہ در مختار اور اس کے حاشیہ رد المحتار شامی کو حاصل ہے

شاید کسی اور کتاب کو حاصل نہیں۔

وعلى اله وصحبه الذين حازوا من فتح كشف فيض فضلك الوافي حقائقا

ترجمہ اور رحمت کاملہ نازل ہو آپ کے آل اور ان اصحاب پر جنھوں نے ترے کامل فضل و کرم کے فیض سے امور متحققہ کو جمع کیا۔

تشریح اس میں فقہ کی ان کتابوں کی طرف بھی اشارہ ہو گیا جن سے شارح صاحب در مختار نے استفادہ کیا ہے جیسے منح الغفار، فتح القدير، كشف شرح المنار، فيض للكرمي، وافی متن الكافي للنسفي، حقائق شرح منظومة النسفي۔

وبعد فيقول فقير رحمة ذى اللطف الخفي محمد علاء الدين الحصكفي ابن الشيخ على الامام بجامع بنی امية ثم المفتى بدمشق الحمية الحنفى لما بيضت الجزء الاول من خزائن الاسرار وبدائع الافكار فى شرح تنوير الابصار وجامع البحار قدرته فى عشر مجلدات كبار فصرفت عنان العناية نحو الاختصار و سميته بالدرالمختار فى شرح تنوير الابصار الذى فاق كتب هذا الفن فى الضبط والتصحيح والاختصار ولعمرى لقد اضحت روضة هذا العلم به مفتحة الازهار مسلسلة الانهار من عجائبه ثمرات التحقيق تختار ومن غرائبه ذخائر تدقيق تحير الافكار.

ترجمہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد صاحب لطف خفی کی رحمت کا محتاج محمد علاء الدین حصکف کا رہنے والا عرض کرتا ہے، جو شیخ علیؒ کا فرزند ارجمند ہے اور جو جامع اموی دمشق کا امام اور دمشق میں مذہب حنفی کا مفتی رہ چکا ہے کہ میں نے جب تنویر الابصار کی شرح خزائن الاسرار و بدائع الافکار کے پہلے حصہ کا مسودہ صاف کیا، تو میں نے اندازہ لگایا کہ بڑی بڑی دس جلدوں میں یہ شرح پوری ہوگی، اس وجہ سے میں نے اپنی توجہ کی باگ اختصار کی طرف موڑ دی اور اس کا نام میں نے "الدر المختار فی شرح تنویر الابصار" تجویز کیا۔ تنویر الابصار اس فن (فقہ) کی کتابوں میں ضبط، تصحیح اور اختصار کے اندر سب سے فائق ہے اور قسم ہے میری زندگی کی کہ علم فقہ کا باغ اس متن کی وجہ سے کھلی ہوئی کلیوں اور بہتے دریاوں کے مانند ہو گیا ہے جس کے عجائب میں سے یہ ہے کہ تحقیق کے پھل پسند کئے جاتے ہیں اور اس کی عجیب و غریب چیزوں میں سے یہ ہے کہ اس کے اندر باریک بینی کا ایک ایسا ذخیرہ ہے جس سے عقلیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔

تشریح حصکف مصنف کا وطن دیار بکر کا ایک شہر ہے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ حصکفی حصن کیفی کی طرف منسوب ہے جو آمد اور جزیرہ ابن عمر کے مابین واقع ہے۔ در مختار کے مصنف کا نام محمد لقب علاء الدین ہے۔

مصنف نے تنویر الابصار کی در مختار سے پہلے ایک اور شرح لکھنی شروع کی تھی، جس کا نام خزائن الاسرار بدائع الافکار رکھا تھا مگر وہ بہت مبسوط اور پھیلی ہوئی شرح تھی، اس لئے انھوں نے سوچا کہ اتنی لمبی شرح کا پڑھنا ہر ایک کے لئے آسان نہ ہوگا، چنانچہ اس خیال سے باز آئے اور اس کی دوسری شرح در مختار کے نام سے شروع کر دی، جو مختصر اور جامع ہے اور وہ یہی ہے

جو صرف دو جلدوں میں ہے، خزائن الاسرار کا اعتبار کیجئے تو در مختار متن کی حیثیت میں آجاتا ہے کہ عبارت مختصر ہے مگر مطلب پھیلا ہوا، چنانچہ بہت سے لوگوں کو اسکی شرح لکھنی پڑی اور بہت سے علماء کو حواشی، طحطاوی اور شامی یہ دو حاشئے در مختار کے اس وقت بہت مشہور اور مقبول عام و خاص ہیں، بلکہ مفتی حضرات کی سب سے بڑی معاون کتاب آج کل شامی ہی نظر آتی ہے۔

صاحب در مختار نے تنویر الابصار کی تحسین فرماتے ہوئے لکھا کہ یہ کتاب فقہ کی دوسری بہت سی کتابوں سے اپنی بعض خصوصیات میں فائق ہے، بالخصوص ان تمام مسائل پر حاوی ہونا جن کی آئے دن ضرورت ہوتی ہے اور ان اقوال کا انتخاب جو مفتی بہ ہیں، اور اس کی عبارت بھی چست اور واضح ہے، جس سے مسئلہ نکھر کر سامنے آجاتا ہے، اور پڑھنے والا اس کو پڑھکر کھل پڑتا ہے، گویا یہ تحقیق و تدقیق کا ایک عمدہ و دل پسند ذخیرہ ہے۔

لشيخ شيخنا شيخ الاسلام محمد بن عبد الله التمرتاشي الحنفي الغزى عمدة المتاخرين الإخيار فاني ارويه عن شيخنا الشيخ عبد النبى الخليلى عن المصنف الغزى عن ابن نجيم المصرى بسنده الى صاحب المذهب ابى حنيفة بسنده الى النبى المصطفى المختار عن جبريل عن الله الواحد القهار كما هو مبسوط فى اجازتنا بطرق عديدة عن المشائخ المتبحرين الكبار.

ترجمہ وہ متن (تنویر الابصار) ہمارے استاذ کے استاذ شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ تمر تاشی حنفی غزی کی تصنیف ہے، جو علماء متاخرین صالحین میں ممتاز مقام کے مالک ہیں، لہٰذا میں اس فن فقہ کو روایت کرتا ہوں اپنے استاذ شیخ عبدالنبی خلیلی سے اور وہ روایت کرتے ہیں مصنف تمر تاشی غزی سے اور وہ ابن نجیم مصری سے اور اپنی اس سند متصل سے اسے روایت کرتے ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہ کوفیؒ تک پہونچتی ہے اور امام اعظمؒ اپنی اس سند سے روایت کرتے ہیں جو متصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتی ہے اور آپ روایت فرماتے ہیں حضرت جبریل امیں سے اور وہ اللہ تعالیٰ واحد و قہار سے، چنانچہ یہ سند مذکور ہماری اجازت میں متعدد طرق سے عظیم المرتبت ماہران علم و فن مشائخ سے ذکر کی گئی ہے۔

تشریح تمر د تاش خوارزم میں ایک آبادی ہے۔ اور غزہ شام میں ایک شہر ہے جسے غزہ ہاشم بھی کہتے ہیں قاموس میں لکھا ہے کہ غزہ فلسطین میں ایک شہر کا نام ہے جہاں امام شافعیؒ پیدا ہوئے اور ہاشم بن عبد مناف نے وفات پائی۔

ماتن کا نسب یہ ہے محمد بن عبداللہ بن احمد خطیب بن محمد خطیب بن ابراہیم خطیب جیسا کہ ماتن کی کتاب منح الغفار میں مذکور ہے۔

ماتن محمد بن عبداللہ تمر تاشی ایک جید عالم اور فقیہ ہیں اور مشہور مصنف تنویر الابصار کے علاوہ بہت سی دوسری کتابوں کے آپ کامیاب مصنف ہیں، خود اس متن کی شرح بھی آپ نے لکھی ہے جسکا نام "منح الغفار" ہے اس کے علاوہ تحفة الاقران حاشیه درر و غرر ' شرح کنز ' شرح زاد الفقیر شرح المنار ' شرح منظومه ابن وهبان ' معین المفتی علی جواب المستفتی فتاویٰ کی دو جلدیں اور ان کے علاوہ دوسری تصانیف۔

طریقت میں آپ عارف باللہ شیخ سلیمان الخضیری سے بیعت تھے امام شعرانی کہتے ہیں کہ میں دس سال آپ کی خدمت میں رہا مگر کبھی کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جسے معیوب کہا جاسکے میں نے ان کے ساتھ سن ۹۵۳ھ میں حج کیا جس میں آپ کے ہمراہ بڑا مجمع کثیر رہا بایں ہمہ کبھی کوئی ناگوار بات پیش نہ آئی آپ نے سن ۹۶۹ھ میں انتقال کیا۔

تمر تاشی کے استاذ ابن نجیم مصری (متوفی سن) البحرالرائق شرح کنزالدقائق کے مصنف ہیں جن کا علم وفضل مشہور ہے امام شعرانیؒ نے المیزان الکبریٰ میں ائمہ اربعہ کا سلسلہ سند اس طرح بیان کیا ہے۔

الف:۔امام ابوحنیفةؒ عن عطاء ابن عباسؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم عن جبریلؑ عن الله عزوجل۔

ب:۔ امام مالك عن نافع عن ابن عمرؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم عن جبریلؑ عن الله عزوجل۔

ج:۔ امام شافعیؒ عن مالكؒ الخ۔

د:۔ امام احمد بن حنبل عن الشافعی عن مالك الخ۔

وما كان فی الدرر الغرر لم اغره الاماندر وما زاد عن عزّ نقله عزونه لقائله رو ماللاختصار۔

ترجمہ اور وہ مسائل جو الدرر الغرر میں ہیں اور جن کو میں نے اس کتاب سے نقل کیا ہے میں نے عموماً ایسا کیا ہے کہ درر وغرر کی طرف منسوب نہیں کیا ہے مگر شاذونادر کہیں کہیں ایسا بھی ہوا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بیان کر دیا ہے۔
وہ مسائل جو درر وغرر سے زیادہ ہیں اور دوسری کتابوں سے لئے گئے ہیں ان کو میں نے البتہ اس کے قائل کی طرف منسوب کر دیا ہے

تشریح در مختار میں مذہب حنفی کی متعدد معتمد کتابوں سے مسائل اخذ کئے گئے ہیں کسی سے زیادہ اور کسی سے کم ان میں ملا خسرو کی کتاب "الدرر والغرر" سے بکثرت مسائل در مختار میں نقل کئے گئے ہیں چنانچہ اس کتاب کے ہر ہر مسئلہ میں درر غرر کے حوالہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے ہاں اس کتاب کے علاوہ دوسری بہت سی جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کا اہتمام سے تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ جن لوگوں نے در مختار کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح اس سے واقف ہیں۔
شارح کا اس صفائی سے یہ تمام چیزیں بیان کرنا ان کی علمی دیانت اور ان کے فضل وکمال کی دلیل ہے کہ آپ نے تعالی وترفع کو کسی درجہ میں اپنے لئے پسند نہیں کیا۔

وما مولی من الناظر فیه ان ینظر بعین الرضا والاستبصار وان یتلافی تلافه بقدر الامكان او یصفح لیصفح عنه عالم الاسرار والاضمار ولعمری ان السلامةمن السلامة من هذاالخطر لامرالغیر علی البشر ولا غروفان النسیان من خصائص الانسانیة والخطاء والزالل من شعائر الآ دمیة واستغفر الله مستعیذا به من حسد یسد باب الانصاف ویرد عن جمیل الاوصاف الا وان الحسد خسك من تعلق به هلك ویكفی للحاسد ما فی آخر سورة الفلق فی اضطرامه بالقلق لله درالحسد ما اعدله بدا بصاحبه قلقا فقتله وما انا من كید الحسود بآمن ولا جاهل یزری بلا یتدبر۔

هم یحسدوننی وشر الناس كلهم   من عاش فی الناس یوما غیر محسود

اذ لا یسود سید بدون ودود یمدح وحسود یقدح لان من زرع الاحن حصد المحن فاللئیم

يفضح والكريم يصلح.

ترجمہ وہ لوگ جو اس کتاب کا مطالعہ کریں ان سے میری یہ بجا طور پر توقع ہے کہ وہ خوشنودی اور غور و تامل کی نگاہ ڈالیں گے اور بقدر استطاعت اس کے عیب اور نقصان کی تلافی کریں گے یا درگذر سے کام لیں گے تاکہ بھید اور اچھے جذبات کا جاننے والا اس کے ساتھ بھی درگذر کا معاملہ کرے اور اپنی پیاری عمر کی قسم سہو اور غفلت سے سلامتی کے ساتھ گذر جانا ایسی بات ہے جو ایک بشر کے لئے آسان نہیں ہے الا ماشاء اللہ اور (کوئی شبہ نہیں کہ) غلطی عیب بھی نہیں ہے کیوں کہ بھول چوک انسانی فطرت میں مرکوز ہے اور غلطی و لغزش آدمیت کا ثبوت اور شعار ہے رب العالمین سے میں اس غلطی کی معافی کا طالب ہوں جو اس میں واقع ہو گئی ہو اور اس حسد اور ڈاہ سے پناہ چاہتا ہوں جو انصاف کے دروازے کو بند کر دے اور حسد کرنے والے کو اوصاف جمیلہ سے پھیر دے سن رکھو کہ حسد (ڈاہ) ایسا کانٹا ہے کہ جس کو لگا وہ ہلاک ہو گیا حاسد کی مذمت کے لئے سورۂ فلق کی آخری آیت کافی ہے' کیوں کہ وہ حسد کی آگ میں قلق اور افسوس کی وجہ سے جل بھن جاتا ہے اور خدا حسد کا بھلا کرے کہ وہ اپنے برتنے والے کے ساتھ خوب ہی انصاف کرتا ہے اس وجہ سے کہ پہلے پہل حسد کرنے والوں کو ہی ایسا غم دیتا ہے جو اسے قتل کر ڈالتا ہے اور میں حسد کرنے والے کے مکر و فریب سے مطمئن نہیں ہوں اور نہ اس جاہل سے جو دوسروں کو عیب لگائے اور غور و فکر نہ کرے اور اللہ تعالیٰ اس شاعر کا بھلا کرے (جس نے کہا) وہ لوگ میرے ساتھ حسد کا معاملہ کرتے ہیں حالانکہ تمام آدمیوں میں بدترین شخص وہ ہے جو لوگوں میں اس طرح زندگی گذارے کہ اس کا کوئی دن حسد سے نہ خالی ہو کیوں کہ کوئی سردار سرداری سے سرفراز نہیں ہوتا ہے جب تک کوئی دوست اس کی تعریف نہ کرے اور کوئی حسد کرنے والا اسے برا بھلا کہے اس لئے (قاعدہ یہ ہے کہ) کہ جو کینوں کا کھیت بوتا ہے وہ رنج و تعلیف کی کھلیان لگاتا ہے (اور یہ بھی مسلم ہے کہ) کینہ رسوا کرنے کے درپے ہوتا ہے اور شریف اصلاح حال کے۔

تشریح مصنف کا منشاء یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب کا مطالعہ کریں وہ معلومات اور مسائل معلوم کرنے کے لئے پڑھیں اور عقیدت و محبت کی نظر رکھیں، عیب جوئی اور کیڑے نکالنے کی غرض سے مطالعہ نہ کریں، کیوں کہ انسان کا کون سا ایسا کام ہے جس میں کوئی خامی اور نقص نہیں ہے، بھول چوک اور لغزش، لوازم بشریت میں داخل ہے۔

حسد اس کا نام ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمتوں کے زائل ہونے کی تمنا کرے اور یہ کہ وہ اسے مل جائے، یا مطلقاً دوسروں کی بربادی کی آرزو رکھے، اسے حاصل ہو یا نہ ہو، حسد ایک ایسی بیماری ہے جو آدمی کو تباہ و برباد کر ڈالتی ہے حدیث میں ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے اور بسا اوقات یہ حسد کی بیماری آدمی کو کفر کے قریب لا کر ڈال دیتی ہے، اس کے دل میں اور پھر زبان پر یہ اعتراض آتا ہے کہ خدا نے اسکو یہ نعمت کیوں دی اور ہمیں محروم کیوں رکھا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بیماری سے محفوظ رکھے۔

قل اعوذ برب الفلق کا حوالہ اس لئے دیا کہ اس سورت کے اخیر میں حاسد کی طرف شر (برائی) کی نسبت کی گئی ہے

وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

اور یہ تو کھلی بات ہے کہ حسد کرنے والا ہر وقت ایک اضطراب میں مبتلا رہتا ہے کہ فلاں میں خوبیاں کیوں پیدا ہوتی جا رہی ہیں، اسطرح گویا پہلا حملہ حسد کا خود حاسد ہوتا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ حسد اسی کے ساتھ ہوتا ہے جو صاحب اوصاف

جمیلہ ہوا کرتا ہے، باقی جس میں کچھ ہے ہی نہیں، اس پر حسد کرنے کے کیا معنی، اسکو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں، باقی حاسدوں کی طرف سے حسد کا اور جاہل کی جانب سے عیب کا خطرہ ہر آن ہوتا ہے، کوئی ذی شعور ان سے مطمئن نہیں رہتا، غیر محسود کو شر الناس اس لئے کہا گیا ہے کہ حسد اسی پر آتا ہے جس میں کچھ خوبیاں ہوتی ہیں، اور جو ہر خوبی اور اچھائی سے خالی ہو اسکے بد تر ہونے میں کیا شک ہے، باقی جو سردار ہوتا ہے وہ نہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے گمراہ ہوتا ہے اور نہ حاسدوں کی عیب جوئی اور عیب گیری سے، اور کون نہیں جانتا کہ دنیا میں انسان دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کم ظرف کمینے اور دوسرے عالی ظرف شریف، دونوں اپنے اپنے ظرف کے مطابق معاملہ کرتے ہیں۔

لكن يا اخي بعد الوقوف علىٰ حقيقة الحال والاطلاع على ماحرره المتاخرون كصاحب البحر والنهر والفيض والمصنف وجدنا المرحوم وعزمي زاده واخي زاده وسعدى افندى والزيلعي والاكمل والكمال وابن الكمال مع تحقيقات سنح بها باالمال وتلقيتها عن فحول الرجال ويابى الله لعصمة لكتاب غير كتابه والمنصف من اغتفر قليل خطاء المرء في كثير صوابه ومع هذا فمن اتقن كتابي هذا فهو الفقيه الماهرو من ظفر بما فيه فسيقول بملافيه كم ترك الاول للاخر

ترجمہ لیکن اے میرے بھائی! اس کتاب کی غلطیوں کی اصلاح اور خامیوں کی تلافی اس وقت کرنی چاہئے جب حقیقت حال سے واقفیت ہو اور متاخرین فقہاء و علماء نے جو کچھ لکھا ہے اسکی اطلاع ہو (متاخرین علماء سے میری مراد) جیسے صاحب البحر الرائق، صاحب النہر الفائق، صاحب فیض المولی الکریم، صاحب مصنف اور ہمارے دادا مرحوم اور عزمی زادہ، اخی زادہ سعدی آفندی، زیلعی، اکمل، کمال اور ابن الکمال

اسی کے ساتھ وہ میری ان تحقیقات سے بھی باخبر ہو کہ جن میں سے بعض میرے دل کی پیداوار ہے اور بعض میں نے کامل لوگوں سے حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز کے سوا کسی اور کتاب کی عصمت سے انکار کرتا ہے، اور انصاف پسند دراصل وہ شخص ہے جو آدمی کی تھوڑی بہت غلطی کو اسکی زیادہ درستی میں چھپا ڈالے اور باایں ہمہ عدم عصمت جو شخص میری اس کتاب کو پورے طور پر سمجھ لیگا وہ ماہر فقیہ قرار پائے گا۔ اور جو اس کتاب کے مسائل پر دسترس حاصل کرے گا تو وہ منہ بھر کہے گا کم ترک الاول للاخر یعنی بہت سے کام کی باتیں ہیں جن کو پہلے پچھلوں کے لئے چھوڑ گئے۔

ومن حصله فقد حصل له الحظ الوافر لانه البحر لكن بلاساحل ووابل القطر غير انه متواصل بحسن عبارات ورمزاشارات وتنقيح معاني وتحرير مباني وليس الخبو كالعيان وستقربه بعد التامل العينان فخذما نظرت من حسن روضة الاسمىٰ. ودع ماسمعت عن حسن سلمى۔

خذما نظرت ودع شيئاً سمعت به　　في طلعة الشمس ما يغنيك عن زحل

اور جس نے اس کتاب کو حاصل کیا بلا شبہ اس نے بڑا حصہ پالیا، اس لئے کہ وہ ایک ایسا سمندر ہے جسکا کوئی کنارا نہیں اور

ایسی موسلادھار بارش ہے جو لگاتار برس رہی ہے اور میری یہ کتاب شائستہ عبارت، پوشیدہ اشارات، واضح معنی اور آراستہ الفاظ سے مزین ہے، اور خبر دیکھنے کے برابر نہیں ہے اور عنقریب اس کتاب میں غور و فکر کے بعد دونوں آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، لہذا تم نے جس عالی قدر باغ کا حسن دیکھا ہے اسے قبول کرو اور لو، اور سلمی کے حسن کی جو تعریف تم نے سنی ہے اسکو چھوڑو، لواسے جسے تم نے دیکھا اور چھوڑ دو اسے جو تم نے سنا، آفتاب کے طلوع ہونے میں وہ نور ہے جو زحل ستارہ کی روشنی سے تم کو بے نیاز کرتا ہے۔

تشریح البحرالرائق جو کہ الدقائق کی شرح ہے فقہ و فتاویٰ میں ایک عمدہ اور معتبر کتاب ہے زین ابن نجیم مصری اسکے مصنف ہیں اور النہرالفائق بھی کنزالدقائق کی ہی شرح ہے اور اسکے مصنف البحرالرائق کے چھوٹے بھائی عمر بن نجیم مصری ہیں جنھوں نے اپنے بڑے بھائی زین بن نجیم مصری سے فقہ حاصل کی، لیکن بایں ہمہ انھوں نے اپنے بھائی اور استاذ پر اپنی شرح میں جگہ جگہ تنقید بھی کی ہے۔ فیض کے مصنف ابراہیم بن عبدالرحمٰن الکرکی (م ۹۲۲ھ) ہیں جو قاہرہ کے رہنے والے تھے سخاویؒ نے "الضوء اللامع" میں انکے حالات درج کیے ہیں، صاحب در مختار کے دادا غالباًو قایہ کے شارح ہیں۔ عزمی زادہ مشہور عالم ہیں اور یہ "الدرروالغرر" کے محشی ہیں، اخی زادہ بھی ایک مشہور مصنف ہیں انھوں نے ہدایہ کی بھی شرح لکھی تھی، اور بہت سی کتابوں پر آپ نے حاشیہ اور تعلیق لکھی ہے، یہی حال دوسرے علماء کا ہے ان میں اکمل اور کمال اپنی شرح ہدایہ کی وجہ سے کافی مشہور بھی ہیں اور مقبول بھی اکمل کی شرح ہدایہ کا نام "عنایہ" ہے جو ہدایہ کی مصری شروح اربعہ کے ساتھ چھپی ہوئی ہے اور کمال ابن الہمام صاحب فتح القدیر ہیں، جو ہدایہ کی سب سے فائق اور مستند و مقبول اور ساتھ ہی مبسوط شرح ہے۔

اور ابن الکمال سے یہاں احمد بن سلیمان بن کمال پاشا مراد ہیں جو ایک جید مصنف کا درجہ رکھتے ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں انھوں نے بھی ہدایہ کی شرح لکھی تھی مگر وہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی، ہر فن میں ان کی تصنیف پائی جاتی ہے مصنف کا یہ فرمانا کہ میں نے جو کچھ خود اہل کمال کی کتابوں سے اخذ کیا ہے اسے بھی پیش نظر رکھا جائے، درست لکھا ہے واقعہ ہے کہ بہت سارے نظائر و مسائل آپ نے جمع کرنے کی سعی کی ہے جو یقیناً قابلِ داد ہونے کے ساتھ بغور مطالعہ کرنے کی چیز ہے۔

در مختار کے متعلق مصنف نے جو لکھا ہے وہ ایک حقیقت ہے، آج بھی اگر کوئی سمجھ کر اسے پڑھ لے اور مستحضر رکھے تو فقہ میں اسکو ایک خاص بصیرت حاصل ہو جائیگی، اور اسکے مطالعہ کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ متاخرین نے فقہ کی بڑی جان دار خدمت کی ہے، متقدمین کے اقوال کی وضاحت کر کے انھوں نے عوام پر احسان عظیم کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب اور اسکے حواشی و شروح کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا کر رکھی ہے۔

اور خود یہ لکھ کر کہ لیس الخبر کالعیان الخ اشارہ کیا ہے کہ میں نے اپنی کتاب کے متعلق جو کچھ تمہید میں لکھا ہے ایک خبر ہے اور خبر میں دونوں پہلو کا احتمال ہوتا ہے صدق کا بھی اور کذب کا بھی، مگر پڑھنے کے بعد آپ حضرات کو میں نے جو کچھ کہا ہے اسکا مشاہدہ ہو جائیگا۔

زحل ایک کم روشنی والا ستارہ ہے اور سب سے دور بھی ہے یعنی ساتویں آسمان پر ہے۔

هذا وقد ضحت اعراض المصنفين اغراض سهام السنة الحساد ونفائس تصانيفهم

معرضة بايديهم تنتهب فوائدها ثم ترميها بالكساد اخا العلم لا تعجل بعيب مصنف ولم يتيقن زلة منه تعرف۔

فكم افسدالرادى كلاماً بعقله وكم حرف الاقوال قوم وصحفوا
وكم ناسخ اضحى المعنى مغيراً وجاء بشئ لم يرده المصنف

ترجمہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اسے قبول کریں (اور حاسدوں کی بات پر نہ جائیں) کیوں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مصنفوں کی آبروئیں حسد کرنے والوں کی زبانوں کے تیروں کا نشانہ ہوتی ہیں اور ان مصنفین کی عمدہ تصنیفیں حاسدوں کے ہاتھ میں جب آتی ہیں تو وہ انکے فوائد کو بے دریغ لوٹ لیتے ہیں، پھر انکو کھوٹا دکھا کر پھینک دیتے ہیں، اے اہل علم اور علم دوست کسی مصنف کی عیب جوئی میں عجلت سے کام نہ لے کیوں کہ تم کو اسکی کسی ایسی لغزش کا پتہ نہیں ہے جو جانی پہچانی جاتی ہو، چنانچہ ایسا بہت ہوا کہ روایت کرنے والے نے اپنی ناقص عقل کی وجہ سے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے اور بہتیرے ایسے اقوال ہیں جن کو ایک قوم نے محرف کر ڈالا ہے اور ردوبدل کر دیا ہے اور بہت سے کاتب ہیں جنھوں نے معنی کو بدل ڈالا اور وہ چیز لے آئے جس کا مصنف نے ارادہ تک نہیں کیا۔

تشریح تحریف کے معنی ہیں ردوبدل کرنا خواہ یہ تبدیلی ایک لفظ کی دوسرے لفظ سے ہو، یا ایک حرف کی دوسرے حرف سے، اور کبھی تحریف، تاویل کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی جو مراد نہ ہو وہ مراد لینا، اور تصحیف کہتے لکھنے میں غلطی کرنا کہ کچھ کا کچھ لکھ دے، منشاء یہ ہے کہ جب غلطی کتابوں میں راوی اور کاتب کے رستے سے بھی آتی ہے تو بلا تحقیق اور غور وفکر بیچارے مصنف کو نشانہ بنانا ہرگز دانشمندی نہیں ہے اور عالم کا فرض ہے کہ عیب گوئی میں عجلت نہ کیا کریں، پتہ نہیں کہ غلطی کہاں پیدا ہوئی اور کس سے ہوئی خواہ مخواہ مؤلف پر برسنا انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے

وماكان قصدى من لهذا ان يدرج ذكرى بن المحررين من المصنفين والمؤلفين بل القصد رياض القريحة وحفظ الفروع الصحيحة مع رجاء الغفران ودعاء الاخوان وما على من اعراض الحاسدين عند حياتي فيستلقونه بالقبول انشاء الله تعالیٰ بعد وفاتي كما قيل۔

ترى الفتى ينكر فضل الفتى لوما وخبثا فاذا ماذهب
لج به الحرص على نكتة يكتبها عنه بماء الذهب

ترجمہ میرا قصد اس تالیف سے یہ نہیں ہے کہ میرا تذکرہ لکھنے والوں میں ہو کہ میں مصنفین اور مؤلفین کی جماعت میں سے ہوں بلکہ میری غرض اس سے یہ ہے کہ دست طبع مشق ہو اور یہ کہ فروع صحیح محفوظ ہو جائیں، ساتھ ہی توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بخشش واکرام کی اور مخلصوں سے دعا کی۔

حاسدین اگر میری زندگی میں اس کتاب سے روگردانی کرتے ہیں تو اسکی مجھے کوئی تکلیف نہیں، کیونکہ خدا نے چاہا تو وہ میرے مرنے کے بعد عنقریب میری اس کتاب کو قبول کرلیں گے، چنانچہ کسی شاعر نے کہا کہ

کہ تو ایک جوان کو دیکھتا ہے کہ وہ ایک دوسرے جوان کے فضل و کمال کا انکار کرتا ہے اپنی کم ظرفی و خباثت نفس کی وجہ سے مگر جب وہ (باکمال) گذر جاتا ہے یعنی چل بستا ہے تو پھر اسکو لالچ کسی پر باریک مسئلہ پر بے قرار کرتی ہے اور وہ اس کامل محسود کے کلام کو سونے کے پانی سے لکھتا ہے،

تشریح منشا یہ کہ انسانی مزاج یہ ہے کہ ایک انسان اپنی کم ظرفی اور خباثت کی وجہ سے دوسرے باکمال انسان کی اس زندگی میں قدر نہیں کرتا مگر جب وہ موت کی آغوش میں سو جاتا ہے اور اسکا کمال اور جوہر یاد آتا ہے تو بے چین ہو جاتا ہے اور اسکی ایک ایک چیز کی قدر و قیمت پہچانتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اسکا کوئی علمی ذخیرہ برباد نہ ہونے پائے لیکن سوچئے اس قدر افزائی پر ماتم نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے "قدر نعمت بعد از زوال" مشہور مقولہ ہے

فهناك مؤلفا ومهذبا لمهى هذا الفن الدقائق اتسعملت الفكر .فيها اذاما الليل جن متحريا ارجح الاقوال وارجز العبارة متعمدا فى دفع الايراد الطف الاشارة فربما خالفت فى حكم اودليل فحسبه من لااطلاع له ولافهم عدولاً عن السبيل وربما غيرت تبعاً لماشرح عليه المصنفُ كلمة ارحرفا وماورى ان ذلك لنكتة تدق عن نظره وتخفى وقد انشدنى شيخى الحبر السامى والبحر الطامى اوحدزمانه وحسن اوانه شيخ الاسلام الشيخ خير الدين الوملى اطال الله تعالىٰ بقائه

قل لمن لم ير المعاصر شيئاً ويرى للاوائل التقديما
ان ذلك القديم كا حديثاً وسيبقى هذا الحديث قديما

ترجمہ پس اے مخاطب، مؤلف کی درخواست قبول کرو جو اس فن کے مہتمم بالشان مسائل آراستہ کرنے والا اور اسکی باریکیوں کو ظاہر کرنے والا ہے، میں نے اس میں اس وقت فکر و نظر سے کام لیا جب رات نے تمام چیزوں کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا، اس حال میں کہ میں راجح اقوال کو تلاش اور مختصر عبارت کی جستجو میں سرگرداں تھا، ارادہ یہ تھا کہ اعتراض بہت لطیف انداز میں دور ہو جائے، چنانچہ ایسا بہت ہوا ہے کہ مجھے بعض حکم اور دلیل میں مخالفت کا اظہار کرنا پڑا لہذا وہ لوگ جن کو نہ اطلاع ہے اور نہ سمجھ، انھوں نے یہ خیال کیا کہ میں نے راستہ سے اعراض کیا ہے اور بسا اوقات میں نے مصنف (تنویر الابصار) کے مسئلہ کی جو شرح بیان کی ہے اس شرح میں کسی کلمہ یا حرف کو بدل دیا ہے اور حال یہ ہے کہ اعتراض کرنے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ تبدیلی کسی ایسے باریک نکتہ کی وجہ سے عمل میں لائی پڑی ہے جو اس کی نگاہ سے پوشیدہ ہے

میرے استاذ شیخ الاسلام خیر الدین رملی نے مجھے کچھ اشعار سنائے جو اپنے وقت کے علامہ "عالی مرتبہ" یکتائے زمانہ بحر مواج اور مشہور فاضل ہیں اللہ تعالیٰ انکی عمر دراز کرے ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ تم اس شخص سے کہو جو اپنے ہم عصر کو کچھ نہیں سمجھتا اور اگلوں کو پچھلوں پر مقدم سمجھتا ہے کہ یقیناً وہ پرانا بھی کبھی نیا تھا اور عنقریب یہ نیا بھی پرانا ہوگا

تشریح منشاء یہ ہے کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے میں پوری تحقیق سے کام لیا ہے اور اس سلسلہ میں بہت ساری تکلیفیں جھیلی ہیں، جب لوگ رات میں نیند کے مزے لوٹتے ہوتے تو میں کتب بینی اور مسائل کی تحقیق میں سر کرداں

ہونا اسی کے ساتھ میں نے اسکا اہتمام کیا ہے کہ عبارت مختصر ہو مگر تمام پہلو پر حاوی، پھر قول وہ نقل کیا جائے جو فقہاء کے یہاں راجح ہو، مصنف تنویر الابصار کی عبارت میں کہیں کہیں جو تبدیلی کرنی پڑی ہے وہ بلاوجہ نہیں ہے بلکہ اس کے بڑے فائدے ہیں اور اہل علم اسے خود محسوس کریں گے

فتاویٰ خیریہ کے مصنف خیر الدین رملی جو صاحب در مختار کے استاذ ہیں ان کے اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ معاصر کتنا ہی بڑا فاضل ہو مگر زمانہ والوں کی نظروں میں نہیں جچتا، مگر مدت گذر جانے کے بعد پھر وہی لوگوں کی نظر میں مقتدی اور مدار تحقیق قرار پاتا ہے چنانچہ غور کیجئے کہ صاحب در مختار کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے زمانہ میں وہ حاسدوں کے نرغے میں تھے مگر آج در مختار کو کیسی مقبولیت حاصل ہے دنیا جانتی ہے کہ "در مختار" اہلِ علم میں فقہ کی کتابوں میں ایک ممتاز کتاب سمجھی جاتی ہے اور اسکے مصنف علماء کبار میں شمار ہوتے ہیں۔

علی ان المقصود والمراد ما انشدنی شیخی وبرکتی وولیّ نعمتی راس المحققین والنقاد محمد اٰفندی المحاسنی وقد اجاد۔

لکل بنی الدنیا مرادٌ ومقصدٌ وان مرادی صحةٌ وفراغ

لابلغ فی علم الشریعة مبلغاً یکون به لی فی الجنان بلاغ

ففی مثل هذا فلینا فس اولو النهی وحسبی من الدنیا الغروز بلاغ

فما الفوز الافی نعیم موبد به العیش رغدوالشراب یساغ

ترجمہ علاوہ ازیں میرا مقصد اور منشاء وہ ہے جو میرے استاذ میرے لئے سراپا برکت، ولی نعمت، راس المحققین والنقاد محمد آفندی محاسنی نے اپنے اشعار میں پڑھ کر مجھے سنایا ہے (وہ یہ ہے کہ ہر ایک اہلِ دنیا کی کچھ مراد اور اسکا کچھ مقصد ہوتا ہے اور بلاشبہ میرا مقصد صحت اور فارغ البالی ہے تاکہ میں علم شریعت میں اس درجہ تک پہنچ جاؤں جو میرے لئے بہشتوں میں پہنچنے کا سبب قرار پائے، پس عاقلوں کو چاہئے کہ وہ اسکی تمنا کریں اور دغاباز دنیا سے مجھے بقدر کفایت کافی ہے، لہذا کامیابی نہیں ہے مگر اس نعمت میں جو دائمی ہے جس کی وجہ سے خوشگوار زندگی اور عمدہ لذیز شراب حاصل ہوتی ہے

تشریح محمد آفندی محاسنی (م ۱۰۱۲ھ) جامع دمشق کے خطیب، جید الاستعداد عالم دین تھے اور صاحب در مختار کے اساتذہ میں تھے، انکے اشعار لا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ مجھے خدا کی خوشنودی چاہئے، اس کتاب سے میرا مقصد دنیا طلبی نہیں ہے، دنیا سے بقدر کفایت جو حاصل ہے کافی ہے، فکر کے لائق آخرت ہے جس کی مسرت دائمی ہے اور جس کی لذت پائیدار، اللہ تعالیٰ مجھے یہ دولت نصیب فرمائے۔

مصنف نے حمد وثنا کے بعد اپنی کاوش ومحنت اور کتاب میں جن چیزوں کی رعایت کی ہے تفصیل سے بیان فرمائی تاکہ پڑھنے والے محسوس کرلیں کہ ایک مصنف کو کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے اور کن مرحلوں سے گذرنے کے بعد کتاب مرتب ہوتی ہے، بالخصوص زیر نظر کتاب "در مختار" کس پایہ کی کتاب ہے اب مصنف مقدمہ شروع کررہے ہیں جس میں فقہ سے متعلق ضروری امور کی نشان دہی کریں گے تاکہ پڑھنے والا بصیرت کے ساتھ آگے بڑھے۔

مقدمہ

حق علی من حاول علماان یتصور بحده اور سمه ویعرف موضوعه وغایة واستمداده

ترجمہ ہر وہ شخص جو کسی علم کا ارادہ کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اس علم کی حد یا رسم کا تصور کرے اور اس علم کے موضوع استمداد اور اسکی غرض وغایت جانے۔

تشریح قاعدہ ہے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے مصنف ان باتوں پر پہلے روشنی ڈالتے ہیں جن کا کتاب شروع کرنے سے پہلے ناظرین کا جاننا ضروری ہے، عام طور پر مقدمہ میں علم کی تعریف اسکا موضوع، اسکی غرض وغایت، علم کا نام، فضیلت، اسکے واضع اور اسکا حکم وغیرہ بیان ہوتا ہے، مقدمہ العلم کہتے ہی ہیں ان چیزوں کا جاننا جن پر کتاب کا شروع کرنا موقوف ہوتا ہے حد اور رسم دونوں کا منشا تعریف ہے حد اس تعریف کو کہتے ہیں جس میں ذاتیات مذکور ہوں۔ اور رسم وہ تعریف ہے جس میں عرض لازم کا بیان ہو، مثلاً انسان کی تعریف اگر حیوان ناطق سے کی جائے تو یہ حد کہلائے گی۔ اور اگر اضاحک (ہنسنے والا) اور کاتب (لکھنے والا) سے کی جائے تو اسکا نام رسم ہے نطق ماہیت میں داخل ہے مگر ضحک اور کتابت ماہیت میں داخل نہیں مگر ماہیت کے ساتھ رہنے والی چیز ہے۔

علم فقہ کو موجودہ صورت میں وضع کرنے والے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور جس علم میں در مختار ہے اس علم کا نام فقہ ہے اور حکم اسکا یہ ہے کہ بقدر ضرورت اسکا جاننا واجب ہے اور فقہ کی بڑی فضیلت ہے اس لئے عام طور پر حرام وحلال اور جائز وناجائز، فرض، واجب، سنت، اور مستحب ومباح وغیرہ سب اسی علم سے معلوم ہوتے ہیں علم تصوف سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے اور علم فقہ سے ظاہر کی۔

والقفه لغة العلم بالشئ ثم خص بعلم الشريعة وفقه بالكسر فقها علم وفقه بالضم محفقاهة صارفقيها واصطلاحا عند الاصوليين العلم بالاحكام اشريعة الفروعية المكتسب من ادلتها التفصيلية وعند الفقهاء حفظ الفروع واقله ثلثه مسائل و عند اهل الحقيقة الجمع بن العلم والعمل لقول الحسن البصرى نما الفقيه المعرض عن الدنيا الزاهد فى الأخرة البصير بعيوب نفسه

ترجمہ فقہ لغت میں شئ کے جاننے کو کہتے ہیں پھر یہ علم شریعت کے ساتھ مخصوص ہو گیا اور فقہ باب عَلِم سے آتا ہے جسکے معنی ہیں دریافت کیا جانا، اسکا مقصد فقہ ہے بکسر فاو سکون قاف اور باب کرم سے فَقُہَ آتا ہے اس کا مقصد فقاہت ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب آدمی فقیہ ہو جائے اور علماء اصول فقہ کے نزدیک فقہ نام ہے ان احکام شرعیہ فرعیہ کا جاننا جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہوئے ہوں اور فقیہوں کے نزدیک فقہ فروع (جزئی مسائل) کے یاد رکھنے کا نام ہے جن کا کم سے کم تعداد

تین مسائل ہیں اور اہل حقیقت یعنی صوفیاء کے نزدیک فقہ علم و عمل کے جمع کرنے کا نام ہے اس لئے کہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فقیہ بس وہ ہے جو دنیا سے اعراض کرنے والا ہو، آخرت میں رغبت رکھتا ہو اور اپنے عیوب سے باخبر ہو

تشریح صاحب در مختار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فقہ دو باب سے آتا ہے ایک علم یعنی سمع سے اور دوسرا کرم سے پہلے کا مصدر فقہ فا کے زیر اور قاف کے سکون کے ساتھ آتا ہے دوسرے کا مصدر فقاہۃ آتا ہے سمع سے اگر آئے تو اسکا معنی ہوتا ہے جاننا، معلوم کرنا اور کرم سے آئے تو اسکے معنی ہے فقیہ ہونا، لغوی معنی پہلے باب سے اور اصطلاحی معنی دوسرے باب سے احکام ایک اصلی ہیں جن کا تعلق عقائد سے ہوتا ہے اور دوسرے فرعی ہیں جنکا تعلق عمل سے ہوتا ہے۔ شرعی کی قید لاکر مصنف در مختار نے یہ بتایا کہ احکام عقلی، حسی اور اصطلاحی اس تعریف میں داخل نہیں ہیں احکام عقلی کی مثال عالم حادث ہے، حسی کی مثال آگ جلانے والی ہے، اور اصطلاحی جیسے فاعل مرفوع ہے۔

فقہ کے دلائل تفصیلی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس ہیں انہی چار سے احکام فرعی مستنبط ہوتے ہیں، یہ استنباط و استخراج، مجتہد کا کام ہے یا جو اس درجہ کو پہونچا ہوا ہو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اصولیین کے نزدیک فقیہ صرف مجتہد یا جو اس درجہ اجتہاد کو پہونچا ہوا ہو وہی ہو سکتا ہے مقلدّ نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ دلائل سے استدلال اس کے لئے ضروری نہیں ہے باقی اس مقلدّ کو جو مجتہد کہا جاتا ہے جو مسائل کا حافظ یا ان پر حاوی ہو یہ بطور مجاز ہے۔

البتہ فقہاء کی تعریف کی بنیاد پر "فقیہ" مجتہد غیر مجتہد دونوں ہو سکتے ہیں چنانچہ کتاب الوصیت میں یہ مسئلہ آئیگا کہ اگر کسی نے اپنے تہائی مال کی فقیہوں کے لئے وصیت کی تو یہ مال ان لوگوں کو ملے گا جو مسائل شرعیہ میں گہری نظر رکھتے ہوں اگرچہ وہ تین ہی مسئلے دلائل کے ساتھ جانتے ہوں، چنانچہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر کسی نے ہزاروں مسئلے رٹ لئے ہوں مگر وہ نظر دقیق نہیں رکھتا ہے تو وہ وصیت میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ فقیہ کہے جانے کا مستحق نہیں ہے۔

اہل حقیقت سے مراد وہ علماء ہیں جن کو احسان کی کیفیت حاصل ہوا کرتی ہے حقیقت و شریعت ایک ہے اور جو ان دونوں کا جامع ہو اصطلاح میں وہی اہل حقیقت ہے واقعہ یہ ہے کہ حقیقت شریعت کا مغز ہے چنانچہ یہ مشہور ہے کہ عارف باللہ کی عبادت کا منشا نہ جنت کی طمع ہے نہ دوزخ کا خوف بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے بہشت کی طلب اس لئے ہوتی ہے کہ پروردگار عالم کا دیدار حاصل ہو اور دوزخ سے پناہ کا مطلب ہوتا ہے خدا کے غضب سے بچنا

وموضوعه فعل المكلف ثبوتا اوسلبا واستمداده من الكتاب والسنة والاجماع والقياس

ترجمہ اور فقہ کا موضوع مکلّف یعنی عاقل بالغ کا فعل ہے خواہ بطور ثبوت یا سلب کے طور پر اور اس کا کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اجماع امت اور قیاس سے مدد چاہنا۔

تشریح موضوع ہر علم کا وہ ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جائے جیسے علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے طب کا موضوع بدنِ انسانی ہے اور فقہ کا موضوع عاقل بالغ کا فعل ہے اور فقہاء اسی سے بحث کرتے ہیں یعنی وہ بتاتے ہیں کہ عاقل بالغ پر کون فعل فرض ہے کیا واجب ہے کیا مستحب ہے اور انکے لئے کیا چیزیں مباح ہیں اسی طرح کون سے کام صحیح اور درست ہیں یہ تو ثبوت کے طور پر ہوئے اور سلب کے طور پر یہ کہ کون فعل نادرست ہے کون سا حرام ہے اور کون سا مکروہ۔

اس سے یہ خود بخود معلوم ہو گیا کہ نابالغ، پاگل اور مخبوط الحواس کا فعل علم فقہ کا موضوع نہیں ہے باقی بچہ اور پاگل پر اگر کسی ضائع شدہ چیز کا ضمان آتا ہے یا ان کی بیویوں کا ان پر نان نفقہ ضروری ہوتا ہے تو ان کی ادائیگی کے مخاطب فقہ میں ان کے ولی ہیں خود یہ نہیں، لہٰذا ان سے متعلق جو مسائل ہیں وہ بیان تو کر دیئے جاتے ہیں تاکہ ولی ان مسائل پر ان کے سلسلہ میں عمل کریں جیسے جانوروں سے اگر کوئی چیز کا نقصان ہو جائے تو ان کے ضمان کے مخاطب ان کے مالک ہوتے ہیں، باقی باایں ہمہ بچوں کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے مگر نماز پڑھانے کی ذمہ داری ولی پر ڈالی جاتی ہے تاکہ یہ ابتداء عمر سے ہی فرائض کے عادی بن جائیں آگے چل کر یہ ان کے لئے بوجھ محسوس نہ ہو۔

استمداد کا مطلب یہ ہے کہ فقہ کے مآخذ چار ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) اور قیاس۔ واضح رہے کہ پہلی شریعتیں جو منسوخ نہیں ہیں وہ کتاب میں داخل ہیں اور اقوال صحابہ سنت ہیں، اور لوگوں کا تعامل اجماع ہے اور تحری (یعنی غور وفکر کے بعد اندازو تخمین) اور استواب حال (یعنی حالت سابق کو پیش نظر رکھ کر موجودہ حالت پر وہی حکم لگانا) قیاس ہے۔

قیاس کے لفظ سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ ہر قیاس مراد ہے بلکہ وہ قیاس مراد ہے جو کتاب و سنت اور اجماع سے مستنبط ہو کتاب اللہ سے مستنبط قیاس کی مثال جیسے حالت حیض میں وطی کرنا حرام ہونا قرآن کی آیت **قل هو اذى فاعتزلوا النساء فى المحيض** سے ثابت ہے، اس پر لواطت کی حرمت کو قیاس کرنا کہ حالت حیض میں وطی کرنا حرام ہونے کی علت قرآن سے "گندگی" بتائی ہے یہی گندگی چونکہ لواطت میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہے، سنت سے مستنبط قیاس کی مثال ایک سیر چنے، دو سیر چنے کے بدلے لینا کہ یہ بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح ایک سیر گیہوں کا دو سیر گیہوں کے بدلے میں، جو حدیث **الحنطة بالحنطة مثلا بمثل يدا بيد والفضل ربوا** سے ثابت ہے علی ہذا القیاس۔

وغاية الفوز بسعادة الدارين واما فضله فكثير شهير ومنه ما فى الخلاصة وغيرها النظر فى كتب اصحابنا من غير سماع افضل من قيام الليل وتعلم الفقه افضل من تعلم مافى القرآن وجميع الفقه لا بد منه.

ترجمہ اور فقہ کی غرض و غایت دو جہاں کی نیکیوں میں کامیابی حاصل کرنا ہے اور باقی رہی فقہ کی فضیلت تو وہ بہت مشہور ہے اور اس کی فضیلت میں سے وہ قول ہے جو خلاصہ وغیرہ کتابوں میں ہے کہ ہمارے اصحاب فقہ کی کتابوں کا مطالعہ گو استاذ سے نہ سنا ہو، تہجد کی نماز سے افضل ہے اور فقہ کا سیکھنا باقی قرآن کے سیکھنے سے افضل ہے اور فقہ تمام کا تمام ضروری ہے جس سے کوئی چارہ کار نہیں۔

تشریح فقہ کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی جہالت کی پستی سے نکل کر علم کی بلندی پر آجاتا ہے، اور صحیح عمل بغیر صحیح علم کے مشکل ہے جو آدمی کو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔

رہی فضیلت تو اس کے لئے کتب حدیث میں کتاب العلم کے تحت جو حدیثیں جمع کی گئی ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تمہارے ادنیٰ شخص پر، اسی طرح ارشاد نبوی ہے کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ اور اس طرح کی دوسری بہت سی حدیثیں ہیں جسے آپ مشکوٰۃ کتاب العلم

میں دیکھ سکتے ہیں۔

فقہی کتابوں میں جو مسائل بیان کئے گئے ہیں ان سے بھی فقہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے جیسے یہی جزئیہ کہ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ رات بھر نوافل پڑھنے سے بہتر ہے، اسی طرح یہ مسئلہ کہ فقہ کا ضرورت سے زیادہ سیکھنا تاکہ دوسروں کو نفع پہنچائے اور مسائل بتائے باقی قرآن پاک کے سیکھنے سے افضل ہے کیونکہ یہ فقہ کی تعلیم فرض کفایہ ہے اور زائد از ضرورت قرآن کی تعلیم سنت۔

پھر یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ فقہ کل کا کل ایسا ہے جس سے انسان کو چارہ کار نہیں مسائل پاکی، نماز روزہ نکاح، طلاق تو تقریباً سبھوں پر ہی فرض ہے اور اگر مالدار ہے تو اس کے لئے مسائل زکوۃ حج وغیرہ بھی ضروری ہیں۔

وفی المتقة وغیرہ عن محمد لا ینبغی للرجل ان یعرف بالشعر والنحو لان آخر امرہ الی المسئلة وتعلیم الصبیان ولا بالحساب لان آخر امرہ الی مساحة الارضین ولا بالتفسیر لان آخر امرہ الی التذکیر والقصص بل یکون علمه فی الحلال والحرام ومالا بد منه من الاحکام. کما قیل

اذا ما اعتزذو علم بعلم فعلم الفقه اولی باعتزاز
فکم طیب یفوح ولا کمسك وکم طیر یطیر ولا کبازی

وقد مدحه الله تعالیٰ بتسمیتهخیراً ومن یوتی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا وقد فسر الحکمة زمرة ار باب التفسیر لعلم الفروع الذی هو علم الفقه ومن هنا قیل۔

وخیر علوم علم فقه لانه یکون الی کل المعلوم توسیلا
فان فقیها واحد امتورعا علی الف ذی زهد تفضل وعتلی

هما ماخوذ ان مما قیل للامام محمدؒ الفقیه

نفقه فان الفقه افضل قائد الی البر و التقوی واعدل قاصد
وکن مستفیدا کل یوم زیادة من الفقه واسبح فی بحور الفوائد
فان فقیها واحد امتورعا اشد علی الشیطان من الف عابد

ترجمہ ملتقط وغیرہ کتابوں میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آدمی کے لئے شعر گوئی اور نحو دانی میں شہرت حاصل کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ ان کا انجام گداگری اور بچوں کی تعلیم پر لگتا ہے حساب دانی میں شہرت بھی مناسب نہیں کہ اس کا نتیجہ زمین کی پیمائش ہے اور نہ تفسیر میں شہرت مناسب ہے اس لئے کہ اس کا انجام وعظ گوئی اور قصہ کہانی بیان کرنا ہے بلکہ اس کے لائق یہ ہے کہ حرام وحلال اور ان چیزوں کا علم حاصل کرے جن سے کسی حال میں چھٹکارا نہیں، چنانچہ شعر ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ صاحب علم جب کسی علم میں فخر وناز کرے تو ان میں فقہ کا علم اولی ہے، چنانچہ بہت سی

خوشبوئیں مہکتی ہیں مگر مشک کی طرح نہیں اور بہت سی چڑیاں اڑتی ہیں مگر باز کی پرواز اسے نصیب نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ نے فقہ کے لئے لفظ "خیر" لاکر اس کی مدد وستائش فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا یعنی جس کو حکمت سے نوازا گیا اس کو بھرپور خیر سے نوازا گیا۔ اس آیت میں مفسرین کی ایک جماعت نے "حکمت" کی تفسیر فقہی جزئیات سے کی ہے، یہیں کسی نے کہا ہے شعر (ترجمہ یہ ہے) تمام علموں میں بہتر علم فقہ ہے کیونکہ یہ تمام مراتب عالیہ کے لئے وسیلہ ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ ایک پاکباز فقیہ ہزار زاہدوں سے (جو علم فقہ سے آشنا نہیں) بڑھا ہوا اور اونچا ہوتا ہے۔

یہ دونوں اشعار جو نقل کئے گئے ان اشعار سے ماخوذ ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں (انہی میں سے یہ ہے) کہ فقہ کا علم حاصل کر، اس لئے کہ علم فقہ افضل ہے اور نیکی و تقویٰ کی طرف کھینچ کر لانے والا ہے، اور سب سے معتدل قاصد ہے اور ہر دن علم فقہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہو اور فائدوں کے سمندر میں تیرا کرو۔ اس واسطے کہ ایک متقی و پرہیزگار فقیہ شیطان پر ہزار عابد (غیر فقیہ) سے زیادہ سخت ہے۔

تشریح شعر گوئی کا انجام گداگری اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ شعراء عموماً طلب دنیا میں کسی کی تعریف کسی کی ہجو کیا کرتے ہیں پھر مبالغہ میں جھوٹ کی سرحد کے بھی آگے چلے جاتے ہیں اور مشہور ہے کہ جھوٹ روزی کو گھٹاتا ہے فقہ کی مدح میں صاحب در مختار نے مختلف اہل علم کے اشعار بھی پیش کئے ہیں جن میں بعض حدیث کا ترجمہ جیسا کہ ابھی حدیث گذر چکی۔

ومن کلام علی رضی الله عنه۔

ماالفضل الا لا صل العلم انهم — علی الهدی لمن استهدی ادلاء

ووزن کل امرء ما کان یحسنه — والجاهلون لا هل العلم اعداء

ففز بعلم ولا تجهل به ابدا — الناس موتی واهل العلم احیاء

وقد قیل العلم سیلة الی کل فضیلة العلم یرفع المملوك الی مجالس الملوك لولا العلماء لهلك الامراء كذا فی الطحطاوی ملتقطا وانما العلم لا ربابه ولا یة لیس لها عزل ان الامیر هو الذی یضحی امیرا عند عزله فان زال سلطان الولایة کان فی سلطان فضله.

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا (شعر کا ترجمہ یہ ہے) بڑائی صرف اہل علم کے لئے زیبا ہے کیونکہ وہ خود ہدایت پر ہوتے ہیں اور دوسرے ہدایت چاہنے والوں کے رہنما ہوتے ہیں، ہر شخص کی خوبی اور قدر و منزلت اس کی ان خوبیوں کے انداز سے ہوتی ہے جو ان میں ہوتی ہے اور جو جاہل ہیں وہ اہل علم کے دشمن ہیں، لہذا علم حاصل کر کے کامیابی سے ہم کنار ہو، اور کبھی جہالت میں مبتلاء نہ رہ، تمام لوگ مردے ہیں البتہ ان میں جو اہل علم ہیں وہ زندہ ہیں۔

کہا گیا ہے کہ علم ہر بزرگی اور کمال کا ذریعہ ہے، علم غلام کو ایسا بلند کرتا ہے کہ وہ بادشاہوں کی مجلسوں تک پہونچتا ہے اگر اہل علم علماء نہ ہوتے تو امراء ہلاک ہو جاتے، اور ذرہ برابر شبہ نہیں کہ علم اہل علم کے لئے ایک ایسا منصب دائمی ہے جس کو زوال نہیں ہے یقیناً اصلی امیر وہ ہے جو اپنے معزول ہونے تک امیر بنا رہے، عہدہ کی قوت اور اس کا شکوہ اگر زائل ہو جائے تو وہ

اپنے فضل وکمال کے منصب پر علی حالہ فائز ہے۔

تشریح جن لوگوں میں جس قدر خوبیاں ہوتی ہیں، ان کی قدر ومنزلت اسی درجہ کی ہوتی ہے منشاء یہ ہے کہ علم میں جس قدر کوئی محنت اور جدوجہد سے کمال حاصل کریگا وہ اتنا ہی اونچا جائے گا، آج چونکہ لوگ علم میں محنت نہیں کرتے اور کسی فن میں مہارت اور کمال پیدا نہیں کرتے اس لئے وہ مرتبہ انہیں نہیں ملتا جو ملنا چاہیے علماء اور اہل علم کو زندہ کہا گیا اور جاہلوں کو مردہ، واقعہ یہ ہے علم دلوں کو زندہ کر دیتا ہے، اور پھر وہ عالم ہو کر دوسروں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ باقی جاہل کے مردہ ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا قلب زندگی سے آشنا نہیں ہوتا علماء کو اسی زندگی کی وجہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کا وارث کہا گیا ہے۔ ہاں علماء میں جو لوگ اپنے علم کو فراموش کر دیتے ہیں نہ خود عمل کرتے ہیں نہ دوسروں کو عمل کی ترغیب دیتے ہیں وہ بھی موت کے پنجے میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

جہالت کا سبب لوگوں نے کاہلی کو قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ کاہلی کے مختلف وجوہ ہیں۔ ان میں سے ایک کثرت بلغم ہے جو زیادہ پانی پینے سے پیدا ہوتا ہے اور زیادہ پانی کی خواہش زیادہ کھانے سے ہوتی ہے معلوم ہوا کہ کم کھانا چاہیے اسی وجہ سے پہلے علماء طلبہ کو کم کھانے کی تاکید کیا کرتے تھے اور علماء کی خوارک کم ہوا کرتی تھی اور اس سے صحت بھی عمدہ رہتی ہے۔ ایک وجہ نسیان اور بھول ہے جو گناہ کے ارتکاب سے پیدا ہوتا ہے اسی وجہ سے پہلے علماء اپنے شاگردوں کو تاکید فرماتے تھے کہ وہ ہر طرح کے گناہ سے بچیں اور آج بھی اس کی تاکید کی جاتی ہے۔

بعض علماء نے ان چیزوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے جن سے حافظہ تیز ہوتا ہے، یا جن سے کند ہوتا ہے، سب سے عمدہ یہ ہے کہ آدمی خوب جی لگا کر پڑھے اور محنت کرے، تکرار اور مذاکرہ کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔

قرآن دیکھ کر پڑھنے سے بھی حافظہ بڑھتا ہے اور مندرجہ چیزوں کو بھی مورث حافظہ میں شمار کیا ہے۔ تہجد پڑھنا' درود کثرت سے پڑھنا' شہد پینا' نہار منہ مویز منقی ۲۱ دانہ کھانا اور اسی طرح جو چیز رطوبت کو کم کرے کتاب اور استاد کی تعظیم سے علم میں برکت ہوتی ہے جب پڑھے باوضو پڑھے' شمس الائمہ سرخسی کو ایک رات دست آرہے تھے اور انہوں نے سترہ دفعہ وضو کیا' بلاوضو کتاب کو ہاتھ لگانا پہلے علماء بے ادبی سمجھتے تھے۔

یہ جو کہا کہ علم آدمی کو بلند رتبہ بناتا ہے تا آنکہ اسے بادشاہوں کے دربار میں ان کا ہم نشیں بناتا ہے یہ درست ہے اس لئے کہ بادشاہ شرعی فیصلہ کے لئے علماء کے محتاج ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ علماء کو شاہی درباروں کی حاضری سے روکا گیا ہے کہ اس سے علماء کی ذلت ہوتی ہے دنیا کا لالچ ان میں پیدا ہو جاتا ہے خودداری باقی نہیں رہتی۔

واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر ما یحتاج لدینہ کذا فی الطحاوی ملخصا وفرض کفایۃ وھو ما زاد علیہ لنفع غیرہ ومندوبا وھو التبحر فی الفقہ وعلم القلب.

ترجمہ یقین کرو کہ علم کا ضرورت بھر حاصل کرنا فرض عین ہوتا ہے یعنی جتنے مسائل جاننے کی ضرورت ہے ہر شخص کے لئے اس کے مقدار علم کا حصول ضروری ہے اور اپنی ضرورت سے زیادہ جو دوسروں کے نفع کے لئے ہو فرض کفایہ ہے اور فقہ واخلاق کے علم میں تبحر اور مہارت بہم پہونچانا مستحب ہے۔

تشریح ایک عاقل بالغ مسلمان پر مثلاً نماز روزہ فرض ہے تو اس کا فریضہ ہے کہ وہ وضو، غسل، تیمم، نماز اور روزے کے مسائل سیکھے جس سے وہ صحیح طور پر نماز اور روزہ ادا کر سکے اگر مال دار ہے تو پھر اسے زکوٰۃ وحج کے مسائل کا جاننا بھی ضروری ہے، تاجر ہے تو خرید وفروخت کے مسائل کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ جب مسائل سے واقف نہ ہوگا جائز وناجائز کی اسے تمیز نہیں ہوسکتی اور بسا اوقات وہ حرام کا مرتکب ہو سکتا ہے، باقی اپنی ضرورت سے زیادہ دوسروں کو جائز ناجائز بتانے کے لئے علم حاصل کرنا سب پر فرض نہیں ہے کچھ لوگ بھی ایسے ہوں گے تو سبھوں کے ذمہ سے یہ فریضہ ادا ہو جائے گا۔

''علم قلب'' سے علم الاخلاق مراد ہے علم اخلاق وہ علم ہے جس کے ذریعہ فضائل کی قسمیں اور ان کے حاصل کرنے اور رذائل کی قسمیں اور سے بچنے کا طریقہ معلوم ہو، فضائل اخلاق میں توکل، انابت، رضا بالقضا، اخلاص، صدق عفت اور اس طرح کی چیزیں آتی ہیں اور رذائل میں حسد، کینہ، ریا، کبر وغرور، دھوکہ، لالچ، قساوت قلبی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں داخل ہیں جب تک آدمی ان تمام کو نہیں جانے گا اس وقت تک حاصل کرنے اور بچنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

وحراما وهو علم الفلسفة والشعبدة والتنجيم والرمل وعلوم الطبائعيين والسحر والكهانة من المكفرات والمحرمات.

ترجمہ اور کچھ علموں کا حاصل کرنا حرام ہوتا ہے اور وہ فلسفہ (یونانیوں کی حکمت) شعبدہ (ہاتھ کی چالاکی اور صفائی) نجوم (ستاروں کا علم) رمل (اہل طبائع کے علوم) جادو اور کہانت۔

تشریح وہ علوم جو اعتقاد وعمل کے لئے نقصان دہ ہیں اسلام نے ان کو حرام قرار دیا ہے تاکہ مسلمان اس سے بچیں ان ناجائز علوم میں یونانی فلسفہ ہے جس میں عالم کی قدامت ثابت کی جاتی ہے اور دوسرے بے ہودہ مباحث ہیں علماء اسلام نے جن کا جواب بھی دیا ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ فلسفہ یونانی کے چار اجزاء ہیں۔ (۱) حساب (۲) اور ہندسہ اور یہ دونوں تو مباح ہیں او (۳) الٰہیات (۴) اور طبعیات یہ دونوں جائز نہیں۔

شعبدہ دراصل ہاتھ کی صفائی کو کہتے ہیں کہ چیز کچھ ہے اور دکھائی دے کچھ اور جیسا جادو میں ہوتا ہے یہ بھی ناجائز ہے اس میں دکھاتے ہیں کہ چھرا پیٹ میں گھونپ دیا گیا، گردن کاٹ دی گئی حالانکہ ان میں سے حقیقتاً کچھ بھی نہیں ہوتا علم مذموم میں آسمانی ستاروں سے حوادث روزگار پر استدلال کرتے ہیں صاحب ہدایہ اپنی کتاب ''مختارات النوازل میں لکھتے ہیں کہ فی نفسہ یہ علم مذموم نہیں ہے کہ یہ ایک حساب ہے جس طرح نبض انسانی سے بخار معلوم کرتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس حساب پر اعتقاد نہ رکھے اور دعویٰ غیب پیدا نہ ہو، لیکن اس مقدار سے زیادہ میں بہر حال گفتگو ہے۔ اور ''فصول العمادی'' میں اس کے حرام ہونے کی صراحت کی ہے بہر حال عوام کے پیش نظر اور منجر الی سوء الاعتقاد کو دیکھتے ہوئے جن لوگوں نے ناجائز کہا ہے وہی درست ہے۔

علم رمل یہ خطوط، نقطہ اور عدد کے ایک خاص طریقہ سے حساب کرنے اور نتیجہ نکالنے کا نام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہو گا یا یہ ہوا، یہ علم قطعاً حرام ہے۔ فتاویٰ ابن حجر میں صراحت ہے کہ اس کا سیکھنا اور سکھانا دونوں حرام ہے کیوں کہ عوام کو اس طرح وہم میں مبتلا کرنا ہے۔

سحر (جادو) کا بھی سیکھنا سکھانا فقہاء نے حرام لکھا ہے باقی جادو اپنے وجود اور تصور کے اعتبار سے حق ہے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اگر اہل حرب کے جادوگر کے رد کے لئے ہو تو درست ہے صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ جادوگر کی توبہ قبول نہیں اس کو قتل کرڈالنا چاہئے۔

کہانت جس میں مستقبل کے متعلق خبر دیجاتی ہے کہ یہ ہونے والا ہے‘ عرب میں اس کا بہت رواج تھا‘ حدیث میں صراحت ہے کہ جو کاہن کے پاس گیا اس نے کفر کیا۔ دراصل علم دو ہی ہیں علم الابدان یعنی طب اور علم الادیان یعنی اپنے مذہب کا علم۔

ودخل فی الفلسفة المنطق ومن هذا القسم علم الحرف والموسيقى.

ترجمہ :۔ فلسفہ میں علم منطق داخل ہے اور اسی قسم سے علم الحرف اور علم موسیقی (یعنی گانے کا علم) ہے

تشریح :۔ یعنی جس طرح فلسفہ حرام ہے علم منطق علم الحرف اور علم موسیقی بھی حرام ہے اور ان کے سیکھنے سکھانے سے اجتناب ضروری ہے منطق کے سلسلہ میں علماء نے لکھا ہے کہ کتب حنفیہ میں کہیں اس کی حرمت کی صراحت نہیں ہے، ہاں شوافع کی کتابوں میں البتہ صراحت ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جو منطق فلسفہ یونان کے اثبات کے لئے ہے وہ تو حرام ہے باقی اسلامیین کی منطق جن کے اصول و قواعد اسلامی ہیں اسکے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ امام غزالی نے اسے معیار العلوم قرار دیا ہے

علم الحرف میں بحث ہے کہ اس سے کیا مراد ہے بعض لوگوں نے حرف سے کاف مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ کاف کیمیا کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں عمر اور پیسہ دونوں خواہ مخواہ برباد ہوتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی مراد اسرار الحروف ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ طلسم کا علم مراد ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ علم جفر مراد ہے جس سے آئندہ کے واقعات نکالتے ہیں۔ علم موسیقی سے راگ اور گانے کا علم مراد ہے جس سے آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کر کے لوگوں کے دلوں کو متاثر کرتے ہیں

ومكروها وهو شئ المولدين من الغزل والبطالة ومباحا كاشعارهم التى لا يستخف فيها كذافى قوائد شتىٰ من الاشباه والنظائر

ترجمہ: اور کچھ علم مکروہ ہیں اور وہ ان شاعروں کی غزل اور بیہودہ گوئی ہے جو عرب میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے اور کچھ علم مباح ہوتے ہیں یعنی انکا سیکھنا سکھانا اور ترک کرنا دونوں برابر ہے جیسے ان شعراء عرب کے وہ اشعار جن میں بیہودہ اور نامعقول مضمون نہیں ہے، ایسا ہی ”الاشباہ والنظائر“ کے فوائد شتی میں مذکور ہے۔

تشریح: مولدین یعنی شعراء عرب جو زمانۂ اسلام کے بعد پیدا ہوئے، ان کے اشعار میں چونکہ عموماً واہیات اور ناپسندیدہ مضامین ہوتے ہیں اس لئے مکروہ قرار دیا بخلاف خالص عرب شعراء کے کہ ان میں یہ بات نہیں ہے

غزل سے مراد وہ شعر ہے جس میں عورتوں اور بے ریش لڑکوں کے اوصاف بیان کئے جائیں یوں لغت میں عورتوں کے ساتھ بات کرنے کو غزل کہتے ہیں۔

ثم نقل فى مسئلة الرباعيات ومحلها ان الفقه هو ثمرة الحديث وليس ثواب الفقيه اقل من ثواب المحدث وفيها لكل انسان غير الانبياء لا يعلم ما اراد الله تعالىٰ له وبه لان ارادته تعالىٰ

غیب الاالفقهاء فانهم علموا ارادته تعالیٰ بهم بحدیث الصادق المصدوق من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین وفیها کل شئی یسال عنه العبد یوم القیمة الاالعلم لانه طلب من نبیه ان یطلب الزیادة منه وقل رب زدنی علما فکیف یسال عنه.

ترجمہ پھر صاحب اشباہ نے مسئلہ رباعیات میں نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ حدیث کا ثمرہ اور نتیجہ ہے یعنی اسی سے پیدا ہوا ہے اور فقیہ کا ثواب محدث کے ثواب سے کم نہیں ہے اور اشباہ ہی میں ہے کہ انبیاء کرام کے سوا کوئی انسان نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکے کے لئے کیا ارادہ کیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخفی (پوشیدہ) ہے ہاں فقہاء البتہ جانتے ہیں اور یہ اس حدیث سے جس میں صادق و مصدوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ اور اسی اشباہ میں ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا بندہ سے سوال کریگا سوائے علم کے، اس واسطے کہ خود رب العزت نے اپنے پیارے نبیؐ سے مطالبہ کیا ہے کہ تم علم میں زیادتی کی درخواست کرو اور کہو کہ اے پروردگار عالم میرے علم میں اضافہ اور زیادتی عطا کردے، پھر اس کے متعلق سوال کیسے کرے گا۔

تشریح منشاء یہ ہے کہ علم فقہ اہم علوم میں سے ہے اور حدیث کا مغز ہے اسکا ثواب بہت زیادہ ہے اس نے تم خود خدا کے لاڈلے رسولؐ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ دین میں سمجھ یعنی علم فقہ اسے ہی عطا فرماتے ہیں جن کو بہتری سے نوازنا چاہتے ہیں، حدیث میں ہے کہ بندے کا قدم اس وقت تک قیامت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹے گا جب تک اس سے یہ چار سوال نہ ہو لیں گے۔ پہلا یہ کہ عمر کس کام میں فنا کی، دوسرا یہ کہ جوانی کہاں گنوائی، تیسرا یہ کہ مال کس طرح کمایا، چوتھا یہ کہ علم سے اس نے کیا کیا، یعنی اس کے مطابق عمل کیا یا نہیں اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ علم سے تمہارا منشا جاہ و مرتبہ تھا یا اخلاص۔

وفیها اذاسئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلناوجوبا مذهبنا صواب یحتمل الخطاء ومذهب مخالفنا خطاء یحتمل الصواب اذاسئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا قلنا وجوبا الحق ما نحن علیه والباطل ما علیه خصومنا

ترجمہ اور اشباہ میں ہی ہے کہ جب ہم سے ہمارے مذہب حنفی اور ہمارے مخالف مذہب شافعی، مالکی، حنبلی کے متعلق پوچھا جائے گا کہ کون حق ہے تو ہم وجوبی (ضروری) طور پر ہم اسکے جواب میں کہیں گے کہ ہمارا مذہب حنفی درست ہے جو خطا کے احتمال سے خالی نہیں اور ہمارے مخالف مذاہب (مالکی، حنبلی اور شافعی) غلط ہیں مگر درست ہونے کا احتمال بھی رکھتے ہیں اور جب ہمارے (اہل سنت کے) اعتقادات اور مخالف یعنی معتزلہ یا خارجی اور رافضی کے اعتقادات کے بارے میں سوال ہو گا کہ کون درست ہے تو جواب میں ضروری طور پر ہم کہیں گے کہ حق وہ ہے جس پر ہم ہیں اور باطل وہ ہے جس پر ہمارے فریق مخالفین ہیں۔

تشریح خلاصہ یہ ہے کہ مذہب حنفی جس پر ہمارا عمل ہے اسکو ہم درست سمجھتے ہیں مگر اس طرح کہ اس میں خطا کا احتمال بھی پایا جاتا ہے اور اپنے مقابلہ میں مالکی، شافعی، اور حنبلی کو خطاء پر سمجھتے ہیں مگر ساتھ ہی وہ درستی کا احتمال بھی رکھتا ہے، حدیث میں آتا ہے المجتهد یخطی ویصیب۔ اجتہاد کرنے والا کبھی غلطی کر جاتا ہے اور کبھی درستی کو پا لیتا ہے

ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل) سب مجتہد تھے، ان سے خطا بھی ہو سکتی ہے اور درستی بھی للہذا جو جس مذہب کو مانتا ہے وہ اسکو دوسرے کی نسبت حق پر سمجھتا ہے یعنی احتمال خطاء وصواب سے کوئی بھی خالی نہیں، گو مقلدوں کے اعتبار سے چاروں امام حق پر ہیں، اس لئے مقلد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مخالف مذہب کا یقین کے ساتھ رد کرے، اور اعتقاد میں استنباط واستخراج نہیں ہے اس لئے وہاں احتمال کی کوئی بحث نہیں پیدا ہو سکتی، جو حق ہے حق ہے اور جو باطل ہے وہ ہمیشہ کے لئے باطل ہے، اہل لغت میں اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں، اور یہ دونوں چند معمولی مسائل کے علاوہ بقیہ سب میں ایک دوسرے کے موافق ہیں، اور مخالف میں وہ بدعتی ہیں جن کی تکفیر کی گئی ہے جیسے معتزلہ، رافضی اور اس طرح کے دوسرے لوگ، جو عالم کو قدیم مانتے ہیں یا صانع کائنات کی نفی کرتے ہیں یا خلقِ قرآن کے قائل ہیں اور اس طرح کے دوسرے فاسد اعتقاد رکھنے والے۔

وفيها العلوم به ثلثه علم نضج وما احترق وهو علم النحو والاصول كذافى الحموى وعلم لانضج ولا احترق وهو عملم البيان والتفسير وعلم نضج واحترق وهو علم الحديث والفقه

ترجمہ اور اشباہ میں یہ بھی ہے کہ علوم کی تین قسمیں ہیں ایک علم وہ ہے جو پختہ ہو گیا اور کمال کو نہیں پہونچا اور یہ ہیں علم نحو، علم اصول، اور ایک وہ علم ہے کہ نہ پختہ ہو اور نہ کمال کو پہونچا، اور یہ علم بیان اور علم تفسیر ہے، اور ایک علم وہ ہے جو پختہ بھی ہے اور کمال کو پہونچا ہوا بھی، اور یہ علم حدیث اور علم فقہ ہے۔

تشریح علم کے تین درجے قرار دیئے گئے۔(۱) پختہ اور کامل دونوں ہیں۔(۲) دونوں نہیں یعنی نہ پختہ ہے اور نہ کامل۔(۳) پختہ اور کامل نہیں ہے

علم بیان میں معانی، بدیع اور بیان یہ تینوں کے تین شامل ہیں اصول سے مراد اصول فقہ ہیں اصول عقائد نہیں ہے اس لئے اصول عقائد نہایت صراحت کے ساتھ منقح ہیں مثنایہ ہے کہ علم نحو اور علم اصول کے قواعد تو مدون ہو چکے ہیں لیکن انکے فروع مستنبط اب تک کمال کو نہیں پہونچے خوب یاد رکھا جائے کہ صحیح علم سے مراد یہ ہے کہ اس کے قواعد مقرر ہو چکے ہوں اور ان قواعد پر جزئیات متفرع ہوتے ہوں اسی طرح اعتراضات سب حل ہو چکے ہوں اور اقوال کی تفصیل اور مشکلات کی توضیح سے بھی فراغت حاصل ہو چکی ہو۔ احتراق سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے انتہا اور کمال کو پہونچ چکا ہو، اسی وجہ سے وہ علم جو پختہ تو ہو مگر کمال کو نہ پہونچا ہو اس کی مثال میں نحو اور اصول فقہ کو پیش کیا کہ دونوں مدون ہو چکے انکے قواعد طے پا چکے، ہاں انکے فروع وجزئیات ابھی جاری ہیں۔

بیان اور تفسیر مثال ہے اس علم کی جو نہ تو پختہ ہو اور نہ کمال کو پہونچا، بیان کا تعلق ذوق فی الفصاحۃ والبلاغۃ سے ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس ذوق کی کوئی انتہاء نہیں اور علم تفسیر کا موضوع چونکہ فہم مراد ربانی ہے اور وہ بھی باعتبار معانی اور وجوہ اعجاز وغیرہ کے جن کا احاطہ علام الغیوب کے سوا کسی کے بس کی بات نہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے اتقان میں لکھا ہے کہ قرآن لوح محفوظ میں ہے کہ اس کا ہر حرف قاف پہاڑ کے درجہ میں ہے اور ہر آیت کی نئی تفسیریں ہیں کہ انکا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔

اور وہ علم جو پختہ بھی ہے اور کمال کو پہونچا ہوا بھی، اسکی مثال حدیث وفقہ ہے، حدیث تو اسکے لئے کمال کو پہونچی ہوئی ہے کہ محدثین رحمہم اللہ نے اس فن سے متعلق اسماء الرجال انکے نسب، طبقات میں بڑی بڑی کتابیں لکھدی ہیں اور ساری تفصیل بیان کردی ہے کہ کون قوی الحافظہ تھا کون ضعیف الحافظہ، کون صحیح الروایہ تھا اور کون فاسد الروایہ تھا فن حدیث کا کوئی گوشہ تشنہ تکمیل باقی نہ رہا، محدثین میں کسی کو ایک لاکھ حدیث یاد تھی اور کسی کو تین لاکھ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرام نے روایت کی، ان کا بیان آگیا، احکام ومراد بیان کردیئے گئے گویا پوری حقیقت کھل کر سامنے آگئی

فقہ کو سب جانتے ہیں کہ فقہاء کرام نے قرآن وسنت میں غور کر کے قواعد مقرر کئے ان پر جزئیات کی تفریع کی اور جو مسائل پیش آنے والے تھے سب کو شرح وبسط سے بیان کردیا جزاهم الله عنا وعن جميع المسلمين.

وقد قالوا الفقه زرعه عبد الله بن مسعود رضي الله عنه وسقاه علقمة وحصده ابراهيم النخعي وراسه حماد وطحنه ابو حنيفةؒ وعجنه ابو يوسف وخبزه محمد وسائر الناس ياكلون من خبز

ترجمہ فقیہوں کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فقہ کی کاشت کی حضرت علقمہؒ نے اس کی آبیاری کی اور سینچائی کی، حضرت ابراہیم نخعیؒ نے اس کھیت کو کاٹ کر جمع کیا اور حضرت حمادؒ نے اسے مانڈا اور دونی کردیا یعنی اناج کو بھوسے سے الگ کیا اور صاف کیا اور امام ابو حنیفہؒ نے اسکو پیسا اور ابو یوسفؒ نے گوندھا اور محمد بن حسن شیبانیؒ نے اسکی روٹیاں پکائیں اور لوگ اسکو کھارہے ہیں

تشریح ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے اور سابقین بدریین میں ہیں، انہوں نے سب سے پہلے قرآن وحدیث سے استنباط واستخراج مسائل پر بحث کی، علماء نے لکھا ہے کہ سارے صحابہ کا علم چھ میں سمٹ آیا حضرت عمر فاروقؓ، علیؓ، ابیؓ، زیدؓ، ابو الدرداءؓ اور ابن مسعودؓ پھر ان چھ کا علم دو میں سمٹ آیا حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے شاگرد رشید تھے حضرت علقمہ ابن قیسؒ (سنہ) اور انکے شاگرد تھے حضرت ابراہیم نخعیؒ (م ۹۵ھ) اور ابراہیم نخعی کے شاگرد ہوئے حضرت حماد بن مسلم الکوفیؒ (م ۱۲۰ھ) اور آپ کے شاگرد (امام اعظم ابو حنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) ہیں گویا حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ سے چل کر یہ سلسلہ ابو حنیفہؒ تک پہونچا اور پھر آپ نے اپنے شاگردوں کے ساتھ اس علم فقہ کی تدوین وتبویب کی جو اب تک نہیں ہوئی تھی (تفصیل کے لئے پڑھئے مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد اول از مرتب فتاویٰ)

وقد نظم بعضهم فقال۔

الفقه زرع بن مسعود وعلقمة حصاده ثم ابراهيم دواس
نعمان طا حنه يعقوب عاجنه محمد خابز والآكل الناس

وقد ظهر علمه بتصانيفه كالجامعين والمبسوط والزيادات والنوادر حتى قيل انه صنفه في العلوم الدينية تسعمائة وتسعين كتابا ومن تلامذته الشافعي رضي الله عنه وتزوج بام الشافعي وفوض

الیه کتبه وماله فسببه صار الشافعی فقیها ولقد انصف الشافعی حیث قال من اراد الفقه فلیلزم اصحاب ابی حنیفة فان المعانی قد تیسرت لهم واللہ ماصرت فقیها الابکتب محمد بن الحسن

ترجمہ بعض علماء نے اس مضمون کو نظم کر دیا ہے چنانچہ انھوں نے کہا کہ فقہ کے بونے والے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور اس کے کاٹنے والے حضرت علقمہؒ پھر ابراہیمؒ اس کو صاف کر کے دانا نکالنے والے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ پیسنے والے اور گوندھنے والے امام ابو یوسفؒ (م ۱۸۲ھ ہیں) اور روٹیاں پکانے والے امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م ۱۸۹ھ) ہیں اور بقیہ تمام لوگ کھانے والے اور کوئی شبہ نہیں کہ امام محمدؒ کا علم انکی تصانیف سے ظاہر ہے جیسے جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، اور نوادر حتی کہ یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے علوم دینیہ میں نو سو ننانوے تصنیف کی ہیں اور امام شافعیؒ امام محمدؒ کے شاگردوں میں ہیں آپ نے امام شافعی کی بیوہ والدہ سے شادی کی تھی اور اپنی تمام کتابیں اور مال انکے حوالہ کر دیا تھا چنانچہ امام شافعی کے فقیہ ہونے کا سبب یہی بنا اور یقیناً امام شافعیؒ نے انصاف فرمایا جہاں آپ نے کہا کہ جو شخص علم فقہ کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے اس کا فرض ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کو چمٹ جائے، اس لئے کہ دقیق معانی انکے لئے بالکل آسان اور سہل ہو چکے ہیں اور خدا کی قسم میں فقیہ صرف امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتابوں سے ہوا

تشریح فقہ حنفی میں بنیادی کتابیں یہی امام محمد بن حسن کی تصنیفات ہیں اور یہ چھ کتابیں جن کا نام لیا گیا ہے بہت مشہور ہیں البتہ نوادر کی جگہ سیر کو دی جائے۔

جامع صغیر میں امام محمدؒ نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے بھی روایت کی ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی، مگر جامع کبیر میں بلاواسطہ صرف امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں۔ نوادر سے اونچی کتاب سیر ہے اور جن کتابوں کو اصل یا ظاہر الروایہ سے تعبیر کرتے ہیں ان میں نوادر کی جگہ سیر ہی ہے

اس میں شبہ نہیں کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ خود مجتہدِ مطلق ہیں اور امام محمد کی ملاقات سے پہلے ہی فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی یہاں فقیہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد کی کتابیں دیکھنے کے بعد معلومات میں بہت اضافہ ہوا اور اندازہ ہوا کہ استخراج مسائل کی کثرت کیسے ہوتی ہے اور اسی وجہ سے فرماتے تھے کہ میں نے امام محمدؒ کے علم سے بہت سارا حصہ حاصل کیا اور اسی کی تعبیر تھی وَاللہِ مَاصِرتُ فَقِیھًا اِلاَّ بِکُتُبِ ۔ مجتہد مطلق وہ ہے جو اصول و فروع میں سے کسی دوسرے کا تابع نہ ہو۔ اور جو اصول میں کسی کا تابع ہو مگر فروع میں نہ ہو تو اسے اصطلاح میں مجتہد مقید کہتے ہیں جیسے امام ابو یوسفؒ اور امام محمد ایسا ہی حلبی میں ہے۔

وقال اسمعیل بن ابی رجاء رأیت محمداً فی المنام فقلت له مافعل اللہ بك قال غفرلی ثم قال لو اردت ان عذبك ما جعلت هٰذا العلم فیك فقلت له فاین ایو یوسف قال فوقنا بدرجتین قلت وابوحنیفةؒ قال صحیحات ذلك فی اعلی علین کیف وقد صلی الفجر بوضوء العشاء اربعین سنةوحَجَّ خَمسَةً وخَمسِینَ حَجَةً ورای ربه فی المنام مائة مرة و لها قصة مشهورة وفی حجة الاخیرة استاذن حجبة الکعبة بالدخول لیلا فقام بین العمودین علی رجله الیمنی ووضع الیسری علی ظهرها حتی ختم القرآن فلماسلم بکی وناجی ربه وقال الهی ما عبدك هذا العبد الضعیف

حق عبادتك لكن عرفك حق معرفتك فهب نقصان خدمته العبد الكمال معرفته فهتف هاتف من جانب البيت يا ابا حنيفة قد عرفتنا حق المعرفة وقد خدمتنا فاحسنت الخدمة وقد غفرنالك ولمن اتبعك ممن كان على مذهبك الى يوم القيٰمة

ترجمہ اسمٰعیل بن ابورجاء کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد انکو خواب میں دیکھا، میں نے ان سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، انھوں نے فرمایا کہ اس نے مجھے بخش دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر میں تجھے عذاب دینا چاہتا تو تجھ کو یہ علم عطانہ کرتا، پھر میں نے ان (امام محمد) سے پوچھا امام ابویوسفؒ کہاں ہیں فرمایا کہ وہ درجے اوپر ہیں میں نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہؒ؟ انہوں نے کہا وہ بہت اوپر اعلی اعلیین میں ہیں (منشایہ ہے کہ ہم لوگوں سے آپ کا درجہ بہت بلند ہے) اور کیوں نہ ہوا انکا حال یہ تھا کہ انہوں نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے اور زندگی میں پچپن حج کئے اور سو مرتبہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور رویت باری کا یہ ایک قصہ مشہور ہے

امام صاحبؒ نے اپنے اخیر حج میں کعبہ کے خادموں سے ایک رات اندر جانے کی اجازت لی اور اندر تشریف لے گئے کعبۃ اللہ کے دونوں ستونوں کے درمیان اپنے دائیں پاؤں پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ اپنا بایاں پیر اس کی پشت پر رکھا اور کھڑے کھڑے آدھا قرآن پاک پڑھ گئے پھر رکوع اور سجدہ کیا پھر بائیں پیر پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ دائیں کو بائیں کی پشت پر رکھا اور بقیہ دوسرا آدھا ختم کیا پھر رکوع سجدہ کیا اور ختم کر کے سلام پھیرا، سلام پھیرنے کے بعد روئے اور گریہ وزاری کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کی اور کہا کہ میرے معبود! تیرے اس کمزور و ناتواں بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا مگر تجھ کو جانا اس طرح جس طرح جاننا چاہئے، لہذا تو اس کی خدمت کی کمی کو اس کی معرفت کے صدقہ میں بخش دے یعنی کمال عرفان کو نقصان خدمت کا کفارہ بنادے اس درخواست کے بعد بیت اللہ کے ایک گوشہ سے غیبی آواز آئی، اے ابو حنیفہؒ تونے مجھے ویسا ہی جانا جیسا کہ جاننے کا حق ہے اور بے شک تونے ہماری خدمت کی اور بہت بہتر کی اور یقیناً ہم نے تجھے بخش دیا اور ان لوگوں کو بھی جنھوں نے تمھاری پیروی کی، ان لوگوں میں سے جو قیامت تک ترے مذہب پر ہوں گے

تشریح وہ جو ذکر کیا رویت کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ جل مجدہ کو ننانوے مرتبہ خواب میں دیکھا اسکے بعد میں نے جی میں کہا کہ اگر اب سویں بار دیکھا تو یہ پوچھوں گا کہ قیامت کے دن مخلوق تیرے عذاب سے کیسے نجات پائے گی۔ امامؒ کا بیان ہے چنانچہ میں نے سوویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، اب میں نے پوچھا اے پروردگار عالم! تیری ذات پاک و برتر ہے، یہ بتایئے کہ قیامت کے دن تیرے عذاب سے تیرے بندے کیونکر نجات پائیں گے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا جو صبح وشام یوں کہاں کرے گا سبحان الابدی الابد سبحان واحد الاحب سبحان الفرد الصمد سبحان رافع السماء بغير عمد سبحان من بسط الارض على ماء حمد سبحان من خلق الخلق فاحصاهم عدد سبحان من قسم الرزق ولم ينس احد سبحان الذى لم يتخذ صاحبة ولا ولد سبحان الذى لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد وہ میرے عذاب سے نجات پائے گا (شامی)

ایک پاؤں پر کھڑے ہونے کے باب میں لوگوں نے گفتگو کی ہے کہ یہ خلاف سنت ہے شربلانی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ

دونوں پاؤں رکھنے سے افضل یہ ہے کہ بہت دیر تک کھڑا رہنے والا ایک پاؤں پر کھڑا ہو مگر اس طرح کہ دوسرا پاؤں بھی اٹھا ہوا نہ ہو امام صاحبؒ نے یہی کہا۔

اور فقہ میں بعض کتابوں میں ہے کہ فرائض میں بلا عذر ایک پاؤں پر کھڑا ہونا تو بیشک مکروہ ہے مگر نوافل میں یہ مکروہ نہیں ہے عبادت میں فرمایا کہ حق ادا نہ ہوا اور معرفت میں فرمایا کہ حق ادا ہوا منشاء یہ تھی کہ خدا کی صفتوں سے اسکی ذات کو پہچانا عبادت کی کمی معرفت میں کمی کا نتیجہ نہیں ہے معرفت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ذات و صفات کے کہنہ سے واقف ہوگئے کیونکہ یہ محال ہے۔ پیروکار کو جو بشارت دی گئی اس پیروی کا مطلب ہے کہ فقہ حنفی میں جو کچھ بتایا گیا ہے اس پر پورا عمل کرے صرف زبانی یہ کہہ دینے سے کہ میں نے مذہب کی پیروی کی کچھ نہیں ہوتا۔

وقیل لابی حنیفة ثم بلغت ما بلغت قال ما بخلت بالا فادة وما استنکفت عن الاستفادة وقال مسعر بن کدام من جعل ابا حنیفة بینه وبین اللہ رجوت ان یخاف۔

حسبی من الخیرات ما عدّرته یوم القیمة فی رضی الرحمن
دین النبی محمد خیر الوریٰ ثم اعتقادی مذهب النعمان

ترجمہ امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کس چیز کے ذریعہ اس بلند مرتبہ کو پہونچے، آپ نے فرمایا (دو باتوں سے) ایک تو دوسروں کو فائدہ پہونچانے میں بخل سے کام نہیں لیا دوسرے یہ کہ فائدہ حاصل کرنے میں کبھی عار محسوس نہیں کیا، مسعر بن کدام کا قول ہے کہ جو شخص امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنالے اور انکے فقہ پر عمل کرے تو مجھے امید ہے کہ پھر اس پر کوئی خوف نہیں ہے اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی تعریف میں کہا یہ کہ قیامت کے دن کے لئے جو چیزیں میں نے تیار کر رکھی ہیں وہ نیکیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہیں اور وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ہے جو تمام مخلوق سے بہتر ہے پھر میرا مذہب حنفی پر یہ اعتقاد۔

تشریح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بلندی کا جو راز بتایا وہ اس قابل ہے کہ آج کے علماء اور طلبا اسکو صرف پڑھ کر گذر نہ جائیں بلکہ رک کر سوچیں کہ کیا اب ہم میں یہ کمی تو پیدا نہیں ہوگئ، اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے کہ کسی نے امام صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ نے علم کس طرح حاصل کیا، آپ نے فرمایا مسلسل محنت و کوشش اور شکر گذاری سے جب کوئی بات نئی معلوم ہوئی میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور بے ساختہ زبان پر الحمد للہ آیا، اس کی وجہ سے میرے علم میں بہت اضافہ ہوا حضرت مسعر بن کدامؒ حضرت سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ کے استاذ ہیں اور یہ دونوں بزرگ استاذ المحدثین میں شمار ہوتے ہیں، اخیر کے دو شعر امام ابو یوسفؒ کی طرف منسوب ہیں جیسا کہ طحطاویؒ نے مقدمہ غزنویہ سے نقل کیا ہے

وعنه علیه الصلوة والسلام ان آدم افتخربی وانا افتخر برجل من امتی اسمه نعمان وکنیته ابو حنیفة هو سراج امتی وعنه علیه الصلوة والسلام ان سائر الانبیاء یفتخرون بی وانا افتخربابی حنیفة من احبه فقد احبنی ومن ابغضه فقد ابغضنی کذا فی التقدمة شرح مقدمة ابی اللیث وقال فی الضیاء المعنوی وقول ابن الجوزی انه موضوع تعصب لانه روی بطریق مختلفة

ترجمہ :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مجھ پر فخر کا اظہار فرمایا اور میں اپنی امت کے

ایک شخص پر فخر کرتا ہوں جسکا نام نعمان ہے اور کنیت ابو حنیفہ، وہ میری امت کا چراغ ہے، دوسری روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ تمام انبیاء کرام میری ذات پر فخر کرتے ہیں اور میں ابو حنیفہؒ پر فخر کرتا ہوں جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی اس نے مجھ سے دشمنی رکھی۔ یہ دونوں حدیثیں مقدمہ ابواللیث کی شرح تقدمہ میں مذکور ہیں۔ الضیاء المعنوی میں اس کے مصنف نے کہا کہ ابن الجوزیؒ کا یہ فرمانا کہ حدیث مذکورہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے سراسر تعصب ہے کیوں کہ یہ مختلف طرق سے روایت کی گئی ہے۔

تشریح مقدمہ غزنوی کی شرح کا نام ضیاء معنوی ہے، تعدد طرق سے جو حدیث مروی ہو اسکو موضوع کہنا انصاف کے خلاف ہے ہاں ضعیف کہہ سکتے ہیں اور ضعیف حدیث جب طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ حسن کے مرتبہ کو پہونچ جاتی ہے کذا فی الطحطاوی۔ لیکن علامہ شامی نے کہا ہے کہ حافظ ذہبی، سیوطی، اور قاسم حنفی نے بھی ابن الجوزی کے قول موضوع کو برقرار رکھا ہے اور اسی وجہ سے ائمہ حدیث نے اسے اپنی کتابوں میں امام صاحبؒ کے مناقب میں ذکر نہیں کیا ہے، البتہ دوسری صحیح حدیثیں امام صاحبؒ کے مناقب میں آئی ہیں جنھیں مصنفین نے نقل کیا ہے دیکھئے شامی۔

وروی الجرجانی فی مناقبه بسنده سهل بن عبد الله التستری انه لو کان فی امة موسیٰ وعیسیٰ مثل ابی حنیفة ماتهودوا ولا تنصروا ومناقبه اکثر من ان تحصی وصنف فیها سبط ابن الجوزی مجلدین کبیرین وسما الانتصار لامام ائمة الامصار کا لا یخفی علی العلماء وصنف غیره اکثر من ذلک

ترجمہ اور جرجانی نے مناقب نعمانیہ میں اپنی سند کے ساتھ سہل بن عبداللہ تستری سے روایت کی کہ اگر موسوی اور عیسوی امت میں عقل و دیانت کے اندر امام ابو حنیفہؒ جیسا عالم ہوتا تو وہ لوگ یہودی اور نصرانی نہ ہوتے یعنی دین میں تحریف و تبدیلی نہ کرتے، اور امام اعظمؒ کے مناقب اس سے زیادہ ہیں کہ شمار کیا جا سکے۔ اور محدث ابن الجوزیؒ کے پوتے نے امام صاحبؒ کے مناقب میں دو بڑی بڑی جلدوں میں ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام انہوں نے رکھا تھا "الانتصار لامام ائمۃ الامصار" اور انکے علاوہ دوسروں نے بھی بہت زیادہ کتابیں امام صاحبؒ کے حالات میں لکھی ہیں (جن میں بعض مختصر ہیں اور بعض مبسوط)

تشریح سہل بن عبداللہ تستریؒ ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں انکا منشاء یہ تھا کہ اگر علماء یہود و نصاریٰ میں کوئی امام صاحبؒ کے پایہ کا عالم باعمل ہوتا تو ان کو غلو سے روکتا اور جو کچھ انہوں نے تحریف و تبدیلی کی اسکا ہرگز مشورہ نہ دیتا بلکہ دین کے اندر رہ کر ان کے لئے آسانی کا راستہ پیدا کرتا۔ امام اعظمؒ کے مناقب میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انکو پڑھئے پھر اندازہ ہوگا کہ آپ کے مناقب و فضائل کا کیا حال ہے۔ علماء نے آپ کے مناقب میں جو صحیح حدیثیں آئی ہیں انکو نقل کیا ہے

ابن الجوزیؒ کے پوتے نے جو کتاب لکھی ہے اور اسی طرح دوسرے علماء کبار نے، اس میں انہوں نے ان اعتراضات کے جواب بھی دیئے ہیں جو آپ کے مخالفین کی طرف سے آپ پر کئے گئے، اس سلسلہ میں ابن حجر ہیثمی کی "الخیرات الحسان" امام شعرانیؒ کی "المیزان" امام سیوطیؒ کی "تبییض الصحیفه" اردو میں علامہ شبلی کی "سیرة النعمان" اور مفتی

عبد اللطیفؒ کی "امام اعظم" بھی عمدہ کتاب ہے اور ابھی حال میں عربی میں ابوزہرہ مصری کی کتاب "الامام ابو حنیفہ" ایک عمدہ جامع کتاب آئی ہے، ان سب کا مطالعہ کریں پھر اندازہ ہوگا کہ امام صاحبؒ کا کیا درجہ ہے اور پہلے لوگوں میں امام طحاویؒ حافظ ذہبیؒ اور کردری وغیرہ نے بھی امام صاحب کے حالات میں کتابیں لکھی ہیں۔

والحاصل ان ابا حنيفة النعمان من اعظم معجزات المصطفیٰ بعد القرآن وحسبك من مناقبه اشتهار مذهبه ماقال قولا الااخذبه امام من الائمة الاعلام وقد جعل الله الحكم لاصحابه واتباعه من زمنه الى هذا الايام الى ان يحكم بمذهبه عيسى عليه السلام

ترجمہ اور حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نعمانؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں قرآن پاک کے بعد ایک بڑے معجزہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور امام صاحبؒ کے مناقب میں یہی کیا کم ہے کہ آپ کے مسلک ومذہب کو شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، پھر آپ نے کوئی ایک ایسا مسئلہ بیان نہیں کیا جس کو ائمہ اعلام میں سے کسی ایک امام نے نہ لیا ہو یعنی موافقت نہ کی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پیروکار اور ساتھیوں کے لئے شریعت کا حکم نازل فرمایا، جو آپ کے زمانے سے اس زمانہ تک رائج ہے تا آنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے مذہب ہی کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد ابو حنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق ہوگا۔

تشریح امام اعظمؒ کو معجزہ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ بعض صحیح حدیثیں امام اعظمؒ کے مناقب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں جیسا کہ ردالمختار میں علامہ شامی نے لکھا ہے اور دوسرے مناقب نگاروں نے نقل کیا ہے، اس لئے یقیناً آپ کا وجود ایک معجزہ ہی ہے، اس لئے کہ آپ کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے اور حدیث نبوی میں پیشگوئی بہت پہلے کی گئی اور جیسی پیش گوئی سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی امام صاحبؒ ویسے ہی ثابت ہوئے ورنہ قاعدہ میں کرامت کہنا چاہئے۔۔ مذہب حنفی کی شہرت وقبولیت میں دورائے نہیں ہیں اکثر ممالک اسلامیہ میں یہی مذہب رائج رہا اور اب بھی ہے جیسے روم، ہند، ماوراء النہر، سمرقند اور کوئی ایسا ملک باقی نہیں رہا جہاں مذہب حنفی کے ماننے والے نہ پائے جاتے ہوں اور اس میں تو قطعاً یہ شبہ نہیں ہے کہ مسلم دنیا میں بیشتر تعداد انہی لوگوں کی ہے جو مذہب حنفی پر عمل کرتے ہیں، بہت سے ممالک میں مذہب حنفی کے قضاۃ وعمال رہے اور اسی کے مطابق فیصلے صادر کرتے رہے اور آج بھی کررہے ہیں۔

یہ کہنا کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی مذہب کے مطابق عمل کریں گے اس کی بنیاد کشف پر ہے کہ سب کے اخیر تک مذہب حنفی ہی باقی رہے گا اور اسی کی عمر سب سے دراز ہوگی، باقی کیا حقیقتاً ایسا ہی ہوگا اور یہ کہنا مناسب بھی ہے یا نہیں، خود اہم سوال ہے حافظ سیوطیؒ نے اس کی تردید کی ہے کہ کوئی نبی کسی مجتہد کا مقلد ہوگا اس لئے کہ وہ خود مجتہد ہوتا ہے اور ایک مجتہد دوسرے کی تقلید نہیں کرتا ہے، پھر نبی کا درجہ بہت بڑھا ہوا ہے کہ وہ معصوم ہوتا ہے غیر نبی معصوم نہیں ہوتا ہے بڑے سے بڑے مجتہد کے متعلق بھی حدیث میں یہی ہے کہ اس سے غلطی بھی ہوتی ہے۔

خود ملا علی قاری نے بھی اس مسئلہ کی تردید کی ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ابو حنیفہؒ کی تقلید کریں گے۔

بہ حال اس سلسلہ میں جو لغو باتیں مشہور کی گئی ہیں ان سب کا طحطاوی اور علامہ شامی نے تذکرہ کیا ہے اور اسکا رد فرمایا

ہے تفصیل کے لئے دیکھئے ردّالمختار للشامی۔ ایک بات ذہن نشین کرلی جائے کہ نبی کا درجہ مجتہد سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لئے کوئی ایسی بات ہرگز نہ کہی جائے جس سے شان نبی کے تنقیص کا وہم بھی پیدا ہوتا ہو واللہ اعلم۔

یہ حکایت بیہودہ وبے اصل ہے کہ حضرت خضر نے تیس سال ابو حنیفہؒ سے تعلیم پائی اور حضرت خضر نے یہ پورا ذخیرہ تین سال میں امام ابو القاسم قشیری کو سکھادیا، انہوں نے مذہب حنفی میں ایک ہزار کتابیں تصنیف کیں اور صندوق میں بند کر کے نہر جیحون میں امانت رکھدیں، جب قیامت کے قریب عیسیٰ علیہ السلام نزول اجلال فرمائیں گے ان کتابوں کو نکالیں گے اور ان پر عمل کریں گے تفصیل کے لئے دیکھئے طحطاوی علی الدر المختار ایسے قصے بھی نقل کرنا جائز نہیں مگر بے اصل چیز پر خبردار کرنا ہے اس لئے مجبوری تھی۔

وهذا يدل على امر عظيم اختص به من بين سائر العلماء العظام كيف لاوهو كالصديق رضى الله عنه له اجره واجر من دون الفقه والفه وفرع احكامه على اصوله العظام الى يوم الحشر والقيام وقد اتبعه على مذهبه كثير من الاولياء الكرام ممن اتصف بثبات المجاهدة وركض فى ميدان المشاهدة كابراهيم بن ادهم وشقيق البلخى ومعروف الكرخى وابى يزيد البسطامى وفضيل بن عياض وداود الطائى وابى حامد الفاف وخلف بن ايوب وعبد الله ابن المبارك ووكيع بن الجراح وابى بكر الوراق وغيرهم ممن لا يحصى له عدة ان يستقصى فلو وجدوا فيه شبهة ماتبعوه لااقداوابه لا وافقوه

ترجمہ (امام اعظم کے) یہ (مناقب) ایک عظیم الشان امر پر دلالت کرتے ہیں جو امام صاحب کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بقیہ تمام بڑے بڑے علماء سے آپ کو ممتاز کرتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حال یہ ہے کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مانند ہیں، آپ کو اپنا ثواب بھی حاصل ہے اور اس شخص کا بھی جس نے فقہ کی تدوین و تالیف کی اور اس کے احکام کو اس کے عظیم الشان اصول پر متفرع کیا اور یہ ثواب تا قیامت ملتا رہے گا، اور دیگر علماء سے آپ کو امتیاز کیسے حاصل نہ ہوگا کیوں کہ حال یہ ہے کہ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کے مذہب کی پیروی اور تقلید کی ہے جو مجاہدہ کے ساتھ متصف اور مشاہدہ حق کے میدان میں تیز گام رہے ہیں جیسے ابراہیم بن ادہمؒ، شقیق بلخیؒ معروف کرخی، ابو یزید بسطامیؒ، فضیل بن عیاضؒ داود الطائیؒ، ابو حامد الکفافؒ، خلف بن ایوبؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ ابو بکر الوراقؒ اور ان کے سوا جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا پس اگر یہ اولیاء کرام آپ کے مسلک و مذہب میں کوئی شبہ پاتے تو وہ نہ آپ کی پیروی کرتے نہ اقتداء اور نہ موافقت ہی کرتے۔

تشریح بالغ مردوں میں آنحضرت ؐ کی تصدیق سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی اور ایمان لائے، پھر دوسرے لوگ ایمان لائے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کو خود اپنا ثواب ملے گا پھر آپ کی راہ جن لوگوں نے اختیار کی اور اس راہ پر چل کر ایمان لائے ان کا ثواب بھی ملے گا کیوں کہ حدیث میں ہے کہ جو کوئی نیک راستہ نکالتا ہے تو اس کو اس کا ثواب تو ملے گا ہی مگر اسی کے ساتھ ان تمام لوگوں کا ثواب بھی ملے گا جو تا قیامت اس نیک راہ پر چلیں گے۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے سب سے پہلے فقہ کی تدوین اور مسائل کا استخراج کیا امام مالکؒ نے مؤطا میں آپ کی پیروی کی،

آپ سے پہلے عہدِ صحابہ و تابعین میں تبویب و ترتیب اور جزئیات کی تفریع کا یہ کام کسی نے نہیں کیا، اس لئے امام صاحبؒ کو اس کام کا اپنا ثواب تو ملے گا ہی اسی کے ساتھ آپ کو ان لوگوں کا بھی ثواب ملے گا جنھوں نے آپ کے اس طریقہ کی پیروی کی اور دین کی اشاعت میں حصہ لیا۔

ایک دوسرا امتیاز امام اعظمؒ کا یہ بھی ہے کہ آپ کے مسلک کی بڑے اونچے درجہ کے اولیاء کرام نے تقلید کی جن کی خداترسی اور جن کا زہد و تقدس مسلم ہے۔ ولی اسے کہتے ہیں جو گناہ سے محفوظ ہو اور مسلسل طاعت الٰہی میں مشغول رہے

ابراہیم بن ادہمؒ شاہزادے تھے ایک دن شکار کو نکلے غیبی آواز آئی کیا تم اسی واسطے پیدا کئے گئے ہو، اس آواز کا اثر یہ ہوا کہ شکار ترک کر دیا جبہ پہنا اور مکہ پہونچ گئے پھر شام آئے اور عبادت الٰہی میں منہمک ہوگئے اور اسی حال میں انتقال فرمایا۔

شقیق بلخی (م ۱۹۴ھ) بھی ایک زاہد شب بیدار تھے اور ابراہیم ادہمؒ کے ساتھ رہے اخیر میں شہادت کی دولت نصیب ہوئی معروف کرخیؒ مشہور مستجاب الدعوات بزرگ گذرے ہیں آپ کا انتقال ۲۰۰ھ میں ہوا، لوگ آپ کی قبر کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔۔۔ ابویزید بسطامیؒ شیخ المشائخ کا درجہ رکھتے تھے ۱۶۱ھ میں خدا کو پیارے ہوئے۔

فضیل بن عیاضؒ پہلے ڈکیتی کیا کرتے تھے ایک عورت سے عشق ہوا، اسی عشق میں ایک دیوار پھاندی انہوں نے اس وقت سنا کہ کوئی پڑھ رہا ہے الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکراللہ اس آواز کا سننا تھا کہ دل بدل گیا، توبہ کی، وہاں سے واپس ہوئے اور حرم میں آکر سکونت اختیار کی اور یاد الٰہی میں زندگی گذار دی ۱۸۷ھ میں انتقال ہوا

داؤد طائی (م ۱۶۰ھ) امامؒ کے اصحاب میں ہیں عابد و زاہد ہونے کے ساتھ درس و تدریس میں بھی مشغول رہے

خلف بن ایوب (م ۲۱۵ھ) امام محمد و زفر کے ساتھیوں میں تھے تصوف ابراہیم ادہم سے حاصل کیا۔

عبد اللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) بڑے فقیہ زاہد گذرے ہیں انکی کتاب "الزہد والرقائق" ابھی حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی نے اپنی تعلیق و تحقیق کے ساتھ شائع کرائی ہے۔ امام ذہبیؒ نے آپ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اس امت کے ایک رکن کی حیثیت رکھتے تھے۔

وکیع بن الجراح صائم النہار قائم اللیل تھے ہر رات ایک قرآن ختم کرتے، ابن معینؒ کہتے ہیں کہ آپ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا آپ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے ۱۹۸ھ میں وفات پائی، ابو بکر وراق اور دوسرے اولیاء و صوفیا بھی بڑے لوگوں میں تھے۔

وقد قال الاستاذ ابو القاسم القشیری فی رسالته مع صلابته فی مذعبه وتقدمه فی هذا الطریقة سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول انا اخذت هذه الطریقة من ابی القاسم النصراباذی وقال ابو القاسم اما اخذ تها من الشبلی وهو اخذها من السری السقطی وهو من معروف الکرخی وهو داؤد الطائی وهو اخذ العلم والطریقة من ابی حنیفة وکل منهم اثنی علیه واقر بفضله فتعجبنا له یا اخی الم تکن لك اسوة حسنة فی هٰولاء الساداة الکبار کانو مهمین فی هذاالاقرار والافتخار وهم ائمة هذه الطریقة وارباب الشریعة والحقیقة ومن بعدهم فی هذا الامر فلهم تبع وکل

ماخالف ما اعتمدوہ مردود وتبتدع وبالجملة فليس ابوحنيفة فی زهده وورعه وعبادته وعلمه وفهمه بمشارك ومما قال فيه ابن المبارك۔

لقد زان البلاد ومن عليها امام المسلمين ابوحنيفة

باحكام وآثار وفقه كآيات الزبور على الصحيفة

فمافي المشرقين له نظير ولافي المغربين ولابكوفة

يبيت مشمرا سهر الليال وصام نهاره لله خيفه

فمن كابي حنيفة في علاه امام للخليفة والخليفة

رايت العائبين له سفاها خلاف الحق مع حجج ضعيفة

وكيف يحل ان يوذى فقيهه له في الارض آثار شريفة

فقد قال ابن اديس مقالا صحيح االنقل في حكم طيفة

بان الناس في فقه عيال على فقه الامام ابی حنيفه

االناس عيال على ابى حنيفة فى الفقه عن عبيض الصحيفة للسيوطى الشافعی۔

فلعنة ربنا اعداد رمل

على من در قول ابی حنيفة على من حظ قدر ابی حنيفة

ترجمہ تحقیق کہ استاذ ابوالقاسم قشیری نے اپنے رسالہ قشیریہ میں لکھا ہے حالانکہ وہ اپنے مذہب شافعی پر بہت سخت تھے اور تصوف میں اونچا درجہ رکھتے تھے، انکا بیان ہے کہ میں نے استاذ ابو علی دقاق سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے یہ طریقہ ابوالقاسم نصر آبادی سے لیا اور ابوالقاسم نے کہا کہ میں نے یہ شبلیؒ سے لیا ہے اور انہوں نے سری سقطیؒ سے لیا اور انہوں نے معروف کرخیؒ سے لیا اور انہوں نے داؤد طائیؒ سے اور انہوں نے علم اور طریقت دونوں امام ابو حنیفہؒ سے حاصل کئے اور ان میں سے ہر ایک نے امام صاحب کی تعریف کی اور آپ کے فضائل کا اقرار کیا ہے۔ پس اے میرے بھائی مجھے تم پر تعجب ہے کیا تمہارے لئے ان اکابر واسلاف میں اسوہ حسنہ نہیں ہے، کیا یہ لوگ اپنے اس اقرار وافتخار میں غلط گو تھے، حالانکہ وہ سب اس طریقہ تصوف اور درویشی کے امام وپیشوا تھے اور خود صاحب طریقت وشریعت تھے انکے بعد جو بھی آئے انہوں نے اس معاملہ میں انکی پیروی کی، اور جو بات انکے اعتقاد کے مخالف ہے وہ قابل رد اور نو ایجاد (بدعت) ہے خلاصہ یہ ہے کہ زہد، پرہیزگاری، عبادت، علم، اور فہم میں کوئی آپ کا شریک نہیں۔ اور عبداللہ ابن مبارکؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی مدح وستائش میں جو کچھ کہا ہے ان میں سے چند ابیات یہ ہیں لقد زان البلاد ومن عليها ۔امام المسلمين ابوحنيفة۔ اس شعر اور دوسرے اشعار کا ترجمہ یہ ہے:۔

بلاشبہ شہروں اور انکے باشندوں کو مسلمانوں کے امام ابو حنیفہؒ نے زینت بخشی ہے احکام شریعت، احادیث اور فقہ کے

ذریعہ اس طرح کہ زبور کی آیتیں ورق میں لکھی ہوئی ہیں، نہ دونوں مشرق میں آپ کے مثل کوئی ہے اور نہ دونوں مغرب اور کوفہ میں، رات میں مستعد شب بیدار ہیں اور دن میں خوف خدا سے روزہ دار، پس کون ہے اس امام ابو حنیفہؒ کے مرتبہ کا جو اخلاق اور مخلوق کا بادشاہ ہے، جو ان کو عیب لگاتے ہیں ان سب کو میں نے بیوقوف، عقل سے کورا پایا، حق کے مخالف اور کمزور دلیل کے ساتھ کیوں کر درست ہوگا کہ کوئی اس فقیہ کو تکلیف پہونچائے جس کے آثار زمین میں بیشمار ہیں۔

امام محمد بن ادریس الشافعیؒ نے لطیف وپاکیزہ حکمتوں کے ضمن میں ایک درست بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ فقہ میں تمام لوگ امام ابو حنیفہؒ کے بال بچے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بے شمار لعنت ہو اس پر جو امام ابو حنیفہؒ کے قول کو رد کرے

تشریح ان تمام اشعار واقوال کے نقل کا ماحصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ جلیل القدر فقیہ تھے جس کا اعتراف تمام اہل اللہ اور اہل علم نے کیا ہے اور آپ پر طعن وتشنیع کرنے والوں کو حقیر وبے وقعت جانا ہے پھر یہ کہ ائمہ اربعہ میں آپ سب سے مقدم ہیں عمر میں بھی، درجہ میں بھی اور علم وفہم میں بھی، کچھ ناسمجھ لوگوں نے تعصب میں آکر آپ کے خلاف بھی بہت کچھ لکھا ہے اللہ ان کو معاف کرے اور فہم مستقیم عطا کرے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول جو شخص حقیر جان کر رد کردے تو وہ زیادہ سے زیادہ مرتکب حرام کہلائیگا اور مرتکب حرام پر لعنت درست نہیں ہے، لیکن یہاں اس شعر میں چونکہ کسی کا نام نہیں لیا گیا ہے اس لئے مضائقہ نہیں جیسے ظالموں پر یا جھوٹوں پر بغیر نام لئے لعنت کی جاتی ہے۔

وقد ثبت ان ثابتا والد الامام ادرك علی بن ابی طالب فدعاله ولذریته بالبركة

ترجمہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے والد بزرگوار ثابت نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو پایا ہے یعنی انکی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور حضرت علیؓ نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

تشریح شامی میں پوری روایت نقل کی گئی ہے کہ ابو حنیفہؒ کا خاندان آزاد لوگوں میں سے ہے جس پر کبھی غلامی کا عیب نہیں لگا، ثابت حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ چھوٹے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ نے ان کے اور انکی اولاد کے لئے برکت کی دعا فرمائی، راوی کا بیان ہے کہ مجھے دعا قبول ہونے کی پوری توقع ہے۔

وصح ان ابا حنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة لما لبسط فی اواخر منية المفتی وادرك بالسن نحو عشرين صحابيالما لسبط فی اوائل الضياء وقد ذكر العلامة شمس الدين محمد ابو النصربن عرب شاه الانصاری الحنفی فی منظومة الالفيه المسماة بجواهر العقائد ودرر القلائد ثمانية من الصحابة ممن يروی عنهم الامام الاعظم ابوحنيفة رحمة الله عليه وعليهم اجمعين حيث قال۔

معتقدا مذهب عظيم الشان ابی حنيفة الفتی النعمان
التـابعـی سـابق الائمـة بالعلم والدين سراج اللامة

جمعا من اصحاب النبی ادرکا اثرھم قد اقتفی وسلکا
طریقہ واضحۃ المنھاج سالما من الضلال الدجی
روی عن انس وجابر وابن ابی اوفی کذا عن عامر
انی ابا الطفیل ذابن واثلۃ وابن انیس الفتی وواثلۃ
عن ابن جزء قدروی الامام وبنت عجز وھی التمام

ترجمہ یہ بات صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے سات صحابہ کرام سے حدیث سنی، چنانچہ منیۃ المصلی کے اخیر میں صراحت کے ساتھ یہ موجود ہے اور عمر کے حساب سے آپ نے قریباً بیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا جیسا کہ ضیاء معنوی کے شروع میں مذکور ہے اور علامہ شمس الدین محمد ابو النصر بن عرب شاہ انصاری حنفی نے اپنے اس منظوم کلام میں ذکر کیا ھے جس کا نام ''جواہر العقائد ودرر القلائد'' ہے، یہ کہ آٹھ صحابہ کرام ہیں جن سے امام ابو حنیفہؒ نے روایت کی ہے اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو، ان کے اشعار یہ ہیں۔ (ترجمہ) اس عظیم المرتبت، جوانمرد، نعمان ابو حنیفہؒ کے مذہب کا معتقد ہو کر کہتا ہوں جو تابعی ہیں اور علم دین میں تمام ائمہ سے مقدم اور امت محمدی کے چراغ ہیں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو پایا، آپ بلاشبہ ان کے پیرو ہو گئے اور وہ راستہ اختیار کیا جو کھلا ہوا اور تاریکی وگمراہی سے محفوظ ہے، انھوں (ابو حنیفہ) نے روایت کی حضرت انسؓ حضرت جابرؓ حضرت ابن ابی اوفی اور عامر سے یہاں عامر سے مراد ابو الطفیل بن واثلہ ہیں اور روایت کی جوانمرد تے عبد اللہ انیس اور واثلہ بن اسقع سے اور امام صاحب نے روایت کی عبد اللہ بن حارث بن جزز بیدی سے اور عائشہ بنت عجرہ سے، ان پر آٹھ کا عدد پورا ہو گیا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ سے اور تمام بڑے ساتھیوں سے راضی رہیں۔

تشریح اس میں کسی محقق اور منصف کو شبہ نہیں ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو پایا ہے جو کوفہ میں آپ کی پیدائش ۸۰ھ کے بعد موجود تھے، اور یہ شرف تابعیت آپ کے سوا آپ کے معاصرین میں سے کسی کو حاصل نہیں جیسے شام میں امام زاعیؒ، بصرہ میں حمادینؒ، کوفہ میں ثوریؒ، مدینہ منورہ میں امام مالکؒ اور مصر میں لیث بن سعدؒ باقی سماعت حدیث صحابہ کرامؓ سے اس میں گفتگو ہے، متقدمین جنھوں نے آپ کے مناقب میں کتابیں لکھی ہیں ان سے اس طرح کی کوئی روایت منقول نہیں ہے باقی آپ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھنا اور صحابہ کرام کی ایک جماعت کا باعتبار عمر زمانہ پانا یہ دونوں درست ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے

حافظ سیوطیؒ نے تبییض الصحیفہ میں لکھا ہے کہ امام ابو معشر عبد الکریم ابن عبد الصمد طبری مقری شافعیؒ نے ایک جز تالیف کیا ہے جس میں امام صاحبؒ کی چار صحابیوں سے روایت نقل کی ہے۔

ان حجرؒ نے کہا ہے ۸۰ھ میں جب امام ابو حنیفہؒ کوفہ میں پیدا ہوئے وہاں اس وقت عبد اللہ بن ابو اوفی صحابیؓ موجود تھے، بصرہ میں حضرت انسؓ صحابی تھے اس لئے کہ آپ کی وفات ۹۲ھ میں ہوئی ابن سعدؒ نے بھی کہا ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ کو دیکھا خوارزمیؒ نے مسند امام میں نقل کیا ہے کہ اس بات میں علماء متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے

اختلاف ان صحابہ کی تعداد میں ہے بعضوں نے چھ مرد اور ایک عورت بتایا اور بعضوں نے کہا پانچ مرد اور ایک عورت سے اور بعضوں نے سات مرد اور ایک عورت کا نام لیا ان میں انس بن مالکؓ (م ۹۳ھ)۔ عبداللہ ابن انیسؓ، عبداللہ ابن حارث بن جزء زبیدیؓ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ م ۸۸ھ واثلہ بن اسقعؓ اور عائشہ بنت عجردؓ اور جنھوں نے آٹھ کہا ہے اس میں معقل بن یسارؓ بڑھ جاتے ہیں اور جو کم بتاتے ہیں وہ حضرت جابرؓ اور حضرت معقلؓ کو داخل نہیں کرتے، ابوالطفیل کو کوئی ذکر نہیں کرتا اتنی بات مسلم ہے کہ صحابہ ۱۰۲ھ تک پائے گئے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہؓ کی موجودگی کے باوجود آپ ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے ہوں، بہر حال قاعدہ یہ ہے کہ ایک مثبت ہو اور دوسرا نافی انکار کرنے والا تو مثبت کو نافی پر ترجیح ہے، حنفیہ کے علاوہ شوافع کے علماء بھی اس کے قائل ہیں۔

وتوفی ببغداد قیل فی السجن لیلی القضاوله سبعون سنة بتاریخ خمسین ومائة قیل ویوم توفی ولد الامام الشافعی رضی الله عنه فعد من مناقبه

ترجمہ اور امام ابو حنیفہؒ نے ۱۵۰ھ میں بغداد کے اندر وفات پائی اس وقت آپ کی عمر ستر برس کی تھی اور بعضوں نے کہا کہ انتقال قید خانہ میں ہوا آپ اس لئے قید کئے گئے تھے کہ عہدۂ قضا آپ سے قبول کرانا چاہتے تھے اور بعضوں نے کہا کہ جس دن امام ابو حنیفہؒ نے وفات پائی اسی دن امام شافعیؒ پیدا ہوئے، یہ امام اعظم یا امام شافعیؒ کے مناقب میں شمار کیا گیا ہے

تشریح ابن خلکان وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے ستر برس زندہ رہے ۱۵۰ھ میں وفات پائی اور یہی قول صحیح ہے انتقال قید خانہ میں ہوا مگر بہر حال منصب قضا آپ نے قبول نہیں کیا، یہ شعبان یا رجب کا مہینہ تھا، مقبرہ خیزران میں دفن ہوئے۔

خلیفہ منصور عباسی نے چاہا کہ آپ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کرلیں آپ نے انکار کر دیا اس جرم میں آپ قید کر دیے گئے اور روزانہ نکال کر سر بازار دس کوڑے لگائے جاتے اور آواز لگائی جاتی پھر اس کے بعد بہت بری طرح کوڑے سے آپ کو پیٹا گیا کہ پاؤں خون سے لہو لہان ہو گیا مگر پھر بھی قبول نہیں کیا پھر کھانے پینے میں جیل کے اندر حد درجہ تکلیف دی گئی، یہ حال دیکھ کر خدا کے آگے روئے گڑگڑائے چنانچہ اس کے پانچ دنوں بعد آپ کی وفات ہو گئی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیالے میں زہر گھول کر پینے کو دیا گیا، انکار کرنے پر زبردستی آپ کے حلق میں انڈیل دیا گیا ایک قول یہ ہے کہ یہ سب خلیفہ منصور کے سامنے ہوا اور یہ درست ہے جب آپ نے محسوس کیا کہ موت کا وقت قریب آگیا ہے تو سجدہ میں گر پڑے اور اسی حال میں جان، جان آفریں کو سپرد کر دی۔ تفصیل کے لئے پڑھئے "امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی" از مولانا گیلانیؒ۔

وقد قیل لحکمة فی مخالفة تلامیذه انه رای صبیا یلعب فی الطین فحذره عن السقوط فاجابه بان احذرانت من السقوط فان فی سقوط العالم سقوطا العالم فحینئذ قال لاصحابه ان توجه لکم دلیل فقولوا به فکان کل یاخذ بروایة عنه ویرجحها وهذا من احتیاطه وورعة وعلم بان الاختلاف من آثار الرحمة فهما کان اکثر کانت الرحمة اوفر کما قالوا اختلاف امتی رحمة الله

ترجمہ کہا گیا ہے کہ امام اعظمؒ کے شاگردوں کی مخالفت کی حکمت یہ ہے کہ امام اعظمؒ نے ایک بچہ کو کیچڑ میں کھیلتے ہوئے دیکھا آپ نے ڈرایا کہ کہیں تو گر نہ جائے، اس لڑکے نے آپ کو جواب دیا کہ گر پڑنے سے آپ خود بچیں، کیوں کہ

عالم دین کا گر جانا دنیا کا گر پڑنا ہے تو اس وقت آپ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی دلیل شرعی آئے تو تم اس کے ہی قائل و عامل بن جاؤ، لہٰذا آپ کا ہر شاگرد آپ سے ایک روایت لیتا اور اس کو ترجیح دیتا تھا، آپ کی یہ اجازت آپ کی بڑھی ہوئی احتیاط اور پرہیزگاری کی وجہ سے ہے اور اس اجازت سے معلوم ہوا کہ مجتہدین کا اختلاف رائے مرحمت الٰہی کی نشانیوں میں سے ہے، لہٰذا جس قدر یہ اختلاف زیادہ ہوگا اتنی ہی زیادہ رحمت الٰہی ہوگی جیسا کہ علماء نے لکھا ہے۔

تشریح بچہ کا واقعہ ایک ہدایت ربانی تھی جس نے فکر و احساس کو تابندگی بخشی اور آپ نے یہ محسوس کیا کہ مجتہد کی ذرا سی بھول چوک اور لغزش سے دنیا کو کتنا بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ امام ابو جعفر شیرمازیؒ، شقیق بلخیؒ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر پارسا، شریف النفس، داد و دہش والے اور دین کے باب میں محتاط تھے، ذاتی رائے سے بہت دور رہتے تھے اس وقت تک کوئی مسئلہ قلم بند کرنے کا حکم نہ دیتے جب تک ایسی مجلس منعقد کر کے اپنے تمام ساتھیوں اور ممبران مجلس سے بحث و مباحثہ اور چھان پھٹک نہ کر لیتے، جب سب کسی مسئلہ پر متفق ہو جاتے تو امام ابو یوسفؒ سے فرماتے فلاں باب میں اسے نوٹ کر لو، امام شعرانی وغیرہ نے بھی آپ کا یہ طریقہ نقل کیا ہے ہزار کا مجمع تھا جس میں چالیس حدِ اجتہاد کو پہونچے ہوئے اور ہر فن کے ماہر تھے، مہینہ مہینہ بھر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ایک ایک مسئلہ پر بحث جاری رہتی اس میں کتاب و سنت کا جو ذخیرہ جس کے پاس ہوتا پیش کرتا امام صاحبؒ کو احساس تھا کہ میری پیٹھ لوگوں کے لئے پل ہے لہٰذا یہ پل جنت کا بنے کہ دونوں کامراں اور بامراد جائیں اور بامراد لوٹیں۔

امام صاحبؒ کے تلامیذ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام زفرؒ، امام حسن رحمہم اللہ سبھوں کا کہنا تھا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ امام اعظمؒ کی ہی روایت ہوتی ہے اور اس پر قسم کھاتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ پوری فقہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے رہی رجوع والی بات کہ امام اس قول سے رجوع کر چکے ہوں، درست ہے مگر آپ نے خود اجازت دے رکھی تھی کہ جب کوئی مضبوط دلیل مل جائے تو اسے اختیار کرو، دوسرے یہ بھی امام صاحبؒ سے صحیح روایت ہے کہ آپ نے فرما رکھا تھا کہ جب حدیث سے کوئی بات ثابت ہو جائے وہی میرا مذہب ہے خواہ بظاہر یہ حدیث میرے مذہب کے خلاف ہو، یعنی وہ مذہب اور مسئلہ چھوڑ دیا جائے اور حدیث پر عمل کیا جائے۔

رہی بات اختلافِ امت رحمت ہے یعنی اس کی وجہ سے بڑی توسع پیدا ہو جاتی ہے، اس سلسلہ میں صحیح حدیث یہ نقل کی جاتی ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تک کتاب اللہ میں کوئی چیز ملے اس پر عمل کرو، کسی کو ترک کی اجازت نہیں، اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو میری سنت پر عمل کرو، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اقوال صحابہ پر عمل کرو کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی اقتداء سے ہدایت یاب ہوگے اور میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے، بعض حدیث کے الفاظ ہیں میری امت کا اختلاف لوگوں کے لئے رحمت ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر صحابہ کا اختلاف مسائل میں نہ ہوتا تو میرے لئے کوئی خوش کن بات نہ ہوتی اس لئے اگر ایسا ہوتا تو رخصت کا وجود نہ ہوتا۔

یہ مشہور واقعہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جب موطا کی تالیف فرمائی تو خلیفہ ہارون رشید نے عرض کیا کہ میں اسے تمام ممالک میں بھیجدیتا ہوں کہ لوگ اس پر عمل کریں، یہ سن کر امام موصوف نے فرمایا اے امیر المومنین! علماء کا اختلاف

اس امت کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے ایک بڑی رحمت ہے ہر شخص اس پر عمل کرتا ہے جو اس کے نزدیک صحیح ہے اور ہر ایک ہدایت پر ہے اور سب کا منشا رضائے الٰہی ہے، منشا یہ تھا کہ قید و بند کے بعد آزادی باقی نہ رہے گی اس لئے ایسا نہ کیا جائے۔

رسم المفتی

"نئی ان اصول کی نشاندہی جن کی مفتی کو ضرورت ہوتی ہے اور کوئی مفتی ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے، یہ بحث گذر چکی ہے کہ اصولیین کے نزدیک مفتی کا مجتہد ہونا ضروری ہے، امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں مگر امام محمدؒ ہر اس عالم دین فقیہ کے لئے اقتداء جائز قرار دیتے ہیں جس کی درستی غلطی سے زیادہ ہو اور بعضوں نے لکھا ہے کہ شہر کے بڑے عالم کو فتوی دینے سے اجتناب نہیں کرنا چاہئے۔ صاحب فتح القدیرؒ فرماتے ہیں کہ مفتی وہی ہے جو مجتہد ہو باقی وہ غیر مجتہد جو مجتہد کے اقوال یاد رکھتا ہے مفتی نہیں ہے اس کا فرض ہے کہ جب کوئی اس سے کوئی مسئلہ پوچھے تو مجتہد کے قول کے حوالہ سے جواب دے اور نقل فتوی کی آجکل سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ مستند اور مشہور و مقبول کتاب کے حوالہ سے فتوی دیا جائے، کیوں کہ ایسی کتاب خبر متواتر کے درجہ میں ہے غیر معروف یا مختصر سے فتوی دینا درست نہیں ہے۔

اعلم ان ماتفق علیه اصحابنا فی الروایة الظاهرةعنه یفتی به قطعا واختلف فیما اختلفوا فیه والاصح کما فی السواجیة وغیرها انه یعنی بقول الامام علی الاطلاق ثم یقول الثانی ثم یقول الثالث ثم یقول زفر والحسن بن زیاد

ترجمہ واضح رہے کہ فتوی ظاہری روایات میں اس قول پر یقینی طور پر دیا جائے جس پر امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب متفق ہوں اور جس میں احناف کا اختلاف ہو، اس میں اختلاف ہے کہ کیا کیا جائے اس باب میں صحیح تر قول یہ ہے کہ مطلقاً امام ابو حنیفہؒ کے قول پر فتوی دیا جائے سراجیہ اور دوسری کتابوں میں یہی ہے، پھر یعنی جب امام صاحبؒ کا قول نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جائے پھر امام محمدؒ کے قول پر پھر امام زفرؒ کے قول پر پھر حسن بن زیاد کے قول پر۔

مسائل احناف کے تین طبقے ہیں (۱) مسائل اصول۔ (۲) مسائل نوادر۔ (۳) مسائل واقعات۔

تشریح مسائل اصول ہی کا دوسرا نام ظاہر الروایہ" ہے یہ مسائل اصحاب مذہب امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ سے مروی ہوتے ہیں انہی اصحاب مذہب میں امام زفر اور حسن بن زیاد وغیرہما بھی آجاتے ہیں جنھوں نے بلا واسطہ امام اعظمؒ سے اخذ مسائل کیا ہے لیکن عموماً ظاہری الروایہ کا اطلاق تین کے قول پر ہوتا ہے، امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ۔ امام محمدؒ کی چھ کتابیں ظاہر الروایہ ہیں کہ ان میں مضبوط اور ثقہ رواۃ ہیں وہ چھ کتابیں یہ ہیں۔ (۱) مبسوط۔ (۲) زیادات۔ (۳) جامع صغیر۔ (۴) سیر صغیر۔ (۵) جامع کبیر۔ (۶) سیر کبیر۔

مسائل النوادر انہی حضرات سے مروی ہے، لیکن چھ کتابوں میں نہیں بلکہ امام محمدؒ کی دوسری کتابوں میں جیسے کیسانیات ہارونیات، جرجانیات رقیات انکو غیر ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کا درجہ پہلی کتابوں کا سا نہیں ہے اور مسائل واقعات وہ ہیں جنھیں متاخرین مجتہدین نے مستنبط کیا، جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا اور انہوں نے ان کتابوں میں موجود نہیں پایا یہ

سب امام ابو یوسفؒ، امام محمد کے تلامیذ ہیں۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ پہلے امام اعظمؒ کے قول پر فتوی دیا جائے گا خواہ وہ منفرد ہوں، لیکن اگر کسی مسئلہ میں صاحبین ایک طرف ہوں اور ابو حنیفہؒ دوسری طرف تو پھر اس وقت مفتی کو اختیار ہے لیکن اگر مجتہد نہیں ہے تو امام اعظم کے قول پر فتوی بہتر رہے گا اور ان صاحبین سے کوئی اگر امام اعظمؒ کے ساتھ ہوں تو پھر یہ پہلو خود بخود راجح قرار پائے گا اور اگر صاحبینؒ کا قول امام اعظم کے مخالف ہو اور ایسا زمانہ وعصر کی وجہ سے ہو تو پھر صاحبین کا ہی قول لیا جائے گا جیسے قضاء مزارعت اور اس طرح کے دوسرے مسائل اور بعضوں کا کہنا ہے کہ ہر حال میں مفتی کو اختیار ہے۔

وصح فی الحادو القدسی قوة المدرك وفی وقف البحروغیره کان فی المسئلة قولان مصححا ان جاز القضاء والافتاء باحدهما

ترجمہ اور الحاوی القدسی میں قوت دلیل کی تصحیح کی ہے اور البحر الرائق کی کتاب الوقف وغیرہ میں ہے کہ جب ایک مسئلہ میں دو قولوں کی تصحیح واقع ہوئی ہو تو قاضی اور مفتی کو ان دونوں میں سے کسی ایک پر فیصلہ اور فتوی دینا جائز ہے۔

تشریح "مدرک صیغہ اسم مفعول دلیل کے معنی میں ہے، پہلے جو ترتیب بیان کی گئی ہے اس کے یہ قول مخالف ہے کیوں کہ ان اشخاص پر ترتیب تھی یہاں قوت دلیل پر ہے، یعنی امام اعظمؒ کا قول ہو یا امام ابو یوسفؒ کا یا امام محمدؒ کا دیکھا جائے، دلیل کے اعتبار سے کون قوی ہے اسی کو مقدم رکھا جائے۔

ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں بعضوں کو دلیل کی فہم اور اسکی تمیز ہوتی ہے اور بعضوں کو اسکی تمیز نہیں ہوتی ہے جن کو فہم اور تمیز نہ ہو وہ پہلی ترتیب اشخاص کے مطابق فتوی دے اور جن کو دلیل کے فہم پر قدرت ہو وہ دلیل کو بنیاد بنا کر فتوی دے۔

ایک مسئلہ میں دو قول اس طرح ہیں کہ دونوں کو صحیح یا اصح کہا گیا ہے یا ایک کو اصح اور دوسرے کو صحیح، تو ان تمام صورتوں میں سے جس قول پر چاہے فتوی دے سکتا ہے اور قاضی فیصلہ لکھ سکتا ہے۔

وفی اول المضمرات اما العلامات للافتاء فقوله وعلیه الفتوی وبنا به یفتی وبه ناخذ وعلیه الاعتماد وعلیه عمل الیوم وعلیه عمل الامة وهو الصحیح اوالاصح اوالاظهر اوالاشبه اوالاوجه اوالمختار وغیر نحوها مما ذکر فی حاشیه البزدوی انتهی قال شیخنا الرملی فی فتاوه وبعض الالفاظ اکدمن بعض فلفظ الفتوی اکدمن الصحیح والاحوط اکدمن الاحتیاط انتهی قلب لكن فی شرح المنیة للحلبی عند قوله لا یجوز مس المصحف الابغلافه اذا تعارض امامان معتبران عبراحدهما الصحیح والاخر بالاصح فالاخذبالصحیح اولی لانهما اتفقا علی انه صحیح والاخذ بالمنفق والا اوفق فلیحفظ ثم رأیت فی رساله آداب المفتی اذا ذیلت روایة فی کتاب معتمد بالاصح اوالاولی اوالا وفق ونحوها فله ان یفتی بها وبمخالفها ایضا ایا شاء اذا ذیلت بالصیح اوالماخوذ به وبه یفتی وعلیه الفتوی لم یفت بمخالفها الااذاکان فی الهدایه مثلا

هو الصحيح وفي الكافي بمخالفه وهو الصحيح فيخير ويختار الاقوى عنده والاليق والاصلح انتهى فليحفظ

ترجمہ اور مضمرات کے شروع میں ہے کہ فتوی دینے کی علامتیں بارہ الفاظ ہیں۔(۱) علیہ الفتویٰ۔(اسی قول پر فتوی ہے،(۲) بہ یفتی (اسی قول کے ساتھ فتوی دیا گیا ہے)(۳) بہ ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں)(۴) علیہ الاعتماد (اسی قول پر اعتماد ہے۔(۵) علیہ عمل الیوم (آج کل اسی پر عمل ہے)۔(۶) علیہ عمل الامۃ (اسی پر امت کا عمل ہے)(۷) ہوالصحیح (یہی قول صحیح ہے)(۸) ہوالاصح (یہی زیادہ درست ہے)(۹) ہوالاظہر (یہی ظاہر تر ہے)(۱۰) ہوالاشبہ (یہی حق کے زیادہ مطابق ہے)(۱۱) ہوالاوجہ (زیادہ موجہ یہی ہے)(۱۲) ہوالمختار (یہی پسند کیا گیا ہے)اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ جو حاشیہ بزدوی میں مذکور ہیں (اور وہ یہ ہیں)وعلیہ العمل الیوم (آج کل اسی پر عمل ہے)وبہ جرفی العرف (عرف عام میں یہی رائج ہے)ہوالمتعارف (یہی متعارف ہے)وبہ اخذ علماء نا (ہمارے علماء نے اسی کو لیا ہے)

اور ہمارے استاذ محترم خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ فتوی کے بعض الفاظ بعض سے زیادہ مؤکد ہیں جیسے "فتوی" کا لفظ صحیح ،اصح اور اشبہ وغیرہ الفاظ سے زیادہ مؤکد ہے (وغیرہ میں احوط اور اظہر وغیرہ الفاظ ہیں اور اسی طرح بہ یفتی کا لفظ الفتوی علیہ سے زیادہ مؤکد ہے اور الاصح کا لفظ الصحیح کے لفظ سے مؤکد تر ہے اور الاحوط کا لفظ احتیاط کے لفظ سے مؤکد ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ حلبی نے شرح منیہ میں جہاں ماتن منیہ کا قول لایجوز مس المصحف الابغلاف آیا ہے وہاں لکھا ہے کہ جب دو معتبر اماموں کا تعارض ہو،ان میں سے ایک "صحیح" کے لفظ سے تعبیر کرے اور دوسرا "اصح" کے لفظ سے تو اس وقت وہ جس نے "صحیح" کے لفظ کے ساتھ کہا ہے اسی کا اختیار کرنا بہتر ہے،اس لئے کہ صحیح ہونے پر دونوں اماموں کا اتفاق ہوا اور اصح میں اتفاق نہیں ہے لہذا متفق علیہ پر ہی عمل کرنا احتیاط کا تقاضہ ہے اسے یاد رکھو۔

پھر میں نے رسالہ آداب المفتی میں دیکھا کہ جب کسی مستند کتاب میں روایت کے بعد لکھا ہو کہ یہ اصح ہے یا اولیٰ ہے یا اسی طرح کے الفاظ جیسے اوجہ اور احوط ہ تو اس وقت مفتی کو اختیار ہے کہ اس روایت کے مطابق فتوی دے یا اسکے مخالف دوسری روایت کے مطابق ،دونوں میں سے جس کے مطابق چاہے فتوی دے سکتا ہے اور جب کسی روایت کے بعد لفظ "صحیح" یا "ماخوذ بہ" یا "بہ یفتی" یا "علیہ الفتوی" لکھا ہوا ہو تو اس کے مخالف جو روایت اس کے مخالف ہو اس پر فتوی نہ دے کیوں کہ صحیح کے مقابل ضعیف ہے اور ماخوذ بہ کے مقابلہ میں غیر ماخوذ بہ اور بہ یفتی علیہ الفتوی کے مقابلہ میں غیر مسمی بہ ہے لیکن اگر ہدایہ کی روایت کے بعد جب ہوالصحیح لکھا ہوا ہو اور کافی نامی کتاب میں اسکے مخالف روایت ہے اور اس کے بعد بھی ہوالصحیح لکھا ہو تو اس وقت مفتی کو اختیار ہے کہ جس روایت کو وہ اپنے نزدیک زیادہ مضبوط زیادہ مناسب اور زیادہ لائق سمجھے اسی کو لے پس چاہئے کہ اس کو یاد رکھیں یعنی اختلاف کی صورت میں جو روایت ازروئے دلیل قوی ہو اسے اختیار کرنا چاہئے

حاصل ما ذكره الشيخ قاسم في تصحيح انه لا فرق بين المفتي والقاضي الاان المفتي مخبر عن الحكم والقاضي ملزم به كذا في الطحطاوي والى الحكم والفتيابالقول المرجوح جهل وخرق الاجماع

ترجمہ اور شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں ذکر کیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ روایت کے اختیار کرنے میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس میں مفتی اور قاضی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے ہاں ان دونوں میں جو فرق ہے وہ اس بات میں ہے کہ مفتی حکم شرعی کا بتادینے والا ہے (عمل کرنا نہ کرنا مستفتی کے اختیار میں ہے) اور قاضی اس حکم مذکور کو لازم کردینے والا ہے کیوں کہ یہ صاحب اختیار ہے عمل نہ کرنے کی صورت میں قید کرسکتا ہے، تعزیر کرسکتا ہے اور حدود و قصاص کا اجرا بھی کرسکتا ہے کذافی الطحطاوی اور قول مرجوح پر مفتی یا قاضی کا حکم دینا یا فتوی دینا جہالت ہے اور اجماع کا تباہ کرنا ہے۔

تشریح یعنی مفتی اور قاضی اس بات میں بالکل آزاد نہیں ہیں کہ جو جی میں آئے کریں۔ بلکہ انکا فرض ہے کہ وہ قاعدے کے مطابق اور راجح قول پر عمل کریں اور جو تفصیل رسم المفتی کے سلسلہ میں دی گئی ہے اس کو پیش نظر رکھیں، باقی ظاہر الروایہ کو چھوڑ کر مرجوح قول پر عمل یہ جائز نہیں ہے نہ اپنے معاملہ میں اور نہ دوسرے کے معاملہ میں ہاں کوئی مجبوری یا مصلحت عامہ ایسی ہو تو الگ بات ہے اس لئے کہ مرجوح قول منسوخ کے درجہ میں ہوا کرتا ہے جیسے امام محمد کے قول پر بلاوجہ کوئی فتوی دے اور امام ابو یوسفؒ کا جو قول پایا جاتا ہے اسے چھوڑ دے ہاں کوئی وجہ ترجیح اگر امام محمدؒ کے قول میں پائی جاتی ہے تو اس پر فتویٰ درست ہے گو اس کے مقابلہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول موجود ہے، اس لئے جس قول سے رجوع کرلیا گیا ہو اس پر فتوی دینا بھی درست نہیں ہے۔

وان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقا وھو المختار فی المذھب

ترجمہ اور چند مذاہب سے ملا جلا حکم مرکب کرنا بالاتفاق باطل ہے جیسے سر کے مسح میں امام شافعیؒ کے قول پر عمل کیا اور ایک بال کے مسح کو کافی سمجھا اور نماز پڑھنے چلا تو امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کیا اور فاتحہ چھوڑ دی اسے اصطلاح میں تلفیق کہتے ہیں اس صورت میں اس کی نماز نہیں ہوئی کیوں کہ مذہب حنفی میں ایک بال کے مسح سے وضو درست نہیں ہوا اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترک فاتحہ سے نماز نہیں ہوئی اور عمل کرچکنے کے بعد تقلید سے پھرنا بالاتفاق باطل ہے اور مذہب میں یہی قول مختار ہے

تشریح تلفیق کی ایک مثال تو پہلے دی جاچکی ہے دوسری مثال یہ ہے جیسے ایک باوضو شخص تھا اس کے بدن سے خون بہا اور عورت کو چھوا بھی، اس کے بعد نماز پڑھی تو اب اس کی نماز کی صحت حنفی شافعی دو مذہب کی ترکیب سے ہوئی اور یہ تلفیق باطل ہے لہذا صحت صلوۃ بھی باقی نہیں رہی۔ امام شافعیؒ کے یہاں خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے، اور عورت کو چھونے سے امام ابو حنیفہؒ کے یہاں وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور امام شافعیؒ کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے، اب نمازی یہ سمجھے کہ ایک مسئلہ میں مذہب حنفی پر عمل ہوا اور ایک میں شافعی پر۔ تو یہ درست نہیں ہے

اور تقلید کے بعد رجوع کی مراد یہاں یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں ایک مذہب کو مان کر پھر اس سے پھرنا یہ جائز نہیں ہے جیسے کسی نے ظہر کی نماز ایسے وضو سے پڑھی جس میں چوتھائی سر کا مسح کیا تھا جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے، اب وہ امام مالکؒ کی تقلید میں یہ مان کر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے اس نماز کو باطل قرار دے یہ فعل جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی ایکدن ایک

مذہب پر عمل کرے اور اس کے مطابق نماز پڑھے اور دوسرے دن چاہے کہ اس مذہب کے خلاف ہو کر نماز ادا کرے تو اس سے روکا نہیں جائیگا کہ اس کا اس کو حق ہے مگر غور و فکر کے بعد جس مذہب کو اختیار کرے پورے طور پر کرے، یہ بات واضح رہے کہ ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے دو امام کی ایک ساتھ درست نہیں خواہ کسی کی بھی تقلید کرے اس باب میں کوئی خاص مجبوری نہیں ہے، اب اگر کوئی جس مذہب پر عامل ہے کسی خاص مسئلہ میں کسی دوسرے امام کی پیروی کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس مسئلہ کے تمام متعلقات میں اس مذہب کی رعایت کرے تاکہ تلفیق کی وہ صورت لازم نہ آئے جو باطل ہے دیکھئے طحطاوی علی الدر اور شامی۔

وان الخلاف خاص بالقاضي واما المجتهد فلا ينفذ قضاء ه بخلاف مذهبه اصلا كما في القنية قلت ولاسيما في زماننا فان السلطان بيض في منشوره على نهي عن القضاء بالاقوال الضعيفة فكنت بخلاف مذهبه فيكون معزولا بالنسبة بغير المعمتد عن مذهبه فلا ينفذ قضاؤه فيه ونقض كما بسط في قضاء الفتح والبحر والنهر قال في البرهان وهذا صريح الحق الذي يعض عليه بالنواجذ نعم امر الامير متى صادف فضلا مجتهدا فيه نفذامره كما في سير التتارخانية وشرح السير الكبير فليحفظ

ترجمہ اور بلا شبہ خلاف مخصوص جو امام اعظمؒ اور صاحبینؒ کے درمیان ہے وہ اس قاضی کے ساتھ خاص ہے جو مجتہد ہو (یعنی قاضی، فیصلہ اپنے مذہب کے سوا دوسرے مسلک کے مطابق کرے تو اس کا یہ حکم نافذ ہوگا یا نہیں ہوگا، صاحبینؒ کہتے ہیں کہ نافذ نہیں ہوگا اور امام صاحبؒ کہتے ہیں کہ ایسا بھول کر کر لیا ہے تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا) اور وہ قاضی جو مقلد ہے اس کا حکم اپنے مذہب کے خلاف قطعاً نافذ نہیں ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ خصوصیت کے ساتھ ہمارے اس زمانے میں نافذ نہیں ہوگا اس لئے کہ بادشاہ وقت اپنے حکم میں صراحت کرتا ہے کہ اقوال ضعیفہ کے ساتھ فیصلہ نہ کیا جائے، اس کے باوجود اپنے مذہب کے خلاف حکم کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے کیونکہ اپنے مذہب کے غیر معتمد قول کی بنیاد پر وہ معزول قرار پائیگا لہذا اپنے مذہب کے خلاف اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اور وہ فیصلہ توڑا جائیگا جیسا کہ فتح القدیر، البحر الرائق اور النہر الفائق کی کتاب القضا میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے طرابلسی نے مواہب الرحمٰن کی شرح برہان میں لکھا ہے کہ یہ قول حق اور صریح ہے اسے مضبوطی سے تھامنا چاہئے۔ ہاں جب حاکم کا حکم ایسی صورت میں ہو کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس میں اس کا حکم نافذ ہوگا جیسا کہ تاتارخانیہ کی کتاب السیر اور سیر الکبیر کی شرح میں مذکور ہے، لہذا اس کو بھی یاد رکھنا چاہئے (یعنی اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب امیر لشکر کسی چیز کا حکم دیگا لشکر کا فرض ہوگا کہ وہ اس کی اطاعت کرے سوائے اس صورت کے کہ مامور بہ یقینی طور پر کار معصیت ہو)

وقد ذكروا ان المجتهد قد فقد

ترجمہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ مجتہد مطلق (جو اصول و قواعد میں کسی دوسرے مجتہد کا پیرو نہ ہو) مفقود ہو چکا ہے اب ایسا کوئی مجتہد باقی نہ رہا۔

تشریح طحطاوی نے لکھا ہے کہ مجتہد مطلق کا پایا جانا غیر ممکن نہیں بلکہ پایا جاسکتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم کسی زمانۂ خاص کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ زمانہ کے ساتھ بالکلیہ یہ بات ختم ہوگئی۔

واما المفتد فعلی سبع مراتب مشهورة

ترجمہ :۔اور مجتہد مقید کے سات مشہور مرتبے ہیں یعنی سات طبقے ہیں۔

تشریح محقق ابن کمال پاشانے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان فقہاء کے حالات اور درجات سے واقف ہو جن کے قول پر وہ فتویٰ دیگا اور ان کا صرف نام ونسب جاننا کافی نہیں بلکہ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ روایت درروایت میں کس کا کیا درجہ ہے اور فقہاء کے کس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، تاکہ پوری بصیرت کے ساتھ دو قول کے قائلین میں تمیز کر سکے۔

ہر حال وہ سات طبقے یہ ہیں۔(۱)طبقۃ المجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ امام اعظمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ اور انہی کے درجہ کے دوسرے لوگ جنھوں نے اصول و قواعد مستنبط کئے اور جزئیات وفروع کو دلائل اربعہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس سے مستنبط کیا اور اس سلسلہ میں کسی امام کی تقلید نہیں کی۔

(۲)طبقۃ المجتہدین فی المذہب جیسے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے تلامذہ جو دلائل سے مسائل کے استخراج پر امام ابو حنیفہؒ کے اصول و قواعد کی روشنی میں قدرت رکھتے ہیں اگر چہ انہوں نے بعض احکام فروع میں اختلاف بھی کیا ہو لیکن قواعد واصول میں تقلید سے ابا نہیں کرتے، اور اسی وجہ سے وہ امام شافعیؒ وغیرہ سے ممتاز ہیں۔

(۳) طبقہ المجتہدین فی المسائل جن میں صاحب مذہب کی کوئی صراحت نہیں ہے جیسے خصاف، ابو جعفر طحاوی، ابوالحسن کرخی، شمس الائمہ حلوائی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضی خان رحمہم اللہ اور ان جیسے دوسرے فقہاء جو امام کی مخالفت پر قادر نہیں ہیں نہ اصول میں اور نہ فروع میں لیکن یہ سب اصول و قواعد کی روشنی میں ان مسائل کا استخراج کرتے ہیں جن کے متعلق امام صاحبؒ سے کوئی روایت نہیں ہے۔

(۴) طبقہ اصحاب التخریج من المقلدین جیسے رازیؒ اور ان جیسے دوسرے لوگ جو اجتہاد پر اصلا قادر نہیں ہیں لیکن ضابطہ واصول پر قادر ہونے کی وجہ سے یہ ان اقوال کی تفصیل کرتے ہیں جن کے مختلف پہلو نکلتے ہیں اور جو مبہم حکم ہے اس کی تشریح کرتے ہیں اور یہ سب امثال ونظائر پر قیاس کر کے کرتے ہیں، ہدایہ میں جہاں یہ لفظ آیا ہے کذافی تخریج الکرخی وتخریج الرازی اس کی مراد یہی ہے۔

(۵) طبقہ اصحاب الترجیح من المقلدین جیسے ابوالحسن قدوریؒ صاحب ہدایہ اور ان دونوں کی طرح کے دوسرے فقہاء ان کا حال یہ ہے کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دیتے ہیں کہ روایت کے اعتبار سے یہ قول اولیٰ یا اصح یا اوفق ہے۔

(۶) طبقہ المقلدین القادرین علی التمیز بین الاقویٰ والقوی والضعیف۔ یعنی جو قوی وضعیف کے درمیان تمیز پر قادر ہیں، اسی طرح ظاہر الروایہ اور روایت نادرہ کے درمیان جیسے متاخرین میں معتبر و مستند متون کے مصنفین جیسے صاحب کنز الدقائق، صاحب درمختار، صاحب وقایہ، صاحب مجمع، ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں نقل نہیں کرتے ہیں۔

(۷) مقلدین کا وہ طبقہ جو اس تمیز پر قادر نہیں ہے یعنی وہ لوگ جو صحیح و غلط میں تمیز نہیں کر پاتے بلکہ انکو جو مل جائے جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔

واما نحن فعلبنا اتباع ما رجحوه وما صححوه كما لوافتوا فى حيوٰتهم وان قلت قد يحكون اقولا بلاترجيح وقد يختلفون فى التصحيح قلت يعمل بمثل ماعملوا كما من اعتبار تغير العرف واحوال الناس ماهوالارفق وما ظهر عليه التعامل وما قوى وجهه ولايخلو الوجود عمن يميز هذا حقيقة لاظنا وعلى من لم يميزان يرجع لمن يميز لبرأة ذمته فنسال الله تعالىٰ التوفيق القبول بجاه الرسول كيف لا وقد لسير الله تعالىٰ ابتداء تبييضه فى الروضة المحروسة والبقعة المانوسة تجاه وجه صاحب الرسالة وحائز الكمال والبساتة وضجيعيه الجليلين الضرغامين الكاملين رضى الله عنهما و عن سائر الصحابة اجمعين ووالدينا ومقلديهم باحسان الى يوم الدين ثم تجاه الكعبة الشريفة تحت الميزاب وفى الحطيم والمقام والله تعالىٰ المبهر للتمام وهذا من اول علامات القبول.

ترجمہ اور ہم لوگوں پر اس قول کی پیروی ضروی ہے جس کو علماء مرجحین اور مصححین نے ترجیح دی ہے اور تصحیح کی ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں فتوی دیتے اور ہم موجود ہوتے، یعنی وہ زندہ ہوتے اور فتوی دیتے جس طرح اس وقت ہم پر ان کی پیروی لازم ہوتی اسی طرح اب بھی لازم ہے جب وہ ہم میں موجود نہیں ہیں (یہاں تصحیح و ترجیح سے مراد وہ تمام صورتیں ہیں جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے) لیکن اگر تم کہو کہ کبھی یہ حضرات فقہاء کچھ اقوال بلا ترجیح بھی بیان کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح میں اختلاف بھی کرتے ہیں تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا؟ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ صورت مذکورہ میں اسی طرح عمل کرو جس طرح علماء سابقین نے عمل کیا ہے یعنی عرف زمانہ اور لوگوں کے حالات بدل جانے کا اعتبار کرنا ہوگا اسی طرح اس قول کا بھی اعتبار کرنا ہوگا جو لوگوں کے لئے آسان تر ہو، یا جس پر لوگوں کا عمل جاری ہو گیا ہو اور جس کی دلیل مضبوط ہو۔

اور زمانہ اس شخص سے کبھی خالی نہ ہوگا جو حقیقتاً تغیر زمانہ اور عرف وغیرہ کی تبدیلی میں تمیز نہ کر سکے اور وہ شخص جس کو اسکی تمیز حاصل نہ ہو اس پر لازم ہے کہ اہل تمیز کی طرف رجوع کرے تا کہ وہ بری الذمہ قرار پائے

ہم اللہ جل شانہ سے قبول و توفیق کی بوسیلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درخواست کرتے ہیں اور کیونکر یہ کتاب مقبول نہ ہوگی جب کہ شروع میں اس نے روضۂ انور اور بقعہ مانوسہ میں بیٹھ کر خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو جو جامع کمالات و شجاعت ہیں اور آپ کے جلیل القدر دو شیر کامل الوجود کے سامنے مسودہ کو صاف کرنا سہل فرمادیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں جلیل القدر اور دوسرے تمام صحابہ کرام سے اور ہمارے باپ دادا اور ان اصحابؓ کے نیک پیروی کرنے والوں سے تا قیامت راضی اور خوش رہے۔

پھر صاف کرنے کی ابتداء کعبہ شریف کے سامنے میزاب رحمت کینیچے اور حطیم اور مقام ابراہیم میں ہوئی اور اللہ ہی کتاب

کے پورا ہونے کو آسان کرنے والا ہے۔

تشریح منشاء یہ ہے کہ جب کوئی ایسے اقوال نقل کردے جن میں ترجیح کی وضاحت نہ ہو یا تصحیح کے اندر اختلاف کا ذکر ہو اور اسکی وجہ سے کوئی پہلو راجح معلوم نہ ہوسکے تو ایسی صورت میں اس بات پر غور کرے کہ ان قوال میں سے کون سا قول ایسا ہے جس پر عمل لوگوں کے لئے آسان ہوگا یا جو آج کل لوگوں میں رائج ہے، یا کون سا ایسا ہے جو دلیل کے اعتبار سے مضبوط ہے، جس قول میں ان میں کوئی خوبی نظر آئے اس پر عمل کرے، اور ایسے لوگ جو اتنی بات کو سمجھ سکیں، ہر زمانہ میں ان کا پایا جانا ضروری ہے، باقی جن لوگوں میں عرف زمانہ اور تغیر حال کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو وہ اہل تمیز کی طرف رجوع کریں اور جو وہ کہیں اس پر عمل کریں، اور اگر آسانی سے ایسے لوگ بھی نہ مل سکیں تو پھر وہی ترتیب باقی رکھیں جو پہلے نقل کی گئی ہے کہ پہلے درجہ میں امام اعظمؒ کے قول پر فتوی دیں اور پھر امام ابو یوسفؒ کے پھر امام محمدؒ کے۔

اخیر میں مصنف در مختار نے قبولیت اور توفیق کی خدا سے درخواست کی ہے اور اس سے مقبولیت کی امید باندھی ہے کہ اولاً مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر گنبدِ خضرا کے سامنے اس کتاب کے مسودہ کو صاف کرنے کی نوبت آئی، پھر کعبہ شریف کے روبرو میزاب رحمت کے نیچے اور حطیم کعبہ اور مقام ابراہیم میں اور یقیناً یہ سب جگہیں مبارک اور بابرکت ہیں اس لئے پوری توقع ہے کہ کتاب مقبول خاص وعام ہوگی۔

یہ ترجمہ بھی ایک بابرکت ادارہ میں بیٹھ کر کیا جارہا ہے، جہاں سے سے کتاب وسنت اور فقہ کی اشاعت سو سال سے برابر ہورہی ہے اس لئے رب العزت سے بجا امید ہے کہ یہ ترجمہ بھی قبول عام حاصل کریگا اور اللہ تعالیٰ اسے مترجم کے لئے زاد آخرت بنائیں گے۔

۹/ شعبان ۱۳۸۸ ہجری

کتاب الطہارۃ

یہ کتاب پاکی کے بیان میں ہے

قدمت العبادات علی غیرھا اھتماماً بشانھا والصلوٰۃ تالیۃ للایمان قال اللہ تعالیٰ الذین یؤمنون بالغیب ویقمون الصلوٰۃ والطھارۃ مفتاحھا بالنص وشرط بھامختص لازم لھا فی کل الارکان

ترجمہ عبادات کی تقدیم غیر عبادات پر اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے، اور نماز کا ایمان کے بعد دوسرا درجہ ہے اور پاکی نماز کی کنجی ہے حدیث شریف کی صراحت سے، اور طہارت ایسی شرط ہے جو نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے تمام ارکان کے لئے لازم ہے

تشریح امور دین کا مدار اعتقادات، عبادات، معاملات، عقوبات، اور آداب پر ہے لیکن اعتقادات اور آداب کی بحث فقہ میں داخل نہیں ہے رہیں عبادات تو وہ پانچ ہیں (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوۃ (۴) حج (۵) اور جہاد اسی طرح معاملات بھی پانچ ہیں (۱) معاوضات مالیہ (۲) مناکحات (۳) مخاصمات (۴) امانات (۵) اور ترکات۔ عقوبات بھی پانچ ہی ہیں (۱) قصاص (۲) حد سرقہ (۳) حد زنا (۴) حد قذف (۵) اور حد ارتداد۔

فقہاء نے مسائل عبادات کو سب سے پہلے اس لئے بیان کیا کہ عبادت کی شان اور چیزوں سے بڑھی ہوئی ہے کیوں کہ انسان کی تخلیق کا منشاء قرآن کریم نے عبادت ہی کہا ہے ارشاد ربانی ہے **وماخلقت الجن والانس الالیعبدون** دوسری وجہ یہ ہے کہ مکلفین کو عبادات کی جتنی ضرورت ہے دوسری چیزوں کی نہیں پھر عبادات میں تمام پر نماز کو مقدم کیا اس لئے کہ ایمان کے بعد اسی کا درجہ بیان کیا گیا ہے سورہ بقرہ میں ہے **الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ** یہاں ایمان کے بعد نماز کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح حدیث میں ہے **بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لاالٰہ الااللہ وان محمد عبدہ ورسولہ واقام الصلوٰۃ** یہاں بھی ایمان کے بعد نماز ہی کا تذکرہ ہے اور عمل کے اعتبار سے بھی عموماً نماز کا درجہ آتا ہے کہ بلوغ اور عقل کے بعد فوراً ہر شخص پر فرض ہو جاتی ہے بخلاف زکوۃ روزہ حج اور جہاد کے کہ انکا درجہ عموماً بعد میں آتا ہے اور وجوب میں بھی نماز دوسری عبادات پر مقدم ہے کہ پہلے نماز فرض ہوئی پھر زکوۃ وغیرہ اور فضیلت کی حیثیت سے بھی نماز کا درجہ اونچا ہے کیوں کہ جب پوچھا گیا **ای الاعمال افضل بعد الایمان** (ایمان کے بعد کون عمل افضل ہے تو جواب میں کہا گیا **الصلوٰۃ لوقتھا** وقت پر نماز ادا کرنا۔

اور چونکہ نماز کی کنجی پاکی ہے کہ بغیر پاکی نماز درست نہیں ہوتی، اور نماز کے تمام ارکان کے لئے پاکی کا پایا جانا ضروری ہے اس لئے نماز کی بحث سے پہلے طہارت یعنی پاکی کو بیان کیا، حدیث میں کہا گیا ہے **مفتاح الصلوٰۃ الطھور** (نماز کی کنجی پاکی

ہے) گویا حدث تالہ ہے جو طہارت کی کنجی سے کھلتا ہے دوسرے پاکی نماز کی ایسی شرط ہے جس کے بغیر نماز جائز نہیں ہے ان وجوہ سے طہارت کی بحث پہلے لائی گئی۔

وماقیل قدمت لکونہا شرطا لایسقط اصلا ولذا فاقدالطھور ین یؤخر الصلوۃ وماورد من ان النیۃ کذلک مردود کل ذلک امماالنیۃ ففی القنیۃ وغیرھا من توالت علیہ الھموم تکفیہ النیۃ بلسانہ واما الطھارۃ ففی الظھیریۃ وغیرھا من قطعت یداہ ورجلاہ وبوجھہ جراحۃ یصلی بلاوضوء ولاتیمم ولایعید فی الاصح واما فاقد الطھورین ففی الفیض وغیرہ انہ یتشبہ عندھما والیہ صح رجوع الامام وعلیہ الفتوی قلت وبہ ظھر ان تعمد الصلوۃ بلاطھر غیر مکفر کصلوتہ لغیر القبلۃ اومع ثوب نجس وھو ظاھر المذھب کمافی الخانیۃ وفی سیر الھبانیۃ

وفی کفر من صلی بغیر طھارۃ مع العمد خلف فی الروایات یسطر

ترجمہ اور یہ جو کہا گیا ہے طہارت کو اس لئے مقدم کیا گیا ہے وہ ایک ایسی شرط ہے جو کبھی ساقط نہیں ہوتی اور اسی کا نتیجہ ہے فاقد الطہورین یعنی پانی اور مٹی کا نہ پانے والا نماز کو موخر کرتا ہے اور اسی طرح یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ نیت بھی اسی درجہ میں ہے کہ وہ ہرگز ساقط نہیں ہوتی، یہ تمام دعویٰ مردود ہے لائق توجہ نہیں، نیت کا جواب یہ ہے کہ قنیہ وغیرہا میں صراحت ہے کہ جس شخص پر تشویش کا برابر ہجوم رہتا ہو اس کے لئے زبان سے نیت کر لینا کافی ہے، رہی طہارت (پاکی) اسکا حال یہ ہے کہ فتاویٰ ظہیریہ وغیرہا میں ہے کہ ایسا شخص جس کے دونوں ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور اسکے چہرے پر زخم ہو تو وہ بغیر وضو اور بغیر تیمم کے نماز ادا کریگا، اور صحیح مذہب یہ ہے کہ بعد صحت اس نماز کا اس پر اعادہ بھی نہیں ہے اب رہ گیا فاقد الطہورین والا مسئلہ اس کا حال یہ ہے کہ فیض وغیرہ میں صراحت ہے کہ صاحبین کے نزدیک وہ دوسرے نمازیوں کی طرح افعال نماز قیام و قعود کریگا تاکہ نماز کے اوقات کی تعظیم باقی رہے اور یہ صحیح ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اس قول کی طرف رجوع فرمایا چنانچہ اسی قول پر فتویٰ بھی ہے میں کہتا ہوں کہ اس جزئیہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر طہارت جان بوجھکر نماز ادا کرنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا ہے جیسے کوئی غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے یا ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھ لے تو کافر نہیں ہوتا اور ظاہر مذہب یہی ہے کہ کافر نہیں ہوتا جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے اور وہبانیہ کی کتاب السیر میں ہے کہ جان بوجھ کر بغیر پاکی نماز ادا کرنے والے کے کفر میں روایات کے اندر اختلاف ہے جو کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

تشریح تقدیم طہارت کی جو وجوہ بیان کی گئی تھی اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ طہارت تو اس درجہ کی شرط ہے جو کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی چنانچہ یہی وجہ ہے اگر کوئی شخص ایسی جگہ قید ہو جائے جہاں نہ پانی ہو اور نہ پاک مٹی ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا، اور یہی حال نیت کا ہے تو پھر طہارت کو کیوں مقدم کیا؟ جواب غیر مرتب طور پر مصنف نے دیا، اس کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ ایسا سمجھنا کہ طہارت کی شرط کبھی ساقط ہی نہیں ہوتی یا بغیر نیت نماز نہیں ہوتی صحیح نہیں ہے بغیر طہارت بھی نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور بغیر نیت بھی نماز ہو جائے گی، دیکھو ایک شخص ایسا ہے جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہیں چہرہ پر زخم ہے تو کیا وہ نماز نہیں پڑھے گا؟ فتاویٰ ظہیریہ میں صراحت

ہے کہ وہ بغیر وضو اور بغیر تیمم نماز ادا کریگا اور زخم کے اچھے ہونے کے بعد اس پر نماز کا اعادہ بھی نہیں ہے، اسی طرح فاقد الطہورین جس کے پاس نہ پانی ہے اور پاک مٹی، وہ نماز کے ارکان رکوع، سجود، قعود، قیام وغیرہ ادا کریگا یعنی وہ نماز کے تمام افعال بجالائے گا گویا نماز پڑھ رہا ہے لیکن یہاں پانی یا پاک مٹی ملنے کی صورت میں نماز کا اعادہ کریگا یعنی دوبارہ وضو کر کے یا تیمم کر کے پڑھے گا، اسی طرح نیت کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ہر وقت تشویش میں اس طرح ہے کہ دل میں ارادہ کی نوبت نہیں آنے پائی تو وہ زبان سے نیت کر کے نماز ادا کریگا، حالانکہ نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور یہی ضروری ہے اور اسی بحث کے ضمن میں یہ مسئلہ بیان کر دیا کہ اگر کوئی عمداً بلا طہارت نماز پڑھے گا تو وہ کافر نہیں ہوگا اسی طرح نجس کپڑے کے ساتھ پڑھے گا تو بھی کافر نہیں ہوگا اور کعبہ کو چھوڑ کر غیر کعبہ کی طرف منہ کر کے عمداً نماز پڑھے گا تو اس سے بھی کافر نہ ہوگا مگر ان تمام صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ اس نے ایسا استخفافاً نہ کیا ہو یعنی حین یا نماز کی تحقیر ذہن میں نہ آئی ہو، دوسرے یہ کہ وہ اس فعل کو حلال نہ سمجھتا ہو بلکہ محض کسل یا جہالت یا خوف کی وجہ سے کیا ہو اور بلا طہارت نماز میں راجح قول عدم تکفیر ہی ہے اور یہی ظاہری مذہب ہے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کسی مومن کے سلسلہ میں ستر روایتیں کفر کی ہوں اور صرف ایک روایت کافر نہ ہونے کی، گو وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو بھی مفتی و قاضی کو اسی ایک پر عمل کرنا چاہئے۔

ثم هو مركب اضافي مبتداء او خبر ومفعول لفعل محذوف

ترجمہ پھر یہ واضح رہے کہ لفظ "کتاب الطہارۃ" مرکب اضافی ہے یعنی دو لفظ مضاف، مضاف الیہ سے مرکب ہے کتاب مضاف ہے اور الطہارت مضاف الیہ دونوں مل کر مرکب اضافی ہوا، ترکیب میں "کتاب الطہارۃ" کا لفظ یا تو مبتداء ہے یا خبر ہے یا کسی فعل محذوف کا مفعول ہے، جس جملہ کا پہلا جز فعل ہو وہ فعلیہ ہوتا ہے اور جس کا پہلا جز اسم ہو وہ اسمیہ ہوتا ہے جملہ اسمیہ کے پہلے جز کو مبتداء کہا جاتا ہے اور دوسرے جز کو خبر جیسے زیدٌ قائم میں زید مبتداء ہے اور قائم خبر، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوا، باقی جملہ فعلیہ کا پہلا حرف فعل ہوتا ہے اس کے بعد فاعل اور جس پر فاعل کا فعل واقع ہو وہ مفعول ہے، اب اگر کتاب الطہارۃ کو مبتدا مانئے تو خبر محذوف ماننا ہوگی یعنی "کتاب الطہارۃ ہذا" اور اگر کتاب الطہارۃ کو خبر کہتے ہیں تو مبتداء کو محذوف ماننا ہوگا یعنی ہذا کتاب الطہارۃ، اور اگر مفعول مانئے تو فعل فاعل محذوف ماننا پڑے گا یعنی اقرأ کتاب الطہارۃ (تم کتاب الطہارۃ پڑھو) یا خذ کتاب الطہارۃ (یعنی لو کتاب الطہارۃ) مبتداء خبر ہونے کی صورت میں کتاب کی با کو پیش پڑھا جائے گا اور مفعول ہونے کی صورت میں نصب یعنی زبر۔

فان اريد به التعداد بني على السكون وكسر تخلصاً من الساكنين واضافته لامية لاميمية كما وضع بيان مسائل الطهارة

ترجمہ پھر اگر کتاب الطہارۃ کے لفظ سے شمار اور گنتی کا ارادہ کیا جائے تو کتاب کے اخیر حرف با پر سکون اور جزم ہوگا (یعنی جو کتابیں متن میں مذکور ہیں اگر ان کو کوئی شخص اعداد گنے کتاب کا حرف اخیر مبنی بر سکون ہوگا، کیوں کہ عدم اعراب میں وہ حرف کے مشابہ ٹھہرا)

اور اس حرف اخیر کو شمار کی شکل میں زبر دیا جاتا ہے کہ دو ساکن ملنے نہ پائیں (دو ساکن میں ایک کتاب کا با اور دوسرا الطہارۃ کا طا اولی اور کتاب الطہارۃ میں اضافت لام کے ساتھ ہے من والی نہیں ہے۔

تشریح اضافت تین طرح کی ہوتی ہے کیوں کہ مضاف الیہ مضاف کے مبائن ہے یا عین ہے یا ظرف ہے، اگر مبائن ہے تو اضافت لام کے ساتھ ہوگی تا کہ اختصاص پر دلالت کرے جیسے غلام زید بمعنی غلام لزید یعنی وہ غلام جو زید کے لئے مخصوص ہے اور مضاف الیہ کے عین ہے، تو یہ اضافت من کے ساتھ ہوگی جیسے خاتم من فضۃ بمعنی خاتم فضۃ چاندی کی انگوٹھی، اور اگر ظرف ہے تو اضافت بمعنی فی ہوگی جیسے صوم الیوم بمعنی صوم فی الیوم وہ روزہ جو دن کے اندر واقع ہے اب کتاب الطہارۃ میں جب اضافت لامیہ ہوئی تو تقدیر یہ ہوئی "کتاب وضع البیان مسائل الطہارۃ" وہ کتاب جو طہارۃ کے مسائل کے واسطے وضع کی گئی ہے، اور چونکہ طہارۃ جو مضاف الیہ ہے وہ کتاب کے عین نہیں ہے لہٰذا اضافت من نہ ہوئی، اور ماتن کی خود ایک شرح ہے جس کا نام "منح الغفار" ہے اس میں انھوں نے کہا ہے کہ اضافت بمعنی فی زیادہ بہتر ہے تو اس وقت مطلب ہوگا وہ کتاب جو طہارۃ کے بیان میں ہے۔

وهل يتوقف حده لقبا على معرفة مفردية الراجح نعم

ترجمہ اور کتاب الطہارۃ جب کہ وہ مسائل کا نام اور لقب ہو تو کیا اس کی تعریف اس کے دونوں معنی (یعنی کتاب اور طہارۃ) کے جاننے پر موقوف ہے؟ یا ایسا نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ ہاں راجح یہی ہے کہ اس کے جاننے پر موقوف ہے۔

تشریح مرکب جب کسی چیز کا نام رکھدیا جائے، تو اس میں دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اس کی تعریف اس کے اجزا کے معلوم ہونے پر موقوف نہیں ہے، کیوں کہ نام رکھے جانے کے بعد اس کا معنی مفردی ختم ہو جاتا ہے جیسے عبد اللہ کسی کا نام رکھ دیا جائے تو عبد اللہ کا جاننا عبد اور اللہ کے جاننے پر موقوف نہیں ہے مگر یہ قول ضعیف ہے، دوسرا قول جو راجح ہے وہ یہ ہے کہ مرکب کا جاننا اجزاء کے جاننے پر موقوف ہے، اور آگے اسی دوسرے قول کو بنیاد بنا کر دونوں جز یعنی کتاب اور طہارۃ کو بتاتے ہیں۔

فالكتاب مصدر بمعنى الجمع لغة جعل شرعاً عنوانا لمسائل مستقلة بمعنى المكتوب

ترجمہ پس "کتاب" کا لفظ لغت عرب میں مصدر ہے جو "جمع" کے معنی میں آتا ہے، یعنی ایک چیز کا دوسرے کے ساتھ ملانا اور جن لوگوں نے کتاب کو جمع حروف کے معنی میں لیا ہے تو یہ انھوں نے اس مقام کی خصوصیت کی وجہ سے کیا ہے، لغوی معنی صرف ملانا ہے حروف کی قید نہیں ہے (مصدر وہ ہے جس سے فعل ماضی، مضارع، امر، نہی، اور مشتقات وغیرہ نکلیں اور اس کے اردو ترجمہ کے آخر میں "نا" آئے)

اور اصطلاح اہل شرع میں کتاب کو مستقل مسائل کا عنوان اور لقب بتایا گیا ہے، بمعنی مکتوب یعنی مجموع، جمع کیا ہوا

تشریح اسے سمجھایا کہ کتاب کا ایک لغوی معنی بھی ہے ایک اصطلاحی شرعی، لغوی معنی ملانا ہے اور اصطلاح شرع میں کتاب اسے کہتے ہیں جس کے تحت کچھ مستقل مسائل بیان کئے جائیں، یعنی ان الفاظ کا جمع کرنا جو ایک خاص طرح کے مسائل کے مجموعے پر دلالت کرے، وہ اپنے سمجھے جانے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا، کتاب ایک نوع کے مسائل کو بھی شامل ہے اور بہت سے انواع کے مسائل کو بھی شامل ہے پہلے کی مثال کتاب اللقطہ اور دوسرے کی مثال کتاب البیوع وغیرہ، بمعنی مکتوب کہہ کر مصنف نے بتایا کہ مصدر یہاں بمعنی مفعول ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس، کتاب کی شرح کے بعد

طہارت کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

والطهارة مصدر طهر بالفتح وبالضم بمعنى النظافة لغة ولذا افردها وشرعا النظافة عن حدث اوخبث ومن جمع نظر لانواعها وهى كثيرة وحكمها شهيرة وحكمها استباحة مالايحل بدونها وسببها اى سبب وجودها مالا يحل فعله فرضا كان اوغيره كالصلوة مس المصحف الا بها اى بالطهارة صاحب البحر قال بعد سرد الاقوال ونقل كلام الكمال الظاهران السبب هو الارادة فى الفرض والنفل

ترجمہ اور لغت میں طہارت طہر کا مصدر ہے جس کے معنی پاکیزگی کے ہیں، طہر بالفتح بھی آیا ہے اور بالضم بھی آیا ہے اور اسی وجہ سے لفظ طہارت کو مفرد لائے (یعنی یہ مصدر ہے اور مصدر میں اصل افراد ہے) یہی وجہ ہے کہ ماتن نے طہارت مفرد کہا، طہارت جمع نہیں ہے، اگرچہ طہارت کی نوعیں بہت ہیں جیسے وضو، غسل، تیمم یہ مصدر ہونے کی وجہ سے قلیل وکثیر سب پر صادق آتا ہے') اور شریعت میں طہارت نام ہے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک وصاف ہونا، اور جن لوگوں نے طہارت کو جمع استعمال کیا ہے اور کتاب الطہارات کہا ہے ان کی نظر طہارت کی انواع پر رہی ہے اور وہ (طہارت) بہت ہیں یعنی اس کی کئی قسمیں ہیں جیسے وضو، غسل، پانی سے بھی اور مٹی سے بھی پھر کپڑے کی پاکی بدن کی پاکی اور اس کی حکمتیں مشہور ہیں، یعنی پاکی کا یہ حکم کیوں دیا گیا ہے، یہ دینداروں میں مشہور ہے سب جانتے ہیں یعنی گناہوں کا جھڑنا اور شیطانی وساوس سے محفوظ رہنا اور اس طہارت کا حکم یہ ہے جو امور طہارت کے بغیر حلال نہیں ہیں وہ مباح اور جائز ہو جائیں (جیسے قرآن چھونا، نماز پڑھنا، حکم میں ثواب بیان نہیں کیا، اس وجہ سے کہ طہارت میں ثواب کا پایا جانا ضروری نہیں ہے کیوں کہ ثواب موقوف ہے نیت پر اور نیت طہارت میں شرط نہیں ہے بلا نیت بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے) اور اس کے وجوب کا سبب وہ فعل ہے جو بغیر طہارت حلال نہیں ہوتا ہے خواہ وہ فعل فرض ہو یا اس کے علاوہ ہو جیسے نماز اور قرآن کا چھونا، یہ دونوں بغیر طہارت (پاکی) جائز نہیں ہیں، البحرالرائق کے مصنف زین الدین ابن نجیم مصریؒ نے دیگر علماء اور محقق حنفی ابن الہمامؒ کا قول نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بظاہر طہارت کا سبب فرض ونفل نماز کا ارادہ کرنا ہے۔

تشریح سبب طہارت میں چار اقوال ہیں۔(۱) نجاست حکمی اور حقیقی سے پاکی حاصل کرنا۔(۲) اقامت صلوۃ۔(۳) ارادۂ نماز۔(۴) وجوب صلوٰۃ نہ کہ وجود صلوٰۃ۔

صاحب فتح القدیر ابن ہمامؒ نے تیسرے قول پر اعتراض کیا ہے کہ طہارت کا سبب اگر ارادۂ نماز کہا جائے تو اس کا ماحصل یہ ہوگا کہ اگر کوئی نفل نماز کا ارادہ کرے اور وضو نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوگا گو وہ نماز نہ پڑھے، کیوں کہ سبب وجوب (ارادہ نماز) پایا گیا ہے اور وضو نہ پایا گیا، اس اعتراض کا بطور استدراک شارح نے جواب دیا

ولكن بترك ارادة النفل يسقط الوجوب ذكره الزيلعى فى الطهارة كذا فى الطحطاوى وقال العلامة قاسم فى تكملته الصحيح ان سبب وجوب الطهارة وجوب الصلوة اوارادة مالايحل الابها وقيل بسببها الحدث فى الحكمية وهو وصف شرعى يحل فى الاعضاء يزيل الطهارة وما

قيل انهاما نعة شرعية قائمة بالاعضاء الى غاية استعمال المزيل فتعريف بالحكم والخبث فى الحقيقة وهو عين مستقذرة شرعا وقيل سبها القيام الى الصلوة ونسبا الى اهل الظاهر وفسادهما ظاهر

ترجمہ (یہ درست ہے کہ طہارت کا سبب ارادہ نماز ہے) لیکن نفل نماز کا ارادہ ترک کرنے سے طہارت کو وجوب ساقط ہو جاتا ہے، زیلعی شارح کنز نے باب الطہارت میں یہ ذکر کیا ہے (ما حصل یہ ہے کہ نفل نماز کے ارادہ کے بعد طہارت کا وجوب ہوا، جب ارادہ ختم، وجوب بھی ختم، طہارت تو واجب ہوئی تھی نماز کے لئے، جب نماز نہیں تو طہارت کا وجوب کہاں طحطاوی اور علامہ قاسم نے اپنے تکملہ میں کہا ان مذکورہ اقوال میں صحیح یہ ہے کہ وجوب طہارت کا سبب نماز کا واجب ہونا ہے اور یا اس فعل کا ارادہ کرنا ہے جو بغیر طہارت درست نہیں ہے

اور بعضوں نے کہا کہ طہارت کا سبب نجاست حکمیہ ہے میں حدیث اور وہ یعنی حدث شرعی اس وصف کا نام ہے جو اعضاء میں سرایت کر جاتا ہے اور طہارت کو ختم کر دیتا ہے (باقی نجاست حکمیہ اس نجاست کو کہتے ہیں کہ شریعت میں نجس ہونا ثابت ہو، مگر بدن پر کوئی ظاہری نجاست نہ پائی جائے یہاں وصف اور صفت میں فرق بھی سمجھ لیا جائے کہ ہیں تو دونوں مترادف المعنی، مگر صفت کہتے ہیں جو موصوف کی ذات میں پائی جائے، اور وصف کہتے ہیں موصوف کی کسی صفت کا بیان کرنا، مگر وصف کا اطلاق صفت پر درست ہے کذا فی الفتح)

اور یہ جو کسی نے حدث کی تعریف کی ہے وہ مانع شرعی ہے جو اعضاء انسانی کے ساتھ اس وقت تک قائم ہے جب تک مزیل یعنی پانی یا مٹی کا استعمال نہ کیا جائے تو یہ تعریف حکم کے ساتھ ہوئی حقیقت کی تعریف نہیں ہوئی (لہذا وہ تعریف جو پہلے کی گئی ہے وہی درست ہے یعنی جو طہارت کو زائل کر دے) اور طہارت کا سبب نجاست حقیقی میں جسم کا ناپاک ہونا ہے اور وہ یعنی خبث شریعت میں جرم والی ناپاکی ہے جو گھن آور ہے (جیسے پاخانہ پیشاب) شرعاً کی قید سے وہ چیزیں نکل گئیں جو گھن والی تو ہیں مگر ناپاک نہیں (جیسے بلغم اور رینٹ) اور بعضوں نے کہا کہ طہارت کا سبب نماز کے واسطے کھڑا ہونا ہے، اور ان دونوں بعد والے قول کی نسبت اہل ظاہر کی طرف کی گئی ہے لیکن ان دونوں اقوال کا ناکارہ اور بے حقیقت ہونا ظاہر ہے۔

تشریح اہل ظاہر وہ علماء ہیں جو قرآن اور حدیث کے صرف ظاہر مفہوم پر عمل کرتے ہیں اور اجتہاد کا انکار کرتے ہیں ان میں ابن حزم اور داؤد ظاہری زیادہ مشہور ہیں، پہلا قول یعنی طہارت کا سبب حدث وخبث ہے، اس کے فساد کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس صورت میں دور لازم آتا ہے اس لئے کہ حدث وخبث طہارت کو دور کرتے ہیں اور طہارت حدث وخبث کو زائل کرتی ہے لہذا جب حدث پایا جائے گا وجوب طہارت بھی پایا جائے گا اور جب جب یہ نہیں پایا جائے گا وجوب طہارت بھی نہ پایا جائے گا، پھر جو زائل کرنے والی چیز ہے وہ اس کے وجود کی خواہاں کس طرح ہوگی، اس وجہ سے کہ ایک ہی چیز وجود کا بھی سبب ہو اور عدم کا بھی محال ہے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں دور نہیں پایا جاتا ہے اس لئے کہ کبھی حدث پایا جاتا ہے اور وجوب طہارت نہیں پایا جاتا جیسے دخول وقت سے پہلے کا وقت، یا غیر بالغ کے حق میں حدث پایا جاتا ہے مگر وجوب طہارت نہیں پایا جاتا ہے اب رہا جو چیز زائل کرنے کا سبب بنتی ہے وہ وجود کا کس طرح سبب بنے گی، اس کا جواب یہ۔ ہے کہ حدث

اور خبث سابقہ طہارت کو تو بیشک ختم کرتی ہیں لیکن طہارت لاحقہ کے موجب ہیں۔

دوسرا قول یعنی طہارت کا سبب قیام الی الصلوۃ ہے اس کی وجہ فساد یہ ہے کہ ایک وضو کئی نمازوں کے لئے کافی ہے جب باوضو رہے گا نماز پڑھتا رہے گا، اور اگر قیام کو سبب طہارت کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو الگ کیا جائے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، اس کا بھی لوگوں نے جواب دیا ہے کہ سبب شرط حدث ہے۔ لہذا جو اعتراض کیا گیا ہے وہ وارد نہیں ہوتا۔

واعلم ان اثر الخلاف انما يظهر في نحو التعاليق نحو ان وجب عليك طهارة فانت طالق دون الاثم للاجماع على عدمه بالتاخير عن الحدث في التوشيح وبه اندفع مافي السراج من اثبات الثمرة من جهة الاثم بل وجوبها موسع بدخول الوقت كالصلوة فاذا ضاق الوقت صار الوجوب فيهما مضيقا مشائخنا ثلثة عشر على مافي الاشباه شرائط وجوبها تسعة وشرائط صحتها اربعة ونظمها شيخ مشائخنا العلامة العلي المقدسي شارح نظم الكنز فقال۔

شرط الوجوب العقل والاسلام وقدرة مـاء والاحتـلام
وحدث ونفي حيض وعدم نفاسها وضيق وقت قدهجم
وشرط صحته عموم البشرة بمائه الطهور ثم في المرة
فقدنفاسها وحيضها وان يزول كل مانع عن ا لبدن

ترجمہ یہ یقین فرمائیں کہ طہارت کے سبب میں اختلاف کا اثر صرف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب تعالیق کی طرح کی چیز پائی جائے گی جیسے شوہر بیوی سے کہے کہ اگر تجھ پر طہارت واجب ہوگی تو تجھ کو طلاق ہے (لہذا جب سبب طہارت پایا جائے گا طلاق واقع ہوگی، اب چونکہ سبب میں اختلاف ہے لہذا اسی اختلاف کے بموجب حکم ہوگا کسی کے یہاں ارادہ نماز سے طلاق واقع ہوگی کسی کے یہاں حدث وخبث کے پائے جانے سے، کسی کے یہاں قیام الی الصلوۃ سے اور علامہ قاسم کے نزدیک وجوب نماز سے) اس اختلاف سبب کا ثمرہ گناہ کی صورت میں ظاہر نہ ہوگا، کیوں کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حدث وضو وغسل میں تاخیر سے گناہ نہیں ہوتا ہے اسے توشیح میں ذکر کیا گیا ہے اور توشیح کے اس کلام مذکورہ سے وہ اشکال رفع ہو گیا جو سراج وہاج میں نقل کیا ہے کہ اختلاف کا نتیجہ گناہ ہے، بلکہ وجوب طہارت وقت کے داخل ہونے کے بعد سے کشادہ ہے، جیسے نماز کی ادائیگی میں کشادگی ہے، پس جب وقت تنگ ہوگا تو ان دونوں یعنی نماز اور طہارت کا وجوب بھی تنگی کے ساتھ ہوگا، یعنی جب وقت مختصر ہوگا تو طہارت و نماز کی تاخیر میں گنجائش باقی نہ رہے گی۔

اور اس (طہارت) کی شرطیں تیرہ ہیں، اس بیان کی بنیاد پر جو اشباہ میں ہے ان میں واجب ہونے کی شرطیں نو ہیں اور اس کے صحیح ہونے کی شرطیں چار ہیں، اور ان شرائط کو ہمارے استاذوں کے استاذ علامہ علی مقدسی شارح کنز منظوم نے نظم کر دیا، انھوں نے فرمایا وجوب طہارت کی شرط عقل واسلام ہے اور قادر ہونا پاک کرنے والی چیز پر، اور پانی کا ہونا اور بالغ ہونا اور حدث کا پایا جانا خواہ اصغر ہو خواہ اکبر، اور حیض ونفاس کا نہ ہونا، اور وقت کا تنگ ہونا، جب وہ ٹوٹ پڑے (یہ ۹ شرطیں وجوب طہارت کی

ہوئیں) اور طہارت کے صحیح ہونے کی شرط تمام ظاہر جلد (کھال) پر پاک پانی کا گذارنا، پھر عورت میں شرط یہ ہے کہ اس کو نفاس اور حیض کی حالت نہ ہو، اور یہ کہ بدن سے تمام مانع دفع ہو جائے (جو پانی کے کھال تک پہونچنے کو روکنے والی ہو۔

تشریح وجوب طہارت کا سبب کیا ہے اس میں چار اقوال ہوئے۔(۱) ارادۂ نماز۔(۲) وجوب نماز۔(۳) حدث وخبث۔(۴) قیام الی الصلوٰۃ۔ صاحب در المختار نے بتایا کہ اس اختلاف کا ثمرہ وہاں ظاہر ہوگا جہاں کسی چیز کو سبب پر معلق کریں، مثلاً یہی کہ جب تجھ پر طہارت واقع ہو تو تجھ کو طلاق ہے، تو پہلے قول والے کے نزدیک نماز کا ارادہ کرنے سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی دوسرے قول کا قائل کہے گا کہ جب نماز واجب ہوگی تب طلاق ہوگی۔ تیسرے قول والا کہے گا کہ حدث اور خبث پائے جانے کی صورت میں طلاق ہوگی اور چوتھے قول والا کہے گا کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہوگا تب طلاق ہوگی۔

توشیح ہدایہ کی شرح ہے جس کے مصنف سراج الدین ہیں۔ اور سراج وہاج مختصر القدوری کی شرح ہے اس کے مصنف علامہ حدادی صاحب جوہرہ ہیں اس میں لکھا ہے کہا کہ حیض یا نفاس سے غسل امام کرخیؒ کے نزدیک ان کے بند ہوتے ہی واجب ہوتا ہے اور عام عراقیین کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور بخارا والے کہتے ہیں کہ غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز واجب ہوتی ہے اور یہی دوسرا مذہب مختار ہے اور اب اگر کسی عورت کو حیض یا نفاس کا خون آفتاب نکلنے کے بعد بند ہوا اس نے غسل کیا ظہر کے وقت، تو اب پہلے قول کی بنیاد پر وہ عورت گنہ گار ہوگی کہ اس نے وجوب کی ادائے گی میں قصداً تاخیر کی، لیکن دوسرے قول کی صورت میں وہ گنہ گار نہیں قرار پائے گی کہ وجوب صلوۃ کا وقت آیا تو اس نے غسل کر لیا، یہی اختلاف وجوب وضو میں ہے عراقیین کہتے ہیں کہ جب حدث پایا جائے گا وضو واجب ہوگا اور بخارا والے کہتے ہیں کہ وضو نماز کے لئے واجب ہوتا ہے شرائط شریطۃ کی جمع ہے جس کے معنی شرط کے ہیں اور شرط اسے کہتے ہیں جب یہ نہ پائی جائے تو مشروط بھی نہ پایا جائے گویا مشروط کا وجود شرط کے وجود پر ہے شرائط وجوب کا مطلب ہے کہ جس کسی شخص میں یہ شرطیں پائی جائیں گی تو اس پر طہارت ضروری ہوگی اور شرائط صحت کا مفہوم یہ ہے کہ ان شرطوں کے بغیر طہارت درست ہی نہ ہو۔

عقل کی قید سے معلوم ہوا کہ پاگل اور بچہ پر واجب نہیں اسلام کی قید سے معلوم ہوا کہ کافر پر واجب نہیں، قدرت کی قید سے معلوم ہوا کہ جو پانی کے استعمال پر قادر نہیں اس پر واجب نہیں اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت پر واجب نہیں وقت میں جب تک گنجائش ہے واجب نہیں، نفاس اور حیض نہ ہونے کی شرط وجوب کے لئے بھی ہے اور صحت طہارت کی درستی کے لئے بھی، جہت دونوں کی دو ہے، وجوب کے لئے شرط خطاب کی حیثیت سے اور صحت کی ادائے واجب کی حیثیت سے۔

وجعلها بعضهم اربعة شرط وجودها الحسي وجود المزيل والمزال عنه والقدرة علي الازالة وشرط وجودها الشرعي وكون المزيل مشروع الاستعمال في مثله وشرط وجوبها التكليف والحدث وشرط صحتها صدور الطهر من اهله في محله مع فقد مانعه ونظمهافقال۔

تعلم شروطا للوضوء مهمة　　مقسمة في اربع وثمان

فشرط وجود المس منها ثلثة　　سلامة اعضاء وقدرة امكان

لمستعمل الماء القراح وهو معا　　وشرط وجود الشرع خذهامعان

فمطلق ماء مع طهارته ومع　　طهوريته ايضا ففر ببيان

وشرط وجوب وهو اسلام مانع　　مع الحدث التميز بالعقل ياعانى

وشرط لتصحيح الوضوء زوال ما　　يتعديصال المياه من اران

كشمع رمص ثم لم يتخلل　　الوضوء مناف ياعظيم ذوى الشان

وزيد على هذين ايضا تقاطر　　مع الغسلان هذا الذى الثانى

ترجمہ اور بعض عالموں نے طہارت کی شرطوں کی چار قسم ٹھہرایا ہے ایک قسم طہارت کے وجود محسوس کی شرط ہے یعنی ایسی شرط جس کے بغیر طہارت خارج میں محسوس اور مشاہد نہ ہو اس میں تین چیزیں ضروری ہیں ایک اس چیز کا پایا جانا جو نجاست کو دور کردے جیسے پانی، دوسرے اس چیز کا ہونا جس سے نجاست دور کی جائے جیسے بدن اور کپڑا، تیسرے دور کرنے پر قادر ہونا، یعنی دور کرنے والی چیز کو استعمال کر سکتا ہو، طہارت کی دوسری قسم طہارت کی وجود شرعی کی شرط ہے یعنی شریعت میں اس کے بغیر طہارت کا وجود معتبر نہ ہو، دور کرنے والی چیز کا مشروع الاستعمال ہونا اسی کے مثل میں شرط ہے جیسے وضوو غسل میں پاک کرنے والے پانی کا استعمال کرنا، خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے جس پاک کرنے والی چیز کو جس صورت کے ساتھ خاص کردیا ہے وہاں اسی سے طہارت حاصل ہوگی دوسری چیز سے نہیں، مثلاً خشک ہونے سے زمین، عمارت اور درخت پاک ہوگا مگر کپڑا، بدن اور برتن خشک ہونے سے پاک نہیں ہوگا بلکہ دھونے اور نجاست کے دور ہونے سے ہوگا۔ تیسری قسم طہارت کی شرط مکلف ہونا ہے اور محدث ہونا۔ مکلف کا مطلب ہے عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا، شرط طہارت کی چوتھی قسم پاک کرنے والی چیز کا اہلِ تطہیر سے اس کے محل میں اس طرح صادر ہونا کہ مانع تطہیر مفقود ہو (اہل تطہیر کی مراد حائض اور نفساء کا ہونا ہے، محل طہارت سے مراد عموم بشری ہے یعنی پوری کھال کا ہونا، اور مانع تطہیر کے مفقود کا مطلب اثنائے طہارت میں ناقض کا نہ پایا جانا ہے) اور بعضوں نے اسے نظم کردیا ہے چنانچہ کہا، اے مخاطب وضوء کی ضروری شرطوں کو سیکھ لے جو چار اور آٹھ پر منقسم ہیں یعنی بارہ شرطوں پر، پھر ان میں سے وجود حسی کی تین شرطیں ہیں ایک اعضاء کا صحیح سالم ہونا، دوسرے خالص پانی کے استعمال پر قادر ہونا، تیسرے پانی کا ہونا، اور وجود شرعی کی شرط غور تامل سے اختیار کر، کہ وہ مطلق پانی ہے کہ وہ پاک بھی ہو اور پاک کرنے والا بھی ہو سو اس بیان سے کامیاب ہو اور وجوب طہارت کی شرط مسلمان ہونا، بالغ ہونا، عقلِ تمیز کا پایا جانا اور حدث ہے اے فائدے کے ارادہ کرنے والے۔

اور وضوء کے صحیح ہونے کی شرط اس میل کچیل کا دور ہونا جو پانی کو بدن تک نہ پہونچنے دے جیسے موم، اور آنکھ کے کنارے کی میل، پھر یہ بھی شرط ہے کہ وضو کے درمیان کوئی ناقض نہ آئے، اے بڑی بڑی شان والے، اور دونوں شرطوں کے ساتھ یہ بھی زیادہ کیا گیا ہے کہ دھونے کے ساتھ پانی ٹپکے، یہ شرط امام ثانی ابو یوسفؒ کے نزدیک نہیں ہے۔ (اس نظم میں ایک شرط صحت رہ گئی یعنی حیض ونفاس کا نہ پایا جانا، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا)

تشریح کتب احناف میں امام سے مراد امام اعظم ابو حنیفہؒ ہوتے ہیں اور ثانی سے مراد امام ابو یوسفؒ لئے جاتے ہیں اور

ثالث امام محمدؒ کو کہتے ہیں "شیخین" جب بولا یا لکھا جائے تو اس سے مراد امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ہوتے ہیں، اور "طرفین" کہیں لکھا ہو یا بولا جائے تو اس سے مراد امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ ہیں اور صاحبین اصطلاح میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو کہتے ہیں۔

وصفتها فرض للصلوة وواجب للطواف قيل ومس المصحف للقول بان المطهرين الملائكة ومندوب في نيف وثلاثين موضعاً ذكرتها في الخزائن منها بعد كذب وغيبة وقهقهة وشعر واكل جزور وبعد كل خطيئة والخروج من خلاف العلماء

ترجمہ اور طہارت کی صفت یہ ہے کہ وہ نماز کے لئے فرض ہے اور طواف کے لئے واجب ہے اور بعضوں نے کہا کہ قرآن چھونے کے لئے بھی وضو واجب ہے بایں طور کہ قرآن میں لا یمسہ الا المطہرون میں مطہرون سے مراد فرشتے ہیں اور سونے کے لئے وضوء کرنا سنت ہے اور کچھ اوپر تیس جگہوں پر وضو کرنا مستحب ہے، جن کی تفصیل میں نے "خزائن الاسرار" میں کی ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں جھوٹ بولنے کے بعد، غیبت کے بعد، بلند آواز سے ہنسنے کے بعد، شعر پڑھنے کے بعد، اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد، ہر گناہ سے بچنے کے بعد، اور علماء کے اختلاف سے نکلنے کے لئے۔

تشریح نماز کے لئے وضو فرض قطعی ہے خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل ہو، اور خانہ کعبہ کے طواف کے لئے واجب ہے، باقی قرآن چھونے کے لئے وضو فرض ہے یا واجب ہے اس میں اختلاف ہے بعض علماء فرض کہتے ہیں اور بعض واجب، جو فرض کہتے ہیں ان کی دلیل قرآن کی آیت لا یمسہ المطہرون ہے کہ اس کتاب سے قرآن مراد ہے۔ اور علماء کی ایک جماعت کہتی ہے یہ صفت کتاب مکنون یعنی لوح محفوظ کی ہے اور مطہرون سے مراد فرشتے ہیں کہ لوح محفوظ کو صرف ملائکہ مقربین ہی چھوتے ہیں، اور کتاب سے قرآن جو لوگ مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مطہرون سے وہ لوگ مراد ہیں جو باوضو اور پاک صاف ہوں اور اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں اور مس کے لفظ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات یہاں یاد رکھنے کی ہے فرض اصل میں اسے کہتے ہیں کہ اس کے منکر کو کافر کہا جاسکے اب یہاں یہ مسئلہ آتا ہے کہ اگر کوئی نماز کے علاوہ دوسری چیز کے لئے وضوء کا منکر ہے تو وہ از روئے فتویٰ کافر ہے یا نہیں جواب یہ ہے کہ کوئی ایسے کو کافر نہیں کہتا لہٰذا یہاں یہ کہا جائے گا کہ قرآن چھونے کے لئے وضو فرض عملی ہے یعنی عقیدۃً فرض نہیں ہے مگر عملاً فرض ہے اور جو عملاً فرض ہو اسی کو واجب کہتے ہیں گو عام وجوب سے اس کا درجہ کچھ بڑھا ہوا ہے

اختلاف علماء سے بچنے کی مثال جیسے کوئی عورت کو چھودے یا مس شرم گاہ کردے تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وضو ٹوٹ گیا مگر احناف کے یہاں اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اب فرض کیجئے کسی سے ایسا ہو گیا تو مستحب یہ ہے کہ وہ وضو کرلے تاکہ اختلاف میں پڑنے سے بچ جائے۔ جن جگہوں میں وضو مستحب ہے ان میں سے کچھ کا ذکر کیا کچھ کا نہیں ان میں سے دوسروں نے یہ جنہیں بھی ذکر کی ہیں سو کر اٹھنے کے بعد، ہمیشہ باوضو رہنے کے لئے، وضو ہونے کے باوجود، تازہ وضو کرنا، میت کو غسل دینے کے لئے، اس کو اٹھانے کے لئے، ہر وقت کی نماز کے لئے، تازہ وضو کرنا، غسل جنابت سے پہلے، جنبی کا کھانے پینے سے پہلے، اور وطی سے پہلے، غصہ کے وقت، قرآن پڑھنے کے لئے، اسی طرح حدیث وفقہ پڑھنے کے لئے، اذان کے لئے،

تکبیر کے لئے، خطبہ پڑھنے کے لئے خواہ نکاح ہی کا کیوں نہ ہو، زیارت نبوی کے لئے، وقوف عرفہ کے لئے، سعی بین الصفاوالمروہ کے لئے، شرعی کتابوں کے چھونے کے لئے، مطلق ذکر الٰہی کے لئے، غسل سے پہلے۔

ورکنها غسل و مسح وزوال النجس والتها ماء وتراب ونحوهما ودليلها آية اذاقمتم الى الصلوٰة وهى مدنية اجماعاً

ترجمہ طہارت میں رکن دھونا، مسح کرنا اور نجاست کا دور ہو جانا ہے اور پاکی کا آلہ پانی، مٹی اور ان کی طرح کی چیزیں ہیں اور اس کی دلیل آیت اذا قمتم الی الصلوٰۃ ہے اور بالاتفاق یہ آیت مدنی ہے یعنی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔

تشریح البحرالرائق میں ہے کہ حدث اصغر فرض میں تین عضو کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے، اور حدث اکبر میں سارے ظاہری بدن کو دھونا، نجاست دو طرح کی ہوتی ہے ایک جو دیکھنے میں آئے دوسری جو دیکھنے میں نہ آئے۔ جو دیکھنے میں آئے اس کے عین کا دور کرنا ضروری ہے اور جو دیکھنے میں نہ آئے اس میں صرف دھونا ہے، باقی نچوڑنا یا تین مرتبہ دھونے کی قید یہ شرط ہے تاکہ یقین ہو جائے کہ شیئے نجس دور ہو چکی ہو گی، اور اگر وہ شی ناپاک ایسی ہو جو نچوڑی نہ جاسکے تو دھو کر اتنی دیر چھوڑ دینا کہ خشک ہو جائے۔ آلہ طہارت میں اولاً تو پانی ہے یا پانی کی طرح کی چیز جس سے نجاست دور ہو سکے، پانی نہ ہو یا مجبوری ہو تو اس کے قائم مقام مٹی ہے، اور نحوھما میں زمین کا خشک ہونا ہے، نوک یا جوتے کا رگڑنا ہے۔

دلیل میں آیت نقل کی، یہ آیت مشہور ہے۔ پوری آیت یہ ہے

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وَجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ اَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْداً طَيِّباً فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِنْهُ مَايُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (سورہ مائدہ)

مدنی وہ آیتیں اور سورتیں کہلاتی ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں خواہ مدینہ میں نازل ہوئی ہوں خواہ مدینہ کے علاوہ کہیں اور نازل ہوئی ہوں، اور ہجرت سے پہلے جو آیات وسورتیں نازل ہوئی وہ مکی کہی جاتی ہیں خواہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں خواہ مکہ معظمہ سے باہر

واجمع اهل السيران الوضوء والغسل فرضا بمكة مع فرض الصلوٰة بتعليم جبرئيل عليه الصلوٰة والسلام لم يصل قط الا بوضوء بل هو شريعة من قبلنا بدليل هذا وضوئى ووضوء الانبياء من قبلى وقد تقرر فى الاصول ان شرع من قبلنا شرع لنا اذا قصه الله تعالىٰ ورسوله من غير انكار ولم يظهر نسخه ففائدة نزول الأية تقرير الحكم الثابت

ترجمہ اور اہل سیر کا اتفاق ہے کہ وضو اور غسل دونوں مکہ مکرمہ میں فرض ہوئے ہیں، فرضیت نماز کے ساتھ جو حضرت جبرئیلؑ کی تعلیم سے ہوئی، اور اس پر بھی سبھوں کا اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بغیر وضو نماز نہیں پڑھی ہے، بلکہ شریعتِ محمدی کے پہلے سے وضو ثابت ہے اس حدیث نبویؐ سے جس میں آپ نے بعد وضو فرمایا کہ یہ میرا

وضو ہے اور ان پیغمبر کا جو مجھ سے پہلے تھے، اور اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پہلوں کی وہ شریعت ہماری بھی شریعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور اس کے رسول نے حدیث میں بلا انکار صراحت کر دی ہے، اور اس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہوا پس نزول آیتِ وضو کا فائدہ یہ ہے کہ ثابت شدہ حکم راسخ ہو جائے۔

تشریح اہل سیر سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور احوال و مغازی بیان کئے، وضو کی فرضیت مکہ میں بیان کر کے مصنف در مختار نے اس قول کا رد کیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آیت وضو چونکہ مدنی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ وضو بعد میں فرض ہوا اور نماز پہلے، لہذا جس وقت تک وضو فرض نہیں ہوا نماز بلا وضو پڑھی گئی، پھر صراحت بھی کی کہ آپ نے کبھی بلا وضو نماز نہیں پڑھی، اور یہ کہ وضو پہلی شریعت میں بھی تھا۔

اب پھر ایک اعتراض ہو رہا تھا کہ جب وضو مکہ میں نماز کے ساتھ فرض ہوا اور شریعتِ سابقہ میں بھی وضو تھا اور وہ اس شریعت میں منسوخ بھی نہیں ہوا، پھر ان تمام کے باوجود مدینہ منورہ میں آیت وضو کے نزول کا کیا فائدہ؟ جواب دیا کہ سابق حکم کو مضبوط بنانے کے لئے ایسا ہوا، تاکہ یہ نص متواتر ہر زمانہ میں یکساں درجہ رکھے اور کسی طرح کا کوئی احتمال اس میں پیدا نہ ہونے پائے اور خود وضو کے مستقل عبادت نہ ہونے کے باوجود اس کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

وثاني اختلاف العلماء الذي هو رحمة كيف وقد اشتملت على نيف حكماً مبسوطة في تيمم الضياء عن فوائد الهداية وعلى ثمانية امر كلها مثنى طهارتين الوضوء والغسل ومطهرين الماء والصعيد وحكمين الغسل والمسح وموجبين الحدث والجنابة ومبيحين المرض والسفر ودليلين التفصيلي في الوضوء والاجمالي في الغسل وكنايتين الغائط والملامسة وكرامتين تطهير الذنوب واتمام النعمة اى بموتة شهيد الحديث من داوم على الوضوء مات شهيدا ذكره في الجوهرة وانما قال آمنوا بالغيبة دون آمنتم ليعم كل من آمن الى يوم القيمة قاله في الضياء وكانه مبني على ان في الآية التفاتا والتحقيق خلافه وان في الوضوء باذا التحقيقية وفي الجنابة بان التشكيكية للاشارة الى ان الصلوة من الامور اللازمة والجنابة من الامور العارضة ان كنتم جنبا

ترجمہ اور علماء کے اختلاف کا حاصل ہونا جو امت کے لئے رحمت ہے (یہ نزول آیت کا دوسرا فائدہ ہے) اور آیت کے نزول میں کیوں کہ فائدہ نہیں ہوگا حالانکہ وہ آیت کچھ اوپر ستر احکام پر مشتمل ہے جو کتاب ضیاء کے باب التیمم میں اس فوائد ہدایہ سے نقل ہو کر مفصل مذکور ہے، اور وہ آیت آٹھ ایسے امور کو شامل ہے کہ ان میں سے ہر ایک دو، دو ہیں دو طہارت پر مشتمل ہیں ایک وضو دوسرے غسل، دو پاک کرنے والی چیز پر مشتمل ہیں ایک پانی دوسری مٹی، دو حکموں پر مشتمل ہیں ایک دھونا دوسرے مسح کرنا، دو موجب طہارت پر مشتمل ہیں ایک حدث دوسری جنابت، دو تیمم کو جائز کرنے والی چیز پر مشتمل ہیں ایک بیماری دوسری سفر۔ دو دلیلوں پر مشتمل ہیں ایک دلیل تفصیلی وضو میں دوسرے دلیل اجمالی غسل میں اور دو کنایوں پر مشتمل ہیں ایک غائط دوسرے ملامست، دو بزرگیوں پر مشتمل ہیں ایک گناہوں سے پاک کرنا دوسرے نعمت کا شہادت موت

کے ذریعہ پورا کر دینا، اس حدیث سے جس میں فرمایا جو ہمیشہ باوضو رہے گا وہ شہادت کی موت مریگا۔

اس کو جوہرہ نیرہ میں ذکر کیا ہے (جو قدوری کی شرح ہے) اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا آمنوا کے صیغہ سے جو غائب کا صیغہ ہے نہ کہ مخاطب کے صیغہ آمَنْتُمْ سے تاکہ ہر اس شخص کو یہ عام ہو جائے تو تا قیامت ایمان لاتا رہے اسے ضیاء میں ذکر کیا، اور شاید یہ قول اس پر مبنی ہے کہ آیت وضو میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے لیکن تحقیق اس کے خلاف ہے یعنی یہاں التفات ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف نہیں ہے بلکہ غائب ٹھیک اپنی جگہ واقع ہوا ہے

اور اللہ تعالیٰ وضو کے بیان میں "اذا" کا لفظ لائے جو محقق اور ثابت ہونے پر دلالت کرتا ہے یعنی فرمایا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اور جنابت میں "اِنْ" کا لفظ لائے جو شک اور تردد کو ظاہر کرتا ہے یعنی فرمایا اِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ پایا جائے کہ قیام الی الصلوٰۃ امور ضروریہ میں سے ہے اور جنابت امور عارضہ سے

تشریح التفات کہتے ہیں کہ حاضر کی جگہ غائب بولا جائے اور غائب کے مقام میں حاضر، آیت وضو میں تحقیقی بات یہ ہے کہ التفات نہیں ہے اس لئے کہ آمَنُوْا۔ اَلَّذِیْنَ کا صلہ ہے اور موصول بمنزلہ غائب ہے

اِذاَ اور اِنْ دونوں حرف شرط ہیں جزا کے لئے آتے ہیں دونوں میں فرق یہ ہے جہاں شرط کا پایا جانا یقینی یا غالب ہو وہاں اذا کا لفظ لایا جاتا ہے اور شک اور تردد ہو یعنی وقوع شرط کا یقین نہ ہو تو وہاں اِنْ لاتے ہیں، اب آیت وضو میں دیکھئے چونکہ نماز لازم ہے تو یہاں اذا قمتم فرمایا اور جنابت عارضی چیز ہے اس لئے یہاں اِنْ لائے نماز رات دن میں پانچ وقت فرض ہے جنابت کوئی لازم چیز نہیں عارضی ہے

وصرح بذكر الحدث في الغسل والتيمم دون الوضوء ليعلم ان الوضوء سنة وفرض والحدث شرط للثاني لالاول فيكون الغسل على الغسل والتيمم على التيمم عبثاً والوضوء على الوضوء نُوْراً على نُور

ترجمہ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے غسل اور تیمم میں حدث کو صراحتاً بیان کیا لیکن وضو میں صراحتاً نہیں بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بغیر حدث وضو سنت ہے اور حدث ہو تو فرض ہے اور حدث ثانی کے لئے یعنی فرض وضو کے لئے شرط ہے اور اول کے لئے یعنی سنت وضو کے لئے شرط نہیں ہے لہذا ایک غسل کے بعد پھر غسل کرنا اور ایک تیمم کے بعد دوبارہ تیمم کرنا عبث ہوگا لیکن ایک وضو کے رہتے ہوئے وضو کرنا نورٌ علی نور ہے۔

تشریح غسل میں صراحتاً بیان یہ ہے وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوْا اور تیمم میں یہ آیت آئی اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا

مصنف نے جو کچھ ابھی بیان کیا اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ تیمم اور غسل صرف فرض ہی ہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، کہیں یہ مستحب بھی ہوتے ہیں اور کہیں سنت بھی مثلاً سونے اور مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمم کرنا مستحب ہے اسی طرح جمعہ کے دن غسل سنت ہے

ارکان الوضوء اربعة عبر بالاركان لانه افيد مع سلامته عما يقال ان اريد بالفرض القطعي يرد

تقدیر الممسوح بالربع وان ارید العملی یرد المغسول اجیب عنہ بما لخصناہ فی شرح الملتقی

ترجمہ وضو کے رکن چار ہیں، مصنف نے یہاں ارکان کہا اور فرض نہیں کہا جیسا کہ دوسرے مصنفوں نے کہا ہے اس وجہ سے کہ یہ لفظ یہاں زیادہ فائدہ مند ہے اور اس اعتراض سے صحیح سالم بچ گئے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ فرض سے کیا مراد ہے اگر فرض قطعی مراد ہے تو سر کے مسح میں چوتھائی کی مقدار متعین کرنے سے اعتراض واقع ہوگا کہ یہ مقدار فرض قطعی نہیں ہے چنانچہ اس مقدار میں ائمہ کا اختلاف بھی ہے اور فرض سے فرض عملی مراد ہے تو عضو مغسول سے اعتراض ہوتا ہے اس لئے کہ دھونا اعضاء وضو کا فرض قطعی ہے عملی نہیں ہے اگرچہ اس اعتراض کا وہ جواب دیا گیا ہے جس کا خلاصہ ہم نے ملتقی الابحر کی شرح الدار المنتقی میں ذکر کیا ہے۔

تشریح رکن لغت میں ہر چیز کے مضبوط حصہ کو کہتے ہیں اور وضو وضائت سے ماخوذ ہے جس کے معنی نظافت اور حسن کے ہیں، وضو ضمہ کے ساتھ مصدر ہے اور وضو زبر کے ساتھ وہ پانی ہے جس سے وضو کیا جاتا ہے اور اصطلاح میں وضو اعضاء ثلثہ یعنی چہرہ، دونوں ہاتھ (کہنی سمیت) اور دونوں پاؤں (ٹخنوں کے ساتھ) دھوئے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں رکن فرض کے اعتبار سے اخص ہے اور اس عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ جن لوگوں نے فروض الوضو کہا ہے ان کی فرض سے مراد رکن ہی ہے، رکن کے اخص ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رکن وہ فرض ہے جو ماہیت یعنی اس شے کی حقیقت کے اندر داخل ہو بخلاف فرض کے کہ وہ عام ہے داخل ماہیت کو بھی فرض کہتے ہیں اور خارج ماہیت کو بھی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ رکن بھی فرض کہلاتا ہے اور شرط بھی۔

ثم الرکن ما یکون فرضاً داخل الماھیۃ واما الشرط فما یکون خارجھا فالفرض اعم منھما وھو ماقطع بلزومہ حتی یکفر جاحدہ کاصل مسح الراس

ترجمہ پھر رکن وہ فرض ہے جو ماہیت کے اندر داخل ہو، اور بہر حال شرط وہ ہے جو ماہیت سے خارج ہوا، لہذا فرض دونوں کو شامل ہوا، یعنی رکن کو بھی فرض کہیں گے اور شرط کو بھی فرض کہیں گے اور فرض قطعی وہ ہے جس کا لازم ہونا یقینی ہو اس درجہ میں کہ اس کا انکار کرنے والا کافر کہا جاتا ہے جیسے نفس مسحِ سر (بلا تعین مقدار) کا منکر کافر کہا جائے گا

تشریح فرض قطعی کو فرض اعتقادی بھی کہتے ہیں، اس وجہ سے کہ جس طرح اس کا کرنا ضروری ہے اس کا اعتقاد بھی ضروری ہے علامہ عینی شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ اصطلاح شریعت میں فرض وہ ہے جو ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہ ہو جیسے قرآن پاک سے یا حدیث متواتر سے، مگر اس طرح کہ اس میں کوئی خصوص نہ ہو النہر الفائق میں ہے کہ دلائل سمعی کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) وہ دلیل جس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور جس کی مراد بھی قطعی ہو جیسے نصوص متواترہ۔

(۲) وہ دلیل جس کا ثبوت تو قطعی ہو لیکن مراد ظنی ہو جیسے وہ آیات جن میں تاویل کی گئی ہے۔

(۳) وہ دلیل کہ اس کا ثبوت ظنی ہو مگر مراد قطعی ہو جیسے وہ اخبار احاد جن کا مفہوم متعین قطعی ہو۔

(۴) وہ دلیل ہے جس کا ثبوت بھی ظنی ہو اور اس کی مراد بھی ظنی ہو جیسے وہ اخبار آحاد جن کا مفہوم ظنی ہو۔

فقہاء نے ان چار قسموں میں سے پہلی قسم سے فرض اور حرام کو ثابت کیا ہے اور دوسری و تیسری قسم سے واجب اور کراہت تحریمی کو اور چوتھی قسم سے سنت اور مستحب ثابت کیا ہے اور واجب سے ان کی مراد یہ ہے کہ عملاً وہ فرض کے درجہ میں ہو، تفصیل کے لئے دیکھئے ردالمختار للشامی صفحہ ۷۰ جلد ۱

وقد يطلق على العمل وهو ما تفوت الصحة بفواته كالمقدار الاجتهادى فى الفروض فلايكفر جاحده

ترجمہ اور کبھی فرض، فرض عملی پر بولا جاتا ہے اور فرض عملی وہ ہے جس کے فوت ہو جانے سے اس کی صحت ختم ہو جائے جیسے فرضوں کی وہ مقدار جو اجتہاد سے ثابت ہے لہذا اس فرض عملی کا منکر کافر نہ کہا جائے گا

تشریح اس سے معلوم ہوا کہ فرض بول کر فرض قطعی مراد لینا حقیقی معنی ہے اور فرض عملی مراد لینا مجازی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب فرض بولا جاتا ہے تو ذہن عموماً فرض قطعی ہی کی طرف جاتا ہے، فرض عملی کو عملی اس وجہ سے کہا کہ اس پر عمل کرنا تو فرض ہے مگر اس کا اعتقاد فرض نہیں ہے جیسے چوتھائی سر کا مسح فرض ہے مگر اس کا اعتقاد فرض نہیں ہے۔

غسل الوجه اى اسالة الماء مع التقاطر ولو قطرة وفى الفيض اقله قطرتان فى الاصح مرة لان الامر لا يقتضى التكرار وهو مشتق من المواجهة واشتقاق الثلاثى من المزيد اذا كان اشهر فى المعنى شائع كاشتقاق الرعد من الارتعاد والیم من التيمم من مبداء سطح جبهة اى المتوضى بقرينة المقام الى اسفل ذقنة اى منبت اسنانة السفلى طولاً كان عليه شعر اولاً عدل عن قولهم من قصاص شعره الجارى على الغالب الى المطر وليعم الاغم و الاصلع والانزع ومابين شحمتى الاذنين عرضا

ترجمہ اب فرض وضو کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ پہلا فرض چہرہ کا دھونا ہے یعنی اس طرح پانی بہانا کہ پانی چہرہ سے دھونے میں ٹپکے خواہ ایک ہی قطرہ کیوں نہ ہو، اور فیض میں ہے کہ ٹپکنے کی کم سے کم مقدار مذہب اصح میں دو قطرہ ہیں اور یہ فرض دھونا ایک مرتبہ ہے اس وجہ سے کہ امر تکرار کو نہیں چاہتا ہے، اور وجہ (چہرہ) مواجہہ سے مشتق ہے، اور ثلاثی مجرد کا ثلاثی مزید فیہ سے نکلنا اور مشتق ہونا جبکہ مزید فیہ مجرد سے بہت زیادہ مشہور ہو، عام طور پر رائج اور مشہور ہے جیسے رعد کا ارتعاد سے مشتق ہونا اور یم کا تیمم سے

چہرہ کا وضو میں دھونا فرض ہے وضو کرنے والے کی پیشانی کے ابتدائی حصے سے اس کی ٹھوڑی کے نیچے تک یعنی جہاں نیچے کے دانت جمتے ہیں، یہ باعتبار طول ہے خواہ پیشانی پر بال ہوں یا نہ ہوں اس کا دھونا فرض ہے

مصنف نے دوسرے مصنفوں کی طرح "قصاص شعرہ" نہیں کہا جو رائج تھا بلکہ "مبداء السطح جبهة" کہا ہے یہ اس وجہ سے کہ غالب حال یہی ہوتا ہے اور سب کو شامل ہوتا ہے اور تاکہ اس میں اغم، اصلع اور انزع سب داخل ہو جائے اغم جس کی پیشانی پر بال جمے ہوں، اصلع وہ ہے جس کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہ ہوں، اور انزع وہ جس کی پیشانی کے دونوں کنارے بال سے خالی ہوں اور دونوں کانوں کی دونوں لو کے درمیان عرض میں یعنی چہرے کی حد چوڑائی میں جو ایک

کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے

تشریح غَسل (غین کے زبر کے ساتھ) کے معنی لغت میں پانی بہا کر میل دور کرنا ہے، اور غُسل (پیش کے ساتھ) تمام بدن کے دھونے کو کہتے ہیں اور اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس سے نہاتے ہیں اور غِسل (غین کے زیر کے ساتھ) خطمی کو کہتے ہیں جس سے سر دھویا جاتا ہے۔

معلوم ہوا پانی بہانا ضروری ہے، اگر کوئی صرف تیل کی طرح پانی سے بھگولے اس طرح کہ وہ نہ ٹپکے تو ظاہر الروایت میں یہ جائز نہیں ہوگا جیسے کوئی برف سے وضو کرے مگر اس طرح کہ کوئی بوند نہ ٹپکے تو یہ بھی درست نہیں ہے فیض ایک کتاب کا نام ہے جس کے مصنف شیخ برہان الدین کرکی ہیں

ایک مرتبہ دھونا فرض کہا اور دلیل میں کہا کہ امر تکرار کا مقتضی نہیں ہے اس امر سے مراد فاغسلوا وجوہکم میں اغسلوا ہے جو صیغہ امر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایک بار، دو دو بار اور تین تین بار تک ثابت ہے، تین سے زیادہ اسراف میں داخل ہے۔

پھر بتایا کہ لفظ وجہ جس کے معنی چہرے کے ہیں موجہہ سے مشتق ہے اور اس شبہ کا بھی جواب دیدیا کہ مجرد مزید فیہ سے مشتق ہوتا ہے اس میں کوئی خرابی نہیں۔ رعد کڑک کو کہتے ہیں اور ارتعاد اظطراب کے معنی میں ہے چنانچہ رعد بھی ابر میں مضطرب رہتا ہے۔ یم دریا کو کہتے ہیں اور تیمم کے معنی قصد وارادہ کے ہیں چونکہ دریا بھی مقصود خلائق ہے اس لئے یم کہا گیا، اسی طرح جن اجتنان سے مشتق ہے۔

عینیؒ نے لکھا ہے کہ اشتقاق کی تین قسمیں ہیں (۱) صغیر۔ (۲) کبیر۔ (۳) اکبر۔ صغیر میں تو یہ شرط ہے کہ دونوں ایک ہوں باقی کبیر واکبر میں یہ شرط نہیں ہے، اشتقاق صغیر وہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کا حروف اور ترتیب میں مناسبت باقی رہے جیسے مصدر سے جو مشتقات نکلتے ہیں اور اشتقاق کبیر وہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ دونوں لفظ و معنی میں مناسبت ہو مگر ترتیب میں نہ ہو جیسے جذب مشتق ہے جذب سے، اور اشتقاق اکبر یہ ہے کہ معنی میں مناسبت ہو اور لفظ و مخارج ایک سے ہوں جیسے نعق نہق سے مشتق ہے

یہاں حدود کے بیان میں "من مبداء سطح" کا لفظ لایا گیا ہے اور دوسری کتابوں میں "من قصاص شعرہ" صاحب در مختار نے کہ یہ مبداء کا لفظ عام ہے اور سب کو شامل ہے، قصاص شعرہ کا لفظ اس عموم سے خالی ہے۔ اغم، اصلع اور انزع کی تعریف پہلے لکھ چکا۔

وحینئذٍ فیجب غسل المیاقی وما یظهر من الشفة عند انضمامها ومابین العذار والاذن لدخوله فی الحدود وبه یفتی لاعمل باطن العینین دالانف والفم واصول شعر الحاجبین واللحیة والشارب ونیم ذباب للحرج

ترجمہ پس جب کہ چہرے کا طول و عرض معلوم ہو چکا تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس وقت گوشہ چشم کا دھونا واجب ہوگا اور ہونٹ کے اس حصہ کا دھونا بھی واجب ہوگا جو منہ کے بند ہونے کے وقت کھلا رہتا ہے اور واجب ہوتا ہے اس

سفیدی کا دھونا جو داڑھی اور کان کے درمیان ہے اس وجہ سے کہ یہ حصہ چہرہ میں داخل ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے لیکن آنکھ، ناک اور منہ کے اندر کے حصہ کا دھونا فرض نہیں ہے اور اسی طرح بھوؤں، داڑھی اور مونچھ کے بالوں کی جڑوں اور ممی کے گو کا دھونا فرض نہیں ہے یہ فرض اس لئے نہیں کہ اس میں حرج اور مشقت ہے

تشریح عذار داڑھی کے کنارے کو کہتے ہیں، قاموس میں صراحت ہے کہ عذار داڑھی کے دونوں کناروں کا نام ہے امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا مذہب یہی ہے کہ اس حصہ کا دھونا فرض ہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ داڑھی والے کے لئے فرض نہیں ہے البتہ عورت و مرد اور جس کے داڑھی نہ ہو ان سب کا اس حصہ کو دھونا بالاتفاق فرض ہے کذا فی الطحطاوی۔

بالوں کی جڑوں کا دھونا اس وقت فرض نہیں ہوگا جب کہ وہ بہت گھنے ہوں اور کھال نظر نہ آئے اور اگر کھال نظر آتی ہو تو بالوں کی جڑوں کا دھونا بھی فرض ہوگا۔

وغسل اليدين اسقط لفظ فرادى لعدم تقييد الفرض بالانفراد والرجلين الباديتين السليمتين فان المجر وحتين والمستورتين بالخف وظيفتها المسح مرة لمامرمع المرفقين والكعبين على المذ هب وما ذكرو امن ان الثابت بعبارة النص غسل يدورجل والاخرى بدلالته ومن البحث فى الى وفى القراء تين فى ارجلكم قال فى البحر لا طائل نحته بعد انعقاد الاجماع على ذلك

ترجمہ وضو میں دوسرا فرض دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے اور تیسرا فرض دونوں پاؤں کا دھونا جو بظاہر اور صحیح وسالم ہوں باقی جو زخمی ہوا ہو یا موزہ میں چھپا ہوا ہو ان کے لئے مسح کرنا متعین و مقرر ہے، مصنف نے ہاتھ پاؤں میں فرادیٰ (ایک ایک) کا لفظ گرا دیا، اس وجہ سے کہ فرضیت میں ایک ایک یا الگ الگ کی قید نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں میں پانی ایک ساتھ ڈال دے، تو بھی فرضیت ادا ہو جائے گی۔ ہاتھ پاؤں کا ایک بار دھونا فرض ہے مگر ہاتھوں کا کہنیوں کے ساتھ دھونا فرض ہے اور پاؤں کا ٹخنوں کے ساتھ ظاہر مذہب یہی ہے، اور یہ جو فقہ کی کتابوں میں علماء نے ذکر کیا ہے کہ قرآن کی عبارت النص سے ایک ہاتھ اور پاؤں کا دھونا فرض ہے اور دوسرے ہاتھ اور پاؤں کو دھونا دلالۃ النص سے ثابت ہے اسی طرح انھوں نے "الی" میں جو بحث کی ہے اور ارجلکم کی دونوں قرأتوں میں البحر الرائق میں کہا کہ جب ان پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، پھر اس کے ذکر سے کیا فائدہ ہے یعنی یہ بحث بیکار و بے فائدہ ہے۔

تشریح عبارۃ النص اس صریح مفہوم کو کہتے ہیں جس کے لئے کلام لایا گیا ہو اور دلالۃ النص وہ ہے جو نص سے بطور مساوات سمجھ میں آتا ہے۔ یہاں "ایدیکم" اور "ارجلکم" میں ایدی اور ارجل جمع کا صیغہ ہے جو کم ضمیر جمع کی طرف مضاف ہے تو اس سے ہر شخص کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مراد ہوگا اور الی میں یہ بحث ہے کہ الی کا مابعد الی کے ماقبل کے حکم میں داخل ہے یا نہیں یا دونوں برابر ہیں اور ترجیح کا مدار قرینہ ہے اور ارجلکم میں دو قرأت کا مطلب یہ ہے کہ ایک قرأت میں ارجل کے لام کو زبر ہے اور دوسرے میں زیر ہے

اور پھر ان دونوں کا اثر یہ ہوگا کہ اگر دونوں ہے تو وضو کرنے والے کو اختیار ہے کہ پاؤں دھوئے یا اس پر مسح کرے یا

مطلب یہ ہے کہ پاؤں میں موزہ ہو تو مسح کرے اور نہ ہو تو دھوئے۔ صاحب البحرالرائق ابن نجیم مصری کا یہ کہنا ہے کہ جب پاؤں کے دھونے پر اجماع قائم ہو چکا ہے تو یہ قرات کی بحث پیدا کر کے جھگڑا کرنا بے فائدہ ہے اور یہ ہرگز لائق توجہ نہیں ہے

ومسح ربع الراس مرة فوق الاذنين ولوباصابة مطر او ببلل باق بعد غسل عن المشهور لابعد مسح الا ان يتقاطر كذا في النهر الفائق مختصراً ولو مدا او اصبعين لم يجز الا ان يكون مع الكف او بالابهام والسبابة مع مابينهما اوبمياه ولو ادخل راسه الاناء اوخفه اوجبيرته وهو محدث اجزاه ولم يصر الماء مستعملاً وان نوى اتفاقاً على الصحيح كمافي البحر عن البدائع

ترجمہ اور وضو کا چوتھا فرض چوتھائی سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا ہے، دونوں کانوں کے اوپر، خواہ یہ حصہ بارش کے پہونچ جانے سے تر گیا ہو، خواہ اس تری سے تر ہو گیا ہو، جو کسی عضو کو دھونے کے بعد ہاتھ میں باقی رہ گئی تھی مشہور قول کی بنیاد پر، نہ اس تری سے جو مسح کرنے کے بعد باقی رہی ہو مگر یہ کہ پانی ٹپکتا ہو یعنی ایک مرتبہ مسح کرنے کے بعد بھی اتنی تری باقی رہ گئی ہے کہ پانی کا تقاطر (ٹپکنا) بند نہیں ہوا ہے اور اگر سر پر صرف ایک یا دو انگلیوں کو کھینچا تو مسح جائز نہ ہوگا، ہاں اس صورت میں جائز ہوگا جب انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی کو بھی لگائے یا کھینچ لے، انگھوٹے اور شہادت کی انگلی کو ان کے مابین حصہ کے ساتھ تو بھی مسح درست ہوگا یا چند بار ایک ہی انگلی سے مسح کرے مگر ہر مرتبہ نیا پانی لے تو بھی مسح درست ہو جائے گا اور اگر کوئی اپنا سر پانی کے برتن میں داخل کر دے یا اسی طرح اپنے دونوں موزوں کو یا مسح کی پٹی کو پانی میں داخل کیا ہو اور اس کا حال یہ تھا کہ اس کو وضو نہیں تھا تو یہ مسح کافی ہو جائے گا اور اس فعل سے وہ پانی بھی مستعمل نہیں ہوگا گو اس نے مسح کی نیت ہی کیوں نہ کی ہو، سبھوں کا اس پر اتفاق ہے، قول صحیح یہی ہے کہ جیسا البحرالرائق میں بدائع سے نقل کیا ہے۔

تشریح مسح لغت میں کسی چیز پر ہاتھ پھیرنے کو کہتے ہیں اور شرع میں مسح عضو کو پانی پہونچانے کا نام ہے، خواہ یہ پانی بھیگے ہوئے ہاتھ کا ہو یا بارش کا ہو سر کے مسح میں تین روایتیں آئی ہیں ایک یہ کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور مشہور یہی روایت ہے، اور فقہ کی مستند کتابوں میں اس روایت کو نقل کیا گیا ہے۔

دوسری روایت مسح میں مقدار ناصیہ کی ہے اور ہدایہ میں اس کی شرح بھی چوتھائی سر سے ہی کی گئی ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ ناصیہ چوتھائی سر سے کم ہوتا ہے۔

تیسری روایت انگلیوں کی مقدار ہے، بدائع میں اس کو اصول کی روایت کہا ہے، فتاوی ظہیریہ میں لکھا ہے کہ اسی قول پر فتویٰ ہے، لیکن خلاصہ میں یہ لکھا ہے کہ یہ روایت امام محمدؒ سے تو بیشک ظاہر الروایۃ ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ظاہر الروایۃ نہیں ہے۔

اور یہ جو بیان کیا کہ ایک دو انگلیوں کو ہتھیلی کے ساتھ سر پر کھینچنے سے مسح ہو جاتا ہے، تو یہاں مراد یہ ہوگی کہ اس طرح کھینچے کہ چوتھائی سر کی مقدار مسح میں آجائے تاکہ کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

اور محدث کے سر کو پانی میں داخل کرنے کے لئے [illegible] تاکہ پانی مستعمل نہ ہوگا گو نیت ہی کیوں نہ کرے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مستعمل اس وقت ہوتا ہے کہ بہہ کر جدا ہو جائے، یہاں یہ صورت نہیں پائی گئی، بلکہ صرف ملنا پایا گیا۔

وغسل جميع اللحية فرضٌ يعني عمليا ايضاً على المذهب الصحيح المفتي به المرجوع اليه وما عدا هذه الرواية مرجوعٌ منه كما في البدائع ثم لاخلاف ان المسترسل لا يجب غسله ولا مسحه بل يُسَنَّ وانَّ الخفيفة التي ترى بشرتها يلزم غسل ما تحتها كذا في النهر وفي البرهان يجب غسل بشرة لم يسترها الشعر كحاجب وشادب وعنفقة في المختار

ترجمہ اور تمام داڑھی کا وضو میں دھونا فرض ہے، یعنی فرض عملی ہے اس مذہب کی بنیاد پر جس کو محقق عالموں نے صحیح کہا ہے، اور جن کے ساتھ فتویٰ دیا ہے، اور اسی قول کی طرف امام اعظمؒ نے آخر میں رجوع کیا ہے، اور اس روایت سے دوسری تمام روایتیں اس سلسلہ کی متروک ہیں جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے، پھر اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ داڑھی کے اس حصہ کا دھونا یا مسح کرنا واجب نہیں ہوتا ہے جو ٹھوڑی سے نیچے لٹکی ہوئی ہوتی ہے بلکہ اس حصہ پر مسح کرنا صرف مسنون ہے اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ وہ ہلکی داڑھی جس کے نیچے کی کھال نظر آتی ہے اس کے نیچے کا دھونا لازم ہے، ایسا ہی نہر الفائق میں ہے، اور برہان میں ہے کہ اس کھال کا دھونا واجب ہے جس کو بالوں نے نہیں چھپایا ہے جیسے بھویں، مونچھ اور عنفقہ یعنی وہ بال جو لب اور ٹھوڑی کے درمیان ہے جسے عام طور پر یہاں بچی کہتے ہیں۔

تشریح داڑھی سے مراد وہ بال ہیں جو دونوں رخساروں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ بدائع الصنائع ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی کی کتاب ہے اور اپنے انداز میں بے نظیر سمجھی گئی ہے۔ یہ بدائع دراصل "تحفة الفقهاء" نامی کتاب کی شرح ہے جو ان کے استاذ شیخ علاء الدین السمر قندی کی تالیف ہے، علامہ کاسانیؒ نے جب اپنی یہ کتاب بدائع شیخ کی خدمت میں پیش کی تو وہ بے انتہا خوش ہوئے اور اپنی صاحبزادی فاطمہ ان کے نکاح میں دیدی، حالانکہ بادشاہوں نے پیغام دیا تھا، مگر اسے قبول نہیں کیا، چنانچہ ان کے گھر سے جو فتویٰ نکلتا تھا اس پر اس صاحبزادی کے دستخط ہوتے تھے اور ساتھ میں ان کے پدر بزرگوار اور شوہر کے بھی۔

ولا يعاد الوضوء بل ولا بل المحل بحلق راسه ولحيته كما لايعاد الغسل للمحل ولا الو وضوء بحلق شاربه وحاجبه وقلم ظفره وكشط جلده و كذا لو كان على اعضاء وضوء قرحة كالدملة وعليه جدلة رقبقة فتوضا وامر الماء عليها ثم نزعها لايلزمه اعادة الغسل على ما تحتها ان تالم بالنزع على الاشبه لعدم البدلية بخلاف نزع الخف وان لم نتالم بالنزع على الاشبه مختصراً فصار كما لو مسح خف ثم لحيه او قشره فروع

ترجمہ سر اور داڑھی کے بال مونڈنے کے بعد وضو لوٹایا نہیں جائے گا بلکہ اس جگہ کا تر کرنا بھی ضروری نہیں ہے (گو وہ خشک نکلے) جیسے مونچھ اور بھوؤں کے مونڈنے، ناخن تراشنے اور کھال اکھاڑنے سے اس جگہ کا دوبارہ دھونا ضروری نہیں ہے اور نہ وضو کرنا۔ اسی طرح اگر اعضاء وضوء پر زخم ہو جیسے پھوڑا اور اس پر باریک کھال ہو پھر اس نے وضو کیا اور اس باریک کھال پر پانی بہایا پھر اسے نوچ ڈالا تو اس شخص پر کھال کے نیچے کا دوبارہ دھونا لازم نہ ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ بال نوچنے میں درد ہوا ہو اس قول کی بنیاد پر جو حق کے زیادہ مشابہ ہے، کیوں کہ اس صورت میں نوچی ہوئی کھال اپنے نیچے کے بدلہ

میں نہ تھی بخلاف موزہ اتار دینے کے اس صورت میں پاؤں کا دوبارہ دھونا لازم ہوگا، تو زخم کی کھال کا نوچنا ایسا ہوگا جیسا کہ کسی نے اپنے موزے پر مسح کیا پھر اس موزہ کو کھرچا یا چھیلا یعنی اس کے بعد بھی مسح علی حالہ باقی رہے گا، مسح کا لوٹانا واجب نہیں ہوگا۔

تشریح فتاوی عالمگیری میں ہے کہ بعضوں نے کہا کہ اگر کھال نوچ دینے سے درد اور تکلیف نہ ہو تو وہاں دھونا لازم ہے، اور اگر درد ہو اور کوئی چیز وہاں سے نکل کر بہے تو وضو ٹوٹ گیا اور اگر کچھ نہیں نکلا تو وہاں کا دھونا لازم نہیں اور شبہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں دھونا لازم نہیں ہے۔

فروع

یہ وہ مسائل ہیں جو تنویر الابصار میں نہیں تھے، صاحب در مختار نے اپنی طرف سے ان مسائل کا اضافہ کیا ہے اور مصنف در مختار کی ہر باب و فصل میں تقریباً فروع کے سلسلے میں یہی عادت ہے۔ کہ وہ ضروری مسائل کا اضافہ کرتے ہیں

فی اعضائه شقاق فی غسله ان قدر والاّ مسحه والا ترکه اول بیده ولایقدر علی الماء تیمم

ترجمہ وضو کرنے والے کے اعضاء وضو میں پھٹن ہو (جیسے بوائی) اور وہ دھونے پر قادر ہے تو اسے دھوئے اور اگر دھونے پر قدرت نہ ہو تو مسح کرے اور اگر مسح بھی نہ کر سکتا ہو تو اس پر مسح کرنا بھی چھوڑ دے (اور اس کے ارد گرد حصے کو دھوئے) اور اگر اس ہاتھ میں پھٹن (بوائی) ہو، اور وہ پانی کے استعمال کی قدرت نہ رکھتا ہو، تو تیمم کرے

تشریح خون کی خرابی سے ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کی کھال پھٹ جاتی ہے، بالخصوص سردی کے موسم میں اور پانی کا استعمال مضر ہوتا ہے اور باعث تکلیف، اس کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ حسب استطاعت وضو کرے نہ ہو سکے تو مسح کرے، اور اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو اسے بھی چھوڑ دے، اور اگر دونوں ہاتھوں میں یہ مرض ہو، یا ایک میں ہو اور دوسرے میں کوئی اور مانع ہو، اسی طرح وہ چہرہ اور سر کو پانی میں ڈالنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسا شخص تیمم کر کے نماز پڑھے گا

ولو قطع من المرفق غسل محل القطع ولو خلق له یدان ورجلان فلو یبطش بهما غسلهما ولو باحدٰهما فهی الاصلیة فیغسلها وکذا الزائدة ان لبثت من محل الفرض کاصبع وکف زائدتین والا فما حاذی منهما محل الفرض غسله ومالا فلالکن یندب مجتبی

ترجمہ اور اگر کہنی سے ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو، تو کہنی کا جو حصہ رہ گیا ہے اس جگہ سے دھوئے، اور اگر کچھ باقی نہیں ہے یعنی کل کہنی کٹ چکی ہے، یا اسی طرح ٹخنہ سے پاؤں کٹ چکا ہے تو پھر اس ہاتھ و پاؤں سے دھونا ساقط ہو جائے گا، اور اگر کسی شخص کے دو ہاتھ اور دو پاؤں پیدا ہوئے یعنی دو ہاتھ کہنی کے اوپر سے شاخ کی طرح بن کر نکلے، یا دو پاؤں مزید ٹخنہ کے اوپر سے نکلے تو اگر وہ ان دونوں سے پکڑتا ہے یعنی ان سے کام لیتا ہے تو دونوں دھوئے اور ایک کار آمد ہے دوسرا نہیں، تو جو ایک کار آمد ہے اسے

دھوئے کیونکہ اصلی ہاتھ وہی ہے اسی طرح پاؤں میں دیکھے کہ اگر دونوں سے چلتا ہے دونوں دھوئے ورنہ جس سے چلتا ہے صرف اسی کو دھوئے، بقیہ زائد ہے اس کا دھونا لازم نہیں، اسی طرح اس زائد ہاتھ پاؤں کو بھی دھوئے گا جو کہنی یا ٹخنہ کے نیچے پیدا ہوا ہے جیسے زائد انگلی اور ہتھیلی کا دھونا لازم ہے، اور اگر ہاتھ پاؤں محل فرض میں نہیں نکلا ہے بلکہ اوپر سے نکلا ہے تو جس قدر محل فرض سے ملا ہوا ہے دھودے اور فرض کے مقابل نہ ہو تو اس کا دھونا فرض نہیں ہے لیکن مستحب ہے، یہ مجتبیٰ میں مذکور ہے۔

وسننه افاد انه لاواجب للوضوء ولاللغسل والالقدمه...... وجمعها لان كل سنة مستقلة بدليل وحكم

ترجمہ وضو کی سنتیں وضو کے فرض کے بیان کے بعد مصنفؒ نے سنت کا عنوان قائم کر کے یہ بتایا کہ غسل اور وضو میں واجب نہیں ہے، اگر ہوتا تو وہ اس کا بیان سنت سے پہلے کرتے، اس لئے کہ وہ سنت سے بڑھا ہوا ہے اور فرض سے نیچے، اور مصنف سنت کے لئے جمع کا صیغہ لائے، اس لئے کہ ہر سنت ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے دلیل کے اعتبار سے بھی اور حکم کے اعتبار سے بھی

تشریح شرع کی چیزوں کی چار قسمیں ہیں۔(۱) فرض۔(۲) واجب۔(۳) سنت۔(۴) نفل۔

وہ چیز جس کا کرنا ترک سے بہتر ہو اور اس کا چھوڑنا جائز نہ ہو، اگر یہ دلیل قطعی سے ثابت ہو تو فرض کہا جائے گا، اور اگر یہ فعل دلیل ظنی سے ثابت ہے تو واجب ہوگا اور اگر اس کے ترک سے روکا نہیں گیا ہے اور کرنا ترک سے بہتر ہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ فعل ایسا ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد خلفاء راشدین سے مداومت ثابت ہے تو یہ سنت ہے اور مداومت (ہمیشگی) ثابت نہیں ہے تو مستحب ہے۔

پھر سنت کی دو قسمیں ہیں ایک سنت الہدیٰ اور دوسری سنت زوائد۔ سنت ھدیٰ کا چھوڑنے والا برا اور مرتکب کراہیت ہے جیسے جماعت کی نماز، اذان، تکبیر، اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ اور سنت زوائد کا تارک ایسا نہیں ہوتا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس، اور آپ کا قیام اور آپ کا قعود۔

اور نفل اور اسی کی قسم مستحب بھی ہے، اسکا کرنے والا مستحق ثواب ہے لیکن چھوڑنے والا مستحق ملامت نہیں بعض لوگوں نے مانا کہ اسکا درجہ سنن زوائد سے کم ہے، مگر یہ کمی اس اعتبار سے ہے کہ سنن زوائد کا تعلق عادات سے ہے اور نفل کا عبادات سے۔ باقی حکم دونوں کا ایک ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ سنن زوائد کا تعلق جس طرح عادت سے ہے اسی طرح عبادت سے بھی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے رد مختار للشامی صفحہ ۷۶ جلدا

باقی یہ کہ سنت کا حکم الگ ہے اور فرض کا الگ ہے، فرض کا منکر کافر ہو جاتا ہے، سنت کا منکر کافر نہیں ہوتا ہے، پھر وضو کا ایک فرض چھوڑ دے گا تو سرے سے وضو ہی نہ ہوگا، بخلاف سنت کے جو کرے گا ثواب پائے گا، جو نہ کریگا اسکے ثواب سے محروم رہے گا، پھر فرض وضو کی دلیل آیت قرآنی اذا قمتم الی الصلوۃ الخ ہے اور سنتوں کے دلائل مختلف احادیث ہیں۔

وحكمها مايوجر على فعله ولا يلام على تركه وكثيرا ما يعرفون به لانه محاط مواقع انظارهم وعرّفها الشمني بما ثبت بقوله عليه السلام او بفعله وليس بواجب ولا مستحب لكنه تعريفاً

لمطلقها والشرط في المؤكدة مواظبة مع ترك ولو حكماً لكن شان الشروط ان لا تذكر في التعاريف

ترجمہ اور سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کے چھوڑنے پر مستحق ملامت قرار پائے گا یعنی اس کے چھوڑنے پر عتاب ہوگا عذاب نہ ہوگا، اور فقہاء عموماً سنت کی حقیقت سنت کے حکم کے ساتھ بیانکرتے ہیں یعنی سنت وہ ہے جس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں عتاب، اس لئے کہ ان کے اوکار کا یہی انداز بیان ہے یعنی نقطہ نظر حکم اور نتیجہ بیان کرنا ہوتا ہے حالانکہ حکم الگ ہے اور حقیقت الگ۔

اور شمنی نے سنت کی تعریف یہ کی ہے کہ سنت وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے ثابت ہو، اور وہ واجب اور مستحب نہ ہو، لیکن یہ تعریف مطلقاً سنت کی ہے اور سنت مؤکدہ میں شرط یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہیشگی کی ہو مگر کبھی کبھی چھوڑ بھی دیا ہو، اگر یہ چھوڑ دینا حکمی ہو (یعنی جو نہ کرتا ہو اس پر آپ نے انکار نہ فرمایا ہو) لیکن شرطوں کا حال یہ ہے کہ تعریفوں میں اس کا ذکر نہیں کیا جاتا ہے۔

تشریح سنت کی شمنی نے جو تعریف کی ہے اس میں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں داخل ہیں، ترک حکمی کی تشریح گذر چکی کہ نہ کرنے والے پر آپ نے انکار نہ فرمایا ہو لہذا انکار نہ فرمانا بمنزلہ ترک حقیقی ہو گیا اور اسی وجہ سے عشرۂ اخیرہ میں رمضان کا اعتکاف سنت قرار پایا، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اسے ترک نہیں فرمایا اس لئے اسے واجب ہونا چاہئے تھا، مگر چونکہ آپ نے اعتکاف نہ کرنے والوں پر کبھی انکار نہیں فرمایا تو یہ انکار نہ فرمانا بمنزلہ ترک ہو گیا۔

شرط کا تعریف میں ذکر اس لئے نہیں ہوا کرتا کہ تعریف دراصل ماہیت اور حقیقت کو بیان کرنے کے لئے کی جاتی ہے اور شرط ماہیت میں داخل نہیں ہے بلکہ خارج ہوتی ہے اس لئے اگر شمنی نے عدم مواظبت کی قید نہیں لگائی تو مضائقہ نہیں اس لئے کہ مواظبت (ہیشگی) سنت مؤکدہ کی شرط ہے اور شروط کا ذکر تعریف میں مناسب نہیں۔

واورد عليه في البحر المباح بناءً على ماهو المنصور من ان الاصل في الاشياء التوقف الا ان الفقهاء كثيراً ما يلهجون بان الاصل الاباحة فالتعريف بناءً عليه

ترجمہ اور شمنی کی تعریف مذکورہ پر البحر الرائق میں مباح کا اعتراض وارد کیا گیا ہے اس قول کی بنیاد پر جو دلائل سے مؤید ومدلل ہے اور قول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل توقف کرنا ہے یعنی جب تک شریعت کا کوئی حکم نہ ہو، اس وقت تک کوئی چیز نہ حلال ہے اور نہ حرام، مگر فقہاء عموماً کہا کرتے ہیں کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے تو تعریف اسی قول پر ہوئی، یعنی مباح کی اباحت اصل سے ثابت ہے نہ کہ شارع سے

تشریح اس باب میں اختلاف ہے کہ اشیاء میں اصل کیا ہے۔ (۱) اباحت ہے (۲) یا حرمت ہے (۳) یا توقف؟ شوافع اور بعض احناف کہتے ہیں کہ اصل اباحت ہے۔ اور شوافع یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اشیاء میں اصل حرمت کو بتاتے ہیں لیکن اکثر احناف اس کے قائل ہیں کہ اصل نہ اباحت ہے اور نہ حرمت ہے بلکہ اصل توقف ہے، اب جب کہ اشیاء میں بنیادی چیز توقف ٹھہرائی تو کھلی بات ہے کہ کسی مباح کی اباحت اس وقت تک ثابت نہ ہوگی جب تک کہ شارع مباح نہ

بتائے اس روشنی میں غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ شمنی نے سنت کی جو تعریف کی ہو وہ مباح پر صادق آئی۔

البحر الرائق میں سنت کی دو تعریفیں کی گئی ہیں، پہلی یہ کہ سنت وہ طریقہ ہے جو دین میں مداومت کے طور پر جاری ہے کہ بغیر اس بات کے کہ وہ لازم یا واجب ہو، اور دوسری یہ ہے کہ سنت وہ ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشگی کی اب اگر کبھی ترک نہ فرمایا ہو تو وہ سنت مؤکدہ ہے، اور اگر کبھی ترک پایا گیا ہے تو وہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور ہمیشگی بھی کی اور جسنے اسے چھوڑا اس پر انکار بھی فرمایا یہ اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے

علامہ عینی نے کہا کہ سب سے بہتر تعریف یہ ہے کہ سنت وہ کام ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی سے ہمیشہ کیا اور اس کے کرنے پر بندہ ثواب سے نوازا جاتا ہے اور نہ کرنے پر قابل ملامت ٹھہرتا ہے

البداية بالنية اى نية عبادة لا تصح الابالطهارة كوضوء حدث اوامتثال امر وصرحو بانه بدونهاليس بعبادة وياثم بتركها وبانها فرض فى الوضوء الماء موربه وفي التوضؤ بسور الماء ونبيذ تمر كالتيمم وبان وقتها عند غسل الوجه وفي الاشباه و ينبغي ان تكون عند غسل اليدين اللرسغين لينال ثواب السنن قلت لكن فى القهستاني ومحلها قبل سائر السنن كما فى التحفة فلاتسن عند نا قيل غسل الوجه كما تفرض عند الشافعي انتهى

ترجمہ سنن وضو میں ایک سنت وضو کا نیت کے ساتھ شروع کرنا ہے یعنی اس عبادت کی نیت کرنا جو بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی ہے جسے وضو کی نیت، یا حدث کے دور کرنے کی نیت، یا شارع کے حکم کی بجا آوری کی نیت، اور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وضو بغیر نیت عبادت میں داخل نہیں ہے اور وہ گناہ گار ہو گا جو وضو بلا نیت کریگا، اور اس کی بھی صراحت ہے کہ اس وضو میں نیت فرض ہے جس کا شریعت میں حکم ہے اور جو وضو گدھے کے جھوٹے پانی سے کیا جائے یا کھجور کے شربت سے کیا جائے اور فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ وضو میں نیت کا وقت چہرہ دھونے کا موقع ہے، یعنی جب چہرہ دھونے لگے دل میں وضو کا ارادہ کرلے۔

اور اشباہ میں ہے کہ دونوں ہاتھوں کو گٹے تک دھونے کے وقت نیت مناسب یعنی مستحب ہے تاکہ تمام سنتوں کا ثواب پائے۔

میں کہتا ہو کہ قہستانی میں یہ ہے کہ نیت کا محل تمام سنتوں سے پہلے ہے، جیساکہ تحفہ میں صراحت ہے کہ منہ دھونے سے ذرا پہلے ہمارے نزدیک نیت مسنون نہیں ہے جس طرح امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔

تشریح نیت کی شرعی ولغوی تعریف:۔ لغت میں نیت نام ہے دل کا کسی شیئے پر عزم کرنا، اور اصطلاح شریعت میں نیت کہتے ہیں طاعت اور تقرب الی اللہ کے کام میں ارادہ کرنا، فتح القدیر میں ہے کہ وضو میں رفع حدث کی نیت بہتر ہے، عالمگیری میں ہے کہ وضو کی نیت اس طرح کرے کہ نماز کے لئے وضو کا ارادہ کیا تاکہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی حاصل ہو۔

بغیر نیت کوئی وضو کرے تو بقول فقہاء وہ عبادت نہیں ہے اس لئے حدیث ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ جب نیت نہیں پائی گئی تو یہ [illegible] عبادت نہیں ہوا اور نہ اس کا ثواب ہی ملا، [illegible] ایسے وضو سے بھی جو بلا نیت ہو نماز جائز ہوتی ہے، اس وجہ

ہے کہ طہارت کی نیت ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں حاصل ہوتی ہے، کیونکہ پانی اپنی سرشت کے اعتبار سے پاک کرنے والا ہے ماحصل یہ ہوا کہ جو وضو بلا نیت ہوگا اس پر وضو کا ثواب تو نہ ملے گا مگر اس وضو سے نماز کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے باقی جیسا کہ آگے صراحت ہے کہ جو وضو میں نیت کرنا چھوڑ دے گا وہ گنہ گار ہوگا، اس لئے کہ وہ تارک سنت ہوا اور جس وضو کا شریعت میں حکم دیا گیا ہے وہ نیت کے ترک کی وجہ سے ادا نہیں ہوا

یہ جو کہا کہ شرعی وضو میں نیت فرض ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ضروری ہے یعنی شرط کے درجہ میں ہے

نبیذ (شربت خرما) سے وضو جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے، جواز کا قول ضعیف ہے، چنانچہ یہ صراحت ہے کہ جب دوسرا پانی ہو تو نبیذ سے وضو درست نہیں ہے اور جب پانی آجائے گا نبیذ سے کیا ہوا وضو ٹوٹ جائے گا، گدھے کا جھوٹا مشکوک پانی کہا جاتا ہے جب اس پانی کے سوائے کوئی پانی نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے

باقی یہ کہ نیت وضو میں کب کرے، بتایا کہ چہرہ دھونے سے پہلے یا اس کے ساتھ کر لینا چاہئے اور اشباہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جونہی پانی سے اپنے دونوں ہاتھوں کو گٹے تک دھونے لگے تو نیت کر لے

مصنف در مختار نے قہستانی کے حوالہ سے جو بات نقل کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر جو وضو شروع کرتے ہیں اس بسم اللہ سے پہلے نیت کرے اور دلیل میں انہوں نے تحفہ کا قول نقل کیا ہے کہ صاحب تحفہ نے اس بات کی تردید کی ہے کہ نیت کا محل منہ دھونے سے ذرا پہلے ہے جس محل میں امام شافعیؒ وضو کے اندر نیت کو فرض قرار دیتے ہیں، بلکہ اس نیت کا محل احناف کے یہاں تمام سنن وضو سے پہلے ہے۔

وفيها سبع سوالاتٍ مشهورة نظمها العراقي فقال

سبع سوالاتٍ لذی الفهم اتت تحكی لكل عالم فی النية
حقيقة حكم محل وزمن وشرطها والقصد والكيفية

كذا نقل الحلبی عن حج البحر

ترجمہ اور نیت میں سات مشہور سوالات ہیں جن کو عراقی نے نظم کر دیا ہے وہ یہ ہیں (ترجمہ نظم) سمجھ دار لوگوں کے لئے نیت کے باب میں سات سوالات آئے ہیں جو ہر عالم کے لئے یہاں ذکر کئے جاتے ہیں، ایک نیت کے حق میں دوسرا نیت کے حکم میں۔ تیسرا نیت کے محل میں۔ چوتھا نیت کے وقت میں۔ پانچواں نیت کی شرط میں۔ چھٹا نیت کے قصد میں ساتواں نیت کی کیفیت میں۔

تشریح نیت کی حقیقت بیان ہو چکی کہ وہ کسی فعل کے کرنے کے ساتھ طاعت اور تقرب الی اللہ کا ارادہ کرنا ہے۔ نیت کا حکم یہ ہے کہ وہ وضو اور غسل میں سنت ہے اور مقصود بالذات عبادت جیسے نماز زکوۃ میں شرط ہے ایسے ہی نیت شرط ہے تیمم میں، نبیذ سے وضو کرنے میں اور گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کرنے میں۔

نیت کا محل دل ہے اور دل میں ارادہ نہ پایا جائے اور صرف زبان سے ادا کرے تو یہ کافی نہیں [illegible] پیشانی قلب [illegible]

اور عزیمت پر قدرت نہ رکھتا ہو یا نیت میں شک واقع ہوتا ہو تو ایسے شخص کے لئے زبان سے نیت کر لینا کافی ہے یوں زبان سے نیت کو بعضوں نے بدعت کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے کہیں ثابت نہیں ہے، اور بعضوں نے مستحب کہا تا کہ دل کی زبان سے موافقت ہو جائے بالخصوص اس کے لئے جو پریشان دل ہو۔

اور نیت کا وقت عبادت کا ابتدائی حصہ ہے مثلاً جب وضو شروع کرے یا غسل شروع کرے، یا نماز شروع کرے، اس بات کا خیال رہے کہ نیت اور اس کام میں فصل نہ ہونے پائے

اور نیت کی شرط میں مسلمان ہونا، عاقل ہونا، جس چیز کی نیت کر رہا ہے اس کا سمجھنا، یہ سب داخل ہے

اور نیت میں مقصود یہ ہے کہ ارادہ میں عبادات عادت سے ممتاز ہو اور اسی طرح ایک عبادت دوسری عبادات سے اب رہ گئی ساتویں چیز نیت کی کیفیت، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جس عبادت کی نیت کرے اسے سمجھ بوجھکر کرے کہ یہ کون سی عبادت ہے صرف مطلقاً طاعت کی نیت نہ کرے۔

والبداية بالتسمية قولاً وتحصل بكل ذكر لكن الوارد عنه عليه الصلوٰة والسلام بسم الله العظيم والحمد لله على دين الاسلام

ترجمہ اور یہ بھی سنت ہے کہ وضو بسم اللہ کے ساتھ شروع کرے اور تسمیہ بسم اللہ کہنا ہر ذکر سے حاصل ہوتا ہے جیسے لاالہ الااللہ، سبحان اللہ الحمد للہ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے کہ بسم اللہ اس طرح ہے بِسْمِ اللهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيْنِ الْاِسْلَامِ۔

تشریح وضو کی ایک سنت زبان سے بسم اللہ کہنا ہے بسم اللہ کی جگہ لاالہ الا اللہ۔ الحمد للہ اس طرح کا کوئی جملہ بھی کہدیگا تو تسمیہ ادا ہو جائے گا۔ اللہ کا ذکر ہو جانا چاہئے یوں افضل بسم اللہ ہی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ثابت ہے اور صاحب درمختار نے وہ الفاظ بھی نقل کر دیئے ہیں صاحب عنایہ کا کہنا ہے کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور بعضوں کا کہنا یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور اس سے پہلے تعوذ بھی اور عینی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ والحمد للہ آیا ہے اور اسی سے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی اسناد حسن ہے شامی۔

قبل الاستنجاء وبعده الاحال انكشاف وفي محل نجاسة فيسمي بقلبه

ترجمہ اور خدا کا نام لینا استنجا سے پہلے اور اس کے بعد سنت ہے مگر ننگے ہونے کے وقت اور نجاست کی جگہ میں اللہ تعالیٰ کا نام زبان سے نہ لے بلکہ دل میں کہہ لے

تشریح گویا مصنف تنویر الابصار نے استنجاء کو وضو سے شمار کیا ہے کہ اس کے اہتمام میں یہ بھی داخل ہے اور وضو کے ابتداء میں بسم اللہ سنت ہے لہذا انہوں نے اس انداز میں اسے ادا کیا، مگر یہ مسلم ہے کہ بسم اللہ وضو کے شروع میں ہے استنجاء کے شروع میں نہیں ہے کیونکہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو فرماتے اللّٰهُمَّ انی اعوذ بك من الخُبُث والخبائث ہاں سعید بن منصور اور ابو حاتم نے اس

کے شروع میں بسم اللہ کا اضافہ بھی کیا ہے اور جب بیت الخلاء سے نکلے تو یہ دعا پڑھے الحمدُ للہ الذی اذھب عنی الأذی وَعافانی

ولو نسیھا فسمی فی خلالہ لا تحصل السنة بلی المندوب واما الاکل فتحصل السنة فی باقیہ لافیما فات وقیل بسم اللہ اولہ وآخرہ

ترجمہ اور اگر کوئی طہارت کی ابتداء میں خدا کا نام لینا بھول گیا اور اس کی تلافی کے لئے اس نے درمیان وضو میں بسم اللہ پڑھ لی تو اس پڑھنے سے سنت مؤکدہ ادا نہ ہوگی بلکہ مستحب ادا ہوگا اور کھانے میں اگر شروع میں بسم اللہ بھول گیا اور درمیان میں پڑھ لی تو بقیہ کھانے میں سنت ادا ہو جائے گی، گذرے ہوئے میں نہیں، اور کھانے کے شروع میں بسم اللہ بھول جانے والے کو چاہئے کہ جب درمیان میں اس کو یاد آئے تو اس طرح لے بسم اللہ اولہٗ واٰخرہٗ

تشریح اگر کسی نے وضو کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھی اور درمیان میں پڑھی تو جیسا کہ مصنف نے کہا کہ سنت ادا نہ ہوگی اس لئے کہ اس کا محل جاتا رہا، ہاں البتہ مستحب حاصل ہو جائے گا کہ وضو تسمیہ کے نام سے خالی نہ رہا علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بسم اللہ اثناء وضو میں پڑھ لے تو یہ اس کو کافی ہوگا باقی کھانے میں بسم اللہ اولہ واخرہ پڑھنے سے بقیہ کھانے میں بھی سنت ادا ہو جاتی ہے اور گذشتہ میں بھی حکماً ادا ہو جاتی ہے ورنہ پھر اولاً لانے کا کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی کھانے بیٹھا اور بسم اللہ کہنا اس کو یاد نہ رہا تو جب کھانے میں یاد آئے تو وہ بسم اللہ اولہ واخرہ پڑھ لے۔

والبدایة بغسل الیدین الطاھرتین ثلاثا قبل الاستنجاء وبعدہ وقید الاستیقاظ اتفاقی ولذالم یقل قبل ادخالھما الاناء لئلا یتوھم اختصاص السنة بوقت الحاجة لان مفاھیم الکتب حجة بخلاف اکثر مفاھیم النصوص کذا فی النھر وفیہ من الحد المفھوم معتبر فی الروایات اتفاقا ومنہ اقوال الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم وقال وینبغی تقید بما یدرک بالرائی لا مالایدرک وبہ انتھی وفی القھستانی عن حدود المفھوم معتبر فی نص العقوبة کما فی قولہ تعالیٰ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون واما اعتبارہ فی الروایات فاکثری لاکلی

ترجمہ اور سنت ہے دونوں پاک ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونے سے ابتداء کرنا، استنجاء سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اور بیداری کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے اور اسی قید بیداری کے اتفاقی ہونے کی وجہ سے مصنف نے اس طرح نہیں کہا کہ دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے دھونا سنت ہے، تاکہ اس کا شبہ پیدا نہ ہو کہ ہاتھ دھونے کی حد کسی حاجت کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ کتابوں کا مفہوم مخالف حجت ہے بخلاف نصوص کے اکثر مفہوم کے کہ وہ مفہوم مخالف حجت نہیں ہے کذافی النھر الفائق۔ اور النھر الفائق کی کتاب الحج میں ہے کہ روایات میں بالاتفاق مفہوم مخالف معتبر ہے اور اسی قسم سے صحابہ کرام کے اقوال ہیں یعنی انکا بھی مفہوم مخالف معتبر ہے اور مصنف نہر الفائق نے کہا کہ یہاں مناسب ہے کہ اس کو رائے قیاس کی قید سے مقید کیا جائے باقی جو قیاس سے سمجھ میں نہ آئے وہ اس میں داخل نہیں ہے اور قہستانی کی کتاب

الحدود سے منقول ہے کہ مفہوم عقوبت کے نص میں معتبر ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ کلا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون ہرگز نہیں بیشک وہ سب یعنی کفار اس (قیامت کے) کے دن اپنے رب سے بلا شبہ محجوب ہوں گے یعنی دیدار خداوندی سے محروم ہوں گے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ بلا شبہ اہل ایمان اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے یہاں یہ مفہوم معتبر ہے اور بہرحال مفہوم مخالف کا اعتبار فقہ میں اکثری ہے ہر جگہ نہیں ہے یعنی یہ کلی نہیں ہے

تشریح ہاتھ پاک ہو تو اس کا دھونا سنت ہے کہ وہ استنجاء کے پہلے اور بعد ہاتھ دھوئے، پہلے اس لئے کہ ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جو جسم سے لگ جانے کے بعد تکلیف دہ یا مضر ہو اور بعد اس لئے کہ قلب میں صفائی کا اطمینان مزید پیدا ہو جائے اور حدیث میں بیداری کے بعد جو ہاتھ دھونے کا حکم دیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وضو سے پہلے نہ دھویا جائے یا نجاست نہ ہو تو نہ دھویا جائے منشا یہ ہے کہ نجاست نہ ہو تو بھی دھویا جائے کہ یہ احتیاط کے طور پر ہے اور ایسی سنت ہے جو موکدہ غیر موکدہ دونوں کو شامل ہے

ہاتھوں کو پانی میں داخل کرنے سے پہلے جو قید لگائی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ کتابوں میں مفہوم مخالف حجت ہوا کرتے ہیں مفہوم مخالف کی مراد یہ ہے کہ مذکور کے حکم سے اس چیز کا حکم سمجھ میں آئے جو مذکور نہیں ہے جیسے قرآن میں آیا ہے جو مسلمان آزاد عورت سے شادی کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرے اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر آزاد عورت سے شادی کی استطاعت ہوگی تو وہ لونڈیوں سے شادی نہیں کر سکتا چنانچہ امام شافعیؒ اس آیت ہی کی بنیاد پر فرماتے ہیں جو صاحب استطاعت ہو اس کو لونڈیوں سے شادی جائز نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ حکم اس میں مذکور نہیں ہے لہٰذا وہ اس سے معلوم نہیں ہو سکتا۔

باقی صحابہ کرام کے اقوال تو اگر وہ ایسے ہیں کہ ان میں عقل کو دخل ہے تو مفہوم مخالف حجت قرار پائے گا ورنہ نہیں یعنی اگر ایسا قول ہے جس میں عقل وقیاس کو دخل نہیں ہے مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوگا کیونکہ وہ نص کے درجہ میں ہو گیا ہے اور نص کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

الی الرسغین بالضم مفصل الکف بن الکوع والکرسوع واما البوع ففی الرجل قال

وعظم یلی الابہام کوع ومایلی　　لخنصر والرسوع والرسغ ما فی الوسط

وعظم یلی ابہام رجل ملقب　　ببوع فخذ بالعلم واحذر من الغلط

ثم ان لم یمکن رفع الاناء ادخل اصابع یسراہ مضمومۃ صب علی الیمنی لاجل التیامن

ترجمہ دونوں ہاتھوں کو شروع وضو میں دونوں گٹوں تک دھونا سنت ہے رسغ راء کے پیش کے ساتھ اور سین کے جزم کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں ہتھیلی کا وہ جوڑ جو کوع اور کرسوع کے درمیان ہے اور بہرحال بوع نامی ہڈی تو وہ پاؤں میں ہوتی ہے چنانچہ کسی شاعر کا شعر ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اور وہ ہڈی جو انگوٹھے سے ملی ہے اس کا نام کوع ہے اور وہ ہڈی جو چھنگلی انگلی سے ملی ہے وہ کرسوع کہلاتی ہے اور جو ان دونوں ہڈیوں کے بیچ میں ہے وہ رسغ ہے یعنی گٹا۔ اور جو ہڈی پاؤں کے انگوٹھے سے ملی ہے اس کا نام بوع ہے لہٰذا اے مخاطب تو

اس علم کو محفوظ رکھ اور غلطی سے پرہیز کر۔

اگر برتن اٹھانا ممکن ہو تو اس کو اٹھا کر پانی گرا دے لیکن اگر اس کا اٹھانا ممکن نہ ہو تو اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر برتن میں ڈالے اور اسی سے پانی لے کر دائیں ہاتھ پر بہائے تا کہ داہنی طرف سے طہارت شروع ہو سکے پھر جب دایاں ہاتھ دھل جائے تو اس سے پانی لے کر بایاں ہاتھ دھوئے۔

تشریح **ہاتھوں کے دھونے کا طریقہ**

اس کی تفصیل البحرالرائق میں یہ ہے ہاتھوں کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر چھوٹا برتن ہے تو ہاتھ پانی میں نہ ڈالے بلکہ بائیں ہاتھ سے اس برتن کو اٹھائے اور دائیں ہاتھ پر تین مرتبہ پانی بہائے اور دھوئے پھر برتن داہنے ہاتھ میں لے اور بائیں ہاتھ پر پانی ڈالے اور تین مرتبہ اس کو دھوئے لیکن اگر برتن بہت بڑا ہو کہ وہ اٹھا نہیں سکتا ہے جیسے ٹپ، مٹکا وغیرہ تو پھر اس طریقہ پر عمل کرے جو ابھی نقل کیا گیا ہے کہ پہلے ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر پانی ڈالے اور دائیں ہاتھ کو دھوئے پھر داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو دھوئے اگر یہ ذہن میں کھٹکے کہ حدیث میں سو کر اٹھنے والے کو برتن میں ہاتھ ڈالنے سے روکا گیا ہے یہاں کیوں اجازت دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ روکا اس وقت گیا ہے جب چھوٹا برتن ہو جس سے پانی نکال سکے یا ایسے برتن میں پانی ہے کہ وہ اس کو اٹھا کر انڈیل سکے طحطاوی۔

ایک بات یہ بھی ذہن میں آسکتی ہے کہ دایاں ہاتھ کیوں پہلے ڈالنے کا حکم نہیں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سونے میں عموماً آدمی کا دایاں ہاتھ جسم پر گردش کرتا ہے کھجاتا ہو کہیں سہلاتا ہو تو بے اختیار دایاں ہاتھ پہلے جاتا ہے تو اس کے ملوث ہونے کا زیادہ خطرہ ہے جو خطرہ بائیں کو نہیں ہے۔

عن البحر ولو ادخل الكف ان اراد الغسل صار الماء مستعملاً وان اراد الاغتراف لا كذا في البحر ولو لم يمكنه الاعتراف بشئ ويداه يحسننان تيمم وصلى ولم يعد

ترجمہ اور اگر ہتھیلی کو پانی میں داخل کیا اور دھونے کا ارادہ کیا تو پانی مستعمل ہو جائے گا، اور اگر صرف چلو بھرنے کا ارادہ کیا تو پانی مستعمل نہ ہوگا اور اگر بڑے برتن سے پانی لینا کسی طرح ممکن نہ ہو اور اس کے دونوں ہاتھ ناپاک ہیں تو ایسا شخص تیمم کرے گا اور نماز ادا کرے گا اور پھر اس پر اس نماز کا اعادہ نہیں ہے

تشریح پانی میں ہتھیلی ڈالنے کو کہا، انگلیوں کا نام نہیں لیا کیونکہ گذر چکا ہے کہ پہلے بائیں ہاتھ کی انگلیوں کو ملا کر بوقت مجبوری دایاں ہاتھ دھوئے گا، پھر دایاں ہاتھ ڈال کر بایاں ہاتھ

اب اس داخل کرنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک تو چھوٹا برتن نہ ہونے کی وجہ سے پانی لینا ہو دوسری وجہ ہتھیلی کا دھونا مقصود ہو، اگر پانی لینا مقصود ہے تب تو پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ وہ جنبی ہی کیوں نہ ہو اور اگر ہتھیلی کا دھونا مقصد ہے تو پانی حکماً مستعمل قرار پائے گا لیکن صرف وہ پانی مستعمل ہوگا جو ہتھیلی سے ملنے کے بعد جدا ہوا ہے کل پانی نہیں (بحر) پوری تفصیل مستعمل پانی کی بحث میں آئے گی اور اگر کسی بڑے گہرے برتن جیسے مٹکے، ٹب وغیرہ میں کوئی پیالہ، گلاس گر گیا اور اس کے نکالنے کے لئے اس میں کہنی تک ہاتھ ڈالنا پڑا تو اس صورت میں بھی پانی مستعمل قرار نہ پائے گا کذا فی البحر

اب رہی وہ صورت کہ کوئی چھوٹا برتن نہیں ہے ادھر دونوں ہاتھ ناپاک ہیں تو کیا کرے حالانکہ پانی موجود ہے مگر ایسے بڑے برتن میں ہے جس سے لے نہیں سکتا ہے توانھوں نے تو کہا کہ تیمم کر کے نماز پڑھے لیکن البحرالرائق میں ہے کہ اس صورت میں کسی دوسرے شخص کو حکم دے کہ وہ اپنے ہاتھ سے پانی نکالے اور اس کا ہاتھ دھلائے، اگر کوئی دوسرا بھی نہ ہو تو اپنا رومال یا کوئی پاک کپڑا اس پانی کے برتن میں ڈالے اور اسے نکالے اور اس سے جو پانی ٹپکے اس سے ہاتھوں کو دھوئے اور اگر ایسا پاک کپڑا بھی نہ ہو اور منہ سے پانی نکال سکتا ہے تو اس سے نکال لے ہاں جب اس کی قدرت بھی کسی وجہ سے نہ ہو تو اب تیمم کر کے نماز پڑھے پھر اس پر نماز کا دوبارہ ادا کرنا نہیں ہے. بحر میں یہ بھی ہے کہ منہ سے پانی لینے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ پانی ایسی صورت میں مستعمل ہو جائے گا۔

وهو سنة كما ان الفاتحة واجبة ينوب عن الفرض ويسن غسلهما ايضا مع الذراعين

ترجمہ اور دونوں ہاتھوں کا گٹوں تک دھونا ایسی سنت ہے جو قائم مقام فرض کے ہے، جس طرح الحمد شریف کا نماز میں پڑھنا واجب ہے اور وہ قائم مقام فرض کے ہے اور دونوں کلائیوں کے کہنی تک دھونے کے ساتھ پھر گٹے تک کا دوبارہ دھونا سنت ہے۔

تشریح دونوں ہاتھوں کے دھونے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ ہاتھوں کا دھونا فرض ہے اور اس دھونے کو گٹے تک مقدم کرنا سنت ہے، فتح القدیر، معراج الدرایہ، خبازیہ اور سراج کا پسندیدہ یہی ہے، اس وجہ سے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے چہرہ کے دھونے کے بعد لکھا کہ ثم يغسل ذراعيه پھر وضو کرنے والا اپنی دونوں کلائیوں کو دھوئے تو "ذراعيه" کا لفظ لائے "يديه" کا لفظ نہیں لائے لہذا گٹے تک کے حصہ کا جو پہلے دھو چکا ہے دوبارہ دھونا واجب نہیں ہوگا اور البحر الرائق میں ہے کہ مشائخ کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر مذہب بھی یہی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے جو قائم مقام فرض کے ہو جاتا ہے جس طرح الحمد للہ کا نماز میں پڑھنا، اسے کافی میں مختار قرار دیا ہے اور اسی کی پیروی درر نے کی ہے تیسرا قول سرخسی کا ہے کہ یہ سنت ہے اور یہ فرض کے قائم مقام نہیں ہوتا، لہذا اس کو دوبارہ دھونا چاہئے اور سرخسی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔

والسواك سنة مؤكدة كمافي الجوهرة عند المضمضة وقيل قبلها.... وهو للوضوء عندنا كذا في البحر الااذا نسيه فيندب للصوة كما يندب لاصفزار سن وتغير رائحة وقرأة قرآن واقله ثلث في الاعالي وثلث في الاسافل

ترجمہ اور مسواک کرنا سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ الجواہر النیرہ میں ہے کہ کلی کرتے وقت مسواک کرنا سنت ہے اور بعضوں نے کہا کہ مسواک کرنا کلی سے پہلے سنت ہے، اور یہ ہمارے نزدیک وضو کے لئے ہے مگر یہ کہ کوئی وضو میں بھول جائے تو یہ نماز کے لئے مستحب ہوگا جس طرح دانتوں کے پیلے پڑجانے کے وقت اور منہ سے بدبو پیدا ہونے کے وقت اور قرآن پڑھتے کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے اور مسواک میں ادنیٰ درجہ اوپر کے حصہ میں تین مرتبہ پھیرنا ہے اور تین بار نیچے دانتوں میں تین پانی سے۔

تشریح مسواک کے فضائل

مسواک کرنے کی تاکید کتب حدیث میں بکثرت آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت پر شاق گذرنے کا خوف نہ ہوتا تو انھیں ہر وقت کے لئے مسواک کا حکم دیتا اور بعض میں ہر نماز کا لفظ ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو نماز ایسے وضو کے ساتھ پڑھی جائے جس میں وضو کیا ہے یہ فضیلت میں اس نماز سے ستر گناہ بڑھی ہوئی ہے جو ایسے وضو سے پڑھی جائے جس میں وضو نہیں پایا گیا کذا فی العینی۔ اور یہ مسواک کرنا سنت ہے البحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ کلی کرتے وقت ہی بہتر ہے کہ اس وقت صفائی زیادہ ہوتی ہے اور پورے طور پر ہوتی ہے

یہ جو کہا کہ ہمارے نزدیک مسواک وضو کے لئے سنت ہے یہ بتانے کے لئے کہ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مسواک نماز کے لئے سنت ہے مثلاً ایک شخص نے وضو کیا اور اس میں مسواک بھی کیا، اور اس ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں تو احناف کہیں گے کہ یہ کافی ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ایک مسواک جو پہلے وضو میں کیا ہے اور جواب بھی باقی ہے اس سے دوسری نماز پڑھی تو اب یہاں مسواک کی سنت ادا نہ ہوئی، سراج ہندی نے لکھا ہے کہ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ اگر دوسری نماز کے لئے مسواک کیا اور خون نکل آیا تو ہمارے نزدیک وضو جاتا رہے گا اگرچہ یہ امام شافعیؒ کے یہاں ناقض وضو نہیں ہے۔

اور بھولنے والی بات کی صورت یہ ہے کہ وضو کرتے وقت بھول گیا بعد میں یاد آیا تو نماز میں کھڑے ہونے سے پہلے مسواک کرنا مستحب ہوگا، اور وضو میں سنت کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نماز کے لئے مستحب نہیں ہے کیونکہ یہ انبیاء کرامؑ کی سنت ہے، پھر یہ بھی واضح رہے کہ مسواک کے اوقات استحباب اور بھی ہیں مثلاً سو کر اٹھنے کے بعد، منہ میں بدبو پیدا ہونے کے وقت لوگوں میں بیٹھتے وقت، گھر میں داخل ہوتے وقت۔

کمتر درجہ مسواک تین تین دفعہ اوپر نیچے بتایا گیا ہے اور معراج الدرایہ میں ہے کہ اس وقت مسواک کرے جب تک اسے اطمینان حاصل نہ ہو جائے کہ اب بدبو باقی نہ رہی اور اسی طرح دانتوں کی زردی، مسواک منہ کے دائیں حصے کی طرف سے شروع کیا جائے پھر بائیں طرف پھر نیچے کی جانب اور مسواک میں ہر بار نیا پانی لے یعنی مسواک کو ترک کرے اور منہ کو صاف کرے۔

بمياه ثلثة وندب امساكه بيمناه وكونه لينا مستويا بلاعقد في غلظ خنصروطول شبر ويستاك عرضا لاطولا ولا مضطجعاً فانه يورث كبرا الطحال ولايقبضه فانه يروث الباسور ولا يمص فانه يورث العمي ثم يغسله والافيستاك الشيطان وبه ولايزاد على الشبر والافالشيطان يركب عليه ولا يضعة بل ينصبه والافخطرا لجنون قهستاني

ترجمہ اور مسواک کا دائیں ہاتھ سے پکڑنا مستحب ہے اور اسی طرح مستحب ہے کہ مسواک نرم ہو برابر ہو اور اس میں گرہ نہ ہو چھنگلیا انگلی کے برابر موٹی ہو اور بالشت بھر لمبی ہو اور مسواک دانتوں کے عرض یعنی چوڑائی میں کرے نہ کہ لمبائی میں اور لیٹ کر مسواک نہ کرے اس لئے کہ اس سے تلی بڑھ جاتی ہے اور اس کو کرتے وقت مٹھی سے نہ پکڑے اس وجہ سے کہ اس سے بواسیر پیدا ہوتی ہے اور نہ مسواک کو چوسے کہ اس سے آدمی اندھا [illegible] جب مسواک کر چکے تو اس کو

دھو کر رکھے ورنہ پھر شیطان اسے استعمال کرتا ہے اور مسواک ایک بالشت سے لمبی نہ رکھے کیونکہ اس صورت میں اس پر شیطان سوار ہوتا ہے اور مسواک کو پڑی نہ رکھے بلکہ کھڑی رکھے ورنہ پاگل ہونے کا خوف ہے یہ سب قہستانی میں ہے

تشریح مسواک پکڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلیا انگلی مسواک کے نیچے ہو اور انگوٹھا مسواک کے سرے کے نیچے اور بقیہ تین انگلیاں مسواک کے اوپر ہوں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسی روایت ہے کذا فی الطحطاوی اور افضل یہ ہے کہ مسواک پیلو کی ہو یا زیتون کی، حدیث میں ہے کہ بہترین مسواک زیتون کی ہے جو مبارک درخت ہے یہ منہ کو خوشبودار کرتی ہے اور بدبو دور کرتی ہے اور یہی میری بھی مسواک ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرامؑ کی بھی

مسواک نرم لچک دار ہونی چاہئے تاکہ دانت کا میل اچھی طرح صاف ہو سکے مسواک ایسی سخت نہ ہو کہ مسوڑھوں کو چھیل دے اس میں گرہ نہ ہو تو بہتر ہے اور اگر ہو تو کم ہو تاکہ بعد میں کوئی دقت پیش نہ آنے پائے، نئی مسواک جس وقت بنائی جائے اس وقت اسے بالشت بھر ہونا چاہئے بعد میں کم ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بالشت یا تو خود کرنے والے کی مراد ہے یا عام طور پر جو بالشت پائی جاتی ہے نہ زیادہ چھوٹی ہو اور نہ زیادہ بڑی ہو اور یہ دوسری صورت ہی زیادہ مناسب ہے دانت کے عرض میں مسواک کرنے کو کہا گیا ہے کہ مسوڑھے زخمی نہ ہوں خون نہ نکلے مسواک دانتوں کے اوپر نیچے مسوڑھوں پر، دنتوں کے درمیان تمام جگہ پھیرے اور گندگی کو صاف کرے۔

مٹھی باندھ کر مسواک پکڑنا خلاف سنت ہے اس لئے اس سے روکا گیا ہے مسواک نہ چوسے اس لئے کہ اس میں منہ کی گندگی ہوگی ہاں مسواک کو بلا چوسے اگر تھوک نگل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ حکیم ترمذی نے لکھا ہے کہ مسواک کے بعد پہلی دفعہ اگر تھوک نگل جائے تو وہ جذام، برص اور موت کے سوا تمام بیماریوں کے لئے مفید ہے ہاں اس کے بعد ہرگز نہ نگلے کہ اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے اور مسواک جب کر چکے تو اسے اچھی طرح دھوئے پھر کھڑی کر کے رکھے یوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے متعلق حدیثوں میں آتا ہے کہ کان پر قلم کے رکھنے کی جگہ رکھا کرتے تھے اور بعض عمامہ کے بیچ میں اور باقی باتیں جو قہستانی نے نقل کی ہیں اور وہ حدیث سے ثابت نہیں ہیں، وہ لائق توجہ نہیں جیسے شیطان کا مسواک کرنا شیطان کا مسواک پر سوار ہونا بواسیر کا پیدا ہونا اندھا ہونا اور جنون کی بعض صحابہ سے مروی ہے جس کے راوی حکیم ترمذی ہیں واللہ اعلم

ویکرہ بموذ ویحرم بذی سم

ترجمہ :- ایذا دینے والی لکڑی کی مسواک مکروہ ہے اور زہر والی لکڑی کی مسواک حرام ہے۔

تشریح یعنی مسواک میں ایسے درخت کی لکڑی یا شاخ استعمال کرنا جو تکلیف کا باعث ہو مکروہ ہے چنانچہ متعدد علماء نے لکھا ہے کہ انار کی شاخ یا لکڑی چونکہ اس رگ کو حرکت دیتی ہے جو جذام سے ملتی ہے اس لئے اس سے مسواک نہ کی جائے اسی طرح ریحان کی لکڑی بھی استعمال نہ کی جائے۔ اور النہر الفائق میں ہے کہ سب چیز کی مسواک بنائی جائے مگر انار اور بانس کی نہ بنائی جائے اور عمدہ مسواک جیسا کہ پہلے گذرا پیلو اور زیتون کی ہے اور جو زہر دار ہو بلاشبہ اس سے مسواک حرام ہے کیونکہ وہ مہلک ہے۔

ومن منافعة شفاء لما دون الموت ومذکر للشهادة عنده فقده او فقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة او الاصبع مقامه کما یقوم لعلك مقامه للمراة مع القدرة علیه

ترجمہ اور مسواک کے منافع میں سے ہے یہ ہے کہ وہ مرض کے سوا تمام امراض کے لئے باعث شفا ہے اور بوقت موت کلمۂ شہادت کو یاد دلانے والی ہے، اور جس وقت مسواک نہ پائی جائے یا دانت نہ رہے ہوں تو اسوقت کھردرا کپڑا اور انگلی مسواک کے قائم مقام ہو جاتی ہے جس طرح عورت کے لئے اس وقت گوند کا چبالینا مسواک کے قائم مقام ہو جاتا ہے خواہ اس کو مسواک کی قدرت ہی کیوں نہ ہو۔

تشریح النہر الفائق میں مذکور ہے کہ مسواک کے منافع ۳۶ ہیں ان میں معمولی نفع تو منہ کی صفائی ہے اور اعلیٰ فائدہ مرنے کے وقت کلمۂ شہادت کی یاد ابو سعود میں ہے کہ مسواک مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے بینائی کو تیز کرتی ہے، بڑھاپے کو دھکیل کر پیچھے کر دیتی ہے اور پل صراط پر چلنے میں رفتار کو بڑھا دیتی ہے اور حدیث میں ہے کہ منہ کی صفائی ہے اور رب العزت کی خوشنودی، کبیری میں ہے کہ اس سے فرشتے خوش ہوتے ہیں دانت چمک دار ہوتے ہیں کھانا ہضم ہوتا ہے بلغم کم ہوتا ہے نماز کی توفیق بڑھتی ہے قرآن پاک کا راستہ صاف ہوتا ہے فصاحت میں زیادتی آتی ہے معدہ مضبوط ہوتا ہے شیطان گھبراتا ہے نیکیاں بڑھتی ہیں سر کی رگیں اور دانت کا درد سکون پاتا ہے روح کا موت کے وقت نکلنا آسان ہوتا ہے۔

مسواک نہ ہو یا دانت نہ ہوں تو انگلی یا کھردرا کپڑے کا پھیر لینا ثواب میں مسواک کے قائم مقام بن جاتا ہے حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دانتوں اور منہ میں مسوڑھوں پر انگلی کا پھیرنا مروی ہے جس انگلی سے چاہے مسواک کا کام لے سکتا ہے کسی انگلی میں کوئی مضائقہ نہیں مگر افضل یہ ہے کہ شہادت کی انگلی سے مسواک کا کام لے دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی اسی طرح انگوٹھے سے بھی ایسا کر سکتا ہے کہ پہلے دائیں انگوٹھے سے کرے پھر دائیں شہادت کی انگلی سے دائیں طرف انگوٹھے سے ابتداء کرے اور بائیں شہادت کی انگلی پر ختم کرے

عورتوں کے لئے باوجود قدرت گوند کی اجازت اس وجہ سے ہے کہ برابر مسواک اس کے دانتوں کو کمزور کرنے والی ثابت ہوتی ہے۔

وغسل الفم ای استیعابه ولذاعبر بالغسل اوللاختصار بمیاه ثلاثة والانف ببلوغ الماء المارن بمیاه وهما سنتان موکدتانمشتملتان علی سنن خمس الترتیب والتثلیث وتجدید الماء وفعلهما بالیمنی والمبالغة فیهما بالغرغرة ومجاوزة المارة لغیر الصائم لاحتمال الفساد

ترجمہ اور منہ کے اندر کا حصہ دھونا سنت ہے یعنی تمام اندر کے منہ کا دھونا سنت ہے اور اسی وجہ سے مصنف ''غسل'' کا لفظ لائے ہیں تاکہ استیعاب پر دلالت کرے یا پھر اختصار کے لئے مضمضہ اور استنشاق کی جگہ غسل الفم کہا اور تین مرتبہ کلی کرنا تین نئے پانی سے مستحب ہے اور ناک میں پانی ڈالنا بھی سنت ہے اس طرح کہ پانی ناک کے نرم حصہ تک تین دفعہ پہونچ جائے اور یہ دونوں (مضمضہ اور استنشاق) سنت موکدہ ہیں، اور یہ دونوں پانچ سنتوں پر مشتمل ہیں۔ (۱) ترتیب (۲) تثلیث۔ یعنی ہر ایک کو تین تین بار کرنا۔ (۳) ہر مرتبہ نیا پانی لینا (۴) کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے اندر دائیں ہاتھ کا استعمال

کرنا۔ (۵) دونوں یعنی مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرنا اس شخص کے لئے جو روزہ دار نہو اس لئے کہ روزہ رکھنے والا مبالغہ کرے تو اس کے روزہ کے لئے فساد کا اندیشہ ہے۔

تشریح غسل الفم والانف یہاں لفظ لایا گیا ہے اور دوسرے مصنفین مضمضہ اور استنشاق کا لفظ لائے ہیں انہوں نے پرانی روش چھوڑ کر نیا طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ غسل الفم و الانف (منہ اور ناک کے دھونے) میں جو استیعاب پایا جاتا ہے وہ مضمضہ اور استنشاق میں نہیں ہے دوسری وجہ عبادت کا اختصار بھی ہو سکتی ہے احناف کے نزدیک تین بار کلی کرے گا اور ہر بار کلی کے لئے نیا پانی لے گا یہی طریقہ ناک صاف کرنے میں ہے لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چلو پانی لے اور اسی سے کلی بھی کرے اور ناک میں پانی بھی ڈالے

یہ بھی بتایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا دونوں سنت مؤکدہ ہیں جو ان کو ترک کریگا قابل ملامت قرار پائے گا بلکہ گناہ گار ہو گا اس لئے کہ یہ بمنزلہ واجب ہے بائیس صحابہ کرام سے یہ دونوں الفاظ منقول ہیں کذافی الطحطاوی

حدیث میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے اندر مبالغہ کا ذکر آیا ہے مگر روزہ دار کو اس سے مستثنی قرار دیا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے۔

وسر تقدهما اعتبارا باوصاف الماء لان لونه يدرك بالبصر وطعمه بالفم وريحه بالانف

ترجمہ اور منہ اور ناک کے دھونے کو مقدم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی کے اوصاف معلوم ہو جائیں اس وجہ سے کہ پانی کا رنگ تو آنکھوں سے معلوم ہو جائے گا اور مزہ کا پتہ منہ سے لگ جائے گا اور بو کا ناک سے۔

تشریح پانی کے یہی تین وصف ہیں۔ رنگ۔ مزہ۔ بو انہی کی تبدیلی سے حکم بدلتا ہے جب پہلے ناک اور منہ دھوئے گا تو یہ راز اس پر کھل جائے گا کہ پانی کیسا ہے

ولو عنده ماء يكفى للغسل مرة معهما وثلثا بدونهما غسل مرة

ترجمہ اگر وضو کرنے والے کے پاس پانی اتنا ہو کہ اگر وہ کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو اس کے بعد صرف ایک ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھو سکے اور اگر کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو چھوڑ دے تو تین تین مرتبہ اعضاء وضو دھو سکے تو یہ ایک ایک مرتبہ وضوء کے اعضاء دھوئے اور کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے یعنی تین تین بار دھونے سے زیادہ موکد کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے۔

تشریح یہ اس واسطے کہا کہ امکان کے ہوتے ہوئے تکرار کا ترک کرنا مکروہ نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن صحابہ کرامؓ نے وضو کا طریقہ نقل کیا ہے سبھوں نے ہی مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے) کو ذکر کیا ہے اور حدیث نبویؐ ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کے اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھونا بھی ثابت ہے البتہ آپ نے اس کے لئے فرمایا کہ یہ وہ وضو ہے کہ اس کے بغیر حق تعالیٰ بندوں کی نماز قبول نہیں کرتا ہے کذافی الطحطاوی عن الحلبی

[illegible] ماء فمضمض ببعضه واستنشق بباقيه اجزاه وعكسه لا وهل يدخل اصبعه فى فمه وانفه

الاولی نعم قهستانی وتخليل اللحية لغير المحرم بعد التثليث ويجعل ظهر كفه الى عنقه

ترجمہ اگر کسی نے ایک چلو پانی لیا، اسی میں کچھ سے کلی کی اور باقی سے ناک صاف کیا تو یہ اس کو کافی ہو جائیگا اور اگر اس کا الٹا کیا یعنی پہلے چلو کا کچھ پانی ناک میں ڈالا اور جو بچ گیا اس سے کلی کی تو یہ کافی نہیں ہے اس لئے کہ اس دوسری صورت میں پانی مستعمل ہو گیا کیونکہ ناک میں پانی نہیں رکتا ہے اور منہ میں رکتا ہے تو جب پہلے کلی کی پھر ناک میں پانی ڈالا تو اس صورت میں پانی مستعمل نہیں ہوگا باقی وضو کرنے والا اپنی انگلی اپنے منہ اور ناک میں ڈالے یا نہ ڈالے؟ بہتر یہ ہے کہ ڈالے جیسا کہ قہستانی میں ہے ہر محرم (احرام باندھنے والی) کے لیے تین مرتبہ منہ دھونے کے بعد داڑھی کا خلال کرنا سنت ہے اور خلال کے وقت اپنی ہتھیلی کی پشت اپنی گردن کی طرف کرے۔

تشریح سنن ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تھے تو اپنی بابرکت ہتھیلی میں پانی لیتے اور اسے نیچے کے جڑے کے نیچے داخل کرتے تھے اور پھر اس سے اپنی ریش مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے رب العالمین نے ایسا ہی حکم فرمایا ہے

داڑھی کے خلال میں چار قول ہیں۔ (۱) واجب ہے یہ سعید بن جبیرؒ کا قول ہے۔ (۲) سنت ہے یہ مذہب امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کا ہے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔ (۳) مستحب ہے۔ (۴) جائز ہے اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور یہ ہی امام مالکؒ کا قول ہے جائز کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کرنے والا مرتکب بدعت نہیں ہے اور مبسوط میں مذکور ہے کہ داڑھی کا خلال امام اعظمؒ کے نزدیک مستحب ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے کذا فی العینی

منح الغفار میں خلال کا طریقہ یہ لکھا ہے کہ داڑھی میں نیچے سے ہاتھ کی انگلیاں ڈالے اور اوپر کی طرف لائے اس طرح سے کہ وضو کرنے والے کے ہاتھ کی پشت اس کی طرف ہو

وتخليل الاصابع اليدين بالتشبيك والرجلين بخنصر يده اليسرى باديا بخنصر رجله اليمنى وهذا بعد دخول المائخلالهما فلو منضمة فرض

ترجمہ اور دونوں ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے بطور تشبیک کے یعنی ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے اور دونوں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی سنت ہے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی کے ذریعہ دائیں پیر کی انگلی سے شروع کرے اور اسے بائیں پیر کی چھنگلی پر ختم کرے اور یہ انگلیوں کا خلال اس وقت ہے کہ پانی انگلیوں کے اندر داخل ہو جائے لہذا اگر انگلیاں ملی ہوئی ہوں تو ان کا خلال کرنا فرض ہے اس لئے کہ یہاں پانی پہونچانے کی اس کے سوا کوئی صورت ممکن نہیں ہے

تشریح البحر الرائق میں ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا خلال اس طرح کریں گے کہ قدم کی پشت کی طرف سے خنصر داخل کر کے نیچے لے جائیں گے اور پھر اسے اوپر کو اٹھائیں گے بائیں ہاتھ سے اس لئے خلال کرتے ہیں کہ پاؤں میل کچیل کا محل ہے اور چھنگلی سے اس لئے کہ وہ انگلیوں میں سب سے پتلی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ خلال اس وقت کریں گے جب پانی انگلیوں کے درمیان میں پہونچ چکا ہو، اور اگر پانی نہ پہونچا ہو تو

پہلے اس کا دھونا فرض ہے اس کے بغیر وضو نہیں ہوگا حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال ثابت ہے اور اگر کوئی پاؤں پانی میں ڈبوئے تو یہ خلال کے قائم مقام ہو جائے گا خواہ پانی جاری ہو یا پانی جاری نہ ہو دونوں صورتوں میں۔

وتثليث الغسل المستوعب ولا عبرة للغرفات ولو اكتفى بمرة ان اعتاده ثم ولو زاد الطمانية القلب او لقصد الوضو على الوضوء لاراس به وحديث فقد تعدى محمول على الاعتقاد

ترجمہ ہر دھونے جانے والے عضو کا تین مرتبہ پورے طور پر دھونا سنت ہے اور بڑا استحباب چلو کا اعتبار نہیں ہے اور اگر صرف ایک مرتبہ دھونے پر اکتفا کرے اور اسی کی عادت بنائے تو وہ گناہگار ہوگا اور اگر عادت نہیں بنایا ہے بلکہ کبھی کبھی ایسا کرتا ہے تو گناہگار نہ ہوگا، اور تین مرتبہ دھونے پر اطمینان قلب کے لئے زیادتی کرے یا ایک وضو رہتے ہوئے پھر وضو کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حدیث میں جو فقد تعدیٰ کا لفظ آیا ہے کہ جس نے ایسا کیا اس نے زیادتی کی وہ اعتقاد پر محمول ہے یعنی یہ اعتقاد ہو کہ جب تک تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھوئے گا تو وضو نہ ہوگا۔

تشریح دھونے میں تین مرتبہ تکرار سنت ہے پہلی مرتبہ تو فرض ہے اور دوسری تیسری مرتبہ سنت موکدہ جیسا کہ بحر الرائق میں مذکور ہے اور تینوں مرتبہ میں سے ہر مرتبہ عضو کا پورا پورا دھونا سنت ہے تین چلو کا اعتبار نہیں ہے اگر کوئی اس طرح دھوئے کہ پہلی مرتبہ میں کچھ بھیگے اور کچھ خشک رہ جائے پھر دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہو تیسری مرتبہ میں پورا دھولیتا ہے تو اس سے سنت ادا نہ ہوگی کذا فی الطحطاوی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا کہ ہر مرتبہ پورا پورا عضو دھوتے تھے

ایک مرتبہ دھونے کو عادت بنالینا باعث گناہ ہے اس لئے کہ سنت مشہورہ کا ترک لازم آتا ہے اور بعض نے اس کو مکروہ لکھا ہے بہر حال ترک سنت پر اصرار کسی طرح بھی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے ہاں کبھی کبھی ایسا کرے یا کوئی جلدی میں عذر ہو یا ضرورت ہو تو مکروہ نہیں ہوگا

باقی تین دفعہ سے ایک عضو کو زیادہ دھونا کبھی تو قلب کی طمانیت کے لئے ہوتا ہے اور کبھی شک کی وجہ سے ہوتا ہے اگر اطمینان قلب کے لئے ایسا کیا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور شک کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اس کو ترک کرنا چاہئے تاکہ یہ وسوسہ ختم ہو اور یہ شیطانی فعل ہے جس کی مخالفت کی شریعت میں صراحت ہے

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو ایک ایک بار دھویا اور فرمایا یہ وہ وضو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا ہے پھر دوسرے وضو میں دو دو بار دھویا اور فرمایا یہ اس شخص کا وضو ہے جس کو دوگنا ثواب عطاء ہوتا ہے اور پھر تین تین بار دھویا اور فرمایا یہ میرا وضو ہے اور ان انبیاء کرام کا جو مجھ سے پہلے تھے جس شخص نے اس پر زیادہ کیا یا کم اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا یعنی زیادہ کرنے کی صورت میں تعدی اور کم کرنے کی صورت میں ظلم ہے

بدائع الصنائع میں ہے کہ اگر تین تین بار سے زیادہ کرے گا تو گنہ گار نہ ہوگا ہاں اسوقت گنہ گار ہوگا جب وہ اعتقاد رکھتا ہو کہ جب تک تین تین مرتبہ سے زیادہ نہ کریگا وضو کامل نہ ہوگا لیکن اگر اعتقاد تین کا رکھتا ہے اور زیادتی کرے تو گناہگار نہیں ہے

ہاں اسراف کا مرتکب ہو گا جو شریعت میں ممنوع ہے

ولعل كراهة تكراره في مجلس تنزيهية بل في القهستاني معزيا للجواهر الاسراف في الماء الجاري جائز لانه غير مضيع فتامل

ترجمہ اور فقہاء نے ایک مجلس میں دوبارہ وضو کرنے کو جو مکروہ کہا ہے شاید اس سے ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے یعنی ایسا نہ کرنا ہی اولیٰ ہے، گناہ نہیں ہے، بلکہ قہستانی میں جواہر سے منقول ہے کہ جاری پانی میں اسراف جائز ہے اس لئے کہ یہ شخص پانی کا ضائع کرنے والا نہیں ہے، سو اس میں غور کر لے

تشریح یہ ایک اعتراض کا جو وارد ہوتا تھا جواب ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ جو تین بار سے زیادہ کا معتقد ہو وہ تو گنہ گار ہے ورنہ نہیں، اور حدیث میں تعدی اور ظلم اسی کے لئے آیا ہے، اب یہ فرمایئے کہ آخر فقہاء نے ایک مجلس میں دوبارہ وضو کرنے کو مکروہ کیوں کہا ہے، جواب دیا کہ یہ کراہتِ تنزیہی ہے جس کو فقہاء "لاباس بہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور قہستانی نے تو معاملہ ہی صاف کر دیا ہے کہ جاری میں زیادتی مکروہ نہیں ہے تکرار وضو کو بعضوں نے جائز اور بعضوں نے مکروہ کہا ہے، تطبیق کی صورت یہ ہے کہ ایک بار اعادہ تو جواز کی حد میں ہے اس سے زیادہ البتہ مکروہ ہے جس نے مکروہ کہا ہے اس کی مراد یہی ہے کہ بار بار کرے حلبی نے اسراف کو مکروہ تحریمی کہا ہے اور شارح نے یہاں "تامل" لا کر اشارہ کیا ہے کہ قہستانی کا قول قابل غور ہے، یعنی اس میں ضعف ہے حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ پانی کا اسراف کسی حال میں نہیں ہونا چاہئے اور فعل عبث سے بچنا چاہئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا پانی میں اسراف نہ کر، حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ پانی میں بھی اسراف ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اسراف ہے خواہ تم جاری نہر ہی پر کیوں نہ ہو دیکھئے شرح سفر السعادت۔

ومسح كل راسه مرة مستوعبة فلوتركه وداوم عليه اثم واذنيه معاولو بمائه لكن لومس عمامته فلابدمن ماء جديد

ترجمہ اور پورے سر کا ایک بار مسح کرنا سنت ہے اس طرح ہاتھ پورے سر پر پھر جائے ذرا بھی باقی نہ رہے، پس اگر وہ اسے چھوڑ دے اور اسی ترک پر ہمیشگی کرے تو گنہگار ہو گا یعنی پورے سر کا مسح کرنا عادۃً چھوڑ دے تو ترک سنت مؤکدہ کی وجہ سے گنہ گار ہو گا اور اسی کے ساتھ دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے اگرچہ کانوں کا مسح سر کے پانی ہی سے کیوں نہ ہو لیکن سر کے مسح کے بعد اگر پگڑی کو ہاتھ لگایا تو نیا پانی کانوں کے لئے لینا ضروری ہے

تشریح صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح کیا کہ ایک بار دونوں ہاتھوں کو سر کے آگے سے پہلے پیچھے سے لے گئے پھر پیچھے سے آگے لائے اور بعض حدیث میں یہ ہے کہ سر کے اگلے حصے سے دونوں ہاتھوں کو پیچھے گدی پر لے گئے پھر ان دونوں کو وہیں لائے جہاں سے لے گئے تھے بہر حال مسح اسی طرح کرے کہ پورا سر اس میں آجائے

احناف کے نزدیک کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا ضروری نہیں ہے امام شافعیؒ کے یہاں ضروری ہے احناف کی دلیل

وہ حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دونوں کان سر سے ہیں

والترتيب المذكور فى النص وعند الشافعى رضى الله عنه فرض وهو مطالب بالدليل والولاء بكسر الواو وغسل المتاخر او مسحه قبل جفاف الاول بلاعذ رحتى لوفنى مائه فمضى لطلبه لا بأس به ومثله الغسل والتيمم وعند مالكؒ فرض

ترجمہ اور وضو میں وہ ترتیب سنت ہے جو قرآن میں مذکور ہے یعنی پہلے چہرہ دھوئے پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک پھر سر کا مسح کرے پھر پاؤں ٹخنوں تک دھوئے اور یہ ترتیب امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے فرضیت کی دلیل کا ان سے مطالبہ کیا گیا ہے اور پے در پے یعنی مسلسل وضو کرنا سنت ہے یعنی عذر نہ ہونے کے وقت پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے پہلے دوسرے عضو کا دھونا یا مسح کرنا، چنانچہ اگر درمیان میں پانی ختم ہو گیا اور اس کے لینے کے لئے گیا اور اس میں عضو خشک ہو گیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے ہوا اور اسی وضو کے مثل تیمم اور غسل بھی ہے یعنی اگر عذر نہ ہو تو پے در پے ہوں ہاں کسی عذر کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہے تو مضائقہ نہیں اور پے در پے (لگاتار) امام مالکؒ کے نزدیک فرض ہے

تشریح **اعضاء دھونے میں ترتیب**

ترتیب کو امام شافعیؒ فرض کہتے ہیں مگر اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں ہے، اور پے در پے کا منشاء یہ ہے کہ ایک عضو کے بعد دوسرا عضو فوراً دھوئے یا اس کا مسح کرے بیچ میں کوئی دوسرا کام نہ کرے کہ دونوں میں فاصلہ ہو جائے اگر کوئی مسلسل وضو کرے مگر تیز گرم ہوا یا بدن کی خشکی یا اس کی گرمی کی وجہ سے پانی خشک ہو تا جائے تو اس سے کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن پے در پے میں بھی اعتدال ہو، ایسا نہ ہو کہ ایک عضو ابھی ٹھیک سے تر بھی نہ ہو کہ دوسرا عضو دھونا شروع کر دے پھر پے در پے جس طرح وضو میں سنت ہے تیمم اور غسل میں بھی سنت ہے

لیکن اگر کوئی عذر ہو اور اس کی وجہ سے وضو کے اندر اعضاء دھونے میں کوئی اور کام کرے تو کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ مثال دی کہ اثنائے وضو میں پانی ختم ہو گیا اور اس کے لانے کے لئے اٹھنا پڑے۔

ومن السنن الدلك وترك الاسراف وترك لطم الوجه بالماء وغسل فرجها الخارج

ترجمہ وضو کی سنتوں میں سے اعضاء وضو کو ملنا اور پانی گرانے میں اسراف کا اور دھونے میں پانی سے چہرہ پر مارنے کو چھوڑنا سنت ہے اور عورت کا اپنی شرمگاہ کے باہری حصہ کو دھونا سنت ہے یعنی یہ سنت استنجاء میں ہے

تشریح صاحب بدائع نے کہا ہے کہ وضو کی سنتوں کی کئی قسمیں ہیں ایک قسم وضو سے پہلے ہوتی ہے ایک وضو کے ابتداء میں ہوتی ہے ایک وضو کے درمیان میں ہوتی ہے اور وہ سنت وضو جو اس سے پہلے ہے اس میں استنجاء بھی ہے اور یہاں عورت کے لئے جو سنت کہا اس کا تعلق اسی قسم سے ہے

ومستحبه ويسمى مندوباً وادباً وفضيلته وهو ما فعله عليه الصلوة والسلام مرةً وتركه اخرى وما احبه السلف التيامن فى اليدين والرجلين كذا فى العينى شرح الهدايه ولو مسحاً لاالاذنين

والحدين فيلغزاى عضوين لا يستحب التيامن فيها ومسح الرقبة بظهره يديه لا الحلقوم لانه بدعة

ترجمہ وضو کے مستحبات جنے مندوب بھی کہتے ہیں اور ادب اور فضیلت بھی، اور مستحب وہ عمل ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا، اور وہ جسے سلف صالحین نے پسند کیا اور محبوب رکھا، مستحبات وضو میں سے ہاتھ اور پاؤں میں تیامن یعنی دائیں سے شروع کرنا ہے اگرچہ وہ مسح ہو جیسے موزہ پہننا یا زخم کی حالت میں مسح کرنا تو اس میں بھی تیامن یعنی دائیں جانب سے ابتداء مستحب ہے

ہاں دونوں کانوں کے مسح اور رخساروں کے دھونے میں دائیں سے ابتداء مستحب نہیں ہے اور اسی وجہ سے پہلی میں پوچھتے ہیں کہ وہ دو عضو کون سے ہیں جن میں دائیں کی تقدیم مستحب نہیں ہے اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت سے مگر حلقوم یعنی گلے کا مسح کرنا مستحب نہیں ہے کیونکہ یہ بدعت ہے

تشریح اصولیین فقہ کے یہاں مستحب اور مندوب ایک چیز ہے اور فقہاء کہتے ہیں کہ مستحب وہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کیا اور کبھی نہیں کیا یعنی ترک کر دیا۔ اور مندوب وہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک دو بار جواز بتانے کے لئے کیا ہو، مگر صحیح تعریف یہی ہے کہ دونوں ایک ہی چیز کا نام ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

تیامن کہتے ہیں کہ کسی کام کو دائیں طرف سے کرنا، حدیث میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں تیامن کو پسند فرماتے تھے حتی کہ طہارت، جوتا پہننے، بالوں میں کنگھا کرنے اور دوسرے کاموں میں بھی آپ کو یہی پسند تھا اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں تفصیل حدیث کی کتابوں میں دیکھئے

اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ مسجد میں داخل ہو تو پہلے دایاں پاؤں رکھے جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے پاجامہ پہنے تو پہلے دایاں پاؤں ڈالے اسی طرح سرمہ لگانے میں مسواک کرنے میں ناخن تراشنے میں مونچھ کتروانے میں بغل کے بال صاف کرنے میں، سر کے بال مونڈنے میں، نماز کے بعد سلام پھیرنے میں، بیت الخلاء سے نکلنے میں، کھانے میں، پینے میں، مصافحہ کرنے میں حجر اسود کو بوسہ دینے میں ہاں جو کام تکریم کے نہیں ہیں ان کو بائیں سے کرنا چاہئے جیسے ناپاکی صاف کرنا استنجاء کرنا بیت الخلاء میں داخل ہونا مسجد سے نکلنا جوتا اور موزہ اتارنا پاجامہ اور کپڑے اتارنا وغیرہ وغیرہ

ومن آدابه غير بمن لان له اداباً اخر وصلها فى الفتح الى نيف وعشرين واوصلتها فى الخزائن الى نيف وستين

ترجمہ وضو کے آداب میں سے وضو کے وقت قبلہ رخ ہو کر بیٹھنا ہے مصنف یہاں عبارت میں من کا لفظ اس لیے لائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وضو کے آداب صرف یہی نہیں ہے جو یہاں بیان کئے جا رہے ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی آداب ہیں فتح القدیر نے آداب کی تعداد چوبیس تک پہونچائی ہے اور میں نے یہ تعداد خزائن الاسرار میں ساٹھ تک پہونچائی ہے

تشریح متن میں مستحبات و آداب کی تعداد پندرہ ذکر کی گئی ہے اور صاحب در مختار نے اس تعداد میں آٹھ کا اضافہ کیا ہے طحطاوی جو در مختار کی شرح ہے اس میں مزید چودہ کا اضافہ مذکور ہے یہ کل ۳۷ ہوئے طحطاوی میں جن مستحبات کا اضافہ ہے وہ یہ ہیں حالت استنجاء میں اس انگوٹھی کا اتار لینا جس پر اللہ پاک کا یا اس کے رسول کا نام ہو مٹی کے برتن سے وضو کرنا اگر بدھنا ہو تو تین بار دھو کر پانی کا برتن بائیں طرف رکھنا اور اگر بڑا برتن ہو تو داہنی طرف رکھنا غسل کرنے کے وقت

برتن کے کنارے کو پکڑنا پورے وضو میں نیت مستحضر رکھنا وضو میں عجلت نہ کرنا وضو کا برتن پہلے سے بھر کر رکھنا ناک صاف کرتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرنا بھوؤں اور مونچھ کے نیچے پانی پہونچانا چہرہ دھونے کی ابتداء اوپر سے کرنا سر کا مسح آگے سے شروع کرنا اور ہاتھ پاؤں دھونے میں اس کی انگلیوں کے سرے کی طرف سے شروع کرنا معراج الدرایہ میں اسی طرح ہے

وذلك اعضائه فى المرة الاولىٰ وادخال خنصره المبلولة صماخ عند مسحيهما وتقد على الوقت لغير المعذور وهذا احدى المسائل الثلث المتثناة من قاعدة الفرض افضل من النفل لان الوضوء قبل الوقت مندوب وبعده فرض الثانية ابراء المعسر مندوب افضل من انظاره الواجب الثالثة الابتداء بالسلام سنة افضل من رده وهو فرضٌ ونظمه من قال

الفرض افضل من تطوع عابد　حتى ولو قد جاء منه باكثر
الاالتطهر قبل وقت وابتداء　للسلام كذلك ابراء معسر

ترجمہ مستحبات میں یہ بھی ہے اپنے ان اعضاء وضو کو ملنا جن کو دھو رہے ہیں اور بھیگی ہوئی چھنگلی انگلی کا مسح کرتے وقت دونوں کانوں کے سوراخ میں داخل کرنا، غیر معذور کو وقت سے پہلے وضو کرنا، اور یہ وضو پہلے کرنے کا مسئلہ ان تین مسائل میں سے ایک ہے جو اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں کہ فرض نفل سے افضل ہے کہ وقت سے پہلے تو وضو کرنا مستحب ہے مگر وقت آجانے کے بعد فرض ہے ان تین میں سے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مفلس کو دین معاف کرنا مستحب ہے اور یہ مستحب افضل ہے مفلس کو مہلت دینے سے جو مہلت واجب ہے تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور اسکا جواب دینا فرض ہے مگر یہ سنت یعنی سلام کرنا اس فرض کا جواب دینے سے افضل ہے اور ان تینوں مسائل کو اس طرح نظم کیا ہے۔

فرض عابد کی نفل سے افضل ہے اگرچہ اس نے فرض کی نسبت نفل کو زیادہ کیا ہو، مگر وقت سے پہلے طہارت حاصل [illegible] کی ابتداء کرنا ایسا ہی تنگ دست کو معاف کر دینا

تشریح ذلک یعنی اعضاء وضو کا دھونے کے وقت ملنا یہاں مستحب کہا گیا ہے اور خلاصہ میں اسے سنت بتایا گیا ہے بالخصوص سردی کے موسم میں چنانچہ شارح نے اسے سنتوں میں شمار کیا ہے۔

معذور وہ ہے جس کو پیشاب ٹپکنے یا اخراج ریح وغیرہ مرض ہو اور ہر وقت جاری رہتا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ وضو وقت پر کرے اور دوسرے وقت کے لئے تازہ وضو کرے اس لئے اس کے لئے مستحب نہیں ہے وقت کے داخل ہونے سے پہلے وضو کرنا یہ تو مسلّم ہے کہ فرض نفل سے افضل ہوا کرتا ہے مگر تین مسئلے ایسے ہیں جن میں نفل ہی فرض و واجب سے افضل ہیں

(۱) غریب و مفلس دین دار کو مہلت دینا (کہ وہ سامان کر کے اطمینان سے ادا کرے) واجب ہے قرآن میں ہے وان کان ذوعسرة فنظرة الى ميسرة۔ اور دین معاف کر دینا مستحب ہے اب خود سوچیں ان مفلس کے لئے کیا بہتر معاف کر دینا ہے یا مہلت دینا۔

(۲) سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے اب خود سوچئے کہ سلام کرنا بہتر ہے یا کوئی سلام کرے تو اس کا جوب دینا۔

(۳) نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وضو مستحب ہے اور وقت داخل ہو جانے کے بعد فرض ہے لیکن افضل یہاں یہ ہے کہ

وقت سے پہلے وضو کر کے تیار ہو۔

وتحريك خاتم الواسع ومثله القرط وكذا الضيق ان علم وصول الماء والافرض وعدم الاستعانة بغيره الالعذر اما استعانته عليه الصلوة والسلام بالمغيرة فلتعليم الجواز وعدم التكلم بكلام الناس الالحاجة تفوته والجلوس في مكان مرتفع تحرز عن الماء المستعمل وعبارة الكمال وحفظ ثيابه عن التقاطر وهي اشمل

ترجمہ وضوء میں مستحب چیزیں

اور ڈھیلی انگوٹھی کا حرکت دینا وضو کے وقت مستحب ہے اور یہی حال کان کی بالی کا ہے یعنی غسل میں اسکا حرکت دینا اور گھمانا مستحب ہے تاکہ پانی سوارخ کے اندر پہونچ جائے اسی طرح تنگ انگوٹھی کو گھمانا مستحب ہے اگر پانی کا اس کے نیچے پہونچنا معلوم ہو چکا ہو اور اگر پانی کا پہونچنا معلوم نہ ہو تو اس تنگ انگوٹھی کا حرکت دینا فرض ہے اور وضو میں اپنے غیر سے مدد نہ لینا مستحب ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو وہ مدد لے سکتا ہے اور یہ استحباب کے خلاف نہیں ہے عذر مثلاً یہ برتن بھاری ہے جو وضو کرنے والے سے نہیں اٹھ سکتا، یا وہ بیمار یا کمزور ہے اور دوسرے کی مدد کا محتاج ہے اور باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت مغیرہ بن شعبہؓ صحابی سے وضو میں مدد لینا تو یہ اس بات کو بتانے کے لئے تھا کہ غیر سے مدد جائز ہے اور وضو میں یہ بھی مستحب ہے کہ کسی سے بات نہ کرے ایسی باتیں جو دنیاداری کی ہوتی ہیں مگر اس ضرورت کے واسطے بولنا استحباب کے خلاف نہیں ہے جو نہ بولنے کی وجہ سے فوت ہو رہی ہو وضو کرتے وقت اونچی جگہ بیٹھنا تاکہ استعمال کئے پانی سے بچ سکے

اور کمال الدین صاحب فتح القدیر کی عبارت وحفظ ثیابہ عن التقاطر زیادہ صورتوں کو شامل ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اور اپنے کپڑوں کو چھینٹوں سے بچانا مستحب ہے اس میں اونچی جگہ بیٹھنا اور اس کے علاوہ صورتیں داخل ہیں۔

تشریح انگوٹھی ہاتھ کی انگلیوں میں پہنتے ہیں جن کا دھونا فرض ہے اس لئے کہا کہ انگوٹھی تنگ اور ہاتھ میں چپکی ہوئی ہو اس طرح کہ پانی نہ پہونچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی انگوٹھی کا حرکت دینا فرض ہے تاکہ پانی پہونچ جائے اور وضو ہو جائے اور اگر کشادہ اور ڈھیلی ہو کہ پانی پہونچنے کا یقین ہو تو اس وقت اس کا حرکت دینا مستحب ہے اس طرح عورتوں کی بالی کان میں ہوتی ہے جس کا غسل میں دھونا ضروری ہے تو کہا اسے عورت نہاتے وقت حرکت دے لے، اور یہ حرکت دینا مستحب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ حتی الوسع وضو میں دوسروں سے مدد نہ لے ہاں مجبوری ہو تو مضائقہ نہیں ہے باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں صحابی سے مدد لی تھی تو اس کا منشا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ بلا عذر بھی وضو میں غیر سے مدد نا جائز نہیں ہے زیادہ سے زیادہ استحباب کے خلاف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بتانا مستحب سے افضل ہے اور غور کیجئے تو مغیرہ والی حدیث میں صراحت ہے کہ آپ شامی جبہ پہنے ہوئے تھے جس کی آستین تنگ تھی آستین تنگ ہو جانے کی وجہ سے ہاتھ نہ نکل سکا تو نیچے سے آپ نے ہاتھ نکالا اس وقت حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ نے پانی ڈالا، تو دراصل یہاں بھی عذر تھا ہاتھ پھنس رہا تھا دوسرے سفر تھا جہاں جلدی مطلوب ہوتی ہے۔

والجمع بن نية القلب وفعل اللسان هذه رتبة وسطى بن من سنن التلفظ بالنية ومن كرهه لعدم نقله عن السلف والتسمية كمامر عند غسل كل عضو وكذا الممسوح والدعاء بالوارد عنده اى عند كل عضو وقد رواه ابن حبان وغيره عنه عليه الصلوة والسلام من طرق قال محقق الشافعية الرملى فيعمل به فى فضائل الاعمال وان انكره النورى

ترجمہ اور دل کی نیت اور زبان کے لفظ کا جمع کرنا مستحب ہے، یعنی وضو کے وقت دل میں نیت پائی جائے اور زبان سے نیت کے الفاظ ادا کئے جائیں کہ حدث دور کرنے کے لئے وضو کرتا ہوں اور یہ زبان سے نیت کو مستحب کہنا میانہ روی ہے ان دونوں قولوں کے درمیان کہ ان میں ایک یہ ہے کہ زبان سے نیت کا ادا کرنا سنت ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ زبان سے نیت مکروہ ہے اس لئے کہ سلف یعنی صحابہ وغیرہ سے یہ ثابت ومنقول نہیں ہے اور ہر عضو کے دھوتے وقت بسم اللہ کہنا مستحب ہے جیساکہ پہلے گذار اور ایسا ہی ہر عضو کے مسح کے وقت بسم اللہ کہنا بھی مستحب ہے اور ہر عضو کے دھوتے وقت یا مسح کرتے وقت وہ دعا پڑھنا جو اخبار و آثار میں آئی ہے اور ان دعاؤں کی حدیث ابن حبان وغیرہ نے چند طریقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے مذہب شافعی کے محقق شمس الدین محمد رملی نے کہاکہ اعمال کے فضائل میں ایسی حدیث پہ عمل کرنا چاہئے اگرچہ علامہ نووی شافعی نے اس کا انکار کیا ہے۔

تشریح نیت اصل میں دل کے ارادہ کو ہی کہتے ہیں اسی وجہ سے بہت سے علماء زبان سے الفاظ نیت کی ادائی کو بدعت مکروہ فرماتے ہیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ زبان سے نیت سنت ہے اور فقہاء حنفیہ نے دونوں کے درمیان یہ کہاکہ مستحب یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے نیت کا ارادہ بھی ہو اور زبان سے تلفظ بھی

ہر عضو دھونے کی دعا بعض حدیث میں آئی ہے جیسے ابن حبان وغیرہ گو یہ حدیث اس پایہ کی نہیں ہے جو صحت کی ہیں مگر فضائل اعمال میں ایسی ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے جو متعدد طرق سے منقول ہو کیونکہ اس طرح یہ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہاں حرام حلال یا جائز ناجائز کی کوئی بحث نہیں ہے حدیث صحیح ہے تب تو عمل سے اس کا حق ادا ہوگیا اور صحیح نہیں ہے تو عمل سے حرام، حلال نہ ہوا اور نہ کسی کی حق تلفی ہوئی

فائدة شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه قال الطحطاوى كذاقال ابن حجر وان يدخل تحت اصل عام وان لا نعتقد سنية ذلك الحديث كذا فى الطحطاوى واما الموضوع فلايجوز العمل به بحال ولاروايته الااذا قرن ببيان وضعه

ترجمہ فائدہ: ضعیف حدیث پر عمل نہ کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ ضعیف نہ ہو یعنی اس کا کوئی طریقہ کذب واتہام سے خالی نہ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی قاعدہ کلیہ کے تحت ہو تیسری شرط یہ ہے کہ اس ضعیف حدیث کے مسنون ہونے کا اعتقاد نہ ہو یعنی یہ اعتقاد نہ ہو کہ قولاً یا فعلاً یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے باں [illegible] ہے باقی موضوع حدیث پر عمل کسی حال میں جائز نہیں ہے اور نہ اسکا نقل کرنا ہی درست ہے ہاں اس وقت درست ہے جبکہ نقل کرتے وقت اس کا موضوع ہونا بھی بتادے اور اس شرط کے ساتھ روایت جائز ہے۔

تشریح موضوع جھوٹی اور گڑھی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا عمل نہ ہو بلکہ کسی نے جھوٹ آپ کی طرف منسوب کر دیا ہو اور ایسا کرنا حرام ہے اور بعضوں نے ایسا کرنے کو کفر تک کہدیا ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے

والصلوة والسلام علی النبی بعده ای بعد الوضوء لکن فی الزیلعی ای بعد کل عضو ای الوضوء اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین وان یشرب بعده من فضل وضوئه کماء زمزم مستقبل القبلة قائما اوقاعداً وفیما [illegible] اهما یکره قائماً تنزیها وعن ابن عمر کنا ناکل علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم ونحن نمشی ونشرب ونحن قیام ورخص للمسافر شربه ماشیا

ترجمہ اور وضو کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا مستحب ہے لیکن زیلعی میں وضو کے ہر عضو دھونے کے بعد درود پڑھنا مستحب لکھا ہے اور یہ بھی مستحب ہے کہ وضو کے بعد یہ دعا پڑھے اللهم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین (اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں میں سے بنا اور پاکی چاہنے والا بنا اور وضو کے بعد وضو کے بچے ہوئے پانی کا پینا مستحب ہے جس طرح زمزم کا پانی پیتے ہیں کہ منہ قبلہ کی طرف ہو اور کھڑے ہو کر پئے یا بیٹھ کر پئے اور وضو کا بچا ہوا پانی اور زمزم کے علاوہ دوسرا پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ تنزیہی ہے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگ کھاتے ہوتے اس حال میں کہ ہم چلتے ہوتے اور ہم پانی پیتے اس حال میں کہ ہم کھڑے ہوتے اور مسافر کو چلتے ہوئے بھی پانی پینے کی اجازت ہے۔

تشریح مسلم میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کامل وضو کرے پھر یہ پڑھے اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو اس کے لئے آخرت میں جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کو اختیار دیدیا جائے گا کہ جس سے چاہے داخل ہو

وضو کے بعد لوٹے میں جو پانی بچ جائے اسے کھڑے ہو کر پینا بھی مستحب ہے خواہ کل پیے خواہ تھوڑا پیئے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اَشْفِنِیْ بِشِفَائِكَ وَدَاوِنِیْ بِدَوَائِكَ وَاعْصِمْنِیْ مِنَ الْوَهْلِ وَالْاَمْرَاضِ وَالْاَوْجَاعِ یہ کبریٰ میں منقول ہے باقی حوض یا نہر وغیرہ میں اگر وضو کرے تو کیا حکم ہے کہیں صراحت نظر نہ آئی مگر اندازہ یہ ہے کہ وہاں یہ حکم پینے کا حکم نہ ہوگا اور اس لئے اصطلاح میں اسے وضو کا بقیہ یا بچا ہوا پانی نہیں کہا جاتا۔

بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پینا جائز کہنے کا منشا یہ ہے کہ اختیار ہے بیٹھ کر پینے میں کراہت نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں اور یہی زمزم کا حکم ہے کہ بیٹھ کر بھی پی سکتا ہے منشا یہ ہے کہ کھڑے ہو کر صرف یہ دو پانی پئے جا سکتے ہیں جس میں کوئی کراہت نہیں ہے بقیہ پانی جب پیا جائے گا تو بیٹھ کر پیا جائے گا اگر کوئی کھڑے ہو کر پئے گا وہ مکروہ تنزیہی کا مرتکب ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی ہرگز کھڑے ہو کر پانی نہ پئے ہاں صرف آپ کا زمزم کھڑے ہو کر پینا ثابت ہے اور ایک دوسری حدیث حضرت علیؓ کی ہے کہ آپ نے وضو کے بعد بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا کہ میں نے ایسا ہی کیا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک

آدھ دفعہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے اور یہ جواز کو بتانے کے لئے ہے جیسا کہ متن میں بھی حدیث نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی مضائقہ نہیں زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ ہے

علامہ نابلسی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مریض وضو کا بچا ہوا پانی شفا کی غرض سے پئے گا تو انشاء اللہ شفا حاصل ہوئی اور انہوں نے اپنا تجربہ بیان کیا ہے۔ کھڑے ہو کر کھانا بھی مناسب نہیں ہے آپ سے اگر کہیں کوئی واقعہ آیا ہے تو اسکا منشا جواز کو بتانا ہے کیونکہ بہت سی حدیثوں میں کھڑے ہو کر کھانے کو منع کیا گیا ہے باقی مجبوری اور ضرورت میں گنجائش ہے

ومن الاداب تعاهد موقيه وكعبية وعرقو بيه واخمصيه واطالة غر وتحجيله وغسل رجليه بيساره وبلهما عند ابتداء الوضوء فى الشتاء والتمسح بمنديل وعدم نفض يده وقرأة سورة القدر وصلوة ركعتين فى غير وقت كراهة

ترجمہ اور آداب وضو میں یہ بھی ہے کہ وضو کرنے والا اپنے دونوں گوشہ چشم، دونوں ٹخنوں، دونوں ایڑیوں اور اپنے دونوں تلووں کے اندر کی خبر گیری رکھے (کہ ان میں کہیں خشکی نہ رہنے پائے کیوں کہ یہ جگہیں اونچ نیچ والی ہیں) بے توجہی سے ایسا ہو سکتا ہے کہیں پانی نہ پہونچے اور یہ بھی مستحب ہے کہ چہرہ اور ہاتھ پاؤں دھونے میں مبالغہ کرے اور دونوں پاؤں کا اپنے بائیں ہاتھ سے دھونا مستحب ہے اور جاڑے کے زمانے میں دونوں پاؤں کا پانی سے ابتداء وضو میں اچھی طرح تر کرنا مستحب ہے اور اعضاء وضو کو رومال سے پوچھنے میں مضائقہ نہیں اور یہ مستحب ہے کہ وضو کے بعد اپنے ہاتھ نہ جھاڑے اور "انا انزلنا" پڑھنا بعد وضو مستحب ہے اور اگر وقت مکروہ نہ ہو تو وضو کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھے اسی کو تحیۃ الوضو کہتے ہیں

تشریح دونوں آنکھوں کا کونا، دونوں ٹخنے، دونوں ایڑیاں، دونوں تلووں کا نچلا حصہ یہ وہ اعضاء وضو ہیں کہ اگر ذرا بھی بے توجہی رہی تو بہت ممکن ہے کہ یہ تر ہونے سے رہ جائیں اور انکے بعض حصوں میں پانی نہ پہونچے اور جب خشک رہ جائیں گے وضو نہ ہوگا اور جب وضو نہ ہوا نماز نہ ہوئی حدیث میں ويل للاعقاب من النار یعنی ایڑیوں کے لئے دوزخ کی آگ سے خرابی ہے اور یہ وضو میں غفلت سے ہوتی ہے۔

چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے دھونے سے درازی یا مبالغہ بھی مستحب ہے ذرا بڑھا کر دھوئے حدود سے کم ہرگز نہ رہنے پائے، قیامت میں اعضاء وضو سے امت محمدیہ پہچانی جائے گی یہ حصے چمکتے ہوں گے اس لئے بڑھا کر ہی دھونے میں بہتری ہے کمی میں ایک تو شرعاً وضو نہ ہوگا دوسرے قیامت میں شرمندگی اٹھانی پڑے گی

جاڑے میں اچھی طرح دھونے کی بات اس لئے ہے کہ بدن میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے، پانی جلد جسم پر اثر نہیں کرتا ہے اسی وجہ سے عالمگیری میں ہے کہ تمام اعضاء وضو کے دھونے میں جاڑے کے اندر اہتمام کرے کہ پہلے اسے پانی سے اچھی طرح تر کرے تاکہ پانی کے قبول کرنے کی اعضاء میں صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اعضاء وضو کا تولیہ یا رومال سے پونچھنا جائز ہے نہ پونچھے اچھا ہے مکروہ کہنا صحیح نہیں ہے امام شافعیؒ بھی مکروہ نہیں کہتے ہیں البتہ یہ فرماتے ہیں کہ نہ پونچھے تو بہتر ہے باقی بعد وضو ہاتھوں کا جھاڑنا خلاف ادب ہے اس سے بچنا چاہئے اور بعد وضو انا انزلناہ پڑھنے کا بہت ثواب بتایا گیا ہے۔

وضو کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھی جاتی ہے اسے اصطلاح میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو رکعتوں کی ترغیب فرمائی ہے اور فرمایا کہ جو اسے دل لگا کر پڑھا کرے گا اس کے لئے جنت ضروری ہے

ومکروهه نظم الوجه اوغیره بالماء تنزیها والتقتیر والاسراف ومنه الزیادة علی الثلث

ترجمہ اور چہرہ وغیرہ پر پانی کو زور سے مارنا مکروہ تنزیہی ہے اور پانی کا ضرورت سے کم یا زیادہ خرچ کرنا مکروہ ہے یہ بھی اسراف میں ہی داخل ہے کہ ان اعضاء کو تین مرتبہ سے زیادہ دھوئے جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں

تشریح پانی کم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی لیکر اعضاء وضو پر تیل کی طرح مل لے اور اسے کسی طرح تر کرلے خوب فراوانی کے ساتھ نہ دھوئے اور زیادتی یہ ہے کہ تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے لیکن چار پانچ مرتبہ دھونا شروع کردے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی سے وضو کیا کرتے تھے اور غسل ایک صاع سے اور بعض روایتوں میں پانی کی مقدار اس سے زیادہ اور کم بھی آئی ہے

صاع کا وزن مشہور قول کی بنیاد پر ساڑھے تین سیر ہے اور مد اسکا چوتھائی ہے یعنی تقریباً چودہ چھٹانک، منشا صرف اتنا ہے کہ خواہ مخواہ فضول پانی نہ گرائے اور نہ ضرورت سے کم اعتدال ہر چیز میں پسندیدہ ہے پہلے یہ بحث بقدر ضرورت گذر بھی چکی ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں پانی اعتدال سے صرف کرتے اور زیادہ پانی بہانے سے منع کرتے اور فرماتے تھے کہ میری امت میں وہ لوگ پیدا ہوں گے جو وضو میں تعدی کریں گے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے اس لئے پانی کے معاملہ میں وسوسہ سے بچو۔

اجتناب فیه تحریما لوبماء النهر والمملوك له امام الموقوت علی من یتطهر ومنه ماء المدارس فحرام وتثلیث المسح بماء جدید امابماء واحد فمندوب اومسنون

ترجمہ پانی میں فضول خرچی مکروہ تحریمی ہے خواہ نہر اور ندی کے پانی سے وضو کرے خواہ اپنے مملوک پانی سے اور وہ پانی جو طہارت کرنے والوں کے لئے وقف ہے اور اسی وقف کی قسم سے مدارس کا پانی ہے سو اس پانی میں اسراف حرام ہے اور تین مرتبہ نئے پانی سے مسح کرنا مکروہ ہے ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا یا مستحب یا مسنون ہے جیسا کہ منح الغفار میں زیلعی سے منقول ہے

تشریح مکروہ تحریمی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حرام تو نہیں مگر حرام کے قریب قریب ہے البتہ امام محمدؒ کے نزدیک حرام کے درجہ میں ہے مگر یہاں اسراف کو مکروہ تحریمی کہنا صحیح نہیں ہے زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے مکروہ تحریمی کی وجہ کوئی نہیں ہے ہاں اعتقاد رکھتا ہو تو البتہ تحریمی کہہ سکتے ہیں پہلے یہ بحث آچکی ہے اور وہاں بتایا جاچکا ہے شامی نے یہاں مبسوط بحث کی ہے وہاں دیکھی جائے

ومن منهیاته التوضوء بفضل ماء المرأة فی موضع نجس لان الماء الوضوء حرمة اوفی المسجد الافی اناء اوفی موضع اعد لذلك والقاء النخامة والامتخاط فی الماء

ترجمہ :- وضو کے ممنوعات سے ہے عورت کے وضو یا غسل کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا یا ناپاک جگہ میں وضو

کرنا کیوں کہ وضو کے پانی کی ایک حرمت ہے اور مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے ہاں کسی برتن کو مسجد میں رکھ کر اس میں وضو کرنا درست ہے اور اس جگہ میں وضو کرنا جائز ہے جو مسجد میں اسی کے لئے بنائی گئی ہے اور پانی میں ناک یا منہ کا بلغم ڈالنا مکروہ ہے۔

تشریح یہ چند چیزیں وضو میں منع ہیں (۱) عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو نہ کرے اس لئے کہ ممکن ہے وضو کرنے والے کو اس پانی میں لذت محسوس ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ عورتیں بہت کم احتیاط کرتی ہیں

(۲) اسی طرح ناپاک جگہ میں بیٹھ کر وضو کرنا بھی ممنوع ہے دو وجہ سے ایک تو یہ ہے کہ وضو کا پانی ناپاک جگہ میں گرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی حرمت برباد ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے پانی ناپاک جگہ میں گرے اور اس سے اڑ کر چھینٹ بدن یا کپڑے پر پڑے۔

(۳) مسجد میں وضو کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ نماز کی جگہ ہے ہاں اس طرح کوئی وضو کرے کہ وضو کا پانی مسجد میں نہ گرے تو مضائقہ نہیں ہے یا عام طور پر مسجد کے فرش کے کنارے جو جگہ وضو کے لئے ہمارے ملک میں بنی ہوتی ہے اس میں بھی وضو کر سکتے ہیں

(۴) پانی جاری ہو یا جاری نہ ہو دونوں صورتوں میں پانی میں تھوکنا یا ناک صاف کرنا ممنوع ہے یہ سب مکروہ تنزیہی کے درجہ کی چیز ہے

ینقضه خروج کل خارج نجس بالفتح ویکسر منه ای من المتوضی الحی معتاده ولا نجس خارج من السبیلین اولا الی ما یطهر بالبناء للفعول یلحقه حکم التطهیر ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظهور کذا فی الدر لملاخسر وفی غیرهما عین السیلان ولو بالقوة لما قالوا لو مسح الدم کلماخرج ولو ترکه لسیال نقض والالا

وضو توڑنے والی چیزوں میں سے یہ ہے کہ وضو کو ہر وہ ناپاک نکلنے والی چیز توڑ دیتی ہے جو زندہ وضو کرنے والے سے نکلے نجس جیم کے زیر کے ساتھ ہے اور کبھی اسے زبر بھی دیا جاتا ہے اگر زبر ہو تو نجس عین نجاست کو کہیں گے اور نجس زیر کے ساتھ ہو تو اس چیز کو کہیں گے جو پاک نہ ہو۔

نواقض وضو یعنی وہ چیزیں جن سے وضو جاتا رہتا ہے

یہ ناپاک نکلنے والی چیز عادات والی ہو جیسے پیشاب پاخانہ یا عادت کی چیز نہ ہو جیسے خون وغیرہ۔ پھر وہ پیشاب پاخانہ کے راستوں میں سے کسی سے نکلے یا ان سے نہ نکلے یہ نکلنے والی چیز اس حصہ بدن کی طرف نکلے جس کو پاک کیا جاتا ہے یعنی جس کے پاک کرنے کا حکم وضو یا غسل میں لاحق ہوتا ہے پھر دونوں راستوں سے نکلنے کا مطلب صرف اس کا ظاہر ہونا ہے بہنا شرط نہیں ہے یعنی پیشاب پاخانے کے راستے سے نجاست کا ظاہر ہونا متحقق ہو جانے سے وضو جاتا رہتا ہے اگرچہ بہنا نہ پایا جائے اور ان پاخانہ اور پیشاب کے راستوں کے سوا میں نکلنے کی مراد عین بہنا ہے اگر یہ بہنا بالفعل نہ ہو بالقوہ ہی ہو یعنی اس میں بہنے کی طاقت وصلاحیت ہو تو وہ خون ناقض وضو ہوگا اس وجہ سے کہ فقہاء نے کہا کہ جب جب وہ نکلے اسے پونچھتا رہے لیکن اگر نہ پونچھتا تو وہ خون بہتا تو ایسا خون وضو کو توڑنے والا ہے اور اگر وہ ایسا بہنے والا نہیں ہے تو وہ وضو کو توڑنے والا نہیں ہے

تشریح: پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ نکلنے والی چیز ناپاک ہو دوسری بات یہ کہ جس وضو کرنے والے سے نکلے وہ زندہ ہو اس کا

ماحصل یہ ہوا کہ اگر مردہ کو وضو کرادینے کے بعد اس سے نجاست نکلے تو اس کا وضو لوٹایا نہیں جائے گا بلکہ صرف اس گندگی کی جگہ کو دھویا جائے گا پھر وہ نکلنے والی چیز دن رات عادت والی ہو جیسے پاخانہ پیشاب تو یہ بھی وضو توڑتی ہے اور عادت والی چیز نہ ہو جیسے خون کیڑا وغیرہ تو بھی وضوء ٹوٹ جائے گا اسی کے ساتھ اس کی بھی صراحت کر دی ہے کہ یہ ناپاک چیز پیشاب پاخانہ کے راستے سے نکلے تو بھی وضو ٹوٹے گا اور ان دونوں جگہ کے علاوہ دیگر حصہ بدن سے نکلے تو بھی وضو ٹوٹے گا۔ ایک بات یہ بھی بتائی کے نکلنے کی مراد ظاہر ہونا ہے پیشاب مثلاً مثانہ سے چلا اور عضو تناسل میں آکر رک گیا قلفہ میں نہیں آیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر قلفہ میں آکر ظاہر ہو گیا تو وضو جاتا رہے گا یہی صورت پاخانہ کی ہے کہ محض ظاہر ہونا ہی وضو کو توڑ دیتا ہے وہ بہہ کر باہر آئے یا نہیں باقی ان دونوں جگہوں کے جسم کے کسی دوسرے حصہ میں تو وہ بہنا ہی مراد ہے اور اسکی حد یہ ہے کہ نجاست زخم کے اوپر آئے پھر وہ وہاں سے ادھر ادھر ڈھل جائے کیونکہ ڈھلنے ہی سے نجاست کا منتقل ہونا پایا جائے گا یہاں صرف ظاہر ہونا ہی کافی نہیں ہے اور بہنے میں بھی بالفعل کی قید نہیں ہے بلکہ اگر اس میں بہنے کی قوت اور صلاحیت پائی جاتی ہے تو یہ سیلان کے لئے کافی ہے، مثلاً جسم کے کسی حصہ پر خون ابل کر آتا ہے اور اسے وہیں جذب کر لیا جاتا ہے بہنے کا موقع نہیں ہوتا تو بھی وہ وضو کے لئے توڑنے والا ہوگا کیونکہ اس میں بہنے کی صلاحیت موجود تھی یعنی اگر اسے جذب نہ کئے ہوتے تو ضرور ادھر ادھر بہتا۔

كما لوسال في باطن عين اوجرح اوذكرو لم يخرج قوله يلحقه حكم التطهير كادكدمع وعرق الاعرق مدمن من الخمر فناقض على ما سيذكره المصنف ولنافيه كلام

ترجمہ جیسے وہ خون جو آنکھ کے اندر بہا، یا زخم کے اندر، یا شرمگاہ کے اندر لیکن وہ باہر نہیں نکلا تو وہ وضو کو توڑنے والا نہیں ہے اس لئے کہ یہ وہ جگہیں ہیں جنکا وضو یا غسل میں دھونا ضروری نہیں ہے اور جیسے آنسو اور پسینہ کہ یہ وضو کو نہیں توڑتا ہے اس لئے کہ یہ دونوں ناپاک نہیں ہیں لیکن دائم الخمر (ہمیشہ شراب پینے والے) کا پسینہ ناقض وضو ہے جیسا کہ مصنف اسے عنقریب ذکر کریں گے (یعنی کتاب کے اخیر میں) اور ہمیں اس باب میں گفتگو ہے یعنی ہمارے نزدیک یہ قول قوی نہیں ہے اور نہ لائق عمل ماحصل یہ ہے کہ شرابی کا پسینہ ناقض وضو نہیں ہے۔

وخروج غير نجس مثل ريح اودودة اوحصاة من دبر كذا في المنح لاخروج ذلك من جرح ناقض ولاخروج ريح من قبل غير مفضاة اما هي فيندب لها الوضوء وقيل يجب وقيل لو منتنة وذكر لانه اختلاج

ترجمہ اور وضو کو توڑتا ہے غیر ناپاک چیز کا پاخانہ کے راستہ سے نکلنا جیسے ہوا یا کیڑا یا کنکر اور ان چیزوں کا زخم سے نکلنا ناقض وضو نہیں ہے یعنی اگر زخم سے ہوا یا کیڑا یا پتھری نکلے تو یہ ناقض وضو نہیں ہے اس طرح وہ ہوا بھی ناقض وضو نہیں ہے جو اس عورت کی شرمگاہ سے نکلے جو مفضاۃ نہیں ہے یعنی اس کے پیشاب و پاخانہ کا راستہ ملا ہوا نہیں ہے باقی وہ عورت جو مفضاۃ ہے تو اگر اس کی شرمگاہ سے ہوا نکلے تو اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے اور کہا گیا ہے کہ وضو کرنا واجب ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ اگر ہوا میں بدبو ہے تو وضو واجب ہے ورنہ نہیں ہے اور مرد کی شرمگاہ سے ہوا کا نکلنا ناقض وضو نہیں ہے اس لئے کہ یہ دراصل عضو کا پھڑکنا ہے خروج ریح نہیں ہے۔

تشریح یعنی پاخانہ کے راستہ سے اگر ہوا نکلے یا پتھری یا کیڑا جو اگر چہ ناپاک نہیں ہے لیکن بہر حال یہ وضو کو توڑنے والی چیزیں ہیں ہاں اگر یہی چیزیں زخم سے نکلیں تو ناقض وضو نہیں ہیں انسان کے پچھلے حصہ سے جو ہوا نکلتی ہے وہ نجاست کی جگہ سے ہو کر نکلتی ہے کیڑے کی بات یہ ہے کہ اس پر نجاست ہوتی ہے دوسری بات یہ کہ کیڑا نجاست سے پیدا ہوا ہے

مفضاۃ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے پاخانہ اور پیشاب دونوں کے راستے ایک ہو گئے ہوں درمیان کا پردہ پھٹ گیا ہو کوئی حد فاصل باقی نہ رہ گئی ہو۔

غیر مفضاۃ عورت اور عام مرد کی شرمگاہ سے جو ہوا نکلتی ہے وہ ناقض وضو اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ ہوا نجاست کی جگہ سے اٹھی ہوئی نہیں ہے لہذا اس عورت کی شرمگاہ سے جو ہوا نکلے گی وہ ناقض وضو ہو گی امام محمدؒ کہتے ہیں کہ وضو کرنا واجب ہے اور فتح القدیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ ہوا پچھلے حصہ سے ہی نکلی ہوئی سمجھی جائے گی اور یہ مسلم ہے کہ اس ہوا کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حتی لو خرج ریح من الدبر وهو یعلم انه لم یکن من الاعلی فهو اختلاج فلا ینقض وانما قید بالریح لان خروج الدودة الحصاة منهما ناقض اجماعا کما فی الجوهرة ولا خروج دودة من جرح او اذن او انف او فم وکذا لحم سقط منه لطهارتهما وعدم السلان فیما علیهما وهو مناط النقض

ترجمہ یہاں تک کہ اگر ہوا پاخانہ کے راستہ سے نکلی اور اس کو معلوم ہے کہ یہ ہوا اوپر سے نہیں اتری ہے تو یہ بھی اختلاج یعنی عضو کا پھڑکنا ہے، خروج ریح نہیں ہے لہذا وہ ناقض وضو نہیں ہو گی مصنف نے یہاں ریح (ہوا) کی قید اس لئے لگائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ کیڑے اور پتھری کا عورت اور مرد کی شرمگاہ سے نکلنا بالاتفاق وضو توڑنے والا ہے جیسا کہ جوہر میں صراحت ہے۔

اور کیڑے کا زخم، کان، ناک، یا منہ سے نکلنا وضو کو نہیں توڑتا ہے اور اسی طرح وضو اس حالت میں بھی نہیں ٹوٹتا جب گوشت زخم سے گر پڑے اس لئے کہ وہ دونوں یعنی کیڑا اور گوشت پاک ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ وہ رطوبت اس جگہ سے نہیں بہی جو ان دونوں پر تھی اور وضو کے ٹوٹنے کا دارومدار غیر سبیلین میں سیلان اور بہنے پر ہے۔

تشریح ہوا جو نکلی تو دبر سے مگر اس کو ظن غالب ہے کہ وہ معدہ سے نہیں آئی ہے تو اس صورت میں وہ ناقض وضو نہ ہو گی اس لئے کہ یہ حقیقت میں ہوا کے حکم میں نہیں ہے اور نہ یہ محل نجاست سے اٹھی ہے، زخم کا کیڑا گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور گوشت پاک ہے اس لیے یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ بخلاف اس کیڑے کے جو مقعد (دبر) سے نکلا ہے اس چونکہ نجاست سے پیدا ہوا ہے لہذا وضو کو توڑنے کا سبب بنے گا اور زندہ انسان کا گوشت جو اس سے جدا کر لیا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے مگر خود اس زندہ کے حق میں وہ مردار نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ زندہ انسان اپنے اس جدا کردہ گوشت کو ساتھ رکھ کر نماز پڑھے گا تو بھی اس کی نماز جائز ہو گی، فاسد نہیں ہو گی

والمخرج بعصر والخارج بنفسه سیان فی حکم النقض علی المختار کما فی البزازیة قال لان فی الاخراج خروجاً فصار کالقصد وفی الفتح عن الکافی وانه الاصح واعتمده القهستانی وفی

القنية وجامع الفتاوی انه الا شبه ومعناه انه الاشبه بالمنصوص رواية والراجح دراية فيكون الفتوی عليه

ترجمہ اور وہ خون وغیرہ جو زخم اور پھوڑے کو دبا اور نچوڑ کر نکالا گیا ہے اور وہ خون وغیرہ جو خود بخود نکلا ہے دونوں برابر ہیں لیکن وضو توڑنے کے باب میں دونوں کا حکم مذہب مختار میں یکساں ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے صاحب بزازیہ نے کہا ہے کہ نکالنے میں نکلنا داخل ہے یعنی جب اخراج نکالنا پایا جائے گا خروج یعنی نکلنا بھی پایا جائے گا تو یہ فصد کی طرح ہو گیا جو بالاتفاق وضو کو توڑتا ہے حالانکہ اس میں اخراج یعنی نکالنا پایا جاتا ہے خروج یعنی نکلنا نہیں پایا جاتا ہے۔

اور فتح القدیر میں کافی سے منقول ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر قہستانی نے اعتماد کیا ہے اور قنیہ و جامع الفتاوی میں ہے کہ یہی قول اشبہ ہے اور اشبہ کا مطلب یہ ہے کہ قول مذکورہ اس قول سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے جو روایت کی رو سے منصوص ہے اور درایت کی وجہ سے راجح ہے لہٰذا اسی پر فتویٰ ہوگا۔

تشریح مخرج و خون جو نکالا گیا ہو، یہ ناقض وضو ہے عالمگیری میں بھی اس کی صراحت و جیز کردری، قنیہ اور شرح منیۃ المصلی کے حوالہ سے منقول ہے کچھ علماء نے اس کو ناقض وضو نہیں کہا ہے، مگر احتیاط کا تقاضہ وہی ہے جس کی طرف فقہاء کی ایک بڑی جماعت گئی ہے بعض لوگوں نے یہ بھی دلیل دی ہے کہ اگر اس کو ناقض وضو نہ کہا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی قصداً ہوا، پاخانہ، پیشاب سبیلین سے نکالے تو یہ بھی ناقض وضو نہ ہوگا حالانکہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جو دباؤ سے نکالا گیا ہو اور جو خود سے نکلا ہو دونوں حکم میں برابر ہیں اور دونوں ہی صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا جن لوگوں نے خروج اور اخراج میں فرق کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے

وينقضه قیٔ ملأ فاه بان يضبط بتكلف من مرة بالكسر ای صفراء اوعلق ای سوداء واما العلق النازل من الرأس فغير ناقض اوطعام اوماء اذا وصل الی معدته وان لم يستقر

ترجمہ وضو کو وہ قے توڑ ڈالتی ہے جو اس طرح بھر منہ ہو، کہ بہت تکلف کے بعد منہ میں رک سکے، اور بعض لوگوں نے بھر منہ کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کے روکنے پر آدمی قادر نہ ہو۔ کذا فی الشامی۔ وہ قے صفراء کی ہو یا سوداء کی ہو، دونوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مرۃ زیر کے ساتھ ہے اس کے معنی صفراء کے ہیں اور علق عین کے زبر کے ساتھ ہے اور اس کے معنی سوداء کے ہیں، اور وہ خونِ بستہ جو سر سے اترے وہ وضو کو نہیں توڑتا ہے، اور وہ منہ بھر قے بھی وضو کو توڑتی ہے خواہ وہ کھانے یا پانی کی ہو جبکہ وہ کھانا اور پانی پیٹ تک پہنچ گیا ہو، گو وہ وہاں ٹھہرا نہ ہو اور فوراً گر گیا ہو۔

تشریح منہ بھر قے کی دو تعریف ہوئی ایک یہ کہ جس پر بتکلف منہ بند کر سکے، دوسری یہ کہ جس کے روکنے پر قدرت نہ ہو، اس دوسرے قول کی بعضوں نے تصحیح کی ہے، مگر زیادہ لوگوں نے پہلی تعریف کو قبول کیا ہے۔

انسان کے بدن میں چار خلطیں ہوتی ہیں، خون، سوداء، صفراء، اور بلغم۔ مِرّۃ انہی چار میں سے ایک خلط کا نام ہے، اس کی شرح صفراء سے کی گئی ہے، اور عَلَق لغت میں خون کو کہتے ہیں مطلقاً خون مراد ہے یا نہایت سرخ یا غلیظ یا خون بستہ یہاں سوداء مراد لیا ہے طحطاویؒ کی رائے ہے کہ یہاں بستہ خون مراد ہے اس لئے کہ بہنے والا خون تو ناقض وضوء ہے خواہ منہ بھر نہ ہو

خون میں جب احتراق پیدا ہوتا ہے تو وہ سوداء بن جاتا ہے خون یا سر کی جانب سے آئے گا یا پیٹ سے پھر وہ بستہ ہو گا یا بہنے والا اگر سر سے اترنے والا ہے اور وہ بستہ ہے تو ناقض وضوء بالاتفاق نہیں ہے اور دم سائل (بہنے والا خون) ہے تو بالاتفاق ناقض وضو ہے، اور پیٹ سے چڑھنے والا خون اگر بستہ ہے تو اس وقت تک ناقض وضو نہیں ہے جب تک منہ بھر کے نہ ہو، اور بہنے والا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک مطلقاً ناقض وضو ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت ناقض نہیں جب تک منہ بھر کے نہ ہو، امام ابو یوسفؒ امام اعظمؒ کے ساتھ ہیں، دیکھئے شامی وغیرہ۔

وهو نجس مغلظ ولو من صبی ساعة ارتضاعه هو الصحيح لمخالطة النجاسة ذكره الحلبى ولو هو فى المرئ فلا نقض اتفاقاً كفیٔ حيه اودود كثير لطهارته فى نفسه كماء فم النّائم فَانَّه طاهرٌ مطلقاً وبه يفتى بخلاف ماء فم الميت فانه نجسٌ كقى عين خمر اوبول وان لم ينقض قلته لنجاسته بالاصالة لابالمجاورة.

ترجمہ اور وہ قے مذکور نجس مغلظ ہے اگر چہ وہ قے کسی شیر خوار بچہ نے دودھ پی کر فوراً کی ہو، معدہ کی نجاست کے ملنے کی وجہ سے کی ہو، یہی قول صحیح ہے اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے، یعنی کھانا اور پانی اور دودھ جو اندر جانے کے بعد فوراً قے ہو گیا وہ پیٹ کی نجاست کے مل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو گیا، اور اگر وہ کھانا، پانی یا دودھ مری یعنی کھانا پانی کی نالی ہی میں تھا پیٹ تک نہیں پہنچا تھا کہ قے ہو گیا تو اس صورت میں بالاتفاق یہ ناقض وضو نہیں ہے جیسے کیچوے اور بہت سے کیڑوں کی قے ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ فی نفسہ وہ پاک ہے جس طرح کہ سوتے آدمی کی رال وضو کو نہیں توڑتی، اس لئے کہ وہ مطلقاً پاک ہے اور اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، بخلاف میت (مردہ) کی رال کے، اس واسطے کہ وہ ناپاک ہے جیسے نفس شراب اور پیشاب کی قے، گو وہ وضو کو قلت میں ہونے کی وجہ سے نہ توڑتی ہو، اس لئے کہ شراب اور پیشاب بطورِ خود ناپاک ہے پیٹ کی نجاست کے ملنے کی وجہ سے نہیں، بخلاف دوسری چیزوں کے کہ وہ نجاست کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ناپاک ہوتی ہے خود وہ ناپاک نہیں ہے۔

تشریح فقہاء نے صراحت کی ہے وہ قے ناپاک ہے اور نجاست مغلظہ ہے، بعضوں نے خفیفہ بھی کہا ہے، مگر مغلظ ہونے کو زیادہ صحیح کہا گیا ہے۔ باب المیاہ میں آیا ہے کہ خشکی کے کیچوے کے پانی میں مر جانے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کیچوے ناپاک ہوئے، اور یہاں کہا کہ ہر ایک بطور خود پاک ہے۔ اب یہاں یہ مطلب لیا جائے گا کہ وہ کیچوے اتنے چھوٹے چھوٹے ہوں کہ ان میں بہنے والا خون پایا نہ جائے اس وقت کھلی بات ہے کہ ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہ ہو گا اور نہ وہ خود ناپاک ہوں گے جس طرح چھوٹے کیڑے جن میں خون نہیں ہوتا۔

سونے والے انسان کی رال مطلقاً پاک ہے۔ مطلق لانے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ رال سر کی طرف سے آئی ہو یا پیٹ کی طرف سے، زرد بدبودار ہو، یا ایسی نہ ہو، ہر حال میں پاک ہے۔ مفتی بہ سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دوسرا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو نصر نے کہا ہے کہ اگر وہ رال پیٹ کی طرف سے آئی ہو اور وہ زرد، بدبودار ہو تو وہ قے کی طرح ناپاک ہے اور امام ابو یوسفؒ کا قول بھی ناپاک ہی کا ہے۔

شراب کی قے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے شراب یا پیشاب پیا پھر اسی شراب اور پیشاب کو قے کر دیا، تو یہ بطور

خود نجس ہے، کھانے وغیرہ کی طرف معدے میں جانے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوا ہے۔

لاینقصه قیٔ من بلغم علی المعتمد اصلا کذا فی الطحطاوی الاالمخلوط بطعام فیعتبر الغالب ولواستویا فکل علحدة وینقضه دم مائع من جوف اوفم غلب علی بزاق حکماً للغالب اوساواه احتیاطاً ولا ینقضه المغلوب بالبزاق.

ترجمہ بلغم کی قے وضو کو مطلقاً معتمد قول کی بنیاد پر نہیں توڑتی ہے (وہ بلغم خواہ سر سے اترا ہو خواہ پیٹ سے چڑھا ہو، منہ بھر کے ہو یا کم ہو، کھانے کے ساتھ ملا ہوا ہو یا نہ ہو، معتمد کا تعلق پیٹ سے جو بلغم چڑھے اس سے متعلق ہے ورنہ جو سر سے اترا ہو وہ بالاتفاق ناقض نہیں ہے کذافی الطحطاوی) مگر وہ بلغم جو کھانے کے ساتھ ملا ہوا نکلا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا (یعنی اگر بلغم غالب ہے تو ناقض وضو نہیں ہے اور اگر کھانا غالب ہے تو ناقض وضو ہوگا، اور اگر دونوں برابر ہوں پس ہر ایک کا اعتبار علحدہ علحدہ ہے، یعنی اگر کھانا اتنا ہے کہ منہ بھر گیا تو وضو ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

اور وضو کو پیٹ اور منہ کا وہ پیلا خون توڑتا ہے جو تھوک پر غالب ہو گیا ہو، اس لئے کہ غالب پر ہی حکم ہوتا ہے، یا وہ تھوک کے برابر ہو تو بھی احتیاطاً ناقض وضو ہوگا، اور وہ خون وضو کو نہیں توڑتا جو تھوک سے کم ہو۔

تشریح خون کے غالب ہونے کی صورت یہ ہے کہ تھوک سرخ ہو، اور اس کے مغلوب یعنی کم ہونے کی صورت یہ ہے کہ تھوک زرد ہو۔

والقیح کالدم والا ختلاط بالمخاط کالبزاق وکذا ینقضه علقة مصت عضو اومثلات من الدم ومثلها القرادان کان کبیرا لانه حینئذ یخرج منه دم مسسفوح سائلٌ کذا فی الخانیة والاتکن العلقة والقراد کذالك لا ینقض کبعوض وذباب کما فی الخانیة لعدم الدم المسفوح وفی القهستا نی لا نقض مالم یتجاوز الورم.

ترجمہ اور پیپ وضو کو توڑنے میں خون کی مانند ہے، یعنی اگر پیپ غالب یا برابر ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، اور خون و پیپ کا رینٹ سے ملنا حکم میں تھوک سے ملنے کی طرح ہے یعنی اگر غالب یا برابر ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔ اور اسی طرح وضو کو وہ جونک اور کیڑا توڑتا ہے جس نے عضو کو چوسا اور خون سے پھول گیا اور چیچڑی وضو توڑنے میں جونک کی طرح ہے، اگر وہ چیچڑی بڑی ہو اس لئے کہ اس وقت اس سے جونک کی طرح بہتا خون نکلتا ہے اور اگر جونک اور چیچڑی ایسی نہ ہو کہ اس سے بہتا خون نکلے تو وہ ناقض وضو نہیں ہے جیسے مچھر اور مکھی کہ ان کے کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں صراحت ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا کیوں کہ اس میں بہنے والا خون نہیں ہوتا ہے۔ اور قہستانی میں ہے کہ خون اس وقت تک ناقض وضو نہیں جب تک ورم سے تجاوز نہ کر جائے۔ (البحرالرائق میں ہے اگر زخم کا سرا ورم کر جائے اور اس سے پیپ وغیرہ ظاہر ہو، تو یہ اس وقت تک وضو کو نہ توڑے گا جب تک ورم سے تجاوز نہ کر جائے، اس واسطے کہ ورم کی جگہ کا دھونا واجب نہیں ہے اور شرط یہ ہے کہ اس حصۂ جسم کی طرف وہ تجاوز کر جائے جس کی تطہیر کا حکم وجوبی طور پر ہو طحطاویؒ نے صراحت کر دی ہے کہ یہ حکم اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ورم کا دھونا اور مسح کرنا ضرر رساں

ہو، اور اگر ایسا نہیں ہے تو ورم کا دھونا واجب ہوگا، اور اس صورت میں وضو تجاوز نہ کرنے کی صورت میں بھی ٹوٹ جائے گا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شامی)۔

ولو شدّ بالرباط ان نفذ البلل للخارج نقض

ترجمہ اگر کسی نے زخم کو پٹی سے باندھا، اس صورت میں اگر تری باہر سے نفوذ کر جائے تو وہ وضو کو توڑ ڈالے گی (فتح القدیر میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اگر وہ زخم ایسا تھا کہ اگر پٹی اس کے اوپر نہ ہوتی تو وہ بہتا، تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا، بدائع میں ہے کہ اگر کوئی زخم پر راکھ یا مٹی ڈال دے اور وہ مٹی اور راکھ اس میں تر ہو جائے یا اس پر پٹی باندھ دے اور وہ تر ہو جائے اور مواد اس میں سرایت کر جائے تو علماء فقہ نے کہا ہے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ پیپ یا خون بہنے والا پایا گیا)۔

ویجمع متفرق القیٔ ویجعل کقیٔ واحد لاتحاد السبب وهو الغثیان عند محمد وهو الاصحّ لان الاصل اضافة الاحكام الى اسبابها الا لمانع كما بسط فی الکافی

ترجمہ وہ قے جو متفرق ہوئی ہے اور وہ بھر منہ نہیں ہے، اسے جمع کیا جائے گا اور اسے ایک قے کے حکم میں مانا جائے گا اس وجہ سے کہ اس کا سبب ایک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ سبب متلی ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے اس لئے اصل یہ ہے کہ احکام کی نسبت اس کے اسباب کی طرف ہوتی ہے، ہاں اگر اسباب کی طرف نسبت کرنے سے کوئی چیز مانع ہو تو سبب کی طرف نسبت نہ ہوگی جیسا کہ اس کی تشریح کافی میں کی گئی ہے۔

تشریح امام محمدؒ سبب کا اتحاد مانتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ مجلس کے اتحاد کا اعتبار کرتے ہیں، اب اگر کسی نے تھوڑی تھوڑی کئی مرتبہ قے کی، جس کا مجموعہ منہ بھر ہوتا ہے۔ اب اگر ایک مجلس میں یہ تھوڑی تھوڑی اتنی مرتبہ ہوئی ہے کہ جمع کرنے کی صورت میں منہ بھر ہو جاتی ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ وضو ٹوٹ جائے گا، خواہ سبب کئی ہوں، اور امام محمدؒ سبب کا اعتبار کرتے ہیں، اور یہ سبب قے میں متلی ہے، مثلاً ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ اس طرح قے ہوئی کہ ابھی طبیعت کو سکون نہ ہوا تھا، اس طرح متعدد قے ہوئی تو سب ملا کر منہ بھر کے برابر ہو جائے گی تو یہ ناقض وضو ہے خواہ مجلس کئی ہوں۔

وکل مالیس بحدث اصلا بقرینة زیادة الباء کقیٔ قلیل ودم لوترك لم یسل لیس بنجس عند الثانی و هو الصحیح رفقا باصحاب القروح خلافا لمحمد وفی الجوهرة یفتی بقول محمد لوالمصاب مائعا

ترجمہ اور ہر وہ چیز جو کسی طرح بھی حدث یعنی ناقض وضو نہیں ہے، وہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناپاک بھی نہیں ہے جیسے تھوڑی قے اور اتنا کم خون کہ اگر اس کو چھوڑ دے تو نہ بہے، شارح نے کہا کہ اصلاً کی قید ہم نے باء زائدہ کے قرینہ کے پیش نظر لگائی ہے، اور تھوڑی قے اور خون کا ناپاک نہ ہونا یہی قول صحیح ہے اور زخمیوں کی آسانی بھی اسی میں ہے، یہ قول امام محمدؒ کے خلاف ہے کہ ان کے نزدیک تھوڑی قے اور خون ناپاک ہے اور جوہرہ نیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر لیا جائے گا اگر یہ تھوڑی قے اور خون کسی پتلی چیز میں مل گیا ہو۔

تشریح: — علم نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ جب خبر پر باء زیادہ ہو تو وہ عموم نفی پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ اس عموم کو ظاہر

کرنے کے لئے شارح نے اصلاً کی قید بڑھادی۔ کہ وہ کسی طرح بھی ناقض وضو نہ ہو، اس قید سے اس حدث سے احتراز ہو گیا، جو معذور سے نماز کے وقت خارج ہوتا ہے مثلاً ایک معذور شخص ہے اس کو پیشاب جاری رہتا ہے یہ اس کے لئے ناقض وضو نہیں ہے لیکن وہ ناپاک ہے اس وجہ سے کہ غیر معذور کے واسطے پیشاب حدث ہے اور اب اصلاً کی قید لگادینے سے اس کلیہ میں وہ داخل نہیں رہا، لہٰذا یہ کلیہ ایک درجہ میں درست رہا کہ جو کسی طرح بھی حدث نہیں ہے وہ ناپاک بھی نہیں ہے، ہاں اس کے برعکس یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جو نجس نہیں وہ حدث نہیں، اس لئے کہ نوم، بے ہوشی، اور ریح نجس (ناپاک) نہیں ہے مگر بایں ہمہ حدث یعنی ناقض وضو ہے، کذافی الطحطاوی، علامہ شامیؒ نے اصلاً کا ترجمہ "فی کل وقت" سے کیا ہے۔

در رمیں ہے کہ تھوڑی قے اس وجہ سے ناپاک نہیں ہے کہ وہ معدہ کے اوپر سے خارج ہوتی ہے اور یہ نجاست کی جگہ نہیں ہے، باقی قلیل خون سو یہ سفوح یعنی بہنے والا نہیں ہے اور حرام دمِ مسفوح کو کہا گیا ہے تو یہ نجس بھی نہیں ہوا، اور آدمی کا غیر مسفوح خون اپنی اصلی طہارت پر ہے اگر چہ وہ بوجہ حرمتِ گوشت حرام ہے اور اس حرمت کی وجہ انسان کی عظمت و بزرگی ہے نجاست نہیں۔

اخیر میں یہ بتادیا کہ اگر یہ تھوڑی قے اور رخون کسی بہنے والی پتلی چیز جیسے پانی وغیرہ میں ملے تو امام محمدؒ کے قول پر ناپاک ہونے کا فتویٰ ہوگا اور اگر کپڑے وغیرہ میں لگے تو امام ابو یوسفؒ کے قول پر پاک رہے گا۔

وینقضه حکماً نوم یزیل مسکة ای قوته الما سکة بحیث تزول مقعدته من الارض وهو النوم علی احد جنبیه اوور کیه اوقفاه اووجهه والا یزل مسکته لا ینقض وان تعمده فی الصلوٰة اوغیرها علی المختار کالنوم قاعداً ولو مستنداً الیٰ مالوازیل لسقط علی المذهب اوسا جداً علی الهیئة المسنونة ولو فی غیر الصلوٰة علی المعتمد ذکره الحلبی اومتورکا او محتبیا و راسه علی رکبتیه اوشبه المنکب اوفی محمل اوسرج اواکافٍ اوالدابة عریا ناً فان حال الهبوط نقض والالا

ترجمہ اور حکم شریعت میں وضو کو وہ نیند توڑ ڈالتی ہے جو آدمی کی قوتِ ماسکہ کو اس طرح زائل کردے کہ اس کی مقعد زمین سے لگی نہ رہے، قوت ماسکہ اس قوت کو کہتے ہیں جس سے آدمی اندر کی ریح (ہوا) کو روکتا ہے، اور وہ کسی کروٹ پر سوتا ہے، یا کسی کلہے پر، یا گدی پر، یا چہرہ پر، یعنی چار طرح کا سونا ناقض وضو ہے (۱) کروٹ (۲) کسی ایک کلہے پر ٹیک لگا کر (۳) چت (۴) پٹ۔ ان چاروں صورتوں میں قوتِ ماسکہ (روکنے والی قوت) باقی نہیں رہتی، اور اگر ایسی نیند ہو کہ اس سے قوتِ ماسکہ زائل نہیں ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے تو وہ وضو کو نہیں توڑے گی، اگر چہ وہ نماز یا غیر نماز میں قصداً سو گیا ہو، مذہب مختار یہی ہے، جیسے دونوں سرین پر بیٹھ کر سونا، اگر چہ ایسی چیز کے سہارے سو گیا ہے کہ اگر اس کو ہٹالیا جائے تو سونے والا گر جائے۔ مذہبِ مختار کی بنیاد پر۔ یا جیسے سجدہ کی حالت میں مسنون ہیئت پر سو جانا، گو یہ سونا غیر نماز میں ہو، قولِ معتمد یہی ہے اور اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے، یا اکڑوں بیٹھ کر سونا اس طرح کہ دونوں پنڈلیاں چھاتی سے لگی ہوں اور ان دونوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا ہو، یا کپڑا لپیٹ لیا ہو اور سر گھٹنوں پر ہو، اور اگر سر گھٹنوں پر نہ ہو تو اس طرح سونا بدرجہ اولیٰ ناقض وضو نہیں، یا اوندھے کی مانند سونا، اس طرح کہ دونوں سرین ایڑیوں پر ہوں اور پیٹ رانوں پر، اور وہ اوندھے کی طرح ہو گیا ہو، یا سونا

کجاوے میں یا زین پر، یا پالان پر اور اگر جانور کی پیٹھ ننگی ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ اگر گرنے کی حالت پر ہے یعنی بلندی سے نشیب کی طرف آرہا ہے تو ناقضِ وضو ہے ورنہ نہیں۔ گرنے کی حالت میں اس لئے وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ سرین جمی نہ رہی، اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور اس صورت میں خروجِ ریح کو جو مانع تھا وہ باقی نہ رہا۔

تشریح نیند جس کو ناقضِ وضو قرار دیا، وہ ایسی ہو کہ قوت ماسکہ باقی نہ رہے، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نفس سونا ناقضِ وضو نہیں ہے، بلکہ نیند میں ایک طرح کی جو غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور ہوا کے نکلنے نہ نکلنے کی خبر باقی نہیں رہتی ہے وہ ناقضِ وضوء ہے اس لئے اب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر چوتڑ خوب جمی ہے جس سے ہوا کے نکلنے کا اندیشہ نہیں ہے تب تو یہ حالت ناقضِ وضو کی نہیں اور اگر ایسی صورت نہیں ہے بلکہ سرین اٹھ گئی ہے یا ہل گئی ہے تو اس کو خروجِ ریح کے قائم مقام مان لیا، اس لئے عادتاً ایسا ہی ہوا کرتا ہے، اسی وجہ سے کہا کہ اگر نماز میں یا غیر نماز میں قصداً سو گیا مگر اس طرح کہ اس کی قوتِ ماسکہ ختم نہیں ہوئی ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ چنانچہ وضو جن نیندوں میں نہیں ٹوٹتا اس کی تفصیل بیان کی، جیسے کھڑے ہو کر سو جانا، سجدے کی حالت میں سو جانا، لو کڑوں بیٹھ کر سو جانا، اوندھے کی طرح ہو کر سو جانا کہ ان حالتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا۔

سجدۂ مسنون کی ہیئت پر سونا بھی ان صورتوں میں داخل ہے اس کی ہیئت یہ ہے کہ پیٹ رانوں سے علٰحدہ ہو، اور بازو پہلو سے علٰحدہ ہوں، اسی طرح حالت قیام یا رکوع کی حالت میں سو جانا یا چوتڑ کے بل سو جانا، اس طرح کہ دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر پھیلائے ہوئے ہو۔ اور چوتڑ زمین پر جمائے ہوئے ہو، اور ان حالتوں میں سو گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح جانور کی پیٹھ پر جم کر سو جانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا، کہ اس ہیئت میں بھی جوڑ ڈھیلے نہیں پڑتے۔

ولو نام قاعداً یتما ئل فسقط ان انتبه حین سقط فلا نقض به یفتی کنا رعس یفهم اکثر ماقیل عنده وغیرذالك من المذكورات والعته لا ینقض كنوم الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام وهل ینقض اغماؤ هم وغشیتهم ظاهر كلام المبسوط نعم.

ترجمہ اور اگر کوئی بیٹھنے کی ایسی حالت میں سو گیا کہ وہ نیند سے بوجھل ہو کر جھوم رہا تھا، پھر وہ گر پڑا اور گرتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تو اس کا وضو نہیں ٹوٹا، اسی قول پر فتویٰ دیا گیا ہے جیسے اس شخص کا وضو نہیں ٹوٹتا ہے جو اس طرح اونگھتا ہو کہ وہ اپنے پاس کی جانے والی بات چیت کا اکثر حصہ سمجھتا ہو کذا فی الخانیہ اور اختلال عقلی اور اختلاط کلامی بھی ناقضِ وضو نہیں ہے، جس طرح انبیاء کرام کی نیند ناقضِ وضو نہیں، باقی ان کی بیہوشی غشی ناقضِ وضو ہے یا نہیں مبسوط کے ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناقضِ وضو ہے۔

تشریح فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر کوئی کسی چیز پر چار زانو ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا سو گیا ہے تو شمس الائمہ حلوائی کہتے ہیں کہ اس کا یہ سونا وضو کا توڑنے والا نہیں ہے، اس کا منشا یہ ہوا کہ اگر کوئی اس طرح سویا ہے کہ استرخاء مفاصل نہیں پایا گیا، اور جو قوت خروجِ ریح کو روکتی ہے وہ زائل نہیں ہوئی ہے بلکہ باقی ہے تو وضو باقی رہے گا، ورنہ نہیں۔

عَتَہ عین کے زبر اور تاء کے سکون کے ساتھ ہے، اس کے معنی ہیں ایسی آفت جو انسانی عقل میں اختلال پیدا کرے ... اور اسے بات پر کنٹرول باقی نہ رہے۔ ایسا مختل الحواس آدمی نہ کسی کو مارتا ہے اور نہ گالیاں دیتا ہے، اس کا وضو اس لئے

باقی قرار دیا گیا ہے کہ فقہاء اس کی عبادت کو درست کہتے ہیں، گو وہ مکلف نہیں ہے، جس طرح سمجھدار نابالغ بچہ ہے وہ گو وہ مکلف نہیں ہے مگر اس کی عبادت جائز ہے، کذا فی الطحطاوی۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند کا ناقضِ وضو نہ ہونا فقہ کی کتابوں اور احادیث میں صراحتاً مذکور ہے، صحیحین میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سو گئے، سونے کی آواز محسوس کی گئی، پھر جاگ کر بغیر تازہ وضو آپ نے پہلے ہی وضو سے نماز پڑھی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، میری آنکھیں تو بلاشبہ سوتی ہیں، لیکن میرا دل بیدار رہتا ہے۔

باقی لیلۃ التعریس کا واقعہ کہ ایک سفر میں رحمتِ عالم ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا صبح پر نظر رکھو اور خود لیٹ گئے، حضرت بلال کی آنکھ لگ گئی، ادھر سرور کونین ﷺ بھی سو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ پورا قافلہ ہی سویا رہ گیا، بعد طلوعِ آفتاب جب آنکھ کھلی تو سبھوں نے ذرا آگے چل کر قضا نماز پڑھی، اس حدیث میں ہے کہ آپ نے وضو فرمایا، اس دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کی نیند ناقضِ وضو تھی، تب تو آپ نے دوبارہ وضو کیا، اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت وضوامت کی آگاہی کے لئے تھا کہ سونے سے تم لوگوں کا وضو جاتا رہتا ہے، اور نیند کی حالت میں گو عقل بیدار ہوتی ہے، لیکن آنکھیں تو انبیاء کرام کی بھی بند رہتی ہیں، اس لئے وقت کا نہ معلوم ہونا حیرت انگیز نہیں۔

"اغماء" (بے ہوشی) بیماری کی ایک قسم ہے جس سے قوتِ عقل کمزور ہو جاتی ہے، زائل نہیں ہوتی، یا یوں کہا جائے کہ وہ عقل کو چھپا لیتی ہے، باقی جنون تو وہ عقل کو زائل کر ڈالتا ہے۔

"غشی" قوتِ محرکہ اور قوتِ احساس کے معطل ہو جانے کا نام ہے اور یہ کیفیت دل کی کمزوری یا بھوک کی شدت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ قہستانی میں مذکور ہے کہ غشی اختیار کے زائل کرنے اور قدرت کے کھونے میں نیند کے برابر بلکہ اس سے زائد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سونے والا جگائے جانے کے بعد ہوشیار ہو جاتا ہے، بخلاف غشی اور بے ہوشی کے، کہ اس حالت میں ہوشیار کرنے کے باوجود آدمی ہوشیار نہیں ہوتا، بلکہ اسے اس کا دیر تک احساس تک نہیں ہوتا، کذا فی الطحطاوی۔

وينقضه اغماء ومنه الغشي وجنون وسكر بان يدخل فى مشيه تمايل ولو باكل الحشيشة وقهقهة (فيه) هي ما يسمع جيرانه بالغ ولو امراةٍ سهواً يقظان فلا يبطل وضوء صبي ونائم بل صلوٰتهما به يفتى يصلي ولو حكما كالباني بطهارة صغرى ولو تيمما صلوٰة مستقلة فلا يبطل وضوءٌ فى ضمن الغسل لكن رجع فى الخانية والفتح والنهر النقض عقوبة له وعليه الجمهور كما فى الذخائر الاشرفية صلوٰةً كاملةً لو عند السلام عمداً فانها تبطل الوضوء لا الصلوٰة خلا فالزفر كما حرره فى الشرنبلالية ولو قهقهه امامه اوا حدث عمداً ثم قهقهه المؤتم ولو مسبوقاً فلا نقض بخلافها بعد كلامه عمداً فى الاصح.

ترجمہ بے ہوشی، غشی، اور جنون (پاگل پن) وضو کو توڑ ڈالتے ہیں اور اس نشہ سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جس سے آدمی جھومنے لگے، خواہ یہ نشہ بھنگ کھانے کی وجہ ہی سے کیوں نہ ہوا ہو، اور جاگا ہوا بالغ آدمی اس رکوع سجدہ والی نماز میں زور سے ہنسے جس کے لئے اس نے مستقل طور پر وضو یا تیمم کیا ہو، پھر وہ اس نماز میں حقیقتاً ہو یا حکماً ہو، حکماً کی صورت یہ ہے

کہ نماز پڑھتے ہوئے اسے حدث ہو گیا جس سے وضو ٹوٹ گیا، چنانچہ وہ خاموشی سے نماز چھوڑ کر وضو کرنے چلا کہ وضو کرکے بقیہ نماز پوری کرے گا، وضو کرکے آرہا تھا کہ کسی بات پر وہ زور سے ہنسنے لگا، تو یہاں گو حقیقتاً نماز کے حکم میں نہیں ہے مگر حکماً نماز ہی میں ہے اس لئے کہ پہلی نماز پر بنیاد رکھنے والا تھا، تو ان دونوں صورتوں میں اس نمازی کا وضو ٹوٹ جائے گا، اور زور سے ہنسنا اسے کہا جاتا ہے کہ ہنسی اس کے پاس والا آدمی سنے۔

لہٰذا اگر کوئی سمجھدار نابالغ یا نیت نماز میں سو جانے والا زور سے ہنسے گا تو ان دونوں کا وضو نہیں ٹوٹے گا، ان کی صرف نماز باطل ہوگی، مفتی بہ مسئلہ یہی ہے، اسی طرح اس بالغ بیدار شخص کا وضو بھی نہیں ٹوٹے گا، جس نے نماز کے لئے مستقل وضو یا تیمم نہیں کیا تھا، بلکہ اس نے اس وضو سے نماز پڑھنا شروع کی تھی جو غسل کے ضمن میں پایا گیا تھا لیکن خانیہ، فتح القدیر اور نہر الفائق میں ہے کہ اس شخص کا بھی وضو قہقہہ سے ٹوٹ جائے گا اور ان لوگوں نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے، جیسا کہ ذخائر اشرفیہ میں صراحت موجود ہے، اور یہ اس وجہ سے تاکہ ہنسنے والی سزا اس صورت سے ہو جائے۔

یہ زور سے ہنسنا (قہقہہ) وضو کو مذکورہ صورت میں توڑ ڈالتا ہے، خواہ اس کا یہ زور سے ہنسنا سلام پھیرنے کے وقت جان بوجھ کر پایا گیا ہو، لیکن اس صورت میں نماز باطل نہ ہوگی، صرف وضو ٹوٹے گا اور آئندہ بغیر وضو نماز نہیں پڑھ سکتا۔ البتہ امام زفرؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں صراحت کی ہے۔

اور اگر مقتدی کا امام زور سے ہنسا، یا عمداً اس نے حدث کیا پھر اس کے بعد مقتدی زور سے ہنسا خواہ وہ مقتدی مسبوق ہی کیوں نہ ہو، تو اس حالت میں مقتدی کا وضوء قہقہہ سے نہیں ٹوٹے گا اس وجہ سے کہ امام جب زور سے ہنسا یا اس نے جان بوجھ کر حدث کیا تو نماز باطل ہوگئی۔ اب مقتدی جب زور سے ہنسا تو وہ ہنسنا نماز کے خارج میں پایا گیا، اور نماز سے باہر زور سے ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے بخلاف اس صورت کے کہ امام نے قصداً نماز میں کلام کیا، پھر مقتدی قہقہہ مار کر ہنسا تو مقتدی کا وضو نہیں ٹوٹے گا صحیح تر قول یہی ہے، یعنی بعض نے تو کہا ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا، مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح اغماء اور غشی کی تشریح گزر چکی ہے، جنون یعنی دیوانگی زوال عقل کا نام ہے، ان تمام حالتوں میں آدمی ہوش حواس کھو دیتا ہے اسے حدث اور عدم حدث کی تمیز باقی نہیں رہتی، اسی لئے کہا گیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر جنون کا ہونا صحیح نہیں ہے کہ اس میں آدمی مسلوب العقل ہو جاتا ہے۔

نشہ اور مستی نام ہے اس سرور کی کیفیت کا جو عقل پر غالب ہو جاتی ہے، اور اس حالت میں آدمی کا حواس کام نہیں کرتا، عقل زائل ہوتی ہے یا نہیں دونوں قول آئے ہیں لیکن بہر حال وہ خطاب شرع کے لائق باقی نہیں رہتا۔

قہقہہ یعنی زور سے ہنستا کہ پاس والا اس ہنسی کو سنے، قیاس یہ چاہتا ہے کہ اس سے وضو نہ ٹوٹے، کیونکہ اس میں کوئی نجاست کی علت نہیں پائی جاتی، اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ قہقہہ ناقض وضو نہیں ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ چھ صحابیوں سے مرفوعاً روایت ہے کہ قہقہہ کی صورت میں آں حضرت ﷺ نے وضو اور نماز دونوں کو لوٹانے کا حکم فرمایا، معجم طبرانی میں ابو العالیہؒ ابو موسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی آیا اور اس گڑھے میں گر پڑا جو مسجد میں تھا، اس کی وجہ سے بہت سے نمازی زور سے ہنس پڑے، آں حضرت ﷺ نے ہنسنے والوں کو حکم فرمایا کہ وہ وضو اور نماز دونوں کا اعادہ کریں۔

بیہقیؒ نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ یہ مرسل روایت ہے۔ ابو العالیہ نے صحابی کا نام نہیں لیا ہے۔ آں حضرت ﷺ سے روایت کی ہے احناف” یہ کہتے ہیں کہ مرسل حدیث حجت ہے۔ اور ابو العالیہ کے مرسل کے صحیح ہونے میں کلام نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ پر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث مرسل کو چھوڑ کر قیاس پر کس طرح عمل کیا جبکہ خود ان کا اصول یہ ہے کہ وہ حدیث مرسل اور ضعیف کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔

ہنسی کی تین قسمیں ہیں ایک قہقہہ کہ دوسرا بھی اس کی ہنسی کو سنے، دوسری قسم ضحک کہ خود سنے، دوسرا نہ سنے، تیسری قسم تبسم جس میں مطلق آواز نہ ہو، صرف دانت کھل جائیں، قہقہہ سے نماز اور وضو دونوں باطل ہوتی ہیں، ضحک سے نماز باطل ہوتی ہے وضو باطل نہیں ہوتا اور تبسم سے نہ نماز جاتی ہے اور نہ وضو۔

طہارتِ صغریٰ، وضو یا تیمم کو کہتے ہیں، اور طہارتِ کبریٰ غسل کو، کسی نے پہلے وضو کیا پھر غسل کیا اور اس کے بعد نماز پڑھی تو یہ نماز وضو مستقل سے کہی جائے گی یا ضمنی غسل والے سے، ظاہر یہ ہے کہ وضو مستقل سے کہی جائے گی کذا فی الطحاوی۔

رکوع، سجدہ والی نماز کو صلوٰۃ کاملہ کہا گیا ہے خواہ یہ رکوع یا سجدہ کے ساتھ پڑھی جائے خواہ اس کو کوئی مجبور و معذور سر کے اشارہ سے پڑھے، لہٰذا اگر کوئی نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت میں زور سے ہنسے گا تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، اس لئے یہ صلوٰۃ کاملہ میں داخل نہیں ہے۔ ہاں اس کی نماز اور سجدہ باطل ہو جائے گا۔

یہ جو کہا گیا کہ سلام پھیرنے کے وقت قصداً قہقہہ لگائے تو یہاں قصداً و عمداً کی قید اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ خروج بصنعہ یعنی اپنے فعل سے نماز سے باہر آنا پایا جائے، تو اس صورت میں نماز باطل نہیں ہوگی، مگر وضو جاتا رہے گا، نماز اس وجہ سے باطل نہیں ہوگی کہ نماز کے اخیر میں پایا گیا۔

یہ جو کہا کہ سلام پھیرنے کیوقت امام نے قہقہہ لگایا پھر مقتدی نے لگایا تو وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن اگر امام نے عمداً کلام کیا اس کے بعد مقتدی زور سے ہنسا تو مقتدی کا وضو نہیں ٹوٹے گا، یہاں یہ بتایا کہ قہقہہ اور کلام میں فرق ہے۔ کلام نماز کو قطع کر دیتا ہے اس میں فساد پیدا نہیں کرتا، لہٰذا اس صورت میں جب طہارت ختم نہیں ہوئی تو مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوئی اور قہقہہ نماز کے اندر پایا گیا، اور جو قہقہہ نماز کے اندر ہو وہ وضو کو توڑ دیتا ہے، بخلاف پہلی صورت کے کہ امام نے قہقہہ لگایا عمداً حدث کیا تو اس کی وجہ سے اس کی طہارت جاتی رہی، تو اب اس حال میں مقتدی کا قہقہہ حالتِ نماز میں نہیں پایا گیا، لہٰذا اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا کذا فی الطحطاوی۔

ومن مسائل الامتحان لونسی البانی المسح فقهقهه قبل قیامه للصلوٰة انتقض لا بعده لبطلانها بالقیام الیها.

ترجمہ اور آزمائش والے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر بانی (یعنی بنا کرنے والا) سر یا موزے کا مسح کرنا بھول گیا، پھر اس نے نماز شروع کرنے سے پہلے زور سے قہقہہ لگایا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اس لئے کہ بنا کرنے والا حکماً

نماز نہیں ہے۔ خواہ وہ وضو کے لئے جا چکا یا آ رہا ہے۔ اور اگر نماز شروع کرنے کے بعد زور سے ہنسا، تو وضو نہیں ٹوٹا، اس وجہ سے نماز شروع کرنے سے نماز باطل ہو گئی، اس لئے کہ جب وہ مسح بھول گیا تھا تو اس کا وضو جائز نہیں ہوا، لہٰذا اس حال میں وہ جو نماز پڑھ رہا ہے بغیر طہارت (وضو) کے پڑھ رہا ہے اور بے طہارت نماز درست نہیں ہے بس معلوم ہوا کہ قہقہہ نماز کے اندر نہیں بلکہ باہر پایا گیا، اور جو قہقہہ نماز کے باہر ہو وہ ناقضِ وضو نہیں۔

تشریح منشاء یہ ہے کہ اگر کسی کا امتحان لینا ہو کہ وہ اس مسئلہ سے واقف ہے یا نہیں تو اس طرح پوچھے کہ بتاؤ وہ کون سا قہقہہ ہے کہ جب نماز کے اندر ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا اور نماز سے خارج میں ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، کذا فی الطحطاوی۔

ومباشرة فاحشة بتماس الفرجين ولو بين المرأتين والرجلين مع الانتشار للجانبين المباشر ولو بلا بلل على المعتمد

ترجمہ اسی طرح مباشرت سے دونوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ دونوں کی شرمگاہیں انتشار کے ساتھ آپس میں مل جائیں یعنی لگانے والے اور جس کو لگایا جائے ان دونوں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اگرچہ اس مباشرت میں مذی کی تری نہ پائی، معتمد قول یہی ہے، خواہ یہ مباشرت دو عورتوں کے درمیان ہو خواہ دو مردوں کے، یا ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان۔

تشریح مرد و عورت کا عضو مخصوص شرمگاہ کہا جاتا ہے، شہوت کے وقت ان میں قدرتی طور پر ابھار پیدا ہو جاتا ہے اسے انتشار کہتے ہیں، شرمگاہیں اس طرح ملیں کہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں دو شخصوں کی شرمگاہوں کے باہم ملنے سے جب ان میں انتشار ہو، وضو ٹوٹ جاتا ہے مذی نکلے یا نہ نکلے دونوں حالتوں میں، اور یہی قول قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے حلبیؒ نے شرح منیۃ المصلی میں اسی کو راجح قرار دیا ہے اور متون فقہ میں یہی مذکور بھی ہے کذا فی الطحطاوی عن البحر، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں مباشرت فاحشہ اس وقت تک ناقضِ وضو نہیں ہے جب تک کچھ پانی وغیرہ اعضاء مخصوصہ سے نہ نکل پڑے۔

عالمگیری میں ینابیع کے حوالے سے امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ اور نصاب نامی کتاب کی جو تصحیح نقل کی گئی ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہے، کیونکہ یہ متون فقہ کے خلاف ہے۔

لاينقضه مس ذكر لكن يغسل يده ندباً (سره بنت صفوان طلق بن على عن ابيه) مختصراً، وامرأة وامرد لكن يندب للخروج من الخلاف لاسيما للا مام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه (فى) مذهبه (الطحطاوى عن الحلبى) كما لاينقض لو خرج من اذنه ونحو ها كعينه وثديه قيح ونحوه كصديد وماء سرّة وعين لابوجع وان خرج به اى بوجع نقض لانه دليل الجرح

ترجمہ شرمگاہ کا چھونا وضو کو نہیں توڑتا ہے، ہاں مستحب یہ ہے کہ ہاتھ دھو لے اور اسی طرح عورت اور بے ریش لڑکے کا چھونا بھی ناقضِ وضو نہیں ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ ائمہ کے اختلاف سے بچنے کے لئے ان حالتوں میں دوبارہ وضو کر لے، بالخصوص وہ شخص جو امامت کے فرائض انجام دیتا ہے اس لئے اس کے پیچھے سب طرح کے لوگ نماز پڑھتے ہیں، اور

اس طرح کے استحباب پر عمل کے لئے شرط یہ ہے کہ اپنے مذہب کے مطابق کسی مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

اوپر کی صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا ہے جس طرح کہ اگر وضو کرنے والے کے کان یا اس جیسے دوسرے حصۂ بدن سے جیسے اس کی آنکھ اور پستان سے بغیر درد پیپ نکلے، یا اس طرح کی کوئی اور چیز نکلے جیسے زرد پانی، اور ناف وغیرہ کا پانی (پیپ) تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے ہاں اگر یہ پیپ وغیرہ درد کے ساتھ نکلا ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اس لئے کہ درد کے ساتھ نکلنا زخم کی دلیل ہے۔

تشریح　شرمگاہ کے چھونے سے متعلق روایات

مس ذکر یعنی شرمگاہ چھونے کے سلسلہ میں دو حدیثیں آئی ہیں ایک حضرت بُسرہ بنتِ صفوانؓ کی اس میں ہے کہ جو اپنی شرمگاہ چھوئے اسے چاہئے کہ وضو کرے مَنْ مَسَّ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ اور دوسری حدیث حضرت طلق بن علی ابیہ کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اس حدیث کو ترمذیؒ نے اصح واحسن قرار دیا، اور پہلی حدیث کو یحیٰ ابن معین نے ضعیف کہا ہے، ان دونوں میں تطبیق کی یہ صورت احناف نے پیدا کی ہے کہ پہلی حدیث میں وضو سے مراد ہاتھ کا دھونا لیا ہے، یعنی جو شخص اپنی شرمگاہ چھوئے اسے چاہئے کہ اپنا ہاتھ دھوڈالے، اس طرح دونوں میں کوئی اختلاف نہیں باقی رہتا۔

امام شافعیؒ عورت کے چھونے کو ناقضِ وضو بتاتے ہیں، اور دلیل میں آیت اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ پیش کرتے ہیں۔ احنافؒ کہتے ہیں کہ یہاں لمس سے مراد جماع ہے، یعنی جب عورتوں سے جماع کرو، اور اس معنی کے کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آں حضرت ﷺ کے پاؤں نماز کے اندر چھوئے۔ اور صحیحین میں ہے کہ آں حضرت ﷺ رات میں نماز پڑھتے ہوتے اور حضرت عائشہؓ کا پاؤں نیند کی بے خبری میں آپؐ کے سامنے آجاتا تو آپؐ ہٹادیا کرتے تھے، ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عورت کا چھونا ناقضِ وضو نہیں ہے۔

کان، آنکھ وغیرہ سے اگر درد کے ساتھ پیپ وغیرہ نکلے تو اس کو ناقضِ وضو کہا گیا ہے، اور جو بغیر درد نکلے وہ ناقضِ وضو نہیں ہے صاحب البحر الرائق نے لکھا ہے کہ نفس پانی نکلے تب تو یہ درد والی تفصیل درست ہے لیکن پیپ اور پہلے پانی میں یہ کہنا مناسب نہیں اس لئے کہ بغیر زخم کے پیپ وغیرہ نکلا ہی نہیں کرتی، لیکن النہر الفائق نے اس کا جواب دیا ہے کہ درد کا پایا نہ جانا یہ خود صحت کی علامت ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ زخم اچھا ہو چکا ہو اس کے بعد پیپ رُکا رُکا یا کہیں سے آگیا ہو، اور عالم گیری میں درد کی تفصیل کے مطابق شمس الائمہ کا فتویٰ نقل کیا ہے اور کہا کہ ذخیرہ، ذیلعی، اور سراج الوہاج میں بھی اسی طرح مذکور ہے، اس سب کا منشاء یہ ہے کہ صاحبِ بحر کا شبہ لائق توجہ نہیں ہے۔

فدمع من بعينه رمد اوعمش ناقض فان استمر صارذ اعذر مجتبى والناس عنه غافلون كما ينقض لوحشي احليله بقطنة وابتل الطرف الظاهر هذالوالقطنة عالية اومحاذية لراس الاحليل وان مستفلة عنه لاينقض ولو سقطت فان رطبةانتقض الالاوكذالوادخل اصبعه فى دبره ولم يغيبها فان غيبهااوادخلها عند الاستنجاء بطل وضوء ہ وصومه فروع

ترجمہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ درد کا پانی اور پیپ جو نکلے وہ ناقض وضو ہے، اسی پر قیاس کر کے کہا گیا ہے جس کی آنکھ آگئی ہو اور دکھتی ہو، یا اس طرح چوندھی ہے کہ اکثر اس سے پانی آتا رہتا ہے تو ایسے شخص کا آنسو ناقض وضو ہے، اور اگر پانی بہنا دائمی ہے تو ایسا شخص معذور کے حکم میں ہو گا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، کذافی المجتبی، اور عام لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں یعنی وہ یہ نہیں جانتے کہ دکھنے والی آنکھ کا آنسو ناقض وضو ہے، یہ دکھنے والی آنکھ کا آنسو اسی طرح ناقض وضو ہے جس طرح کوئی شخص اپنے پیشاب کے سوراخ میں روئی بھر دے اور روئی کا ظاہری اور باہری حصہ پیشاب سے تر ہو جائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا لیکن یہ اس وقت ناقض وضو ہو گا جب روئی پیشاب کے سوراخ سے اوپر اٹھی اور ابھری ہوئی ہو یا اس کے برابر، اور اگر وہ سوراخ کے سرے سے نیچی ہے یعنی اندر کی طرف ہے تو اس صورت میں روئی کے تر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس وجہ سے کہ اس صورت میں نکلنا پایا نہیں گیا۔ یہی حکم اس روئی کا ہے جو کوئی پیچھے پاخانے کی جگہ میں ڈال لے یا اندر شرمگاہ میں ڈال لے، یعنی اگر وہ روئی اس مقام سے ابھری ہوئی باہر ہے یا کم از کم برابر کی سطح میں ہے اور تری اوپر آگئی ہے تو ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔

لیکن اگر روئی کا اوپری حصہ تر نہ ہو بلکہ صرف اندر کا حصہ تر ہو جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے، اور اگر وہ روئی سوراخ سے نکل کر گر گئی تو دیکھا جائے گا کہ اگر تر ہے تب تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، یہی حکم اس شخص کے وضو کا ہے جس نے اپنی انگلی اپنے پچھلے حصہ میں ڈالی لیکن پوری انگلی اندر نہیں گئی، یعنی اگر انگلی تر نکلی ہے تو وضو ٹوٹ جائے گا اگر خشک نکلی ہے تو نہیں ٹوٹے گا، اور کوئی پوری انگلی اس طرح ڈال لے کہ وہ اندر غائب کر دے تو اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا، اور اگر روزہ دار تھا اور اس نے استنجا کے وقت ایسا کیا کہ پوری انگلی اندر پچھلے حصہ میں ڈال لی تو اس کا روزہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح جس کی آنکھ دکھتی ہے اور ہمیشہ پانی آتا ہے اسے چاہئے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرے جیسا معذور کیا کرتا ہے اور اس کی وجہ مجتبیٰ میں یہ لکھی ہے کہ شاید یہ پانی وغیرہ درد کے ساتھ برابر اس لئے آرہا ہو کہ کسی زخم سے یہ آنسو نکل رہا ہو، جہاں بوقت استنجاء انگلی کرنے سے روزہ باطل ہونے کو بتایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انگلی کے ساتھ باہر سے اندر پانی چلا گیا، کیونکہ استنجے کے وقت انگلی پانی سے تر ہوتی ہے۔

فروع (اہم مسائل)

یہاں وہ مسائل شارح بیان کریں گے جو ماتن سے رہ گئے ہیں، یا جو نایاب ہیں، یوں فروع لفظ فرع کی جمع ہے فرع ہر شے کے اعلیٰ حصہ کو کہتے ہیں، لہٰذا یہاں مسائل عالیہ اور شریفہ مراد ہیں، عموماً ہر جگہ اخیر میں شارح یہ عنوان لاتے ہیں۔

یستحب للرجال ان یحتشی ان رابه الشیطان ویجب ان کان لاینقطع الابه قدر ما یصلی

ترجمہ اگر کوئی شک کے مرض میں گرفتار ہے یعنی شیطان اسے وسوسہ ڈالتا رہتا ہے کہ قطرہ آرہا ہے تو ایسے شخص کیلئے مستحب یہ ہے کہ پیشاب کے سوراخ میں روئی رکھ لے، اور اگر واقعی قطرہ آرہا ہے بغیر روئی ڈالے پیشاب کے قطرات بند نہیں ہوتے، تو ایسے شخص کے لئے اتنی دیر تک پیشاب کے سوراخ میں روئی ڈالنا واجب ہے جب تک وہ نماز پڑھتا ہو۔

تشریح طحطاوی میں ہے کہ وہ شخص جس کو وضو نہیں تھا اس نے وضو کیا یا پیشاب کرنے کے بعد کسی جنبی نے غسل کیا، اور وضو یا غسل سے فراغت کے بعد اس شخص نے اپنی شرمگاہ پر نمی دیکھی لیکن اسے معلوم نہیں ہے کہ یہ پانی ہے یا پیشاب ہے، تو اسے دوبارہ وضو کرنا چاہیئے اور اگر نماز پڑھتے ہوئے یہ صورت پیش آئی ہے مگر خود اس کو نجاست کا یقین نہیں ہے تو اسے چاہیئے کہ نماز پڑھتا چلا جائے، تری کی طرف دھیان قطعانہ دے، ہاں پیشاب ہونے کا یقین ہو تو الگ بات ہے اور ایسے شخص کے وسوسہ کا علاج یہ بتایا گیا ہے کہ وہ استنجا کے بعد پانی لے کر شرمگاہ پر چھڑک لے، تاکہ اگر تری نظر آئے تو اسے اطمینان ہو کہ یہ وہی پانی ہے جو اس نے خود چھڑکا تھا، کذا فی الخانیہ۔

باسو ری خرج دُبره ان ادخله بيده انتقض وضوء ه وان دخل بنفسه لا وكذالوخرج بعض الدودة فدخلت من لذكره راسان فالذى لايخرج منه البول المعتاد بمنزلة الجرح الخنثى غير المشكل فرجه الأخر كا لجرح (كذافى الطحطاوى) والمشكل ينتقض وضوءه بكل (كذافى التوضيح)

ترجمہ کسی بواسیر والے کی مقعد باہر نکل آئی، پس اگر اس نے اپنے ہاتھ سے اسے اندر کر دیا تب تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خود وہ مقعد اندر چلی گئی ہے تو وضو نہیں ٹوٹے گا، البتہ اگر نجاست ظاہر ہو گی تو وضو ٹوٹ جائے گا، اسی طرح کسی مقعد سے کیڑے کا کچھ حصہ نکلا پھر وہ اندر گھس گیا تو یہ ناقضِ وضو نہیں ہے۔

جس شخص کے ذکر یعنی شرمگاہ کے دو سر ہوں، ان میں سے جس سے عادتاً پیشاب نکلتا ہے وہ شرمگاہ کے حکم میں ہے اور جس سے عادتاً پیشاب نہیں نکلا کرتا وہ زخم کے حکم میں ہے لہٰذا اگر اس حصے سے کوئی چیز نکلے گی تو یہ ناقضِ وضو نہیں ہو گی، جب تک کہ نکل کر بہہ نہ جائے کیونکہ زخم سے جب تک خون یا پیپ نکل کر بہہ نہیں جاتا، اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا۔

وہ خنثیٰ جو مشکل نہیں ہے اس کی دوسری شرمگاہ زخم کے درجہ میں ہے اس سے کسی چیز کا صرف نکلنا ناقضِ وضو نہیں ہے بلکہ بہنا ضروری ہے اگر وہ خنثیٰ مشکل ہے تو اس کی ہر شرمگاہ سے نکلنا ناقضِ وضو ہے خواہ وہ اپنی جگہ سے بہے یا نہ بہے کذا فی التوضیح۔

تشریح خنثیٰ وہ شخص ہے جس میں مرد و عورت دونوں کی علامتوں میں سے کوئی علامت مکمل طور پر نہ پائی جائے لیکن بعض علامت سے اس کا مرد یا عورت ہونا معلوم ہوتا ہو، اور خنثیٰ مشکل اسے کہتے ہیں کہ اس کا مرد اور عورت ہونا کسی علامت سے ثابت نہ ہو، نہ بلوغ سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

اور یہ جو کہا گیا کہ جس شخص کی شرمگاہ کے دو سر ہوں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے ایک تو حقیقی شرمگاہ ہوتی ہے جس سے عادتاً پیشاب آتا ہے اور دوسرا بطور مرض کے ہوتا ہے، اس سے عام طور پر پیشاب نہیں آتا، لہٰذا جس سے عادتاً پیشاب آتا ہے اس کے منہ پر پیشاب یا کسی چیز کا اندر سے آجانا ناقضِ وضو ہے، اور باقی دوسرے سے بہنے کی شرط ہے گو زیلعیؒ نے کہا کہ اکثر فقہاء اس دوسرے سر میں بھی بہنے کی شرط نہیں لگاتے ہیں، مگر صاحب النہر الفائقؒ نے لکھا ہے کہ قابلِ اعتماد پہلا قول ہے۔

منكر الوضو ء هل يكفران انكرالوضوء للصلٰوة نعم ولغيرها لا شك فى بعض وضوء ه اعاد ماشك فيه لوفى خلاله ولم يكن الشك عادة له والا لايشك ملخصاً ولو علم انه لم يغسل عضواً

وشك فى تعيينه غسل رجله اليسرىٰ لانه اخر العمل (هكذا كما فى الطحطاوى)

ترجمہ سوال یہ ہے کہ وضو کے انکار کرنے والے کو کافر کہا جائے گا یا نہیں یعنی وہ کافر ہے یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ نماز کے لئے وضو کا انکار کرتا ہے تب تو یقیناً کافر ہے اور نماز کے علاوہ غیر کے واسطے وضو کا انکار کرتا ہے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، وضو کے بعض افعال میں شک ہوا، یعنی کسی اعضاء وضو کے دھونے یا مسح کرنے میں وضو کرنے والا شک میں پڑ گیا کہ اسے دھویا یا نہیں، اسی طرح شک ہو گیا کہ مسح کیا یا نہیں، اگر یہ شک وضو کرتے ہوئے درمیان میں واقع ہوا ہے اور شک کا واقع ہونا اس کی عادت نہیں ہے تو ایسے شخص کو ایسی حالت میں شک والے حصہ میں اعادہ کرنا چاہیے، یعنی دوبارہ دھولے یا مسح کرلے، اور اگر یہ صورت پیش نہیں آئی مثلاً شک بعدِ وضو پیدا ہوا، خواہ اس کو شک کی عادت ہو یا نہ ہو تو اس صورت میں اس پر اعادہ نہیں ہے۔ یعنی اس کا شک قابل توجہ نہیں ہے وہ اپنے کو باوضو سمجھے، اور اگر اس کو یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس نے کسی ایک عضو کو دھویا نہیں ہے مگر وہ ایک عضو کونسا ہے اس میں شک ہو، تو ایسا شخص اپنا بایاں پیر دھولے، اس لئے کہ وضو میں سب سے آخری عمل یہی ہے، اور اگر اس کو بائیں پیر کے دھونے کا یقین ہو تو اس سے پہلے والا عضو دھوئے کذافی الطحطاوی۔

تشریح نماز کے وضو کے انکار کرنے والے کو اس واسطے کافر کہا گیا کہ اس صورت میں قرآن کی تکذیب لازم آتی ہے اس لئے کہ نماز کے لئے وضو کا فرض ہونا قرآن سے ثابت ہے، ارشاد ربانی ہے :-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ　الخ

یعنی جب نماز کا ارادہ کرو تو اس سے پہلے وضو کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے چہروں کو دھوؤ، پھر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ پھر اپنے سر کا مسح کرو اور پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ۔

اور نماز کے علاوہ کی وضو کا اگر انکار کرے گا تو اس کی وجہ سے کافر اس وجہ سے نہیں قرار دیا جائے گا کہ [illegible] قرآن سے اس طرح ثابت نہیں ہے مثلاً قرآن چھونے کیلئے بھی وضو ضروری ہے لیکن اگر کوئی اس وضو کا انکار کرے گا تو وہ کافر نہ ہوگا اس لئے یہ وضو اگرچہ قرآن سے ثابت کیا جاتا ہے مگر جس آیت سے ثابت کیا جاتا ہے اس کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

ولو تيقن بالطهارة وشك بالحدث اوبالعكس اخذ باليقين ولو تيقنهما وشك فى السابق فهو متطهر ومثله المتيمم ولوشك فى نجاسة ماء اوثوب اوطلاق اعتق لم يعتبر وتمامه فى الاشباه (الكل من العينى شرح الهدايه)

ترجمہ اور اگر طہارت کا تیقن حاصل ہو، اور وضو کے ٹوٹنے میں شک یا اس کے برعکس واقعہ ہو یعنی وضو کے ٹوٹنے کا تو یقین ہو، اور طہارت میں شک تو ان دونوں صورتوں میں یقین والے پہلو کو اختیار کرے اور شک والے کو چھوڑ دے یعنی پہلی صورت میں طہارت کا یقین کرے اور دوسری صورت میں وضو کے ٹوٹنے کا۔

اور اگر طہارت کے ہونے اور وضو کے ٹوٹنے، دونوں کا یقین ہو مگر اس میں شک ہو کہ ان دونوں میں سے پہلے کون ہوا تو ایسا شخص شرعاً پاک سمجھا جائے گا، اس لئے کہ پاکی حدث کے بعد ہی عموماً ہوا کرتی ہے، اور وضو کرنے والے کی ہی طرح تیمم

کرنیوالے کا بھی حکم ہے، یعنی تیمم کا یقین حاصل ہو، اور بے وضو ہونے میں شک ہے یا اس کے برعکس بغیر وضو ہونے کا یقین ہے اور تیمم میں شک ہے تو ان صورتوں میں یقین پر عمل کرے اور شک والی صورت کو چھوڑ دے، اگر تیمم اور حدث دونوں کا یقین ہے لیکن اس میں شک ہے کہ کون پہلے تھا اور کون بعد میں تو یہ تیمم والا شمار ہوگا اس لئے عموماً پہلے حدث ہوتا اور بعد میں تیمم۔

اور اگر پانی یا کپڑے کی ناپاکی میں شک واقع ہو کہ پاک ہے یا ناپاک، یا بیوی کو طلاق دینے میں شک ہو یہ کہ دی ہے یا نہیں، یا لونڈی اور غلام کے آزاد کرنے میں شک ہو تو ان تمام صورتوں میں شک کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا گویا پانی اور کپڑے کو پاک یقین کرے، اپنی بیوی کو بیوی سمجھے اور غلام لونڈی کو مملوک، اور مسائل کی تفصیل، الاشباہ والنظائر میں ہے۔ جہاں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ الیقین لایزول باشك یعنی شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوا کرتا۔

تشریح　فقہاء کا مقررہ ضابطہ

فقہاء کا قاعدہ ہے کہ وہ یقین کو شک کی وجہ سے نہیں چھوڑتے ہیں، بلکہ ایسے شک کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ تمام مسائل اسی قاعدہ پر متفرع ہوتے ہیں۔

یہ بھی فقہاء کہتے ہیں کہ جو ناقض وضو نہیں ہے وہ نجس بھی نہیں مثلاً تھوڑی قے یا خون جو اپنی جگہ سے نہیں بہا، ان سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اگر یہ قے اور خون نمازی کے کپڑے میں لگ جائے تو اس کے ساتھ نماز درست ہوگی، یا وہ شخص جس کے بدن میں پھوڑے، پھنسی یا خارش ہے، مگر ان سے خون یا پیپ بہتا نہیں، اب اگر کپڑا اس سے مس ہو کر داغدار ہو گیا اور اس کے ساتھ اس نے نماز پڑھی تو جائز ہے، ایک تو عذر ہے، دوسرے وہ نجس نہیں، مگر استحاضہ کا خون ناپاک ہے۔

ایک شخص نے وضو کیا اس کے بعد اس نے شرمگاہ پر تری دیکھی جو بہہ رہی تھی۔ تو وہ دوبارہ وضو کرے اور اگر اس کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ ہے کیا، یعنی وہم سا ہو، حقیقت کچھ نہ ہو تو توجہ نہ دے اور شیطانی وسوسہ سمجھ کر نظرانداز کر دے یہ محیط میں ہے اور ناک کے راستہ جو تیل یا پانی یا کوئی رقیق چیز دماغ کی طرف چڑھ جائے، پھر وہ باہر آئے تو یہ ناقض وضو نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ پاک جگہ سے خارج ہوئی ہے۔ اگر کسی نے سوئی چبھوئی اور اس کی وجہ سے خون نکلا، مگر اپنی جگہ سے وہ نہیں بہا، تو یہ بھی ناقض وضو نہیں ہے اور اگر وہ خون سوئی کی نوک سے زیادہ ہو تو بعض علماء کہتے ہیں ناقض وضو ہے، ایک شخص نے روٹی یا کوئی پھل کھایا، اس میں خون کا اثر نظر آیا جو مسوڑھوں سے آرہا تھا تو اس کو چاہئے کہ وہاں انگلی رکھ کر دیکھے، اگر انگلی میں خون کا اثر دکھائی دے تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں، ہکذا فی العینی شرح الہدایہ۔

وفرض الغسل ارادبه مايعم العملى كما مر وبالغسل المروض كما فى الجوهرة وظاهره عدم شرطية غسل فمه وانفه فى المسنون كذافى البحر يعنى عدم فرضيتهما فيه والافهما شرطان فى تحصيل السنة غسل كل فمه ويكفى الشرب عبالان المج ليس بشرط فى الاصح وانفه حتى ماتحت الدرن وباقى بدنه لكن فى المغرب وغيره البدن من المنكب الى الية وحينئذ فالرأس والعنق واليد والرجل خارجة لغة داخلة تبعا شرعاً لادلكه لانه متمم فيكون مستحباً لا شرطا خلافا لمالك

فرائضِ غسل

ترجمہ

غسل میں تین فرض ہیں، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور تمام بدن کا دھونا، یہاں فرض سے فرض عملی مراد لیا گیا ہے اور غسل جو فرض ہے جیسا کہ جوہرہ میں صراحت ہے یعنی جنابت، حیض اور نفاس کا غسل جوہرہ کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ناک اور منہ کا دھونا غسلِ مسنون میں شرط نہیں ہے، بحر الرائق میں ایسا ہی ذکر ہوا ہے، صاحب البحرالرائق کی مراد یہ ہے کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسلِ مسنون میں فرض نہیں ہے، ورنہ یہ بات ظاہر ہے کہ سنت کے حاصل کرنے میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا دونوں شرط ہیں۔

کلی کرنے کے متعلق مصنف نے کہا "اپنے تمام منہ کا دھونا" اور اس کی ادائیگی منہ بھر کر پانی پینے سے بھی ہو جاتی ہے، اس لئے مضمضہ (کلی کرنے) میں شرط نہیں ہے کہ اسے منہ سے باہر پھینکے، اس سلسلہ میں صحیح تر قول یہی ہے، اور تمام ناک کا دھونا بھی فرض ہے، یہاں تک کہ ناک کی خشک پپڑی (میل) تک پانی پہنچانا ضروری ہے اور ان دونوں کے بعد تمام بدن کا دھونا بھی غسل میں فرض ہے، لغت کی کتاب مغرب وغیرہ میں ہے کہ بدن مونڈھے سے لے کر سرین (چوتڑ) تک ہے اس لغوی معنی کے اعتبار سے سر، گردن، ہاتھ اور پیر بدن سے خارج قرار پائیں گے البتہ یہ سب شرعی اعتبار سے بدن میں داخل ہیں، بدن کا ملنا غسل میں فرض نہیں ہے، اس لئے یہ ملنا دھونے کو کمال تک پہنچانے والا ہے، لہٰذا ملنا مستحب ہوگا، شرط نہیں ہوگا، یہ امام مالکؒ کے خلاف ہے (کیونکہ وہ بدن کے ملنے کو غسل میں فرض کہتے ہیں)

تشریح

فرضِ عملی کہہ کر اشارہ کیا کہ یہاں وہ معنی مراد ہے جو فرضِ اعتقادی و عملی دونوں کو شامل ہے اور فرض عملی اسے کہتے ہیں کہ اگر اسے کوئی نہ کرے تو جواز ادا نہیں ہوگا، اور جو کہا کہ "مراد لیا" تو اس سے اس طرف اشارہ کیا کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا یہ کوئی قطعی دلیل سے ثابت نہیں ہے چنانچہ امام شافعیؒ ان دونوں کو غسل میں سنت کہتے ہیں، کذافی الحلبی، کل فم (پورا منہ) اور کل انف (پوری ناک) دھونے سے مراد یہاں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ہے، جسے عربی میں مضمضہ اور استنشاق کہتے ہیں۔

اگر کوئی منہ بھر کر پانی پیئے گا تو اس سے کلی کا فرض ادا ہو جائے گا کیونکہ اس طرح منہ کے تمام حصہ کو پانی بھگو دیگا اور یہی ضروری ہے، لہٰذا اگر چوس کر کسی نے پانی پیا ہے تو اس سے کلی کا فریضہ ادا نہ ہوگا کیونکہ اس میں منہ کے پورے حصہ میں پانی نہیں پہنچ سکے گا، کمافی البحرالرائق۔ باقی منہ میں پانی لے کر غرارہ کرنا اور باہر پھینکنا گو شرط نہیں ہے مگر احتیاط کے مطابق ضرور ہے کیونکہ اس طرح فرضیت پورے طور پر بالاتفاق ادا ہو جاتی ہے، کذافی الطحطاوی۔

درن میل کو کہتے ہیں جو ناک سے چپکی ہوتی ہے، "بدن" کا لفظ ظاہر و باطن دونوں کو شامل ہے چنانچہ آنکھ کے اندر کا حصہ بھی اس میں داخل ہو جاتا ہے مگر حرج و تکلیف کی وجہ سے آنکھ کے اندر کا دھونا ساقط ہو گیا، اس لئے کہ آنکھ کا اندرونی

حصہ پانی کا متحمل نہیں ہے اس سے بصارت کے زائل ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق آتا ہے کہ اندر کا حصہ دھوتے تھے چنانچہ ان کی بصارت جاتی رہی، لہٰذا اس کے اندر کا حصہ اس وقت بھی دھونے سے بچنا چاہیئے جب کسی نے ناپاک سرمہ لگایا ہو، کذا فی منح الغفار۔

یہاں بدن سے تمام حصہ بدن مراد لیا گیا ہے جس میں ہاتھ پاؤں وغیرہ سب شامل ہیں "دلک" نام ہے ان اعضاء پر ہاتھ پھیرنے کا جو غسل میں دھوئے جاتے ہیں، لہٰذا اگر پانی بغیر ہاتھ لگائے ہوئے خود بخود تمام بدن میں پہنچ گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک فرض ادا ہو گیا، امام مالکؒ اور ایک اور روایت میں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دھوئے جانے والے حصہ پر ہاتھ پھیرنا غسل میں فرض ہے بغیر اس کے فرض ادا نہیں ہوتا، خواہ پانی خود بخود ہی کیوں نہ پہنچ گیا ہو۔

ويجب اى يفرض غسل كل مايمكن من البدن بلا حرج مرة كاذن وسرة وشارب وحاجب واثناء لحية وشعر رأسٍ ولو متلبدا الما في فاطهروا من المبالغة وفرج خارج لانه كالفم لا داخل لانه باطن ولا تدخل اصبعها في قبلها به يفتى لايجب غسل مافيه حرج كعين وان اكتحل بكحل نجس وثقب انضم ولاداخل قلفة بل يندب هوالاصح قاله الكمال وعلله بالحرج فسقط الاشكال وفي المسعودى ان امكن فتح القلفة بلا مشقة يجب والالا.

ترجمہ بدن کے اس تمام حصہ کا ایک مرتبہ دھونا فرض ہے جسے بلا مشقت دھویا جا سکتا ہے جیسے کان، ناف، مونچھ، بھوں، اور سر اور ڈاڑھی کے بالوں کے اندر کا دھونا، اگرچہ سر کے بال گوندھے ہوئے چپکے ہوئے ہوں، اس لئے کہ قرآن کے لفظ "فاطهروا" میں مبالغہ پایا جاتا ہے اور عورت کے لئے خارج شرمگاہ کا دھونا بھی فرض ہے، اس لئے عورت کا یہ حصہ منہ کی طرف ہے۔ یعنی یہ من وجہٍ داخل ہے اور من وجہٍ خارج ہے، باقی اندر شرمگاہ کا دھونا فرض نہیں ہے، اس لئے کہ وہ بدن کے اندرونی حصہ میں داخل ہے جس کا دھونا فرض نہیں ہے، اور عورت غسل میں (زیادہ صفائی کے خیال سے) اپنی انگلی شرمگاہ کے اندر نہ ڈالے، مفتی بہ قول یہی ہے اس لئے کہ اسے اس کی تکلیف شریعت نے نہیں دی ہے، غسل میں اس حصہ کا دھونا واجب نہیں ہے، جس کے دھونے میں مشقت و تکلیف ہے، جیسے آنکھ کا اندرونی حصہ، اگرچہ کسی نے اس میں ناپاک ہی سرمہ کیوں نہ لگالیا ہو، اور اس سوراخ میں پانی پہنچانا بھی واجب نہیں ہے جو بند ہو چکا ہو، اسی طرح قلفہ کے اندر کا دھونا بھی واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا دھونا مستحب ہوتا ہے اور اس مسئلہ میں یہی صحیح تر قول ہے، صاحب فتح القدیر کمال نے ایسا ہی کہا ہے، اور عدم وجوب کی علت حرج کو قرار دیا ہے۔ اس کے بعد اشکال باقی نہیں رہتا، اور مسعودی میں یہ ہے کہ اگر قلفہ (عضو مخصوص کی جھلی) کا کھولنا بغیر کسی مشقت کے ممکن ہو تو اس کے اندر کا دھونا واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

تشریح قرآن پاک میں ہے اِنْ كُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُوا یعنی اگر تم (جماع یا احتلام وغیرہ) کی وجہ سے ناپاک ہو جاؤ تو خوب اچھی طرح تم پاکی حاصل کرو، منشاء یہ ہے کہ بلا حرج و تکلیف جس طرح بن سکے ظاہر بدن کو دھوؤ اور پاک صاف کرو، اسی وجہ سے غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض قرار دیا گیا، مگر وضو میں یہ فرض نہیں ہے، اس لئے کہ منہ بعض اعتبار سے خارج کا حکم رکھتا ہے اور بعض اعتبار سے داخل، کا منہ بند کر لیجئے داخل میں شمار ہوگا، منہ کھول لیجئے خارج

محسوس ہوگا، روزہ دار آدمی تھوک نگل جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا، معلوم ہوا کہ داخل بدن ہے، خارج نہیں، اور باہر کی کوئی چیز منہ میں رکھ لیجئے اور نگل جایئے تو روزہ جاتا رہے گا، یہاں سے معلوم ہوا خارج بدن ہے، چنانچہ منہ کو وضو میں داخل قرار دیا اور غسل میں خارج بدن، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غسل کے باب میں فَاطَّهَّرُوْا میں مبالغہ کا معنی پایا جاتا ہے اور وضو میں فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ کا لفظ آیا ہے اور وجہ مواجہہ سے ہے یعنی آمنے سامنے والا حصہ۔

عورت کو غسل میں اس کی تکلیف نہیں دی گئی ہے کہ مزید پاکی و صفائی کے لئے اندرون شرمگاہ دھوئے، یا کوئی آنکھوں کے اندرونی حصہ میں پانی پہنچائے، یا جو سوراخ بند ہو گیا ہے اس میں خواہ مخواہ پانی پہنچانے کی جدوجہد کرے، یا قلفہ (وہ کھال جو ختنہ میں کاٹی جاتی ہے) میں پانی داخل کرے، اس لئے کہ یہ سب مشقت میں ڈالنا ہے، گویا مشقت عدمِ وجوب کی بنیاد ہے، گو وہ ظاہر بدن کا حکم رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر پیشاب اندر سے نکل کر اس جھلی میں آئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن اگر کوئی قلفہ والی کھال کے اندر پانی پہنچانے میں مشقت نہیں محسوس کرتا تو غسل کے وقت اس کے لئے اس میں پانی پہنچانا واجب قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عدم وجوب مشقت کی وجہ ہے۔

وكفى بل اصل ضفير تها اى شعرالمرأة المضفور للحرج (كذافى التيسير) اما المنقوض فيفرض غسل كله اتفاقاً ولولم يبتل اصلها يجب نقضها مطلقاً هوالصحيح ولو ضرّ ها غسل راسها تركته وقيل تمسحهُ ولا تمنع نفسها عن زوجها وسيجئى فى التيمم.

ترجمہ عورت کی چوٹی اگر گوندھی ہوئی ہو تو اس کی جڑوں میں پانی پہنچانا اور اس کا تر کرنا کافی ہوتا ہے، گوندھی ہوئی چوٹی کا کھول کر تمام بالوں کا بھگونا فرض نہیں ہے، کیونکہ اس میں اس کے لئے حرج اور تکلیف ہے، لیکن اگر چوٹی گوندھی ہوئی نہ ہو، بلکہ عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو پھر تمام بالوں کا دھونا بالاتفاق فرض ہے، اس حال میں صرف جڑوں کا بھگونا کافی نہ ہوگا، بلکہ گوندھی ہوئی چوٹی کی صورت میں اگر بالوں کی جڑیں تر نہ ہوں تو اس صورت میں چوٹی کھولنا واجب ہے، خواہ اس میں تکلیف ہی کیوں نہ ہو، اور صحیح قول اس سلسلہ میں یہی ہے، ہاں اگر عورت کو سر کے بالوں کا دھونا ضرر پہنچاتا ہو تو اس کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اس کا دھونا چھوڑ دے اور بقیہ بدن دھولے اور کہا گیا ہے کہ اس صورت میں سر پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لے، اس عذر کی وجہ سے عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے شوہر کو جماع سے روک دے، اور اس کا ذکر باب التیمم میں آئے گا۔

تشریح مسلم شریف میں حدیث ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے سرور کونین ﷺ سے کہا کہ میں اپنے سر کی چوٹی مضبوطی سے گوندھ کر باندھتی ہوں، تو کیا جنابت اور حیض کے غسل میں اس کو کھول دیا کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں، تم کو یہ کافی ہے کہ تین بار دونوں ہاتھوں میں پانی لے کر سر پر ڈال لیا کرو (جس سے بالوں کی جڑیں بھیگ جائیں) پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاؤ اور پاک ہو جاؤ۔

اور ابوداؤد شریف میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آں حضرت ﷺ سے جنابت کے غسل کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ مرد اپنے بال کھول دے اور اس کو دھو ڈالے تا آنکہ جڑ تک خوب بھیگ جائے ہاں البتہ

عورتوں پر بالوں کی چوٹی کا کھولنا ضروری نہیں ہے۔ اس کو تین مرتبہ چلو بھر کر پانی ڈال لینا کافی ہو جاتا ہے لیکن جیسا کہ عرض ہوا کہ اگر بالوں کی جڑیں نہیں بھیگتی ہیں تو پھر چوٹی کا کھولنا واجب ہے خواہ تکلیف ہو، خواہ نہ ہو، دونوں صورتوں میں، باقی بالوں کو دھو کر نچوڑنا جنھوں نے ضروری قرار دیا ہے۔ یہ قول زیادہ صحیح نہیں ہے۔

اگر کسی عورت کو سر بھگونے میں نقصان ہو، تو وہ اس عذر کی وجہ سے شوہر کو جماع سے روک نہیں سکتی کہ میں کیسے غسل کروں گی، اس وقت اس کو اجازت ہے کہ بقیہ بدن پورے طور پر دھولے اور سر والے حصہ پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لے، اس طرح سے اسے پاکی حاصل ہو جائے گی، اور اگر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا بھی نقصان کرتا ہو تو اسے بھی ترک کر دے، اس کی بھی بعضوں نے اجازت دی ہے، کذا فی الطحطاوی۔

لایکفی بل ضفیر ته فینقضها وجوباً ولو علویاً اوترکیاً لامکان حلقه

ترجمہ مرد کو یہ کافی نہیں ہوتا ہے کہ وہ غسل جنابت میں اپنی گوندھی ہوئی چوٹی بھگولے بلکہ اس کے لئے فرض یہ ہے کہ وہ اس کو کھولے، خواہ علوی ہو، خواہ ترکی ہو، کیونکہ اس کے لئے سر کے بالوں کے مونڈنے میں کوئی بدنمائی اور قباحت نہیں ہے (بخلاف عورت کے کہ بال اس کے لئے زینت کے حکم میں ہے)

تشریح علوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد در اولاد کہلاتی ہے جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا دوسری بیویوں سے ہیں اور آپ کی جو اولاد حضرت فاطمہؓ سے ہے وہ اپنے کو سیّد لکھتے ہیں اس زمانہ میں غالبًا یہ دستور تھا کہ یہ علوی خاندان اور ترکی لوگ سر پر لمبے لمبے بال رکھتے تھے اور چوٹی گوندھتے تھے، اس لئے یہاں ان کا خصوصیت سے ذکر کیا، ان کی رعایت شریعت نے اس وجہ سے نہیں کی کہ مردوں کے حق میں چوٹی گوندھنا باعثِ زینت نہیں ہے، البتہ عورتوں کے لئے یہ چیز باعثِ زینت ہے۔ اس لئے ان کی رعایت رکھی گئی ہے۔

ولا یمنع الطهارة ونیم ای خرء وذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء ولو جرمه به یفتی ودرن ووسخ عطف تفسیر وکذادهن ودسومة وتراب و طین ولو فی ظفر مطلقاً ای قرویاً اومدنیا فی الاصح بخلاف نحو عجین ولا یمنع ماعلی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانه اوفی سنة المجوف به یفتی وقیل ان صلبا منع وهو الاصح (طعام الاسنان)

ترجمہ مکھی اور مچھر کی وہ بیٹ پاکی کے لئے مانع نہیں ہوتی ہے جس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا اور اسی طرح مہندی بھی مانع نہیں ہے خواہ وہ خود لگی ہوئی کیوں نہ ہو، فتویٰ اسی قول پر ہے، اسی طرح بدن کا میل، تیل اور چکنائی بھی پاکی کے لئے مانع نہیں ہے، خشک اور تر مٹی بھی مانع نہیں ہے اگر چہ وہ ناخن کے اندر ہی لگی ہوئی کیوں نہ ہو، پھر وہ گاؤں کا رہنے والا ہو، یا شہر کا باشندہ ہو، قول اصح میں دونوں کی حیثیت ایک سی ہے، بخلاف گوندھے آٹے کی طرح کی چیز کہ یہ طہارت کے لئے مانع ہے پانی اس کے اندر سرایت بالکل نہیں کرتا کہ وہ بدن تک اسے پار کر کے پہنچ جائے۔ اور جو چیز رنگریز کے ناخن پر جم گئی ہو وہ پاکی کے لئے مانع نہیں ہے، اور نہ کھانا مانع ہے جو دانتوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ یا کھولدار دانتوں میں گھس جاتا ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے، اور بعض فقہاء نے کہا کہ اگر وہ کھانا سخت چیز ہو تو طہارت کو روک دے گا، اور یہی صحیح تر قول ہے۔

تشریح یعنی مچھر کے پاخانہ سے بچنا اور اس کا خیال کرنا بڑا دشوار ہے اس لئے اس کو مانع قرار نہیں دیا گیا ہے یعنی اگر کسی نے غسل کیا اور مچھر کا پاخانہ کہیں بدن پر جما رہ گیا تو غسل ہو جائے گا اور جنبی جنابت سے پاک ہو جائے گا، باقی مہندی کا رنگ (اس کی سرخی) وہ پانی کو بدن تک پہنچنے سے نہیں روکتی، ہاں پسی ہوئی مہندی لگی ہو تو اس کے نیچے پانی کا پہنچانا ضروری ہے، اگر خود بخود پانی پہنچ جائے تب تو کوئی ضرورت نہیں، لیکن اگر وہ پانی کو بدن تک نہ پہنچنے دے تو اسے ہٹا کر پانی پہنچانا ضروری ہے بغیر اس کے پاکی حاصل نہیں ہو گی، بحر الرائق میں مذکور ہے کہ اگر کوئی عورت خوشبو پیس کر سر میں چپکا لے اس طرح وہ پانی کو بالوں کی جڑ تک نہ پہنچنے دے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسے دور کر دے اور پانی پہنچائے۔

باقی بدن کا میل یا تیل یا چکنائی یا خشک یا گیلی مٹی تو یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں جو پانی کو بدن تک پہنچنے سے روک دیں، لہٰذا ان کے ہوتے ہوئے غسل ہو جائے گا، دیہاتی شہری کی کوئی قید نہیں ہے۔ جن لوگوں نے کہا کہ ناخن کی مٹی شہری کے حق میں مانع طہارت ہے وہ صحیح نہیں ہے کہ مٹی پانی کو پہنچنے سے روکتی نہیں ہے، پانی اس میں سرایت کر جاتا ہے۔

گوندھے ہوئے آٹے کی طرح کی چیز جو پانی کو بدن تک سرایت کرنے سے روک دیتی ہے، وہ لگی ہو تو پاکی حاصل نہ ہو گی، اس لئے اتنا حصہ بدن کا خشک رہ جائے گا حالانکہ تمام بدن کا بھگونا فرض ہے رنگریز کے ناخنوں پر جو رنگ جم جایا کرتا ہے اسے بعض تو مانع بتاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں مانع نہیں ہے اور فتویٰ اسی پر ہے کہ مانع نہیں ہے۔

ہندوستان میں جہاں عورتیں مسّی دانتوں پر ملتی ہیں، اگر اس کا صرف رنگ ہے تو وہ مانع طہارت نہیں ہے اور اگر کوئی ایسی چیز ہے کہ وہ خود جم جاتی ہے پانی کو نہیں پہنچنے دیتی تو یہ مانع ہے، جیسے مہندی کا رنگ تو مانع نہیں ہے مگر گوندھا ہوا آٹا مانع ہے۔

دانتوں کے درمیان کھانا وغیرہ عموماً پانی جیسی لطیف چیز کو پہنچنے سے نہیں روکتا لیکن بحر الرائق میں فقیہ ابو اللیث اور فتاویٰ فضلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دانتوں کے درمیان الجھے ہوئے کھانوں کا نکال لینا افضل ہے۔ اور احتیاط کا یہی تقاضہ ہے دیکھئے طحطاوی۔

ولو كان خاتمه ضيقا نزعه اوحركه وجوباً كقرطٍ ولو لم يكن بثقب اذنه قرط فدخل الماء فيه اى الثقب عند مرور على اذنه اجزاه كسرة واذن دخلها الماء والا يدخل ادخله ولو باصبعه ولا يتكلف بخشب ونحوهُ والمعتبر غلبة ظنه بالوصول.

ترجمہ اگر غسل جنابت کرنے والے کی انگوٹھی تنگ ہو تو واجب یہ ہے کہ وہ اس کو نکال دے یا اسے ہلا دے جیسے کان کی بالی کا غسل میں ہلا دینا واجب ہے، تاکہ پانی پہنچ جائے (اور وہ خشک رہنے نہ پائے) اور اگر اس کے کان کے سوراخ میں بالی نہ ہو، اور پانی اس کے کان پر سے گزرنے سے سوراخ میں پہنچ گیا ہو تو یہ کافی ہو جائے گا، اور انگلی وغیرہ سے داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی جیسے کسی کی ناف اور کان میں خود بخود پانی پہنچ گیا ہو تو یہ اس کے لئے کافی ہے، اور اگر سوراخ میں پانی نہ پہنچا ہو تو بالقصد پانی داخل کرے خواہ انگلی سے پہنچانا پڑے باقی پانی پہنچانے کے لئے لکڑی وغیرہ جیسی چیز سے پہنچانے کا اہتمام نہ کرے، اور اس سلسلہ میں صرف اپنا گمان غالب کہ پانی پہنچ گیا ہو گا، لائق اعتبار ہے۔

تنگ انگوٹھی اور کان کی بالیوں کا غسل کے وقت اتنا ہلانا کہ پانی کے پہنچنے کا گمان غالب ہو جائے ضروری ہے باقی ایسی جگہیں

تشریح جہاں خود بخود پانی کے پہنچ جانے کا یقین ہو، اور یا تجربہ سے معلوم ہو، اس کے لئے بلا ضرورت تکلف کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، البتہ جب یہ ظن غالب ہو کہ فلاں جگہ پانی نہیں پہنچا تو اس کے لئے اہتمام کرے، تاکہ کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہنے پائے جو خشک رہ جائے باقی اس میں غسل کرنے والے کا اپنا گمان قابل اعتماد ہے، زیادہ وسوسہ اور شبہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فروع نسی المضمضة اوجزء من بدنه فصلی ثم تذکر فلو نفلا لم یعد لعدم صحة شروعه علیه غسل وثمه رجال لایدعه وان رأه والمرأة بین رجال اورجال ونساء توخره لابین نساء فقط واختلف فی الرجل بین رجال ونساء اونساء فقط کما بسطه ابن الشحنة وینبغی لها ان یتمم وتصلی لعجزها شروعاً عن الماء واما الاستنجاء فیترك مطلقاً والفرق لا یخفی.

مسائل فروع

ترجمہ ایک شخص نے غسل جنابت کیا اور اس میں کلی کرنا یا بدن کے کسی حصہ پر پانی پہنچانا بھول گیا، اور اس نے اس کے بعد نماز پڑھ لی، پھر اس کو یاد آیا کہ غسل میں یہ رہ گیا تھا تو دیکھا یہ جائے گا کہ اس نے جو نماز پڑھی ہے وہ فرض ہے یا نفل، اگر نفل تھی تو اس کے اعادہ (دوبارہ پڑھنے) کی ضرورت نہیں، کیوں کہ نفل نماز اس وقت واجب الادا ہوتی جب اس کا شروع کرنا درست ہو، اور یہاں اس کا شروع کرنا ہی درست نہیں ہوا۔ اس لیے کہ وہ پاک نہیں ہوا تھا۔

ایک شخص پر غسل کرنا لازم ہے، اور حال یہ ہے کہ وہاں بہت سے مرد ہیں، تو اس کا فرض یہ ہے کہ وہ غسل کو نہ چھوڑے، اگرچہ وہ لوگ اسے غسل کرتے ہوئے دیکھیں (مراد یہ ہے کہ ستر چھپا کر جیسے لنگی باندھ کر غسل کرے اور بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ پردہ کی کوئی صورت نہ ہو تو لوگوں کو وہاں سے ہٹ جانا چاہئے اور اسے غسل کرنے دینا چاہئے، اس مجبوری کے عالم میں عمداً جو اس کو دیکھے گا وہ گنہگار ہوگا اور نہانے والا معذور سمجھا جائے گا)۔

اور عورت پر غسل ضروری ہو اور وہ ایسی جگہ ہو جہاں بہت سے مرد ہوں، یا مرد عورت دونوں ہوں تو اس کو چاہئے کہ وہ غسل کو مؤخر کردے یعنی نہانے میں تاخیر کردے اور اگر وہاں صرف عورتیں ہی عورتیں ہوں تو غسل کرنے میں وہ عورت تاخیر نہ کرے یعنی نہانے میں تاخیر نہ کرے، جیسا کہ ابن الشحنہ نے اسے بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے، اور اس صورت میں اس عورت کے لئے مناسب یہ ہے کہ اگر مرد یا عورت کو استنجا کرنا ہو اور وہاں بہت سے مرد عورت ہوں یا صرف مرد ہوں یا صرف عورتیں ہوں تو اس صورت میں استنجا ترک کردینا چاہئے اور استنجا اور غسل میں جو فرق ہے وہ چھپا ہوا نہیں ہے۔

تشریح شامی میں یہاں جو بحث نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مسئلہ میں جہاں کسی پر غسل لازم ہو اور وہاں لوگوں کا مجمع ہو تو اس حال میں بھی اس کی اجازت ہے کہ لوگوں کے سامنے ننگے ہو کر غسل کرلے، اس لئے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ وہاں سے ہٹ جائیں، کیونکہ یہاں شامی نے شرح المنیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ مصنف کا یہ کہنا مسلم

نہیں ہے، اس لئے منہی عنہ کا ترک مامور بہ کے کرنے سے مقدم ہے پھر غسل کا خلیفہ تیمم موجود ہے، اس لئے ان لوگوں کے سامنے ستر کا کھولنا درست نہ ہوگا، جن کا ستر دیکھنا اور اس پر نگاہ کرنا جائز نہیں ہے بخلاف ختنہ کے۔

دوسرا قول جامع صغیر کا امام تمر تاشی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی کے بدن پر نجاست لگی ہو اور ستر کھولے بغیر اس کا دھونا ممکن نہ ہو تو اس حالت میں اس کے لئے یہ جائز ہے کہ نجاست کے ساتھ نماز پڑھ لے مگر لوگوں کے سامنے ستر ہر گز نہ کھولے، کیونکہ شریعت میں اس سے روکا گیا ہے اور دھونا مامور بہ ہے یعنی اس کا حکم دیا گیا ہے اور جب منہی عنہ اور مامور بہ کا اجتماع ہو تو نہی کو اولیت حاصل ہوگی اور اسی کو ترجیح ہوگی۔

باقی عورت کو اگر یہ ضرورت پیش آئے کہ اس پر غسل لازم ہو، مگر وہاں مرد جمع ہوں، یا مرد اور عورتیں دونوں موجود ہوں تو اسے اس کی اجازت ہے کہ غسل میں تاخیر کرے، ہاں البتہ صرف وہاں عورتیں ہی عورتیں ہوں تو تاخیر نہ کرے گی ان کے سامنے غسل کر لے گی، ابن الشحنہ نے اس کی تائید کی ہے ضرورت کے وقت جنس کا جنس کو دیکھنا مباح ہے، البتہ حالتِ اختیار میں اس کی اجازت نہیں، اور یہ کہ خلاف جنس کے دیکھنے سے یہ زیادہ ہلکا ہے، خنثیٰ کے لئے مناسب یہ بتایا گیا ہے کہ کسی کے پاس استنجا کے لئے ستر بالکل نہ کھولے اس وجہ سے کہ اگر خنثی نے کسی مرد کے پاس بغرض استنجا ستر کھولا، ہو سکتا ہے وہ خنثی عورت ہو اور عورت کے سامنے کھولے تو ہو سکتا ہے کہ وہ خنثی حکما مرد ہو، گو اب صورت یہ ہوئی کہ جس پر غسل کرنا لازم ہے وہ یا تو مرد ہے یا عورت ہے یا خنثی ہے اور ان تینوں صورتوں میں یا تو ستر کھولنے کی نوبت صرف مردوں کے درمیان آئے، یا صرف عورتوں کے درمیان آئے، یا پھر صرف خناثی کے درمیان میں، یا مرد و عورت کے سامنے، یا مرد اور خنثی کے سامنے، اور عوتوں اور خناثی کے سامنے، یا مرد بھی وہاں ہوں، عورتیں بھی ہوں اور خنثی بھی ہوں، اس طرح سات یا اکیس صورتیں ہوں گی، ان اکیس صورتوں میں صرف دو صورتوں میں غسل کریں گے کہ مرد پر غسل لازم ہو اور اسے مردوں کے سامنے نہانا پڑے، یا عورت پر غسل ضروری ہو اور اسے صرف عورتوں کے مجمع میں نہانا پڑے، اور بقیہ اکیس صورتوں میں غسل مؤخر کرنا ہوگا۔

یہ جو کہا کہ عورت تیمم کر کے نماز پڑھے گی کیونکہ وہ شرعاً پانی کے استعمال سے اس وقت مجبور ہے، اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اس صورت میں کیا بعد میں ان نمازوں کا اعادہ کرنا ہوگا یا نہیں، اس میں تامل کا اظہار کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ زیادہ بہتری اعادہ میں ہے۔ قیدی کے سلسلہ میں آیا ہے کہ اگر آبادی میں ہو اور اس نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے جیل میں تیمم سے نماز پڑھی ہے تو بعد میں وہ ان نمازوں کا اعادہ کرے گا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے رد مختار للشامی۔

باقی پانی سے استنجا کرنے میں یہی صورت پیش آئے کہ پردہ کا انتظام نہ ہو تو اسے جو بھی صورت ہو چھوڑ دینا چاہئے یعنی مرد کو یہ ضرورت ہو اور وہاں صرف مردوں کا مجمع ہو، یا صرف عورتوں کا یا دونوں کا، اسی طرح عورت کو استنجا کی ضرورت ہو اور وہاں صرف عورتیں ہوں یا صرف مرد ہوں یا دونوں ہوں ان تمام صورتوں میں ترک کر دینا چاہئے۔

باقی غسل اور استنجا میں فرق ہے وہ یہ کہ نجاست حقیقی کے ساتھ نماز درست ہوتی ہے اور نجاست حکمی کے ساتھ نماز قطعاً صحیح نہیں ہوتی، شرح منیہ میں حلبی نے لکھا ہے کہ کسی کے بھی سامنے ستر نہ کھولے کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے یوں لوگوں کے سامنے بغیر ستر کھولے ہوئے پانی سے استنجا کا موقع ہو تو یہ افضل ہے، اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو صرف ڈھیلوں پر اکتفا کرنا واجب

ہے کذا فی الطحطاوی۔

وسننه كسنن لوضوء سوى الترتيب وادابه كادابه سوى استقبال القبلة لانه يكون غالباً مع كشف عورة (ملتقطاً) وقالوا لومكث فى ماء جارٍ او حوض كبير اومطرٍ قدر الوضوء والغسل فقد اكمل السنة البداءة بغسل يديه وفرجه وان لم يكن به خبث اتباعاً للحديث وخبث بدنه انكان عليه خبث لئلايشيع ثم يتوضا اطلقه فانصرف الى الكامل فلا يؤ خر قدميه ولو فى مجمع الماء لما ان المعتمد طهارة الماء المستعمل على انه لايوصف بالاستعمال الا بعد انفصاله عن كل البدن لانه فى الغسل كعضو واحدٍ(انتهى) فحينئذٍلا حاجة الى غسلهما ثانيا (ملتقطاً) الا اذا كان ببدنه خبث (ازاله كذافى الطحطاوى) ولعل القائلين بتاخير غسلهما انما استحبوه ليكون البدء والختم باعضاء الوضوء

سنن غسل

غسل کی سنتیں ترتیب کو چھوڑ کر بقیہ وضو کی سنتوں کی طرح ہیں اور غسل کے آداب و مستحبات وہی ہیں جو وضو کے آداب و مستحبات ہیں، سوائے استقبال قبلہ کے کہ یہ غسل میں مستحب نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ غسل عام طور پر کھلے ہوئے ستر کے ساتھ ہوتا ہے، فقہا کا بیان ہے کہ اگر کوئی بہتے ہوئے پانی یا بڑے حوض یا بارش میں اتنی دیر ٹھہرا رہے جتنا وقت غسل اور وضو کرنے میں لگتا ہے، تو اس نے غسل کی سنتیں ادا کر دیں اور غسل کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں اور اپنی شرمگاہ دھونے سے ابتدا کرے، اگرچہ پیشاب کی جگہ پر کوئی گندگی اور نجاست نہ ہو، کیونکہ حدیث میں یوں ہی آیا ہے اور اس کی اتباع کا یہی تقاضہ ہے پھر اپنے بدن کی نجاست دھوئے اگر اس کے بدن پر لگی ہو، تاکہ وہ پھیلنے نہ پائے ان سب سے فارغ ہو کر پھر کامل وضو کرے، اور اس میں پاؤں کے دھونے کو مؤخر نہ کرے، اگرچہ ایسی جگہ غسل کر رہا ہو، جہاں پانی جمع ہو جاتا ہو، اس وجہ سے کہ قولِ معتمد کے بموجب استعمال کیا ہوا پانی پاک ہے پھر اسی کے ساتھ یہ بھی بات ہے کہ پانی اس وقت تک استعمال کیا ہوا نہیں کہا جاتا جب تک تمام بدن سے وہ جدا نہ ہو جائے، اس وجہ سے غسل میں تمام بدن ایک عضو کے حکم میں ہے لہٰذا اس وقت دونوں پاؤں کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اس وقت ضرورت ہوگی جب نہانے والے کے بدن میں نجاست لگی ہو، باقی جو علماء اس کے قائل ہیں کہ غسل کے وضو میں دونوں پاؤں غسل کے بعد دھوئے، شاید وہ اس کو پسند کرتے ہوں کہ غسل کی ابتداء بھی اعضاء وضو سے ہو، اور ختم بھی اعضا پر ہی ہو۔

تشریح وضو کی سنتیں پہلے تفصیل سے لکھی جاچکی ہیں، اسے پھر دوبارہ ملاحظہ فرمائیں اس لئے کہ جو چیزیں وضو میں سنتیں ہیں وہی غسل میں بھی سنتیں ہیں، البتہ ایک چیز ایسی ہے جو وضو میں سنت ہے مگر غسل میں سنت نہیں

ہے اور وہ ہے ترتیب، اور یہی حال مستحبات و آداب کا بھی ہے کہ جو افعال وضو میں مستحب ہیں، وہی غسل میں بھی مستحب ہیں ایک چیز کے سوا، اور وہ استقبالِ قبلہ (قبلہ کی طرف منہ کرنا) ہے کہ یہ وضو میں مستحب ہے مگر یہ استقبال قبلہ غسل میں مستحب نہیں اور اس کی وجہ ہے کہ عام طور پر لوگ ننگے ہو کر غسل کرتے ہیں، یا کم از کم غسل میں عموماً ستر کھلے رہتے ہیں تو یہ ادب غسل کے خلاف ہوتا اور غسل میں ان مستحبات کیساتھ یہ بھی مستحب ہے کہ اعضاء کو ملے، پانی پہنچانے کے بعد چھنگلیا انگلی کان کے سوراخ میں ڈالے، ڈھیلی انگلی ہو تو بھی اسے ذرا ہلادے، زبان سے نیت کرے، اونچی جگہ پر بیٹھ کر نہائے، تاکہ بدن پر چھینٹیں نہ اڑ کر پڑسکیں، اور حتی الوسع دوسرے سے مدد نہ لے۔

اور جو کچھ وضو میں مکروہ ہیں وہ غسل میں بھی مکروہ ہیں، مثلاً پانی کا زور سے بدن یا چہرے پر مارنا پانی ضرورت سے کم یا بہت زیادہ خرچ کرنا۔

یہ جو کہا گیا کہ غسل کرتے ہوئے اگر کوئی جاری پانی میں وضو اور غسل کی مقدار ٹھہرا رہے تو اس کی سنتیں خود بخود ادا ہو جائیں گی، جاری پانی اور بارش میں پانی کا بار بار بدن سے ہو کر گزرنا تین مرتبہ بہانے کے قائم مقام ہو جائے گا، اسی وجہ سے بڑے حوض میں بھی بعض علماء نے کہا کہ جاری پانی مراد ہے، ٹھہرا اور جما ہوا پانی اس حکم میں نہیں ہے خواہ جتنا زیادہ بھی ہو اور بعض لوگوں نے کہا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے یہ سنت ادا ہو جائے گی بلکہ نہانے والے کا صرف حرکت کرنا ہی کافی ہوگا۔ علامہ ابنِ حجرؒ نے تحفہ میں نقل کیا ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں تمام بدن کا تین مرتبہ ہلادینا کافی ہے اگرچہ پاؤں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل نہ ہو، اس وجہ سے کہ حرکت میں ہر دفعہ نیا پانی بدن سے ملے گا۔

غسل کے سلسلہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث آئی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے سرور کونین ﷺ کے غسل کے لئے پانی رکھا، آپؐ نے پانی لے کر پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دو یا تین مرتبہ دھویا، پھر دائیں ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ پر ڈالا اور اس سے اپنی ستر کی جگہوں کو دھویا، پھر ہاتھ کو مٹی مل کر دھویا پھر وضو کیا، چنانچہ اسی بنیاد پر اوپر کا طریقہ فقہاء نے لکھا ہے اور بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہاتھ آلہ ہے، پہلے اس کو پاک صاف ہونا چاہیئے اور قدرتاً ہاتھ کو گندگی لگنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے، اس لئے پہلے انہی دونوں کو دھونا مناسب بھی ہے، پھر بدن میں جہاں جہاں نجاست ہو، اسے دھوئے، اس کے بعد وضو کر کے غسل شروع کرے،

کامل وضو کا مطلب یہ ہے کہ پورے آداب و مستحبات کے ساتھ وضو کرے، سر کا مسح بھی ضرور کرے ورنہ وضو ہی نہ ہوگا، رہا پاؤں کا بعد میں دھونا، یا پہلے دھونا، دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں، اور تطبیق مشہور وہی ہے کہ اگر پانی وہاں جمع نہیں ہوتا ہے تو پہلے دھولے، ورنہ وہاں سے ہٹ کر غسل کے بعد پاؤں دھوئے، یہاں مصنفؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ ایک ساتھ دونوں پیر بھی وضو میں دھولے، پھر غسل کرے، اس کی دو دلیل انہوں نے دیں ایک تو یہ کہ کامل وضو کہا گیا ہے، اور کامل وضو اسی وقت ہوگا جب وضو میں سر کے مسح کے بعد فوراً پاؤں دھولے اور پھر غسل شروع کرے، یہ کہنا کہ پہلے دھونے کی صورت میں جہاں پانی جمع ہو رہا ہے غسل کے بعد دوبارہ دھونا پڑے گا کیونکہ استعمال کیا ہوا پانی ناپاک ہے، اس کا جواب یہ دیا کہ ماء مستعمل میں کئی اقوال ہیں، اس میں یہ قول بھی ہے کہ استعمال کیا ہوا پانی ناپاک نہیں پاک ہے۔

دوسری دلیل یہ دی گئی ہے کہ یہ بحث تو بعد کی ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے یا ناپاک، پہلے تو یہ سمجھئے کہ غسل کا جو پانی جمع ہو رہا

ہے وہ سرے سے مستعمل پانی ہے یا نہیں، کیونکہ مستعمل تو ہوتا ہے بدن سے جدا ہونے کے بعد اور یہاں پورا بدن جب ایک عضو کے حکم میں ہے تو جب نہانے والا اس جمع شدہ پانی سے بالکل نکل نہیں جاتا، پانی کا جدا ہونا نہیں پایا جاتا۔ اس کے نکلنے کے بعد وہ مستعمل قرار پایا، لہٰذا دوبارہ دھونے کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہاں بدن میں نجاست لگی ہوئی تھی اور اسے بھی اسی جگہ دھویا اور وہ ناپاک پانی بھی یہاں جمع ہے تو اس وجہ سے البتہ ناپاک ہوا اور دوبارہ پاؤں دھونا ضروری ہوگا۔

وقالو الوتوضا اولاً لایاتی به ثانیاً لانه لایستحب وضوء ان للغسل اتفاقاً اما لو توضأ بعدالغسل واختلف المجلس علی مذهبنا اوفصل بینهما بصلوٰة کقول الشافعیة فیستحب.

ترجمہ اور فقہاء نے کہا ہے کہ اگر غسل سے پہلے وضو کر چکا تھا تو وہ دوبارہ غسل کے بعد وضو نہ کرے کیونکہ ایک غسل کے لئے دو وضو بالاتفاق مستحب نہیں ہے لیکن اگر ہم حنفیوں کے مسلک کے مطابق مجلس بدل چکی تھی اور اس نے غسل کے بعد وضو کیا یا شوافع کے قول کے مطابق دونوں میں نماز کو فاصل بتایا تو یہ دوبارہ وضو کرنا مستحب ہوگا۔

تشریح یہ گذر چکا ہے کہ وضو کے رہتے ہوئے دوبارہ وضو کرنا نورٌ علیٰ نور ہے، گو مجلس نہ بدلی ہو، اور وہ وضو جو اسراف کی تعریف میں آتا ہے وہ باوجود وضو تیسری مرتبہ وضو کرنا ہے جیسا کہ اس کی تحقیق نہر کے حوالہ سے مذکور ہو چکی ہے۔

ثم یفیض الماء علی کل بدنه ثلثا مستوعباً من الماء المعهود فی الشرع للوضوء و الغسل وهو ثمانیة ارطال (کذافی التفسیر) وقیل المقصود عدم الاسراف وفی الجواهر لااسراف فی الماء الجاری لانه غیر مضیع وقد قد مناه عن القهستانی بادیابمنکبه الایمن ثم الایسر ثم براسه ثم علی بقیة بدنه مع دلکه ندبا وقیل یثنی بالراس قیل یبدأ بالراس وهو الاصح وظاهر الروایة والا احادیث قال فی البحروبه یضعف نضحیح الدرر.

ترجمہ نجاست دھو لینے اور وضو کر چکنے کے بعد نہانے والا اپنے تمام بدن پر تین مرتبہ اس طرح پانی بہائے کہ ہر مرتبہ تمام اعضاء پر پانی پہنچ جائے۔ اور اتنا پانی خرچ کرے جو شریعت میں وضو اور غسل کے لئے مقرر و متعین ہے اور وہ مقدار شرعی آٹھ رطل ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ آٹھ رطل کا منشاء عدم اسراف ہے، یعنی ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرنا اور جواہر میں یہ ہے کہ بہتے ہوئے پانی میں اسراف (فضول خرچی) نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ برباد کے حکم میں نہیں ہے اور اس مسئلہ کو قہستانی کے حوالہ سے ہم پہلے یہاں بیان کر چکے ہیں۔

غسل میں بدن پر پانی ڈالنے کی ابتداء اپنے دائیں شانے سے کرے پھر بائیں شانے (مونڈھے) پر ڈالے پھر اپنے سر پر، اور اس کے بعد اپنے تمام جسم پر اس طرح کہ اس کو ملتا جائے کہ یہ مستحب ہے، اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ پہلے دائیں مونڈھے پر پانی ڈالے پھر سر پر اور بعض علماء نے فرمایا کہ ابتداءً اپنے سر پر پانی ڈالے اور یہی تیسرا قول صحیح تر ہے اور یہی ظاہر الراویہ اور ظاہر الاحادیث ہے اور بحر الرائق میں کہا گیا ہے کہ اسی وجہ سے درر کی تصحیح کو ضعیف قرار دیا گیا ہے، یعنی ملا خسرو نے جو اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ پہلے دائیں مونڈھے پر پھر بائیں مونڈھے پر اور ان دونوں کے بعد سر پر پانی ڈالے اور یہی صحیح

ہے، اس کی تضعیف کی گئی ہے۔

تشریح غسل کے لئے ایک صاع (ساڑھے تین سیر) اور وضو کے واسطے ایک مد (پندرہ چھٹانک) بتایا گیا ہے، صحیحین اور نسائی میں امام محمد باقرؒ سے روایت ہے کہ ہم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے غسل کے متعلق پوچھا کہ اس میں کتنا پانی خرچ کیا جائے۔ جواب میں حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ تم کو ایک صاع پانی کافی ہوگا۔ ایک شخص نے کہا کہ اتنا پانی مرے واسطے کافی نہیں ہے، حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ سرور کونین ﷺ کے غسل کے لئے ایک صاع پانی کافی ہوا کرتا تھا جن کے جسم مبارک پر تجھ سے زیادہ بال تھے اور جو تم سے ہر طرح افضل واعلیٰ تھے کذافی التیسیر۔

اور فقہا نے کہا ہے کہ اس مقدار کا منشاء یہ نہیں ہے کہ اس مقدار سے زیادہ یا کم خرچ کرنا درست نہیں ہے بلکہ شریعت کا منشاء یہ ہے کہ جتنی ضرورت ہو اتنا خرچ کرو زیادہ پانی برباد نہ کرو، اعتدال پسندیدہ چیز ہے علامہ شرنبلالیؒ نے بھی یہی مفہوم لیا ہے اور صاحب البحرالرائق نے بھی یہی لیا ہے کہ یہ مقدار متعین لازم نہیں ہے بلکہ اگر اس سے کم مقدار میں غسل پورا ہو جائے تو بھی ٹھیک ہے اور ایک صاع (ساڑھے تین سیر پانی) کافی نہ ہو تو اس سے زیادہ بھی بلاتردد خرچ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ انسانوں کے حالات اور ان کی طبیعتیں جداگانہ ہوتی ہیں اور بدائع میں بھی یہی مطلب بیان کیا گیا ہے اور علامہ نووی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مقدار معین لازم نہیں، کذافی الطحطاوی۔

پانی ڈالنا کہاں سے شروع کیا جائے، اس میں تین قول ہوئے پہلا یہ کہ اولاً دائیں شانے پر پھر بائیں پر پھر سر پر دوسرا یہ کہ پہلے دائیں شانے پر پھر سر پھر بائیں پر۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلے سر پر پھر دائیں شانے پر پھر بائیں پر مصنفؒ نے تیسرے قول کو ظاہر الروایہ اور اصح اور حدیث کے مطابق قرار دیا ظاہر الروایۃ سے مراد امام محمدؒ کی کتاب المبسوط (جس کو اصل بھی کہتے ہیں) جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر سیر کبیر، اور زیادات ہے یا حاکم شہید نے امام محمدؒ کی ان کتابوں سے جو کتابیں تیار کی ہیں منتقی اور کافی یہ مراد ہیں۔

رہ گئی حدیث تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے صحاح ستہ میں روایت ہے کہ میں رحمتِ دوعالم ﷺ کے غسل جنابت کے لئے پانی لائی، آں حضرت ﷺ نے پہلے دونوں ہاتھ دو یا تین مرتبہ دھوئے اس کے بعد دونوں ہاتھ پانی میں ڈالے اور پانی لے کر شرمگاہ میں ڈالا اور بائیں سے اسے دھویا، پھر اس بائیں ہاتھ کو زمین پر خوب رگڑ کر دھویا پھر وضو کیا جیسے نماز کے لئے کیا کرتے تھے اس کے بعد پانی لے کر تین مرتبہ سر پر پانی ڈالا پھر باقی جسم کو دھویا پھر وہاں سے ہٹ کر دونوں پاؤں دھوئے کذافی العینی شرح الہدایہ اور فی تیسیر الوصول الی جامع الاصول میں صحاح ستہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تھے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے تھے، پھر نماز کی طرح کا وضو کرتے، پھر انگلیوں کو پانی میں ڈال کر ان سے بالوں کی جڑوں میں خلال کرتے یہاں تک کہ تمام بالوں کے تر ہو جانے کا گمان غالب ہو تا تھا، اس کے بعد سر پر تین مرتبہ پانی بہاتے پھر باقی جسم کو دھوتے اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپ جب جنابت کا غسل فرماتے تو پانی کا برتن ہاتھ میں اٹھاتے اور سر کے دائیں جانب سے شروع کرتے پھر سر کے بائیں طرف پانی بہاتے، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ابتداء سر سے سنت کے مطابق ہے اور اختتام پیروں کے دھونے پر واللہ اعلم۔

وصح نقل بلة عضو الى عضو آخر فيه بشرط التقاطر لا في الوضوء لمامر ان البدن كله كعضو واحد

ترجمہ: غسل میں ایک حصہ بدن کا پانی دوسرے حصہ کی طرف اس شرط کے ساتھ لے جانا درست ہے کہ وہ ٹپکے، لیکن یہ ایک عضو کا پانی دوسرے عضو کے واسطے لے جانا وضو کے اندر صحیح نہیں ہے، جس کی وجہ پہلے گذر چکی کہ غسل میں سارا بدن ایک عضو کے حکم میں ہے بخلاف وضو کے کہ اس میں ہر عضو علیحدہ علیحدہ شمار ہوتا ہے۔

تشریح: منشاء یہ ہے کہ وضو میں جس عضو کو ایک پانی سے دھور ہے ہیں، اسی عضو کے پانی سے دوسرے عضو کا دھونا درست نہیں ہے بلکہ اس کے لئے دوسرا پانی لینا ہوگا، ہاں غسل میں چونکہ تمام بدن عضو واحد کے حکم میں ہے اس لئے ایک عضو کے پانی کو منتقل کر کے دوسرے عضو کی طرف لے جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے، البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ پانی اتنا ہو کہ وہ جا کر دوسرے عضو سے ٹپکے تاکہ حکماً اس پر دھونے کا اطلاق ہو سکے۔

وفرض الغسل عند خروج منى من العضو والافلا يفرض اتفاقاً لانه فى حكم الباطن منفصل عن مقره هو صلب الرجل وترائب المرأة ومنيه ابيض ومنيها اصفر فلو اغتسلت فخرج منها منى ان (كان) مينها اعادت الغسل لاالصلوٰة والالا بشهوة اى لذة ولو حكما كمحتلم (خلا فاًللشافعى) ولم يذكرالدفق ليشمل منى المرأة لان الدفق فيه غير ظاهر وا ما اسناده اليه ايضافى قوله تعالىٰ خلق من ماءٍ دافقٍ الأية فيحتمل التغليب فالمستدل بها كا لقهستانى تبعاً لا خى جلبى غير مصيب تامل.

غسل کن صورتوں میں فرض ہے؟

ترجمہ: عضو مخصوص (مرد و عورت کی شرمگاہ) سے منی باہر نکلنے سے غسل فرض کیا گیا ہے اس طرح کہ وہ منی نکلے کہ اپنے ٹھکانے سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی ہو خواہ یہ لذت حقیقی ہو یا حکمی، جیسے خواب دیکھنے والے کی لذت ورنہ اگر منی عضو مخصوص سے باہر نہ آئے تو بالاتفاق غسل فرض نہیں ہے اس وجہ سے کہ وہ داخل کے حکم میں ہے (اور اندرون جسم میں نجاست کا اعتبار شریعت میں نہیں ہے) اور منی کا ٹھکانا مرد کی پیٹھ ہے اور عورت کی چھاتی کی ہڈیاں، مرد کی منی سفید اور گاڑھی ہوتی ہے (جس کے نکلنے سے عضو تناسل ست پڑ جاتا ہے، اور عورت کی منی زرد رنگ کی اور پتلی ہوتی ہے اب اگر عورت مرد کے ہمبستر ہونے کے بعد غسل کر چکی تھی کہ اس کی شرمگاہ سے منی نکلی، اور وہ عورت کی ہی منی ہے تو اسے چاہئے کہ غسل کا اعادہ کرے یعنی دوبارہ غسل کرے، لیکن اس نماز کا اعادہ نہیں کرے گی جو غسل کرنے کے بعد پڑھ چکی تھی۔ اور اگر غسل کے بعد نکلنے والی منی عورت کی منی نہیں ہے بلکہ مرد کی منی ہے جو عورت کی شرمگاہ سے نکلی ہے تو عورت پر دوبارہ

غسل نہیں ہے۔

مصنفؒ نے جہاں منی کے نکلنے میں شہوت کی قید لگائی ہے وہاں دفق یعنی اچھلنے اور کودنے کی قید نہیں لگائی تاکہ یہ عورت کی منی کو بھی شامل ہو جائے کیونکہ عورت کی منی میں اچھلنا یا کودنا ظاہراً پایا نہیں جاتا، البتہ شہوت پائی جاتی ہے جیسے مرد میں باقی قرآن پاک کی آیت "خُلِقَ مِنۡ مَّاۤءٍ دَافِقٍ" کے اندر دفق یعنی اچھلنے کی نسبت جو کی گئی ہے تو یہ مرد کی وجہ سے ہے، گویا یہاں تغلیب کا احتمال ہے، لہٰذا جن لوگوں نے عورت کی منی کے اچھلنے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے وہ درست نہیں ہے جیسے قہستانی نقایہ کے شارح اخی حلبی کی پیروی میں دلیل لائے ہیں غور کر لیا جائے۔

تشریح یہاں سے ان چیزوں کا بیان شروع کیا گیا ہے جن کی وجہ سے غسل کرنا مرد یا عورت پر فرض ہے پہلی چیز جس کی وجہ سے غسل مرد و عورت پر فرض ہوتا ہے، خروجِ منی ہے، یعنی مرد یا عورت کے عضوِ مخصوص سے شہوت ولذت کے ساتھ مادۂ منویہ کا خارج ہونا، اس طرح کہ وہ عضوِ مخصوص سے باہر آجائے لذت و شہوت کبھی حقیقتاً ہوتی ہے جیسے جاگتے ہوئے کبھی حکماً ہوتی ہے جیسے خواب میں احتلام و شہوت کا پایا جانا کہ انہیں حقیقی لذت میسر نہیں ہوتی، مگر ہوتی ضرور ہے، اور کبھی لذت کا صحیح احساس نہیں ہوتا، مگر تری پائی جاتی ہے۔ پھر بتایا گیا کہ منی کہاں سے نکلتی ہے، اور مرد کی منی کا کیا رنگ ہوتا ہے اور عورت کی منی کا کیا؟ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ مرد کی منی جس وقت نکلتی ہے اس وقت اس میں دفق یعنی اچھلنا اور کودنا پایا جاتا ہے عورت کی منی م یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ یہاں وسعت ہوتی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو مردوں کی منی میں بھی اچھلنے کی قید نہیں لگاتے۔

آیت قرآنی لا کر ایک اعتراض کا جواب دیا کہ قرآنی آیت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس طرح مرد کی منی کے نکلتے وقت منی کا اچھلنا پایا جاتا ہے یہی حال عورت کی منی کا ہوتا ہے اس لئے آیت میں دونوں کی طرف اچھلنے کی قید ہے، شارح نے جواب دیا کہ مرد و عورت دونوں کا بیان ساتھ کیا گیا ہے گو حال یہ ہے کہ مرد میں یہ کیفیت ہوتی ہے عورت میں نہیں تو مرد کی منی کو عورت کی منی پر غلبہ دیا گیا اور آیت میں ماء سے مرد و عورت کی ملی جلی منی مراد ہے اور حلبی نے کہا دفق کے معنی منی کا اپنی جگہ سے نیچے اترنا ہے اور یہ اترنا دونوں کی منی میں پایا جاتا ہے، لہٰذا اس توجیہ پر کودنے کا کوئی جھگڑا پیدا نہیں ہوتا۔

ولا نه ليس بشرط عند هما خلا فاللثانى ولذاقال وان لم يخرج من رأس الذكر بها وشرطه ابو يوسفؒ وبقوله يفتىٰ فى ضيف خاف ريبة اواستحى كما فى المستصفىٰ وفى القهستانى والتاتار خانية معزيا للنوازل وبقول ابى يوسفؒ ناخذ لانه ايسر على المسلمين قلت ولا سيما فى الشتاء والسفرو فى الخانية خرج منى بعد البول وذكره منتشرلزمه الغسل قال فى البحر ومحمله ان وجد الشهوة وهو تقييد قولهم بعد الغسل بخروجه بعد البول.

ترجمہ اور کودنے کی قید منی کے نکلنے میں مصنفؒ نے اس لئے نہیں لگائی ہے کہ امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کودنے کی شرط نہیں ہے اور اسی وجہ سے ماتن نے کہا کہ "اگرچہ منی مرد کی شرمگاہ سے شہوت کے ساتھ نہ نکلے" تو بھی غسل واجب ہوگا، برخلاف امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے کہ یہ "کودنے" کی شرط لگاتے ہیں، یعنی غسل اس وقت

واجب ہوگا، جب مرد کے عضوِ مخصوص کے سر سے منی نکلتے وقت شہوت پائی جائے، اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر اس مہمان کے باب میں فتویٰ بھی دیا جاتا ہے جس کو تہمت اور لوگوں کی بدگمانی کا خوف ہو، یا جو شرمایا ہوا ہو جیسا کہ مستصفیٰ میں ہے (یعنی مہمان کو رات یا دن میں احتلام ہوا، یا کسی پر شہوت کی نظر پڑ گئی اس نے عضوِ مخصوص کو دبالیا کہ منی نہ نکلنے پائے، جب شہوت ختم ہو چکی تو اس نے چھوڑ دیا، چنانچہ اس کے بعد منی نکلی اور اس نے ایسا تہمت یا حیا کی وجہ سے کیا تو امام ابو یوسفؒ کے قول کی بنیاد پر اس پر غسل فرض نہیں ہے، مہمان کے علاوہ کسی کے لئے یہ رعایت نہیں ہے) اور قہستانی اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں نوازل سے منقول ہے کہ "ہم امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، اس وجہ سے کہ اس میں مسلمانوں کے لئے بہت زیادہ آسانی ہے، میں کہتا ہوں کہ بالخصوص یہ قول جاڑا اور سفر میں اور بھی سہل ہے، اور فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ کسی کو پیشاب کرنے کے بعد منی نکلی، اس طرح کہ اس کا عضوِ مخصوص استادہ ہے، تو اسے غسل کرنا لازم ہوگا۔ البحرالرائق میں کہا کہ یہ مسئلہ اس صورت پر محمول ہے کہ استادگی کے ساتھ شہوت بھی پائی جائے، اور شہوت کے ساتھ عضوِ مخصوص کی استادگی (کھڑا ہونا) سے فقہاء کرام کے اس مطلق قول کو مقید کرنا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پیشاب کے بعد منی نکلنے سے غسل لازم نہیں ہوتا۔ یعنی اس وقت جبکہ عضوِ مخصوص میں استادگی اور شہوت نہ پائی جائے۔

تشریح دفق کے معنی اچھل کر بہنا آتا ہے یہ مصدر متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی، متعدی ہوگا تو معنی ہوں گے سختی کیساتھ دھکا دینا، اور لازم ہوگا تو معنی ہوں گے نکلنا، پہلے معنی کے اعتبار سے طرفین (امام اعظمؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک عضوِ مخصوص کے سرے سے نکلتے وقت دفق کی شرط نہیں ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے یعنی سرِ ذکر سے خروج تو یہ امام ابو یوسفؒ اور طرفینؒ سبھوں کے یہاں شرط ہے، یعنی اس وقت، غسل واجب نہ ہوگا جب تک منی عضو مخصوص کے سرے سے باہر نہ آجائے، شارح نے اسی متعدی والے معنی کی نفی کی ہے۔

طرفین اور امام ابو یوسفؒ میں جو اختلاف ہے اس کا ثمرہ چند صورتوں میں ظاہر ہوگا مثلاً ایک شخص کو احتلام ہوا اس نے عضوِ مخصوص کو دبالیا تا آنکہ شہوت جاتی رہی پھر اس کے بعد منی نکلی تو طرفین کے نزدیک غسل لازم ہوگا، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لازم نہ ہوگا، یا کسی پر شہوت سے نظر پڑ گئی اور منی اپنی جگہ سے چلی پھر اس نے عضو کو دبالیا، شہوت تھوڑی دیر میں ختم ہو گئی اب منی نکلی، یا غسل کر لیا اور پیشاب نہیں کیا تھا، بعد میں پیشاب جب کیا تو پھر بقیہ منی بغیر شہوت نکلی تو ان صورتوں میں طرفینؒ کے نزدیک غسل دوبارہ واجب ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں۔

مہمان کی قید لگا کر بتایا کہ امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ ایسے مہمانوں کے حق میں دیا جاسکتا ہے جو شرمیلے ہوں یا انہیں تہمت کا اندیشہ ہو، بقیہ لوگوں کے لئے طرفینؒ کے قول پر فتویٰ ہوگا، چنانچہ البحرالرائق میں سراج الوہاج سے اس مسئلہ میں صراحت نقل کی گئی ہے اور قہستانیؒ وغیرہ نے نوازل کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مہمان کی قید کے بغیر عام مسلمانوں کے لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ اس میں بڑی سہولت ہے بالخصوص موسم سرما اور سفر میں، گذشتہ نمازوں کے باب میں بھی اور آئندہ کی نمازوں کے باب میں بھی، اور شرح مسعودی میں لکھا ہے کہ گذشتہ نمازوں کے سلسلہ میں جو بدگمانی کے ڈر سے پڑھ چکے ہیں، امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ وہ نماز ہو گئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں اور آنے والی نمازوں کے سلسلہ میں طرفین کے قول پر فتویٰ دیا جائے کہ غسل کر کے نماز ادا کرے، مختصر یہ کہ دونوں قول پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے،

لیکن احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ طرفین کے قول پر فتویٰ دیا جائے ہاں اگر کہیں کوئی ضرورت ہو یا مجبوری تو امام ابو یوسف کے قول پر بھی فتویٰ دیا جاسکتا ہے۔

فتاویٰ خانیہ سے جو جزئیہ نقل کیا گیا اس کی روشنی میں کتب فقہ میں جو یہ جزئیہ منقول ہے کہ اگر کسی کو پیشاب یا سونے یا زیادہ چلنے کے بعد منی نکلی ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا، تو یہاں یہ قول مطلق نہ ہوگا بلکہ یہاں یہ قید ہوگی کہ اس وقت انتشار اور شہوت نہ پائی جائے لیکن اگر اس وقت آلہ میں انتشار اور شہوت موجود تھی تو غسل واجب ہوگا کیونکہ یہ ایسا جدید انزال قرار پائے گا جس کے ساتھ انتشار اور شہوت پائی گئی ہے۔

وعند ایلاج حشفة هی مافوق الختان آدمی احتراز عن الجنی یعنی اذالم تنزل واذا لم یظهر لها فی صورة الاٰدمی کما فی البحر اوایلا ج قدرها من مقطوعها ولو لم یبق منه قدر ها قال فی الاشباه لم یتعلق به حکم ولم اره (کذافی الطحطاوی) فی احد سبیلی آدمی حی یجامع مثله سیجئ محترزه علیها ای الفاعل والمفعول لو کانا مکلفین ولو احدهما مکلفا فعلیه فقط دون المراهق لکن یمنع من الصلوٰة حتی یغتسل ویؤ مربه ابن عشر تادیباً (کذافی العالمگیر یة عن المحیط) وان وصلیة لمینزل منیا بالا جماع یعنی لو فی دبر غیره امافی دبر نفسه فرجح فی النهر عدم الوجوب الا بالا نزال ولا یرد الخنثی المشکل فانه لاغسل علیه بایلا جه فی قبل اودُبر ولا علی من جامعه الا بالا نزال لان الکلام فی حشفة وسبیلین محققین.

ترجمہ اور غسل اس وقت فرض ہے جب آدمی اپنے عضوِ مخصوص کا حشفہ یعنی ختنہ کی جگہ سے اوپر والا حصہ (سپاری) اور جس کا یہ حشفہ باقی نہ ہو، بلکہ کٹا ہوا ہو، وہ عضو تناسل کا بقدر حشفہ حصہ زندہ قابل جماع آدمی کے دونوں راستوں اگلے پچھلے میں سے کسی میں داخل کرے اور غسل فاعل و مفعول دونوں پر فرض ہے بشرطیکہ وہ دونوں مکلّف (عاقل، بالغ اور مسلمان) ہوں، اور اگر ان دونوں میں سے ایک مکلّف ہو اور دوسرا مکلف نہ ہو بلکہ وہ نابالغ یا پاگل ہو تو صرف مکلف پر غسل فرض ہے غیر مکلف پر غسل فرض نہیں ہے اور نہ مراہق یعنی ایسے نابالغ پر جو قریب البلوغ ہو، لیکن مراہق کو جب تک وہ غسل نہ کرلے نماز سے روکا جائے گا، اور دس برس کے لڑکے کو ادب سکھانے کے طور پر اس صورت میں غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ اسے طہارت کی عادت ہو جائے حشفہ کے داخل کرنے سے غسل بالاتفاق فرض ہے خواہ اس کو انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اگر اس نے آلۂ تناسل کا یہ حصہ اپنے غیر کے پچھلے حصہ میں داخل کیا ہے، اور اگر کوئی اپنے پچھلے حصہ میں داخل کرے تو بلا انزال غسل واجب نہیں ہوگا، نہر الفائق میں اس کو راجح قرار دیا ہے، اور مصنفؒ کے اس قول کی بنیاد پر خنثیٰ مشکل سے اس عبارت پر اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے، اس وجہ سے کہ اگلے یا پچھلے حصہ میں حشفہ یا اس کی مقدار کے داخل کرنے سے اس خنثیٰ مشکل پر غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ اس شخص پر غسل واجب ہوتا ہے جو خنثیٰ مشکل سے جماع کرے جب تک اس کو انزال نہ ہو جائے اس لئے کہ یہاں گفتگو اس واقعی حشفہ اور اگلے پچھلے حصہ میں ہے جو درحقیقت پایا جائے، جس کا وجود مشکوک ہو اس میں بحث نہیں ہے، اوپر آدمی کے حشفہ کی قید سے جن کے حشفہ سے احتراز ہے یعنی اگر کوئی جن کسی عورت سے جماع کرے اور

وہ اس کے سامنے آدمی کی صورت میں ظاہر نہ ہو اس کو انزال ہو تو غسل واجب نہ ہوگا جیسا کہ البحرالرائق میں ہے اور جس کو بقدرِ حشفہ بھی عضوِ تناسل نہ ہو، اشباہ میں کہا کہ اس سے متعلق کوئی حکم نہیں ہے اور نہ میں نے یہ مسئلہ کسی کتاب میں دیکھا۔

تشریح حشفہ آلۂ تناسل کا وہ حصہ ہے جو ختنہ کی جگہ سے اوپر ہے اور جسے سپاری کہتے ہیں، منشاء یہ ہے کہ یہ حشفہ والا حصہ اور جس کا یہ حصہ نہیں ہے اس کا اس مقدار کے برابر اگر زندہ قابل جماع مرد دعورت کے اگلے حصہ میں یا پچھلے حصہ میں چلا جائے انزال ہو یا نہ ہو، غسل واجب ہوگا، باقی اگر کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ میرے ساتھ جن خواب میں یہ فعل کرتا ہے اور اس سے مجھے لذت بھی محسوس ہوتی ہے اسی طرح جس طرح شوہر کے جماع سے حاصل ہوتی ہے تو کیا غسل واجب ہوگا یا نہیں، تو اس کو جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر تم کو انزال ہوا ہے تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں، گویا یہ احتلام قرار پائے گا اور احتلام سے غسل واجب ہوتا ہے، اور اگر صورت یہ ہوئی کہ وہ جن آدمی کی صورت میں ظاہر ہوا اور ظاہر ہو کر اس نے مرد کی طرح عورت سے جماع کیا تو فقط اس کے حشفہ داخل کر دینے سے اس عورت پر غسل واجب ہوگا، اس عورت کو انزال ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں، اسی طرح اگر کوئی جنبیہ عورت کی صورت میں ظاہر ہو اور کوئی مرد اس سے جماع کرے تو اس پر غسل واجب ہوگا، اس لئے کہ حکم ظاہر پر دیا جاتا ہے۔

باقی جس کا آلۂ تناسل میں سے حشفہ کے برابر بھی باقی نہ رہا بلکہ اس سے بھی کم رہا اور اس کا دخول پایا گیا تو کیا حکم ہوگا تو اس کا جواب اشباہ کے حوالہ سے یہ دیا کہ حشفہ والے احکام اس پر نافذ نہیں ہوں گے، مثلاً حشفہ یا اس کی مقدار برابر داخل کرنے سے غسل واجب ہوتا ہے لیکن جس کو یہ مقدار بھی نہیں ہے اس پر اس کے داخل کرنے سے غسل واجب نہ ہوگا اور سوال کرنے کے وقت اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، طحطاوی نے مقدسی سے یہی نقل کیا ہے۔

اور کوئی شبہ نہیں کہ حشفہ کے غائب ہونے سے ہی غسل واجب ہو جاتا ہے انزال کی شرط نہیں ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مرد کسی عورت کی چار شاخوں میں بیٹھا اور ایک کی شرمگاہ نے دوسرے کی شرمگاہ کو چھوا تو بیشک غسل واجب ہو گیا، مسلم میں یہ جملہ بڑھا ہوا ہے کہ چاہے اس کو انزال نہ ہوا ہو، باقی مسلم کی یہ حدیث "اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ" کہ غسل انزال سے ہے، احتلام پر محمول ہے، چنانچہ ترمذی میں عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی صراحت موجود ہے کذا فی العینی۔

دس برس کا لڑکا جس میں شہوت پائی جاتی ہے اگر کسی عورتِ بالغہ سے جماع کرے تو اس عورت پر غسل واجب ہے مگر لڑکے پر نابالغ ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ غسل کرے، تاکہ اس کو طہارت کی عادت ہو سکے بلکہ اگر نہ کرے تو اس کو مارنے کی بھی اجازت ہوگی جیسے نماز کے باب میں حکم دیا گیا ہے اسی طرح نابالغ لڑکی قابلِ جماع سے کوئی بالغ جماع کرے تو بالغ مرد پر غسل واجب ہوگا اور اس لڑکی پر واجب نہ ہوگا۔ مگر اس کو غسل کا حکم دیا جائے گا۔

زندہ آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی میں حشفہ کے غائب ہونے سے غسل واجب ہوتا ہے لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بیوی یا کسی لڑکے سے لواطت جائز ہے، بلکہ یہ حرام ہے، جس کی تفصیل دوسرے باب میں آئے گی، یہاں تو صرف یہ بتانا تھا کہ جائز کام کرے یا ناجائز، اگر یہ صورت پائی جائے گی تو اس پر غسل واجب ہوگا اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے خاکسار کی

کتاب "اسلام کا نظام عفت وعصمت اور تعمیر سیرت"

جس سے لواطت کی جائے یعنی مفعول بہ احتیاطا اس پر غسل واجب ہے، اگر بقدر حشفہ دخول پایا گیا ہے مکلف اسے کہتے ہیں جو عاقل ہو بالغ ہو اور مسلمان ہو وجوبی طور پر احکام شرع مکلفین ہی پر عائد ہوتے ہیں، مصنف نے کہا کہ دونوں راستوں میں سے کسی میں حشفہ کے داخل کرنے سے مکلف پر غسل واجب ہوتا ہے، اب اگر یہ کوئی اعتراض کرے کہ خنثی مشکل اگر حشفہ دونوں راستوں میں سے کسی میں داخل کرے تو اس پر غسل واجب ہونا چاہئے کیونکہ عاقل بالغ یہ بھی ہوتے ہیں، حالانکہ نہ ان پر غسل واجب ہوتا ہے اور نہ ان سے جماع کرنے والے پر جب تک اس کو انزال نہ ہو جائے، آخر یہ کیوں؟ اس کا جواب یہ دیا کہ حشفہ سے حشفہ حقیقی مراد ہے اور سبیلین سے واقعی جو سبیلین ہیں وہ مراد ہیں، اور خنثی مشکل کا حشفہ اور اس کی شرمگاہ مشکوک الوجود ہیں، محقق الوجود نہیں، یعنی ان کے حشفہ کے حشفہ ہونے میں اور ان کی شرمگاہ کے شرمگاہ ہونے میں شبہ ہے، خنثی مشکل مثلاً بحیثیت فاعل جو حشفہ داخل کر رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ خنثی بجائے مرد کے عورت ہو، تو اس کا حشفہ ذکر عضو زائد قرار پائے گا، اور وہ مثل انگلی کے ہو جائے گا جس طرح انگلی داخل کرنے سے داخل کرنے والے پر غسل واجب نہیں ہوتا، اسی طرح اس پر بھی واجب نہ ہوگا، اور اگر جس خنثی کی زنانہ شرمگاہ میں داخل کیا ہو سکتا ہے وہ عورت نہ ہو مرد ہو، تو اس کی زنانہ شرمگاہ ایک زخم کے درجہ میں ہوگی جس میں داخل کرنے سے غسل واجب نہیں ہوا کرتا، تو اس طرح دونوں میں سے کسی پر غسل واجب نہیں ہوگا خنثی کے مفعول ہونے میں اس لیے غسل واجب نہیں کہ ہو سکتا ہے وہ مرد ہو، اور اس کی زنانہ شرمگاہ بمنزلہ زخم قرار پائے۔

اور زنانہ شرمگاہ کی قید لگانے سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی حقیقی مرد خنثی مشکل کے پچھلے حصہ میں واقعی اپنا آلۂ تناسل داخل کرے گا تو اس سے دونوں پر غسل واجب ہوگا، خنثی مشکل کی بحث میں سبیلین سے مراد مردانہ اور زنانہ شرمگاہ ہے، پچھلا حصہ (دبر) مراد نہیں ہے، اس لئے اس کے پائے جانے سے قطعا شبہ نہیں ہے۔

وعند روية مستيقظ خرج روية السكران والمغمى عليه المذى منياً اومذيا وان لم يتذكر الاحتلام الا اذا علم انه مذى اوشك انه مذى اوودى او كان ذكره منتشر اقبيل النوم فلا غسل عليه اتفاقاً كالودى لكن فى الجواهر الااذا نام مضطجعاًوتيقن انه منى اوتذكر حلماً فعليه الغسل والناس عنه غافلون لايفترض ان تذكر ولو مع اللذة والانزال ولم يرعلى راس الذكر بللا اجماعا وكذالمرأة مثل الرجل على المذهب (انتهى ما فى المنح ملخصاً) ولو وجد بين الزوجين ماء ولا مميز ولا تذكر ولانام قبلهما غيرهما اغتسلا اولج حشفته اوقدرها ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع وجب الغسل والا لا على الاصح والا حوط الوجوب.

ترجمہ اور غسل فرض ہے جب کہ سو کر جاگنے والا اپنے بدن یا کپڑے پر منی یا مذی دیکھے، اگرچہ اس کو احتلام کا ہونا یاد نہ ہو، شارح نے کہا کہ مستیقظ (سو کر جاگنے) کی قید سے مست اور وہ شخص نکل گیا جس پر غشی طاری ہو، یا وہ مذی کو دیکھے یعنی ان صورتوں میں ان پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ اور نیند سے بیدار ہونے والے پر اس وقت غسل فرض نہیں ہے جب اس کو یقین ہو کہ یہ تری مذی کی ہے یا اسے اس میں تردد ہو کہ یہ تری مذی ہے یا ودی، تو اس وقت بھی تری دیکھنے والے پر غسل واجب نہیں جبکہ سونے سے پہلے اس کا ذکر استادہ تھا، اس میں امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا اتفاق ہے اور یہ ودی دیکھنے

کی طرح ہے کہ اس صورت میں بھی بالاتفاق غسل نہیں ہے، لیکن جواہر حاشیہ "الاشباہ والنظائر" میں یہ ہے کہ سونے سے پہلے آلہ تناسل میں انتشار ہونے کی صورت میں غسل فرض نہیں، مگر ہاں اس وقت غسل فرض ہے جب کہ سونے والا کروٹ پر سویا ہو، یا اس کو یقین ہو کہ یہ تری منی کی ہی ہے یا اس کو خواب اور احتلام یاد ہو، اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

غسل اس شخص پر بالاتفاق فرض نہیں ہے جیسے احتلام کا ہونا تو یاد ہے بلکہ لذت وانزال کا ہونا بھی، مگر وہ سرذکر یا کپڑے وغیرہ پر کوئی تری نہیں پاتا اور قابل اعتماد مذہب کی بنیاد پر عورت کا بھی وہی حکم ہے جو مرد کا بیان ہوا یعنی جب تک عورت تری نہ دیکھے اس وقت تک صرف احتلام کے یاد ہونے سے اس پر غسل واجب نہیں ہوتا ہے، اور اگر میاں بیوی نے اس بستر پر تری دیکھی جس پر دونوں سوئے ہوئے تھے اور کوئی امتیاز نہیں ہے کہ یہ تری مرد کی ہے یا عورت کی، اور دونوں کو احتلام بھی یاد نہیں ہے اور اس بستر پر ان دونوں سے پہلے کوئی سویا بھی نہیں ہے تو دونوں پر غسل واجب ہوگا۔

کسی نے حشفہ یا حشفہ کی مقدار ذکر کپڑے میں لپیٹ کر زنانہ شرمگاہ یا عورت و مرد کے پچھلے حصہ میں داخل کیا تو اگر اس نے اس طرح کرنے میں جماع کی لذت پائی ہے تو اس پر غسل واجب ہوگا ورنہ اصح قول کی بنیاد پر واجب نہ ہوگا، یعنی اگر لذت اور گرمی نہیں محسوس کی ہے تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا مگر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ غسل کو واجب کہا جائے۔

تشریح جو نشہ وغیرہ میں مست ہو یا اس پر بے ہوشی طاری ہو اور وہ مذی کی تری پائے تو ان دونوں پر غسل واجب نہیں ہے، بخلاف اس شخص کے جو نیند سے بیدار ہوا ہے، نیند سے جاگنے والا جس نے مذی دیکھی ہے اس میں اور اس مست اور بے ہوش میں جس نے مذی دیکھی ہے دونوں میں فرق ہے، نیند میں احتلام کا احتمال ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ جس کو وہ مذی سمجھ رہا ہے منی ہو، ہوا کے گرم ہونے یا غذا کی وجہ سے منی پتلی ہوگئی ہو، اور مست و بے ہوش میں یہ سبب نہیں پایا جاتا، وہ شخص جو سو کر جاگا اور اس نے بدن یا کپڑے پر مذی دیکھی، اس کی چودہ صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اس کو یقین ہے کہ یا یہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی ہے یا یہ اس کو شبہ ہے کہ یہ منی ہے یا مذی ہے یا اس میں شبہ ہے کہ منی ہے یا ودی، یا شبہ اس میں ہے کہ مذی ہے یا ودی ہے، یا یہ شبہ ہے کہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی ہے، پھر ان تمام صورتوں میں یا تو احتلام ہونا یاد ہے یا یاد نہیں ہے، اس طرح سات دونا چودہ صورتیں ہوگئیں۔

اب اگر اس کو منی کا یقین ہے تو اس پر غسل واجب ہے خواہ احتلام یاد ہو، یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں، یا اس کو یہ یقین ہو کہ یہ مذی ہے اور احتلام بھی یاد ہو تو بھی غسل واجب ہوگا، یا اس کو یہ شک ہے کہ یہ یا تو منی ہے یا مذی، یا منی اور ودی ہونے میں شبہ ہو، یا ودی اور مذی میں شبہ ہو، مگر احتلام یاد ہے تو ان تینوں صورتوں میں بھی غسل واجب ہوگا، یا شک ہو کہ یہ منی ہے یا ودی ہے یا مذی، اور احتلام یاد ہو تو بالاتفاق غسل واجب ہے، اور اگر اس صورت میں احتلام یاد نہ ہو تو طرفینؒ کے نزدیک پھر بھی غسل واجب ہے مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں، اور جب یہ یقین ہو کہ یہ تری ودی ہے تو غسل واجب نہ ہوگا خواہ احتلام یاد ہو یا نہ ہو، یا شک ہے کہ یہ مذی ہے یا ودی یا یقین ہو کہ مذی ہی ہے مگر احتلام یاد نہیں ہے تو ان صورتوں میں غسل واجب نہ ہوگا۔

اور یہ جو کہا مذی کا یقین ہو یا مذی اور ودی میں شبہ ہو لیکن سونے کے پہلے آلہ تناسل میں استادگی تھی تو غسل واجب نہ ہوگا یہ اس وجہ سے کہ سونے سے پہلے اگر استادگی پائی گئی تھی تو یہ علامت ہے کہ یہ تری جو سونے کے بعد دیکھی گئی ہے وہ اسی کا اثر ہے اور ایسے وقت جو تری آتی ہے وہ مذی کی ہوتی ہے اور مذی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ اگر اس کو منی کا گمان

غالب ہو تو غسل لازم ہوگا۔ اور اگر سونے کے وقت آلۂ تناسل میں انتشار نہیں تھا تو سونے کے بعد والی تری منی قرار پائے گی اور غسل لازم ہوگا۔

صرف احتلام کی یاد پر نہ عورت پر غسل ہے اور نہ مرد پر، اگر تری نہیں پائی گئی، دلیل میں مسلم کی وہ حدیث پیش کی گئی ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور آں حضرت ﷺ سے کہنے لگیں، یارسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ سچی بات کے کہنے میں شرم نہیں کرتا، لہٰذا یہ فرمائیے کہ عورت کو اگر احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا اس وقت واجب ہے جب وہ پانی یعنی منی کو دیکھے لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر احتلام یاد ہو، مگر تری کا کوئی پتہ نہیں ہے تو غسل واجب نہ ہوگا، اس لئے جب شرط پائی نہیں جائے گی مشروط بھی پایا نہیں جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ عورت اور مرد کی منی میں تمیز تو اس وقت ہو سکتی ہے جب دونوں کی کوئی خاص علامت ہو اور ان میں فرق ہو؟ جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے، مرد کی منی سفید گاڑھی ہوتی ہے اور عورت کی منی پیلی اور پتلی، مرد کی منی لمبائی میں گرتی ہے اور عورت کی پھیل کر، اب اگر سونے کے بعد منی بستر پر نظر آئے تو جس کی علامت پائی جائے اور جس کو احتلام یاد ہوگا اس پر غسل واجب ہوگا، اور جب اس منی میں تمیز نہ ہو اور نہ کوئی پہلے بستر پر سویا ہے تو دونوں پر غسل لازم ہوگا، اور اگر پہلے کوئی سویا ہو اور بستر کی منی خشک ہو چکی ہو تو ظاہری طور پر یہ علامت ہوگی کہ پہلے کی ہے لہٰذا ان دونوں میں سے کسی پر غسل واجب نہ ہوگا، کیونکہ کسی کو احتلام ہونا یاد نہیں ہے۔

وعند انقطاع حیض ونفاس هذا وما قبله من اضافة الحكم الى الشرط اى يجب عنده لابه بل بوجوب الصلوٰة اوارادة مالا يحل كما مرلا عند مذى وودى بل الوضوء منه ومن البول جميعاً على الظاهر ولا عند ادخال اصبع ونحوه كذكر غير آدمى وذكر خنثى وميت وصبى لا يشتهى وما يصنع من نحوه خبث فى الدبر اوالقبل على المختار.

ترجمہ اور اس وقت غسل فرض ہے جب حیض اور نفاس بند ہو جائے یہاں شارحؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اور جو اس سے پہلے بیان کیا گیا (یعنی یہ کہ غسل جن اوقات میں واجب ہوتا ہے مثلاً جب کہ منی نکلے یا حشفہ کا داخل ہونا پایا جائے یا نیند سے بیدار ہونے والا منی وغیرہ دیکھے۔ اور یا حیض ونفاس بند ہو جاوے ان سب کی اضافت ایک شرط کی طرف ہے، جس شرط کے پائے جانے کے وقت غسل فرض ہے یہ چیزیں غسل کا سبب نہیں ہیں، بلکہ نماز کا وجوب ہے اور ان چیزوں کا ارادہ کرنا جو بلا طہارت (غسل) درست نہیں ہیں، مثلاً قرآن چھونا اور پڑھنا۔

اور مذی یا ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، بلکہ ان دونوں سے اور پیشاب سے صرف وضو واجب ہوتا ہے، ظاہر الروایۃ یہی ہے اور نہ انگلی یا اس جیسی چیز کے اگلے یا پچھلے حصہ میں داخل کرنے سے غسل فرض ہوتا ہے جیسے آدمی کے سوا کسی جانور کا یا کسی میت یا خنثی کا یا اس بچہ کا آلۂ تناسل داخل کرنا جس کو شہوت نہیں ہوتی یا آلۂ تناسل کی مانند لکڑی کا بنا کر داخل کرنا یعنی ان میں سے کسی کے داخل کرنے سے غسل فرض نہیں ہوتا، مذہب مختار یہی ہے۔

تشریح: عورت جب حیض یا نفاس میں مبتلا ہو، اور وہ بند ہو جائے تو اس وقت عورت پر غسل کرنا فرض ہے بغیر اس

کے پاک نہیں ہوگی، اور یہ چیزیں جن کی وجہ سے غسل فرض ہوتا ہے یہ سب غسل کے لئے شرط کے درجہ میں ہیں۔ سبب نہیں ہیں، غسل کا درحقیقت سبب نماز کا فرض عاید ہونا ہے اور ان صورتوں کا پیش آنا ہے جن کے لئے پاک ہونا ضروری ہے جیسے تلاوت قرآن پاک۔

اس کے بعد چند ان چیزوں کا بیان ہے جن سے غسل فرض نہیں ہوتا ہے۔ ان میں مذی، ودی، پیشاب اور پاخانہ وغیرہ داخل ہے کہ ان سے وضو تو جاتا رہتا ہے اور بوقت ضرورت وضو ضروری ہوتا ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ ودی کے یہاں ذکر کی کیا ضرورت ہے، جب پیشاب سے یہ مسئلہ معلوم ہو ہی چکا تھا کہ اس سے وضو واجب ہوتا ہے، اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں مثلاً ایک جواب یہ ہے کہ ایک شخص کو سلسل بول کی شکایت ہے تو پیشاب سے اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا مگر ودی کے نکلنے سے ٹوٹ جائے گا۔

اسی ضمن میں کچھ اور مسائل بیان کردیئے گئے جن چیزوں سے لذت جماع حاصل نہیں ہوتی ہے اور نہ اس کی وجہ سے انزال پایا جائے تو غسل فرض نہیں ہوگا۔ پچھلے حصہ میں انگلی، جانوروں یا بچوں کا آلۂ تناسل یا آلۂ تناسل جیسی لکڑی یا کوئی اور چیز، ان میں غسل کا فرض نہ ہونا ظاہر ہے اور متفق علیہ بھی لیکن اگر عورت یہ چیزیں اپنے اگلے حصہ میں داخل کرے تو اس میں بعضوں کا اختلاف ہے گو ترجیح عدم وجوب غسل کو ہی ہے اور وہ اختلاف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب عورت ان سے شہوت رانی کا ارادہ کرے تو گو عورت کو انزال نہ ہو تو بھی اس پر غسل واجب ہے اس لئے کہ عورت میں شہوت غالب ہوتی ہے تو سبب قائم مقام مسبب کا ہو سکے گا، کذا فی الطحطاوی، بلکہ بعض نے وجوب غسل کو ہی اولیٰ کہا ہے۔

ولا عند وطی بهيمة اوميتة اوصغيرة غير مشتهاة بان تصير مفضاة بالوطی (صغيرة غير مشتهاة) وان غابت الحشفة ولا ينتقض الوضوء فلا يلزم الاغسل الذكر(نقل) قهستانی عن النظم وسيجیء ان رطوبة الفرج طاهرة عنده فتنبه (كذافی الحلبی)بلا انزال لقصور الشهوة امابه فيحال عليه.

ترجمہ اور اس صورت میں غسل فرض نہیں ہے جب کوئی چوپائے یا مردہ یا ایسی بچی سے وطی کرے جو لائق شہوت نہیں ہوئی ہے اس طرح کہ اس بچی غیر مشتہاۃ کے ساتھ وطی کرنے سے وہ مفضاۃ بن جائے یعنی اس کا وہ پردہ پھٹ جائے جو اگلے اور پچھلے حصہ کے درمیان حائل رہتا ہے اور اس کے دونوں مقام مل جائیں، اس وطی میں گو حشفہ غائب ہو جائے تو بھی بلا انزال غسل فرض نہ ہوگا۔ اس لئے کہ لذت ناقص ہوتی ہے اور نہ اس سے وضو ہی ٹوٹے گا، لہٰذا ان صورتوں میں صرف عضو تناسل کا دھونا لازم ہوگا اور کچھ نہیں قہستانی نے ایسا ہی نظم سے نقل کیا ہے۔

آگے یہ بھی آرہا ہے کہ عورت کے داخل شرمگاہ کی رطوبت امام اعظمؒ کے نزدیک حکماً پاک ہے، پس یہ عضو مخصوص کا دھونا بھی صاحبینؒ کے قول پر ہے، امام اعظمؒ کے قول پر نہیں (اور یہ اختلاف اندرون شرمگاہ کی رطوبت کے باب میں ہے، ورنہ خارج شرمگاہ کی رطوبت بالاتفاق سبھوں کے نزدیک پاک ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس کا دھونا سنت کہا گیا ہے) لیکن اگر مذکورہ صورت میں انزال ہو جائے تو غسل کی فرضیت اسی پر محمول ہوگی۔

تشریح پہلے شرط لگائی گئی تھی کہ زندہ قابل شہوت آدمی کے دونوں راستوں میں سے کسی میں حشفہ داخل کرے تو غسل فرض ہوگا اسی شرط کی بنیاد پر یہ جزئیہ پیدا ہوا کہ آدمی کے بجائے جانور کے ساتھ وطی ہو تو غسل فرض نہ ہوگا، زندہ کی جگہ مردہ سے ہو تو غسل نہ ہوگا، قابل شہوت کے بجائے ایسی صورت ہو جس میں شہوت نہ پائی جائے تو غسل نہ ہوگا، خواہ مقدار ختنہ عضو تناسل کا حصہ پوری طرح داخل نہ جائے جب تک انزال نہ ہو بلکہ یہ بھی کہا کہ ان صورتوں میں وضو بھی نہیں ٹوٹے گا، باقی اسے دھولینا چاہیئے کہ اس پر جو گندگی وغیرہ لگ جائے اور یہ سب اس وجہ سے کہ ان صورتوں میں شہوت ولذت پوری نہیں پائی جاتی جو انزال کے قائم مقام قرار دی گئی ہے۔
مفضاۃ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا اگلا اور پچھلا حصہ، درمیان کا پردہ پھٹ کر مل جائے، غیر مشتہاۃ یعنی جو لائق شہوت نہ ہو اس کے ساتھ وطی کرنے سے ایسا ہوتا ہے باقی یہاں یہ مسئلہ نہیں بتایا گیا کہ یہ فعل کیسا ہے اس کا بیان دوسرے باب میں آئے گا، یقیناً یہ سارے طریقے منشاء شریعت کے خلاف ہیں اور قابل مواخذہ اور لائق تعزیر ہیں، بلکہ جس جانور سے وطی آدمی کرے گا اس جانور سے متعلق حکم یہ ہے کہ اسے ذبح کر کے جلا ڈالا جائے اور مستحب یہ ہے کہ اس کا گوشت کھایا نہ جائے، یوں اس کا گوشت حرام نہیں لیکن بچنا بہتر ہے۔

كما لاغسل لواتي عذراء ولم يزل عذرتها بضم فسكون البكارة فانها تمنع التقاء الختانين الااذا حبلت لانزالها وتعيدُ ما صلت قلب الغسل كذا قالوا وفيه نظر لان خروج منيها من فرجها الداخل شرط لوجوب الغسل على المفتي به ولم يوجد قاله الحلبي (وتمامه في الطحطاوی)

ترجمہ جیسا کہ اس پر غسل نہیں ہے جو باکرہ سے جماع کرے اور اس باکرہ کی بکارت باقی رہے اس لئے کہ بکارت (جو جھلی ہے) مرد و عورت کے عضو تناسل کو ملنے سے روکتی ہے، یعنی مرد کا عضوِ مخصوص عورت کی شرمگاہ میں اندر نہیں داخل ہوتا ہاں اگر اس وطی سے وہ باکرہ حاملہ ہو جائے تو اس پر غسل واجب ہوگا، کیونکہ اس صورت میں عورت کا انزال ثابت ہو گیا، چنانچہ باکرہ غسل کرنے سے پہلے جتنی نماز پڑھ چکی ہے اس کا اعادہ کرے گی ایسا ہی علماء مذہب نے کہا ہے۔ اور جو نقل کیا گیا اس میں نظر ہے یعنی یہ صورت قابل گفتگو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی بہ یہ ہے کہ عورت کے وجوب غسل کے لئے شرط یہ ہے کہ عورت کی منی اس کے فرج داخل سے نکلے، اور یہ شرط یہاں پائی نہیں گئی یہ حلبی نے کہا۔

تشریح عذرۃ میں عین کو پیش ہے اس کے معنی بکارت کے آتے ہیں، یہ عورت کی شرمگاہ میں ایک پردہ ہوتا ہے، جس سے عورت کا اندرونی حصہ شروع ہوتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد بالغ نے ایک باکرہ لڑکی سے جماع کیا اس طرح کہ عورت کا پردۂ بکارت باقی رہا، تو اس صورت میں قاعدہ کے تحت ان پر غسل واجب نہیں ہے کیونکہ دخول ثابت نہیں ہوا، اب فرض کیجئے اس نے غسل نہیں کیا کہ جب فرض نہیں ہوا تو کیوں غسل کریں، نماز دونوں اسی حال میں پڑھتے رہے اس کے بعد ابھی جماع کی نوبت نہیں آئی تھی کہ معلوم ہوا عورت حاملہ ہے، تو اب اس صورت میں فقہاء کہتے ہیں کہ دونوں پر غسل لازم ہے، کیونکہ بغیر دونوں کے انزال منی کے حمل قرار نہیں پا سکتا، تو گویا یہ حمل دلیل ہے۔ کہ انزال دونوں طرف سے پایا گیا، البتہ دونوں میں سے کسی کو خبر نہ ہوئی، اس لئے جماع کے بعد اور غسل سے پہلے جتنے دن یا جتنے وقت کی نماز دونوں نے پڑھی تھیں اس کا اعادہ کرنا ہوگا، کیونکہ وہ بلا طہارت پڑھی گئی تھیں لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے یہ دیکھا

جائیکہ بکارت (پردہ) منی کے نکلنے کے لئے مانع ہے بھی یا نہیں، غور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردۂ بکارت مانع نہیں کیونکہ کبھی بکارت کے رہتے ہوئے حیض آتا ہے۔

ویجب ای یفرض علی الاحیاء المسلمین کفایة اجماعاً ان یغسلو ا بالتخفیف المیت المسلم الاالخنثی المشکل فیمم کمایجب علی من اسلم جنبا اوحالضا اونفساء ولو بعدالانقطا ع علی الاصح کما فی الشرنبلا لیة عن البرهان وعلله ابن الکمال ببقاء الحدث الحکمی اوبلغ لابسن بل بانزال اوحیض اوولدت ولم ترد مًا اواصاب کل بدنه نجاسة اوبعضه وخفی مکانها فی الاصح راجع للجمیع وفی التاتار خالیة معزیاللعتا بیة والمختار وجوبه علی مجنون افاق قلت وهو یخالف مایاتی متنا الا ان یحمل انه رای مینا وهل السکران والمغنی علیه کذٰلك یراجع والا بان اسلم طاهراً وبلغ بالسن فمندوب

ترجمہ اور زندہ مسلمانوں پر بدلیل اجماع مسلمان مردوں کا غسل دینا فرض کفایہ ہے، بجز ان خنثیٰ مشکل کے جن کا جنس مرد یا جنس عورت کسی ایک میں شمار کرنا دشوار ہو، ان کو یہ تیمم کرائیں گے جس طرح ان مسلمانوں کو نہانا فرض ہے جنہوں نے حالت جنابت یا حیض یا نفاس میں اسلام قبول کیا ہے، اگرچہ حیض ونفاس کے بند ہونے کے بعد ہی کیوں نہ اسلام قبول کیا ہو، صحیح تر قول کا تقاضہ یہی ہے جیساکہ شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا گیا ہے اور ابن کمال نے انقطاع حیض ونفاس کے بعد غسل کے واجب ہونے کی دلیل حدث حکمی کے باقی رہنے کی بنیاد پر بیان کی ہے، یعنی جب حدث ہے تو وہ بغیر غسل زائل نہ ہوگا، یا آدمی عمر سے نہیں بلکہ انزال یا حیض سے جوان ہوا تو اس پر غسل کرنا لازمی ہوگا، یا عورت نے بچہ جنا لیکن خون نظر نہیں آیا، یا آدمی کے تمام بدن یا بعض بدن پر نجاست لگی اور نجاست کی جگہ پوشیدہ رہی، تو ان صورتوں میں بھی غسل کرنا ضروری ہوگا، صحیح تر مذہب یہی ہے اور اسی صحیح تر کا تعلق ان تمام صورتوں سے ہے اور تاتارخانیہ میں عتابیہ کی طرف منسوب ہے کہ مختار قول اس مجنون پر غسل کا واجب ہونا ہے جس کو پاگل پن سے افاقہ ہوگیا، میں کہتا ہوں کہ یہ قول متن کے اس قول کے مخالف ہے جو آرہا ہے کہ غسل اس صورت میں مستحب ہے، ہاں یہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ وجوب غسل کا قول اس پر محمول کیا جائے کہ پاگل نے افاقہ کے بعد اپنے بدن یا کپڑے پر منی دیکھی، اور جب یہ نہ دیکھے تو غسل مستحب ہے، تو اس طرح اختلاف باقی نہیں رہے گا، باقی کیا مست اور بے ہوش کا بھی یہی حکم ہے جو پاگل کا بیان کیا گیا؟ تو اسے دیکھنا چاہئے، یعنی میری نظر سے یہ مسئلہ نہیں گذرا اسے تلاش کرنا چاہئے اور مسلمان ہونے والا ایسا نہیں ہے بلکہ وہ حالتِ طہارت میں مسلمان ہوا ہے یا عمر کے اعتبار سے مسلمان ہوا ہے یعنی اس کی عمر پندرہ سال ہوگئی تو اس صورت میں غسل کرنا مستحب ہے، فرض نہیں ہے۔

تشریح ماتن میت کے غسل دینے کے لئے وجوب کا لفظ لایا اور شارح نے بتایا کہ وجوب اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ فرض مراد ہے اور وجوب کا لفظ لاکر اس طرف اشارہ کیا کہ یہ فرض عملی ہے، فرض اعتقادی نہیں ہے، یعنی یہ حکم دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے اور نہ متفق علیہ ہے، اگر اس فرض کا درجہ فرض حقیقی سے [illegible]، فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ بھی اس فرض کو ادا کرلیں گے تو بقیہ لوگ ساقط الذمہ قرار پائیں گے، ورنہ کل کے کل گناہ گار ہوں گے

باقی اس فرضیت کی ادائیگی کے لئے کیا نیت شرط ہے؟ فتح القدیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاں شرط ہے اور صاحب بحر نے نمایہ وغیرہا سے نقل کیا ہے کہ نیت شرط نہیں ہے لیکن نیت کرلیں تو ہر طرح بری الذمہ ہو جائیں، کوئی اختلافی صورت باقی نہ رہ جائے، اور اسی وجہ سے جو شخص پانی میں ڈوب کر مرا ہو، اس کو غسل دینا بھی لازم کہا گیا ہے غسلوا میں س کو تخفیف اور تشدید دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور دونوں متعدی ہیں اور بعض لوگوں نے التخفیف کو المیت کے بعد پڑھا ہے اور کہا ہے کہ میت اگر تخفیف کے ساتھ ہے تو اس سے مراد وہ ہوگا جو مر گیا اور اگر تشدید کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ ہوگا جو ابھی مرا نہیں، مرے گا۔

اگر مردہ کافر ہے اور مسلمان ولی کے سوا کوئی اور اس کے لئے نہیں ہے تو مسلمان ولی اس پر پانی بہادے گا جس طرح گندے چیتھڑے کو دھوتے ہیں۔ یعنی کوئی اہتمام نہ کرے گا۔

مست و بے ہوش کی مستی و بے ہوشی جب جاتی رہے تو غسل اس پر ضروری نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے اوپر مذی دیکھے اگر یوں ہی نہا دھولے تو اچھا ہے۔ یہ بحر الرائق میں مذکور ہے۔

وسن لصلوة جمعة ولصلوٰة عيد هو الصحيح كما فى غرر الاذكار وغيره وفى الخانية لواغتسل بعد صلوة الجمعة لا يعتبر اجماعا ويكفى غسل واحد لعيد وجمعة اجتمعامع جنابة كما لفرضى حنابة وحيض ولا جل احرام وفى جبل عرفة بعد الزوال

غسل کب سنت ہے

نماز جمعہ اور نماز عیدین کے لئے غسل کرنا سنت ہے صحیح قول یہی ہے جیسا کہ غرر الاذکار نامی وغیرہ کتابوں میں ہے فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز جمعہ کے بعد غسل کیا تو وہ غسل قابل اعتبار نہ ہوگا، اس میں سب کا اتفاق ہے یعنی سنت ادا نہ ہوگی، اور ایک ہی غسل عید، جمعہ اور جنابت تینوں کے لئے کافی ہوتا، اگر عید اور جمعہ جمع ہو جائے اور اسی کے ساتھ جنابت بھی جس طرح حیض اور جنابت سے دو فرض غسل جمع ہو جائے تو ایک غسل سے یہ دونوں فریضہ ادا ہو جاتے ہیں اور احرام حج اور عمرہ کے واسطے بھی غسل سنت ہے اور جبل عرفات پر دو پہر ڈھلنے کے بعد بھی غسل سنت ہے۔

تشریح امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن کا غسل جمعہ کی نماز کے واسطے سنت ہے اور حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن کی عظمت کے واسطے جمعہ کے دن غسل سنت ہے لیکن ظاہر الراویۃ یہ ہے کہ یہ نماز جمعہ کے لئے ہے اور اسی قول کو ترجیح دی گئی ہے یہی اختلاف غسل عید میں بھی ہے۔

اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ وہ شخص جس پر جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے وہ غسل کرے تو سنت ادا ہوئی یا نہیں یا ایک شخص نے غسل کیا چاہیے یہ تھا کہ اس غسل کے وضوء سے جمعہ پڑھتا مگر ایسا نہیں ہوا غسل کے بعد حدث ہو گیا جس سے وضو ٹوٹ گیا تو اب سنت ادا ہوگی یا نہیں امام ابو یوسفؒ کہیں گے کہ ان دونوں صورتوں میں سنت ادا نہیں ہوئی اور حسن بن زیادؒ کے نزدیک یہ غسل سنت ہی قرار پائے گا یا ایک شخص نے طلوع فجر سے پہلے غسل کیا اور اسی وضو سے نماز جمعہ پڑھی، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ادائیگی سنت پائی گئی اور حسن بن زیادؒ کے نزدیک سنت ادا نہیں ہوئی اس لئے کہ جمعہ کے دن

سے پہلے غسل پایا گیا، تفصیل کے لئے شامی دیکھیں۔
باقی بعد جمعہ کا غسل دونوں میں سے کسی کے نزدیک اس لئے معتبر نہیں کہ امام ابو یوسفؒ تو کہتے ہی ہیں برائے نماز جمعہ ہے جواس صورت میں پایا نہیں گیا اور حسنؒ کے نزدیک اس واسطے معتبر نہیں کہ گو دن کی وجہ سے ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز سے پہلے یہ غسل ہونا چاہئے اور منشاء یہ ہے کہ اجتماع جمعہ میں آدمی صاف ستھرا ہو کر شریک ہو، اور کسی کو تکلیف واذیت نہ پہونچنے پائے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ امام حسنؒ کے نزدیک بعد نماز جمعہ غسل کرنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی کذافی الطحطاوی۔
جمعہ کے دن عید پڑ جائے اور اسی دن جنابت بھی پیش آجائے تو ایک غسل سے سب کا حق ادا ہو جائے گا اور اسی طرح حیض رکا تھا، اور اکثر مدت حیض پوری ہو چکی تھی۔ کہ اس نے جماع کیا اس کو احتلام ہو گیا اور دونوں کیلئے ایک غسل کافی ہے۔

وندب لمجنون افاق وكذاالمغمى عليه كذافى غررا لاذكار وهل السكران كذالك لم اره وعند حجامة وفى ليلة براتة وعرفة وقد رااذاراها وعند الوقوف بمزدلفة غداة يوم النحر للوقوف وعند دخول منى يوم النحر لرمى الحمرة وكذالبقية الرمى وعند دخول مكة لطواف الزيارة ولصلوٰة كسوفٍ وخسوفٍ واستسقاء وفزع وظلمة وريح شديد وكذالدخول المدينة ولحضور مجمع الناس ولمن لبس ثوبا جديد اوغسل ميتا اويراد قتله ولتائبٍ من ذنبٍ ولقادمٍ من سفرٍ ولمستحاضة انقطع دمها.

ترجمہ اور اس پاگل کے لئے غسل مستحب ہے جس کو افاقہ ہو گیا اور اسی طرح بے ہوش کے واسطے یعنی بعد افاقہ غسل مستحب ہے چنانچہ یہ مسئلہ غرر الاذکار میں مذکور ہے، باقی کیا مست کے لئے بھی بعد افاقہ غسل مستحب ہے؟ تو میں نے یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا اور پچھنے لگانے کے وقت غسل مستحب ہے اور شبِ برات میں بھی غسل مستحب ہے اور نویں ذی الحجہ کی رات میں جسے عرفہ کہتے ہیں غسل مستحب ہے، اور شب قدر میں اس شب کے دیکھنے والے کے لئے مستحب ہے، اور وقوف مزدلفہ کے وقت قربانی کی صبح کو وہاں ٹھہرنے کے لئے اور یوم نحر دسویں ذی الحجہ کو جب کنکری مارنے کے لئے جب منیٰ میں داخل ہو اس وقت غسل مستحب ہے اور اسی طرح بقیہ تین دن کنکری مارنے کے واسطے بھی غسل کرنا مستحب ہے، اور جب مکہ مکرمہ میں طوافِ زیارت کے واسطے داخل ہو اس وقت غسل مستحب ہے۔ تاکہ فرض دونوں طرح کی طہارت کے ساتھ پورے طور پر ادا ہو۔ اور جب مکہ میں کسی غرض سے بھی داخل ہو غسل مستحب ہے کہ اس خطہ کی عظمت کا تقاضہ یہی ہے اور سورج گہن اور چاند گہن کی نماز کے لئے غسل مستحب ہے۔
استسقاء (طلبِ بارش) خوف ودہشت اور بوقتِ طوفان (سخت آندھی) غسل مستحب ہے، اسی طرح غسل مستحب ہے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے لئے (جو سرور کونین کی تعظیم کا تقاضہ ہے) اور آدمیوں کے اجتماع میں جانے کے لئے (تاکہ میل اور پسینہ کی بدبو سے کسی کو اس کی طرف سے تکلیف نہ پہنچنے پائے) اور جو مردہ کو نہلائے اس کے لئے اور نیا کپڑا زیب تن کرنے والے کے لئے اور اس شخص کے لئے غسل مستحب ہے جس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا جا رہا ہو، خواہ یہ بطور قصاص ہو یا ظلماً

ہو (تاکہ موت پاک وصاف حالت میں واقع ہو) اور گناہ سے توبہ کرنے والے کے لئے (تاکہ باطن اور ظاہر کی طہارت میں توافق پیدا ہو جائے) اور سفر سے آنے والے کے لئے کہ بدن ہلکا اور چست ہو جائے، اور اس عورت کے لئے جس کا خون استحاضہ بند ہوا ہو، تاکہ پاکی میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔

تشریح غسل کی تین قسمیں ہیں فرض، سنت، اور مستحب، جو غسل فرض ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ شہوت سے ناگہ منی نکلے، حشفہ یا اس کے مقدار زندہ آدمی قابل شہوت کے دونوں راستوں میں سے کسی میں داخل ہونے سے۔ حیض کے بند ہونے کے بعد، نفاس کا خون بند ہونے کے بعد میت کو غسل دینا اور سارے یا بعض بدن میں نجاست لگنے سے جب معلوم نہ ہو کہ نجاست کہاں لگی ہے۔

غسل سنت چار ہیں۔ نماز جمعہ کے لئے، نماز عیدین کے لئے احرام حج کے لئے اور وقوف عرفات کے لئے اور اب مستحب غسل کی تفصیل شروع کی ہے اس میں پاگل بعد افاقہ، بے ہوش اور غش والا بعد افاقہ پچھنا لگانے کے بعد۔ پندرہویں شعبان کی رات میں، اس رات کی تعظیم اور شب بیداری کی غرض سے، اس لئے کہ اس رات میں رزق کی تقسیم ہوتی ہے اور موت کا بیت ہوتا ہے برات کا مطلب ہے دوزخ اور گناہ سے نجات، نویں ذی الحجہ کی رات میں، شب قدر جو اس کو دیکھے، یہ رمضان سے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں آتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ ان راتوں میں اس کی جستجو جاری رکھی جائے وقوف مزدلفہ کے وقت منیٰ میں داخلہ کے وقت کنکری مارنے کی غرض سے، اور اسی طرح بقیہ تین روز کنکری مارنے کے لئے طواف زیارت کے لئے، مکہ مکرمہ میں جب داخل ہو۔ سورج کی نماز کے واسطے چاند گہن کی نماز کیلئے، کہ یہ دونوں موقعے دعاء وتضرع کے ہوتے ہیں۔ بارش کے لئے جب دعا کرنے چلے، خوف کے وقت، تاریکی کے وقت۔ تیز آندھی کے وقت کہ یہ دفع مصیبت کی دعاء کے اوقات ہوتے ہیں مدینہ منورہ میں داخلہ کے وقت۔ آدمیوں کے مجمع میں جانے کے واسطے نیا کپڑا پہننے کے وقت اور جو مردہ کو غسل دے جس کے قتل کا کوئی ارادہ کرے اس کے لئے گناہ سے تائب ہونے والے کیلئے۔ سفر سے آنے والے کیلئے۔ اور استحاضہ کے خون کے بند ہونے کے وقت۔ اس لئے کہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جو خون آرہا تھا وہ استحاضہ کا نہ ہو، بلکہ حیض کا ہو اس طرح شبہ جاتا رہے گا۔

ثمن ماء اغتسالها ووضوئها عليه اى الزوج ولو غنية كما فى الفتح لانه لابدلها منه فصار كالشرب فاجرة الحمام عليه ولو كان الا غتسال لاعن جنابة وحيض بل لازالة الشعث والتفث قال شيخنا الظاهرانه لا يلزمه ويحرم الحدث الاكبر دخول مسجد لامصلى عيد وجنازة ورباط ومدرسة ذكره المصنف وغيره فى الحيض وقبيل الوتر لكن فى وقف القنية المدرسة اذا لم يمنع اهلها الناس من الصلوٰة فيها فهى مسجد ولوللعبور خلا فاللشافعى الا لضرورة بحيث لايمكنه غيره ولو احتلم فيه ان خرج مسرعا تيمم ندباوان مكث لخوف فوجوبا ولا يصلى ولا يقرأ.

ترجمہ بیوی کے غسل اور وضو کے پانی کی قیمت شوہر پر لازم ہے خواہ بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور یہ اس لئے کہ بیوی کے لئے غسل اور وضو کا پانی لازم ہے جس طرح پینے کا پانی ضروری ہے لہذا غسل خانہ کی اجرت بھی شوہر کے ذمہ ہوگی (اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ محتاج بیوی کے پانی کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے لیکن مالدار بیوی کا

نہیں، یہ قول ضعیف ہے کذا فی الطحطاوی)

اگر عورت کا غسل، غسل جنابت اور غسل حیض نہ ہو، بلکہ سر کی پراگندگی اور میل کچیل دور کرنے کی غرض سے ہو تو ہمارے استاذ خیر الدین رملی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس پانی کی قیمت شوہر پر لازم نہ ہوگی (اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ غسل لازم اور ضروری نہیں بلکہ نشاط طبع اور صفائی کی غرض سے ہے، چنانچہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے سر کا تیل اور بال سنوارنے والی کی اجرت شوہر پر واجب نہیں ہے یوں تعلق کا تقاضا ضرور ہے)

حدث اکبر یعنی جو جنبی ہو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا حرام ہے لیکن عیدگاہ، جنازہ گاہ، خانقاہ اور مدرسہ میں داخل ہونا حرام نہیں ہے، مصنف نے باب الحیض اور مسائل وتر کے پہلے اسے ذکر کیا ہے، لیکن قنیہ کی کتاب الوقف میں ہے کہ جب اہل مدرسہ اس مکان میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع نہ کریں (یعنی عام طور پر لوگ اس میں نماز پڑھتے ہوں) تو وہ مدرسہ مسجد کے حکم میں ہے (اس کی رعایت مسجد کی سی ہوگی) باقی خاص مسجد میں جنبی (وہ ناپاک جس پر غسل فرض ہے) کا داخل ہونا حرام ہے اگرچہ عبور کرنے کے لئے ہی کیوں نہ ہو لیکن بوقت مجبوری کہ مسجد سے گذرے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو اجازت ہوگی، امام شافعی اس کے خلاف ہیں، وہ ہر حال میں گذرنا درست فرماتے ہیں اور اگر کسی کو مسجد میں احتلام ہو گیا تو اگر وہ فوراً نکلے تو تیمم مستحب ہے، اور کسی خوف (خواہ جان کا ہو یا مال کا) کی وجہ سے مسجد میں وہ ٹھہرا رہا تو اس پر تیمم کرنا واجب ہوگا لیکن اس تیمم سے نہ وہ نماز پڑھے گا اور نہ قرآن (اس لئے کہ یہ تیمم قیام مسجد کے لئے ہے جو عبادت مقصودہ نہیں ہے)

تشریح حدث اکبر جنابت کو کہتے ہیں یعنی جس کے لئے غسل کرنا فرض ہو گیا ہو، ایسے شخص کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور اس سے گذرنا حرام ہے، ہاں اگر ایسی مجبوری ہو کہ دوسرا راستہ سوائے مسجد کے نہ ہو تو اجازت ہے لیکن اچھا یہ ہے کہ اس وقت بھی تیمم کر لے یا مسجد میں پانی کا چشمہ ہے یا انتظام ہے، ایک مسافر جو جنبی ہے آیا اور اس پانی کے سوا کوئی پانی نہیں تو تیمم کر کے اس پانی کے لئے مسجد میں جائے گا لیکن عیدگاہ یا وہ جگہ جہاں نماز جنازہ ہوتی ہے، یا صوفیاء کی خانقاہ یا مدرسہ ان کا حکم مسجد کا سا نہیں ہے، ان میں جنبی (ناپاک حکمی) داخل ہو سکتا ہے اور ان سے گذر بھی سکتا ہے، ہاں عیدگاہ اور جنازہ گاہ کا صحت اقتداء کے باب میں مسجد کا حکم ہے جیسے فناء مسجد کا حکم ہے، کہ صفیں ان میں متصل نہ بھی ہوں تو بھی اقتداء درست ہوگی۔

رباط ربط سے ہے جس کے معنی کسی جگہ کو لازم پکڑنے کے ہیں، چونکہ خانقاہ میں صوفیاء التزام سے بیٹھتے ہیں اس لئے اسے رباط کہا، خانقاہ خنق سے ہے جس کے معنی تنگی کرنے کے ہیں، اہل خانقاہ بھی غیر لازم چیزوں کو اپنے اوپر لازم کر کے اپنے لئے تنگی پیدا کرتے ہیں، اس مناسبت سے خانقاہ کہا گیا۔

قنیہ کے حوالے سے جس مدرسہ کا ذکر کیا ہے وہ الگ چیز ہے اور نفس مدرسہ الگ چیز ہے، مدرسہ پڑھنے پڑھانے کی جگہ ہے یقیناً اس کو مسجد کا حکم حاصل نہیں ہے، قنیہ میں جس مدرسہ کا ذکر ہے وہ مدرسہ نہیں ہے بلکہ مدرسہ کا وہ کمرہ مراد ہے جس میں مدرسہ کے طلبہ اور اساتذہ اور دوسرے لوگ نماز پڑھتے ہیں گویا مدرسہ کی مسجد ہے، یہ اگر مسجد بنادی گئی ہے تو مسجد کے حکم میں ہے اور اگر عارضی طور پر نماز پڑھنے کا کام لیا جارہا ہے تو مسجد کے حکم میں نہیں ہے۔

اگر مسجد میں کوئی شخص تھا اور اس کو جنابت پیش آگئی تو بعض تو کہتے ہیں کہ وہ بے تیمم ہی نکل سکتا ہے اور بعض کہتے ہیں

جس طرح جنبی کو بوقت مجبوری مسجد میں داخلہ کی اجازت تیمم کے ساتھ ہے اسی طرح نکلنے کے لئے تیمم کرے گا۔

فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ مسجد میں باوضو داخل ہونا چاہئے بغیر وضو داخل ہونا مکروہ ہے۔ اسی طرح جس کے بدن پر نجاست ہو وہ بھی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، مسجد میں کسی کو اخراج ریح کا موقع آئے تو بعض علماء کہتے ہیں باہر نکل آئے اور صحیح قول یہی ہے اور بعض کہتے ہیں اگر مسجد میں بھی خروج ریح پایا گیا تو کوئی مضائقہ نہیں دیکھئے شامی۔

ویحرم به تلاوة قرآن ولودون آية على المختار بقصده فلو قصدا لدعاء اوالثناء اوافتتاح امر اوالتعليم ولقن كلمة كلمة حل فى الاصح حتى لوقصد بالفاتحة الثناء فى الجنازة لم يكره الا اذا قرأ المصلى قاصداً الثناء فانها تجزيه لانها فى محلها فلا يتغير حكمها بقصده.

ترجمہ حالت جنابت میں تلاوت قرآن، تلاوت قرآن کے ارادہ کے ساتھ حرام ہے اگرچہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو، مختار قول ہے لیکن اگر دعاء یا ثناء یا کسی کام کے افتتاح کے قصد سے پڑھے یا تعلیم کے ارادہ سے اس طرح پڑھے کہ ایک ایک کلمہ الگ کر کے پڑھائے تو یہ حلال ہے، اس باب میں صحیح تر قول یہی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ بطور ثناء پڑھی تو یہ مکروہ نہیں ہے، حالانکہ سورۂ فاتحہ بنیت قرآن نماز جنازہ میں پڑھنا درست نہیں ہے لیکن اگر کوئی نماز پڑھنے والا نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس سے ثناء باری تعالیٰ کا ارادہ کیا تو یہ پڑھنا کافی ہوگا کہ یہ سورۂ فاتحہ پڑھنا اپنے مناسب محل میں ہے لہٰذا اس کے ثناء کی نیت کرنے سے حکم نہیں بدلے گا۔

تشریح جنبی کے لئے تلاوتِ قرآن حالتِ جنابت میں اس وجہ سے حرام ہے کہ ابن ماجہ اور ترمذی میں حدیث ہے جس کو منذری نے صحیح اور حسن کہا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ حائضہ عورت اور جنابت والا قرآن کا کوئی حصہ نہ پڑھے "شيئا من القران" کا لفظ کثیر، قلیل تمام کو شامل ہے خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم ہو، صاحب بدائع نے کہا کہ عام مشائخ کا یہی قول ہے، اور اسی کو صحیح کہا ہے لیکن طحاوی کی ایک روایت یہ ہے کہ آیت سے کم پڑھنا جنبی کے لئے مباح ہے۔ صاحب البحر الرائق نے تمام قول نقل کر کے کہا ہے کہ ترجیح نہ پڑھنے ہی کو ہے، اس وجہ سے کہ حدیث میں مطلقاً رد کا گیا ہے، لیکن اگر قرآن کی کوئی سورۃ یا کوئی آیت جو دعاء یا ثناء کے معنی پر مشتمل ہے کوئی جنبی اسے دعا یا ثنا ہی کی نیت سے پڑھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اولویت کے خلاف ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے اس صورت میں بھی جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔

ایک اشکال یہ پیدا ہوتا تھا کہ سورۂ فاتحہ اگر کوئی ثنا کی نیت سے پڑھتا ہے تو نماز جنازہ میں اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ اس نیت کی وجہ سے وہ قرآن کے حکم میں نہیں رہی۔ اب اگر کوئی اسی سورۂ فاتحہ کو پنج وقتی یا نفل نماز میں ثنا کی نیت سے پڑھے اور مذکورہ قاعدہ کی بنیاد پر یہ قراءۃ سورۂ فاتحہ کافی نہیں ہونی چاہئے کہ نیت کی وجہ سے قرآن کے حکم میں نہیں رہی، اور حال یہ ہے کہا یہ گیا کہ دوسری صورت جائز ہے اس کا جواب یہ دیا کہ نماز کامل میں سورۂ فاتحہ اپنے محل میں ہے اس لئے یہاں نیت ثنا سے حکم نہیں بدلے گا، اور نماز جنازہ میں پڑھنا بے محل تھا اس لئے وہاں ثناء کے قصد سے حکم بدل جائے گا۔

ومسه (مصحف) مستدرك بما بعده وهو وما قبله ساقط من نسخ الشرح وكانه سقط لانه ذكره

فی الحیض ویحرم به طواف لوجوب الطهارة فیه ویحرم به ای بالا کبر وبالاصغر مس مصحف ای ما فیه ایة کدرهم وجدار وهل مس نحو التوراته کذالك ظاهر کلا مهم لا الا بغلاف متجاف غیر مشرز او بصرة به یفتی وحل قلبه بعود واختلفوا فی مسه بغیر اعضاء الطهارة وبما غسل منها وفی القرأة بعد المضمضة والمنع اصح

ترجمہ اور حدث اکبر یعنی جنابت کے ساتھ قرآن پاک کا چھونا حرام ہے، یہ مسئلہ یہاں سے ضرورت زیادہ ہے، اس لئے کہ یہی مسئلہ بعد میں مذکور ہے، یہ مسئلہ (قرآن پاک چھونے سے متعلق) اور اس سے پہلے والا مسئلہ (تلاوت قرآن سے متعلق) مصنف کی شرح والے نسخوں سے ساقط ہے اور شارح کا یہ ساقط کرنا گویا اس وجہ سے ہے۔ مصنف نے ان مسائل حیض میں ذکر کیا، اور جنابت کیساتھ طواف حرام ہوتا ہے اس وجہ سے کہ طواف میں طہارت واجب ہے اور حدث اکبر اور حدث اصغر کے ساتھ قرآن پاک کا چھونا حرام ہوتا ہے یعنی ایسی چیز کا چھونا جس میں قرآن کی کوئی آیت لکھی ہوئی ہے جیسے درہم اور دیوار، اور کیا توریت کی طرح کی آسمانی کتابوں کا چھونا بھی جنبی کے لئے مصحف پاک کی طرح حرام ہے؟ فقہاء کا ظاہر کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان آسمانی کتابوں کا چھونا حرام نہیں یا اس درہم کا تھیلی کے ساتھ چھونا حرام نہیں جس پر آیت لکھی ہوئی ہے فتویٰ اسی پر ہے، اور جنبی کے لئے قرآن پاک کے اوراق کا لکڑی کے ذریعہ پلٹنا جائز ہے اور قرآن پاک کو ان اعضاء سے چھونے میں علماء کا اختلاف ہے جو اعضاء وضو نہیں ہیں، اور اس عضو سے چھونے میں جس کو دھو لیا ہے، اور کلی کرنے کے بعد جنبی کے قرآن پڑھنے میں، اور جائز نہ کہنا ان سب صورتوں میں زیادہ صحیح قول ہے۔

تشریح حدث اکبر بڑی حکمی ناپاکی والا یعنی جس پر غسل جنابت ضروری ہے وہ نہ قرآن پاک چھو سکتا ہے اور نہ طواف کر سکتا ہے صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت علیہ نے مجھے حالت حیض میں طواف بیت اللہ سے منع فرمایا اور بقیہ افعال حج کی اجازت مرحمت فرمائی اور صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ چونکہ طواف میں مسجد حرام میں داخلہ پایا جاتا ہے اور جنبی کے لئے مسجد میں داخلہ حرام ہے اس لئے طواف بھی حرام ہوگا، فتح القدیر میں ہے کہ صرف مسجد ہی کو حرمت کی علت قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ خود طواف میں طہارت واجب ہے لہٰذا اگر طواف میں مسجد نہ ہوتی تو بھی جنبی کے لئے طواف کرنا حرام ہوتا۔

باقی قرآن پاک کا چھونا یا اس چیز کا چھونا جس پر آیت قرآن کندہ ہو جنبی کے لئے بھی حرام ہے اور اس کے لئے بھی جس کو وضو نہیں علماء نے لکھا ہے کہ قرآن پاک خط فارسی میں لکھا ہو تو بھی اس کا چھونا حرام ہوگا، امام اعظمؒ اور صاحبینؒ سب کا اس میں اتفاق ہے، اور مصحف میں جہاں آیت لکھی ہوئی ہو اس کا چھونا حرام ہوگا اور اس جگہ کے علاوہ کا بھی جہاں آیت لکھی ہوئی نہیں ہے اور قرآن پاک کے علاوہ کہیں آیت لکھی ہوئی ہے تو صرف آیت کا چھونا حرام ہوگا جہاں وہ لکھی ہوئی ہے باقی جہاں آیت نہیں ہے سادہ ہے اس کا چھونا حرام نہ ہوگا اور قہستانی میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، اور بعض علماء کہتے ہیں کہ جو مسئلہ پڑھنے کا ہے وہی چھونے میں بھی ہونا چاہئے۔

توریت، انجیل، زبور اور دوسری آسمانی کتابیں اگر محرف نہیں ہیں تو ان کا چھونا بے وضو والے اور جنبی کے لئے مکروہ

ہے اور اگر تحریف شدہ ہے تو اس کا چھونا مکروہ یا حرام نہ ہوگا، قرآن مجید میں لایمسہ الا المطھرون قرآن پاک کے لئے آیا ہے، اس لئے یہ حکم طہارت اس کے لئے مخصوص ہوگا۔

قرآن پاک اگر کسی تھیلے میں یا جزدان میں ہو یا کسی ایسے کپڑے میں لپٹا ہوا ہو جو قرآن کے ساتھ سلا ہوا نہیں ہے تو بغیر وضو اس کا چھونا جائز ہے۔

اگر ناپاک یا بے وضو والا آستین سے قرآن پاک کو چھونا چاہے تو جائز ہوگا یا نہیں، اس میں اختلاف ہے بعض علماء جائز کہتے ہیں اور بعض مکروہ تحریمی، محیط میں لکھا ہے جائز ہے اور کافی میں بھی یہی لکھا ہے اور ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ آستین اس شخص کے تابع ہے جو حکم اس شخص کے لئے ہوگا وہی اس کی آستین کے لئے، عامہ مشائخ نے بھی یہ کہا ہے، اور علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے بدن کے کسی بھی کپڑے سے چھونا درست نہیں ہے۔ فتح القدیر میں اسی قول کو نقل کیا ہے، گردن میں جو رومال ڈالا ہوا ہے اس سے چھونے میں کہا ہے کہ اگر اس آدمی کے ہلنے سے اس رومال کا کنارہ ہلتا ہے تو جائز نہیں اور نہ جائز ہے باقی لکڑی جیسی چیز سے پلٹنے کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ چھونے کے حکم میں نہیں ہے۔

ولا يكره النظر اليه اى القرآن لجنب وحائض ونفساء لان الجنابة لاتحل العين كما لا تكره ادعية اى تحريما والا فالوضوء لمطلق الذكر مندوب وتركه خلاف الاولى وهومرجع كراهة التنزيه ولا يكره مس صبى لمصحف ولوح فلا باس بدفعه اليه وطلبه منه للضرورة اذا الحفظ فى الصغر كالنقش فى الحجر ولا تكره كتابة قرآن والصحيفة اواللوح على الارض عند الثانى خلافا لمحمد وينبغى ان يقال ان وضع على الصحيفة مايحول بينها و بين يده يؤخذ بقول الثانى والا فبقول الثالث قاله الحلبى ويكره له قراءة تورة وانجيل وزبور لان الكل كلام الله وما بدل منها غير معين وجزم العينى فى شرح المجمع بالحرمة وخصها فى النهر بما لم يبدل لاقراءة قنوت ولا اكله وشربه بعد غسل يدوفم ولا معاودة اهله قبل اغتساله الا اذا احتلم لم يات اهله قال الحلبى ظاهر الاحاديث انما يفيد الندب لانفى الجواز المفاد من كلامه.

ترجمہ اور حائضہ اور نفاس والی عورت اور جنبی کے لئے قرآن کا دیکھنا مکروہ نہیں ہے اس وجہ سے کہ ناپاکی آنکھ میں گھس نہیں جاتی، جیسے بے طہارت والے کا دعاؤں کا پڑھنا مکروہ نہیں اور مکروہ ہونے کی مراد مکروہ تحریمی ہی یعنی ایسا کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے (کیونکہ اگر کراہت سے کراہت تحریمی مراد نہ لی جائے، تو پھر بات درست نہیں ہوتی) کیونکہ مطلق ذکر الٰہی کے واسطے خواہ وہ دعاء ہو یا غیر دعاء وضو مستحب ہے، اور مستحب کا ترک کرنا خلاف اولیٰ ہے، اور خلاف اولیٰ کا نتیجہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اور بچہ کا بغیر وضو قرآن پاک چھونا یا اس تختی کو چھونا جس پر قرآن پاک لکھا ہوا ہے مکروہ نہیں ہے، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ باوضو بالغ قرآن پاک اٹھا کر بے وضو لڑکے کو دے، یا بے وضو لڑکے سے بالغ قرآن طلب کرے، چنانچہ بحرالرائق میں ہے کہ اس طرح قرآن پاک کا بوقت ضرورت لینا دینا جائز ہے، اور وہ ضرورت لڑکوں کا قرآن پاک از بر یاد کرنا

ہے، کیونکہ بچپن میں رٹ لینا ایسا ہے جیسا پتھر پر نقش کرنا، (اور لڑکوں سے ہر وقت وضو کرانا مشقت میں ڈالنا ہے، اور بلوغ کے انتظار میں قرآن یاد نہ کرانا حفظ قرآن کے مسئلہ کو نقصان پہنچاتا ہے اس لئے بچوں کے لئے قرآن چھونے میں وضو کی شرط نہیں ہے بلا وضو بھی چھو سکتا ہے)

اور یہ مکروہ نہیں ہے کہ وہ شخص جو جنبی (ناپاک حکمی) ہے وہ قرآن پاک کو اس طرح لکھے کہ کاغذ یا تختی جس پر لکھ رہا ہے وہ زمین پر ہو، یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے امام محمدؒ اس طرح لکھنے کو مکروہ کہتے ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اگر اس طرح کوئی چیز دونوں کے درمیان حائل نہیں ہے تو امام محمدؒ کا قول لیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے حلبی نے یہی تطبیق دی ہے (دوسری تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام ابو یوسفؒ مکروہ کی نفی سے مکروہ تحریمی مراد لیتے ہیں یعنی ایسا کرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ اور امام محمدؒ جو مکروہ کہتے ہیں اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ ان کے الفاظ ہیں۔ احَبُّ اِلَیَّ اَنْ لَا یُکْتَبَ میرے نزدیک پسندیدہ تر یہ ہے کہ نہ لکھا جائے، کذا فی الطحطاوی) اور جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کے لئے توریت، انجیل اور زبور کا پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ سب بھی خدا کا کلام ہے اور جہاں جہاں تحریف ہوئی ہے وہ متعین نہیں ہے (یعنی یہود ونصاریٰ نے جو تبدیلی کی ہے وہ معلوم نہیں ہے، فتح القدیر نے بھی اسی قول (مکروہ ہونے) پر فتویٰ نقل کیا ہے) اور عینی نے شرح المجمع میں حرمت کا یقین کیا ہے، یعنی ایسا کرنا حرام ہے، اور نہر الفائق نے اس حرمت کے حکم کو اس حصہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جس میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

اور جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کا دعائے قنوت پڑھنا مکروہ نہیں ہے یعنی جائز ہے، حرام نہیں، البتہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کا حالت جنابت میں کھانا یا پانی وغیرہ پینا مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ انہوں نے ہاتھ منہ دھونے کے بعد کھایا پیا ہو، اور جنبی مرد کا اپنی اہلیہ کے پاس غسل کرنے سے پہلے دوبارہ جماع کے لئے جانا مکروہ نہیں ہے مگر اس وقت جب کہ اس کی جنابت احتلام کی وجہ سے ہو تو بغیر غسل کئے ہوئے اسے اپنی اہلیہ کے پاس نہیں آنا چاہئے (یہ روایت فتح القدیر میں منتقی سے لی گئی ہے) حلبی نے کہا کہ ظاہر حدیث سے یہ فائدہ پہنچ جاتا ہے کہ دوبارہ جماع سے پہلے درمیان میں غسل مستحب ہے، فتح القدیر سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے بغیر غسل جماع جائز نہیں ہے۔

تشریح احتلام سے جس کو جنابت ہوئی ہو، اس کے لئے لکھا ہے کہ غسل کرنے کے بعد وہ بیوی سے جماع کرے، یوں نہ کرے اور اس کی وجہ شامیؒ نے فقیہ ابو اللیث صاحب بستان کے حوالہ سے یہ لکھی ہے اگر اس جماع سے بچہ ہوا، تو وہ بخیل اور مجنون ہوگا، پھر حلبیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے قول کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ ممکن ہے احتلام والے کے لئے بغیر غسل جماع کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی حدیث ہو، لیکن جہاں تک تلاش وجستجو کا تعلق ہے کوئی حدیث ایسی اب تک نظر نہیں آئی، جب ایک بار جماع کے بعد بغیر غسل دوبارہ جماع درست ہے تو اسی طرح احتلام کے بعد بھی درست ہونا چاہئے، یہ تو ٹھیک ہے کہ درمیان میں غسل مستحب ہے باقی یہ کہ بغیر غسل دوبارہ جماع حرام ہے یہ کبھی ہرگز درست نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ کئی ازواج مطہرات سے صحبت کرتے اور سب کے بعد ایک ہی دفعہ غسل فرما لیتے۔ اس طرح کی حدیث سے معلوم ہوا کہ احتلام کے بعد بغیر غسل بیوی کے ساتھ ہم صحبت ہونا ناجائز نہیں ہے۔

والتفسير كمصحف لا الكتب الشرعية فانه رخص مسحها باليد لا لتفسير كما في الدرر عن

مجمع الفتاویٰ وفی السراج المستحب ان لا یاخذ الکتب الشرعیة بالکم ایضاً تعظیماً لکن فی الاشباہ من قاعدة اذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام وقد جوزا صحابنا مس کتب التفسیر للمحدث ولم یفصلو ا بین کون الا کثر تفسیر ا اوقرآناً ولو قیل به اعتباراً للغالب لکان حسنا قلت لکنه یخالف ما مرفتدبر.

ترجمہ کتب تفسیر کا حکم اس باب میں قرآن پاک کی طرح ہے، دوسری شرعی کتابیں اس حکم میں نہیں ہیں، اس وجہ سے کہ بغیر طہارت کتب شرعی کو ہاتھ سے چھونے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن کتب تفسیر کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، چنانچہ مجمع الفتاویٰ سے دُرر میں مذکور ہے۔ سراج میں یہ لکھاہے کہ مستحب یہ ہے کہ شرعی کتابوں کو بھی آستین سے نہ پکڑے تعظیم کا تقاضہ یہی ہے لیکن اشباہ میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ حرام وحلال جب دونوں جمع ہوں تو حرام کو حلال پر ترجیح ہوگی، اور ہمارے علماء نے کتب تفسیر کا بے وضو چھونا جائز قرار دیا ہے یہ تفصیل نہیں بیان کی ہے کہ اس میں تفسیر کی عبارت زیادہ ہو یا قرآن کی، یعنی یہ کہ اگر کتب تفسیر میں تفسیر کا حصہ باعتبار الفاظ قرآن کے زیادہ ہو تو چھونا درست ہے ورنہ نہیں لیکن اگر غالب کا اعتبار کیا جائے اور حکم لگایا جائے تو بہت بہتر ہوگا میں کہتا ہوں کہ اشباہ کا قول اس متن کے مخالف ہے جو پہلے گذر االلہ اس میں غور کرنا چاہیئے۔

تشریح شرعی کتابوں سے مراد کتب حدیث وفقہ ہے؟ خلاصہ میں ہے کہ جس طرح جنبی کے لئے قرآن پاک کا چھونا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح بے وضو شخص کے لئے اس کا چھونا مکروہ ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک یہی حکم کتب حدیث وفقہ کا بھی ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک کتب حدیث فقہ کا چھونا بے وضو شخص کے لئے مکروہ نہیں ہے، فتح القدیر میں بھی کراہت ہی مذکور ہے، الفاظ یہ ہیں کہ علماء نے کہا ہے کہ تفسیر فقہ اور دوسری دینی کتابوں کا بے وضو چھونا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ کتابیں عموماً آیات قرآنی سے خالی نہیں ہوتیں، اور بعض کتابوں میں ہے کہ جہاں جہاں آیاتِ قرآنی ہو اس جگہ کا چھونا جائز نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ جگہوں اور حصوں کا چھونا جائز ہے۔ مفتی بہ یہ ہے کہ جس کتاب میں خواہ تفسیر ہو یا حدیث یا فقہ اگر الفاظ قرآن کا حصہ زیادہ ہے تو بے وضو چھونا درست نہیں ہے اور اگر الفاظ قرآن کم ہیں اور تفسیر وحدیث اور فقہ کا حصہ زیادہ تو چھونا درست ہے باقی احتیاط اور مستحب یہ ہے کہ کتب تفسیر وغیرہ باوضو چھوئے لیکن اگر کوئی بے وضو چھوئے تو یہ حرام نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے اور ادب کے خلاف ہے۔

فروع المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیه یدفن کالمسلم ویمنع الکافر من مسه وجوزہ محمد اذا اغتسل ولا باس بتعلیمه القرآن والفقه عسی ان یهتدی ویکرہ وضع المصحف تحت رأسه الاللحفظ والمقلمة علی الکتاب الا لکتابة ویوضع النحو ثم التعبیر ثم الکلام ثم الفقه ثم الاخبار والمواعظ ثم التفسیر.

ترجمہ قرآن پاک جب ایسا بوسیدہ ہو جائے کہ وہ لائق پڑھنے کے باقی نہ رہے، یا نہایت باریک خط جس کا پڑھنا مشکل ہو تو ایسے قرآن پاک کو مسلمان میت کی طرح دفن کردے یعنی لحد بنا کر سیدھی قبر بنا کر (احتیاط پوری پوری کی جائے)

اور کافر کو قرآن کے چھونے سے منع کیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ نے کافروں کے لئے چھونے کی اجازت نہیں دی ہے، بشر طیکہ اس نے غسل کر لیا ہو، لیکن کافروں کو قرآن و فقہ کی تعلیم دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس امید پر کہ شاید وہ راہ راست پر آجائے اور اسلام قبول کر لے۔ اور قرآن پاک اپنے سر کے نیچے رکھنا مکروہ ہے لیکن اگر مقصد حفاظت ہو تو درست ہے، اسی طرح قلمدان کا کسی کتاب پر رکھنا مکروہ ہے، ہاں لکھنے کے واسطے ایسا کرے تو جائز ہے۔ اور کتابوں کے رکھنے کی ترتیب یہ ہو گی۔ نیچے نحو کی کتابیں رکھی جائیں، ان کے اوپر علم تعبیر کی، ان کے اوپر علم کلام و عقائد کی، پھر ان کے اوپر فقہ کی، پھر احادیث اور پند و مواعظ کی اور ان کے اوپر تفسیر کی۔

تشریح جو قرآن پاک ناقابل استعمال ہوں تو ان کو پوری احتیاط کے ساتھ ایسی زمین میں دفن کر دینا چاہیے جو روندی نہ جاتی ہو، جس طرح مسلمان میت کو دفن کرتے ہیں، پاک کپڑے میں لپیٹ کر اس کے اوپر لکڑی کی چھت دی جائے پھر مٹی ڈالی جائے جیسے مسلمان مردہ کو دفن کرتے ہیں بقیہ دوسری مذہبی کتب کے باب میں حکم یہ ہے کہ اللہ رسول اور فرشتوں کا نام دفن کیا جائے یا تمام کی تمام کسی دریا سمندر میں ڈال دی جائیں اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کو بھی احتیاط سے دفن کر دیا جائے۔

کافر کے باب میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کو چھونے نہیں دینا چاہیے لیکن اگر توقع ہو کہ وہ اس راہ سے راہ راست پر آسکتا ہے تو جس طرح تعلیم کی اجازت ہے چھونے کی بھی اجازت ہو گی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن غیر مسلموں سے کوئی خیر کی توقع نہ ہو ان کو قرآن اور فقہ کی تعلیم دینی درست نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اسے مسلمانوں کی مخالفت میں استعمال کریں گے اور اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔

کتابوں کے نیچے اوپر رکھنے کی یہ ترتیب صندوق الماری اور دوسری جگہ میں ہو گی، درجہ کا لحاظ کرنا چاہیے لغت کی کتابیں نحو کی کتابوں کے درجہ میں ہیں، اور قرآن پاک کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ سب سے اوپر رکھا جائے گا کہ اس کا درجہ سب سے فائق ہے۔

وتکره اذابة درهم عليه آية الا اذا كسر رقية في غلاف متجاف لم يكره دخول الخلاء به والا حتراز افضل(ملخصاً) يجوز رمى براية القلم الجديد ولا ترمى براية القلم المستعمل لاحترامه كحشيش المسجد وكناسته لايلقى فى موضع يخل بالتعظيم.

ترجمہ اس درہم کا پگھلانا اور گلانا مکروہ ہے جس پر آیت قرآنی کندہ ہو، لیکن جب وہ درہم توڑ دیا جائے تو پگھلانا مکروہ نہیں ہے، جو تعویذ کسی علیحدہ غلاف میں ہو تو اس کا بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ نہیں ہے اور بیت الخلاء میں لے جانے سے پرہیز کرنا بہتر و افضل ہے۔

جدید قلم بنانے میں جو تراشا نکلے اس کا پھینک دینا جائز ہے لیکن استعمال شدہ قلم کا تراشا اس کے احترام کی وجہ سے پھینکا نہیں جائے گا، جس طرح مسجد کی گھاس اور کوڑا، اور نہ اسے ایسی جگہ میں ڈالا جائے جہاں اس کی تعظیم کے منافی ہو۔

تشریح: جو درہم ٹوٹ جاتا ہے اس کے حروف بکھر جاتے ہیں اس لئے اس کے گلانے میں آیت کی اہانت نہیں ہے،

اور اگر کسی درہم پر آیت سے کم کندہ ہے تو ٹوٹنے سے پہلے بھی اسے گلایا جاسکتا ہے۔

علامہ عزیزیؒ کی شرح جامع صغیر میں مذکور ہے کہ عالموں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تین شرطوں کی موجودگی میں تعویذ اور افسوں جائز ہے، ایک یہ کہ تعویذ یا جھاڑ پھونک کلام اللہ سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کے ساتھ ہو، دوسری یہ کہ عربی زبان میں ہو، یا ایسی زبان میں جس کے معنی معلوم ہوں، تیسری شرط یہ ہے کہ جھاڑ پھونک اور تعویذ بالذات مؤثر نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم سے اثر کرتے ہیں۔ اور قرطبی نے لکھا ہے کہ جھاڑ پھونک کی تین قسم ہے، ایک وہ جس کا مطلب اور معنی معلوم نہ ہو تو اس سے بچنا ضروری ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہو، دوسری یہ کہ اللہ کے کلام یا اس کے صفات کے ذریعہ سے ہو، اور احادیث میں ہے تو مستحب ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اسماء ربانی سے تو نہ ہو مگر فرشتہ یا ولی یا جلیل القدر مخلوقات جیسے عرش کے نام سے جھاڑ پھونک ہو تو اس کا شرع میں حکم ہے اور نہ اس سے پرہیز ہی واجب ہے، ہاں ترک کرنا بہتر ہے۔

لکھنے والے قلم کا تراشا اس لئے لائق احترام ہے کہ اس قلم سے اسماء الٰہیہ اور اس کے صفات، ملائکہ کے نام اور دین کی باتیں لکھی جاتی ہیں، اور حروف کا بھی بطور خود احترام ہے اور نئے قلم میں یہ بات نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ابھی استعمال نہیں ہوا ہے اور نہ اس سے کچھ لکھا گیا ہے۔

ولا یجوزلف شئ فی کاغذ فیه فقه وفی کتب الطب یجوز ولو فیه اسم الله تعالیٰ والرسول فیجوزمحوه لیلف فیه شئ ومحو بعض الکتابة بالریق یجوز وقد ورد النهی فی محو اسم الله بالبزاق وعنه علیه الصلوٰة والسلام القرآن احب الی الله تعالیٰ من السمٰوٰت والارض ومن فیهن یجوز قربان المرأة فی بیت فیه مصحف مستور بساط اوغیره کتب علیه الملك لله یکره بسطه واستعماله لا تعلیقه للزینة وینبغی ان لا یکره کلام الناس مطلقا وقیل یکره مجرد الحروف والاول اوسع وتمامه فی البحر وکراهیة القنیة قلت وظاهره انتفاء الکراهة بمجرد تعظیمه وحفظه علق اولا زین به اولا وهل مایکتب علی المراوح وجدر الجوامع کذا یحرر.

ترجمہ کسی ایسے کاغذ میں جس میں مسائل فقہ ہوں کسی چیز کا لپیٹنا جائز نہیں ہے، اور جس کاغذ میں مسائل طب ہوں اس میں لپیٹنا درست ہے۔ اور اگر اس میں کہیں اللہ یا اللہ کے رسول کا نام ہو تو اس کو اس لئے مٹا دینا کہ اس میں کوئی چیز لپیٹیں گے جائز ہے، اور کچھ لکھے ہوئے حرفوں کا تھوک سے مٹا دینا بھی جائز ہے، اور رب العالمین کے نام کو تھوک اور لعاب دہن سے مٹانے سے روکا گیا ہے، اور رسول کونین ﷺ سے روایت ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کو سب سے محبوب ہے آسمانوں سے بھی اور زمین سے بھی اور ان تمام چیزوں اور شخصوں سے بھی جو ان میں بستے ہیں۔ اس گھر اور کمرے میں عورت سے ہمبستر ہونا جائز ہے جس میں قرآن پاک چھپا کر رکھا ہوا ہو۔

تشریح بستر اور اس کے علاوہ آرام کا دوسرا سامان جیسے تکیہ وغیرہ میں "الملک للہ" لکھا ہوا ہو۔ اس کا بچھانا اور استعمال کرنا مکروہ ہے لیکن زینت اور آرائش کے لئے اس کے لٹکانے میں کراہت نہیں ہے، آدمیوں کا کلام اگر لکھا ہوا

ہو تو اس کے استعمال میں کراہت نہیں معلوم ہوتی۔ جیسے بھی استعمال کرے اور کہا گیا ہے کہ صرف حروف کا روندنا مکروہ ہے لیکن پہلا قول (مکروہ نہ ہونے والا) بہت وسیع ہے، اس کی تفصیل بحر الرائق اور قنیہ کی کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے، میں کہتا ہوں کہ ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے صرف تعظیم و حفاظت کی بنیاد پر کراہت معلوم نہیں ہوتی ہے، اسے لٹکائے یا نہ لٹکائے، آرائش و زینت بنائے یا نہ بنائے باقی کیا وہ جو پنکھوں اور جامع مسجد کی دیواروں پر لکھا جاتا ہے کیا اس کا حکم بھی وہی ہے جو اس فرش کا ہے جس پر لکھا ہوا ہو؟ اس کا جواب بعد میں لکھا جائے گا۔

اللہ کا نام تھوک سے مٹانے میں بے ادبی ہے اور اسی وجہ سے دلیل میں حدیث پیش کی کہ قرآن تمام کائنات سے افضل ہے کہ اللہ کا کلام ہے لہٰذا "لفظ اللہ" کی تعظیم بھی ضروری ہے۔ انسان کا کلام اگر کہیں لکھا ہوا ہو تو اس کے استعمال میں مضائقہ نہیں ہے مگر اس لحاظ سے کہ حروف قابل تکریم ہیں ایسی جگہ استعمال نہ ہو جس سے ان حروف کی بے حرمتی ہو، فتح القدیر میں ہے کہ قرآن اسماء الٰہی کا درا ہم، محراب اور دیواروں پر لکھنا مکروہ ہے۔

باب المیاہ

جمع ماءٍ بالمد و یقصر اصلہ موہ قلبت الواو الفا والھاء ھمزۃ وھو جسم لطیف سیال حیاۃ کل نام یُرفع الحدث مطلقا بماءٍ مطلق وھو مایتبا در عند الاطلاق کماءٌ سماء واودیۃ وعیون وابار وبحارٍ وثلج مذاب بحیث یتقاطر وبرد وجمد وندی ھذا تقسیم باعتبار ما یشا ھدُ والافالکل من السماء لقولہ تعالیٰ الم تران اللّٰہ انزل من السماء ماءً الأیۃ والنکرۃ ولو مثبتۃ فے مقام الامتنان تعم.

پانی سے متعلق مسائل

ترجمہ میاہ اس ماء کی جمع ہے جس میں الف کے بعد ہمزہ ہے اور کبھی بے ہمزہ بھی استعمال کرتے ہیں۔ ماء کی اصل مَوَہ ہے مَوَہ کے واؤ کو الف سے بدلا اور اس کے ہائے ہوز کو ہمزہ سے موہ ماء ہو گیا، پانی ایک لطیف وپاکیزہ بہنے والا جسم ہے، جس سے ہر نشو ونما پانے والی چیز زندگی پاتی ہے، جان دار ہو یا بے جان، مطلق پانی سے حدثِ اکبر (جنابت) اور حدث اصغر (بے وضو ہونا) دونوں کو دور کیا جاتا ہے اور مطلق پانی اسے کہتے ہیں کہ اس کا نام لیتے ہی جو فوراً ذہن میں آتا ہے جیسے آسمان کا پانی (بارش) اور وادیوں اور چشموں اور کنوؤں کا پانی، دریاؤں کا پانی، اور اس پگھلے ہوئے برف کا پانی جو ٹپکتا ہوا ہو، اور اولے اور پالا وشبنم کا پانی اور پانیوں کی یہ تقسیم اس اعتبار سے جو بظاہر مشاہدہ میں آتا ہے اور اگر ظاہر کا اعتبار نہ کیا جائے تو تمام تر پانی آسمان سے اترے ہوئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً الآیۃ۔ کیا تو نے نہیں [illegible]

تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا (الی آخرہ) اور نکرہ گو وہ مقام احسان و شکر میں مثبت ہو عام ہو جاتا ہے۔

تشریح اس باب میں پانی سے متعلق احکام ذکر کئے گئے ہیں باب کے معنی دروازہ کے آتے ہیں اور اصطلاح میں مسائل فقہ کے ایک مخصوص حصہ کو کہتے ہیں جس کا ماقبل اور مابعد کے مسائل سے کوئی خاص تعلق نہیں ہو تا منح الغفار میں لکھا ہے کہ مطلق پانی اس پانی کو کہتے ہیں جو اپنے پیدائشی اوصاف پر ہو اس میں کوئی نجاست وغیرہ نہ ملی ہو، یا اسی گاڑھی بھی کوئی چیز نہ ملی ہو جو اس پر غالب آگئی ہو، اس تعریف کا اور جو کتاب میں بیان ہوئی ماحصل ایک ہی ہے۔ یعنی صرف پانی کسی پھول پھل پتے درخت وغیرہ کا نہیں اور نہ ایسا پانی جس میں دوسری چیز نے مل کر اس کی اصلیت کو کمزور کر دیا ہو، جیسے گلاب کا پانی تربوز کا پانی، چائے کا پانی، ان سب کا مطلق پانی میں شمار نہیں ہو تا، باقی آسمان کا پانی تو مطلق پانی ہی ہو تا ہے، آسمان کی طرف اضافت کا منشاء یہ ہے کہ وہ پانی جو اوپر بادل سے برستا ہے اور یہ وادی کی جمع ہے پہاڑوں اور ٹیلوں کے درمیان جو کشادہ نشیبی زمین ہوتی ہے اسے وادی کہتے ہیں، اور یہاں بارش کا وہ پانی مراد ہے جو برسنے کے بعد بہہ کر نشیب میں جمع ہو جاتا ہے، جیسے ندی، نالہ، اور جھیل کا پانی۔

اسم نکرہ اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی غیر معین چیز پر بولا جائے جیسے مرد عورت اور پانی کہ اس سے عام مرد عورت اور عام پانی سمجھا جاتا ہے، نفی کے بعد جو نکرہ ہے وہ تمام کو شامل ہو تا ہے، لیکن اثبات میں نکرہ ہر جگہ عام نہیں ہو تا لیکن شکر و احسان کے موقع پر البتہ عام ہو تا ہے۔

اس آیت قرآنی میں موقع اثبات میں ماء کا لفظ نکرہ آیا ہے لیکن یہ موقع احسان ہے اس لئے اپنی تمام قسموں کو شامل ہوگا۔

وماء زمزم بلا كراهةٍ وعن احمد يكره وبماءٍ قصد تشميسه بلا كراهة وكراهة عندالشافعية طبية وكره احمد المسخن بالنجاسة ويرفع بماءٍ ينعقد به ملح لابماءٍ حاصل بذوبان ملح لبقاء الاول على طبيعته الاصلية وانقلاب الثاني الى طبيعته الملحية ولا بعصير نباتٍ اى معتصر من شجر اوثمر لانه مقيد بخلاف مايقطر من الكرم اوالفواكه بنفسه فانه يرفع الحدث وقيل لا وهو الاظهر كما فى الشرنبلالية عن البرهان واعتمده القهستاني فقال والاعتصار يعم الحقيقى والحكمي كماء الكرم وكذا ماء الدابوغة والبطيخ بلا استخراج وكذا نبيذالتمر.

ترجمہ اور زمزم کے پانی سے بغیر کسی کراہت کے حدثِ اکبر و اصغر دور کیا جاسکتا ہے یعنی جن لوگوں پر غسل فرض ہے وہ اس پانی سے غسل بھی کر سکتے ہیں اور جن کو وضو نہیں ہے وہ وضو بھی کر سکتے ہیں، امام احمدؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس پانی سے یہ دونوں کام مکروہ ہیں، اور جو پانی قصداً دھوپ میں رکھا گیا ہے اس سے طہارت درست ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال از روئے طب مکروہ ہے کہ اس سے برص کی بیماری پیدا ہوتی ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس پانی کو مکروہ سمجھا ہے جو نجاست سے گرم کیا گیا ہے اور اس پانی سے حدث دور ہو تا ہے جس سے نمک جمتا ہے، یعنی جس پانی میں جم کر نمک ہو جانے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، البتہ اس پانی سے حدث دور نہیں ہو تا جو نمک سے پگھل کر تیار ہوا ہے اس وجہ سے کہ پہلا پانی اپنی خلقی حیثیت پر باقی رہتا ہے۔ اور دوسرا پانی نمک بن جانے کی طرف بدل جاتا ہے، اور اس پانی سے

حدث دور نہیں ہوتا ہے جو نباتات کے نچوڑنے سے تیار ہوا ہے یعنی جو پانی کسی درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو، اس لیے یہ پانی مقید پانی ہے مطلق نہیں ہے، بخلاف اس پانی کے جو انگور یا میوہ جات کے درختوں سے خود بخود ٹپکتا ہے کہ اس سے حدث دور کیا جاتا ہے، اور بعضوں نے کہا کہ یہ پانی حدث کو دور نہیں کرتا ہے، اور زیادہ قرین قیاس یہی دوسرا عدم جواز کا قول ہے جیسا کہ شرح ملالیہ میں برہان سے نقل کیا گیا ہے اور اسی قول پر قہستانی نے اعتماد کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ نچوڑنا حقیقی اور حکمی دونوں نچوڑنے کو شامل ہے یعنی کوٹ کر یا داب کر نکالا گیا ہو، یا خود بخود ٹپکا ہو جیسے انگور کا پانی، اور اسی انگور کے پانی کی طرح تربوز اور خربوزے کا پانی ہے، جو بغیر کسی کے نکالے خود بخود نکلا ہو، اور یہی حکم خرما کی نبیذ کا ہے۔

تشریح زمزم کنویں میں داخل تھا، مگر اس کے احترام کے پیش نظر اس کو علیحدہ سے بیان کیا، اور اس وجہ سے کہ اس کے پانی میں امام احمدؒ کا اختلاف تھا۔

نمک کا پگھلا ہوا پانی ایسا ہے جیسے سونا اور چاندی پگھل کر پانی بن جائے، اور دنیا جانتی ہے کہ یہ پانی نہیں کہا جاتا ہے اسی طرح نمک کا پگھلا ہوا پانی بھی پانی کے حکم میں نہیں ہوتا، نمک کا پانی سردی میں پگھلتا ہے اور گرمی میں جم جاتا ہے، دوسرے پانی میں یہ بات نہیں ہوتی، حدث کے ازالہ کے لیے مطلق پانی شرط ہے، مقید پانی نہیں، اگر کسی کے پاس مطلق پانی نہ ہو بلکہ صرف تربوز، خربوزے وغیرہ کا پانی ہو تو اس کو تیمم کرنا درست ہے، مگر اس پانی سے وضو اور غسل کرنا درست نہیں ہے، کذا فی البحر۔

اسی طرح وہ پانی جسے لوگوں نے درخت یا پھل سے نچوڑا یا ٹپکایا ہے وہ حدث دور نہیں کرتا، باقی وہ پانی جو درخت سے بغیر کسی کے نچوڑے اور ٹپکائے خود بخود ٹپکا ہو، اس میں اختلاف ہے۔ متن والے نے صاحب ہدایہ کی پیروی میں جواز کا حکم دیا، اور طحطاویؒ نے بحر الرائق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بہت سی کتب میں لکھا ہوا ہے کہ جائز نہیں ہے اور قاضی خاں، محیط اور کافی میں اسی قول کو لیا گیا ہے اور شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ جائز نہ ہونا ہی اشبہ ہے لہٰذا یہی عدم جواز کا قول اولیٰ ثابت ہوا۔

ولا بماء مغلوب بشيء طاهر الغلبة اما بكمال الامتزاج بتشرب نبات او بطبخ بمالا يقصد به التنظيف واما بغلبة المخالط فلو جامداً فبثخانة مالم يزل الاسم كنبيذ تمرٍ و لو مائعا فلو مباينا لا وصافه فبتغير اكثرها او موافقا كلبن فباحدها او مماثلاً كمستعمل فبالاجزاء فان المطلق اكثر من النصف جاز التطهير بالكل والا لا وهذا يعم الملقي والملاقي.

ترجمہ اور اس پانی سے طہارت جائز نہیں ہے جو پاک چیز کے ملنے سے مغلوب ہو گیا ہو، یعنی اپنی طبیعت سیلان اور اصل خلقت سے نکل گیا ہو، جیسے شربت، سرکہ، گلاب، باقلا کا پکایا ہوا پانی اور شوربا کہ ان سے پانی کا نام زائل ہو چکا ہوتا ہے، پاک چیز کا پانی پر غالب ہونا یا تو کمالِ امتزاج (پوری طرح مل جانے) سے ہوتا ہے کہ نباتات اپنے اندر اسے جذب کر لے، یا کمال اختلاط پانی کو اس چیز کے ساتھ پکانے سے حاصل ہوتا ہے، جس کا مقصد صاف کرنا اور میل دور کرنا نہ ہو (جیسے شوربا وغیرہ) اور یا پانی کا مغلوب ہونا ملنے والی چیز کے غالب ہونے سے ہوتا ہے، سو اگر وہ مل جانے والی چیز گاڑھی اور بستہ ہو، تو اس کا غالب ہونا پانی کے گاڑھے ہو جانے سے ہوگا، جب تک اس سے پانی کا تمام حصہ زائل نہ ہو چکا ہو، جیسے خرما کا میٹھا پانی، جو شربت کہا جاتا ہے، اور اگر پانی میں ملنے والی چیز پتلی اور بہنے والی ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ پانی کے تمام اوصاف کے مخالف ہے تو

اس کا غلبہ پانی کے اکثر اوصاف کے بدل جانے سے ہوگا یا وہ بہنے والی پتلی چیز پانی کے تمام اوصاف کے مخالف نہیں ہے، بلکہ بعض کے موافق ہے اور بعض کے مخالف، جیسے دودھ کہ بو نہ ہونے کی وجہ سے پانی کے موافق ہے اور مزہ اور رنگ میں مخالف ہے، تو ایسی چیز کا غلبہ ایک وصف کے بدل جانے سے ہوگا، لہٰذا اگر دودھ کو پانی میں ملایا گیا اور دودھ کا رنگ یا مزہ پانی پر غالب ہو گیا تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا اور اگر اس میں سے کوئی وصف نہیں بدلا تو جائز ہوگا، یا وہ ملنے والی پتلی چیز پانی کے مماثل اور اسی کے مانند ہے، جیسے استعمال کیا ہوا پانی، تو اس وقت اس کا پانی پر غلبہ اجزاء کے حساب سے ہوگا، یعنی اگر پانی نصف سے زیادہ ہے اور استعمال کیا ہوا اس سے کم، تو طہارت درست ہوگی اور اگر استعمال کیا ہوا پانی اصل پانی کے برابر ہو یا اس سے زیادہ تو اس سے طہارت درست نہیں ہوگی، اور مستعمل پانی کا یہ حکم عام ہے اُس پانی کو جو مطلق پانی میں ڈالا گیا اور وہ اس کے ساتھ مل گیا، اور اس مطلق پاک پانی کو جس میں کوئی شخص بیٹھا یا غوطہ لگایا یعنی دونوں صورتوں میں اگر مطلق پانی کا حصہ نصف سے زیادہ ہے تو طہارت جائز ہے ورنہ نہیں۔

تشریح پانی میں کبھی کوئی چیز ملادی جاتی ہے یا مل جاتی ہے، اگر وہ ملنے والی چیز پاک ہے تو پانی ناپاک تو نہیں ہوتا، مگر اس اصل پانی کی بعض حالات میں حیثیت بدل جاتی ہے، اور اس کی وجہ سے اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، یعنی پانی مغلوب ہو جاتا ہے اور ملنے والی چیز غالب ہو جاتی ہے، جیسے پانی جب شربت بن جائے، یا شوربا بن جائے، یا اس طرح کی کوئی اور چیز، تو ان صورتوں میں اس پانی سے جواب در حقیقت پانی نہیں رہا، طہارت جائز نہ ہوگی کیونکہ اسے کوئی پانی کہتا بھی نہیں۔
فقہاء نے کتاب وسنت کی روشنی میں اس طرح کے پانی کی مختلف قسمیں قرار دی ہیں، جس کی تفصیل اوپر گذری۔

پانی میں کسی چیز کو ڈال کر پکانے کی دو صورت ہوتی ہے کبھی ایسی چیز ڈالتے ہیں جو میل کاٹے اور بدن یا کپڑے کو صاف ستھرا کرے جیسے اشنان، صابون، خطمی اور بیر کی پتیاں پانی میں ڈالتے اور پکاتے ہیں کہ پانی میل کچیل کو صاف کرنے کی صلاحیت پیدا کرے، اس سے پانی کی پاکی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ ہاں اس وقت یہ پاک کرنے کی صلاحیت کھودے گا، جب اس پکانے سے پانی گاڑھا ہو جائے اور اس کے بہاؤ اور پتلا پن میں فرق آجائے تو اس سے نہ غسل جائز ہوگا، نہ وضو۔

دوسری قسم یہ کہ میل صاف کرنے کی غرض سے نہیں پکاتے بلکہ کوئی اور چیز بناتے ہیں جیسے شوربا، یہ پانی کو طہارت کے قابل باقی نہیں رہنے دیتا، چاہے اس کا پتلا پن بھی باقی رہے اور بہاؤ بھی، نبیذ تمر کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خرما کو پانی میں بھگو دیتے ہیں جس سے پانی میٹھا ہو جاتا ہے، یہ نبیذ بھی خرما کا شربت کہا جاتا ہے، پانی نہیں کہا جاتا، اس سے وضو جائز نہیں ہے۔

کبھی پانی میں ایسی پاک چیز ملاتے ہیں جو پتلی بہنے والی ہوتی ہے۔ اب یا تو یہ پانی کی تمام صفتوں کے مخالف ہوگی یا بعض کے مخالف، اور یا سب صفتوں میں موافق و مماثل۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ پانی کی تین صفتیں ہیں، ایک اس کا رنگ ہے، دوسرے اس کا مزہ اور تیسرے بُو، سرکہ ایسی پتلی چیز ہے جو پانی کی تین صفتوں کے خلاف ہے، اب سرکہ کو پاک پانی میں ملایا تو اگر اس ملانے سے پانی کی کوئی دوسری صفت بھی بدل گئی تو سمجھا جائے گا کہ سرکہ غالب ہو گیا اور پانی مغلوب، اور دودھ ایسی چیز ہے کہ پانی کی بعض صفت میں موافق ہے اور بعض میں مخالف، جیسے بُو کہ نہ پانی میں ہے اور نہ دودھ میں۔ اس میں دونوں کے اندر موافقت ہوئی، لیکن رنگ اور مزہ میں پانی کے خلاف ہے، تو اب دودھ کو پانی میں ملایا جائے اور ان دو مخالف صفتوں میں سے ایک بھی بدل جائے مثلاً دودھ کے ملنے سے پانی کا رنگ بدل جائے، یا صرف مزہ بدل جائے، یا دونوں بدل جائیں تو پانی مغلوب کہا جائے گا اور

دودھ غالب اور اس پانی سے وضو جائز نہ ہوگا، لیکن اگر نہ مزہ بدلا اور نہ رنگ تو وضو جائز ہوگا، یا تربوز کا پانی ہے، کہ اس کے ملنے سے اگر مزہ پانی کا بدل جائے گا تو حکماً پانی مغلوب قرار پائے گا اور اس سے وضوو غسل درست نہ ہوگا۔

استعمال کیا ہوا پانی وہ ہے جو بدن سے علیحدہ ہو جائے۔ اس کے پاک و ناپاک ہونے میں کئی قول ہیں، لیکن جس پر فتویٰ دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود وہ پاک ہے، البتہ پاک کرنے کی وہ صلاحیت نہیں رکھتا، اب اگر مطلق پاک پانی میں استعمال کیا ہوا پانی مل جائے تو اگر یہ کم ہے اور مطلق پانی کی مقدار زیادہ تو پانی پاک ہی رہے گا اور وضو اس سے جائز ہوگا۔ اور اگر استعمال کیا ہوا پانی وزن میں زیادہ ہو تو پانی مغلوب قرار پائے گا اور اس سے وضو جائز نہ ہوگا اور اگر دونوں برابر ہوں تو فقہاء کہتے ہیں کہ ازراہِ احتیاط پانی اس صورت میں بھی مغلوب قرار دیا جائے گا اور اس سے وضو درست نہ ہوگا، اُس عرقِ گلاب اور عرقِ گاؤزبان کا بھی یہی حکم ہوگا جس کی بُو ختم ہو چکی ہو۔

ففی الفساقی یجوز التوضأ مالم یعلم تساوی المستعمل علی ما حققه فی البحر والنحر والمنح قلت لکن الشر نبلالی فی شرح الوهبانية فرق بینهما فراجعه متاملا.

ترجمہ چھوٹے حوضوں میں اُس وقت تک وضو کرنا جائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ استعمال کیا ہوا پانی حوض کے پانی کے برابر ہو گیا ہے (یا زیادہ) یہ قاعدہ اس تحقیق کی بنیاد پر ہے جو بحر الرائق، نہر الفائق اور منح الغفار میں مذکور ہے (یہ مسئلہ پہلے مسئلہ کی تفریع ہے جس میں بتایا گیا تھا کہ اگر مطلق پانی زیادہ ہو اور مستعمل کم تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں، دلیل فتح القدیر میں ہے کہ ان کے استاذ سراج الدین قاری ہدایہ سے کسی شخص نے سوال کیا کہ ایک چھوٹا حوض ہے جس میں لوگ وضو کرتے ہیں، اس میں مستعمل پانی گرتا ہے اور ہر دن اس حوض میں نیا پانی آتا رہتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ جب اس حوض میں پانی مذکور کے سوا اور کوئی چیز نہیں واقع ہوتی ہے تو وضو کرنا جائز ہے، صرف مستعمل پانی کے قطرات گرنے سے ناپاک نہ ہوگا، البتہ نجاست پڑ جائے تو حوض چونکہ چھوٹا ہے ناپاک ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ شرنبلالیؒ نے شرح الوہبانیہ میں ان دونوں ملقی اور ملاقی کے اندر فرق کیا ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کریں اور غور فرمائیں۔

تشریح یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شرح وہبانیہ میں ملقی اور ملاقی میں فرق بیان کیا ہے، ملقی کہتے ہیں مستعمل پانی کا مطلق پانی میں ملانا، تو اس ملانے سے مطلق پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ اگر مطلق پانی مقدار میں زیادہ ہے اور مستعمل کم، اور ملاقی کے معنی ہیں مطلق قلیل پانی میں وضو کے لئے ہاتھ ڈالنا، اور اس طرح ڈالنے سے مطلق پانی کل کا کل مستعمل ہو جاتا ہے، صاحب بحر الرائق نے ثابت کیا ہے کہ ملقی اور ملاقی میں کوئی فرق نہیں ہے اور کہنا صحیح نہیں ہے کہ چھوٹے حوض میں وضو کرنے سے تمام پانی مستعمل ہو جائے گا، جب تک مطلق پانی کا حصہ زیادہ ہے اور مستعمل کا کم، لہٰذا چھوٹے حوض سے وضو کرنا جائز ہے، غور کرنے سے یہی واضح ہوتا ہے، اس کی مزید تفصیل دیکھنی ہو تو شامی دیکھئے۔ وہاں دونوں طرح کی رائے کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

ویجوز رفع الحدث بما ذکر و ان مات فیه ای الماء و لو قلیلا غیر دموی کزنبور و عقرب و بق ای بعوض و قیل بق الخشب و فی المجتبی الاصح فی علق مص الدم انه یفسد و منه علم حکم

بق و قراد و علق و فی الوهبانية دود القز و ماء ه و بزر ه و خرء ه طاهر كدودة متولدة من نجاسة و مائی مولد و لو كلب الماء و خنزيرہ كسمك و سرطان و ضفدع الابرياله دم سائل و هو مالا سترة له بين اصابعه فيفسد فی الاصح كحية برية ان لها دم والالا و كذا الحكم لو مات ما ذكر خارجه و بقی فيه فی الاصح فلو تفتت فيه نحو ضفدع جاز الوضوء به لا شربه لحرمة لحمه.

ترجمہ اور اس پانی سے جن کا بیان گذرا حدث کا دور کرنا جائز ہوتا ہے گو وہ پانی تھوڑا ہو، اور اس میں وہ جانور مر گیا ہو جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا، جیسے بھڑ، بچھو، اور مچھر۔ اور مجتبیٰ میں ہے کہ جو جونک خون چوسے اور قلیل پانی میں مر جائے اس میں صحیح تر قول یہ ہے کہ وہ پانی فاسد ہو جائے گا یعنی ناپاک ہو جائے گا اور اسی سے مچھر اور چھوٹی چیچڑی اور بڑی چیچڑی کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے، یعنی اگر یہ جانور خون چوس کر قلیل پانی میں مر جائیں تو اس سے بھی پانی ناپاک ہو جائے گا (کیونکہ جونک میں بھی ذاتی خون نہیں ہوتا اور مچھر اور چیچڑی کا بھی ذاتی خون نہیں ہوتا بلکہ یہ سب دوسرے کا خون چوستے ہیں) اور وہبانیہ میں ہے کہ ریشم کا کیڑا، اور وہ پانی جس میں اس کیڑے کو جوش دیا گیا ہے، اور اس کے انڈے اور اس کی بیٹ اسی طرح پاک ہے جس طرح وہ کیڑا پاک ہے جو نجاست سے پیدا ہوا ہے۔

اور اگرچہ اس قلیل پانی میں وہ جانور مر جائے جس کی پیدائش کی جگہ پانی ہی ہے جیسے مچھلی، کیکڑا، اور مینڈک۔ اور خواہ وہ پانی کا کتا اور اس کا سور ہی کیوں نہ ہو (پانی ناپاک نہ ہوگا) مگر وہ جنگلی مینڈک جس میں بہتا ہوا خون پایا جاتا ہے، اس کے مرنے سے قلیل پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور جنگلی یا خشکی کا مینڈک وہ ہے جس کی انگلیوں کے درمیان بط کی طرح پردہ نہیں ہوتا ہے، یہ مینڈک خشکی کے سانپ کی طرح ہے کہ اس کے مرنے سے قلیل پانی ناپاک ہو جاتا ہے اگر اس میں بہتا ہوا خون پایا جاتا ہو، اور اگر اس سانپ میں خون نہیں ہے تو اس کے مرنے سے تھوڑا پانی (جیسے کنواں وغیرہ) ناپاک نہ ہوگا، اور یہی حکم اس وقت ہے جب مذکورہ جانور پانی کے باہر مرا اور پھر پانی میں ڈال دیا گیا یعنی اس صورت میں پانی ناپاک نہیں ہوگا، صحیح تر قول اس مسئلہ میں یہی ہے، لہٰذا مینڈک کی طرح کا جانور جو ناپاک نہیں ہے مگر اس کا کھانا حرام ہے، اگر پانی میں ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس سے وضو تو جائز ہوگا مگر اس کا پینا جائز نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اس کا گوشت حرام ہے۔

تشریح یہاں دو قسم کے جانوروں کا بیان کیا گیا۔ ایک قسم وہ جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے، دوسرے وہ جانور جو پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور بتایا کہ ان کے تھوڑے پانی میں مر جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے، پانی میں پیدا ہونے والے جانوروں میں مچھلی، کیکڑا اور مینڈک کے ساتھ پانی کا کتا اور پانی کا سور بھی شامل ہے۔ چنانچہ خلاصہ میں صراحتاً موجود ہے کہ پانی کا کتا اور پانی کا سور جب پانی میں مر جائیں تو فقہاء کا اجماع ہے کہ پانی ناپاک اور نجس نہیں ہوتا۔ باقی بحر الرائق میں مشائخ کا جو اختلاف نقل کیا ہے وہ قولِ ضعیف ہے جو لائق اعتبار نہیں، کذا فی الطحطاوی۔

و ينجس الماء القليل بموت مائی معاش بری مولد فی الاصح كبط و اوز و حكم سائر المائعات كالماء فی الاصح حتی لو وقع بول فی عصير عشر فی عشر لم يفسد و لو سال دم رجله مع

العصیر لا ینجس خلافاً لمحمد ذکرہ الشمنی وغیرہ و بتغیر احد اوصافہ من لون اوطعم او ریح ینجس الکثیر و لو جاریاً اجماعاً اما القلیل فینجس و ان لم یتغیر خلافا لمالک

ترجمہ اور تھوڑا پانی اُن جانوروں کے مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے جو پانی میں رہتا ہے خشکی میں پیدا ہوتا ہے جیسے بطخ اور چینی بط اور پانی کے سوا بقیہ تمام سائل اور بہنے والی چیزوں کا حکم پانی کے مانند ہے، صحیح تر قول میں، یعنی یہ بھی اگر تھوڑا ہو تو نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا، یہاں تک کہ اگر آدمی کا پیشاب اُس حوض میں پڑ جائے جس میں کسی چیز کا رس دہ در دہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا (جیسے دہ در دہ پانی ناپاک نہیں ہوتا) اور اُس کثیر رس کے ساتھ اس کے پاؤں کا خون بہا تو وہ ناپاک نہ ہوگا، یہ امام محمدؒ کے خلاف ہے، شمنی وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے البتہ پانی کے تین وصف رنگ، مزہ، بو میں سے ایک وصف بھی بدل جائے تو کثیر پانی بالاتفاق ناپاک ہو جائے گا، اگرچہ وہ بہتا ہوا پانی ہو، اور قلیل پانی نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے گو اس کی وجہ سے کوئی وصف نہ بدلے، یہ امام مالکؒ کے مذہب کے خلاف ہے۔

تشریح چھوٹا حوض یا قلیل اور تھوڑا پانی اسے کہتے ہیں جو دہ در دہ نہ ہو یعنی وہ دس ہاتھ لمبائی اور دس ہاتھ چوڑائی میں پھیلا ہوا نہ ہو، اور جو دہ در دہ ہو وہ کثیر کہا جاتا ہے، قلیل پانی اور چھوٹا حوض نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ اس میں نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے، لیکن کثیر صرف نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے، ہاں اگر اس کے گرنے سے پانی کا رنگ بدل جائے یا مزہ بدل جائے یا بُو بدل جائے تو اب ناپاک ہوگا یعنی تین وصفوں میں سے ایک وصف کا بدلنا بھی ناپاک ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اب اگر دہ در دہ حوض میں کوئی اس کو بھر دے تو اس کا بھی حکم پانی کی طرح ہوگا، اور نجاست گرنے سے اگر پانی کا ایک وصف بھی بدل جائے تو گو پانی جاری ہی کیوں نہ ہو وہ بھی ناپاک ہو جائے گا، خواہ قلیل ہو خواہ کثیر، جاری ہو یا جاری نہ ہو، اور اگر نجاست کے پڑنے سے کوئی وصف نہیں بدلا ہے تو قلیل ناپاک ہوگا کثیر ناپاک نہ ہوگا، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قلیل پانی بھی نجاست پڑنے سے ناپاک اُس وقت تک نہیں ہوتا ہے جب تک اس کا کوئی وصف نہ بدل جائے۔

جاری پانی، کثیر پانی کے حکم میں ہوتا ہے، اور اسی طرح بہتا ہوا رس بھی، اسی لیے کہا کہ اگر جاری رس کی جو نالی بہہ رہی ہے اس میں پاؤں کا خون بہے تو وہ ناپاک نہ ہوگا، جس طرح بہتا پانی خون کے ملنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔ ہاں جب تین وصفوں میں سے جو کوئی وصف بدل جائے گا تو ناپاک ہو جائیگا۔

لالو تغیر بطول مکثٍ فلو علم نتنہ بنجاسةٍ لم یجز و لو شك فالاصل الطهارة و التوضؤ من الحوض افضل من النهر رغما للمعتزلة و كذا يجوز بماءٍ خالطه طاهر جامد مطلقا كاشنان و زعفران لكن فى البحر عن القنية امكن الصبغ به لم يجز كنبيذ تمر و فاكهة وورق شجر و ان غير كل اوصافه فى الاصح ان بقيت رقته اى واسمه كما مر ويجوز بجار وقعت فيه نجاسة والجارى هو ما يعد جارياً عرفاً و قيل ما يذهب بتبنه والاول اظهر والثانى اشهر (كذا فى البحر) و ان وصيلة لم يكن جريانه بمدد فى الاصح فلو سُدالنهر من فوقٍ فتوضأ رجل بما يجرى بلا

مدد جاز لانه جارٍ و کذا لو حضر نهراً من حوض صغير او صب رفيقه الماء فی طرف ميزاب و توضأ فيه و عند طرفه الآخر اناء يجتمع فيه الماء جاز توضؤه به ثانيا و ثم و ثم وتمامه فی البحر.

ترجمہ پانی زیادہ دن رُکا ہوا رہنے سے اگر بدل جائے یعنی اس کا مزہ وغیرہ بدل جائے تو اس سے وہ ناپاک نہیں ہوتا، لیکن اگر یقین ہو کہ اس کی گندگی نجاست کی وجہ سے ہے تو ایسے پانی سے طہارت جائز نہیں ہے، اور صرف شک ہو (یعنی اس کی بدبو اور گندگی میں یہ بات یقینی نہیں ہے کہ یہ نجاست کی وجہ سے ہے یا زیادہ رُکے ہوئے رہنے کی وجہ سے، بلکہ دونوں میں شک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی) تو اصل طہارت ہے اسی کا اعتبار ہوگا (لوگوں سے اس کی تفتیش و تحقیق ضروری نہیں ہے)۔

اور معتزلہ کا توڑ کرنے کے لیے نہر کو چھوڑ کر حوض سے وضو کرنا بہتر ہے، (معتزلہ کہتے ہیں کہ بڑا حوض (جو دہ در دہ ہے) وہ بھی معمولی نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے خواہ پانی کا کوئی وصف نہ بھی بدلے، اور احناف کے یہاں اس سے ناپاک نہیں ہوتا، اس لیے کہا کہ حوض سے وضو کرنا چاہیے اگر وہاں معتزلہ موجود ہوں، تاکہ ان کا یہ غلط خیال باطل ہو، اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو ایسے سے بہتر ہے کہ نہر سے وضو کیا جائے)۔

اسی طرح طہارت اس پانی سے مطلقاً جائز ہے جس میں کوئی پاک جامد چیز مل گئی ہو جیسے اشنان اور زعفران (کہ ان کے ملنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے) لیکن بحر الرائق نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر زعفران والا پانی اتنا رنگین ہو گیا ہو کہ اس سے کپڑے کا رنگنا ممکن ہو تو اس سے طہارت جائز نہیں ہے، جس طرح نبیذ تمر سے جائز نہیں ہے۔

اور جیسے پھل اور درخت کے پتوں کے پانی میں ملنے سے پانی پاک رہتا ہے اور اس سے وضو جائز ہے، اگر پتوں کے ملنے سے پانی کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں، اس مسئلہ میں صحیح تر قول یہی ہے، بشرطیکہ اس پانی کا پتلا پن اور اس کا نام باقی رہ گیا ہو، جیسا کہ مغلوب پانی کے بیان میں گذر چکا، (یعنی اگر پانی اس کی وجہ سے ایسا بدل گیا کہ اب اس کا نام پانی باقی نہ رہا یا وہ گاڑھا ہو گیا تو پھر اس سے وضو جائز نہ ہوگا، جیسے گذرا کہ زعفران اتنا مل گیا کہ وہ پانی رنگ بن گیا یا نبیذ تمر کا پانی گاڑھا ہو گیا اور اس کا نام شربت ہو گیا)۔

اور وضو و غسل اس بہتے ہوئے پانی سے جائز ہے جس میں نجاست پڑ گئی ہو (خواہ نجاست نظر آتی ہو یا نظر نہ آتی ہو، بہتا ہوا پانی اس سے ناپاک نہیں ہوتا) اور بہتا ہوا پانی وہ ہے جسے عرفِ عام میں جاری اور بہتا ہوا شمار کرتے ہیں، اور بعض لوگوں نے یہ تعریف کی ہے کہ جاری پانی وہ ہے جو تنکے اور گھاس کو بہالے جائے، ان میں پہلا قول ظاہر تر ہے اور دوسرا مشہور تر، یہ جاری پانی ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ اس کا بہنا اوپر کے پانی کی مدد سے نہ ہو، (یعنی وہ پانی چشمہ یا جھیل یا مینہہ سے نہ ہو) پس اگر نہر اوپر سے بند کر دی گئی ہو اور کوئی شخص اس پانی سے وضو کرے جو بلا مدد بہتا ہے تو اس کا وضو کرنا جائز ہے اس لیے کہ وہ جاری پانی ہے اسی طرح کوئی نہر کسی چھوٹی حوض سے کھود کر نکالی گئی اور اس میں حوض کا پانی بہا، یا اس کے رفیق نے پرنالے کے کنارے پر پانی ڈالا اور اس شخص نے پرنالے یا نہر کے اس بہتے پانی میں وضو کیا اور پرنالے کے دوسری طرف کوئی برتن ہے جس میں وہ بہنے والا پانی جمع ہوتا جاتا ہے تو دوسری مرتبہ اس پانی سے وضو کرنا درست ہوگا۔ اور پھر اسی طرح تیسری بار اور چوتھی بار، اس کی پوری

تفصیل بحر الرائق میں ہے۔

تشریح یعنی چھوٹی حوض سے بہا کر نہر میں پانی لائے، اور اس بہتے ہوئے پانی سے وضو کیا، وہ پانی بہہ کر ایک جگہ جمع ہوتا رہا، دوسرے آدمی نے اس جگہ سے ایک نہر کھودی اور وہ جمع شدہ پانی اس نئی نہر سے بہہ کر آگے چلا، ایک اور جگہ کی طرف، اس بہنے کی حالت میں پھر کسی نے وضو کیا، یہاں سے آگے چل کر یہ پانی پھر ایک جگہ جمع ہوا، یہاں سے تیسرے آدمی نے نہر کھودی اور پانی کو آگے لے چلا، اور اس بہتے ہوئے پانی سے پھر کسی نے وضو کیا، تو اس طرح بہتے ہوئے پانی سے جتنے شخصوں نے وضو کیا سب کا وضو درست ہوا، اس لیے کہ ہر ایک نے بہتے پانی سے وضو کیا ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جاری پانی نجس نہیں ہوتا جب تک وہ متغیر نہ ہو جائے، اسی کو بحر الرائق میں لکھا ہے کہ جو پانی جمع ہوا، وہ پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اس لیے کہ یہ استعمال بہنے کی حالت میں ہوا ہے اور بہتا ہوا پانی مستعمل نہیں ہوا کرتا، شیخ زاہد ابوالحسن سے اسی طرح منقول ہے، علامہ نوح نے کہا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ مستعمل پانی طاہر ہے۔

ان لم يرى يعلم اثره فلو فيه جيفة او بال فيه رجل فتوضأ آخر من اسفله جاز مالم ير فى البحرية اثرهٗ وهو اما طعمٌ او لون او ريح ظاهر يعم الجيفة و غيرها و هو مارجّحه الكمالُ و قال تلميذه قاسم انه المختارُ و قوّاه فى النهر و اقره المصنف و فى القهستانى عن المضمرات عن النصاب و عليه الفتوى و قيل ان جرىٰ عليها نصفه فاكثر لم يجز وهو احوط والحقوا بالجارى حوض الحمام لو الماءُ نازلاً والغرف متدارك كحوض صغير يدخله الماء من جانبٍ و يخرج من آخر يجوز التوضى من كل الجوانب مطلقاً به يفتى و كعين هى خمس فى خمس ينبع الماءُ منه به يفتى قهستانى معزّيا للتتمة.

ترجمہ نجاست کے واقع ہونے سے بہتا پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک نجاست کا اثر معلوم نہ ہو، لہذا اگر جاری پانی میں مردار جانور پڑا ہوا ہو، یا اس بہتے ہوئے پانی میں کسی نے پیشاب کر دیا اور دوسرے شخص نے اس کی دوسری جانب نشیب میں وضو کیا۔ تو یہ وضو کرنا اس کا اس وقت تک جائز ہے جب تک اس نشیب کی جانب میں نجاست کا اثر معلوم نہ ہو، (خواہ یہ نجاست مرئی ہو جو دیکھنے میں آتی ہے یا غیر مرئی ہو، جو دیکھنے میں نہیں آتی) اور نجاست کا اثر یا مزہ ہے یا رنگ ہے اور یا بو ہے۔ مصنف ظاہر کا کام "نجس" مردار اور غیر مردار دونوں کو شامل ہے اور اس کو محقق کمال نے ترجیح دی ہے اور ان کے شاگرد رشید قاسم نے اسی قول کو مختار کہا ہے اور اسی کو نہر الفائق نے قوی بتایا ہے اور مصنف نے اسی کو اپنی شرح میں برقرار رکھا ہے اور قہستانی میں مضمرات سے اور اس میں نصاب سے منقول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر پانی مردار کے نصف جسم یا اس سے زیادہ پر سے گزر رہا ہے تو اس پانی سے طہارت درست نہیں ہے، اور یہ دوسرا قول زیادہ محتاط ہے اور فتاوں میں یہی مذکور ہے، اور فقہاء نے حمام کے حوض کو بغیر اثر نجس نہ ہونے میں جاری پانی کے ساتھ ملایا ہے بشرطیکہ اس حوض میں پانی اوپر سے آتا ہو، اور حوض سے پانی کا لینا پے درپے ہو (اس طرح کہ پانی کی سطح ساکن نہ ہونے پائے، یعنی اس طرح کے حوض میں اگر کوئی ناپاک برتن یا ناپاک ہاتھ ڈال دے تو وہ اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو)

یہ صورت اس چھوٹے حوض کی مانند ہے جس میں ایک طرف سے پانی آتا ہو اور دوسری طرف سے نکلتا ہو، اس حوض میں ہر طرف سے ہر طرح وضو کرنا جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور اس چشمہ کی مانند جو پانچ ذراع (ہاتھ) لمبائی رکھتا ہے۔ اور پانچ ہاتھ چوڑائی، اور اس میں سے پانی جوش مار کر ابلتا ہے (تو ایسے چشمہ کے ہر کنارے سے وضو جائز ہے) اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، قہستانی نے اس قول کو تمتہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

تشریح پانچ ہاتھ کی قید اس لئے لگائی کہ باعث نزاع یہی صورت ہے کیونکہ یہ طے ہے کہ اگر حوض یا چشمہ پانچ ہاتھ سے کم ہے تو اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے، یہاں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے حوض یا چشمہ میں استعمال کیا ہوا پانی رکتا نہیں، فوراً نکل جاتا ہے بخلاف بڑے حوض اور چشمے کے کہ اس سے مستعمل پانی جلد نہیں نکلتا ہے، بعض گوشوں میں رک جاتا ہے اور یہ مسئلہ مستعمل پانی کے نجس ہونے پر متفرع ہوتا ہے، حالانکہ فتویٰ اس پر ہے کہ مستعمل پانی نجس نہیں ہے

وكذايجوز براكد كثير كذالك اى وقع فيه نجسٌ لم يراثره ولو فى موضع وقوع المرئية به يفتى بحر والمعتبر فى مقدار الراكدا كبررائى المبتلى به فيه فان غلب على ظنه عدمُ خلوص اى وصول النجاسته الى الجانب الأخر جازوالا لاهذا ظاهرالراوية عن الامام واليه رجع محمدٌ وهو الا صح كما فى الغاية وغير ها وحقق فى البحرانه المذهب وبه يعمل ان التقدير بعشرٍ فى عشر لا يرجع الى اصلٍ يعتمد عليه وردَّ ما اجاب به صدرالشريعة.

ترجمہ اور ایسا ہی وضو کرنا اس رکے ہوئے پانی سے جائز ہے جو کثیر ہے اور اس میں نجاست گر گئی ہے لیکن اس کا کوئی اثر دکھائی نہیں پڑتا خواہ نجاست مرئیہ جہاں واقع ہوئی ہے اسی جگہ وضو کرے، بحر الرائق میں اسی قول پر فتویٰ ہے، اور وہ پانی جو ٹھہرا ہوا ہے جاری نہیں ہے، اور جو نجاست کے اثر کے ظاہر ہوئے بغیر ناپاک نہیں ہوتا اس کی مقدار میں ان لوگوں کی راجح رائے کا اعتبار ہے جو اس میں مبتلا ہیں اور جن کو طہارت کے لیے پانی کی ضرورت در پیش ہے، اگر ان کو گمان غالب یہ ہے کہ نجاست دوسری جانب نہیں پہنچی ہے، تو یہ پانی حکماً زیادہ ہے اور اور اس رکے ہوئے پانی سے غسل اور وضو جائز ہے اور اگر یہ گمان غالب حاصل نہیں ہے تو وہ پانی تھوڑا ہے اور اس سے وضو اور غسل جائز نہیں ہے، امام اعظمؒ سے ظاہر الروایۃ یہی ہے۔ اور اسی قول کی طرف امام محمدؒ نے رجوع کیا ہے (جن سے دہ در دہ کا قول منقول ہے) اور یہی قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ غایۃ البیان وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور بحر الرائق میں ثابت کیا ہے کہ یہی قول مذہب قوی ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہیئے اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ دہ در دہ والے قول کی کوئی قابل اعتماد اصل شرعی نہیں ہے اور صدر الشریعہ نے دہ در دہ والے قول کے اصل ہونے کے ثبوت میں شرح وقایہ کے اندر جو جواب دیا ہے اور حدیث نقل کی ہے، بحر الرائق نے اس کا رد کیا ہے۔

تشریح ٹھہرا ہوا زیادہ پانی جس میں نجاست گرے اور اثر ظاہر نہ ہو تو اس میں یہ بتایا کہ وضو کر سکتا ہے اور اس جگہ میں بھی کر سکتا ہے جہاں نجاست گری ہے شارح نے اسی کو ذکر کیا، صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ تحقیق کے لائق بھی یہی قول ہے مگر بعض علماء نے لکھا ہے کہ غور کرے اور اندازہ لگائے اگر یہ بات اندازے میں آئے کہ نجاست یہاں باقی نہیں رہی تب تو وضو کرے۔ ورنہ وضو نہ کرے۔ اور ابن امیر حاج نے اسی کو صحیح تر کہا ہے اور کرخی وغیرہ نے کہا ہے کہ اس

ناپاک قرار دیا جائے، اور جہاں نجاست گری ہے اس سے چار ہاتھ چاروں طرف چھوڑ کر وضو کرے، فتویٰ پہلے قول پر ہے اور احتیاط دوسرے قول میں ہے۔

باقی مقدار کثیر کے سلسلہ میں صاحب بحرالرائق نے دس روایتیں اس ثبوت میں نقل کی ہیں کہ اعتبار مبتلی بہ کی غالب رائے کا ہے باقی دہ در دہ یعنی دس ہاتھ لمبائی اور دس ہاتھ چوڑائی میں پھیلا ہوا پانی کثیر ہے، اس کے متعلق انہوں نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے اور یہ دہ در دہ کا اندازہ امام محمدؒ کا ہے اور حال یہ ہے کہ خود انھوں نے بعد میں امام اعظمؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے، فرض کیجئے اگر امام محمدؒ کا رجوع ثابت نہ ہوتا تو بھی اندازہ کا ماننا لازم نہیں تھا کیونکہ ایک آدمی کا زیادہ سمجھنا دوسرے کے لیے لازم کیسے ہو سکتا ہے جو سمجھتا ہے وہ سمجھے اور یہ اسی کے حق میں لازم ہے۔ بقیہ دوسرے لوگوں کا حکم یہ ہوگا کہ جو جس کو زیادہ سمجھے گا اس پر عمل کرے، اور نہ یہ ان امور میں داخل ہے جن میں عامی پر مجتہد کی تقلید واجب ہوتی ہے جیسی کہ فتح القدیر میں ہے، شارح نے ظن غالب کو اس لئے اختیار کیا کہ یہ ظاہر الراویۃ ہے اور اس کی تصحیح اکثر کتب معتمدہ میں مذکور ہے۔ باقی دہ در دہ والا قول جسے متاخرین نے اختیار کیا ہے، اور احنافؒ علماء متقدمین کا مذہب ہے، اگرچہ یہ درست ہے کہ صاحب کنز نے اسی پر یقین کیا ہے اور صاحب ہدایہ نے فتویٰ دیا ہے مگر اس کی وجہ سے صحیح قول رد نہیں ہو سکتا۔

شرح وقایہ میں صدر الشریعہ نے "دہ در دہ" کو ثابت کرنے کے لیے اس حدیث کو نقل کیا ہے جو کنواں کھودنے کے سلسلہ میں آئی ہے کہ کنواں کھودنے والے کا حق اس کنویں کے اردگرد چالیس گز ہے، لہٰذا اگر کوئی اس کنویں کے ہر چہار طرف دس دس ہاتھ نجاست ڈالنے کا گڑھا کھودنا چاہے تو اس کو روک دیا جائے گا، اس لیے اس صورت میں پہلے کنویں کی طرف یہ نجاست سرایت کرے گی، ہاں دس ہاتھ کے باہر کھودے گا تو اس کو روکا نہیں جائے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجاست کے اثر نہ کرنے میں "دہ در دہ" کا اعتبار کیا ہے۔

صاحب بحرالرائق نے تین طریقوں سے اس کا رد کیا ہے (۱) کنویں کے حریم کا دس ہاتھ ہونا بعض علماء کا قول ہے سبھوں کا نہیں، اور اس سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ حریم ہر طرف سے چالیس گز ہو (۲) زمین باعتبار پانی کئی گنی سخت ہے لہٰذا سرایت نہ کرنے میں پانی کو زمین پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے (۳) کنواں اور نجاست ڈالے جانے والے گڈھے کے درمیان فاصلہ معتمد اور مختار قول میں نجاست کے سرایت کرنے پر ہے اور یہ سرایت کرنا زمین کی سختی نرمی کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

عینی شرح ہدایہ میں ہے کہ بیر بضاعہ والی حدیث دہ در دہ کی سند بن سکتی ہے، دہ در دہ کی جو روایت امام محمدؒ سے آئی ہے یہ کہ امام موصوف سے پوچھا گیا کہ آپ کثیر (زیادہ پانی) کسے کہیں گے؟ آپ نے جواب میں کہا کہ اگر میری اس مسجد کے برابر ہو تو وہ کثیر کہا جائے گا، چنانچہ لوگوں نے اس مسجد کو ناپا تو اندر سے آٹھ گز لمبی اور آٹھ گز چوڑی تھی۔ اور باہر سے دس گز لمبی اور دس گز چوڑی تھی یعنی دہ در دہ، اور ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ بارہ گز لمبی اور بارہ گز چوڑی تھی یعنی دوازدہ در دوازدہ۔ باقی بیر بضاعہ کی وسعت کیا تھی ابوداؤد سجستانی کا قول ہے کہ میں نے بیر بضاعہ کو اپنی چادر سے ناپا، تو اس کا عرض چھ گز تھا، پھر میں نے پوچھا کہ اس میں زمانہ کے اعتبار سے کوئی تغیر تو نہیں ہوا؟ جواب دیا نہیں۔ جب عرض چھ گز تھا تو لمبائی وہاں کے رواج کے مطابق زیادہ ہوگی، تو دونوں کو ملا کر گولائی میں یہی ہشت در ہشت آٹھ گز لمبا اور آٹھ گز چوڑا ہوگا، اور عبادات میں احتیاط لازم ہے اس لئے امام محمدؒ کی مسجد کا باہر والا رقبہ مراد لیا گیا۔

لکن فی النھر وانت خبیر بان اعتبار العشراضبط ولا سیما فی حق من لارأی له من العوام فلذا افتی به المتاخرون الاعلام ای فی المربع باربعین وفی المدوربستة وثلثین فی المثلث من کل جانب خمسة عشرورربعاً وخمساً بذراع الکرباس.

ترجمہ: لیکن نہر الفائق میں یہ ہے کہ اے مخاطب! آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دہ دردہ کا اعتبار کرنا زیادہ مضبوط بات ہے خصوصاً ان عوام کے حق میں جن کی کوئی رائے نہیں ہوتی، اس لئے علمائے متاخرین جو اپنا ایک مقام رکھتے ہیں "دہ دردہ" پر فتویٰ دیا، یعنی متاخرین علماء نے مربع (چوکور) حوض میں چالیس گز پر فتویٰ دیا، اور مدور (گول) حوض میں چھتیس گز پر اور مثلث (تین کونے) حوض میں ہر طرف سے پندرہ گز اور چوتھائی پانچواں حصہ گز، کپڑے ناپنے والے گز سے۔

تشریح: یعنی دہ دردہ حوض جو جاری پانی کے حکم میں ہے اور بغیر نجاست کے ظاہر ہوئے ناپاک نہیں ہوتا ہے اس کی مقدار متاخرین علماء کے فتاویٰ کی بنیاد پر یہ ہوگی جو اوپر بتائی گئی ہے۔ البتہ مدور حوض میں بعضوں نے احتیاطاً ۴۸ گز قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے تین کونے حوض میں ہر طرف سے ۱۵ اور چوتھائی گز ہونا چاہیے پانچویں حصہ کی قید بڑھانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

رہا گز کا مسئلہ تو نہر الفائق میں یہ ہے کہ معتبر جو گز ہیں ان میں کپڑے کا گز، مساحت کا گز، اور جو گز جہاں جس وقت رائج ہو، اور ان تینوں میں مناسب تیسرا قول ہے کہ ہر زمانہ میں جہاں جو گز رائج ہو اس کا اعتبار کیا جائے۔ ہدایہ اور تجنیس میں کپڑے ناپنے والا گز اختیار کیا گیا ہے۔ علامہ عینیؒ نے لکھا مساحت اور کپڑے والے دونوں گزوں میں فرق ہے مساحت والا گز سات مٹھی کا ہوتا ہے اور اس پر ایک کھڑی انگلی زیادہ، اور کپڑے والا صرف سات مٹھی کا ہوتا ہے، اس میں کھڑی انگلی نہیں لگائی جاتی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ۲۴ انگلی کا گز یعنی لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ میں جتنے حروف ہیں اتنی انگلی، اس گز سے مراد شرعی گز ہے، جو گرہ کے برابر ہوتا ہے، اسی وجہ سے خاکسار نے کہیں کہیں گز کا ترجمہ ہاتھ کیا ہے، اس کی تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ دار العلوم دیوبند مدلل و مکمل ج، ۱۔ ص ۱۷۲۔

رہ گئی گہرائی جس کا یہاں تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ میں اس کی کوئی مقدار نہیں بیان کی گئی ہے اور بدائع نے اس کو صحیح کہا ہے اور صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اتنی گہرائی ہو دونوں ہتھیلی سے پانی کو اٹھائیں تو زمین کھلنے نہ پائے اور گہرائی کے سلسلہ میں اسی پر فتویٰ ہے، صاحب بحر نے پہلے قول کو اوجہ قرار دیا ہے اس لیے امام صاحبؒ سے یہ مذکور نہیں اور بعض علماء نے کہا کہ گہرائی چار کھلی انگلی کے برابر ہونی چاہیے۔ اور بعض علماء نے کہا اتنا کہ ٹخنہ ڈوب جائے اور بعض ایک بالشت کہتے ہیں اور بعض ایک گز شرعی اور بعض دو گز شرعی یعنی سوا دو ہاتھ۔

ولوله طول لاعرض لکنه یبلغ عشراً فی عشرٍ جاز تیسیراً ولو اعلاه عشراً واسفلهُ اقل جازحتی یبلغ الاقل ولو بعکسه فوقع فیه نجس لم یجز حتی یبلغ العشر ولو جمد ماؤه فثقب ان الماء منفصلا عن الجمد جاز لانه کالمسقف وان متصلا لالا نه کا لقصعة حت لوولغ فیه کلب تنجس لالو وقع فیه فمات لتسفله ثم المختار طهارة المتنجس بمجرد جریانه وکذاالبیر

وحوض الحمام هذا.

ترجمہ　اور اگر کوئی حوض ایسا ہو کہ اس میں لمبائی ہو اور چوڑائی کچھ زیادہ نہ ہو لیکن وہ حساب سے "دہ در دہ" کو پہنچ جاتا ہے لوگوں کی آسانی کے پیش نظر اس سے وضو کرنا درست قرار دیا گیا ہے اور اگر حوض کا اوپری حصہ دہ در دہ ہو، نیچے سے کم ہو یعنی دہ در دہ نہ ہو تو جب تک پانی کم ہو کر نیچے کی سطح پر نہ اتر آئے وضو کرنا اس سے جائز ہے (اگر چہ اس میں نجاست واقع ہو جائے مگر اثر ظاہر نہ ہو لیکن جب حوض کا پانی کم ہو کر نیچے کی سطح پر آجائے جو دہ در دہ نہیں ہے تو نجاست کے واقع ہونے سے وہ ناپاک ہو جائے گا گو اثر ظاہر نہ ہو اور اس حوض سے وضو کرنا درست نہ ہو گا) اور اگر حوض پہلے حوض کے برعکس ہو یعنی نیچے دہ در دہ ہو اور اوپر سے دہ در دہ سے کم، اور اس میں نجاست پڑ جائے، تو اس سے وضو جائز نہ ہو گا جب تک پانی اتر کر نیچے کی سطح پر نہ آجائے جہاں دہ در دہ ہے (جب اس سطح پر پہنچ جائے گا تو وضو کرنا اس سے درست ہو گا کذا فی النہر عن السراج الہندی) اور بڑے حوض کا پانی جم جائے (اور سل بن جائے) پھر اس میں سوراخ کیا جائے تو اگر نیچے کا پانی اس اوپر والے جمے ہوئے پانی سے علحدہ ہے تو اس سے وضو جائز ہو گا، اس لیے کہ یہ پانی ایسا ہو گیا جس کے اوپر سطح پڑی ہو، (گو وہ سوراخ دہ در دہ سے کم ہو) اور حوض کا پانی جمے ہوئے سل سے ملا ہوا ہے تو اس سوراخ سے وضو کرنا درست نہ ہو گا، اس وجہ سے کہ یہ طشت اور بڑے پیالہ یا تغاری کی طرح ہے (یعنی وہ قلیل پانی کے حکم میں ہے، نجاست کے واقع ہونے سے فوراً ناپاک ہو جائے گا، کذا فی الطحطاوی اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ وضو جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ سوراخ دہ در دہ کے برابر ہو تو جائز ہو گا) یہاں تک کہ اگر کتے نے اس میں منہ ڈال دیا اور پانی پیا (یعنی اس سوراخ سے جس سے حوض کا پانی ملا ہوا ہے) تو وہ پانی ناپاک ہو جائے گا لیکن وہ حوض اس وقت تک ناپاک نہ ہو گا جب اس میں کتا گر کر مر جائے کیونکہ وہ تہ نشیں ہو گیا (اور نیچے سے حوض دہ در دہ ہے جس کو ماء کثیر کہتے ہیں لہٰذا یہ پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہو گا جب تک پانی میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو جائے، اور پانی کا کوئی وصف بدل نہ جائے)

پھر مختار مذہب یہ ہے کہ ناپاک پانی صرف جاری ہو جانے سے پاک ہو جاتا ہے (یعنی کوئی حوض یا تالاب ناپاک تھا اس میں پاک پانی اس مقدار میں پہنچا کہ اس حوض اور تالاب کا پانی جاری ہو گیا، اس میں روانی پیدا ہو گئی تو جاری ہوتے ہی وہ پاک قرار پائے گا، اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ جب سارا ناپاک پانی نکل کر بہہ جائے تو اس وقت پاک ہو گا اور بعضوں نے کہا کہ جب سہ چند (تین گنا) پانی نکلے گا اس وقت پاک ہو گا، یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ناپاک حوض اور تالاب میں نالی کھود کر اگر اس کا پانی بہا دیا جائے تو پاک ہو جائے گا۔ بحر الرائق میں صراحت ہے کہ پاک اس وقت ہو گا جب پاک پانی باہر سے داخل ہو اور وہ تالاب اور حوض جاری ہو، کذا فی الطحطاوی)

اور یہی حکم کنویں اور حمام کا ہے اسے یاد رکھو (یعنی اگر نجاست کے گرنے سے کنواں یا حمام ناپاک ہو گیا ہو اور پاک پانی اس میں اتنا گیا کہ وہ لبالب ہو کر جاری ہو گیا تو پاک ہو جائے گا اور ناپاک کنویں میں چشمہ پھوٹ پڑے اور کنواں بھر کر بہنے لگے تو بھی پاک ہو جائے گا۔

وفي القهستاني والمختار ذراع الكرباس وهو سبع قبضات فقط فيكون ثمانيا في ثمان بذراع

زماننا ثمان قبضات وثلث اصابع علی القول المفتی به بالعشر ای ولو حکماً لیعم ما له طول بلا عرض فی الاصح وکذابیر عمقها عشر فی الاصح.

ترجمہ اور قہستانی میں ہے کہ مختار مذہب گز میں کپڑے کا گز ہے اور وہ صرف سات مٹھی کا ہے تو وہ دردہ حوض ہمارے زمانہ کے گز سے ہشت در ہشت ہوگا جو آٹھ مٹھی اور تین انگلی کا ہے، اور مفتی بہ قول پر جو دہ دردہ ہے اگرچہ حکماً ہی ہو حقیقتاً نہ ہو، تاکہ یہ اس حوض کو شامل ہو جائے جو لمبا تو ہو مگر اس کی چوڑائی کچھ زیادہ نہ ہو صحیح تر قول میں اور یہ شامل رہے اس کنویں کو جس کی گہرائی دس گز ہے صحیح تر قول کی بنیاد پر، (یعنی یہ دونوں بھی کثیر پانی کے حکم میں آجائیں گے، طول بلا عرض حوض میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اگر اس کا پانی دہ دردہ کے برابر ہو تو نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزرا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ناپاک ہو جاتا ہے، قاضی خاں نے اس قول کو عام مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے اور فتح القدیر میں اسی کو اختیار کیا ہے اور قاسم نے اسی کو اصح کہا ہے کذا فی الطحطاوی۔

وحینئذ فلو ماؤ ها بقدر العشر ینجس کما فی المنیة وحیئة فعمق خمس اصابع تقریباً ثلثة الاف وثلث مائة واثنا عشر منامن الماء الصافی ویسعه غدیر کل ضلع منه طول وعرضا وعمقا ذراعان وثلثة ارباع ذراع ونصف اصبح تقریبا کل ذراع اربع عشرون اصبعا انتهی قلت وفیه کلام اذا لمعتمد عدم اعتبار العمق وحده فتبصر

ترجمہ اور اس وقت جب کہ عمق کا اعتبار ہوا، پس اگر اس کا پانی دہ دردہ کے برابر ہے تو وہ کنواں نجاست پڑنے سے ناپاک نہ ہوگا جیسا کہ منیۃ المصلی میں ہے اور جس وقت گہرا کنواں حوض کبیر کے حکم میں ہوا تو پانچ انگلیوں کی گہرائی دہ دردہ کے حوض میں تین ہزار تین سو بارہ سیر کے لگ بھگ صاف پانی ہوا اور اتنا پانی اس حوض میں آجائے گا جس کا طول عرض اور عمق (گہرائی) دو گز اور پون گز یعنی پونے تین گز اور آدھی انگلی ہے گویا تخمیناً ہر گز ۲۴ انگلی کا۔ یہاں قہستانی کا کلام پورا ہو گیا، میں کہتا ہوں کہ قہستانی نے جو کچھ کہا اس میں گفتگو ہے یعنی قابل تسلیم نہیں ہے اس وجہ سے کہ طول و عرض کے بغیر صرف گہرائی قابل اعتماد نہیں ہے لہٰذا ناظرین کو اس باب میں ہوشیار رہنا چاہیے۔

تشریح گز کے فرق سے دہ دردہ میں فرق آجائے گا اس لئے کہ مختلف گز مختلف لمبائی کے ہوتے ہیں یہ تو صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ جس کنویں کی گہرائی دس گز ہے اور اسکا طول و عرض دہ دردہ نہیں ہے وہ دہ دردہ کے برابر قرار پائے گا اس وجہ سے کہ اس میں پانی کی مقدار یا اس کا وزن دہ دردہ کے پانی کے برابر ہے صحیح نہیں ہے ایک کنواں جس کا پانی دہ دردہ کے وزن کے برابر ہو جاتا ہے مگر وہ چونکہ خود چھوٹا ہے تو خواہ اس میں پانی کتنا بھی ہو نجاست کے پڑنے سے ناپاک ہو جائے گا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ شارح نے قلت سے اس قول کی تردید کی ہے، بحر الرائق اور فتح القدیر میں ہے کہ وہ حوض جو کناروں سے تنگ ہو اور گہرائی زیادہ رکھتا ہو، اس کو آپ کثیر قرار دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ کثیر و قلیل کا مدار اس پر ہے کہ ایک کنارے کی نجاست دوسرے کنارے پر نہ پہنچے، اور جب دوری نہ ہوگی یہ بات حاصل نہ ہوگی بلکہ ایک طرف کی نجاست بآسانی دوسری طرف پہنچ سکتی ہے، پھر پانی کا استعمال اوپر کی سطح سے ہوتا ہے گہرائی سے نہیں ہوتا، کذا فی الطحطاوی۔

فائدہ ایک بڑا تالاب ہے جو گرمی کے زمانہ میں خشک ہو جاتا ہے اور چوپائے اس میں سیر کرتے ہیں اور پھر اس میں پانی آکر بھر جاتا ہے تو اس میں یہ دیکھنا چاہیے کہ پانی جس طرف سے تالاب میں گرتا ہے، اگر وہ راستہ ناپاک ہے اور وہاں نجاست ہے تو سارا پانی ناپاک ہو جائے گا، اور اس کا جو پانی برف بنایا جائے گا وہ بھی ناپاک ہوگا، اور اگر راستہ میں نجاست نہیں ہے اور پاک پانی آکر اس پاک جگہ میں جمع ہوا جو دہ دردہ ہے پھر یہ پانی بڑھ کر نجاست تک پہنچ گیا، تو یہ سب پانی پاک ہوگا، اور اس پانی سے جو برف بنے گی وہ بھی پاک ہوگی، لیکن اگر اس پانی میں نجاست کا اثر ظاہر ہو چکا ہے تو پانی اور برف سب ناپاک ہوں گے، اسی طرح ایک بڑے تالاب کا پانی کم ہو کر چہار در چہار دہ رہ گیا اور اس میں نجاست پڑی تو یہ ناپاک ہے، پھر نیا پانی آیا اور وہ دہ دردہ ہو کر پہلے نجس پانی سے ملا تو سب پاک ہے کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔

ولا یجوز بماء بالمد زال طبعه وهو السیلان والا رواء والانبات بسبب طبخ کمرق وماء باقلا الا بما قصد به التنظیف کاشنان وصابون فیجوز ان بقی رقته

ترجمہ اور اس پانی سے وضو اور غسل جائز نہیں ہوتا ہے، جس کی طبیعت پکانے کی وجہ سے زائل ہو چکی ہے جیسے شوربا اور وہ پانی جس میں باقلا پکایا گیا ہو اور پانی کی طبیعت سیلان (بہنا) پیاس بجھانا اور گھاس اگانا ہے (پانی کے یہ اوصاف پکانے سے زائل ہو جاتے ہیں) مگر جس کا مقصد میل صاف کرنا ہے، اس کے ساتھ پانی پکایا جائے جیسے اشنان اور صابون تو ایسے پانی سے طہارت جائز ہے بشرطیکہ اس کی رقت (پتلاپن) باقی ہو اور اس میں کوئی فرق نہ آیا ہو۔

تشریح مصالح اور گوشت ڈال کر پانی کو پکایا جائے یا اس میں دال ڈال کر پکایا جائے اور اس طرح کوئی اور چیز تو پانی اپنے ذاتی اوصاف سے محروم ہو جاتا ہے نہ پہلا جیسا بہاؤ اور پتلا پن باقی رہتا ہے، نہ اس سے پیاس بجھتی ہے اور نہ یہ زمین کے پودے کے لیے مفید ہوتا ہے اس لئے اب یہ پانی کے حکم میں باقی نہیں رہتا، اور اس سے وضو غسل جائز نہیں ہوتا ہاں پانی میں ایسی چیز ڈالیں جس کی وجہ سے پانی میں میل دور کرنے کی صلاحیت بڑھ جائے جیسے اشنان کی پتی یا صابون تو اس کی وجہ سے پانی اصطلاح میں پانی ہی رہتا ہے لہٰذا اگر اس کے پتلا پن میں کوئی فرق نہیں آیا ہے تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز ہے۔

او بماءٍ استعمل لاجل قربة ای ثواب ولو مع رفع حدثٍ ممیز اوحائضٍ لعادة عبادة اوغسل میتٍ اویدلا کل اومنه بنیة السنة اولا جل رفع حدثٍ ولو مع قربة کوضوء محدث ولو للتبرد.

ترجمہ یا اس پانی سے وضو غسل جائز نہیں جو پانی حصول ثواب کی غرض سے استعمال کیا گیا ہو اگر چہ یہ حصول ثواب حدث کو دور کرنے کے ساتھ ہو یا وہ پانی کسی نابالغ سمجھدار نے استعمال کیا ہو، یا حائضہ عورت نے عبادت کی عادت کو باقی رکھنے کے لیے استعمال کیا ہو یا وہ پانی کسی میت کے غسل میں استعمال ہوا یا کسی کھانے والے نے کھانے کے واسطے یا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے بغرض ادائیگی سنت استعمال کیا، یا حدث کے ازالہ کے لیے پانی استعمال کیا، اگر چہ استعمال قربت کے ساتھ ساتھ ہو، جیسے بے وضو والے کا وضو کرنا اگر چہ یہ وضو ٹھنڈ حاصل کرنے کے لیے ہو (ان تمام صورتوں میں پانی مستعمل ہوگا اور اس سے وضو اور غسل جائز نہ ہوگا)

تشریح: ثواب کی نیت سے جو وضو کیا جائے گا اس وضو میں استعمال کیا ہوا پانی بالاتفاق امام اعظمؒ، امام ابو یوسفؒ،

اور امام محمدؒ، استعمال کیا ہوا سمجھا جائے گا یہاں صرف نیتِ ثواب ہو، یا اس کے ساتھ حدث دور کرنا بھی ہو، صرف ثواب کے لیے وضو کی صورت یہ ہو گی کہ ایک باوضو شخص ہے اور وہ ثواب کے لیے دوبارہ پھر وضو کرے، یا ایک پاک شخص ہے اور وہ غسل کرے، تو یہاں مقصد دفع حدث (حدث کا دور کرنا) نہیں ہے بلکہ ثواب حاصل کرنا ہے اور فقط ازالہ حدث کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو وضو نہیں ہے اور اس نے وضو کیا مگر نیت نہیں کی۔ تو حدث تو دور ہو گیا مگر ثواب حاصل نہیں ہوا اس لیے کہ بغیر نیت ثواب نہیں ملتا، اور حدث دور کرنا بھی ثواب حاصل کرنا بھی، اس کی صورت یہ ہے بے وضو شخص وضو کی نیت کر کے وضو کرے، اس میں حدث بھی دور ہوا اور ثواب بھی حاصل ہوا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں پانی کے استعمال کا سبب صرف حصول ثواب ہے اور امام اعظمؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں سبب ہیں ازالۂ حدث بھی اور حصول ثواب بھی بلکہ فرض کی ادائیگی بھی۔

نابالغ شریعت میں مکلف نہیں ہے لیکن جب وہ سمجھدار ہے اور ثواب کی نیت سے وضو کرے گا تو وہ پانی استعمال کیا ہوا ہو جائے گا یا حائضہ عورت جس پر نماز فرض نہیں لیکن مستحب یہ ہے کہ وہ وضو کر کے نماز کے وقت مصلیٰ بچھا کر اس پر نماز پڑھنے کی مقدار بیٹھی رہے، اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے تاکہ نماز کی عادت میں فرق نہ آنے پائے تو یہ مسلم ہے کہ اس کا وضو صحیح معنی میں وضو نہیں مگر بایں ہمہ ثواب کی نیت کی وجہ سے وہ پانی مستعمل کہا جائیگا اور اس سے دوسرے کا وضو کرنا جائز نہ ہو گا۔ اسی طرح ایک مردہ جو پاک ہے اس کے بدن پر کوئی نجاست بھی نہیں مگر جس پانی سے اس کو نہلایا جائے گا وہ پانی بھی استعمال کیا ہوا شمار ہو گا۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ کھانے کی برکت اس میں ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے اب اگر کسی نے اس نیت سے ہاتھ دھویا تو اس کو ثواب حاصل ہوا، تو پانی مستعمل ہو گیا، لیکن اگر یہ مقصد نہیں ہے بلکہ صرف ہاتھ صاف کرنا اور میل دور کرنا ہے تو نہ ثواب حاصل ہو گا اور نہ یہ پانی حکماً مستعمل ہو گا۔ اس لیے نہ ازالہ حدث ہوا اور نہ ثواب کی نیت سے۔

فلو توضاء متوضی لتبر داو تعلیم اولطین بیده لم یصر مستعملاً اتفاقاً کزیادة علی الثلث بلانیة قربة وکغسل نحو فخذٍ اوثوب طاهرا ودابة توکل او لاجل اسقاط فرض هو الاصل فی الاستعمال کمانبه علیه الکمال بان یغسل بعض اعضائه اویدخل یده اورجله فی جب لغیر اغترافٍ ونحوه (کرفع کوز) فانه یصیر مستعملا لسقوط الفرض اتفاقاً وان لم یزل حدث عضوه اوجنابته مالم یتم لعدم تجزبها زوالاً وثبوتاًعلی المعتمد قلت وینبغی ان یزاداوسنة لیعم المضمضة والاستنشاق فتامل

ترجمہ لہٰذا اگر کسی باوضو شخص نے ٹھنڈک کی غرض سے یا کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے اور یا اپنے ہاتھ سے مٹی دھونے کے مقصد سے وضو کیا، تو یہ پانی بالاتفاق مستعمل نہیں ہوا (اس لیے کہ یہاں نہ ثواب کی نیت سے ہے اور نہ حدث دور کرنے کے لیے ہے) جیسے پانی مستعمل نہیں ہوتا بغیر نیتِ ثواب تین بار زیادتی کرنے سے (یعنی وضو کے ارادہ کے بغیر تین بار سے زیادہ دھونے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا) اور جیسے ران یا پاک کپڑے اور پاک چوپائے کے دھونے سے پانی

مستعمل نہیں ہوتا۔یا فرض کی ادئے گی کے سبب پانی مستعمل ہوتا ہے اور یہی فرض کی ادائے گی پانی کے مستعمل ہونے کا سبب اصلی ہے، جیساکہ محقق کمال نے بیان کیا ہے اور ادائے گی فرض کی صورت یہ ہے کہ بے وضو والا شخص اپنے بعض اعضاء کو دھوئے یا اپنا ہاتھ یا اپنا پیر پانی کے مٹکے میں ڈالے، مقصد نہ پانی لینا ہوا اور نہ مٹکے میں سے گرے ہوئے کوزہ کو نکالنا، تو بلا شبہ اس صورت میں فرض کے ساقط ہو جانے کی وجہ سے پانی بالاتفاق مستعمل ہو جائے گا (اور جس عضو کو مٹکے میں ڈالا ہے اگر اب وضو یا غسل میں اس کو دوبارہ نہ بھی دھوئے گا تو بھی اس کا وضو اور غسل ہو جائے گا) اگرچہ شخص مذکور کے عضو کا حدث اور اس کی جنابت اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک اسقاط فرض پورا نہ ہو چکے گا اس وجہ سے کہ معتمد قول یہ ہے کہ حدث اور جنابت کے دور ہونے میں اور اس کے ثابت ہونے میں تجزی نہیں ہے (یعنی جو عضو مٹکے میں ڈالا ہے صرف اتنے سے اس عضو کا حدث اور اس کی جنابت دور نہ ہوگی بلکہ جب پورا وضوء کرلے گا اور پورا غسل کرلے گا یعنی اعضاء وضو غسل بھی دھولے گا تب اس عضو کا حدث دور ہوگا اس سے پہلے نہیں)

اور مناسب یہ ہے کہ یہاں اسقاط فرض کے بعد "لوسنۃ" کا لفظ زیادہ کیا جائے تاکہ یہ مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنا) دونوں کو شامل ہو جائے لہذا اس باب میں غور کریں۔

تشریح پانی مستعمل اس وقت کہا جاتا ہے یا ہوتا ہے جب اس میں ثواب کی نیت پائی جائے، یا حدث کا دور کرنا پایا جائے جہاں ان دونوں میں کوئی بات نہ پائی جائے پانی مستعمل نہ ہوگا شروع سے اسی کلی پر تفریع ہے، وضو سکھانے والی صورت میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سکھانا بھی بغرض ثواب ہی ہوتا ہے پھر اس میں بھی یہ کہنا کہ ثواب کی نیت نہیں پائی گئی ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جواب یہ دیا جائے گا کہ ثواب کی نیت تعلیم میں ہے، پانی کے استعمال میں نہیں ہے کوئی پاک صاف آدمی اعضاء وضو کے علاوہ دوسرا عضو جیسے ران وغیرہ دھوئے تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس میں نہ قربت ہے نہ حدث دور کرنا اور نہ فرض کی ادائے گی

بحر الرائق میں جو کچھ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین چیزوں سے پانی مستعمل ہوتا ہے ازالہ حدث سے خواہ اس کے ساتھ ثواب کی نیت پائی جائے یا نہ پائی جائے یا نیت ثواب سے جسے تقرب کہتے ہیں خواہ اس کے ساتھ حدث کا بھی ازالہ ہو یا نہ ہو، یا اسقاط فرض سے اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی اپنے ہاتھ کہنیوں تک یا پاؤں ٹخنہ تک اس تغاری ڈالے میں جس میں پانی بھرا ہوا ہے تو اس سے تغاری کا پانی مستعمل ہو جائیگا یہ ایسی صورت ہے جس میں نہ ازالہ حدث ہے اور نہ قربت کی نیت کیونکہ اس ڈبونے سے اس عضو کے دھونے کا فریضہ ساقط ہو گیا، اور پانی کے مستعمل ہونے کا بنیادی سبب یہی ہے یوں ازالہ حدث میں حقیقۃً اور قربت میں حکماً اسقاط فرض پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر کوئی دو انگلی ڈالے یا ہاتھ سے مٹی دور کرنے کے لئے ہاتھ دھوئے یا پانی میں کوئی چیز گر گئی ہے اس کے نکالنے کے لئے پانی میں ہاتھ ڈالے تو اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔

حدث اور جنابت کا دور ہونا یا ثابت ہونا متجزی نہیں ہوتا یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ کچھ زائل ہوا کچھ رہا جب زائل ہوگا بالکل زائل ہوگا اور جب ثابت ہوگا پورا ثابت ہوگا قابل اعتماد قول اس باب میں یہی ہے یوں کچھ لوگ ان میں ٹکڑے ہونے کے بھی قائل ہیں لیکن وہ صحیح نہیں ہے

اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر فی شئی علی المذھب وقیل اذا استقر ورجح للحرج ورد بان ما صیب مندیل المتوضئ وثیابه عفو اتفاقاً وان کثر

ترجمہ گذشتہ صورتوں میں پانی اس وقت استعمال شدہ قرار پائے گا جب وہ پانی عضو سے جدا ہو جائے خواہ وہ کسی جگہ گر کر ٹھہر جائے یا ابھی فضا میں معلق رہے درست مذہب یہی ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جب پانی عضو سے جدا ہو کر کسی جگہ میں قرار پا جائے (تو مستعمل ہوتا ہے) اور حرج کی وجہ سے اس دوسرے قول کو ترجیح دی گئی ہے اور اس ترجیح کو اس طرح رد کیا گیا ہے کہ جو مستعمل پانی وضو کرنے والے کے رومال اور کپڑے کو لگتا ہے وہ بالاتفاق معاف ہے اگرچہ وہ ایک درہم سے زیادہ ہو۔

تشریح پانی کے مستعمل ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس پانی سے عضو دھویا ہے وہ عضو سے علیحدہ ہو جائے جسم اور عضو سے صرف اس کی جدائی مستعمل ہونے کے لئے کافی ہے اور اسی قول کو معتمد کہا گیا ہے اس کے مقابلہ میں دوسرا قول ضعیف یہ ہے کہ عضو اور جسم سے جدا ہونے کے بعد وہ پانی کسی جگہ قرار پا جائے خواہ کسی برتن میں یا زمین پر یا کسی بھی چیز پر اور بعض لوگوں نے اسی کو ترجیح بھی دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر یہ شرط نہیں لگاتے تو عضو سے جو پانی جدا ہو کر خود وضو کرنے والے کے بدن یا کپڑے پر گرے گا وہ کپڑے اور بدن کو ناپاک کر دے گا لیکن اس کا جواب دیدیا گیا ہے کہ یہ معاف ہے دوسرے اس مستعمل پانی کو امام محمدؒ سرے سے نجس اور ناپاک نہیں کہتے اور رہ گئے شیخین ان سے جس طرح مستعمل پانی کے متعلق نجس قول مروی ہے اسی طرح پاک ہونے کا بھی قول آیا ہے چنانچہ آگے آرہا ہے۔

وھو طاھر ولو من جنب علی الظاھر لکن یکرہ شربه والعجن به تنزیھا للاستقذار وعلی روایة نجاسته تحریماً وحکمه انه لیس بطھور لحدث بل لخبث علی الراجح المعتمد

ترجمہ اور وہ استعمال کیا ہوا پانی پاک ہے، خواہ جنابت والے نے استعمال کیا ہو ظاہر مذہب یہی ہے لیکن اس پانی کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس سے گھن آتی ہے اور نجاست والی روایت کی بنیاد پر اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تحریمی ہے اور استعمال کئے ہوئے پانی کا حکم یہ ہے کہ وہ خود پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہے (یعنی اس سے وضو اور غسل جائز نہیں ہے) بلکہ قول راجح اور معتمد کے اعتبار سے وہ نجاست حقیقی کا پاک کرنے والا نہیں ہے (یعنی اس استعمال کئے ہوئے پانی سے نجاست کا دور کرنا ظاہر روایت کے مطابق جائز نہیں ہے)

تشریح مشائخ عراق اس کے قائل ہیں کہ استعمال کیا ہوا پانی بالاتفاق پاک ہے دوسرا قول یہ ہیکہ امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور امام اعظمؒ سے بھی ایک روایت پاک ہونے کی آئی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ استعمال کیا ہوا پانی نجس مغلظ ہے یعنی نجاستِ غلیظہ کے درجہ کا ناپاک ہے اور چوتھا قول یہ ہے کہ نجس مخفف ہے امام ابو یوسفؒ نے یہ قول امام صاحبؒ سے نقل کیا ہے خود امام ابو یوسفؒ کا اسی پر عمل ہے لیکن عام علماء نے طہارت والے قول کو صحیح کہا ہے چنانچہ مجتبیٰ میں صراحت ہے کہ امام اعظمؒ اور صاحبینؒ سے صحیح روایت یہی ہے کہ مستعمل پانی طاہر غیر مطہر (پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے)

اور امام حسنؒ کی روایت سے فخر الاسلامؒ نے کہا کہ پاک ہونا راجح ہے اور یہی امام محمدؒ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے جو

مذہب حنفی کی بنیادی کتابیں ہیں، اور ماوراء النہر کے محققینؒ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، اور محیط میں ہے کہ امام صاحبؒ سے مشہور قول یہی ہے اور اکثریت حنفی میں اس کے پاک ہونے پر فتوی نقل کیا گیا ہے، بغیر اس تفصیل کے کہ محدث کا استعمال کیا ہوا ہو یا جنبی کا عینی میں ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا قول بھی یہی ہے اور مذہب شافعیؒ بھی یہی ہے اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ جمہور سلف اور خلف سے منقول ہے کہ استعمال کیا ہوا پانی پاک ہے۔

فرع اختلف فی محدث انغمس فی بیر لدلوا وتبرد مستنجیا بالماء ولا نجس علیه ولم ینو ولم یتدلك والاصح انه طاهر والماء مستعمل لا شتراط الانفصال للاستعمال والمراد ان ماتصل باعضائه وانفصل عنها مستعمل لا کل الماء علی مامر

ترجمہ فروع ایک بے وضو شخص جس کے بدن پر کوئی نجاست نہیں تھی اس نے پانی سے استنجاء کر کے کنویں میں ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غوطہ لگایا اور اس نے وضو اور غسل کی نیت نہیں کی اور نہ بدن کو ملا اس کے باب میں اختلاف ہے اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ شخص پاک ہے اور کنویں کا پانی مستعمل ہے اس لئے کہ استعمال کی شرط پانی کا بدن سے جدا ہونا پایا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ پانی مستعمل ہے جو غوطہ لگانے والے کے اعضاء سے ملا پھر ان سے جدا ہوا کنویں کا کل پانی مستعمل نہیں ہے اس قول پر جو پہلے گذرا (کہ اعضاء سے لگ کر جدا ہونے والا اس میں پاکی بہت کم ہے اور کنویں کا بقیہ پانی بہت زیادہ ہے اور اس صورت میں اعتبار اجزاء کا ہوتا ہے)

تشریح محدث کا لفظ عام ہے حدث اصغر اور اکبر دونوں کو شامل ہے یعنی جس کو وضو نہیں ہے وہ بھی اور جسکو جنابت پیش آئی ہے وہ بھی اور اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت بھی، بشرطیکہ حیض اور نفاس بند ہو چکا ہو اور اگر حیض ونفاس بند نہیں ہے اور اس کا بدن نجاست سے پاک وصاف ہے اور کنویں میں اتری تو پانی بھی پاک ہے اور وہ عورت بھی کیونکہ جب کہ حیض ونفاس سے نہیں نکلی ہے تو پانی مستعمل نہیں ہوگا اور کنویں سے چھوٹا کنواں مراد ہے جو دہ در دہ ہو ٹھنڈک حاصل کرنے اور ڈول نکالنے کی قید کا ماحصل یہ ہے کہ اگر نہانے کے ارادے سے پانی میں اترا ہے تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوگا اس لئے کہ ازالہ حدث بھی پایا گیا اور نیتِ قربت بھی اور پانی سے استنجاء کر کے پانی میں گھسنے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر کوئی ڈھیلوں سے استنجاء کر کے کنویں میں اترے گا تو کنویں کا پانی بالاتفاق ناپاک ہو جائے گا اسی طرح اگر بدن پر نجاست ہوگی تو بھی ناپاک ہو جائے گا اور یا ازالہ حدث کی نیت کرے گا تو بھی کنویں کا پانی ناپاک ہوگا نہ ملنے کی قید اس وجہ سے لگائی کہ ملنا نہانے کی نیت کے قائم مقام کہا گیا ہے تو اس کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا اور اصح کہہ کر بتایا کہ ایک قول یہ بھی امام صاحبؒ سے منقول ہے کہ آدمی اور پانی دونوں ناپاک ہو جائیں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آدمی کا حدث علی حالہ قائم ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے اور یہ روایت امام ابو یوسفؒ سے آئی ہے اور یہ جو کہا گیا کہ پانی مستعمل ہے تو یہ صرف بعض علماء کا قول ہے اس واسطے کہ ڈول نکالنے کی ضرورت سے پانی میں اترنے سے پانی مستعمل نہیں ہو گا، جیسے محدث ہاتھ ڈال کر مٹکے یا ٹب سے پانی نکالے تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا

وکل اهاب ومثله المثانة والکرش قال القهستانی فالاولی وما دبغ ولو بشمس وهو یحتملها

طهر فيصلي به ويتوضأ منه ومالا يحتمهلا (بها) فلاوعليه (الفتوى) فلا يطهر جلد حية صغيرة ذكره الزيلعي اما قميصها فطاهر وفارة كما انه لا يطهر بذكاة لتقيدهما بما يحتمله جلد خنزير فلا يطهر وقدم لان المقام للاهانه وآدمي فلا يدبغ لكرامة ولو دبغ طهر وان حرم استعماله حتى لوطحن عظمه في دقيق لم يوكل في الاصح احتراما وافاد كلامه طهارة جلد كلب وقيل وهو المعتمد

ترجمہ اور ہر وہ کچا چمڑا جس کو دباغت دی جائے خواہ یہ دھوپ میں ڈال کر ہو اور وہ چمڑا دباغت کے لائق ہو تو وہ پاک ہے پس اس کے ساتھ وہ نماز پڑھے گا اور اس چمڑے کے ڈول سے وضو کرے گا اور کھال کی طرح دباغت قبول کرنے میں پھٹنا اور لوجھڑی ہے قہستانیؒ نے کہا کہ بہتر یہ ہوتا کہ "کل اھاب دبغ" "وما دبغ" کہا جاتا (یعنی جس چیز کو دباغت دی جائے وہ پاک ہوتی ہے خواہ کھال ہو خواہ لوجھڑی ہو خواہ پھکنا ہو) اور جو چیز لائق دباغت نہ ہو گی یعنی دباغت قبول نہ کرے وہ پاک نہ ہو گی اور اسی قول پر فتویٰ ہے لہذا دباغت سے چھوٹے سانپ اور چوہے کی کھال پاک نہ ہو گی زیلعیؒ نے اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن سانپ کی کچلی تو وہ پاک ہے جس طرح اگر سانپ اور چوہے کو ذبح کرنے سے ان کی کھال پاک نہیں ہوتی اس لئے کہ ان میں لائق ہونے کی قید ہے کہ کھال دباغت کے لائق ہو یا جانور ذبح کے لائق ہو تو دباغت اور ذبح سے انکی کھال پاک ہو گی ہر کھال جو لائق دباغت ہو دباغت سے پاک ہو جاتی ہے سوائے سور کی کھال کے اس لئے کہ وہ پکانے اور دباغت دینے سے بھی پاک نہیں ہوتی ہے یہ نجس العین ہے اور اس استثناء میں خنزیر کو اہانت کی وجہ سے مقدم کیا، اور سوائے آدمی کی کھال کے کہ اس کو اس کی شرافت کی وجہ سے دباغت نہیں دی جاتی، اور اگر آدمی کی کھال کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جائے گی اگر چہ اس کا استعمال کرنا حرام ہو گا یہاں تک کہ اگر آدمی کی ہڈی آٹے میں پیسی گئی تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ آٹا نہیں کھایا جائے گا کیونکہ اس کی تعظیم کا یہی تقاضا ہے اور مصنف کے کلام نے یہ فائدہ پہونچایا کہ کتے اور ہاتھی کی کھال بعد دباغت پاک ہے اور یہی قول قابل اعتماد ہے (کیونکہ دباغت میں دو کا استثناء کیا، ایک خنزیر کا جو نجس العین ہے اور ایک آدمی کا جو باعثِ احترام ہے)

تشریح مسئلہ دباغت جو کھال سے متعلق ہے اس سے تین حکم ثابت ہوتے ہیں ایک اس کا پاک ہونا، دوسرے اس پر نماز کا جائز ہونا تیسرے اس کھال کے برتن سے وضو کرنا، پہلے کا تعلق کتاب الصید سے ہے دوسرے کا کتاب الصلوٰۃ سے اور تیسرے کا کتاب الطہارت سے، مصنف نے پانی کی بحث اس تیسری وجہ سے بیان کی، دباغت دو طور پر ہوتی ہے ایک حقیقی، دوسری حکمی، حقیقی دباغت وہ ہے جو پھٹکری یا ببول کے پتہ کے ذریعہ سے ہو، اس دباغت سے جو کھال پاک ہو جائے پہونچ جانے سے یہ ناپاک نہیں ہوا کرتی، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور حکمی دباغت اسے کہتے ہیں کہ جو دھوپ کے ذریعہ سے ہو کہ دھوپ میں کھال ڈال دی جائے اور وہ خشک ہو جائے۔ اس دباغت کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ پانی پہونچ جانے سے ناپاک ہو جاتی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ ناپاک نہیں ہوتی ہے اور بعضوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

سور اور آدمی کی کھال کے بارے میں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ دباغت قبول نہیں کرتیں، اس لئے پاک نہیں ہوتیں، اور بعض علماء کا قول ہے کہ آدمی کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

وما ای اھاب طہر بہ بدباغ طہر بذکاۃ علی المذھب لا یطہر لحمہ علی قول الاکثران کان غیر ماکول ھذا اصح ما یفتی بہ وان قال فی الفیض الفتوی علی طہارتہ و ھل یشترط لطہارۃ جلدہ کون ذکاتہ شرعیۃ بان تکون من الاھل فی المحل بالتسمیۃ قیل نعم وقیل لا والاول اظہرلان ذبح المجوس وتارک التسمیۃ عمداً کلا ذبح وان صحح الثانی صححہ الزاھدی فی القنیۃ والمجتبی واقرہ فی البحر

ترجمہ جن جانوروں کی کھالیں دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہیں، ان کی کھالیں مذہب صحیح میں شرعی طور پر ذبح کرنے سے پاک ہو جاتی ہیں، البتہ اکثر علماء کے نزدیک ان کا گوشت اس کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا ہے اگر وہ جانور جن کو ذبح کیا گیا ہے غیر ماکول اللحم ہیں (جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا) جن قولوں پر فتویٰ دیا گیا ہے ان میں سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے، اگرچہ مفیض نامی کتاب میں کہا ہے کہ فتویٰ ان کے گوشت کے پاک ہونے پر ہے۔ (معراج الدرایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ گوشت کے ناپاک ہونے کا قول محققین کا قول ہے اسم تفضیل کا صیغہ اصح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قول صحیح پاک ہونے کے متعلق بھی ہے گویہ قول مرجوح ہے محمودی) کیا ان کھالوں کی پاکی کے لئے اس کی شرط ہے کہ ذبح شرعی طور پر ہو اس طرح کہ ذبح کرنے والا اہل (مسلم یا اہل کتاب ہو) اور ذبح کرنے کی جگہ میں ذبح بسم اللہ کے ساتھ ہو؟ اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ہاں ذبح شرعی طور پر ہونا شرط ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے، اور ان دونوں میں پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ مجوسی کا ذبح کرنا اور مسلمان اور کتابی کا ذبح کرنا جس میں عمداً بسم اللہ ترک کردی ہے، ذبح نہ کرنے کے درجہ میں ہے اگرچہ دوسرے قول کی زاہدی نے قنیہ اور مجتبیٰ میں تصحیح کی ہے اور بحر میں اس تصحیح کو برقرار رکھا ہے (اکثر کتابوں میں ذبح شرعی کی شرط کی ہوئی ہے، کذا فی الفتح، زاہدی، فتاویٰ قنیہ، اور مجتبیٰ شرح قدوری کا مصنف ہے عقائد میں معتزلی اور فروع میں حنفی ہے)

فرع ما یخرج من دارالحرب کسنجاب ان علم دبغہ بطاھراوبنجس فنجس وان شك فغسلہ افضل وشعر المیتۃ غیر الخنزیر علی المذھب وعظمھا وعصبھا علی المشہور وحافرھا وقرنھا الخالیۃ عن الدسومۃ وکذا کل مالا تحلہ الحیوۃ حتی الانفحۃ واللبن علی الراجح وشعر الانسان غیر المنتوف وعظمہ وسنہ مطلقاً علی المذھب واختلف فی اذنہ ففی البدائع نجسۃ وفی الخانیۃ لاوفی الاشباہ المنفصل من الحی کمیتۃ الافی حق صاحبہ فطاھروان کثر ویفسد الماء بوقوع قدر الظفر من جلدہ لا بالظفر

ترجمہ فرع جو کھال کفار کے ملک سے آتی ہے جیسے سنجاب، اگر معلوم ہو کہ اس کی دباغت پاک چیز سے ہوئی ہے تو وہ کھال پاک ہے (اس کو پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں) اور اگر معلوم ہو کہ اس کی دباغت ناپاک چیز سے ہوئی ہے تو وہ ناپاک ہے اور اگر شک واقع ہو (یعنی یقین سے نہ یہ معلوم ہو کہ پاک چیز سے دباغت ہوئی ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ ناپاک اور نجس چیز سے ہوئی ہے تو اس کا دھو دینا بہتر ہے (واجب نہیں ہے)۔

سور کے سوا اور تمام مردہ جانوروں کا بال پاک ہے، درست مذہب یہی ہے اور مشہور قول پر اس کی ہڈی اور پٹھا بھی (پاک ہے) اور مراد کا کھر اور سینگ جو چکنائی سے خالی ہوں پاک ہے اور ایسے مردار کی وہ تمام چیزیں پاک ہیں جن میں زندگی حلول نہیں کرتی (یعنی جو بے جان ہوتے ہیں جیسے بال، پر، چونچ، وغیرہ) حتی کہ شیر خوار بچہ کے پیٹ کا دودھ اور دوسرے دودھ، راجح قول یہی ہے اور انسان کا وہ بال جو جڑ سے اکھاڑا ہوا نہ ہو اس کی ہڈی، اس کے دانت، صحیح مذہب کے مطابق پاک ہیں (خواہ دانت اپنا ہو یا غیر کا لگایا ہو) اور آدمی کے کان میں اختلاف ہے بدائع میں ہے کہ وہ ناپاک ہے، اور فتاوی قاضی خاں میں ہے وہ ناپاک نہیں ہے، اور اشباہ میں ہے کہ زندہ شخص سے جو چیز جدا ہو گئی وہ مردار کی مانند ہے مگر خود اس شخص کے حق میں جس کا وہ جزء ہے پاک ہے اگرچہ وہ قدر درہم سے زیادہ ہو آدمی کی کھال ناخن کے برابر پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، ناخن گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔

تشریح بال، پٹھا، ہڈی وغیرہ کے پاک ہونے کی بحث، پانی کی بحث میں اس وجہ سے لائے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائیگہ ان اعضاء کے پانی میں پڑ جانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اور جب مردار کے بال وغیرہ پاک ٹھہرے تو زندہ جانوروں کے بال وغیرہ بدرجہ اولیٰ پاک ہوں گے جانوروں میں ایک خنزیر ایسا جانور ہے جس کے بال، ہڈی اور تمام اجزاء جسم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناپاک ہیں اگر ان میں سے کوئی حصہ تھوڑے پانی میں پڑ جائے گا ناپاک ہو گا طحطاوی۔

پٹھے کے سلسلہ میں دو روایتیں ہیں، سراج الوہاج میں ہے کہ نجس ہے اور یہی صحیح ہے لیکن ابن الہمامؒ اور کاسانیؒ اس کی طہارت کے قائل ہیں اور درر اور وقایہ میں اسی قول پر یقین ظاہر کیا ہے اور یہی قول مشہور ہے مگر یہ واضح رہے کہ بال، ہڈی، پٹھے، کھر اور سینگ اس وقت پاک ہوں گے جب ان پر چکنائی لگی ہوئی نہ ہو اگر لگی ہو گی تو پھر یہ سب چکنائی کی وجہ سے ناپاک سمجھے جائیں گے۔

انسان کے جن بالوں کی جڑوں میں چکنائی لگی نہ ہو پاک ہیں مگر ان کا بیچنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسانی عظمت کے خلاف ہے زندہ انسان کا کوئی حصۂ بدن جدا ہو جائے تو کہا کہ وہ مردار کے درجہ میں ہے مگر جس کا حصہ بدن ہے اگر وہ حالت نماز میں ساتھ رکھ کر نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حصۂ بدن ہر طرح پاک ہے چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر اس حصہ کا کوئی جز پانی میں پڑ جائے گا تو پانی ناپاک ہو جائے گا خواہ ناخن کے برابر ہی کیوں نہ ہو، انسان کی کھال یا اس کا چھلکا گوشت کے حکم میں ہے اور ناخن پٹھ کے، لہذا کھال اور چھلکا ناپاک ہو گا اور ناخن پاک، ناپاک چیز کے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، پاک کے واقع ہونے میں ناپاک نہیں ہوتا۔

ودم سمك طاهر واعلم انه ليس الكلب بنجس العين عند الامام وعليه الفتوى وان رجح بعضهم النجاسة كما لسطه ابن الشحنة فيباع ويوجر ويضمن ويتخذ جلده مصلى ودلواً ولواخرج حيا ولم يصب فمه الماء لايفسد ماء البر ولاالثوب بانتفاضه ولا بعضه مالم يرريقه ولاصلوة حامله ولو كبيرا وشرط الحوانى شدفمه ولاخلاف فى نجاسة لحم وطهارة شعره

ترجمہ: اور مچھلی کا خون پاک ہے (اس لئے کہ وہ درحقیقت خون نہیں ہے کیونکہ خشک ہونے کے بعد سفید ہو جاتا ہے) اور

اسے یقین کر کہ امام اعظمؒ کے نزدیک کتا نجس العین نہیں ہے (جیسا کہ خنزیر) اور فتویٰ امام صاحبؒ کے اسی قول پر ہے، اگرچہ بعض علماء نے اس کے نجس العین ہونے کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ابن الشحنہ نے وضاحت کی ہے پس جبکہ کتا نجس العین نہ ہوا تو اس کا بیچا جانا، اجارہ پر دینا، اس کے ضائع کرنے پر تاوان کا لازم ہونا اور اس کی کھال کا بعد دباغت جائے نماز اور ڈول بنانا جائز ہوگا اور اگر وہ کنویں میں گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے اور اس کا منہ پانی تک نہ پہونچا تو اس صورت میں کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا، اور بھیگے ہوئے کتے کی چھینٹوں اور اس کے کاٹنے سے کپڑا اور بدن ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کی رال کے لگ جانے کا یقین یا گمان غالب نہ ہو جائے اور نہ اس شخص کی نماز فاسد ہوگی جو حالت نماز میں کتے کو لئے رہا اگرچہ کتا بڑا ہو، اور امام حلوائی نے نماز نہ فاسد ہونے کے لئے اس کے منہ کے باندھے ہوئے ہونے کی شرط لگائی ہے لیکن کتے کے گوشت کے ناپاک ہونے اور اس کے بالوں کے پاک ہونے میں امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا کوئی اختلاف نہیں ہے

تشریح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتے کے رکھنے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی جو گھر کی حفاظت یا شکار کے لئے ہو اس روشنی میں کتا نجس العین راجح معلوم نہیں ہوتا اس لئے اگر ایسی بات ہوتی تو آپ ہرگز کسی کام کے لئے پالنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں دیتے چنانچہ بحر الرائق میں ہے کہ کتے کی ہڈی، بال، اس کا پٹھا اور جو چیز کھانے کے لائق نہیں ہو پاک ہے اور اس کا گوشت ناپاک ہے

کتے کا گوشت چونکہ ناپاک ہے لہذا اس کی رال بھی ناپاک ہوگی اور جب وہ رال پانی کو لگ جائے یا کپڑے کو یا بدن یا جس کو بھی لگ جائے وہ سب ناپاک ہو جائے گی صرف ظاہری حصہ کے چھو جانے سے بدن یا کپڑا ناپاک نہین ہوتا کیونکہ ظاہری جسم اگر اس پر نجاست نہیں ہے تو پاک ہے اسی وجہ سے کہا کہ کوئی کتا اٹھائے ہوئے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی باطن کی نجاست اثرانداز نہیں ہوگی

"ولو کبیراً" لا کر اشارہ کیا جن لوگوں نے صغیر کی قید لگائی ہے وہ احترازی نہیں ہے بلکہ اتفاقی ہے، سب کا ایک ہی حکم ہے منہ باندھنے کی جن علماء نے قید لگائی ہے اس کا منشایہ ہے کہ عموماً کتے کے منہ سے رال ٹپکتی رہتی ہے اور وہ جہاں لگے گی وہ ناپاک ہو جائے گی۔

بعضوں کو شبہ ہوا کہ جب کتا نجس العین نہیں ہے تو اس کا جھوٹا ناپاک کیوں ہے، حالانکہ وہ بالاتفاق حرام ہے جواب یہ دیا گیا ہے کہ کسی نے پاک ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں لیا ہے کہ اس کا ہر ہر جز پاک ہو لعاب و رال چونکہ ناپاک ہے اس لئے اس کا جھوٹا ناپاک اور حرام ہے اور رال و لعاب کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ کتے کا گوشت حرام اور ناپاک ہے اور گوشت کی حرمت بننے والے خون کے ملنے کی وجہ سے ہے۔

والمسك طاهر حلال فيؤكل بكل حال وكذا نافجته طاهرة مطلقاً على الاصح فتح وكذا الزباد اشباه لاستحالته الى الطيبة

ترجمہ مشک پاک ہے حلال ہے ہر حالت میں کھایا جاسکتا ہے (دوا میں ڈال کر بھی اور غذا میں ڈال کر بھی ضرورت ہو تو بھی نہ ضرورت ہو تو بھی) اور اسی طرح اس کا نافہ بھی مطلقاً پاک ہے اصح قول کی بنیاد پر ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ایسے ہی زباد (خوشبو) پاک ہے جیسا کہ اشباہ میں ہے ان کے خوشبو سے بدل جانے کی وجہ سے۔

تشریح　مشک دراصل خون ہے جو ہرن کے نافہ میں جم کر خوشبو بن جاتا ہے اور زباد ایک جانور کا پسینہ یا میل ہے جو اس کے دم کے نیچے جمع ہو جاتا ہے اور خوشبو سے تبدیل ہو جاتا ہے نہ وہ خون باقی رہا اور نہ یہ پسینہ یا میل، دونوں کی حقیقت بدل چکی ہے، لہذا دونوں پاک ہیں، زندہ ہرن کا نافہ بالاتفاق ہر حال میں پاک ہے اور مردہ ہرن کا نافہ اگر پانی کے لگنے سے خراب نہ ہو تو پاک ہے لیکن یہ شرط زیلعی نے لگائی جو غیر اصح ہے صحیح یہ ہے کہ تر ہو یا خشک، زندہ جانور سے نکالا گیا یا مردہ سے، پانی لگنے سے خراب ہوتا ہو، یا نہ ہوتا ہو ہر حال میں پاک ہے

شامی نے کہا کہ یہی حال عنبر کا ہے کہ وہ بھی پاک اور حلال ہے اور اس کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ یہ دریائی گھاس کی طرح کی کوئی چیز ہے، یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ دریائی گائے کا گوبر ہے طاہر کے بعد حلال اس لئے لایا گیا ہے کہ ہر پاک کا کھانا حلال نہیں ہے، مٹی پاک ہے مگر اس کا کھانا حلال نہیں ہے

وبول ماكول اللحم نجس نجاسة مخففة وطهره محمدٌ ولا يشرب بوله اصلاًلا للمتداو ولالغيره عند ابى حنيفةؒ فروع اختلف فى التداوى بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما فى رضاع البحر لكن نقل المصنف ثمه وهنا عن الحاوى وقيل يرخص اذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواءٌ آخر كما رخص الخمر للعطشان وعليه الفتوى

ترجمہ　جس جانور کا گوشت کھانا حلال ہے اس کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے، اور امام محمدؒ نے اس کو پاک کہا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم (گوشت کھائے جانے والے جانور) کا پیشاب بالکل کسی حال میں نہیں پیا جاسکتا ہے نہ دوا میں اور نہ غیر دوا میں (امام محمدؒ کے نزدیک مطلق جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دوا کی وجہ سے جائز ہے یوں جائز نہیں)

فرع:۔ حرام چیز سے دوا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، اس میں ظاہر مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے جیسا کہ بحر الرائق کی کتاب الرضاع میں ہے لیکن مصنف نے اپنی شرح میں کتاب الرضاع کے اندر اور یہاں حاوی قدسی سے نقل کیا ہے کہ "بعض لوگوں نے کہا کہ حرام چیز سے دوا کرنے کی اس وقت اجازت دی جاتی ہے جب کہ معلوم ہو کہ حرام میں شفاء ہے اور اس حرام کے سوا اس کی کوئی دوسری دوا معلوم نہ ہو، جیسے پیاسے کو بو جہ مجبوری شراب پینے کی اجازت دی گئی ہے اور اسی قول پر فتوی ہے۔

تشریح　حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے واسطے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی ہے جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں، خانیہ میں ہے کہ یہ آپؐ نے ان چیزوں کے حق میں فرمایا جن میں شفاء نہیں ہے اور جن میں شفاء ہے اس سے دواء کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ پیاسے کے لئے شراب کا پینا بوقتِ خطرہ جائز قرار دیا ہے، تاکہ اس کی جان محفوظ رہ سکے اور صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی قول کو لیا ہے، کیونکہ جب شفاء حاصل ہو رہی ہو تو حرمت ساقط ہو جاتی ہے اور حاوی قدسی میں یہ جزئیہ موجود ہے کہ جب کسی آدمی کی ناک سے خون جاری ہو بند نہ ہو رہا ہو یہاں تک کہ اس کے مر جانے کا خطرہ پیش آ گیا ہو اور امتحان یا تجربہ سے یہ معلوم ہو کہ سورۂ فاتحہ یا سورۂ اخلاص اس خون سے اس کی پیشانی پر لکھدیا جائے تو خون بند ہو جائے گا تو ایک قول میں اس کی اجازت ہے ایسی ہی

جیسی پیاسے کو شراب پینے کی اور سخت بھوکے کو مردار لھانے کی اور اسی پر فتوی ہے کو ... اقول یہ جس ... بانی ... خون سے سورۃ للھنے کی رخصت نہیں ہے کذا فی المنح

فصل فی البیر

اذا وقعت النجاسة لیست بحیوان ولو مخففة اوقطره بول اودم اوذنب فارة لم یستمع فلوشمع ففیه مافی الفارة فی بیر دون القدر الکثیر علی مامر والاعتبارة بالعمق علی المعتمد اومات فیها اوخارجها والقی فیها ولوفارة یابسة علی المعتمد الا الشهید النظیف والمسلم المغسول اما الکافر فینجسها مطلقاً حیوان دموی غیر مائی لمامر وانتفخ اوتمعط اوتفسخ ولو نفسخ خارجها ثم وقع فیها ذکره الوافی ینزح کل مائها الذی کان فیها وقت الوقوع ذکره ابن الکمال بعد اخراجه الااذا تعذر کخشبة اورخرقة متنجسة فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطهر الکل تبعاً

کنویں کے مسائل واحکام

ترجمہ جب کوئی غیر جاندار نجاست کنویں میں گر جائے گو وہ نجاستِ خفیفہ ہو یا کنویں میں پیشاب یا خون کا کوئی قطرہ گر جائے، یا کسی چوہے کی ایسی دم کٹ کر گرے جس کے کٹے ہوئے منہ پر موم نہ لگا دیا گیا ہو اور وہ کنواں مقدار کثیر سے کم ہو جس کی تفصیل گذر چکی ہے تو کنویں کا تمام پانی نکالا جائیگا اور اگر چوہے کی کٹی ہوئی دم پر موم لگا دیا گیا ہو اور وہ گرا ہو تو جتنا پانی چوہے کے گرنے میں نکالا جاتا ہے اس میں بھی نکالا جائے گا (یعنی بیس ڈول) معتمد قول کی بناپر کنویں میں گہرائی کا کوئی اعتبار نہیں ہے (بلکہ لمبائی اور چوڑائی کا اعتبار ہے اگر دہ در دہ ہو گا نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہ ہوگا ورنہ ناپاک ہو جائے گا) اور جانور اگر کنویں میں مر گیا یا باہر مرا اور پھر وہ کنویں میں ڈال دیا گیا خواہ وہ قول معتمد پر سوکھا ہوا چوہا ہو، یا کنویں میں بہتے خون والا ایسا جانور مرا جو پانی کا نہیں ہے اور یہ خون والا جانور مر کر پھول گیا یا اس کے بال جھڑ گئے یا وہ ریزہ ریزہ ہو گیا یا کنویں کے باہر وہ پھٹ گیا تھا پھر اس میں گرا جس کو علامہ وافی نے ذکر کیا تو کنویں کا وہ تمام پانی نکالا جائے گا جو نجاست یا جانور کے مرنے کے وقت کنویں میں تھا، جس کو ابن الکمال نے ذکر کیا ہے لیکن نجاست اور جانور کو کنویں سے نکالنے کے بعد پانی نکالا جائے گا (تاکہ گندگی صاف ہو جائے مگر جب اس نجاست اور جانور کا نکالنا کسی مجبوری کی وجہ سے دشوار ہو جیسے لکڑی کا ٹکڑا یا ناپاک کپڑا کنویں میں گر کر غائب ہو گیا ہے اور نہیں مل رہا ہے تو اس وقت اتنا پانی نکالا جائے کہ آدھا ڈول نہ بھر سکے، کنویں کے پاک ہونے کے ساتھ اسی کے ضمن میں ساری چیزیں پاک ہو جائیں گی مگر صاف ستھرا شہید کنویں میں گر جائے یا دھلا

دھلایا مسلمان، تو کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا لیکن کافر مردہ کا گرنا کنویں کو ناپاک کر دیتا ہے خواہ وہ دھلا ہوا ہو یا دھلا ہوا نہ ہو، اسی طرح اسقاط حمل کا بچہ ناپاک ہوتا ہے اور اس کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔

تشریح شروع میں یہ قید لگائی کہ اگر غیر جاندار گرے، اس کا منشایہ ہے کہ جاندار کے گرنے کے احکام بعد میں بیان کریں گے اور نجسہ اس لئے کہا کہ نجاست میں غلیظہ اور خفیفہ دونوں برابر ہیں، ہر ایک کے کنویں میں گرنے سے کنواں یکساں ناپاک ہوتا ہے مقدار کثیر (بڑا کنواں) اس کنویں کو کہتے ہیں جو دہ در دہ ہو، یا مبتلا ہونے والا اس کو ماء کثیر (زیادہ پانی) سمجھے

یہ جو کہا کہ کنویں کے پاک ہونے کے ساتھ دوسری چیزیں بھی پاک ہو جاتی ہیں اس سے مراد ڈول، رسی، کنویں کی دیوار، گھرنی، نکالنے والے ہاتھ یہ ساری چیزیں خود بخود پاک ہو جائیں گی کیونکہ ان کی ناپاکی کنویں کی وجہ سے تھی الگ سے پھر ان کو دھو کر پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، جیسے ایک مٹکے میں شراب ہو اور وہ سرکہ بن جائے تو شراب کے ساتھ مٹکا بھی پاک ہو جاتا ہے یا جیسے استنجاء پاک کرنے والے کا ہاتھ استنجے کے ساتھ ساتھ پاک ہو جاتا ہے کذا فی البحر

ولو نزح بعضه ثم زادفی الغد نزح قدر الباقی فی الصحیح خلاصه قید بالموت لانه لواخرج حیاً ولیس بنجسِ العین ولابه حدث او خبث لم ینزح شئ الاان یدخل فمه الماء فتعتبر بسوره فان نجسا نزح الکل والا لاهو الصحیح نعم یندب عشرة فی المشکوک لاجل الطهورية کمافی الخانية زادفی التاتارخانيه وعشرین فی الفارة واربعین فی سنور ودجاجة مخلاة کآدمی محدث ثم هذا ان لم تکن الفارة هاربة من هرولاالهرهاربا من کلب ولاشاة من سبع فان کان نزح کله مطلقا کما فی الجواهرة لکن فی النهر عن المجتبی الفتوی علی خلافه لان فی بولها شکاوان تعذرنزح کلها لکونها معینا فبقدر ما فیها وقت ابتداء النزح قاله الحلبی یوخذ فی ذلک بقول رجلین عدلین بصارة بالماء به یفتی وقیل یفتی مائتین الی ثلثمائة وهذا ایسر وذاك احوط

ترجمہ ناپاک کنویں کا پانی تھوڑا سا نکالا گیا تھا (اور کچھ رہ گیا تھا، دوسرے دن) پھر اتنا پانی ہی زیادہ ہو گیا (جتنا نکالا گیا تھا) تو اس صورت میں جو ناپاک پانی رہ گیا تھا اسی کی مقدار نکالا جائے گا صحیح قول یہی ہے اور ایسی ہی خلاصہ میں ہے، (اس وجہ سے کہ لگاتار پانی کا نکالنا شرط نہیں ہے، اور نکالنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا ناپاکی کے وقت تھا، پہلے مصنفؒ نے کنویں میں گرنے والے جانور میں) مرنے کی قید لگائی ہے اس واسطے کہ اگر وہ جانور زندہ نکال لیا گیا اور وہ نجس العین نہیں ہے اور نہ اس پر نجاست حقیقی یا حکمی ہے، اس کا کچھ پانی وجوباً نہیں نکالا جائے گا، مگر اس وقت جب اس کا منہ پانی میں داخل ہو جائے اگر ایسا ہوگا تو اس وقت اس کے جھوٹے کا اعتبار کیا جائے گا، اگر اس جانور کا جھوٹا ناپاک ہے تو کل پانی نکالا جائے گا ورنہ کچھ بھی نکالنا واجب نہ ہوگا یہی قول صحیح ہے ہاں مشکوک ہونے کی صورت میں پاک کرنے کے لئے دس ڈول نکال دینا مستحب ہوگا جیسا کہ فتاویٰ خانیہ میں ہے (اور بعضوں نے کہا کہ احتیاط یہ ہے کہ کل پانی نکال دیا جائے جیسا کہ عالمگیری میں ہے اور نجس العین جیسے سور کنویں میں گر جائے تو سارا پانی ناپاک ہو جائیگا اور اس کا لینا واجب ہوگا خواہ زندہ نکلے یا مردہ اور اس کا منہ پانی میں داخل ہو یا نہ ہو،

بہر صورت تاتار خانیہ میں زیادہ کیا کہ مستحب ہوتا ہے چوہے میں بیس ڈول نکالنا، بلی اور کھلی ہوئی مرغی میں چالیس ڈول نکالنا، جیسے کہ بے وضو آدمی کنویں میں گر جائے اور زندہ نکل آئے تو چالیس ڈول نکالنا مستحب ہوتا ہے، اور یہ بیس ڈول اور چالیس ڈول کا حکم اس وقت ہے جب کہ چوہا، بلی کے خوف سے نہ بھاگا ہو اور نہ بلی کتے کے خوف سے اور نہ بکری درندے سے خوف سے۔ لہذا اگر یہ سب اپنے دشمن جانور کے خوف سے بھاگ کر گرے ہیں تو مطلقاً اس کا سارا پانی نکالا جائے گا (خواہ اس کا منہ پانی میں داخل ہو یا نہ داخل ہو) جیسا کہ جوہرہ میں ہے (خوف سے بھاگنے والا جانور عموماً پیشاب کر دیتا ہے، اس وجہ سے اس میں سارے پانی کے نکالنے کا حکم ہے) لیکن نہر الفائق میں مجتبیٰ سے نقل کیا گیا ہے کہ فتویٰ اس کے خلاف پر ہے (یعنی کل پانی کا نکالنا واجب نہیں ہے) اس لئے کہ بھاگنے والے جانور کے پیشاب کرنے میں شک ہے (اور صرف شک سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوا کرتی ہے) پھر اگر تمام پانی کا نکالنا کنویں کے چشمہ دار ہونے کی وجہ سے دشوار ہو تو نکالنے کے شروع وقت میں جتنا پانی ہے اس کا اندازہ لگا لیا جائے گا اور اسی کے مطابق نکالا جائے گا حلبیؒ نے یہی کہا کہ (زائد کا نکالنا لازم نہیں ہے اور شارح نے ابن کمال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کرنے کے وقت سے پہلے جتنا پانی تھا اس کا اندازہ کر کے نکالا جائے گا پانی کی مقدار معلوم کرنے میں ان دو عادل شخصوں کی بات قابل قبول ہو گی جنہیں پانی کا صحیح اندازہ لگانے میں پوری مہارت اور بصیرت ہو، اسی قول پر فتویٰ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ چشمہ والے کنویں میں دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک پانی نکالنے پر فتویٰ ہے یہ دوسرا قول سہل ہے اور وہ پہلا احتیاط سے زیادہ قریب۔

تشریح دو سو ڈول سے لیکر تین سو ڈول تک والا قول امام محمدؒ کا ہے اس لئے کہ انھوں نے بغداد میں یہ تجربہ کیا کہ کسی کنویں میں تین سو ڈول سے زیادہ پانی نہیں ہے، چنانچہ آپ نے اسی پر فتویٰ دیدیا۔ مگر قیل یعنی ضعف سے اس قول کا اس لئے بیان کیا گیا کہ حکم شریعت اصل میں یہ ہے کہ جب کنواں ناپاک ہو جائے تو اس کا کل پانی نکالنا ضروری ہوتا ہے کوئی عدد خاص متعین نہیں ہے، یہ عدد خاص بلا دلیل شرعی ہے صحابہؓ سے اس کے خلاف روایت آئی ہے، کذا فی الطحطاوی۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک حبشی چاہِ زمزم میں گر کر مر گیا تو اس وقت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس کے کل پانی کے نکال دینے کا فتویٰ دیا، اور اس حدیث پر پوری بحث۔ بحر الرائق وغیرہ میں موجود ہے نہر الفائق میں ہے کہ یہ دو سو سے تین سو ڈول تک والا اس لئے متاخرینؒ نے قبول کر لیا کہ اس میں ایک انضباط اور قاعدہ کلیہ ہے اور بہت آسان، جس طرح دہ در دہ کو متاخرین نے تسلیم کر لیا ہے، اور امام اعظمؒ نے کوفہ میں تجربہ کی بنیاد پر سو ڈول نکالنے کا حکم فرمایا تھا کیونکہ وہاں اس سے زیادہ پانی نہیں ہوتا تھا معلوم ہوا کہ یہ ڈول کا مسئلہ قاعدہ نہیں بن سکتا ہے اور پہلا قول ہی اس سلسلہ میں قاعدہ کے مطابق ہے جس علاقہ میں جتنا پانی ہو گا وہاں کے ماہرین اندازہ لگا کر بتا دیں گے، اس میں کوئی تردد نہیں باقی نہیں رہتا ہے امام محمد والے قول میں دو سو ڈول واجب ہیں اور تین سو مستحب ہمارے دار العلوم دیوبند کے مفتی اول عارف باللہ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ نے ہندوستان میں عموماً امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اس لئے کہ اس کو کنز، ملتقی، خلاصہ، تاتار خانیہ نصاب الاحتساب، معراج الدرایہ، عتابیہ، عنایہ شرح ہدایہ نے اور دوسرے علماء نے اختیار کیا ہے اور آسان تر بنایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔

فان اخرج الحیوان غیر منتفخ ولا متفسخ ولا متمعط فان کان کآدمی وکذا سقط وسخلة

وجدی واوز کبیر نزح کله وان کان کحمامة وهرة نزح اربعون من الدلاء وجوبا الی ستین ندبا وان کان کعصفور وفارة فعشرون الی ثلثین کما مروهذا یعم المعین وغیرها بخلاف نحو صهریج وجب حیث یهراق الماء کله لتخصیص الاٰبار بالاثار بحر ونهر قال المصنف فی حواشی علی الکنز ونحوه فی النتف ونقل عن القنینة ان حکم الرکیة کالبیر ینزح منه کالبیر وعن الفوائد ان الحب المطمور اکثره فی الارض کالبیر وعلیه فالصریح والزیر الکبیر ینزح منه کالبیر فاغتنم هذا التحریر انتهی بدلو وسط وهو ولو تلك البیر فان لم یکن فما یسع صاعاً وغیره یحتسب به ویکفی ملأ اکثر الدلو ونزح ماوجدوان قل وجریان بعضه وغوران قدار الواجب

ترجمہ پس جب کنویں سے مردہ جانور اس طرح نکالا گیا جو نہ پھولا ہوا تھا نہ پھٹا ہوا، اور نہ اس کے بال جھڑے ہوئے تھے تو اگر وہ جانور جسامت میں آدمی کے برابر ہے تو کل پانی نکالا جائے گا اسی کے مانند گرا ہوا حمل، بکری و بھیڑ کا بچہ اور بڑی بط ہے (ان سب میں بھی کل پانی نکالا جائے گا) اور اگر وہ جانور کبوتر اور بلی کے برابر ہے تو چالیس ڈول سے ساٹھ ڈول نکالے جائیں گے، چالیس ڈول واجب ہے اور ساٹھ مستحب ہے، اور اگر وہ گرنے والا جانور چڑیا (گوریا) اور چوہے کے برابر ہے تو بیس سے تیس ڈول تک نکالے جائیں گے اسی طرح جیسا گذرا یعنی بیس بطور وجوب اور تیس بطور استحباب کے، اور یہ ڈول کی گنتی کا حکم تمام کنویں میں ہے خواہ وہ چشمہ والا ہو یا چشمہ والا نہ ہو، بخلاف حوض یا گہرے گڈھے اور بڑے مٹکے کے، اس لئے کہ اگر اس میں جانور گر کر مر جائے تو اس کا تمام پانی بہادیا جائے گا یہ فرق اس لئے ہے کہ کنویں میں ڈول کی تخصیص صحابہؓ کرام سے ثابت ہے، جو خلافِ قیاس ہے، لہٰذا وہاں اسی خلاف قیاس پر عمل ہوگا لیکن حوض اور مٹکے میں وہ خلاف قیاس والا حکم نافذ نہ ہوگا اور اسے کنویں پر قیاس اس باب میں نہیں کریں گے مصنف نے اپنے حاشیہ کنز الدقائق میں کہا اور اسی طرح نتف میں ہے اور مصنف نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ گہرا گڈھا کنویں کی طرح ہے اور فوائد سے نقل کیا کہ وہ بڑا مٹکا جس کا آدھا سے زیادہ حصہ زمین میں گڑا ہوا ہو کنویں کی مانند ہے اور اس بنیاد پر وہ حوض جس میں پانی جمع رہے اور بڑے مٹکے سے کنویں کی طرح جتنے ڈول نکالنا واجب ہیں نکالنے چاہئیں اس تحریر کو غنیمت جانئے بیس یا تیس یا چالیس ڈول کنویں سے پانی نکالا جائے گا وہ متوسط ڈول سے نکالا جائے گا اور اس سے اسی کنویں کے درمیانہ ڈول مراد ہے جس سے پانی نکالا جا رہا ہے (یعنی عام طور پر اس کنویں سے پانی نکالنے میں جو مختلف ڈول استعمال ہوتے ہیں ان میں سے درمیانہ قسم کا ڈول لیا جائے جو نہ بڑا ہو نہ چھوٹا) اور اگر اس کنویں میں کوئی ڈول مقرر نہیں ہے تو اس ڈول کا اعتبار ہوگا جس میں ایک صاع (ساڑھے تین سیر) پانی سمائے اور صاع بھر کے ڈول کے علاوہ سے نکالے تو اس کا حساب صاع والے ڈول سے لگالیا جائے (مثلاً کوئی بڑا ڈول ایسا ہے جس میں صاع والے ڈول سے بیس ڈول آتا ہے تو صرف ایک ڈول نکال دینا بیس کے برابر ہو جائے گا، اور اگر چھوٹا ہے کہ ڈول برابر ایک صاع کے ہوتا ہے تو اس سے چالیس ڈول نکالنا بیس کے برابر ہوگا) اور ڈول کے اکثر حصہ کو بھر کر نکالنا پورے کے قائم مقام ہوتا ہے اس واسطے کہ قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل، (مثلاً تین چوتھائی بھرا ہوا ڈول آیا تو پورے کے حکم میں شمار ہوگا) اور جو پانی موجود

ہے وہ خواہ کم ہی ہو اس کا نکال دینا کافی ہوتا ہے (مثلاً چالیس ڈول نکالنا واجب تھا مگر اس کنویں میں صرف تیس ڈول پانی موجود ہے تو بس اتنا ہی نکال دینا کافی ہوگا اور کنواں پاک ہو جائے گا اس کے بعد جو پانی جمع ہو گنتی پوری کرنے کے لئے اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے اور کنویں کے کچھ پانی کا بہنا کافی ہوتا ہے جو اسے جاری پانی کے حکم میں کر دیتا ہے اور اس قدر واجب پانی بھر کا زمین میں جذب ہو کر خشک ہو جانا کافی ہے (جتنے کا نکالنا ضروری تھا)

تشریح ناپاک کنواں اگر جاری ہو جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اس جاری ہونے اور بہنے کی دو صورتیں ہیں ایک صورت تو یہ ہے کہ چشمہ اندر سے ابلے اور کنواں بھر کر پانی اوپر باہر بہنے لگے، دوسری صورت یہ ہے کہ پانی سے بھر گیا اور اس کے کنارے سے نالی کھود ڈالی اور اس نالی سے پانی باہر بہنے لگا تو ان صورتوں میں پانی بھر کر تھوڑا بہنے یا زیادہ تیزی سے دونوں صورتوں میں کنواں پاک ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کنواں ناپاک ہو گیا، اور اس کو پاک کرنے کے لئے اس سے مثلاً چالیس ڈول نکالنا واجب تھا یہ چالیس ڈول پانی کنویں میں جذب ہو گیا اور اس پانی کو زمین پی گئی تو کنواں اس سے پاک ہو گیا اب اگر پانی نیچے سے ہی آئے تو کنواں ناپاک نہ ہوگا اور اگر ناپاک پانی کی مقدار میں خشک نہیں ہوا ہے تو وہ ناپاک ہے گا جب تک اتنا پانی اس سے نکال نہ دیا جائے

وما بين حمامة وفارة في الجثة كفارة في الحكم كمان مابين دجاجةٍ وشاةٍ كدجاجة فالحق بطريق الدلالة بالاصغر كما ادخل الاقل في الاكثر كفارة مع ہرة ونحو الهرتين كشاةٍ اتفاقاً ونحو الفارتين كفارةٍ والثلث الى الخمس كهرةٍ والست كشاةٍ على الظاهر

ترجمہ اور جو جانور جثہ میں کبوتر اور چوہے کے درمیان ہے وہ حکم میں چوہے کے مانند ہے (یعنی اس میں بیس ڈول پانی نکالنا واجب ہے) جیسے وہ جانور جو جثہ میں مرغی اور بکری کے درمیان ہے وہ حکم میں مرغی کے برابر ہے لہذا جو جانور جثہ میں بڑے اور چھوٹے کے درمیان ہے وہ دلالۃ النص کے طور پر چھوٹے جانور کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس طرح سب سے کم (چھوٹے کو) سب سے زیادہ (بڑے) میں داخل کیا جاتا ہے جیسے چوہا بلی کے ساتھ اور جیسے دو بلیاں ایک بکری کے حکم میں بالاتفاق اور جیسے دو چوہے ایک چوہے کے حکم میں اور تین سے لے کر پانچ چوہے تک ایک بلی کی طرح ہیں اور چھ چوہے ظاہر الروایۃ کے مطابق ایک بکری کے برابر ہیں۔

تشریح دلالۃ النص کا مطلب یہ ہے کہ وہ صراحتاً مذکور نہ ہو مگر بدرجہ اولیٰ اس سے سمجھا جاتا ہے مثلاً مرغی کنویں میں گر کر مر جائے تو اس میں چالیس ڈول پانی نکالنا واجب ہے اب جو جانور مرغی سے جثہ میں بڑا گر کر مر جائے تو اس میں بدرجہ اولیٰ چالیس ڈول پانی نکالنا ضروری ہوگا اس لئے کہ اس کو بڑے جانور کے برابر قرار دینا دلیل سے ثابت نہیں ہے

سراج وہاج میں ہے کہ اگر کسی بلی نے چوہے کو پکڑا اور پھر دونوں کنویں میں جا پڑے تو اگر دونوں زندہ نکل آئے تو پانی پاک ہے کچھ بھی پانی نکالنا واجب نہیں ہے اور دونوں مردہ نکلے تو چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور اگر چوہا تو گرنے سے مر گیا اور بلی زندہ نکلی تو بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور اگر چوہا زخمی ہے اور اس نے پیشاب کر دیا تو کل پانی نکالنا واجب ہے کذافی الطحطاوی

اور یہ جو کہا کہ دو بلیاں ایک بکری کے حکم میں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ کل پانی نکالا جائے گا اور دو چوہے ایک بلی کے حکم میں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف بیس ڈول پانی نکالا جائے گا اور تین سے پانچ تک چوہے کنویں میں گر جائیں تو اس وقت جتنا پانی ایک بلی کے گر جانے سے نکالا جاتا فقط اتنا نکالنا واجب ہے یعنی چالیس ڈول، البتہ چھ چوہے ایک بکری کے حکم میں ہو جاتے ہیں تو اگر چھ چوہے ایک ساتھ گر کر کنویں میں مر جائیں تو اس وقت کل پانی نکالنا ضروری ہوگا

ویحکم بنجاستها مغلظة من وقت الوقوع ان علم والا فمذیوم ولیلة ان لم ینتفخ ولم یتفسخ وهذا فی حق الوضوء والغسل وما عجن به فیطعم للكلاب وقیل یباع من شافعیٌ اما فی حق غیره كغسل ثوب فیحكم بنجاسته فی الحال وهذا لو تطهر عن حدث اوغسل عن خبث والا لم یلزم شئ اجماعا جوهرة ومنذ ثلثة ایام بلیا لیها ان انتفخ اوتفسخ استحسانا (قال الله تعالیٰ یرید الله بكم الیسر ولا یرید بكم العسر كذافی الطحطاوی) وقالا من وقت العلم فلا یلزمهم شئ قبله قیل وبه یفتی

ترجمہ اور کنویں کے نجس مغلظہ ہونے کا حکم جانور کے گرنے کے وقت سے کیا جاتا ہے اگر اس کے گرنے کا وقت معلوم ہو، اور اگر وقت معلوم نہ ہو تو ایک دن ایک رات پہلے سے اس کے ناپاک ہونے کا حکم ہوگا بشرطیکہ گرنے والا جانور پھول نہ گیا ہو (اور نہ پھٹا ہو، اور نہ اس کا بال جھڑا ہو) اور کنویں کے ناپاک ہونے کے کا یہ حکم وضو غسل کے حق میں ہے، اور جو آٹا اس کنویں کے پانی سے گوندھا گیا ہو وہ کتے کو کھلا دیا جائے اور بعض لوگوں نے کہا کہ اسے کسی شافعیؒ المذہب والے کے ہاتھ بیچ دیا جائے (کیونکہ یہ پانی مذہب شافعیؒ میں ناپاک نہیں ہے) اور غسل و وضوء کے سوا دوسری چیزوں کے حق میں جیسے کپڑا دھونا۔ پانی کے فوراً ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا (ایک دن رات پہلے سے اس سلسلہ میں ناپاکی کا حکم نہیں ہوگا) اور یہ حکم (وضوء غسل میں ایک دن رات پہلے سے اور کپڑے میں ابھی سے) اس وقت ہے کہ اس نے حدث اکبر و اصغر سے پاکی حاصل کی ہو یا کوئی نجاست حقیقی اس سے دھوئی ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے یعنی وضو بغیر حدث کے کیا یا غسل بغیر جنابت کے کیا یا کپڑا بغیر نجاست کے دھویا اس صورت میں بالاتفاق کوئی چیز لازم نہیں کذا فی الجوھرہ (اس لئے کہ پہلی پاکی پائی گئی اور یہ ناپاک پانی کا استعمال جو ہوا ہے تو اس پانی کی نجاست اور پاکی مشکوک ہے اور شک کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوتی بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں حدث اصغر یا اکبر اور کپڑے کا ناپاک ہونا یقین کے ساتھ پایا گیا اور جس پانی سے اسے دور کیا ہے وہ مشکوک ہے اور تین رات دن پہلے سے اس کے ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا، اگر کنویں میں گرنے والا جانور مر کر پھول جائے یا پھٹ جائے استحسان کی رو سے (یعنی سختی کے بجائے آسانی کو کام میں لانے کی وجہ سے، ارشاد ربانی ہے: یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تم پر دشواری نہیں چاہتا)۔ اور صاحبینؒ نے کہا کہ جس وقت سے علم ہوا ہے اسی وقت سے ناپاک ہونے کا حکم کیا جائے گا، اس سے پہلے کچھ لازم نہ آئیگا اور بعضوں نے کہا کہ صاحبینؒ کے اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

تشریح: جس کنویں میں کوئی جانور گر کر مر جائے تو وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، ناپاکی کا یہ حکم اس وقت سے ہوگا جس وقت

سے جانور گر کر مرا ہے، کبھی گرنے کے وقت کا علم ہوتا ہے کہ لوگوں نے دیکھا ہو، یا دو آدمیوں نے شہادت دی ہو یہ علم یقینی ہو
ظنِ غالب کے طور پر معلوم ہو، اگر کبھی گرنے کا وقت سرے سے معلوم نہیں ہوتا، معلوم ہونے کی صورت میں بات واضح
ہے کہ اسی وقت سے ناپاک قرار دیا جائے گا، لیکن اگر معلوم نہیں ہے تو اگر گرنے والا جانور صرف مردہ ہے پھولا پھٹا نہیں ہے
ب تو احتیاط کے طور پر اسے ایک دن رات پہلے سے ناپاک مانا جائے گا اور وہ بھی صرف وضو اور غسل کے حق میں یعنی اگر کسی
بے وضوء شخص نے اس ایک رات دن میں اس کنویں کے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھی ہے یا کسی جنبی نے اس پانی سے غسل
کر کے نماز پڑھی ہے تو وہ اس ایک دن رات کی فرض اور واجب نمازیں دوبارہ پڑھے گا، اور کپڑا وغیرہ دھونے کے حق میں وہ
ایک دن رات پہلے سے ناپاک قرار نہ پائے گا بلکہ ابھی سے جب سے معلوم ہوا ہے کہ ناپاک ہے جیسا کہ صاحبینؒ اور امام
ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے کہ کنواں پہلے سے ناپاک قرار سرے سے نہیں دیا جائے گا بلکہ جس وقت سے معلوم ہوا ہے
یا جانور نکلا ہے اسی وقت سے ناپاک قرار دیا جائیگا، احتیاط یہ ہے کہ عبادات میں امام صاحبؒ کے قول پر عمل ہو اور صرف مردہ
ہونے کی صورت میں ایک دن رات پہلے سے اور جانور کے پھولے ہوئے اور پھٹے ہوئے ہونے کی صورت میں تین دن رات
پہلے سے ناپاک قرار دیا جائے اور بقیہ چیزوں میں صاحبینؒ کے قول پر عمل ہو، اور امام صاحبؒ کے قول پر جس جس چیز میں وہ پانی
اس عرصہ میں پڑا ہے ناپاک ہے۔ آٹا ہو، شوربا ہو، شربت ہو، سب کا حکم ناپاک کا ہوگا۔ امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ پانی جب دو
مٹکا ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا، چنانچہ ان کے مسلک کے مطابق کنواں جانور کے گرنے اور مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اسی وجہ
سے متن میں کہا گیا ہے کہ اس کنویں کے پانی سے گوندھا ہوا آٹا کسی شافعی المذہب کو دے دیا جائے قیمتاً یا بلا قیمت، اور بعض علماء
کہتے ہیں کہ جب اس کے نزدیک وہ ناپاک ہے تو کسی آدمی کو ہر گز نہ کھلائے۔

امام صاحبؒ کے قول کو استحسان بتایا اور صاحبینؒ کے قول کو قیاس، اتنی بات تو ظاہر ہے کہ جانور کے لئے یہ ضروری نہیں
ہے کہ وہ کنویں میں گر کر ہی مرا ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرا ہوا تھا اور ہوا سے اڑ کر کنویں میں جا پڑا، یا کسی پرندے نے مرے
ہوئے یا پھولے پھٹے جانور کو لا کر کنویں میں گرا دیا، اس لئے صاحبینؒ نے کہا کہ جس وقت سے علم ہوا ہے اسی وقت سے ناپاک
قرار دیا جائے، اور عقل یہی کہتی ہے اور یہ قیاس کے عین مطابق ہے، لیکن اس نقطہ نظر سے غور کیجئے کہ ظاہر سبب یہی معلوم
ہوتا ہے کہ کنویں میں گر کر مرا ہو، کیونکہ خون والا جانور جو پانی میں نہیں رہتا پانی میں ڈوب کر مر جاتا ہے موہوم سبب کی طرف
منسوب کرنا کوئی مناسب بات نہیں ہے اور استحسان کا تقاضا یہی ہے۔

نہر الفائق میں ہے کہ امام صاحبؒ کے قول میں زیادہ احتیاط ہے اور صاحبینؒ کے قول میں لوگوں کے لئے زیادہ آسانی ہے
فتاویٰ عتابیہ میں ہے کہ صاحبینؒ کا قول مختار ہے اور شیخ قاسمؒ نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اکثر کتب کے مخالف ہے کیونکہ
اکثر کتبِ فقہ میں امام اعظمؒ کی دلیل کو ترجیح دی گئی ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

فرع وجدفی ثوبه منياً اوبولاً اودماً اعاد من آخر نوم وبول ورعاف ولو وجد فی جبته فارة ميتة
فان لا ثقب فيها اعاد مذ وقت وضع القطن والافثلثة ايام لو منتفخة اوناشفة والافيوم وليلة
ولانزح فی بول فارة فی الاصح فيض والا يخرء حمام وعصفور وكذا سباع طير فی الاصح

لتعذر صونها عنه ولا بتقاطر بول کرؤس ابر وغبار نجس للعفو عنها وبعرتی ابل وغنم کما یعفی لو وقعتاً فی محلب وقت الحلب فرمیتا فوراً قبل نفتت وتلون کذا فی النهر والتعبیر بالبعرتین اتفاقی لان مافوق ذلك ذکره فی الفیض وغیره ولذا قال قیل القلیل المعفو عنه ما یستقله الناظر والکثیر بعکسه وعلیه الا عتماد کمافی الهداهة وغیرها لان ابا حنیفة لا یقدر شیئا بالرای

ترجمہ فرع اپنے کپڑے میں منی یا پیشاب یا خون پایا تو نماز کا اعادہ اس وقت سے کرے جب آخری احتلام یا پیشاب ہوا تھا یا نکسیر پھوٹی تھی، اور اگر کسی نے اپنے جبہ میں مردہ چوہا پایا، لہذا اگر جبہ میں کوئی سوراخ نہ تھا تو جبہ میں روئی بھرنے کے وقت سے نماز کا اعادہ کرے (اگر چہ اس جبہ کو ہمیشہ پہنے رہا ہے اور اگر جبہ میں سوراخ تھا تو پھر تین دن رات کی نماز کا اعادہ کرے، بشرطیکہ چوہا پھولا ہوا ہو یا خشک ہو، اور اگر پھولا ہوا اور خشک نہیں ہے تو ایک دن رات کی نماز دوبارہ پڑھے۔

اور چوہا کنویں میں پیشاب کر دے او صحیح تر قول یہ ہے کہ کنویں کا پانی نکالنا لازم نہیں ہے، فیض میں یہی ہے اور نہ کبوتر اور گوریا کی بیٹ کرنے کی صورت میں پانی نکالنا لازم ہے اور یہی حکم صحیح تر قول میں پھاڑ کھانے والے پرندہ کی بیٹ کا ہے یعنی پانی نکالنا لازم نہیں ہے، اس وجہ سے ان سب کی بیٹ سے کنویں کی حفاظت دشوار ہے، اور نہ کنویں کے پانی نکالنا پیشاب کی ایسی چھینٹیں پڑنے سے ضروری ہے جو سوئی کی نوک کے برابر ہوں اور نہ ناپاک غبار کے پڑنے سے کنویں کا پانی نکالنا لازم ہے اس لئے کہ یہ دونوں معاف ہیں اور نہ اونٹ اور بکری کی دو مینگنیاں پڑنے سے کنویں کا پانی نکالنا ضروری ہے، جس طرح وہ دو مینگنیاں معاف ہیں جو دودھ دوھنے کے برتن میں دوہتے وقت پڑ جائیں، اور فوراً ان کو نکال کر پھینک دیا جائے، پہلے اس کے کہ وہ ٹوٹ جائیں یا دودھ میں رنگ آمیزی کریں اور دو مینگنیوں کا تذکرہ دو کے ساتھ اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے اس لئے دو سے زیادہ بھی ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے ایسا ہی فیض وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے انھوں نے آگے یہ کہا ہے کہ "کہا گیا ہے کہ تھوڑی مینگنی جو معاف کر دی گئی ہے، اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جن کو دیکھنے والا تھوڑا سمجھے اور بہت مینگنیاں وہ ہیں جن کو دیکھنے والا زیادہ سمجھے اور اسی قول پر اعتماد ہے، چنانچہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کسی چیز کا اندازہ خود سے نہیں کرتے بلکہ جو مبتلاء ہے اس کی رائے پر چھوڑ دیتے ہیں۔

تشریح نوادر ابن رستم میں امام اعظمؒ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی کپڑے پر خون کا دھبہ دیکھے تو اس میں نماز کا اعادہ نہیں ہے اور محیط میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ جو خون وہ اپنے کپڑے پر دیکھ رہا ہے وہ اسکا نہ ہو بلکہ کسی دوسرے کا ہو اور اس کے کپڑے پر آگیا ہو

روئی دار جبہ جس میں مرا ہوا چوہا دیکھا گیا تو اس کے متعلق بھی فرمایا کہ روئی بھرنے کے دن سے نماز دہرانی چاہئے اگر اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے کیونکہ اس وقت معلوم یہ ہوا کہ بھرنے کے دن سے ہی اندر مرا ہوا ہے لہذا وہ ناپاک ہے اور اس کو پہن کر نماز پڑھی ہے لیکن جو نمازیں اسنے پہن کر نہیں پڑھی ہیں ان کا اعادہ لازم نہیں ہوگا مینگنی میں تھوڑی معاف اس وجہ سے ہے کہ اس سے بچنا دشوار ہے زیادہ مینگنی کے سلسلہ میں کئی قول ہیں ایک تو وہی ہے جو ذکر ہوا کہ خود دیکھنے والا محسوس کرے کہ یہ زیادہ ہے اور قوی تر قول یہی ہے اور غیر مختار قول یہ بھی ہے کہ جب کوئی ڈول مینگنی سے خالی نہ آئے تو اسے کثیر سمجھا

جائے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ پانی کے چوتھائی حصہ پر مینگنیاں پھیلی ہوئی ہیں تو کثیر ہیں ورنہ قلیل اور تیسرا قول یہ ہے کہ پانی کے تہائی حصہ پر مینگنیاں ہوں تو کثیر ہیں ورنہ قلیل۔

البعدبين البير والبالوعة بقدر مالا يظهر للنجس اثر

ترجمہ پانی کے کنویں اور نجاست کے گڑھے کے درمیان اس قدر فاصلہ ہونا چاہئے کہ نجاست کا اثر کنویں میں ظاہر نہ ہو سکے، (پہلے گذر چکا ہے چالیس گز کی دوری دونوں کے درمیان رکھی جائے، تاکہ نجاست کا اثر پانی میں نہ آسکے یوں جب تک پانی کا رنگ، بو اور مزہ میں فرق نہ آئے کنواں ناپاک نہیں ہوگا خواہ دونوں میں دوری صرف ایک دو گز ہی کی کیوں نہ ہو، اور اگر نجاست کا اثر پانی میں آجائے اور اس کے مزہ، رنگ اور بو میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا خواہ دوری دونوں میں دس گز کی ہی کیوں نہ ہو کذا فی الطحاوی۔ پھر اس زمین کی سختی و نرمی پر ہے اور جس نے دوری کا اندازہ لگایا اسی کا لحاظ کرتے ہوئے لگایا ہے۔

ويعتبر سور بمسئر اسم فاعل من اساراى بقى لاختلاطه بلعابه فسور آدمى مطلقا ولوجنباً او كافرا اوامرأة نعم يكره سورها للرجل كعكسه للاستلذاذواستعمال ريق الغير وهو لا يجوز مجتبى

جھوٹے کا بیان

ترجمہ اور جھوٹے کے پاک و ناپاک ہونے میں جھوٹا کرنے والے جاندار کا اعتبار کیا جاتا ہے اس لئے کہ جھوٹے میں اس جاندار کا لعاب مل جاتا ہے "دمسر" اسار سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جو ابقی کے معنی میں آتا ہے، پس آدمی کا جھوٹا مطلقاً پاک ہے اگر چہ وہ آدمی ناپاک ہو یا کافر ہو، یا عورت ہو، ہاں عورت کا جھوٹا مرد کے لئے مکروہ ہے جس طرح مرد کا جھوٹا عورت کے لئے مکروہ ہے اور یہ لذت کے حاصل ہونے کی وجہ سے ہے اور دوسرے کی رال استعمال ہونے کی وجہ سے جو جائز نہیں ہے

تشریح پانی کے پاک و ناپاک کی تفصیل جب مصنف بیان کر چکے تو اس کے بعد جاندار کے پسینہ اور جھوٹے کا بیان شروع کیا، جھوٹا اس کو کہتے ہیں جو پانی وغیرہ پینے والے یا کھانا وغیرہ کھانے والے کے برتن میں باقی رہ جائے، اور اس جھوٹے کا تعلق لعاب سے ہے اور لعاب کا گوشت سے، گوشت پاک ہے تو لعاب بھی پاک اور جس کا لعاب پاک ہے اس کا جھوٹا پاک، اور جس کا گوشت ناپاک ہے اس کا لعاب بھی ناپاک اور جس کا لعاب ناپاک ہے اس کا جھوٹا ناپاک، یہی حال کراہت اور مشکوک کا بھی ہے۔

جنبی حکماً ناپاک ہوتا ہے، اس لئے اس کا جھوٹا پاک ہے، اسی طرح کافر کو جو نجس کہا گیا ہے انما المشركون نجس تو اس کی ناپاکی اعتقادی ہے حسی نہیں ہے حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کو مسجد میں ٹھہرایا لہذا اس کا جھوٹا بھی ناپاک نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ گوشت [illegible] انسان کا ایک درجہ میں ہے، اس لئے جھوٹے کا حکم بھی ایک

ہی ہوگا، باقی کافر کے کنویں میں اترنے سے پانی کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت دیا جاتا ہے جب وہ بدن اور اپنا پاؤں دھو کر نہ نہیں میں نہ اترا ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نجاست اس کے بدن اور کپڑے کی نجاست کی وجہ سے ہے جس میں عموماً وہ اپنے کو نہیں بچاتا۔

جھوٹے میں مرد، عورت، جوان، بچہ بوڑھے کی کوئی تفریق نہیں ہے، عورت خواہ حالت حیض میں ہو یا نفاس میں اس کا جھوٹا پاک ہے مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حالت حیض میں بھی ہوتی تھی تو پانی پی کر وہی برتن خدمت نبوی میں پیش کرتی تو آپ اسی میں منہ لگا کر پی لیا کرتے تھے۔

باقی اجنبی عورت اور اجنبی مرد کا جھوٹا ایک دوسرے کے لئے جو مکروہ کہا گیا ہے وہ نفس پینے میں ہے، اجنبی کی قید نہیں لگائی ہے لیکن لگانی چاہئے تھی کہ وہ بیوی اور محارم کے علاوہ دوسرے لوگ ہوں تو اس وقت یہ کراہت ہوتی ہے، کیونکہ ابھی آپ حدیث ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اپنی اہلیہ کا جھوٹا پینا بلا کراہت درست ہے، اجنبی میں حصول لذت کی وجہ سے کراہت ہے شامیؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے استاذ نے بتایا کہ اگر کوئی بال بنانے والا کسی امرد نائی سے بال بنوانے میں لذت محسوس کرتا ہے تو اس سے بھی بچنا چاہئے اور اسے بھی مکروہ سمجھنا چاہئے اس کے لئے پڑھئے مترجم کی کتاب "تعمیر سیرت" یا "نظام عفت" کا آخری باب۔

وماکول لحم ومنه الفرس فی الاصح ومثله مالا دم له طاهر الفم قید الکل طاهر الطهور بلا کراهة وسور خنزیر وکلب وسباع بهائم ومنه الهرة البرية وشارب خمر فور شربها ولو شاربه طویلا لا یستوعبه اللسان فنجس ولو بعد زمان وهرة فور اکل فارة نجس مغلظ

ترجمہ اور اس جانور کا جھوٹا پاک ہے جس کا گوشت کھانا حلال ہے اور صحیح تر قول میں اسی قسم میں سے گھوڑا ہے اور انہی جانوروں کی مانند وہ جانور ہیں جن میں بہتا ہوا خون نہیں ہے (گویا گھوڑے کے گوشت کی کراہت امام صاحب کے نزدیک اس کے احترام کی وجہ سے ہے کہ وہ جہاد میں کام آتا ہے کسی نجاست کی وجہ سے نہیں ہے جس طرح کہ جن جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے ان کا جھوٹا پاک ہے، گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے) بشرطیکہ آدمی اور وہ جانور جس کا گوشت کھانا جائز ہے اور گھوڑا اور وہ جانور جن میں خون نہیں ہوتا ہے ان سب کے منہ نجاست سے پاک ہوں تو ان کا جھوٹا خود پاک ہے اور بلا کراہت غیر کو نجاست حکمی اور حقیقی سے پاک کرنے والا ہے اور سور، کتا اور پھاڑ کھانے والے چوپائے اور اسی قبیل سے جنگلی بلی ہے اور شراب پینے والے کا جھوٹا جس نے ابھی فوراً شراب پی ہو ناپاک ہے اور اگر شراب خوار کی مونچھ اس قدر لمبی ہے کہ اس تک زبان نہیں پہنچتی ہے اس کا جھوٹا ناپاک ہے اگر دیر کے بعد اس نے پانی پیا ہو، اور بلی کا جھوٹا چوہا کھانے کے فوراً بعد نجس مغلظ ہے۔

تشریح جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا گوشت پاک ہے لہذا لعاب بھی پاک ہوا اور جب لعاب پاک ہوا تو جھوٹا بھی پاک ہی ہوگا، اسی حکم میں گھوڑا بھی ہے گو اس کا گوشت کھایا نہیں جاتا ہے مگر یہ نہ کھانا اس کے احترام کی وجہ سے ہے کہ وہ جہاد میں کام آتا ہے اور سب کے لئے قید لگائی کہ ان کا منہ پاک ہو کسی ناپاک چیز کا منہ لگا کر ناپاک نہ کر لیا ہو، تو ان کا جھوٹا خود پاک بھی ہے اور دوسری چیزوں کا نجاست حقیقی و حکمی سے پاک کرنے والا بھی ہے

پھاڑ کھانے والے چوپائے میں شیر، چیتا، بھیڑیا، اور اس طرح کے دوسرے جانور جو دانت سے شکار کرتے ہیں داخل ہیں اسی طرح فوراً شراب پینے والا پانی پیئے یا کھانا کھائے تو اس کا جھوٹا منہ میں لگی ہوئی شراب کی وجہ سے ناپاک ہوگا اور اگر شراب پینے کے بعد اس قدر ٹھہرا کہ خود اس کی رال سے اس کا منہ صاف ہوگیا تو پھر اس کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے

ایسی بلی نے چوہا کھانے کے فوراً بعد پانی پیا کھانے میں منہ ڈال دیا تو وہ ناپاک ہو جائے گا لیکن اگر اس نے چوہا کھانے کے بعد اپنا منہ چاٹ لیا ہے جس سے منہ صاف ہوگیا ہے تین مرتبہ چاٹنے کے بعد بالکل صاف ہو جائے گا اس کے بعد پانی پینے سے اس کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوگا

وسور هرة ودجاجة مخلاة وابل وبقر جلالة فالاحسن ترك دجاجة ليعم الابل والبقر والغنم قهستاني وسباع طير لم يعلم ربها طهارة منقارها وسواكن البيوت طاهر للضرورة مكروه تنزيها في الاصح ان وجد غيره والا لم يكره اصلاً كله لفقير

ترجمہ بلی کا جھوٹا اور کھلی ہوئی مرغی کا جھوٹا اور نجاست کھانے والے اونٹ اور گائے بیل کا جھوٹا اور ان پھاڑ کھانے والے پرندوں کا جھوٹا جن کی چونچ کا حال پالنے والوں کو معلوم نہ ہو، اور گھر میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا ضرورت کی وجہ سے پاک ہے اور صحیح تر قول میں اس وقت مکروہ تنزیہی ہے، جب اس کے سوا دوسرا پانی پایا جائے اور جب کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو قطعاً مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے جس طرح فقیر کو اس کھانے کا کھانا مکروہ نہیں ہے، قہستانیؒ نے کہا کہ سب سے عمدہ یہ ہوتا کہ اس میں مرغی کا لفظ نہ لایا جاتا تو لفظ مخلاۃ اونٹ اور گائے بیل سب کو شامل ہو جاتا، اس لئے کہ مخلاۃ (کھلا ہوا) سے مراد نجاست کھانے والا جانور مراد ہے۔

تشریح پھاڑ کھانے والے پرندوں سے مراد باز، شکرہ اور شاہین وغیرہ ہیں کہ ان کا گوشت حرام ہے، لہذا ان کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے تھا مگر استحسان اس میں یہ ہے کہ یہ پرندے چونچ سے پانی پیتے ہیں، اور چونچ خشک ہڈی ہے جو پاک ہے لیکن چونکہ عموماً یہ مردار کھاتے ہیں اس لئے وہ کھلی ہوئی مرغی کے درجہ میں ہوگئے، اور اگر یہ معلوم ہو کہ ان کی چونچ پاک ہے کیونکہ وہ بند رکھے ہوئے ہوں تو ان کے جھوٹے سے وضو کرنا مکروہ نہ ہوگا، امام ابو یوسفؒ سے یہی روایت ہے اور متاخرین فقہاء نے اس کو پسند کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا ہے گھر میں رہنے والے جانوروں میں ضرورت کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ ان جانوروں کے گوشت پر قیاس چاہتا تھا کہ جب گوشت نجس و ناپاک ہے تو جھوٹا بھی ناپاک ہو، لیکن چونکہ وہ آنے جانے والے جانور ہیں ان سے بچنا دشوار ہے اس لئے نجاست کا حکم جاتا رہا، حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کے بارے میں فرمایا کہ یہ تم پر چکر لگانے والیاں ہیں

مخلاۃ وہ کھلی ہوئی مرغی جو نجاست پر آتی جاتی ہے اور اس کی چونچ اپنے پاؤں کے نیچے پہونچتی رہتی ہے، باقی وہ مرغیاں جو گھر میں بند ہوں اور جن کو ان کی خوراک ملتی ہو اس کا جھوٹا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ دوسروں کی گندگی کو نہیں پاتی ہیں، اپنی بیٹ میں چونچ نہیں مارتیں، بلکہ جو دانا سامنے رہتا ہے اسے چگتی ہیں۔

جو اونٹ اور گائے بیل گندگی کھانے کے عادی ہو جاتے ہیں اور جن کے گوشت میں بدبو آجاتی ہے ان کی قربانی بھی جائز

نہیں ہے اور اس کے کھانے کی اجازت نہیں ہے اور نہ ان کا دودھ پیا جائے گا بلکہ اس کا بیچنا اور ہبہ کرنا بھی مکروہ ہے اور اس کے پسینہ کو ناپاک کہا گیا ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کا گوشت کھانا مکروہ ہے

شارح نے صراحت کی ہے کہ نجاست کھانے والے حلال جانور کو بند کر دیا جائے مرغی کو تین دن بکری کو چار دن، اونٹ اور گائے بیل کو دس دن، پھر ذبح کیا جائے، تاکہ بدبو جاتی رہے جو حلال جانور نجاست بھی کھاتا ہے اور گھاس وچارہ بھی، اور اس کے گوشت میں بدبو نہیں ہے تو اسکا کھانا حلال ہوگا۔ گھر کے جانوروں میں ان کا جھوٹا مکروہ ہے جن میں دم مسفوح پایا جائے اور جن میں یہ خون نہیں ہے ان کا جھوٹا پاک ہے۔

فقہاء جب "مکروہ" بغیر کسی قید کے بولتے یا لکھتے ہیں تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے اسی وجہ سے مکروہ تنزیہی میں تنزیہی کا لفظ بڑھا دیا کرتے ہیں، تاکہ تحریمی مراد نہ ہو

جن جانوروں کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے محتاج کے لئے ان کا جھوٹا کھانا جائز ہے یعنی جس غذا میں اس نے منہ لگا دیا یا جو روٹی وغیرہ اس کے منہ سے گر گئی جس میں لعاب کے لگنے کا اندیشہ قوی ہے، اس کا استعمال کرنا مکروہ تنزیہی ہے لیکن اگر محتاج ایسا ہے جس کو اس کے سوا دوسری غذا حاصل نہیں ہے اس کے لئے درست ہے اور غنی کے لئے پرہیز اولیٰ ہے، باقی جس حصہ میں لعاب نہیں لگا ہے اس میں کوئی کراہت نہیں، محتاج کی قید اس لئے لگائی کہ اس کو اس کے سوا عموماً نہیں ملتا ہے اور غنی کو اس کے سوا بھی ملتا ہے

وسؤر حمار اهلى ولو ذكرا فى الاصح وبغل امه حمارة فلو فرسا او بقرة فطاهر كمتولد من حمار وحشى وبقرة ولا عبرة لغلبة الشبه لتصريحهم حل اكل ذئب ولدته شاة اعتبار اللام وجواز الاكل يستلزم طهارة السؤر كما لا يخفى وما نقله المصنف عن الاشباه من تصحيح عدم الحل قال شيخنا انه غريب مشكوك فى طهوريته لا فى طهارته حتى لو وقع فى ماء قليل اعتبر بالاجزاء وهل يطهر النجس قولان فيتوضأ به او يغتسل وتييمم اى يجمع بينهما احتياطاً فى صلوة واحدة لا فى حالة واحدة ان فقدماء مطلقاً وصح تقديم ايهما شاء فى الاصح ولو تيمم وصلى ثم اراقه لزمه اعادة التيمم والصلوة لاحتمال طهوريته

ترجمہ پالتو گدھے کا جھوٹا خواہ وہ نر ہو صحیح تر قول میں اس کا بھی جھوٹا اور اس خچر کا جھوٹا جس کی ماں گدھی ہو مشکوک ہے، اور اگر اس خچر کی ماں گھوڑی یا گائے ہو تو اس کا جھوٹا پاک ہے جس طرح اس جانور کا جھوٹا پاک ہے جو گور خر (وحشی گدھا) اور گائے سے پیدا ہوا، اور غلبہ مشابہت کا کوئی اعتبار نہیں ہے فقہاء کی یہ صراحت کر دینے کی وجہ سے کہ اس بھیڑئے کا کھانا حلال ہوتا ہے جو بکری سے پیدا ہوا ہے، ماں کا اعتبار کرنے کی وجہ سے اور کھانا حلال ہونا اس کے جھوٹے کے پاک ہونے کو لازم قرار دیتا ہے جیسا کہ یہ بات کسی باخبر سے پوشیدہ نہیں (گویا مشابہت میں غلبہ کا جنھوں نے اعتبار کیا ہے اس کے " مقصود ہیں اور وہ ملا مسکینؒ کنزالدقائق کے شارح ہیں) اور مصنف نے اپنی شرح میں اشباہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ حلال نہ ہونا ہی درست ہے اس کے متعلق ہمارے استاذ گرامی خیر الدین رملیؒ نے فرمایا کہ وہ روایت غریب و نادر ہے مشہور کے خلاف

ہے، لہذا قابل اعتماد نہیں اور گدھے و خچر کے جھوٹے کے پاک کرنے والا ہونے میں شک ہے البتہ اس کے پاک ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہاں تک کہ اگر ان کا جھوٹا تھوڑے پانی میں پڑ جائے، تو اجزاء کا اعتبار ہوگا، جھوٹے اور نفس پانی میں مقدار کے اعتبار سے جو زیادہ ہوگا اس کا حکم نافذ ہوگا، اور گدھے کا جھوٹا پانی نجاست کو دھو کر پاک کرتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ پاک کر دیتا ہے دوسرا یہ کہ پاک نہیں کرتا، تو اگر کوئی خالص پانی نہ پائے صرف یہ مشکوک پانی ہی اس کے پاس ہو اس کو اس سے وضو و غسل کرنے کے بعد پھر تیمم کرنا چاہئے، یعنی احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے، وضو کو بھی اور تیمم کو بھی اسی طرح غسل اور تیمم کو، یہ جمع کرنا ایک نماز میں ہے نہ کہ ایک حالت ادا میں، اور ان دونوں (وضو و تیمم) میں سے جس کو چاہے پہلے کرے صحیح تر قول یہی ہے اگر کسی نے تیمم کیا اور نماز پڑھی، پھر اس نے مشکوک پانی گرا دیا تو اس پر دوبارہ تیمم کرنا اور نماز پڑھنا ضروری ہوگا، اس وجہ سے کہ ہو سکتا ہے کہ وہی مشکوک پانی پاک کرنے والا ہو، کیونکہ تیمم کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ پانی پاک کرنے والا نہ ہو۔

تشریح نر گدھے کے جھوٹے میں بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وہ نجس ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نر گدھا مادہ گدھی کا پیشاب سونگھتا ہے لیکن جو لوگ مشکوک کہتے ہیں ان کا بیان یہ ہے کہ یہ پیشاب سونگھنا ایک امر موہوم ہے عام طور پر یہ نہیں ہوتا اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں

جس جانور کے ماں باپ میں سے ایک ماکول اللحم ہو جس کا گوشت کھانا حلال ہے اور دوسرا غیر ماکول اللحم ہو جس کا گوشت کھانا جائز نہیں تو اس باب میں صحیح قول یہ ہے کہ ماں کا اعتبار ہوگا اگر وہ ماکول اللحم ہے تو وہ بھی جائز اور ماکول اللحم قرار پائے گا، ورنہ نہیں اسی وجہ سے جنہوں نے کہا کہ وہ حلال نہیں ہے اس کو نا قابل اعتماد کہا گیا۔

احتیاط یہ ہے کہ جب نماز پڑھنے چلے تو وضو بھی کرے اور تیمم بھی، لیکن اگر ایسا کیا کہ گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر وضو ٹوٹ گیا اور اب اس نے تیمم کیا اور پھر وہی نماز دوبارہ پڑھی تو جائز ہے اور یہ قول صحیح ہے، ایک نماز میں دونوں کو کر لیا گو ادائے واحد میں جمع نہیں کیا۔

مشکوک پانی سے وضو پہلے کرے اور بعد میں تیمم کرے یا اس کے برعکس دونوں صورتیں جائز ہیں لیکن بعضوں نے لکھا ہے کہ قاعدہ یہ چاہتا ہے کہ پہلے وضو کرے پھر تیمم کرے

ویقدم التیمم علی نبیذ التمر علی المذهب المصحح المفتی به لان المجتهد اذا رجع عن قول لایجوز الاخذبه

ترجمہ اور مذہب صحیح یہ ہے کہ نبیذ تمر (شربت خرما) پر پہلے تیمم مقدم ہوتا ہے، یعنی نبیذ تمر ہو تو اس سے وضو نہ کرے بلکہ اس وقت تیمم کرے۔ کیونکہ نبیذ تمر (شربت خرما) سے وضو درست نہیں ہے اس قول پر جس کی تصحیح کی گئی ہے اور فتویٰ دیا گیا ہے اس لئے کہ مجتہد جس قول سے رجوع کرلے مقلد کے لئے اس پر عمل کرنا درست نہیں ہوتا ہے

تشریح نبیذ تمر اسے کہتے ہیں کہ خرما کو پانی میں بھگو دیں جس سے پانی میٹھا ہو جائے مگر پانی پتلا علیٰ حالہ باقی رہے، امام اعظمؒ کا پہلا قول یہ تھا کہ اس سے وضو جائز ہے اور جب یہی شربت خرما ہو اور کوئی پانی نہ ہو تو اس سے وضو متعین ہے تیمم کرنا درست نہیں ہے اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اس صورت میں صرف تیمم کرے، اس نبیذ سے وضو نہ

کرے۔ امام محمد کا قول ہے کہ دونوں کو جمع کرے یعنی نبیذ سے وضو بھی کرے اور پھر تیمم بھی کرے یہ تو اس صورت میں کہ نبیذ سے پانی میں گاڑھا پن نہ آئے، لیکن پانی جب گاڑھا ہو جائے اور نشہ آور ہو جائے تو اس پر تینوں کا اتفاق ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے پہلی صورت میں امام صاحبؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف تیمم کرے گویا پہلے قول میں اس سے جو وضو جائز کہا تھا اس سے رجوع فرما لیا اسی دوسرے قول کو مختار اور قابل ترجیح قرار دیا گیا ہے۔

وحکم العرق کسورٍ فعرق الحمار اذا وقع فی الماء صار مشکوکاً علی المذهب کمافی المستصفی وفی المحیط عرق الجلالة عفو فی الثوب والبدن وفی الخانیة انه طاهر علی الظاهر

ترجمہ اور پسینہ کا حکم جھوٹے پانی کے مانند ہے (یعنی جو جھوٹے کا حکم ہے وہی پسینہ کا حکم ہے جس کا جھوٹا پاک پسینہ بھی پاک اور جس کا جھوٹا ناپاک پسینہ بھی ناپاک، اور جس کا جھوٹا مکروہ پسینہ بھی مکروہ۔ کیونکہ جھوٹا متعلق ہے لعاب سے اور لعاب اور پسینہ یہ دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں، معاملہ آکر یہ ٹھہرا کہ گوشت کی بنیاد پر جھوٹے اور پسینہ کے نجس اور پاک ہونے کا فیصلہ ہوگا)

لہٰذا گدھے کا پسینہ جب پانی میں ٹپکے گا تو وہ پانی مشکوک ہو جائے گا صحیح مذہب یہی ہے جیسا کہ مستصفےٰ میں مذکور ہے اور محیط میں ہے کہ اونٹ، گائے بیل ماکول اللحم ہیں نجاست کھانے والے چوپائے کا پسینہ کپڑے اور بدن میں معاف ہے، یعنی گو وہ جانور ناپاک ہے تو پسینہ بھی ناپاک ہوا لیکن اسے معاف رکھا گیا ہے اور یہ صرف بدن اور کپڑے کیلئے ہے پانی وغیرہ کے لئے نہیں ہے اور فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ اس کا پسینہ پاک ہے ظاہر مذہب یہی ہے یعنی نجس نہیں ہے کہ اس کو معاف کہا جائے بلکہ وہ سرے سے پاک ہے اور جب پاک ہے تو جہاں بھی پڑے پاک ہی رہے گا خواہ پانی ہی کیوں نہ ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم

باب التیمم

احکام و مسائل تیمّم

ثلث به قاسیاً بالکتاب و هو من خصائص هذه الامة بلا ارتیاب هو لغة القصد و شرعاً قصد صعید شرط القصد لانه النیة مطهر خرج الارض المتنجسة اذا جفت فانها کالماء المستعمل واستعماله حقیقة او حکما لیعم التیمم بالحجر الاملس بصفة مخصوصة هذا یفیدان الضربتین رکن و هو الاصح الاحوط

ترجمہ مصنف نے تیمّم کو تیسرے درجہ میں رکھا۔ یہ قرآن پاک کی پیروی میں کیا (یعنی پہلے وضو کا ذکر کیا پھر غسل کا اور تیسرے نمبر پر تیمّم کا) قرآن پاک میں بھی ایسا ہی ہے کہ پہلے وضو کو بیان کیا ہے پھر تیمم کو، سورہ نساء میں بھی ایسا

ہی ہے اور سورۂ مائدہ میں بھی) اور کوئی شبہ نہیں کہ تیمم اس امت محمد یہ ﷺ کی خصوصیات میں ہے (اگلی امتوں کو یہ عنایت حاصل نہ تھی، اللہ تعالی نے محض اپنے لطف وکرم سے آنحضرت ﷺ کے طفیل میں یہ سہولت ہمیں عطا فرمائی تیمّم کے معنی لغت میں ارادہ کرنا ہے اور شریعت میں پاک کرنے والی مٹی کے قصد کو تیمّم کہتے ہیں، قصد کو شرط بتایا گیا، اس لئے کہ قصد نیت کو کہتے ہیں اور تیمّم میں نیت فرض ہے (اور فتح القدیر میں تیمّم کی تعریف یہ کی ہے، تیمّم پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مار کر چہرہ اور کہنیوں تک نیت کے ساتھ دونوں ہاتھ کے مسح کرنے کا نام ہے، بحر الرائق میں کہا کہ یہی تعریف درست ہے کیونکہ قصد کو نیت کہتے ہیں)

مطاھر:- یعنی مٹی پاک کرنے والی کی قید سے وہ ناپاک زمین نکل گئی جو خشک ہو جائے اس لئے کہ ایسی مٹی استعمال کئے گئے پانی کی طرح ہے یعنی خود تو پاک ہے مگر پاک کرنے والی نہیں ہے (ایسی زمین پر نماز پڑھنا درست ہے مگر اس سے تیمّم درست نہیں ہے) اور اس کا استعمال صفت مخصوصہ کے ساتھ ہو خواہ حقیقتاً ہو خواہ حکماً یہ قید اس لئے بڑھائی کہ صاف چکنے پتھر پر تیمّم کرنے کو بھی یہ شامل ہو جائے) صفت مخصوصہ کی قید نے یہ فائدہ دیا کہ دوبار مٹی پر ہاتھ مارنا تیمّم کا رکن ہے، یہی قول زیادہ صحیح ہے اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے

تشریح قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:۔اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهكم وایدیكم الایة اس کے بعد ہے فان لم تجدوا مائاً فتیمموا صعیدا طیبا جب پانی نہ پاؤ تو اس وقت تم تیمّم کرو حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئیں ہیں جو میرے پہلے آنے والے نبیوں کو عطا نہیں کہ گئیں، ایک تو میرا رعب ایک ماہ کی مسافت کی دوری سے ہی دشمنوں پر پڑنے لگتا ہے لہذا یہ میرے لئے باعث مدد ہے، دوسرے یہ کہ تمام روئے زمین میرے اور میری امت کے لئے مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے، پس میری امت کے جس شخص پر جہاں وقت آجائے نماز ادا کرلے اور پانی نہ ہو تو مٹی سے تیمّم کرلے، تیسرے مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا اور مجھ سے پہلے کسی کے لئے یہ حلال نہ ہوا، چوتھے مجھے شفاعت عطا کی گئی، پانچویں نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں ساری کائنات کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمّم صرف اس امت میں ہے پہلے کسی امت میں نہ تھا، تیمم کی صفت مخصوصہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو پاک مٹی پر ماریں پھر اگر زیادہ مٹی لگ گئی ہے تو جھاڑ دیں پھر ان سے چہرہ کو ملیں اس طرح کہ چہرہ کا کوئی حصہ ہتھیلی کے نیچے آنے سے باقی نہ رہنے پائے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو مٹی پر ماریں اور ان سے دونوں ہاتھ کو کہنیوں تک کہنی سمیت ملیں، یہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے مٹی پر مارنے کا نام ضربتین ہے یعنی دو دفعہ مارنا، اس کو بعضوں نے شرط کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ رکن ہے، کیونکہ حدیث میں التیمم ضربتان، معلوم یہ ہوا کہ دو دفعہ مارنا تیمّم کی ہیئت میں داخل ہے، لہذا اگر ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مارنے کے بعد اور مسح سے پہلے حدث ہوا تو دوبارہ ہاتھ مارنا چاہئے، پہلے سے جو مٹی لگی ہوئی ہے اس سے مسح کرنا جائز نہیں ہے، خلاصہ میں اسی کو صحیح کہا گیا ہے۔اور شمس الائمہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے البتہ اسبیجابی کا قول اس کے خلاف ہے۔

لا جل اقامة القرب خرج التيمم للتعليم فانه لا يصلى به وركنه شيئان الضربتان والاستيعاب وشرطه ستة النيّة والمسحّ وكونه بثلث اصابع فاكثروا الصعيد وكونه مطهرا وفقد الماء وسنتهٗ ثمانية الضرب بباطن كفيه واقبالهما وادبار هما ونفضهما وتفريج

اصابعه وتسميه وترتيب وولاء وزاد ابن وهبان في الشروط الاسلام فزدتهٗ وضممت سننه الثمانية في بيت آخر وغيرت شطر بيته الاول فقلت ؎ والاسلام شرط عذر ضرب ونية ..ومسح وتعميم صعيد مطهر وسنته سمي وبطن وفرجن ..ونفض ورتب وال اقبل وتدبر.

ترجمہ صفت مخصوصہ کے ساتھ تیمم کرنا عبادت کی ادائیگی کی غرض سے ہونا چاہیے، اس کہنے سے وہ تیمم خارج ہو گیا جو تعلیم اور سکھانے کے لئے ہو، اس وجہ سے کہ اس تیمم سے نماز جائز نہیں ہوگی (کیونکہ نماز کے لئے جو تیمم ہوگا وہ ایسی عبادت مخصوصہ کی نیت سے ہوگا جو بلا طہارت درست نہیں ہوتی اور تعلیم اس عبادت میں داخل نہیں ہے کیونکہ یہ بلا طہارت بھی جائز ہے) اور تیمم کے دو رکن ہیں، دونوں ہاتھوں کو دو مرتبہ پاک مٹی یا جو مٹی کے حکم میں ہو، اس پر مارنا، اور تمام اعضائے تیمم کا پورے طور پر مسح کرنا، اور اس کی چھ شرطیں ہیں، نیت کرنا، مسح کرنا، تین یا زیادہ انگلیوں سے مسح کرنا، مٹی کا ہونا، مٹی کا پاک ہونا، اور پانی کا نہ پایا جانا اس کے استعمال پر کسی وجہ سے قادر نہ ہونا جیسے بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی استعمال نہ کرنا، اور تیمم کی سنتیں آٹھ ہیں، دونوں ہتھیلیوں کو اندر کی طرف سے مٹی پر مارنا، ہتھیلیوں کو مٹی پر رکھ کر آگے کی طرف لے جانا، اور پھر ان کو پیچھے کی طرف لانا، ان دو کو جھاڑنا، مٹی پر ہتھیلی رکھتے وقت انگلیوں کو کشادہ رکھنا تاکہ ان کے درمیان غبار آجائے، بسم اللہ پڑھنا، ترتیب کا خیال رکھنا کہ پہلے منہ پر مسح ہو پھر ہاتھوں پر، مسح پے در پے (لگاتار) کرنا، اس طرح کہ اگر پانی ہوتا تو پہلا عضو خشک نہ ہونے پاتا اور ابن وہبان نے اپنے منظوم کلام میں تیمم کی شرطوں میں اسلام کی شرط زیادہ کی ہے، لہٰذا میں نے بھی اس کو زیادہ کر دیا ہے، اور تیمم کی آٹھ سنتوں کو دوسرے شعر میں ملا دیا اور اس کے پہلے مصرعہ کے نصف اول بدل ڈالا اور اس طرح کہا
والاسلام شرط عذر وضرب ونية: ومسح وتعميم صعيد مطهر: وسنة سمي وبطن وفرج : ونفض ورتب وآل واقبل وتدبر.

اور اسلام تیمم میں شرط ہے؛ اور عذر کا پایا جانا جیسے پانی کا نہ ہونا یا بیماری کی وجہ سے اس کے استعمال کا نقصان دہ ہونا، دونوں ہتھیلی کا مٹی پر مارنا، نیت کرنا، مسح کرنا، تمام اعضاء تیمم پر ہاتھ پھیرنا، مٹی کا ہونا اور اس مٹی کا پاک کرنے والی ہونا شرط ہے۔
اور تیممکی سنتیں یہ ہیں، اے تیمم کرنے والے بسم اللہ پڑھ، ہتھیلی کے اندر حصہ سے مٹی پر مار، ہتھیلی مٹی پر مارتے وقت انگلیوں کو کشادہ رکھ، پھر ہتھیلیوں کو مٹی سے جھاڑ، تیمم ترتیب کے ساتھ کر اور لگاتار تیمم کر، اور مٹی پر ہاتھ رکھ کر پہلے آگے لے جا پھر پیچھے لا۔ (تیمم کے شروط میں سے حیض اور نفاس کا نہ ہونا ہے اور جو چیز مسح کو روکنے والی ہے اس کا دور کرنا، جیسے موم اور چربی اعضائے تیمم پر لگے ہوئے نہ ہوں)

من عجز مبتدأ خبره تيمم عن استعمال الماء المطلق الكافي لطهارته لصلوة تفوت الى خلف لبعده ولو مقيما في المصر ميلا اربعة آلاف ذراع وهو اربع وعشرون اصبعا وهي ست شعيرات ظهر البطن وهي ست شعرات بغل او لمرض يشتدا يمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرك او لم يجد من يوضئه فان وجد ولو باجرة مثل وله ذلك لايتيمم في الظاهر المذهب كما في البحر وفيه لايجب على احد الزوجين توضئ صاحبه وتعهده

فی مملوکه یجب او برد یهلك الجنب او یمرضه ولو فی المصر اذا لو تکن له اجرة حمام
لا مایدفئه وما قیل انه فی زماننا یتحیل بالعدة فمما لم یاذن به الشرع نعم ان کان له مال
غائب یلزمه الشراء نسیئة والالا وخوف عدو کحیة اونار علی نفسه ولو من فاسق او حبس
عزیم او ماله ولو امانة ثم ان نشأ الخوف بسبب وعید عبدا عاد الصلوة والالا لانه سماوی
و عطش ولو بکلبه او رفیق القافلة حالا/ او مالاً وکذا العجین او ازالة نجس کما سیجئ
وقید ابن الکمال عطش دوابه بتعذر حفظ الغسالة بعدم الاناء وفی السراج للمضطر اخذه
قهرا وقتاله رکذ، فی البحر فان قتل رب الماء فهدر وان المضطرضمن بقوداودیة او عدم
آلة طاهرة یستخرج بها الماء ولو شاشا وان نقص بادلائه او شقه نصفین قدر قیمة الماء
کما لو وجد من ینزل الیه باجر تیمم لهذه الاعذا رکلها.

ترجمہ جو مطلق پانی کے استعمال سے مجبور و عاجز ہو، حلانکہ وہ پانی اس کی طہارت اور پاکی کے لئے اس نماز کے لئے جو اپنا خلیفہ چھوڑ کر فوت ہو رہی ہے کافی ہے، پانی کے ایک میل دور ہونے کی وجہ سے گو وہ شہر میں مقیم ہو، شارح نے کہا کہ اس عبارت میں ''من عجز'' مبتدا ہے اور اس کی خبر ''تیمم'' ہے جو لفظ بعد میں آرہا ہے، میل چار ہزار گز کا ہے اور گز چوبیں انگل کا اور انگلی چھ جو کی، اس طرح کی ایک جو کی پیٹھ دوسرے جو کے پیٹھ سے ملی ہوئی ہو اور جو خچر کے چھ بالوں کے برابر ہے، یا پانی کے استعمال سے عاجز کسی بیماری کی وجہ سے ہو کہ پانی کے استعمال سے وہ بیماری بڑھ جائے گی یا دراز ہو جائے گی، اور اس ظن غالب ہو یا کسی مسلمان ماہر طبیب کی رائے ہو، اگر چہ یہ شدت اور امتداد حرکت کی وجہ سے ہوتا ہو، اور بیمار و مجبور اس شخص کو نہ پائے جو اس کو وضو کرادے (اور خود اس کی طاقت نہیں رکھتا) اگر بیمار وضو کرانے والے کو جو مروجہ اجرت ہے اس پر پائے اور وہ اس اجرت کو ادا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو ظاہر مذہب میں وہ تیمم نہ کرے گا جیسا کہ بحر الرائق میں ہے، اور بحر الرائق میں یہ بھی ہے کہ میاں بیوی میں کسی ایک پر دوسرے کو وضو کرانا یا ایک دوسرے کی خبر گیری واجب نہیں ہوتی ہے اور لونڈی غلام اور اقا میں ایک دوسرے کی خبر گیری واجب ہے، یا وہ پانی کے استعمال سے اس لئے مجبور ہے کہ سردی ہے جو غسل جنابت کرنے والے کو ہلاک کرتی ہو یا بیمار کر دیتی ہو اگر چہ وہ جنابت والا شہر میں ہے، جب کہ اس کے پاس گرم پانی سے غسل کی اجرت نہ ہو اور نہ ایسی چیز ہو جس سے وہ اسے گرم کر سکے یا خود کو گرمی پہنچا سکے، اور وہ حیلہ کی بات جو کہی گئی ہے کہ ہمارے زمانہ میں اجرت کا وعدہ کرے، یہ ایسا حیلہ ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے، مفلس ہے، وہ معذور ہے تیمّم کرے حیلہ وغیرہ بیکار سی چیز ہے، ہاں اگر اس کے پاس فوری طور پر مال نہ ہو لیکن وہ مال کا مالک ہے تو اس کو ادھار لینا لازم ہو گا اور سرے سے اس کے پاس مال نہیں ہے تو خریدنا لازم نہیں ہے۔

یا مجبوری دشمن کے خوف کی وجہ سے ہو جس کا اس کی جان کو خطرہ لاحق ہو، خواہ یہ دشمن آدمی ہو یا آدمی کے سوا جیسے سانپ یا آگ کا پانی کے پاس ہونا، اگر چہ عورت کو کسی فاسق (بدکار) کا خوف ہو یا قرض خواہ کی طرف سے گرفتاری کا خوف ہو یا اپنے مال کا خوف ہو خواہ وہ مال اس کے پاس امانتا ہو (قرض خواہ کا خوف مفلس کے لئے بجا ہے لیکن اگر وہ مفلس نہیں ادا کرنے پر

قادر ہے تو پھر یہ خوف اس کے لئے عذر نہ ہوگا اور قرض ادا نہ کرنا ظلم ہوگا، پھر اگر اسے خوف کسی بندے کے ڈرانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے تو تیمم کرنے والا دوبارہ نماز پڑھے گا اور اگر یہ خوف اور ڈر کسی انسان کی طرف سے نہیں ہے تو وہ نماز کا اعادہ نہ کرے گا، اس لئے کہ یہ آسمانی خوف من جانب اللہ ہے (خلاصہ اور خانیہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان قیدی کو کسی کافر نے وضو اور نماز سے روک دیا تو وہ تیمم کر کے اشارہ سے نماز ادا کرے گا لیکن رہائی کے بعد وہ ان پڑھی ہوئی نمازوں کا وضو کر کے اعادہ کرے گا، اسی طرح جب کوئی آقا اپنے غلام سے کہے کہ تو نے اگر وضو کیا تو قید میں ڈالدونگا یا قتل کردونگا تو اس غلام کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ تیمم کر کے نماز پڑھے، لیکن جب یہ قید و بند اٹھ جائے تو پڑھی ہوئی نمازوں کو وضو کر کے پھر دوبارہ پڑھے، گو اگر صراحتاً انسان کہہ کر منع کرے تو یہ خوف بندوں کی طرف سے کہا جائے گا اور اگر اس نے صراحتاً نہیں کہا ہے خود بخود ڈرتا ہے تو یہ بندوں کی طرف سے خوف نہیں کہا جائے گا یا مثلاً بیمار رغیرہ پڑ جائے تو یہ منجانب اللہ عذر ہوگا)

یا عاجز تشنگی (پیاس) کے خوف سے ہو، خواہ ابھی ہو، یا آئندہ کا ہو، اگرچہ یہ خوف خود اپنے لئے ہو یا اپنے کتے یا رفیق سفر کے لئے ہو یعنی ان میں سے کسی کے پیاس کا خطرہ ہو (جس پانی کو پیاس کی شدت بجھانے کے لئے رکھا گیا ہو، وہ نہ ہونے کے درجہ میں شمار کیا گیا ہے، یہ اپنی پیاس کے لئے رکھا گیا ہو یا اپنے جانور یا اہل قافلہ کے لئے پھر اس قافلہ والے سے اس کی جان پہچان ہو یا نہ ہو، ہر صورت میں) اور ایسے ہی پیاس کی طرح آٹا گوندھنا یا بدن اور کپڑے سے نجاست دور کرنا ہے کہ ان کے لئے جو پانی ہو وہ نہ ہونے کی درجہ میں ہے جیسا عنقریب اس کا بیان آرہا ہے۔

اور ابن کمال نے جانوروں کی پیاس کو مقید کیا ہے کہ جب غسالہ کے محفوظ رکھنے میں برتن نہ ہونے کی وجہ سے دشواری ہو تو یہ عذر ہوگا ورنہ نہیں (یعنی اگر برتن ہو تو استعمال کیا ہوا پانی اس میں جمع کرے اور وہ جانور کو پلانے کیلئے رکھے اگر یہ انتظام ہے جانوروں کے پیاس کا خوف تیمم کے لئے عذر ثابت نہ ہوگا اور اگر یہ انتظام ممکن نہ ہو تو پانی جانور کے لئے رکھے گا اور بجائے وضو کے تیمم کر کے نماز ادا کرے گا) اور سراج میں ہے کہ جو شخص پیاس سے مر رہا ہو اس کا دوسرے شخص سے زبردستی پانی لینا اور نہ دے تو اس کے لئے لڑنا جائز ہے (بشرطیکہ خود پانی کا مالک پیاس کی وجہ سے اس کا محتاج نہ ہو ورنہ وہ غیر سے مقدم ہوگا) اور اس لڑنے میں اگر پانی کا مالک قتل کیا گیا تو اس کے خون میں شرعاً قصاص نہیں ہے اور نہ خون بہا اور نہ کفارہ، اور اگر اس لڑائی میں وہ مارا گیا جو پیاس سے مر رہا تھا تو پانی کا مالک قصاص یا دیت کا ضامن ہوگا (قتل عمد کی صورت میں قصاص کا اور شبہ عمد وغیرہ میں دیت و کفارہ کا) یا پانی کے استعمال سے مجبوری اس پاک سامان کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو جس سے پانی نکالا جائے (مثلاً کنواں ہے مگر پاک ڈول اور رسّی نہیں ہے تو یہ بھی تیمم کے لئے عذر ہے، اس وقت تک تیمم جائز نہیں جب تک تھوڑا تھوڑا بھی پانی نکل سکتا ہو (جیسے پاس میں کپڑا ہو اور وہ پانی تک پہنچتا ہو تو اس کو ڈال کر بھیگنے دے اور پھر اسے نکالکر نچوڑے اور اس پانی سے وضو کرے اگرچہ بار بار کرنے سے وضو پورا ہو) اگرچہ اس کپڑے کو لٹکانے یا دو حصوں میں پھاڑ دینے سے اس کپڑے کی قیمت اتنی گھٹ جائے جتنے اتنا پانی بطور خریداری مل سکتا تھا (اس کیصورت یہ لکھی ہے کہ کسی کی پگڑی کچے رنگ کی ہے، پانی میں ڈالنے سے وہ بدرنگ ہو جائے گی اور قیمت گھٹ جائیگی یا دوپٹہ ہے اور پھاڑ کر جوڑنے سے پانی تک پہنچتا ہے تو اس پھٹنے سے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے اور یہ کمی اتنی ہی ہے جتنی قیمت سے پانی خرید سکتا تھا تو اس کو اس صورت میں تیمم کرنا جائز نہیں ہے بذریعہ کپڑا پانی نکال کر وضو کرنا چاہئے، ہاں اگر اس کی وجہ سے جو کمی پڑتی ہے وہ پانی کی قیمت سے زیادہ خسارہ میں ہے تو تیمم جائز ہے طحطاوی میں

ہے کہ یہ مسئلہ ہمارے مذہب میں صراحتاً نہیں ہے بلکہ شافعی مذہب میں مذکور ہے البتہ بقول صاحب توشیح یہ ہمارے مذہب کے قواعد کے موافق ہے) جس طرح اگر کسی ایسے شخص کو پاوے جو کنویں میں اتر کر مروجہ اجرت پر پانی لاکر دے تو ایسی صورت میں تیمّم جائز نہیں ہے بلکہ اجرت دیکر پانی منگوانا لازم ہے (ہاں اگر وہ زیادہ اجرت مانگے تو تیمّم جائز ہوگا) ان تمام عذروں میں جس کی تفصیل اوپر گذر چکی (جیسے پانی کا میل بھر دور ہونا، بیماری سردی، دشمن یا پیاس کا خوف ہونا، آلہ کا نہ پایا جانا) عاجز و مجبور تیمّم کرے گا (ان میں سے ہر عذر ایک مستقل علت ہے جس کی وجہ تیمّم جائز ہوتا ہے۔)

تشریح مصنف نے ان تمام عذروں کی تفصیل بیان کی جن کی وجہ سے تیمّم کرنا درست ہوتا ہے شروع میں دو قید لگائی ہے ایک مطلق پانی کی اور دوسری یہ کہ وہ کافی ہو، اس لئے کہ اگر مطلق پانی نہ ہو بلکہ مقید پانی ہو جیسے شوربا وغیرہ یا وضو اور غسل کے لئے کافی نہ ہو تو وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہے اگر کسی کے پاس صرف اتنا پانی ہے کہ یا تو صرف وضو کر سکتا ہے یا صرف نجاست دھو سکتا ہے جو نماز کے لئے مانع ہے دونوں کے لئے کافی نہیں ہے تو وہ کیا کرے گا؟

جواب یہ ہے کہ نجاست کو پانی سے دھوئے اور وضو کی جگہ تیمّم کرے اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اگر اس نے ایسا کیا کہ اس پانی سے وضو کرلیا اور ناپاک کپڑے میں نماز ادا کی تو نماز تو اسکی ہو جائیگی مگر وہ گنہگار ہوگا، بحرالرائق میں خانیہ نے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

وہ نمازیں جو اپنا خلیفہ چھوڑ کر فوت ہوتی ہیں وہ پنجوقتی نماز ہے جن کا خلیفہ قضا ہے اور نماز جمعہ ہے جس کا خلیفہ ظہر ہے، اور وہ نمازیں جن کا خلیفہ نہیں ہے وہ نماز جنازہ اور نماز عیدین ہیں، ان کی قضا نہیں ہے، ان نمازوں کے واسطے پانی کے موجود ہوتے ہوئے بھی بعض صورتوں میں تیمّم کرنا جائز ہے باقی جو خلیفہ رکھتی ہیں پانی کے ہوتے ہوئے ان کے لئے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، مشروع ولو مقیما فی المصر، اس وجہ سے کہا، تیمّم کے لئے شرط یہ ہے کہ پانی نہ ہو، جہاں پانی نہ ہوگا تیمّم درست ہوگا سفر ہو یا اقامت، یہ مسئلہ صراحتاً ذکر کیا گیا ہے کہ تیمّم کے لئے سفر قلیل و کثیر دونوں برابر ہیں۔

شدت بیماری اور امتداد کا مطلب یہ ہے کہ بیمار کو ظن غالب ہے کہ وضو اور غسل کرنے کی صورت میں بیماری تیز ہو جائے گی یا طول کھینچے گی یا مسلمان طبیب ماہر یہ بتاتا ہے تو تیمّم کرنا جائز ہے، اسی طرح بیمار کے پاس پانی موجود نہیں ہے اور اس کے پیر میں پھوڑا ہے یا کوئی اور ایسی تکلیف ہے کہ اس کی وجہ سے اسے ظن غالب ہے کہ اگر میں اٹھ کر خود سے چل کر پانی لینے گیا تو بیماری لمبی ہو جائے گی تو اس صورت میں بھی تیمّم کرنا جائز ہے۔

ٹھنڈ میں جنابت کی قید لگائی کہ سردی سے بیماری یا ہلاکت کا خوف ہو تو تیمّم جائز ہے باقی ٹھنڈ میں سردی کے خوف سے وضو کی جگہ تیمّم کرنے کو درست نہیں کہا گیا ہے، مصفی میں اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وضو میں ہلاکت یا بیماری کا اندیشہ محض وہم ہے عادتاً ایسی بات کبھی دیکھی نہیں گئی۔

حَتّٰی لَوْ تَیَمَّمَ لِعَدَمِ الْمَاءِ ثُمَّ مَرِضَ مَرَضاً یُبِیْحُ التَّیَمُّمَ لَنْ یُصَلِّ بِذٰلِکَ التَّیَمُّمِ لِاَنَّ اِخْتِلَافَ اَسْبَابِ الرُّخْصَةِ یَمْنَعُ الاحسَابَ بِالرُّخْصَةِ الْاُوْلٰی وَتُصِیْرُ الْاُوْلٰی کَاَنْ لَّمْ تَکُنْ جَامِعِ الفُصُوْلِینَ فَلْیَحفَظْ

ترجمہ یہاں تک کہ اگر کسی نے پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم کیا پھر وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا جسکی وجہ سے تیمّم کرنا اس کے لئے مباح ہو گیا تو وہ اس پہلے تیمّم سے نماز نہیں پڑھے گا اس وجہ سے کہ رخصت شرعی کے اسباب کا بدل

جانا پہلی اجازت کے حساب و شمار کو روک دے گا، پس پہلی رخصت اس درجہ ہو جائے گی گویا وہ موجود ہی نہیں تھی، جامع الفصولین میں ایسا ہی مذکور ہے اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

تشریح اس میں رخصت سے مراد تیمم ہے اور اسباب سے مراد بیماری اور دشمن کا خوف، آلہ کا نہ پایا جانا، پیاس کا اندیشہ اور پانی کا ایک میل دور ہونا وغیرہ ہے، جامع الفصولین ایک کتاب کا نام ہے جس میں فصول عمادی اور فصول استر دشی کو جمع کر دیا گیا ہے۔

مُسْتَوْعِباً وَ جْهَهٗ حَتّٰى لَو تَرَكَ شَعْرَةً اَوْ دَتْرَةً مُنْخِرَةً لَمْ يَجُزْ وَيَدَيْهِ فَيَنْزِعُ الخَاتَمَ وَالسِّوَارَ اَوْيُحَرِّكُ بِه يُفْتٰى مَعَ مِرْفَقَيْهِ فَيَمْسَحُهُ الاَقْطَعُ بِضَرْبَتَيْنِ وَلَوْ مِنْ غَيْرِه اَوْمَا يَقُومُ مَقَامَهَا لِمَا فِى الخُلَاصَةِ وَغَيْرِهَا لَو حَرَّكَ رَاسَهٗ اَو اَدْخَلَهٗ فِى مَوضَعِ الغُبَارِ بِنِيَةِ التَّيَمُّمِ جَازَ وَالشَّرطُ وُجُودِ الفِعْلِ مِنهُ وَلَوْ جُنُباً اَوْ حَائِضاً طَهُرَتْ لِعَادَتِهَا اَوْنُفَسَاءُ بِمُطَهِّرٍ مِنْ جِنسِ الاَرْضِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نَقَعٌ اَىْ غُبَارٌ فَلَو لَمْ يَدْخل بَيْنَ اَصَابِعِه لَم يَحْتَجُ اِلَى ضَرْبَةٍ ثَالِثَةٍ لِلتَّخَلُلِ وَعَن مُحَمَّدٍ يَحْتَاجُ اِلَيْهَا نَعَمْ لَوْ تَيَمَّمَ غَيْرُهٗ يَضْرِبُ ثَلثاً لِلوَجْهِ وَاليُمْنٰى وَاليُسْرٰى قهستانى وَبه مُطْلَقاً عَجز عَنِ التُّرَابِ اَو لا لِاَنَّهٗ تُرَابٌ رَقِيقٌ.

ترجمہ تیمم کرے گا اس طرح کہ مسح میں اپنے پورے چہرے کو گھیر لینے والا ہو، حتی کہ اگر وہ ایک بال یا اپنے نتھنے کے کنارے کو اور یا دونوں نتھنے کے درمیان جو پردہ ہے اس کو چھوڑ دے گا تو اس کا تیمم جائز نہ ہوگا، اور تیمم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں کے ساتھ گھیر لینے والا ہو، پس مسح کرتے وقت وہ انگوٹھی اور کنگن کو نکال ڈالے یا اس کو حرکت دے یعنی اپنی جگہ سے ہٹا دے اور اس جگہ کا مسح کرے، ہاں اگر کسی کی کہنی کٹی ہو تو جتنی باقی ہے اس کا مسح کرے۔

تیمم دو بار مٹی پر ہاتھ مار کر کرے اگر چہ یہ دو دفعہ مارنا دوسرے سے واقع ہو، (اس طرح کہ دوسرے کو دوسرا مسح کرائے تو ایک دفعہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرہ پر ہاتھ پھیر دے اور دوسری دفعہ مار کر ایک ہاتھ اس کے ایک ہاتھ کا مسح کرے اور دوسرے ہاتھ سے اس کے دوسرے ہاتھ کا مسح کرائے) یا تیمم ایسے فعل سے کرے جو دو دفعہ مٹی پر ہاتھ مارنے کے قائم مقام ہے جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی نے اپنے سر کو ہلایا، اس کو غبار کی جگہ میں تیمم کی نیت سے داخل کیا تو تیمم جائز ہو جائے گا اور جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس سے فعل پایا جائے یعنی تیمم کرنے والے کا فعل پایا جائے خواہ وہ فعل مسح ہو یا ضرب ہو یا ضرب کے علاوہ، اگر چہ تیمم کرنے والا جنبی ہو یا حائضہ ہو جو اپنی عادت کے مطابق پاک ہو چکی ہو یا حالت نفاس میں ہو، تیمم اس پاک کرنے والی چیز سے کرے جو زمین کی جنس سے ہو اگر چہ اس پر گرد و غبار نہ ہو، لہذا اگر اس کی انگلیوں کے درمیان میں گرد و غبار داخل نہ ہو تو تیسری بار ہاتھ مارنے کی خلال کے لئے ضرورت نہیں ہے، اور امام محمد سے روایت ہے کہ اگر انگلیوں کے بیچ میں گرد و غبار داخل نہ ہو تو تیسری مرتبہ ہاتھ مٹی پر مارنے کی ضرورت ہے، ہاں اگر دوسرے کو تیمم کرائے تو وہ تین بار زمین پر ہاتھ مارے، ایک بار چہرہ پر مسح کرنے کیلئے، دوسری بار داہنے ہاتھ کے واسطے اور تیسری بار بائیں ہاتھ کے واسطے

قہستانی میں ایسا ہی ہے، اور غبار سے تیمم ہر طرح جائز ہے، مٹی ملے یا نہ ملے، اس لئے کہ غبار باریک مٹی ہی ہے۔

تشریح حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا علیہ السلام نے فرمایا التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للزراعين الى المرفقين، تیمم دو بار دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کا مٹی پر مارنا ہے، ایک ضرب چہرے پر مسح کرنے کے واسطے اور دوسری ضرب دونوں کلائیوں کے لئے دونوں کہنیوں کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین اس حدیث کو کہتے ہیں مگر حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور دار قطنی نے کہا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، کوئی شبہ نہیں کہ باب تیمم میں مختلف احادیث آئی ہیں جو بڑی حد تک متعارض معلوم ہوتی ہیں، بعض میں ضربتین کا لفظ آیا، بعض میں ضربۃ واحدۃ کا لفظ آیا، بعض میں کفین کا لفظ آیا اور بعض میں یدین الی المرفقین کا اور بعض میں مطلق یدین کا، احناف نے اس حدیث کو اختیار کیا جس میں سب سے بڑھ کر احتیاط ملحوظ ہے، مثلاً ضربتین والی روایت لی جس میں ضربۃ واحدۃ خود بخود داخل ہو جاتی ہے، اس طرح زراعین الی المرفقین والی روایت لی جس میں مسح کفین سے لے کر مرفقین تک شامل و داخل ہے۔

وما يقوم مقامها کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرب تیمم کا رکن نہیں ہے حالانکہ اکثر کتابوں میں ضرب یعنی ہاتھ کو مٹی پر مارنے کا ذکر ہے، البتہ فقہ کی اصل و بنیادی کتاب مبسوط الامام محمدؒ میں بجائے ضرب کے وضع کا لفظ آیا ہے، ابن شجاع نے کہا کہ ضرب رکن ہے، اور اسبیجابی نے کہا کہ رکن نہیں ہے، پہلے کی بنیاد پر اگر ضرب کے بعد حدث واقع ہوا یا بعد ضرب نیت کی تو یہ ضرب کافی نہ ہوگا، اور دوسرے قول کی بنیاد پر اگر ضرب کے بعد حدث واقع ہوا یا اس کے بعد نیت کی تو یہ کافی ہوگا، فتح القدیر میں ہے کہ دلیل کی رو سے ضرب کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس وجہ سے قرآن میں فقط مسح کا ذکر ہے اور حدیث میں یقیناً ضربتین کا لفظ آیا ہے تو یہ عام ہے مراد مسح ہے اور عادت یہی ہے اس لئے اسے ذکر کیا۔

تیمم میں زمین کی جنس سے مراد وہ چیز ہے جو آگ سے نہ پگھلے اور نہ جل کر بالکل راکھ ہو جائے، چنانچہ پتھر گچ، چونا، سرمہ، ہڑتال، گندھک اور یاقوت، زبرجد، فیروزہ، عقیق، پختہ اینٹ وغیرہ میں دو روایتیں ہے مگر فتوی یہ ہے کہ ان سب پر تیمم جائز ہے، مختصر یہ کہ جو چیز پگھلنے اور جل کر خاکستر ہونے والی نہیں ہے اس پر تیمم جائز ہے اور جو ایسی نہ ہو اس پر تیمم جائز نہیں۔

فَلا يَجُوزُ بلُؤلُو وَلَو مَسحُوقاً لِتولده مِنْ حَيوَان البحر وَلا بمَرجَان لِشبهه بالنَّبَاتِ لِكَونِه اَشجَاراً نَابتَةً فِي قَعرِ البَحرِ عَلَى مَاحَرَّرَهُ المُصَنِّفُ وَلاَ بمُنطَبعِ كَفِضَّةٍ وَزُجَاجٍ و مترمد بالاحتِرَاق اِلا رَمَادِ الحَجَرِ فَيجُوزُ كحَجَرٍ مَدقُوقةٍ اَو مَغسُول اَو حَائطٍ مَطِين اَو مجصص اَو اَوَانٍ مِن طِينٍ غيرَ مَدهُونَةٍ وطِيين غير مَغلُوبٍ بمَاءٍ لكِنّ لاَينبَغِي التَّيمُّمُ به قَبلَ خَوفِ فَوتِ وَقتٍ لِئَلاَّ يَصِيرُ مثلَةً بلا ضَرُورَةٍ وَمُعَادِنِ فِي مَحَالهَافَيجُوزُبتُرَابٍ عَلَيهَاوَقَيدَهُ الاَسبيجَابى بَانَ يَستَبِينَ اَثَرُ التُّرَابِ بمَديدهِ عَلَيهِ وَاِن لَم يَستَبِن لَم يَجُزْ وَكَذَا كُلُّ مَا لاَ يَجُوزُ التَّيمّمُ عَلَيهِ كَحِنطَةٍ وَجوخَةٍ فَليُحفَظْ.

ترجمہ (چونکہ تیمم کے لئے جنس زمین کا ہونا شرط ہے) لہٰذا موتی سے تیمم جائز نہیں ہوگا گو وہ پیسا ہوا ہو، اس وجہ سے کہ موتی کی پیدائش سمندر کے ایک جانور سے ہے اور نہ مونگے (مرجان) سے تیمم جائز ہوگا اس لئے کہ وہ پودے کے مشابہ ہے اور مونگا ان درختوں میں سے ہے جو سمندر کی گہرائی میں اگتے ہیں جیسا کہ مصنف نے اپنی شرح میں تحریر فرمایا ہے اور

تیمم جائز نہیں ہوتا ہے اس چیز سے جو آگ سے پگھل جاتی ہو جیسے چاندی اور کانچ، اور تیمم جائز نہیں ہوتا اس چیز سے جو آگ میں جل کر راکھ ہو جائے جیسے لکڑی وغیرہ مگر ہاں پتھر کی راکھ سے تیمم جائز ہوتا ہے، اسی طرح جس طرح پیسے ہوئے یا جلے ہوئے پتھر سے تیمم جائز ہے (خواہ اس پر غبار نہ ہو) اور تیمم جائز ہے پیسی ہوئی اور سمنٹ لگائی ہوئی دیوار سے اور مٹی کے برتنوں سے جن کے اوپر روغن چڑھا ہوا نہیں ہے، اور اس گیلی مٹی سے جس پر پانی غالب نہیں ہے، مگر گیلی مٹی سے تیمم اس وقت کرنا چاہئے جب وقت کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تاکہ بلا ضرورت بدشکل بننے کی نوبت نہ آئے، اور کان کی چیزوں پر تیمم جائز ہے جب تک وہ اپنی اصلی جگہوں میں ہیں یعنی جب تک مٹی اس سے لگی ہوئی ہے اس مٹی سے تیمم جائز ہوتا ہے اور اسبیجابی نے کان کی چیزوں پر تیمم کے لئے قید لگائی ہے کہ اس پر مٹی کا اثر ظاہر ہو اور مٹی کا اثر اس پر ظاہر نہ ہو تو تیمم جائز نہ ہوگا، اور ایسے ہی ہر وہ چیز ہے جس پر تیمم جائز نہیں ہوتا جیسے گیہوں اور بانات، اسے یاد رکھنا چاہئے۔

تشریح صاحب بحر نے فتح القدیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مرجان (مونگے) سے تیمم جائز نہیں ہے، یہاں اسکی تردید کردی اور بتادیا کہ مونگے سے تیمم جائز ہے۔ صاحب فتح القدیر سے اس مسئلہ میں بھول ہوگئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غایۃ البیان، توشیح، عنایہ، محیط، معراج الدرایہ اور تبیین میں مرجان سے تیمم کے جواز کو ثابت کیا ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں دونوں قول میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ جن لوگوں نے ناجائز کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ مرجان (مونگا) موتی کے پانی سے پیدا ہوتا ہے اور تجربہ کار لوگ اس کی شہادت بھی دیتے ہیں اور جو لوگ جواز کے قائل ہیں وہ مرجان (مونگا) کو زمین کی جنس سے سمجھتے ہیں، دیکھئے طحطاوی۔

مٹی کے روغن کئے ہوئے برتن سے جب تیمم جائز نہیں ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ چینی کے برتن سے بھی تیمم جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس پر کانچ کا روغن ہوتا ہے، البتہ اگر اس کی پالش جنس زمین کی کسی چیز سے ہو تو بلاشبہ تیمم جائز ہوگا، جیسے گیرو کا ملمع ہو تو جائز ہوگا جیسا کہ بحر الرائق سے معلوم ہوتا ہے، اور گیلی مٹی جیسے گارا، اگر مٹی غالب ہے اور پانی مغلوب تو تیمم جائز ہوگا اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی پانی غالب ہو اور مٹی مغلوب یا دونوں برابر ہوں تو تیمم جائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ متن میں صراحت ہے کہ اس طرح کی چیزوں میں غالب کا اعتبار ہوتا ہے مغلوب کا نہیں ہوتا، گیلی مٹی سے تیمم اولی کے خلاف ہے، یوں کرنا جائز ہے، والوالجیہ میں ہے کہ مسافر ایسی جگہ ہو جہاں خشک مٹی نہ ہو صرف گارا اور گیلی مٹی ہو تو اپنا کپڑا جھاڑے اگر اس سے گرد وغبار نکلے تو اس پر تیمم کرے اور اگر نہ نکلے تو گیلی مٹی اپنے کپڑے پر ہلکی سے لگائے تاکہ جلد خشک ہو جائے اور اس کے خشک ہونے کے بعد اس سے تیمم کرے اور وقت کے چلے جانے کا خطرہ پیش آجائے تو بدرجہ مجبوری گیلی مٹی سے تیمم کرسکتا ہے، اتنا اہتمام اس لئے ہے کہ گیلی مٹی چہرہ پر ملے گا تو اس سے بھوت سی شکل بن جائے گی۔

وہ چیزیں جو کان میں پیدا ہوتی ہیں ان سے تیمم اسی وقت تک جائز ہے جب تک ان پر مٹی لگی ہوئی ہو جیسے مٹی لگا ہوا لوہا، چاندی، سونا کہ ان پر تیمم جائز ہے، اور جائز ہونے کی وجہ یہ مٹی ہے جو اس پر چپکی ہوئی ہے، غبار سے تیمم کرنے کی صورت عالمگیری میں یہ لکھی ہوئی ہے کہ جس چیز پر غبار ہے اس پر اپنے دونوں ہاتھ مارے جیسے کپڑا، تکیہ، لوہا جن پر گرد جمی ہوئی ہو، جب گرد غبار ہاتھ پر آئے تو اس سے تیمم کرے۔

وَالحُكمُ لِلغَالِبِ لَو اِختَلَطَ تُرَابٌ بِغَيرِهِ كَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ وَلَو مَسبُوكَينِ وَ اَرضٌ مُحتَرِقَةٌ

فَلَو الغلبة لِتُرابٍ جازَ وَاِلا لا خانِيه وَمِنهُ عُلِمَ حُكمُ التَّساوِىّ وَجازَ قَبلَ الوَقتِ وَلا كثرَ مِن فَرضٍ وَجازَ لِغيره كَالنَّفلِ لاَنَّهُ بَدَلٌ مُطلَقٌ عِندَنَالاضَرُورِىٌّ وَجازَ لِخوفِ فَوتِ صَلٰوةِ جَنازَةٍ اَى كُلِّ تكبيراتِهَا وَلَو جُنُباً اَو حَائِضاً وَ لَو جِئَ بِاُخرٰى اِن اَمكَنَهُ التَّوضى بَينَهُمَا ثُمَّ زَالَ تَمكِنَهُ اَعادَ التَّيَمُّمَ وَ اِلا لانهُ بِهٖ يُفتٰى اَوقوت عيدٍ بِفراغِ اِمَامٍ اَوزوَالِ شَمسٍ وَلَو كَانَ بِنَاءً بَعدَ شُرُوعِهِ مُتَوَضِّئاً وَسَبَقَ حَدَثَهُ بلاَ فَرقٍ بَينَ كَونِهِ اِمَاماً اَو لا فِى الاَصَحِّ لاَنَّ المَنَاطَ خَوفُ الفَوتِ لا اِلَى بَدَلٍ فَجازَ لِكُسُوفٍ وَسنن رَوَاتِبٍ وَلَو سُنَّةِ فَجرٍ خَافَ فَوتِهَا وَحدَهَا وَلِنَومٍ وَسَلامٍ وَردة وَاِن لَّم تجزُ الصَلٰوةُ بِهٖ قَالَ فِى البَحرِ وَكَذا لِكُلِّ مَالا يَشتَرِطُ لَهُ الطَّهارَةُ لِمَا فِي المُتبغى وَ جَازَ لِدُخُولِ مَسجدٍ مَعَ وُجُودِ المَاءِ وَلِلنَومِ فِيهِ وَاَقَرَّهُ المُصَنِّف لكِنَّ فِى النَّهرِ الظَّاهِرِ اَنَّ المُرَادَ المتبغى لِلجُنُبِ فَسقَطَ الدَّلِيلُ وَقُلتُ وَفِى المُنيَةِ وَشَرحِهَا تيممه لِدُخُولِ مَسجدٍ وَمَسِّ مُصحَفٍ مَعَ وُجُودِ المَاءِ لَيسَ بِشَئٍ بَلْ هُوَ عَدَمٌ لاَنَّهُ لَيسَ لِعِبَادَةٍ يَخافُ فَوتِهَا لكِنَّ فِى القَهستَانِى عَنِ المُختَارِ المُختَارِجوَازه مَعَ المَاءِ لِسَجْدَةِ التِّلاوَةِ لكِنَّ سَيجِئُ تَقيِيدُهُ بِالسَّفرِ لا الحَضرْ ثُمَّ رَأَيتُ فِى الشّرعَةِ وَشُرُوحِهَا مَايُؤَيِّدُ كَلام البَحرِ قَالَ فَظَاهِرُ البَزازِيةِ جوَازه لِتِسعٍ مَعَ وُجُودِ المَاءِ وَاِن لَّم تَجزُ الصَّلٰوةُ به قُلتُ بَلْ لِعَشرٍ بَل لاكثرَ لِمَا مَرَّ مِنَ الضَابطِ اَنَّهُ يَجُوزُ لِكُلِّ مَالا تَشتَرِطُ الطَّهارَةَ لَهُ وَلَو مَعَ وُجُودِ المَاءِ وَاَمّمَا تَشتَرِطُ لَهُ فَيَشتَرِطُ فَقدُالمَاءِ كَتَيَمُّمٍ لِمَسِّ مُصحَفٍ فَلا يَجُوزُ لِوَاجدِ المَاءِ وَاَمّا لِلقِرَاءَ ةِ فَاِن مُحدِثًافَكَالْاَوّلِ اَو جُنُبًا فَكَا الثَّانِى وَقَالُوا لَو تيَمّمَ لِدُخُولِ مَسجدٍ اَو لِقِرَاءَ ةٍ وَلَو مِن مُصحَفٍ اَو مَسِّهِ اَو كِتَابَتِهِ اَو تَعلِيمِهِ اَو لزِيَارَةِ قُبُورٍ اَو عِيَادَةِ مَرِيضٍ اَو دَفنِ مَيِّةٍاَو اذَانٍ اَو اِقَامَةٍ اَو اِسلامٍ اَو سَلامٍ اَو رَدِّهِ لَم تَجزُ الصَّلٰوةُ بِه عِندَ العَامّةِ بِخِلافِ صَلٰوةِ جَنازَةٍ اَو سَجدَةِ تِلاوَةٍ فَتَاوٰى شَيخُنَا خَيرُ الدِّين رَملِى قُلتُ وَظَاهِره اَنّهُ يَجُوزُ لَهُ فِعلُ ذٰلِكَ فَتَأَمَّلْ.

ترجمہ اگر دوسری ایسی چیز کے ساتھ مٹی ملی ہوئی ہو جس پر تیمم جائز نہیں تو اس وقت غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر مٹی غالب ہوگی اس کا اعتبار ہوگا اور کم ہوگی تو اس چیز کا اعتبار ہوگا جس پر تیمم جائز نہیں جیسے سونا اور چاندی اگر دونوں پگھلے ہوئے ہوں (لیکن بحر الرائق میں یہ تفصیل ہے کہ پگھلے ہوئے چاندی سونے سے تیمم جائز نہیں ہے البتہ اگر وہ پگھلے ہوئے نہ ہوں بلکہ وہ مٹی میں ملے ہوئے ہوں اور سونا چاندی پر مٹی غالب ہو تو اس پر تیمم جائز ہے، اور زیلعی میں ہے کہ سونا، چاندی، لوہا، تانبا اور اس جیسی چیز پر تیمم اس وقت جائز ہے جب وہ زمین میں ہوں اور ان سے پگھلا کر کوئی چیز نہ بنائی گئی ہو، پگھلانے کے بعد ان سے تیمم جائز نہیں ہے) اور جلی ہوئی مٹی اگر راکھ سے ملی ہوئی ہے تو اگر اس راکھ پر مٹی غالب ہے تو تیمم جائز ہے اور اگر غالب

نہیں ہے بلکہ برابر ہے یا مغلوب ہے تو تیمّم جائز نہیں ہے (اور اگر صرف مٹی جل کر سیاہ ہو گئی ہے تو اس پر تیمّم جائز ہے)۔
اور نماز کے وقت سے پہلے تیمّم کرنا جائز ہے اور ایک سے زیادہ فرض کے لئے بھی درست ہے اور فرض کے علاوہ نمازوں کے لئے بھی تیمّم جائز ہے جیسے نماز نفل، کیونکہ ہمارے نزدیک تیمّم وضو اور غسل کا مطلقاً بدل ہے ضروری بدل نہیں ہے (یعنی جب پانی موجود نہ ہو تو تیمّم اس کا بدل مطلق ہے اس سے حدث دور ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ حدث تیمّم کے بعد بھی باقی رہتا ہے اور اس کے بعد صرف نماز پڑھنا مباح قرار پاتا ہے جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم بدل ضروری ہے اور نماز کو مباح کرنے والا، باقی حدث حقیقتاً موجود رہتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک نماز کے وقت سے پہلے وضو کرنا درست نہیں ہے اور ایک تیمّم سے صرف ایک فرض نماز پڑھنا جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں، اور ہمارے یہاں چونکہ بدل مطلق ہے لہٰذا ایک تیمّم سے جتنی نمازیں فرض نفل چاہے پڑھ سکتا ہے جس طرح ایک وضو سے پڑھ سکتا تھا) اور نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خوف ہو یعنی اس کی تمام تکبیرات کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو تیمّم کر سکتا ہے اگرچہ تیمّم کرنے والا جنبی مرد و عورت یا حائضہ عورت ہو (لیکن اگر ایسا نہیں ہے یعنی بعض تکبیروں کے پالینے کا یقین یا ظن غالب ہو یا معلوم ہو اس کا انتظار لازمی طور پر ہو گا تو پھر تیمّم درست نہیں ہے ایک جنازہ تیمّم سے پڑھ چکا تھا کہ دوسرا جنازہ لایا گیا اگر اس تیمّم کرنے والے کو ان دونوں جنازوں کے درمیان وضو کرنا ممکن ہوا تھا مگر پھر یہ امکان یا قدرت زائل ہو گئی تو دوسرے جنازہ کے لئے دوبارہ تیمّم کرے اور اگر دونوں کے درمیان وضو کی قدرت پیدا نہ ہوئی تو دوبارہ تیمّم کی ضرورت نہیں پہلے ہی تیمّم سے نماز جنازہ پڑھے گا اسی آخیر قول پر فتوی ہے اور اسی طرح تیمّم کرنا اس وقت جائز ہے جب عید کی نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہو، اس طرح کہ اگر وہ وضو کرنے لگا تو امام نماز سے فارغ ہو جائے گا یا آفتاب ڈھل جائے گا اور عید کی نماز کا وقت جاتا رہے گا لیکن اگر نماز عید کے کسی حصہ کے ملنے کی امید ہے تو وضو کرے تیمّم جائز نہیں ہے) یہ تیمّم بنا کے وقت بھی درست ہے کہ نماز جنازہ اور نماز عید وضو کر کے شروع کی تھی، درمیان نماز میں حدث لاحق ہو گیا اب خوف ہے کہ اگر وضو کرتا ہے تو اس کی نماز فوت ہو جائیگی تو ایسی صورت میں بھی تیمّم کر کے بنا کرنا درست ہے، اس میں کوئی فرق نہیں کہ بنا کرنے والا امام ہے یا امام نہیں ہے یعنی جب نماز جنازہ اور نماز عید کے فوت کا خطرہ ہو تو امام ہے تو وہ بھی تیمّم کر سکتا ہے اور مقتدی ہے تو وہ بھی، کیونکہ تیمّم کے جائز ہونا کا مدار نماز چھوٹ جانے کا خوف ہے جس کا کوئی بدل یعنی اس کی کوئی قضا نہیں ہے، جب تیمّم کے جائز ہونے کا مدار نماز کے فوت ہونے کا خوف ٹھہرا تو سورج اور چاند گہن کی نماز کے واسطے مؤکدہ سنتوں کے واسطے خواہ وہ سنت فجر ہی کیوں نہ ہو اور صرف اسی سنت کے چھوٹنے کا خوف ہو، فرض فجر کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو تو ان سب میں تیمّم جائز ہے (یعنی جب یہ خوف ہو کہ وضو کے لئے جب تک پانی تک پہونچا جائے گا سورج گہن ختم ہو چکے گا یا ظہر اور مغرب کی فرض ادا کر چکنے کے بعد کسی کا وضو ٹوٹ گیا اور پانی سے وضو کرنے میں خوف ہے کہ وضو کرتے کرتے وقت نکل جائے گا تو اس کے لئے تیمّم کر کے سنتیں پڑھ لینا جائز ہے اور سنت فجر بغیر فرض فوت ہونے کی صورت یہ ہے کہ پانی میل بھر سے کم دوری پر ہے، خادم پانی لینے گیا ہے لیکن اسے یقین ہے یا ظن غالب ہے کہ جب خادم پانی لے کر پہنچے گا اس وقت صرف وضو کرنے اور بمشکل فرض ادا کرنے کا وقت ملے گا تو ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ تیمّم کر کے سنت فجر پڑھ لے، جب پانی آوے فوراً وضو کرے اور فرض نماز ادا کرے، طحطاوی میں ہے کہ فقط سنت فجر کے چھوٹنے کے خوف کی شرط اس لئے ہے کہ اگر خوف یہ ہو کہ فرض کے ساتھ سنت بھی چھوٹ جائے گی تو پھر تیمّم کرنا جائز نہ ہو گا اس وجہ سے کہ

جب دونوں چھوٹ جائیں گے تو اس وقت فرض کی قضا کے ساتھ سنت فجر پڑھنا درست ہے)

اگر سونے، سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کے لئے باوجود پانی ہونے کے تیمم کرنا جائز ہے، اگر چہ اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے (اس وجہ سے کہ نماز کیلئے تیمم اس وقت جائز ہوتا ہے جب پانی نہ پایا جائے یا وہ پانی کے استعمال پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو، اور اس تیمم میں ایسی عبادت مخصوصہ کی نیت کرے جو بغیر تیمم جائز نہیں) بحر الرائق میں کہا ہے کہ باوجود پانی ہونے کے ان تمام عمل کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جس کیلئے طہارت کی شرط نہیں ہے، اس دلیل کے پیش نظر جو متبغی نامی کتاب میں ہے اور وہ یہ ہے کہ باوجود پانی موجود ہونے کے مسجد میں داخل ہونے اور مسجد میں سونے کے لئے تیمم کرنا جائز ہے اور مصنف نے اپنی شرح میں اس کو برقرار رکھا ہے کوئی رد نہیں کیا ہے، لیکن نہر الفائق میں ہے کہ متبغی کی اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم جنبی کے لئے ہے تو اس طرح سے بحر الرائق کی دلیل ساقط ہو جاتی ہے (یعنی یہ جو بحر الرائق نے اوپر بیان کیا ہے وہ قاعدہ کلیہ نہیں رہا کیونکہ جنبی کے لئے طہارت شرط ہے لیکن حلبی نے نہر الفائق پر اعتراض کیا ہے کہ مبتغی کے کلام کو جنبی کے ساتھ مخصوص کرنا مسلم نہیں ہے، اس وجہ سے کہ پانی یا تو مسجد کے باہر ہے یا اندر اگر باہر ہے تو جنبی کا باہر پانی ہونے کے باوجود مسجد میں داخل ہونا ہمارے علماء کے نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر پانی مسجد کے اندر ہے اور یہی احتمال سہی ہے مگر یہ احتمال مبتغی کے عبارت سے میل نہیں کھاتی کیونکہ اس میں "للنوم فیه" کا لفظ بھی آیا ہے) میں کہتا ہوں کہ منیۃ المصلی اور اس کی شرح میں ہے کہ مسجد میں داخل ہونے اور قرآن پاک چھونے کے لئے باوجود پانی ہونے کے تیمم کرنا کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ معدوم ہے یعنی کرنا نہ کرنے کے برابر ہے اس لئے کہ مسجد میں داخل ہونا اور قرآن پاک کا چھونا کوئی ایسی عبادت نہیں جس کے فوت ہو جانے کا خوف ہو، لیکن قہستانی میں مختار سے نقل کیا گیا ہے کہ تیمم کے سلسلہ میں پسندیدہ قول یہ ہے کہ پانی پائے جانے کے باوجود سجدہ تلاوت کے لئے تیمم کرنا جائز ہے، لیکن عنقریب عبارت آرہی ہے کہ تیمم کے جائز ہونے کی قید سجدۂ تلاوت کے لئے سفر میں ہے نہ کہ حضر اور اقامت میں، یعنی صفر میں ایسا کرنا جائز ہے حضر میں جائز نہیں ہے، پھر میں نے شرعۃ الاسلام اور اس کی شرحوں جو کچھ دیکھا اس سے بحر الرائق کے کلام کی تائید ہوتی ہے، اس میں کہا کہ فتاوی بزازیہ کا ظاہر یہ ہے کہ پانی پائے جانے کے باوجود نو چیزوں کے لئے تیمم کرنا جائز ہے، اگر چہ اس تیمم سے نماز جائز نہیں ہوتی ہے

میں کہتا ہوں کہ نو نہیں بلکہ دس یا اس سے زیادہ بھی چیزوں کے لئے پانی ہونے کے باوجود تیمم جائز ہے کیونکہ یہ قاعدہ گذر چکا ہے کہ **انه یجوز لکل مالا تشترط الطهارة له ولو مع وجود الماء** یعنی ہر اس کام کے لئے تیمم جائز ہوتا ہے جس کے لئے طہارت کی شرط نہیں ہے اگر چہ پانی موجود ہو اور جس کام کے لئے طہارت شرط ہے وہاں تیمم کے جائز ہونے کے لئے پانی کے نہ پائے جانے کی شرط ضروری ہوگی، جیسے قرآن پاک چھونے کے لئے تیمم اس شخص کے واسطے جائز نہیں ہے جو پانی پار با ہو، باقی رہا قرآن پاک پڑھنے کے واسطے تیمم کا مسئلہ تو اگر وہ بے وضو ہے تو وہ پہلی صورت کے مانند ہے یعنی پانی کے باوجود اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے اور یا اگر وہ جنبی ہے تو دوسری صورت کے مثل ہے یعنی پانی رہتے ہوئے اس کے لئے تیمم جائز نہیں ہے، اور فقہاء نے کہا کہ اگر کسی نے مسجد میں داخل ہونے یا قرآن پڑھنے کے واسطے وضو کیا گو وہ قرآن دیکھ کر پڑھے، یا اس نے قرآن پاک چھونے یا اس کے لکھنے یا اس کی تعلیم دینے کے واسطے وضو کیا یا قبروں کی زیارت یا کسی بیمار کی عیادت یا کسی مردہ کے دفن کرنے کے واسطے وضو کیا، یا اس نے وضو کیا تھا اذان دینے یا تکبیر کہنے یا مسلمان ہونے یا سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کے

واسطے تو ایسے تیمم سے اس کیلئے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے بر خلاف نماز جنازہ اور سجدۂ تلاوت کے کہ اگر ان میں سے کسی کے واسطے تیمم کیا تھا تو اس تیمم سے نماز پڑھنا جائز ہے، بشر طیکہ پانی موجود نہ ہو یہ مسئلہ ہمارے استاد شیخ خیر الدین رملی کے فتاوی میں مذکور ہے، میں کہتا ہوں کہ فتاوی رملی میں جو کچھ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس کیلئے سجدۂ تلاوت کے لئے تیمم کرنا درست ہے لہذا اس مسئلہ میں غور کر لیا جائے

حلبیؒ نے کہا غور و تامل کے بعد ہم نے اسے صحیح پایا اور طحطاوی میں ہے کہ اگر شارح کی مراد یہ ہے پانی کے پائے جانے کے باوجود سجدۂ تلاوت کیلئے تیمم کرنا درست ہے تو یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں اور یہ متفقہ طور پر ناجائز ہے اور اگر شارح کی مراد یہ ہے کہ جب پانی نہ ملے تو تیمم کرنا جائز ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالاتفاق درست ہے اور پھر شارح کے اس کلام کا کچھ حاصل نہیں)

لَایَتَیَمَّمُ لِفَوتِ جُمُعَۃٍ وَوَقتٍ وَلَووِترٍ لِفَوَاتِھَا اِلَی بَدَلٍ وَقِیلَ تَیَمَّمَ لِفَوتِ الوَقتِ قَالَ الحَلَبِیُّ فَالاَحوَطُ اَن یَتَیَمَّمَ وَیُصَلِّیَ ثُمَّ یُعِیدُہٗ وَیَجِبُ اَی یَفتَرِضُ طَلَبُہٗ وَلَو بِرَسُولِہٖ قَدرَ غَلوَۃٍ ثَلٰثِمِائَۃِ ذِرَاعٍ مِن کُلِّ جَانِبٍ ذَکَرَہُ الحَلَبِیُّ وَفِی البَدَائِعِ الاَصَحُّ طَلَبُہٗ قَدرَ مَالَا یَضُرُّ بِنَفسِہٖ وَرُفقَتِہٖ بِالاِنتِظَارِ اِن ظَنَّ ظَنًّا قَوِیًّا قُربَہٗ دُونَ مِیلٍ بِاَمَارَۃٍ اَو اِخبَارِ عَدلٍ وَاِلَّا یَغلِبُ عَلٰی ظَنِّہٖ قُربُہٗ لَا یَجِبُ بَل یُندَبُ اِن رَجَا وَاِلَّا لَا وَلَو صَلّٰی بِتَیَمُّمٍ وَثَمَّہٗ مَن یَسئَلُہٗ ثُمَّ اَخبَرَہٗ بِالمَاءِ اَعَادَ وَاِلَّا لَا۔

ترجمہ نماز جمعہ اور وقتی نماز اور وتر کے فوت ہونے کی وجہ سے تیمم نہیں کر سکتا ہے کیوں کہ ان نمازوں کا بدل قضا کی صورت میں موجود ہے (جمعہ کے بدلہ میں ظہر اور دوسری نمازوں کی قضا بخلاف نماز جنازہ اور عید کے کہ ان کی قضا نہیں ہے اور اسی واسطے وہاں جائز ہے) اور کہا گیا ہے کہ جب وقت کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہو تو وضو چھوڑ کر جلدی میں تیمم کر سکتا ہے، منیۃ المصلی کے شارح نے کہا تو اس صورت میں احتیاط یہ ہے کہ تیمم کر کے جلدی سے نماز پڑھ لے پھر بعد میں وضو کر کے اس نماز کو (بطور قضا کے) لوٹائے اور پانی کا ہر چہار طرف اتنی دوری تک تلاش کرنا فرض ہے جتنی دور تک تیر جا کر عموماً گرتا ہے خواہ اپنے آدمی کو بھیجکر ہی کیوں نہ ہوں، تیر تین سو گز کی دوری تک جاتا ہے اور فقہاء میں حلبی نے اس کو ذکر کیا ہے (ہر چہار طرف کا مطلب یہ نہیں ہے خواہ مخواہ ہر سو آدمی بھیجے، بلکہ منشا یہ ہے ان چار سمتوں میں سے جس سمت پانی کی توقع ہو خود جا کر تلاش کرے یا کسی آدمی کو بھیج کر معلوم کرے، دوری میں فقہاء نے بیان کیا ہے، کہ تین سو گز سے چار سو گز تک تلاش کرے) اور بدائع میں ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ پانی اتنی دور تک جا کر تلاش کرے جس قدر انتظار کرنے سے نہ خود اس کو نقصان اور یہ کہ اس کے ساتھ سفر کرنے والے ساتھیوں کو (معلوم ہو کہ اگر پانی کی تلاش میں خود اس کو یا اس کے رفقاء سفر کو ضرر کا اندیشہ ہو تو تلاش کا ترک کر دینا جائز ہے) اور پانی کا تلاش کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے جب کہ ایک میل سے کم دوری میں پانی ملنے کی قوی امید ہو، یہ امید کسی خاص علامت کے ذریعہ ہو یا کسی عادل اور پرہیز گار کے خبر دینے سے اور اگر پانی کے نزدیک میں ملنے کا گمان غالب نہ ہو تو اس وقت پانی کی تلاش واجب نہیں ہوتی ہے بلکہ مستحب ہے، بشر طیکہ پانی ملنے کی توقع ہو، اور امید نہ ہونے کی صورت میں تلاش کرنا واجب ہے اور نہ مستحب، اور اگر کسی نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور وہاں جو شخص موجود

اس سے کچھ نہیں پوچھا حالانکہ کہ وہ اس سے پوچھ سکتا تھا، پھر نماز کے بعد اس موجود شخص نے اس نماز پڑھنے والے کو پانی کی خبر دی تو وہ نماز کا اعادہ کرے، یعنی اس نماز کو وضو کر کے لوٹائے، اور اگر اس نے کچھ نہیں بتایا، تو پہلی نماز ہو گئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

تشریح کسی چیز کے متعلق دو خیال ہوں مثلاً یہ کہ وہ مل جائے گی اور اسی کے ساتھ یہ بھی خیال آئے کہ نہ ملے گی اور ان دونوں پہلوؤں میں سے ایک راجح اور قوی معلوم ہو، لیکن دل راجح اور قوی پر نہ جمے اور نہ غیر راجح کے ترک پر دل آمادہ ہو تو اسے اصطلاح فقہ میں ظن اور گمان کہتے ہیں، لیکن جب راجح اور قوی پہلو پر دل جم جائے، اور مرجوح کو دل چھوڑ دینے میں آمادہ نظر آئے تو اسے ظن غالب کہتے ہیں۔

اصطلاح میں میل سے کم دوری کو نزدیک کہا جاتا ہے اور میل یا اس سے زیادہ دوری کو بعید سمجھا جاتا ہے اور پانی کی علامت کبھی سبزہ زار سے ہوتی ہے اور کبھی پرندوں کے اس طرف جا کر اترنے سے اور کبھی کچھ اور صورت ہوتی ہے، بحر الرائق میں لکھا ہے کہ ایک شخص پر پانی کا طلب کرنا واجب تھا اور اس نے پانی طلب نہیں کیا اور تیمم کر کے نماز پڑھلی نماز کے بعد اسے اس پر تنبہ ہوا اور اس نے پانی کی جستجو کی مگر پانی نہ ملا تو طرفین کہتے ہیں، کہ خواہ کوئی پانی کی خبر دے یا نہ دے دونوں حالتوں میں نماز کا اعادہ ضروری ہے امام ابو یوسفؒ البتہ اس کے خلاف مسلک رکھتے ہیں۔

وَشُرِطَ لَهُ اَىْ لِلتَّيَمُّمِ فِىْ حَقِّ جَوَازِ الصَّلٰوةِ بِهٖ نِيَّةُ عِبَادَةٍ وَلَوْ صَلٰوةَ جَنَازَةٍ اَوْ سَجْدَةَ تِلَاوَةٍ لَا شُكْرٍ فِى الْاَصَحِّ مَقْصُوْدَةٍ خَرَجَ دُخُوْلُ مَسْجِدٍ وَمَسُّ مُصْحَفٍ لَا تَصِحُّ اَىْ لَا تَحِلُّ لِيَعُمَّ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ لِلْجُنُبِ بِدُوْنِ طَهَارَةٍ خَرَجَ السَّلَامُ وَرَدُّهٗ.

ترجمہ اور تیمم سے نماز کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ تیمم کرنے والا اپنے اس تیمم سے کسی مقصود عبادت کی نیت کرے، گو وہ عبادت نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ہی کیوں نہ ہو، البتہ سجدہ شکر کی نیت سے جو تیمم کیا جائے گا اس سے نماز جائز نہیں ہوگی اس باب میں صحیح تر قول یہی ہے (اس واسطے کہ سجدہ شکر امام اعظمؒ کے نزدیک عبادت نہیں ہے) عبادت مقصودہ کی قید سے وہ تیمم خارج ہو جائے گا، جو مسجد میں داخل ہونے یا کلام پاک کے چھونے کے لئے کیا گیا ہو، (یہ دونوں فعل عبادت مقصودہ نہیں ہیں، بلکہ عبادت مقصودہ کے لئے وسیلہ اور ذریعہ کا درجہ رکھتے ہیں) اور عبادت مقصودہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسی عبادت جو بغیر طہارت درست یعنی حلال نہ ہو، شارح نے لاتصح (درست نہ ہونے کی تفسیر لا تحل حلال نہ ہونے) سے اس وجہ کی ہے تاکہ عبادت مقصودہ جنبی کے قرآن پڑھنے کو شامل ہو جائے یعنی جو تیمم قرآن پاک پڑھنے کی نیت سے کوئی جنبی کریگا اس تیمم سے نماز درست ہو گی، باقی بلا طہارت جائز نہ ہونے والی شرط سے سلام اور سلام کا جواب دینا خارج ہو گیا۔

تشریح ہر تیمم سے نماز جائز نہیں ہوتی بلکہ ایسے تیمم سے نماز کی ادائیگی درست ہوتی ہے جو تیمم نماز کی نیت سے کیا گیا ہو، یا کسی مقصود بالذات عبادت کی نیت سے کیا گیا ہو، جیسے نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت باقی جو تیمم مقصود بالذات عبادت کی نیت سے نہ کیا گیا ہو اس سے نماز درست نہیں ہوتی جیسے مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے کی نیت سے جو جو تیمم کیا گیا ہے اس سے نماز کی ادائیگی درست نہ ہو گی کیونکہ یہ دونوں خود عبادت مقصودہ نہیں ہیں، بلکہ نماز پڑھنے اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ کا درجہ رکھتے ہیں باقی یہ کہنا دخول مسجد اعتکاف کے لئے بھی ہوتا ہے جو کہا جائے گا کہ عبادت تو اعتکاف ہے، مسجد میں

داخل ہونا اس کا تابع ہے، لہذا یہ عبادت مقصودہ نہیں ہوگا، ہاں اگر قرآن پڑھنے کے لئے تیمّم کیا گیا ہے تو اس کو اس سے نماز پڑھنا درست ہوگا رہا سجدۂ شکر کہ اگر اسکی نیت سے تیمم کرے، تو اس سے پہلے نماز درست ہوگی یا نہیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ عبادت مقصودہ نہیں ہے لہذا اس سجدہ شکر والے تیمّم سے نماز درست نہ ہوگی، اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ یہ سجدۂ شکر مستحب ہے لہذا وہ عبادت میں شمار ہوگا اور اس تیمم سے نماز درست ہوگی،

زیلعی اور سراج وہاج میں مذکور ہے۔ قرآن خوانی کے تیمّم سے نماز پڑھنا درست نہیں ہے، لیکن بدائع غایۃ البیان اور مجتبی میں ہے اس میں تفصیل ہے کہ اگر کوئی جنبی قرآن خوانی کے واسطے تیمّم کرے تو اس کو تیمّم سے نماز پڑھنا درست ہے، چنانچہ بحر الرئق میں ہے کہ جس کی نیت کی گئی ہے وہ عبادت مقصودہ ہو یا عبادت مقصودہ کا جز ہو اور وہ بلا طہارت حلال نہ ہو اور قرآن خوانی بلاشبہ عبادت مقصودہ نماز کا جز ہے اور جنبی کے لئے بلا طہارت قرآن پڑھنا حلال نہیں ہے، اس طرح اس تیمم میں عبادت مقصودہ کی جو تعریف کی گئی ہے اس کی نیت پائی گئی، لہذا اس سے نماز درست ہوگی، ہاں اگر قرآن پڑھنے والا جنبی (ناپاک) نہیں تھا، تو بلا طہارت حلال نہ ہونے والی شرط پائی نہ جائے گی، لہذا اس تیمّم سے نماز جائز نہ ہوگی۔

اخیر میں یہ بتایا ہے سلام کرنے کی نیت سے کوئی تیمّم کرے، یا سلام کا جواب دینے کی نیت سے تو اس تیمّم سے نماز جائز نہیں ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گو عبادت مقصودہ ہیں مگر اس کے لئے طہارت شرط نہیں ہے، بلا طہارت بھی سلام کرنا اور جواب دینا درست ہے اور یہاں وہ عبادت مقصودہ مراد ہے جو بلا طہارت درست نہ ہو۔

فَلَغَا تَيَمُّمُ كَافِرٍ لا وُضُوْءُهُ لاَنَّهُ لَيسَ باَهلٍ لِلنِّيَّةِ فَمَا يَفْتَقِرُ اِلَيهَا لا يَصِحّ مِنهُ وَصَحَّ تَيَمُّمُ جُنُبٍ بِنِيَّةِ الوُضُوْءِ بِه يُفْتٰى وَنُدِبَ لِرَاجِيه وَجَاءً قَوِيًا اٰخِرَ الوَقْتِ المُسْتَحَبِّ وَلَو لَم يُؤَخِّرِ وَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى جَازَ اِنْ كَانَ بَينَهُ وَبَينَ المَاءِ مِيلٌ وَاِلا لا .

ترجمہ جب تیمّم میں نیت مقصودہ شرط ٹھہری تو کافر کا تیمّم کرنا لغو یعنی باطل قرار پایا البتہ اس کا وضو کرنا لغو نہیں تیمّم کے لغو ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کافر نیت کی اہلیت نہیں رکھتا ہے، لہذا جو عمل صحت میں اپنی نیت کا محتاج ہوگا وہ کافر سے درست نہ ہوگا (اور یہ مسلّم ہے کہ تیمّم بلا نیت درست نہیں ہوتا ہے، نیت اس میں شرط ہے اور کافر کا وضو اس لئے درست ہے کہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے، اب اگر کسی کافر نے زمانۂ کفر میں وضو کیا اس کے بعد مسلمان ہوا اور ابھی وہ زمانہ کفر والا اس کا وضو باقی تھا تو اس وضو سے یہ نو مسلم نماز پڑھ سکتا ہے بخلاف تیمّم کے کہ زمانہ کفر کے تیمّم سے مسلمان ہونے کے بعد نماز ادا نہیں کر سکتا ہے)۔

اور جنبی (ناپاک جس پر غسل فرض ہے) اگر وہ وضو کی نیت سے تیمّم کرے گا، تو یہ فعل اس کا درست ہوگا اور اسی قول پر فتوی دیا جاتا ہے، یعنی وہ اس وضو والے تیمّم کرنے سے جنابت سے بھی پاک ہو جائے گا اور وہ شخص جس کو پانی ملنے کی قوی امید ہو تو مستحب یہ ہے کہ وہ مستحب وقت کے اخیر میں نماز پڑھے اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا، تاخیر نہیں کی اور تیمّم کر کے مستحب وقت کے اخیر حصہ کا انتظار کئے بغیر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز اس وقت درست ہو جائے گی، جب کہ پانی اور اس کے درمیان میل بھر کی دوری حائل ہو، اور اگر میل بھر کی دوری نہیں ہے، تو نماز اس صورت میں درست نہ ہوگی۔

صَلّٰى مَن لَيسَ فِي العُمرَانِ بِالتَّيَمُّمِ وَنَسِيَ المَاءَ فِي رَحلِهِ وَهُوَ مِمَّا يُنْسٰى عَادَةً لا اِعَادَةَ

عَلَیهِ وَلَوظَنَّ فَنَاءَ الْمَاءِ اَعَادَ اِتِّفَاقاً کَمَا لَو نَسِیَهُ فِی عُنُقِهِ اَو ظَهرِهِ اَو فِی مَقدَمِهِ رَا کِباً اَو مُؤَخَّرِهِ سَائِقاً اَو نَسِیَ ثَوبَهُ وَصَلّٰی عُریَاناً اَو فِی ثَوبِ نَجِسٍ اَو مَعَ نَجِسٍ وَمَعَهُ مَا یُزِیلُهُ اَو تَوَضَّأَ بِمَاءٍ نَجِسٍ اَو صَلّٰی مُحدِثاً ثُمَّ ذَکَرَ اَعَادَ اِجمَاعاً

ترجمہ وہ شخص جو آبادی میں نہیں تھا، اس نے تیمم کر کے نماز پڑھی اور اس پانی کو جو کجاوہ میں رکھا ہوا تھا اسے بھول گیا اور کجاوہ اسی قبیل سے ہے، کہ عادۃً اس کی چیز بھول جاتی ہے، اس صورت میں اس شخص پر نماز کا اعادہ (دوبارہ پڑھنا نہیں ہے) اور اگر اس نے اس خیال سے پانی سے وضو نہیں کیا کہ ختم ہو جائے گا اور تیمم سے نماز پڑھی تو اب جب پانی دیکھے گا تو بالاتفاق اس کو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا یعنی دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی اس پانی کو بھول جائے جو خود اس کی گردن میں لگا ہوا تھا، یا اس کی پیٹھ پر رکھا ہوا تھا یا اس کے سامنے تھا اس حال میں کہ وہ سوار تھا، یا اونٹ کے پیچھے تھا اس حال میں کہ وہ اسے پیچھے سے ہانک رہا تھا، یا جیسے کوئی اپنا کپڑا بھول گیا اور ننگے نماز پڑھ لی، یا نجس کپڑے میں نماز پڑھ لی، یا نجاست ساتھ لے کر نماز پڑھی، حالانکہ اس کے پاس ایسی چیز تھی جس سے نجاست دور ہو سکتی تھی، یا کسی نے ناپاک پانی سے وضو کیا یا بغیر وضو ہی نماز پڑھ لی، پھر اس کو پانی، یا کپڑا، یا نجاست یا بے وضو ہونا یاد آیا، تو ان تمام صورتوں میں نماز دوبارہ پڑھے گا۔

تشریح پہلے مسئلہ میں آبادی نہ ہونا جو کہا گیا وہ عام ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم، اور اگر آبادی میں تھا اور اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تھی، تو اس پر اعادہ واجب ہے اور جن مصنفین نے مسافر کی قید لگائی ہے، انہوں نے اس کا اعتبار کیا ہے، کہ عموماً یہ صورت مسافر ہی کو پیش آتی ہے۔

وَیَطلُبُهُ وجُوباً عَلٰی الظَّاهِرِ مِن رَفِیقِهِ مِمَّن هُوَ مَعَهُ فَاِن مَنَعَهُ وَلَو دَلَالَةً بِاَن اِستَهلَکَهُ تَیَمَّمَ لِتَحَقُّقِ عِجزِهِ وَاِن لَم یُعطِهِ اِلّا بِثَمَنِ مِثلِهِ اَو بِغَبنٍ یَسِیرٍ وَلَهُ ذٰلِکَ فَاضِلاً عَن حَاجَتِهِ لَا یَتَمَّمُ وَلَو اَعطَاهُ بِاَکثَرَ یَعنِی بِغَبنٍ فَاحِشٍ وَهُوَ ضِعفُ قِیمَتِهِ فِی ذٰلِکَ الْمَکَانِ اَو لَیسَ لَهُ ثَمَنُ ذٰلِکَ تَیَمَّمَ وَاَمَّا لِلعَطشِ فَیَجِبُ عَلٰی الْقَادِرِ شِرَاؤُهُ بِاَضعَافِ قِیمَتِهِ اِحیَاءً لِنَفسِهِ وَاِنَّمَا یُعتَبَرُ الْمِثلُ فِی تِسعَةِ عَشَرَ مَوضَعاً مَذکُورَةٌ فِی الْاَشبَاهِ.

ترجمہ ظاہر الروایۃ کی بنیاد پر اپنے اس ساتھی سے وضو کے لئے پانی مانگنا واجب ہے جو اس کے ساتھ ہے، پس اگر وہ اسے طلب کے باوجود پانی نہ دے اگرچہ اس کا نہ دینا دلالتِ حال کے طور پر ہو اس طرح کہ وہ پانی کو ضائع کر دے، تو اس صورت میں مجبوری کے محقق ہونے کی وجہ سے وہ تیمم کرے گا اور اگر یہ صورت پیش آئی ہے کہ وہ مفت پانی تو نہیں دیا، مگر مناسب قیمت لے کر پانی دے یا کچھ معمولی زیادہ قیمت لے کر دے اور اس کے پاس وہ رقم اس طرح موجود ہے کہ وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہے تو پھر تیمّم نہیں کرے گا، بلکہ پانی خرید کر اس سے وضو کریگا اور پھر نماز پڑھے گا اور اگر وہ پانی مناسب قیمت پر نہیں دے، بلکہ بہت زیادہ قیمت لے کر دے، جسے غبن فاحش کہتے ہیں، یعنی وہاں کی عام قیمت سے دوگنی رقم لیکر دے، یا اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے، جو پانی کی مناسب یا کچھ زیادہ قیمت کے ساتھ ادا کر سکے، تو پھر اس صورت میں وہ تیمم کر کے نماز پڑھے گا، وضو کرنا اس پر لازم نہیں ہے، ہاں اگر پیاس کی وجہ سے پانی خریدنا پڑے، تو جو استطاعت رکھتا ہے اسپر واجب ہے، جتنی

زیادہ قیمت پر بھی پانی دے خریدے اور پیکر جان بچائے، اور مناسب قیمت کا انیس جگہوں میں اعتبار ہے جس کی تفصیل الاشباہ والانتظار میں مذکور ہے، (یہاں تطویل کے خوف سے چھوڑ دیا)

تشریح پانی مانگنے کے سلسلے میں رفیق کا جو لفظ لایا گیا ہے وہ عادت کے اعتبار سے ہے، ما حصل یہ ہے کہ نماز کے وقت جو بھی موجود ہو اور اس کے پاس پانی ہو مانگنا چاہئے خواہ اس کا ساتھی ہو یا نہ ہو۔ قیمت میں کہا گیا معمولی زیادتی کے ساتھ تو خرید نا ضروری ہے، جسے غبن یسیر کہتے ہیں البتہ غبن فاحش کے ساتھ خرید نا ضروری نہیں ہے دوگنی قیمت سے کم کو غبن یسیر کہتے ہیں اور دوگنی یا اسسے زیادہ قیمت غبن فاحش ہے، وضو میں غبن فاحش کے ساتھ اس وجہ سے پانی خرید نے کا حکم شریعت نے نہیں دیا کہ مسلمان کے مال کی حرمت بھی شریعت میں وہی ہے۔ جو اس کی جان کی ہے، اور یہ آپ جانتے ہیں جب وضو کرنے سے جان یا صحت کو نقصان ہو تو وضو ساقط ہو جاتا ہے تو اس کی جگہ تیمم کرنا درست ہو جاتا ہے اسی طرح مال جب زیادہ ضائع ہو رہا ہو تو وضو ترک کر کے تیمم پر اکتفا کیا جائے گا۔

وَقِبلَ طَلَبه المَاءَ لَهُ لا يَتَيَمّمُ عَلَى الظَّاهِرِ اَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ عَن اَصحَابِنَا بنَا لانَّهُ مبذولٌ عَادَةً كَمَا فِى البَحرِ عَنِ المبسُوطِ وَعَلَيه الفَتوٰى فَيَجِبُ طَلَبُ الدّلوِ وَالرِّشَآءِ وَكَذَا الاِنتِظَارُ لَو قَالَ له حتياستسقٰى وَاِن خَرَجَ الوَقتُ وَلَو كَانَ فِى الصَّلوٰةِ اِن ظَنّ الاِعطَاءَ قَطَعَ وَاِلا لا تكن فِى القَهستَان عَنِ المُحِيطِ اِن ظَنّ اِعطَاءَ المَاءِ اَو الالَةِ وَجَبَ الطَّلبُ وَاِلا لا.

ترجمہ اور پانی مانگنے سے پہلے ظاہر الروایۃ کی بنیاد پر تیمم نہ کرے گا اس لئے عادۃً پانی میں بخل نہیں ہوتا ہے عام طور پر اسے لوگ خرچ کرتے ہیں، جیسا کہ بحر الرائق میں مبسوط سے منقول ہے اور ظاہر الروایۃ کی مراد اصحاب حنفیہ ہیں، جیسے امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ وہ چیز جو عادت کے طور پر دی جاتی ہو اور اس میں بخل نہ ہوتی ہو اس کے مانگنے میں شرعاً ذلت خواری نہیں، (حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اس طرح کی بعض ضرورت کی چیزیں دوسروں سے طلب فرمائی ہیں) اور چونکہ پانی کا طلب کرنا واجب قرار دیا گیا ہے کہ وہ خرچ کرنے کی چیز ہے اسی بنیاد پر ڈول اور رسی کا مانگنا بھی واجب ہوتا ہے کہ اس میں بھی عموماً بخل کا تصور نہیں اسی طرح اس وقت انتظار کرنا واجب ہے، جب ڈول رسی کے مالک نے کہا کہ ٹھر جاؤ، میں پانی بھر لوں تو دیتا ہوں خواہ اس انتظار میں نماز کا وقت نکل جائے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس صورت میں انتظار کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔

اور اگر کوئی تیمّم سے نماز پڑھنے والا نماز میں تھا کہ اس نے دوسرے کے پاس پانی دیکھا تو اگر اس کو یہ گمان غالب ہو کہ وہ پانی دے گا تو نیت توڑ دے اور اگر اس کا گمان غالب نہ ہو تو نماز نہ چھوڑے بلکہ پوری کرے (نہر الفائق میں لکھا ہے کہ تیمم کرنے والا نماز میں ہو اور اس کو گمان غالب ہو کہ جس کے پاس وہ پانی دیکھ رہا ہے اسے وضو کرنے کے لئے دیگا تو نماز توڑ دے اور پانی طلب کر کے وضو کرے اور پھر نماز ادا کرے، لیکن اگر وہ نہ دے تو اس کا تیمّم باقی ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ نماز توڑی نہیں پوری کر لی پھر پانی والے سے پانی مانگا، تو اگر اس نے طلب پر پانی دے دیا تو وضو کر کے وہ نماز دوبارہ پڑھے گا اور اگر نہیں دیا، تو جو نماز وہ پڑھ چکا ہے وہ ہو گئی دیکھئے (طحطاوی) لیکن قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر گمان غالب ہو کہ پانی یا ڈول یا رسی دے گا تو اس کا طلب کرنا واجب ہے ورنہ واجب نہیں (یہ روایت ظاہر الروایۃ کے مخالف ہے جو پہلے مذکور ہوئی)

وَالمَحصُورُ فَاقِدُ المَاءِ وَالتُّرَابِ الطَّهُورَينِ بِاَن حُبِسَ فِي مَكَانٍ نَجسٍ وَلا يُمكِنُهُ اِخرَاجُ تُرَابٍ مُطَهِّرٍ وَكَذَا العَاجِزُ عَنهُمَا لِمَرَضٍ يُؤَخِّرُهَا عِندَهُ وَقَالا يَتَشَبَّهُ بِالمُصَلِّينَ وُجُوباً فَيَركَعُ وَيَسجُدُ اِن وَجَدَ مَكَاناً يَابِساً وَاِلا يُومِي قَائِماً ثُمَّ يُعِيدُهُ كَالصَّومِ.

ترجمہ وہ گھرا ہوا شخص جو پانی اور پاک مٹی نہ پا رہا ہو، بایں طور کہ وہ ایسی ناپاک جگہ میں قید کر دیا گیا ہو جہاں پاک مٹی کا نکالنا اس کے لئے ممکن نہیں ہو، اور ایسا ہی وہ شخص بھی جو پاک پانی اور پاک مٹی بیماری کی وجہ سے استعمال کرنے سے مجبور ہو امام اعظمؒ کے نزدیک نماز مؤخر کرے گا یعنی نماز نہ پڑھے گا اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ جو پاک پانی اور مٹی نہ پائے اس پر واجب ہے کہ وہ نماز پڑھنے والوں کی مشابہت اختیار کرے، اگر جگہ خشک پائے تو رکوع اور سجدہ کرے اور اگر ایسی صورت نہ نکل سکے، تو کھڑے کھڑے اشارہ سے نماز جیسی حرکت کرے، پھر اس کے بعد جب اس کو پانی یا مٹی پر قدرت ہو تو ان نمازوں کا اعادہ کرے، یعنی بے وضو اور بے تیمم پڑھی ہوئی نمازوں کو دوبارہ پڑھے، جیسا کہ روزہ میں کیا جاتا ہے۔

تشریح ماحصل یہ ہے کہ کوئی ایسی جگہ گھر جائے جہاں نہ پانی پر قدرت ہو اور نہ پاک مٹی پر، گویا وہ نہ وضو کر سکتا ہے نہ تیمم، تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وہ اس وقت تک نماز پڑھنا چھوڑ دے، جب تک وضو یا تیمم کی صورت نہ پیدا ہو جائے، امام نوویؒ نے امام اعظمؒ کا مذہب نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس صورت میں نماز پڑھنا بے وضو اور بے تیمم حرام ہے، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ ایسا شخص نماز کے اوقات میں نماز کی صورت کو ادا کرتا رہے گا گو اس سے فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور جب پانی یا پاک مٹی ملے تو پھر دوبارہ وضو یا تیمم کر کے ان نمازوں کو لوٹالے، جس طرح وہ مسافر جس نے سفر شرعی میں رمضان کے دنوں میں روزہ نہیں رکھا، جس کا اسے شریعت نے اختیار دیا ہے مگر جب وہ موضع اقامت میں دن ہی میں آجائے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ روزہ داروں کی طرح بھوکا پیاسا رہے، اور بعد میں اس روزہ کی قضا بھی کرے۔ اور اگر کسی طرح زمین کھود کر یا دیوار سے ایسا شخص پاک مٹی نکال سکتا ہے، تو تمام ائمہ کہتے ہیں نکال کر تیمم کرے اور نماز ادا کرے۔

بِهٖ يُفتٰى وَاِلَيهِ صَحَّ رُجُوعُهُ اَى الاِمَامِ كَمَا فِي الفَيضِ وَفِيهِ اَيضاً مَقطُوعُ اليَدَينِ وَالرِّجلَينِ اِذَا كَانَ بِوَجهِهٖ جُرحَةٌ يُصَلِّي بِغَيرِ طَهَارَةٍ وَلا يَتَيَمَّمُ وَلا يُعِيدُ عَلَى الاَصَحِّ وَبِهٰذَا ظَهَرَ اَنَّ تَعَمُّدَ الصَّلٰوةِ بِلا طُهرٍ غَيرُ مُكَفِّرٍ فَلْيُحفَظ وَقَد مَرَّةً سَيَجِئُ فِي صَلٰوةِ المَرِيضِ.

ترجمہ اسی صاحبینؒ کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے، امام ابو حنیفہؒ کا صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے، جیسا کہ فیض میں صراحت ہے اور فیض ہی میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ وہ شخص جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں، جب اس کے چہرے پر زخم ہو تو بغیر طہارت نماز پڑھے گا اور تیمم نہیں کرے گا اور صحیح تر قول یہ ہے کہ وہ اس نماز کا اعادہ بھی نہ کرے گا (لیکن اگر چہرہ صحیح سالم ہے تو چہرہ کو مٹی پر مل لے، پھر نماز پڑھے، اور جس کے ہاتھ شل ہو چکے ہوں، وہ اپنا چہرہ اور ہاتھ مٹی پر ملے اور نماز پڑھنے ترک نہ کرے، اعضاء میں سے کچھ کٹے ہوں اور کچھ باقی ہوں تو جو باقی ہوں اس پر مٹی ملے یعنی تیمم یا وضو کا جو حصہ باقی ہو اسے دھوئے یا تیمم کرے، اور کچھ باقی نہ ہو تو بلا وضو یا تیمم نماز ادا کرے۔

اور سابق مسئلہ سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جو قصداً بلا طہارت نماز پڑھے گا اس کا یہ فعل اس کو کافر نہیں بنائے گا، لہذا

چاہئے کہ یہ مسئلہ یادر کھا جائے، یہ مسئلہ کتاب الطہارت میں گذر چکا ہے اور آئندہ باب الصلوٰۃ میں پھر آئے گا۔

فـــروع

صَلَّی المَحبُوس بالتَّیَمُّمِ اِن فِی المِصرِ اَعَادَ وَاِلا لا هَل یَتَیَمَّمُ لِسَجدَةِ التِلاوَةِاِنّ فِی السَّفَرِ نَعَم وَاِلا لا اَلمَاءُ المُسِیلُ فِی الفَلاةِ لا یَمنَعُ التَیَمّمَ مَا لَم یَکُن کَثِیراً فَیعلَمُ انهُ لِلوُضُوءِ اَیضاً وَیَشرَبُ مَا لِلوَضُوءِ الجُنُبُ اَولی بِمُبَاحٍ مِن حَائِضٍ اَو مُحدِثٍ وَمَیِّتٍ وَلَو لاحَدِهِم فَهُوَ اَولی وَلَو مُشتَرِکاً یَنبَغِی صَرفُهُ لِلمَیِّتِ جَازَ تَیَمَّمُ جَمَاعَةٍ مِن مَحَلٍّ وَاحِدٍ حِیلَةُ جَوَازِ تَیَمُّمِ مَن مَعَهُ مَاءُ زَمزَمَ وَلا یَخَافُ العَطَشَ اَن یُخَلِطَهُ بِمَا یَغلِبُهُ اَو یَهِبَهُ عَلی وَجهٍ یَمنَعُ الرُّجُوعَ.

مسائل فروع

شارح نے اس عنوان کے تحت کچھ مسائل بیان کئے ہیں وہ یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ:۔ قید میں پڑے ہوئے شخص نے تیمم کر کے نماز پڑھی لہذا اگر وہ قیدی شہر میں ہے تو رہائی کے بعد وہ ان نمازوں کو جن کو قید میں تیمم سے پڑھ چکا ہے وضو کر کے دوبارہ پڑھے گا اور اگر وہ شہر میں نہیں ہے، تو ان نمازوں کو دوبارہ نہیں پڑھے گا (یہ حکم مقیم قیدی کے لئے ہے مسافر قیدی کے لئے نہیں)

سوال یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کے واسطے تیمم کرے گا یا نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اگر وہ شخص سفر میں ہے تو تیمم کرے گا اور اگر سفر میں نہیں ہے تو تیمم نہیں کرے گا (یہ سوال وجواب جو درج کیا گیا اس کے متعلق عرض ہے کہ پانی کے موجود رہتے ہوئے اگر یہ سوال ہوا ہے تو جواب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے سرے سے تیمم جائز نہیں، نہ سفر میں نہ اقامت میں اور اگر یہ سوال پانی نہ ہونے کی صورت میں ہے تو کھلی بات یہ ہے کہ سفر میں بھی تیمم درست ہے اور اقامت میں بھی حلبی نے کبیری میں اسے ذکر کیا ہے)

جو پانی میدان میں سبیل وقف کے طور پر رکھا ہوا ہے، تو جب تک وہ پانی زیادہ مقدار میں نہ ہو تیمم سے مانع نہیں ہے (اس لئے کہ تھوڑے ہونے کی صورت میں پینے کے لئے سمجھا جائے گا اور اگر زیادہ مقدار میں ہے تو وضو کے واسطے بھی شمار ہوگا، قاعدہ یہ ہے کہ مسافروں کے پانی پینے کے لئے بعض لوگ راستے میں انتظام کر دیتے ہیں کہ گذرنے والا اس سے اپنی پیاس بجھائے، وضو کے لئے عام طور پر پانی رکھنے کا رواج نہیں ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر اس کا یقین ہو جائے کہ یہ پانی صرف پینے کے واسطے رکھا گیا ہے، تو اس سے وضو کرنا حرام ہے، اس وجہ سے وقف کی شرط شارع نے نص (صراحت) کے درجہ میں ہے لیکن یہ پہلے دور کی باتیں ہیں، اب تو عموماً لوگ راستوں میں نل (ہینڈ پمپ) لگا دیا کرتے ہیں اور اس میں تمام چیزوں کی اجازت ہوا کرتی ہے، مسافر پی بھی سکتا ہے، وضو بھی کر سکتا ہے، اور بوقت ضرورت غسل بھی کر سکتا ہے اور اس نل میں جتنا بھی پانی خرچ کیا جائے اندر زمین سے آتا رہتا ہے)

اور جو پانی وضو کے واسطے وقف ہو اس پانی سے پینا درست ہوتا ہے، مباح پانی کے استعمال کرنے کا وہ شخص زیادہ حق دار ہے جس پر غسل فرض ہے، اس کو حائضہ عورت بے وضو شخص اور میت کے غسل پر ترجیح حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت (ناپاکی) زیادہ اہم ہے، لہذا اس کا دور کرنا بھی اتنا ہی اہم ہوگا اور اگر وہ پانی ان میں کسی ایک کی ملکیت ہے تو وہ مالک سب سے مقدم ہے، یعنی سب سے پہلے اس کو استعمال کا حق ہے، خواہ اس کو جس کی ضرورت ہو (مثلاً جنبی، بے وضو، اور حائضہ تین شخص تھے اور پانی ان میں سے کسی ایک کا مخصوص ہے، تو پانی والا ہی زیادہ حق دار ہے) اور اگر وہ پانی تینوں میں مشترک ہے تو مناسب یہ ہے کہ اسے میت کے نہانے میں خرچ کیا جائے

ایک جگہ سے ایک جماعت کا تیمم کرنا جائز ہے (مٹی ایک یا چند آدمی کے استعمال سے مستعمل نہیں ہوتی جتنے افراد چاہیں سی ایک مٹی سے تیمم کر سکتے ہیں، حتی کہ اگر تیمم کرنے والوں کے ہاتھ کی جھاڑی ہوئی مٹی جمع ہو جائے تو اس مٹی پر بھی تیمم کرنا جائز ہے، قطعاً کوئی مضائقہ نہیں دیکھئے طحطاوی)

ایک شخص کے پاس زم زم کا پانی ہے اور اسے پیاسے رہنے کا خوف نہیں ہے، تو اس زم زم کے پانی سے وضو کے جائز ہونے کی تدبیر یہ ہے کہ زم زم میں ایسی پتلی چیز ملا دے، جو اس پر غالب ہو جائے یا پھر اس کو اس طرح ہبہ کر دے کہ اس میں رجوع کا حق باقی نہ رہے، (اگر پیاس کا خوف ہے تو اس وقت تیمم جائز ہے کوئی تدبیر اختیار کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہ پانی ایک اصل ضرورت کے واسطے محفوظ ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور زم زم کو بچانا چاہتا ہے تو کوئی ایسی پتلی چیز زیادہ مقدار میں ملا دے جس سے وضو جائز نہیں ہے مثلاً ایک سیر زم زم میں سوا سیر گلاب کا پانی ملا دے تو اب وہ مطلق پانی کے حکم میں باقی نہیں رہے گا، باقی ہبہ والی تدبیر سے یہ بات تو ہوگی کہ اس کی ملکیت سے نکل جائے گی، مگر یہ تو گھاٹا ہوا، کہ پھر پینا چاہے تو بغیر دوسرے کی مرضی کے پی بھی نہیں سکتا۔

وَنَاقِضُهُ نَاقِضُ الْاَصْلِ وَلَوْ غُسلاً فَلَو تَيَمَّمَ لِلْجَنَابَةِ ثُمَّ اَحدَثَ صَارَ مُحدِثاً لا جُنُباً فَيَتَوَضَّأُ وَيَنزِعُ خُفَّيهِ ثُمَّ يَمسَحُ عَلَيهِ مَا لَم يَمُرَّ بِالمَاءِ فَمَعَ فِي عِبَارَةِ صَدرِالشَّرِيعَةِ بِمَعنٰى بَعدُ كَمَا فِي اِنَّ مَعَ العُسرِ يُسراً فَافهَم.

ترجمہ تیمم کو وہ چیز توڑ ڈالتی ہے جو اصل کی توڑنے والی ہے گو وہ غسل ہی کیوں نہ ہو یعنی جو چیز وضوء کو توڑ ڈالتی ہے، وہ وضو کے خلیفہ تیمم کو بھی توڑ ڈالتی ہے اور جو چیز غسل کو توڑ دیتی ہے، وہ غسل کے قائم مقام تیمم کو بھی توڑ دے گی، کنز اور وقایہ میں اسے اس طرح ادا کیا ہے کہ تیمم کو وہ چیز توڑ دیتی ہے، جو وضو کو توڑ ڈالتی ہے، اور شرح نقایہ میں یہ الفاظ ہیں ناقضہ، ناقض الاصل وضوء کان او غسلا تیمم کو وہ چیز توڑتی ہے جو اصل کو توڑتی ہے خواہ وہ اصل وضو ہو یا غسل ہو، اور شرح نقایہ کی عبارت صاف اور بہتر ہے اس وجہ سے کہ جو غسل کے لئے ناقض ہے وہ وضو کے لئے بھی ناقض ہے، لیکن ہر وہ چیز جو وضو کے لئے ناقض ہے غسل کے لئے ناقض نہیں ہے مثلاً حدث سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر اس سے غسل نہیں ٹوٹتا لہذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ہر تیمم کے لئے بھی ناقض ہے) پس اگر کسی نے جنابت (ناپاکی) کے دور کرنے کے لئے تیمم کیا پھر اس کو حدث اصغر لاحق ہوا تو وہ محدث ہو گیا یعنی وضو ٹوٹ گیا، مگر وہ جنبی نہ ہوا یعنی اس کا غسل نہ ٹوٹا لہذا جب بقدر وضو پانی پائیگا وضو کرے گا اور موزہ پہنے ہو تو ان کو اتار کر پاؤں دھوئے گا پھر وضو کے بعد موزہ پر مسح کرتا رہے گا جب تک

اس کو اتنا پانی نہ ملے جس سے وہ غسل کر سکتا ہو، پس معلوم ہوا کہ صدر الشریعۃ کی عبارت میں "مع کا لفظ" بعد کے معنی میں ہے جس قرآنی آیت انّ مَعَ العُسرِ یُسراً میں "مع" بعد کے معنی میں ہے لہذا اسے خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

تشریح یہاں تین صورتیں ہیں (۱) کسی نے وضو کے بجائے تیمم کیا تو اس تیمم کو وہ چیزیں توڑ دیں گی جو وضو کو توڑ ڈالتی ہیں۔ (۲) کسی کو غسل کرنا فرض تھا، لیکن پانی استعمال کرنے پر قادر نہ تھا، لہذا اس کے بجائے تیمم کر لیا تو اس تیمم کو وہ چیزیں توڑیں گی جو غسل کو توڑ کر پھر غسل واجب کرتی ہیں۔ (۳) وضو بھی نہ تھا اور غسل بھی فرض نہ تھا پانی کسی وجہ شرعی سے استعمال نہیں کر سکتا تھا اس نے دونوں کے بدلے تیمم کر لیا اب حدث اصغر واقع ہوا، مثلاً پیشاب پاخانہ کیا تو وضو والا تیمم تو جاتا رہا، لیکن جنابت والا تیمم باقی رہا۔

موزہ اتارنے کو جو کہا گیا ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جنابت سے پہلے اس نے پوری طہارت کے بعد موزے پہنے ہوں لیکن جب جنبی (ناپاک) تیمم کرنے والے کو اس قدر پانی مل جائے جو اس کے غسل کے لئے کافی ہے تو اس کے جنابت کا تیمم بھی ٹوٹ جائے گا اگر اس نے وہاں غسل نہیں کیا اور پھر پانی نہیں ملا تو جنابت کے لئے دوسرا تیمم کرے گا، کیوں کہ پہلا تیمم غسل کی مقدار پانی مل جانے کی وجہ سے ٹوٹ چکا اب اگر ناقض وضو میں سے کوئی چیز ہو، جیسے پیشاب وغیرہ اور وضو کرنے کے لائق پانی پائے تو وضو کرے گا اور اس وضو میں موزہ اتار کر پاؤں دھوئے گا مسح کرنا کافی نہ ہو گا کیوں کہ درمیان مین جنابت (ناپاکی) پاؤں میں سرایت کر گئی، ہاں اس وضو کے بعد اگر حدث اصغر ہو گا تو مدت کے اندر مسح سے کام چلے گا۔

صدر الشریعۃ کی شرح وقایہ باب تیمم میں یہ عبارت ہے **ما اذا كان مع الجنابة حده يوجب الوضوء يجب عليه الوضوء** ۔یعنی جب جنابت کے تیمم کے بعد ایسا حدث ہو جو وضو واجب قرار دیتا ہو تو اس پر وضو واجب ہو گا، پہلے جنابت کے تیمم کے ساتھ وضو کے لئے الگ سے تیمم کی حاجت نہیں ہے ایک ہی تیمم دونوں (جنابت اور وضو) کے لئے کافی ہے، چنانچہ قہستانی میں صراحت اس طرح ہے کہ اگر جنبی کے پاس اس قدر پانی ہو جو صرف اس کے کچھ اعضاء کے لئے کافی ہو یا وضو کے لئے تو اس صورت میں اس کو تیمم کرنا چاہئے، اور اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ پانی اعضاء وضو پر صرف کرے، ہاں کسی نے جنابت کا تیمم کیا اس کے بعد وضو توڑنے والا حدث ہوا تو اب اس پر وضو کرنا ضروری ہے کیوں کہ اب وہ بقدر کفایت پانی پر قادر سمجھا جائے گا۔ (کذا فی الطحطاوی)

وَ قُدرَةُ مَاءٍ وَلَو اِبَاحَةً فِي صلوةٍ كَافٍ لِطُهرِهِ وَلَو مَرَّةً مَرَّةً فَضَلَ عَن حَاجَتِهِ كَعَطشٍ وَعَجنٍ وَغَسلِ نَجسٍ مانِعٍ وَلُمعَةِ جَنَابَةٍ لِاَنَّ المَشغُولَ بالحَاجَةِ وَغَيرُ الكَافِي كَالمَعدُومِ لاتنقضهُ رِدَّةٌ وَكَذَا يَنقُضُهُ كُلُّ مَا يَمنَعُ وُجُودَهُ التَّيَمُّمَ اِذَا وُجِدَ بَعدَهُ لِاَنَّ مَا جَازَ بِعُذرٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ فَلَو تَيَمَّمَ لِمَرَضٍ بَطَلَ بِبُرئِهِ اَو لِبَردٍ بَطَلَ بِزَوَالِهِ وَالحَاصِلُ اَنَّ كُلَّ مَا يَمنَعُ وُجُودُهُ التَّيَمُّمَ نَقَضَ وُجُودُهُ التَّيَمُّمَ وَمَالَا يَمنَعُ وُجُودُهُ فِي الاِبتِدَاءِ فَلَا يَنقُضُ وُجُودُهُ بَعدَ ذٰلِكَ التَّيَمُّمَ وَلَو قَالَ وَكَذَا زَوَالُ مَا اَبَاحَهُ اَي التَّيَمُّمَ لَو كَانَ اَظهَرَ وَاَخصَرَ وَعَلَيهِ لَو تَيَمَّمَ لِبُعدِ مِيلٍ فَسَارَ فَانتَقَصَ انتَقَضَ فَليَحفَظ.

ترجمہ اور نماز میں کافی پانی پر قادر ہو جانا تیمم کو توڑ دیتا ہے، خواہ پانی پر یہ قدرت بطور اباحت ہو اور پانی اتنا ہو کہ اس سے صرف ایک مرتبہ بھی وضو یا غسل کیا جا سکتا ہو، مثلاً ایک شخص نے پانی نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز شروع کی اور اثنائے نماز ہی میں کسی نے اس کے لئے اتنا پانی مباح کر دیا تو اس کے بعد اس طرح اسے پانی پر قدرت حاصل ہو گئی، تو اب اس کا فرض یہ ہے کہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور پھر از سر نو نماز پڑھے، شرح میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ "رویت" کی تعبیر قدرت کے لفظ سے بہتر ہے، اس لئے کہ ایک بیمار پانی دیکھتا ہے اور اس کے باوجود وہ تیمم کرتا ہے، لیکن جب اس کی بیماری دور ہو جائے گی تو وہی وضو کرے گا خواہ بظاہر اسے پانی نظر نہ آئے، پس معلوم ہوا یہاں رویت سے مراد، قدرت ہے اور یہی معنی یہاں فٹ ہو گا) اور وہ کافی پانی اس کی ضرورت سے فاضل ہو ضرورت جیسے پیاس، آٹا گوندھنا، اور اس نجاست کا دھونا جس کے ساتھ نماز جائز نہیں ہوتی ہے اور غسل جنابت میں جو عضو خشک رہ گیا ہے اس کا دھونا اس لئے کہ جو پانی ضرورت کے ساتھ متعلق ہے اور وضو اور غسل کو کافی نہیں ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

البتہ تیمم مرتد ہونے سے نہیں ٹوٹتا (مثلاً) ایک مسلمان نے تیمم کیا، پھر وہ اس کے بعد مرتد ہو گیا، پھر خدا نے توفیق دی اور مسلمان ہو گیا اور اس درمیان میں حدث نہیں ہوا تو وہ اسی سابق تیمم سے جو اس نے پہلے حالت اسلام میں کیا تو نماز پڑھ سکتا ہے) اور اسی طرح ہر وہ چیز تیمم کو توڑ ڈالتی ہے جس کا پایا جانا تیمم کے جواز کو روک دیتا ہے جب کہ وہ تیمم کے بعد پائی جائے، اس لئے کہ جو چیز کسی عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے اس عذر کے زائل ہو جانے کے بعد وہ باطل ہو جاتی ہے لہذا اگر کسی نے بیماری کی وجہ سے تیمم کیا تھا تو بیماری کے ختم ہو جانے کے بعد اس کا تیمم باطل ہو جائے گا یا کسی نے سردی کے عذر کی وجہ سے وضو کے بجائے تیمم کیا تھا تو سردی کے زائل ہونے کے بعد تیمم باطل ہو جائے گا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کے وجود کی وجہ سے تیمم درست نہیں ہوتا ہے اگر وہ چیز تیمم کے بعد پائی جائے، تو تیمم جاتا رہے گا (یہاں طحطاوی کا بیان یہ ہے کہ شارح کے علامہ حصکفی کا یہ کلام ہو بہو ماتن صاحب تنویر الابصار کا کلام ہے جو ابھی گذرا تو اس سے کچھ فائدہ جدید حاصل نہیں ہوا، اور اس کلام کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً پانی پر جب قدرت موجود ہو تو تیمم جائز نہیں اب ایک شخص نے تیمم کیا اس کے بعد جب اس کو پانی پر قدرت ہو گئی تو تیمم جاتا رہا یعنی ٹوٹ گیا، لیکن ایک بیمار جس نے اس وقت تیمم کیا تھا جب پانی موجود نہ تھا، اس کے بعد پانی آ گیا تو بھی اس کا تیمم نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ اس کا تیمم بیماری کی وجہ سے تھا پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے نہ تھا)

اور جس چیز کا ابتداء میں پایا جانا تیمم کے جائز ہونے کو نہیں روکتا ہے اور وہ چیز اگر تیمم کے بعد پائی جائے تو وہ تیمم کو نہیں توڑے گی لیکن اگر مصنف اسے اس طرح ادا کرتے کہ "اسی طرح تیمم کو اس چیز کا زائل ہونا توڑ دیتی ہے جس کے ہونے نے تیمم کو مباح کر دیا تھا و کذا زوال بااباحة، تو یہ عبارت متن کی عبارت کے لحاظ سے مطلب کو زیادہ وضاحت سے بیان کرتی اور بہت مختصر بھی ہوتی اس قاعدہ کی بنیاد پر یہ معاملہ درست ہے کسی نے پانی کے ایک میل دور ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تھا، پھر تیمم کرنے والا پانی کی طرف چلا اور پانی میل بھر سے کم دوری پر رہ گیا تو اس سے اس کا وضو ٹوٹ گیا اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے۔

تشریح یہاں اس وجہ سے ٹوٹ گیا کہ وضو کے بجائے تیمم اس لئے جائز ہو گیا تھا کہ پانی ایک میل یا اس سے زیادہ دور تھا، لیکن جب وہ میل بھر نہیں رہا تو سبب ختم ہو جانے کی وجہ سے تیمم ٹوٹ گیا، متن کی عبارت پر اس طرح ڈھالیں گے کہ ایک میل سے جب پانی کم دوری پر ہو تو یہ تیمم جائز ہونے کو روک دیتی ہے، چنانچہ یہ صورت جب پائی گئی تیمم جاتا رہا۔

وَمُرُورُنَا عِسٍ يُتَمِّمَ عَن حَدَثٍ اَو نَا ئِمٍ غَيرِ مَتَمَكِّنٍ مُتَيَمِّمٍ عَن جَنَابَةٍ عَلَى مَاءٍ كَافٍ كَمُستَيقِظٍ فَينتَقِضُ وَاَبقَيَا تَيَمَّمَهُ وهو الرواية المصححة عنه للفتوى كما لو تيمم وَبقُربه مَاءٌ لا يَعلَمُ بِهٖ كَمَا فِي البَحرِ وَغَيرِهٖ وَاَقَرَّهُ المُصَنِّفُ تَيَمَّمَ لَو كَانَ اَكثَرُهُ اى اَكثَرُ اَعضَاءِ الوُضُوءِ عَدَداً وَفِى الغُسلِ مَبَاحَةً مَجرُوحاً اَو بِهٖ جُدَرِيٌّ اِعتِبَارٌ لِلاَكثَرِ وَبِعَكسِهٖ يَغسِلُ الصَّحِيحَ وَ يَمسَحُ الجَرِيحَ وَكَذَااِن استَوَيَا غَسَلَ الصَّحِيحَ مِن اَعضَاءِ الوُضُوءِ وَلَا رِوَايَةَ فِى الغُسلِ مسحُ البَاقِى مِنهَا وَهُوَ الاَصَحُّ لِاَنَّهُ اَحوَطُ فَكَانَ اَولَى وَصَحَّحَ فِى الفَيضِ وَغَيرِهٖ التَّيَمُّمُ كَمَا تَيَمَّمَ اَوِالجُرحُ بِيَدَيهِ وَاِن وَجَدَ مَن يُوَضِّئُهُ خِلَافًا لَهُمَا وَلَا يَجمَعُ بَينَهُمَا اى تَيَمُّمٍ وَغَسلٍ كَمَا لَا يَجمَعُ بَينَ حَيضٍ وَحَبلٍ اَو استِحَاضَةٍ اَو نِفَاسٍ وَلَا بَينَ نِفَاسٍ وَاِستِحَاضَةٍ اوحَيضٍ وَلَا زَكٰوةٍ وَعُشرٍ اَو خِرَاجٍ اَو فِطرَةٍ وَلَا عُشرٍمَعَ خِرَاجٍ وَلَا فِديَةٍ صومٍ اَوقِصَاصٍ وَلَا ضَمَانٍ وَقَطعٍ اَو اَجرٍ وَلَاجلدٍ مَعَ رَجمٍ اَو نَفيٍ وَلَا مَهرٍ وَمُتعَةٍ اَوحَدٍ اَو ضَمَانِ اَفضَائِهَا وَمَوتِهَا مِن جِمَاعِهٖ وَلَا مَهرِ مِثلٍ وَتَسمِيَةٍ وَلَا وَصِيَّةٍ وَمِيرَاثٍ وَغَيرِهَا مِمَّا سَيَجِيءُ فِى مَحَلِّهٖ اِن شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ وضو نہ ہونے کی وجہ سے جس نے تیمم کیا تھا اونگھنے کی حالت میں بقدر ضرورت پانی سے گزر گیا، یا اسی طرح جس نے جنابت کے لئے تیم کیا تھا اس کا ایسے سونے کی حالت میں کافی پانی پر گذر ہوا کہ وہ مضبوطی سے بیٹھنے والا نہیں تھا اس کا حال ایسا ہے، جیسے جاگتے ہوئے شخص کا گذرنا ہوان دونوں صورتوں میں ان دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا اور صاحبینؒ نے اس اونگھنے والے اور سونے والے کے تیمّم کو (پانی پر سے) گذرنے کے باوجود کہا ہے اور اسی روایت کو امام اعظمؒ کی طرف سے صحیح کہا گیا ہے، جس پر فتوی دینے کو بھی پسند کیا گیا ہے (اس تفصیل کے بعد یہ مسئلہ اختلافی نہ رہا، بلکہ اتفاقی ہو گیا) اس شخص کا تیمم درست ہے جس کے نزدیک میں پانی تو ہے لیکن اس کو اس کا علم نہیں ہے ایسا ہی مذکور ہے بحر الرائق وغیرہ میں اور اسی کو مصنفؒ نے اپنی شرح میں بر قرار رکھا ہے۔

اور وہ شخص جس کے اکثر اعضاء وضو باعتبار گنتی یا جس کا اکثر حصہ بدن غسل کرنے میں باعتبار پیائش زخمی ہے، یا بدن میں چیچک نکلی ہوئی ہے وہ تیمّم کرے گا اس لئے کہ اس طرح کے مواقع میں اکثر حصہ کا ہی اعتبار ہوتا ہے للاکثر حکم الکل۔

اور اگر اس کے بر عکس ہو کہ وضو کا اکثر حصہ باعتبار گنتی، اور غسل کا اکثر حصہ (باعتبار پیائش) تندرست ہو تو تندرست حصہ کو دھوئے گا زخمی حصہ پر مسح کرے گا، اور اگر تندرست اور زخمی دونوں حصے برابر برابر ہوں تو اعضاء وضو میں جو حصہ تندرست ہے اسے دھوئے گا اور جو زخمی ہے اس پر مسح کرے گا اور غسل کے سلسلہ میں اس صورت کے اندر کوئی صریح روایت نہیں ہے، یوں تندرست حصہ کو دھونا اور زخمی حصہ پر مسح کرنے والی روایت صحیح تر ہے اور زیادہ احتیاط بھی اسی میں ہے

لہذا یہی قول زیادہ مناسب ہے اور فیض وغیرہ میں دونوں حصوں تندرست وزخمی کے برابر ہونے کی صورت میں تیمم کرنے کو صحیح کہا ہے، وہ شخص تیمم کرے گا جس شخص کے دونوں ہاتھ نہ ہوں اور اس کے پاس ایسا شخص موجود ہو جو اس کو وضو کرا سکتا ہے یہ مسئلہ صاحبینؒ کے خلاف ہے (کیوں کہ یہ دونوں مدد لینے کو قرض کہتے ہیں اور امام صاحبؒ مستحب) لیکن بہر صورت دونوں (تیمم اور دھونے) کو جمع نہ کرے گا یعنی یہ کہ وہ تیمم بھی کرے اور دھوئے بھی ایسا نہیں کر سکتا، شریعت سے ثابت نہیں ہے) جس طرح حیض اور حمل یا استحاضہ اور حیض، یا نفاس اور حیض کے درمیان اجتماع ہوتا ہے اور اسی طرح نہیں جمع کیا جاتا ہے، زکوۃ وعشر کے درمیان، یا زکوۃ اور خراج کے درمیان یا زکوۃ اور فطرہ کے درمیان، اور عشر کو خراج کے درمیان جمع کیا جاتا ہے اور نہ فدیہ کو روزہ کے ساتھ اور نہ قصاص وکفارہ کو باہم جمع کیا جاتا ہے اسی طرح نہ تاوان اور قطع کے درمیان اجتماع ہوتا ہے، نہ تاوان اور اجرت کے درمیان، اور نہ درّہ مارنے سنگساری وجلاوطن کرنے کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے۔

اور اسی طرح اجتماع نہیں ہوتا ہے مہر اور متعہ میں، یا مہر اور حد میں، یا عورت کی ضمان افضا اور اس کی موت میں، جو شوہر کے جماع کرنے کی وجہ سے ہوا ہو، اور اسی طرح مہر مثل اور مہر متعین میں اجتماع نہیں ہے اس لئے اگر جائز مہر کا تعیین ہو گیا تو وہی واجب ہے اور اگر مہر کا ذکر نہیں ہوا تھا یا ایسی چیز کو مہر متعین کیا تھا جو جائز نہیں ہے، جیسے شراب اور سور تو اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا اور وصیت اور میراث میں بھی اجماع نہیں ہوتا ہے، یعنی وارث کے واسطے وصیت کرنا مرنے والے کا جائز نہیں ہوتا ہے ہاں اس وقت یہ جائز ہوگا جب باقی وارثین اس کی اجازت دیں ان چیزوں کے علاوہ اور چیزوں میں جن کا اجتماع شرعاً جائز نہیں ہے جن کی تفصیل بعد میں اپنے اپنے موقع پر آئے گی اگر اللہ تعالی نے چاہا۔

تشریح زخمی حصہ پر جہاں مسح کرنے کو بتایا گیا ہے اگر کھلے ہوئے زخم پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر کر مسح نہیں کر سکتا کہ اس کی برداشت نہیں ہے تو جو پٹی اس زخم پر بندھی ہوئی ہے اس پر ہی مسح کرے، بلکہ صاحب کبیری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کپڑا باندھنا واجب ہے۔

تیمم اور دھونے کا اجتماع نہیں ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک ساتھ درست نہیں ہے اس لئے کہ تیمم دھونے کا بدل ہے لہذا بدل اور مبدل منہ دونوں جمع نہیں ہوں گے، جیسے جب حمل قرار پایا جاتا ہے تو حیض نہیں آتا، یا جب حیض کا خون آرہا ہو تو اس وقت استحاضہ کا خون نہیں آتا اور جب وہ استحاضہ کا خون ہوگا تو حیض کا نہ ہوگا، اسی طرح جب نفاس کا خون ہوگا تو حیض کا نہ ہوگا، اور جب حیض کا ہوگا تو نفاس کا قرار نہ پائے گا اسی طرح نہ تو نفاس اور استحاضہ کا اجماع ہوتا ہے اور نہ نفاس اور حمل کا۔

اسی طرح جس مال میں زکوۃ واجب ہوگی، عشر وخراج اس میں واجب نہ ہوگا اور جس میں خراج وعشر واجب ہوگا اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، عشری زمین کی پیداوار سے کسی نے عشر ادا کر دیا یا خراجی زمین کی پیداوار سے خراج دیدیا اور باقی میں تجارت کی نیت کر لی اور اس پر سال گذر گیا تو اس میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، خدمت کے لئے جو غلام ہے اس کا فطرہ اس کے مالک پر واجب ہے اس غلام میں زکوۃ نہیں ہے اور جو تجارت کے غلام ہیں جب ان پر سال پورا ہو جائے گا تو اس کی قیمت کا حساب کر کے اس میں اس کی زکوۃ واجب ہوگی، ان غلاموں کا فطرہ مالک پر واجب نہیں ہے، جو عشری زمین ہوگی اس میں عشر واجب ہوگا، خراج واجب نہ ہوگا اور خراجی زمین ہوگی اس کی پیداوار پر خراج لازم آئے گا، عشر نہیں۔

اسی طرح یہ بھی مسئلہ ہے کہ جس پر روزہ فرض ہے اور وہ قادر ہے تو وہ روزہ ہی رکھے گا اس پر فدیہ نہیں ہے، اور جو عاجز شیخ فانی ہے تو جب تک عاجز ہے اس پر روزہ کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے روزہ ضروری نہیں، ہاں جب عذر جاتا رہے گا روزہ فرض ہوگا، قتل عمد میں قصاص ہے کفارہ نہیں اور قتل غیر عمد میں کفارہ ہے قصاص نہیں، لہذا جب ان میں ایک واجب ہوگا دوسرا واجب نہ ہوگا،

ایک شخص کا مہر متعین کر کے نکاح ہوا تو اگر خلوت صحیح یا موت کے بعد طلاق دی تو جب مہر ادا کرے گا تو پورا مہر متعین لازم ہوگا اور اگر خلوت صحیح سے پہلے یہ صورت پیش آئی ہے تو نصف مہر لازم ہے اور اگر نکاح ہوا تھا مگر مہر متعین نہیں کیا گیا تھا اور طلاق دے دی تو متعہ واجب ہوگا جو کپڑوں کے جوڑے کی شکل میں دینا پڑتا ہے، اسی طرح اگر وطی جائز طریقے سے ہوئی ہے تو مہر واجب ہے اور زنا کی صورت میں پائی گئی ہے تو اس پر حد لازم ہے، پھر اگر وہ شادی شدہ ہے تو سنگسار ہوگا اور اگر شادی شدہ نہیں ہے، تو سو درّے لگیں گے، ایک چور نے چوری کی اور اس جرم میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اب اس پر چرائے ہوئے مال کا تاوان لازم نہیں ہے، اور جس مزدور نے مال ضائع کر دیا ہے اور اس پر اس کا تاوان لگا دیا گیا ہے تو اس کے لئے اس کی مزدوری نہیں اور جس کی مزدوری لازم نہیں اس پر تاوان نہیں۔

مَن بِهِ وَجَعُ رَاسٍ لا يَستَطِيعُ مَسحَهُ مُحدِثاً وَلا غُسلَهُ جُنُباً فَفِي الفَيضِ عَن غَرِيبِ الرِوَايَةِ يَتَيَمَّمُ وَاَفتَى قَارِى الهِدَايَةِ اَنَّهُ يَسقُطُ عَنهُ فَرضُ مَسحِهِ وَلَو عَلَيهِ جَبِيرَةٌ فَفِي مَسحِهَا قَولانِ وَكَذَا يَسقُطُ غُسلُهُ فَيمسَحُهُ وَلَو عَلَى جَبِيرَةٍ اِن لَم يَضُرَّهُ وَاِن لا سَقَطَ اَصلاً وَجَعَلَ عَادِماً لِذَالِكَ العَضوِ حُكماً كَمَا فِي المَعدُومِ حَقِيقَةً.

ترجمہ جس کے سر میں اس طرح درد ہو رہا ہے کہ وہ وضو کرنے کی حالت میں مسح کرنے پر قادر نہیں ہے اور نہ نہانے کی صورت میں اسے دھو سکتا ہے تو اس سلسلہ میں فیض کے اندر غریب الروایۃ یہ نقل کی ہے کہ وہ وضو اور غسل کے بدلے میں تیمم کرے گا اور قاری ہدایہ علامہ سراج الدین استاذ محترم محقق ابن ہمام نے فتوی دیا ہے کہ سر کے مسح کی فرضیت اس سے ساقط ہو جائے گی اور اگر اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے تو اس کے مسح کے باب میں دو قول ہیں، ایک مسح کرنا دوسرے مسح نہ کرنا، (لیکن مسح کے وجود کا قول زیادہ مناسب ہے کذا فی الطحاوی) اسی طرح غسل میں جب سر کا دھونا ساقط ہو جائے تو اس وقت کا اس کا مسح کرنا چاہئے، اگر چہ پٹی پر مسح کرنا پڑے، مگر یہ بھی اس وقت ہے جب مسح کرنا اس کے لئے نقصان دہ نہ ہو اور اگر مسح نقصان پہونچاتا ہو تو دھونا اور مسح کرنا دونوں ساقط ہو جائے گا اور حکم میں اس شخص کے ہو جائے گا جس کے گویا سر ہے ہی نہیں جس طرح اس شخص سے مسح ساقط ہو جاتا ہے، جیسے سچ مچ عضو نہ ہو۔

☆☆☆☆☆

باب المسح علی الخفین

موزوں پر مسح کا بیان

مصنفؒ نے "مسح علی الخفین" کا باب باندھا ہے، لیکن اس باب میں پٹی پر بھی مسح کرنے کو بھی بیان کیا گیا ہے گویا اس باب میں عنوان سے زیادہ اس بات کو بیان کریں گے، کم نہیں اس لئے یہ عیوب میں شمار نہیں ہو سکتا ہے "خف" کے معنی موزہ کے آتے ہیں تثنیہ "خفین" کا لفظ باب میں اس لئے لایا گیا ہے کہ بلاعذر صرف ایک موزہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہوتا ہے اُموزہ کو "خف" اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں مسح کرنے والے کے لئے خفت ہلکاپن ہے، دھونے کے اعتبار سے مسح سہل ہے، پروردگار عالم کو معلوم تھا کہ موزہ میں یہ سہولت ہوگی اور زبان نبوی ﷺ سے اس کا اعلان ہوگا یہ یادر کھئے کہ موزوں پر مسح کی سہولت امت محمد ﷺ کی خصوصیت ہے۔

اَخَّرَهُ لِثُبُوتِهِ بِالسُّنَّةِ وهو لغة امرار اليد على شئ وَشَرعاً اِصابَةُ البَلَّةِ لِخفٍّ مَخصُوصٍ فِي زَمَنٍ مَخصُوصٍ وَالخُفُّ شَرعاً اَلسَّاتِرُ لِلكَعبَينِ فَاكثَرُ مِن جلدٍ وَنَحوه وشرط مسحه ثَلٰثَةُ اُمُورٍ اَلأَوَّلُ كَونُهُ سَاتِراً مَحَلَّ فَرضِ الغُسلِ اَوِ القَدَمِ مَعَ لكَعبِ اَو يَكُونُ نُقصَانُهُ اَقَلَّ مِنَ الخَرقِ المَانِعِ فَيَجُوزُ عَلَى الزَّرِ بُولِ لَو مَشدُوداً اِلا اَن يَظهَرَ قَدرَ ثَلٰثَةِ اَصابِعِ وَجَوَّزَ مَشَائِخُ سَمَرقَندَ سَترَ الكَعبين بِاللِّفَافَةِ وَالثَّانِي كَونُهُ مَشغُولاً بالرِجلِ لِيَمنَعَ سَرَايَةَ الحَدَثِ فَلَو وَاسِعاً فَمَسَحَ عَلَى الزَّائِدِ وَلَم يَقدُم قَدَمُهُ اِلَيهِ لَم يَجز وَلا يَضُرُّ رُوِيَةُ رِجلِهِ مِن اَعلاهُ

ترجمہ تیمم کے بعد اس لئے اس کو بیان کیا (کہ تیمم کا ثبوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (ﷺ) دونوں سے ہے اس لئے پہلے بیان کیا) اور مسح علی الخفین کا ثبوت صرف سنت نبوی ﷺ سے ہے (اس لئے اسے اس کے بعد بیان کیا) اور مسح عرب کے لغت میں کسی چیز پر ہاتھ کا گذارنا ہے خواہ وہ چیز موزہ ہو یا بدن کا کوئی عضو، یا کوئی اور چیز اور شریعت کی اصطلاح میں مسح خاص قسم کے موزے کو مخصوص زمانہ میں تری پہونچانے کا نام ہے (خاص موزہ کی تعریف آگے آرہی ہے، جس میں کچھ مخصوص شرطیں ہیں اور خاص زمانہ کی مراد یہ ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے واسطے تین دن تین رات) اور شریعت میں موزہ اس کو کہتے ہیں، جس کا اکثر حصہ چمڑے یا اسی طرح کی سخت چیز سے بنا ہوا ہو اور وہ دونوں ٹخنوں کو ڈھانپ لے، موزہ پر مسح کے جائز ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ موزہ اس حصے کو ڈھانپ لینے والا ہو جس کا دھونا وضو میں فرض ہے یا قدم کو ٹخنے کے ساتھ چھپادے یا اس کی کمی اس سوراخ سے کمتر ہو جو مسح کرنے کو روک دیتا ہے، یعنی وہ موزہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں سے کمتر پھٹا ہوا ہو تو اس

پر مسح کرنا جائز ہے اس قدر نقصان مسح کے لئے مانع نہیں ہے لہذا اس جراب پر مسح کرنا درست ہے جو تاگے یا گھنڈی سے بندھا ہوا ہو، ہاں البتہ اس وقت اس پر مسح جائز نہیں ہے، جب وہ پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر کھلا ہوا ہو اور سمرقند کے مشائخ کا قول ہے کہ پھٹے ہوئے موزے کو کپڑے سے ڈھانپ لینا جائز ہے یعنی جو موزہ پھٹا ہوا ہو اگر اس کو کوئی کپڑا باندھ کر چھپالے تو اس پر مسح درست ہوگا (مگر یہ قول ضعیف ہے اہل بخارا کا قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ایسے موزہ پر مسح جائز نہیں ہے، ہاں اس وقت جائز ہوگا جب وہ ایسا غف اور سخت ہو کہ اس میں پانی سرایت نہ کر سکے ورنہ وہ اسکو سی لے) موزہ پر مسح کی دوسری شرط یہ ہے کہ پورے موزہ میں پاؤں بھرا ہوا ہو موزہ خالی نہ رہ گیا ہو تا کہ وہ موزہ حدث کو سرایت نہ کرنے دے اور اگر وہ موزہ کشادہ اور لمبا ہو اور مسح کرنے والے نے زائد والے حصہ پر مسح کیا، جس میں پاؤں نہیں پہونچ سکا ہے تو اس پر مسح جائز نہیں ہوا اور اوپر سے اپنے موزہ میں پاؤں کا اسکے اوپر نظر آنا مسح کے جائز ہونے میں ضرر رساں نہیں ہے۔

تشریح یعنی اگر وہ موزہ کشادہ اور پھیلا ہوا ہے کہ اس کے اوپر سے پاؤں نظر آتا ہے تو اسے کوئی نقصان نہیں ہے، ہاں پہلی صورت میں جو موزہ پاؤں سے بڑا ہے اور مسح زائد حصہ پر ہوتا ہو، تو اس صورت میں البتہ مسح کرنا درست نہ ہوگا فتاوی عالمگیری میں سراج سے نقل کیا ہے کہ اس موزہ پر مسح کرنا معتبر نہیں ہے جو پاؤں سے خالی ہے، لیکن اگر پاؤں کو اس خالی موزہ والے حصہ میں کردیا اور اس پر مسح کیا تو جائز ہوگا اور جب حصہ سے پاؤں ہٹائے گا مسح کا اعادہ کرنا ہوگا اور علامہ حلبی اپنے استاذ سے نقل کرتے ہیں کہ مسح کر لینے کے بعد اس زائد حصہ سے پاؤں ہٹالے گا تو اس پر مسح کا اعادہ ضروری نہیں ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے طحطاوی) "زربول" شام میں ایک قسم کی جراب یا موزہ کو کہتے ہیں، جو دونوں ٹخنوں کی طرف سے کھلا ہوا بنتا ہے اور اس میں گھنڈی لگی ہوتی ہے، پہننے کے بعد اسے کسکر باندھ لیتے ہیں، باندھنے کے بعد کھلا ہوا حصہ چھپ جاتا ہے۔

وَالثَّالِثُ كَوْنُهُ مِمَّا يُمْكِنُ مُتَابَعَةَ الْمَشْيِ الْمُعْتَادِ فِيهِ فَرْسَخاً فَاَكْثَرَ فَلَمْ يَجُزْ علی متخذ مِن زَجَاجٍ اَوْ خَشَبٍ اَوْ حَدِيدٍ وَهُوَ جَائِزٌ فَالْغَسْلُ اَفْضَلُ اِلا لِتُهمَةٍ فَهُوَ اَفْضَلُ بَلْ يَنْبَغِي وُجُوبُهُ عَلٰى مَنْ لَيْسَ مَعَهُ اِلا ما يَكْفِيهِ اَوْ خَافَ فَوْتَ وَقْتٍ اَوْ وُقُوفَ عَرَفَةٍ بَحروفِي الْقُهِسْتَانِي اَنَّهُ رُخصَةٌ مُسقِطَةٌ لِلْعَزِيْمَةِ وَلِهٰذا لَو صَبَّ الْمَاءَ فِي خُفه بنيةِ الْغُسلِ يَنبَغِي اَن يَّصِيرَا اٰثِماً.

ترجمہ تیسری شرط موزہ پر مسح کے جائز ہونے کی یہ ہے کہ وہ موزہ ایسی چیز کا بنا ہو کہ اس میں عادت کے مطابق تین کوس (ایک فرسخ) یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو لہذا اس موزہ پر مسح جائز نہیں ہے، جو کانچ (شیشہ) یا لکڑی یا لوہے کا بنا ہوا ہو اس لئے ان چیزوں کے بنے ہوئے موزے کو پہن کر آدمی بلا تکلف نہیں چل سکتا ہے، اور ایسے موزہ پر جس میں یہ تین شرطیں پائی جائیں مسح کرنا جائز ہے فرض یا واجب نہیں ہے، لہذا مسح کے بجائے ہر وضو کے وقت پاؤں کا دھونا افضل ہوگا مگر جب رافضی یا خارجی ہونے کی تہمت لگنے کا اندیشہ ہو تو اس وقت مسح کرنا ہی افضل ہوگا (اس لئے کہ یہ دونوں فرقے موزوں پر مسح کو جائز نہیں کہتے ہیں) ہاں اس شخص پر موزہ کا مسح واجب ہونا چاہئے جس کے پاس صرف اتنا پانی ہے جو مسح کے لئے تو کافی ہے دونوں پاؤں دھونے کے لئے کافی نہیں ہے، یا اس کو اس کا خوف ہو کہ پاؤں دھونے میں نماز کا وقت نکل جائے گا، یا اگر پاؤں دھونے لگا تو وقوف عرفہ کا موقع باقی نہ رہے گا۔

اور قہستانی میں ہے کہ مسح رخصت ہے، عزیمت کو ساقط کردینے والی ہے، اسی واسطے کہا گیا ہے کہ اگر کوئی اپنے موزوں میں دھونے کی نیت سے پانی ڈال لے گا تو اس کو گنہ گار ہونا چاہئے۔

تشریح کہ رخصت (اجازت) کی بنیاد بندوں کے اعذار پر ہوتی ہے اور عزیمت حکم اصلی کا نام ہے اس کی بنیاد عذروں پر نہیں ہوتی، یہاں یہ بتایا ہے کہ رخصت کی مشروعیت کا منشا یہ ہے کہ عزیمت باقی نہ رہے (یعنی عزیمت پر عمل کرنا جائز نہ ہو) ہاں رخصت بندوں کے عذر کی وجہ سے نہ ہو بلکہ ان کو آرام پہونچانے کے لئے ہو تو اس کے ساتھ عزیمت پر عمل جائز رہتا ہے، پہلی مثال مسافر کے لئے فرض نماز میں قصر کے بجائے چار دو پڑھی جائے اور دوسری کی مثال سفر میں روزہ نہ رکھنا، کہ پہلی صورت میں دو کے بجائے چار رکعت فرض مسافر کے لئے درست نہیں تھے اور دوسری صورت میں سفر میں جی چاہے روزہ رکھے اور جی چاہے نہ رکھے

بِسنَّةٍ مَشهُورَةٍ فَمُنكِرُهُ مبتَدِعٌ وَعَلى رَائِي الثَّانِي كَافِرٌ وَفِي التُّحفَةِ ثُبُوتُهُ بالاِجمَاعِ بَل بِالتَّواتُرِ رُوَاتُهُ اَكثَرُ مِن ثَمَانِينَ مِنهُمُ العَشرَةُ القُهِستَانِي وَقِيلَ بِالكِتَابِ وَرُدَّ بِانَّهُ غَيرُ مُغَياً بِالكَعبَينِ اِجمَاعاً فَالجَرُّ لِلجِوَارِ

ترجمہ موزوں پر مسح کا جائز ہونا سنت مشہورہ (احادیث مشہورہ) سے ثابت ہے (حدیث مشہور اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے راوی ہر زمانہ میں یا ہر طبقہ میں دو یا دو سے زیادہ ہوں مگر وہ تواتر کی حد تک نہ پہونچیں، امام اعظمؒ کا قول ہے کہ میں نے اس وقت تک موزوں پر مسح کی بات نہیں مانی، جب تک وہ بہت سی حدیثوں سے ثابت نہ ہو گئی لہذا جو موزوں پر مسح کا انکار کرے وہ بدعتی ہے) اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسا شخص کافر ہے اور تحفہ میں ہے کہ مسح کا ثبوت اجماع ہے بلکہ تواتر سے ہے، مسح علی الخفین کے راوی اسی ۸۰ صحابیوں سے زیادہ ہیں ان میں عشرہ مبشرہ بھی داخل ہیں اور ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ موزوں پر مسح کرنا کتاب اللہ سے بھی ثابت ہے اور اس قول کی اس طرح تردید کی گئی ہے، کہ موزوں پر مسح کی غایت بالاتفاق ٹخنے نہیں ہیں، لہذا آیات قرآنی "وارجلکم" میں زیر مجرور کی نزدیکی کی وجہ سے ہے۔

تشریح حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ اہل سنت کی پہچان کیا ہے تو فرمایا تعظین الشیخین وجب الختنین, واعتقاد المسح علی الخفین حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بزرگ سمجھنا، اور حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ سے محبت رکھنی، اور موزوں پر مسح کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھنا، امام ابو یوسف منکر مسح کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ آپ کے نزدیک مشہور حدیث، حدیث متواتر کے حکم میں ہے، لہذا جس طرح متواتر کا منکر کافر مشہور کا منکر بھی کافر۔

موزوں پر مسح کی جن صحابیوں سے روایت آئی ہے ان کے نام بعض شروح کے اندر موجود ہیں آیت وضو اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق الخ میں وارجلكم الى الكعبين کا لفظ بھی ہے اس ارجلکم کے لام میں دو قرائتیں ہیں ایک نصب کے ساتھ اور دوسری جر کے ساتھ چنانچہ بعضوں نے اس سے یہ ثابت کیا کہ لام کے زیر کی صورت میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ موزہ ہو تو مسح کرو، اور موزہ نہ ہو تو زبر کے ساتھ قرار دیا جائے اور مطلب یہ کہ اس وقت ان کو دھوؤ، اس کا رد اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر زیر کی قراءت سے موزوں کی حالت میں مسح ثابت کیا جائے گا۔ تو اس کی غایت کعبین ہو گی، تو یہ مطلب ہو گا، موزوں پر مسح ٹخنوں تک واجب ہے اس لئے وارجلکم کے بعد الی الکعبین بھی ہے، حالانکہ کوئی

ٹخنوں تک مسح کے وجوب کا قائل نہیں۔

اب اعتراض یہ رہ جاتا ہے کہ پھر زیر والی قراءت کا مطلب کیا رہ جائے گا، جواب یہ ہے کہ اس ارجل کا عطف دراصل اعضائے مغسولہ وجوھکم اور ایدیکم پر ہے اور اس صورت میں نصب (زبر) لازم تھا، لیکن چونکہ نہ مجرور کے پاس اور اس کے بعد پڑا، یعنی بروسکو کے بعد اور اس کے متصل اس قرب کی وجہ سے اسے جر دے دیا، چنانچہ عرب کا مشہور قول ہے "حجر ضب خرب" سوسمار کا سوراخ خراب ہے تو یہاں قاعدہ میں "خرب" کے با کو پیش چاہئے، کہ وہ ترکیب میں خبر واقع ہے مگر ضب کے ضرب کی وجہ سے زبر بولتے ہیں۔

لِمُحدثٍ ظَاهِرُهُ عَدَمُ جَوَازِهٖ لِمُجَدّدِ الوُضُوءِ اِلا اَن يُقَالَ لَمّا حَصَلَ لَهُ القُربَةُ بِذٰلِكَ صَارَ كَاَنَّهُ مُحدِثٌ لا لِجُنُبٍ وَحَائِضٍ وَالمَنفِيُّ لا يَلزَمُ تَصوِيرُهُ وَفِيهِ اَنَّ النَّفيَ الشَّرعِيَّ يَفتَقِرُ اِلَى اِثبَاتٍ عَقلِيٍّ.

ترجمہ موزوں پر مسح کرنا بے وضو شخص کے لئے جائز ہے اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ وضو رہتے ہوئے تازہ وضو کرنے والے کے لئے مسح جائز نہیں ہے، مگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ وضو پر وضو کرنے سے وضو کرنے والے کو چوں کہ ثواب حاصل ہوا اس لئے وہ اس شخص کے مانند ہو گیا جس کو وضو نہیں ہے، ہاں حیض والی عورت اور جنابت والے مرد و عورت کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے یعنی جن مرد و عورت پر غسل حیض نفاس یا ناپاکی کی وجہ سے فرض ہے اس کے واسطے مسح جائز نہیں ہے (اس لئے کہ ان سب کو تمام بدن کا دھونا لازم ہے اور مسح میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی ہے حضرت صفوان بن عباس سے نسائی ابن ماجہ، اور ترمذی میں روایت ہے، کہ جب ہم سفر میں ہوتے تھے تو رسول اکرم ﷺ ہم کو حکم فرماتے تھے کہ تین دن تین رات تک موزوں کو نہ اتاریں مگر جب جنابت لاحق ہو تو البتہ اتاریں) اور جس کی نفی ہو گئی اس کی صورت کا بیان کرنا لازم نہیں ہے، یعنی جس صورت میں موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، اس کی صورت بیان کرنے کی ضرورت نہیں، اور دفع دخل مذکور کے بیان میں خلل یہ ہے کہ شرعی نفی اثبات عقل کی محتاج ہوتی ہے۔

تشریح جن لوگوں پر غسل فرض ہے اور جنھیں جنبی کہا جاتا ہے ان کے مسح کی صورت کفایہ شرح ہدایہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اس نے وضو کر کے چمڑا والا موزہ پہن لیا، پھر وہ ناپاک (حالت جنابت میں) ہو گیا تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ موزوں کو باندھ کر تمام بدن کو لیٹ کر دھو دے، اور موزوں پر مسح کرے، عینی شرح ہدایہ میں اس طرح مذکور ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا پھر موزہ پہنا اس کے بعد اس کو جنابت پیش آئی، پھر اس کو اس قدر پانی ملا جو اس کے صرف وضو کے لئے کافی ہو سکتا تھا، غسل کے لئے کافی نہ تھا تو ایسا شخص وضو کرے اور اس وضو میں پاؤں دھوئے، موزوں پر مسح نہ کرے، اور جنابت کے واسطے تیمم کرے۔

ثُمَّ ظَاهِرُهُ جَوَازُ مَسحِ مُغتَسِلِ جُمعَةٍ وَنَحوِهٖ وَلَيسَ كَذٰلِكَ عَلٰى مَا فِي المَبسُوطِ وَلا يَبعُدُ اَن يُجعَلَ فِي حُكمِهٖ فَالاَحسَنُ لِمُتَوَضّيٍ لا لِمُغتَسِلٍ وَالسُّنَّةُ اَن يَخطه خُطُوطًا بِاَصَابِعِ يَدٍ مُفرَجَةٍ قَلِيلاً يَبدَاُ مِن قِبَلِ اَصَابِعِ رِجلِهٖ مُتَوَجِّهًا اِلَى اَصلِ السَّاقِ.

ترجمہ ماتن کا ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ اور اس جیسے غسل کرنے والے کے واسطے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے (جب متن میں جنابت والے کے لئے مسح کو نا جائز کہا اور اس کی نفی کی تو اس کلام سے خود بخود یہ ظاہر ہوا کہ جمعہ اور عیدین کے نہانے والے کے لئے موزوں پر مسح کرنا درست ہے کیونکہ یہ غسل واجب نہیں ہے بلکہ مستحب یا سنت ہے) حالانکہ کہ مبسوط میں جو کچھ ہے اس مضمون سے ایسا ثابت نہیں ہوتا ہے، اور جمعہ وغیرہ کے لئے نہانے والے کو جنابت والے کے حکم میں ٹھرانا کچھ بعید نہیں ہے لہذا بہتر عبارت یہ ہے کہ کہا جائے "لمتوضی لا لمغتسل" یعنی لمحدث لا لجنب کی جگہ لمتوضی لا لمغتسل کہنا بہتر رہتا اور خلاصہ یہ ہوگا کہ موزوں پر مسح کرنا وضو کرنے والے کے واسطے جائز ہے نہ کہ نہانے والے کے واسطے، اور مسح کرنے میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کو تھوڑا سا کھول کر ان سے خطوط بنائے، اپنے پاؤں کی انگلیوں کی طرف سے شروع کرے اور کھینچتا ہوا پنڈلی کی جڑ کی طرف لے آئے۔

تشریح جامع صغیر میں مسح کی کیفیت یہ لکھی ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں داہنے موزے کی انگلیوں کے سرے پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے سرے پر رکھے اور پھر انگلیوں کی طرف سے ان دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھینچتا ہوا پنڈلی کر جڑ تک دونوں ٹخنوں سے گذارتا ہوا لائے، ٹخنوں کو اس وجہ سے کہا کہ وضو میں ان کا دھونا فرض ہے، لیکن یہاں ٹخنوں کا مسح کرنا سنت ہے، اور مسح میں انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی بھی رکھے تو بہتر ہے، محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے، اور اصح قول یہ ہے کہ ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کرنا فرض ہے اور ہر قدم پر تین انگلیوں کے برابر مسح ضروری ہے اور یہ فرض عملی ہے اور ہاتھ کے اندر کے حصہ سے مسح کرنا مستحب ہے اگر مسح کی جگہ میں پانی لگ جائے، اور اسی پر مسح کرے تو کافی ہوگا، اسی طرح کوئی موزہ پہن کر شبنم سے بھیگی ہوئی یا بارش سے بھیگی ہوئی گھاس میں چلے اور موزہ تر ہو جائے، اور اس پر ہاتھ کی انگلیوں سے مسح کرے تو یہ کافی ہو جائے گا، معتمد قول یہی ہے دیکھئے طحطاوی۔

وَمَحَلُّهُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ مِنْ رُؤُسِ اَصَابِعِهِ اِلٰى مَعْقَدِ الشِّرَاكِ وَيَسْتَحِبُّ الجَمْعُ بَيْنَ ظَاهِرٍ وَّبَاطِنٍ ظَاهِرٍ اَوْجُرْمُوْقَيْهِ وَلَوْ فَوْقَ خُفٍّ اَوْ لِفَافَةٍ وَلَا اِعْتِبَارَ بِمَا فِيْ فَتَاوٰى الشَّاذِى لِاَنَّهُ رَجُلٌ مَّجْهُوْلٌ لَا يُقَلَّدُ فِيْمَا خَالَفَ النُّقُوْلَ اَوْجَوْرَبَيْهِ وَلَوْ مِنْ غَزْلٍ اَوْ شِعْرٍ اَوِ الثَّخِيْنَيْنِ بِحَيْثُ يَمْشِيْ فَرْسَخاً وَيَثْبُتُ عَلَى السَّاقِ بِنَفْسِهِ وَلَا يُرٰى مَا تَحْتَهُ وَلَا يَشِفُّ الْمَاءُ اِلَّا اَنْ نَّفَذَ اِلَى الْخُفِّ قَدْرَ الْفَرْضِ وَلَوْ نَزَعَ جُرْمُوْقَيْهِ اَعَادَ مَسْحَ خُفَّيْهِ وَلَوْ نَزَعَ اَحَدَهُمَا مَسَحَ الْخُفَّ وَالْجُرْمُوْقَ الْبَاقِيْ وَلَوْ اَدْخَلَ يَدَهُ تَحْتَهُمَا وَمَسَحَ خُفَّيْهِ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ مسح کرنے کی جگہ دونوں موزوں کا اوپری حصہ ہے یہ انگلیوں کے سرے کی طرف سے تسمہ باندھنے کی جگہ تک آتی ہے طحطاوی کے بیان کے مطابق "تسمہ باندھنے کی جگہ" سے قدم کا واسطہ مراد ہے (اس صورت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ موزے کے اوپر کی سطح کے بجائے اگر کوئی صرف اس کے نچلے حصے یا اس کے کناروں یا ایڑی یا ٹخنوں پر مسح کرے گا تو یہ درست نہ ہوگا ذیلعی میں اس کی صراحت موجود ہے اس کے لئے دیکھئے طحطاوی) اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ موزے کی ظاہر و باطن دونوں حصوں کو مسح میں شریک کرلے، یعنی اس کے اوپر بھی مسح کرے، اور اس کے تلوے والے حصہ پر بھی جو باہر ہے

(لیکن دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ اس طرح نہ مستحب ہے اور نہ مسنون، اور جس حدیث میں اعلی واسفل نیچے اوپر دونوں کا ذکر آیا ہے، اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر علامہ عینی شارح ہدایہ نے صاحب بدائع سے نقل کیا ہے کہ دونوں کا جمع کرنا مستحب ہے، جمہور نے اس موقع پر حضرت علیؓ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں صراحت ہے کہ اگر دین والے سے ہوتا تو کوئی شبہ نہیں کہ موزے کے نچلے حصہ پر مسح اس کے اوپری حصہ سے مقدم ہوتا، حالانکہ کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ موزوں کے ظاہر پر مسح کیا کرتے تھے، اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام احمدؒ اور امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صاحب ہدایہ نے یہ جو لکھا ہے کہ موزے کے تلوے والے حصہ پر مسح درست نہیں ہے اگر ان کی مراد یہ ہے، کہ صرف اسی پر اکتفا کرنا درست نہیں ہے تو یہ قول تسلیم شدہ ہے اور ان کی مراد یہ ہے کہ تلوے والے حصہ کو اوپر والے حصہ کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں ہے تو یہ قابل قبول نہیں ہے پوری تفصیل عینی شرح ہدایہ میں ملاحظہ فرمائیں)

موزوں پر مسح کی جگہ تو جیسا بتایا گیا ہے موزوں کا ظاہری (اوپری) حصہ ہے گویا اس پر مسح جائز ہے اور یا پھر جر موقین پر مسح جائز ہے اگر یہ دونوں جر موقی موزے کے اوپر ہوں یا اس کپڑے پر ہوں جو پاؤں پر لپٹا ہوا ہے (جر موق چمڑے کا تھیلہ سا ہوتا ہے جس کو موزے کے اوپر اس کی حفاظت کیلئے پہنتے ہیں تاکہ موزے میں کیچڑ وغیرہ لگنے نہ پائے)، منح الغفار میں ہے کہ موزے پہ جو جر موق پہنا جاتا ہے اگر وہ چمڑے کا ہے، یا اسی طرح کی کسی مضبوط گاڑھی چیز کا تو اس پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ اس کو موزے پر کسی نے پہن رکھا ہو یا صرف اسی کو بغیر موزے پہن رکھا ہو دونوں صورتوں میں اور جر موق کپڑے کا ہے تو اس کے تنہا پہننے کی صورت میں تو اس پر مسح جائز ہے ہی نہیں، اسی طرح اس صورت میں بھی اس پر مسح جائز نہیں جب کہ اسے موزے پر پہن رکھا ہو اور مسح کی تری اس موزے پر نہ پہونچ سکے جو اس کے نیچے ہے، ہاں اگر تری موزے تک پہونچ رہی ہو تو اس دوسری صورت میں اس پر مسح جائز ہوگا) باقی فتاوی شاذی میں جو کچھ لکھا ہے وہ لائق اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ شاذی ایک مجہول شخص ہے، جس کو کوئی نہیں جانتا، لہذا اس کا جو قول منقولات مذہب کے مخالف ہوگا اس کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

فتاوی شاذی میں یہ لکھا ہوا ہے کہ موزے کے نیچے جو کپڑا پہنا جاتا ہے وہ موزوں پر مسح کے لئے مانع ہے یعنی اس نیچے والے کپڑے کی وجہ سے موزہ پر مسح درست نہ ہوگا، کیوں کہ یہ کپڑا پاؤں اور موزوں کے درمیان فصل کا کام کرتا ہے اور اس نے موزے کو پاؤں سے جدا کر رکھا ہے، لیکن فقہ کی مشہور کتاب کافی میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اگر کسی کا موزہ ایسا پھٹا ہوا ہے کہ اس پر مسح جائز نہیں قرار پا سکتا اور کسی نے اس پھٹے ہوئے موزے پر جر موق پہن لیا تو اس جر موق پر بالاتفاق مسح جائز ہے، اس کافی والے مسئلہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ درمیان کی چیز مسح کے لئے مانع نہیں بنتی ہے اس لئے کہ اس مسئلہ میں مسح دراصل جر موق پر ہو رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسا پھٹا موزہ بھی ہے جس پر مسح جائز نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پھٹا ہوا موزہ پاؤں اور جر موق کے درمیان فصل پیدا کرتا ہے ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے، اب اس کو سامنے رکھکر غور کیجئے کہ کپڑا جو موزے کے نیچے ہے وہ موزوں پر مسح کے لئے مانع کیسے بن سکتا ہے، چنانچہ صاحب بحر نے اسی کو حق کہا ہے کہ اندر کپڑا ہونے کے باوجود پہلی صورت میں موزہ پر مسح جائز ہوگا یا مسح کرے اپنی ان جرابوں پر جو گاڑھے کی ہوں، گو وہ سوت کے بنے ہوئے ہوں یا بال کے ایسے گاڑھے ہوں کہ آدمی ان کو پہن کر تین ایک فرسخ چل سکے، اور وہ جرابیں پنڈلی پر خود سے رکی ہوئی ہوں

باندھنے کی ضرورت نہ پڑے، اور وہ ایسی ہوں کہ اس کے اندر کی چیز نظر نہ آئے، اور نہ اس میں پانی سرایت کر کے نیچے چلا جائے، یعنی پانی اس میں نہ چھنے، مگر اس وقت مسح جائز ہے جب کہ پانی نفوذ کرے، اس کے نیچے کے موزے تک بقدر فرض پہونچ جائے، اور دونوں جرموق کو موزے پر سے اتارے تو پھر اس وقت اپنے موزوں پر دوبارہ مسح کرے (پہلا جرموق والا مسح کافی نہ رہے گا) اور اگر ایک جرموق نکالے تو اس وقت دونوں موزوں کا مسح جاتا رہا لہذا موزہ اور باقی رہنے والے جرموق پر مسح کرے اور اگر اس نے اپنا ہاتھ دونوں جرموق کے اندر داخل کیا اور اپنے دونوں موزے کا مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حدث کی جگہ اس صورت میں جرموق کا ظاہر حصہ ہے، نہ کہ موزہ کا داخل حصہ۔

وَالمُنعَلَينِ بسُكُونِ نُونٍ مَا جُعِلَ عَلٰى اَسفَلِهٖ جِلدَةٌ وَالمُجَلَّدَينِ مَرَّةً لَو امرَاَةً اَو خُنثٰى مَلبُوسَينِ عَلٰى طُهرٍ فَلَو اَحدَثَ وَمَسَحَ بِخُفَّيهِ اَو لَم يَمسَح فَلَبِسَ جُرمُوقَيهِ لا يَمسَحُ عَلَيهِ تَامَّ خَرَجَ النَّاقِصُ حَقِيقَةً كَلُمعَةٍ اَو مَعنًى كَمُتَيَمِّمٍ وَمَعذُورٍ فَاِنَّهٗ يَمسَحُ فِي الوَقتِ فَقَط اِلا اِذَا تَوَضَّاءَ وَلَبِسَ عَلَى الاِنقِطَاعِ اَلصَّحِيحُ عِندَ الحَدَثِ فَلَو تَخَفَّفَ المُحدِثُ ثُمَّ خَاضَ المَاءَ فَابتَلَّ قَدَمَاءُ ثُمَّ تَمَّمَ وُضُوئَهٗ ثُمَّ اَحدَثَ جَازَ اَن يَمسَحَ يَوماً وَلَيلَةً لِمُقِيمٍ وَثَلٰثَةَ اَيَامٍ وَلَيَالِيهَا لِمُسَافِرٍ وَابتِدَاءُ المُدَّتِ مِن وَقتِ الحَدَثِ فَقَد يَمسَحُ المُقِيمُ سِتاً وَقَد لا يَتَمَكَّنُ اِلا مِن اَربَعٍ كَمَن تَوَضَّأَ وَتَخَفَّفَ قَبلَ الفَجرِ فَلَمَّا طَلَعَ صَلّٰى فَلَمَّا تَشَهَّدَ اَحدَثَ.

ترجمہ اور منعل جرابوں پر مسح جائز ہے منعل نون کے سکون کے ساتھ ہے، منعل اس جراب کو کہتے ہیں جس کے صرف تلوے والے حصہ پر چمڑا لگایا گیا ہو، ٹخنوں پر لگا ہوا نہ ہو اور چمڑہ لگی ہوئی جراب پر مسح جائز ہے، (مجلد وہ جراب ہے کہ نیچے اوپر دونوں چمڑہ لگا ہوا ہو) مسح ایک بار ہے (اس سے زیادہ مرتبہ خلاف سنت ہے) یہ مسح جائز ہے اگر چہ وہ محدث ہو یا عورت ہو، یا خنثی یعنی ان سب کے لئے جائز ہے لیکن اس حالت میں موزے پر مسح جائز ہے کہ وہ دونوں (موزے جرموقین یا جرابیں) کامل پاکی پر پہنے گئے ہوں، لہذا اگر موزے پہننے والے نے حدث کیا اور اس کا وضو ٹوٹا پھر اس نے مسح کیا یا نہ کیا پھر اس نے دونوں جرموق پہنے تو جرموقین پر مسح نہ کرے اس لئے کہ اس نے جرموقین کو طہارت پر نہیں پہنا ہے بلکہ اس صورت میں وہ موزوں پر ہی مسح کرے گا، کیونکہ وہ دونوں پوری طہارت (پاکی) پر پہنے گئے ہیں، طہارت کامل میں کامل (تام کی شرط سے وہ طہارت خارج ہو گئی جو ناقص ہو، یا یہ ناقص حقیقی ہو یا معنوی) ناقص حقیقی کی مثال جیسے وضو کے اعضاء میں سے کچھ حصہ خشک رہ گیا، اور ناقص معنوی کی مثال جیسے تیمم کرنے والے اور معذور کی طہارت (تیمم کی صورت یہ ہوئی کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے کسی نے تیمم کیا اس کے بعد موزوں کو پہن لیا، پھر اس کو پانی ملا تو اب وضو میں مسح نہ کرے گا اور نہ یہ مسح کرنا اس کے لئے جائز ہے، ہاں اب اس نے کامل وضو کر کے موزہ پہنا اور پھر وضو ٹوٹا اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس کو تیمم کرنا پڑا، اب اس کے بعد اس کو پانی ملا تو مسح کی مدت کے اندر اندر اس کے لئے مسح کرنا درست ہے) دیکھئے طحطاوی

ناقص معنوی کی مثال دی جیسے مقیم اور معذور کی طہارت کہ یہ اس تعریف سے خارج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معذور صرف وقت میں مسح کرے گا (اس کی صورت یہ ہے کہ معذور نے عذر کے پائے جانے کی وجہ سے مثلاً ظہر کی نماز کے وقت میں

وضو کیا اور موزہ پہن لیا، اب اگر اس ظہر کے وقت کے اندر اندر جب اس کا وضو ٹوٹے گا تو اس وضو میں اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہوگا، عصر کے وقت کے داخل ہونے کے بعد جو وضو کرے گا اس میں ظہر کے وقت پہنے ہوئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا، بلکہ اس وقت پھر وہ کامل وضو کرے گا یعنی موزہ نکال کر پاؤں دھوئے گا اور پھر پہنے گا تو عصر کے اندر اندر جب جب وضو ٹوٹے گا تو اس کو اس کے بعد وقت عصر کے اندر اندر مسح کرنا جائز ہوگا) لیکن جب معذور عذر کے ختم ہونے پر وضو کرے اور موزہ پہنے تو وہ تندرست کے حکم میں ہے یعنی مدت مسح کے اندر اس کو مسح کرنا جائز ہے، جس طرح تندرست مقیم ایک دن ایک رات اور مسافر تین دن تین رات مسح کر سکتا ہے، یہ بھی ایسا کر سکتا ہے، اور کامل طہارت حدث کے وقت ہونی چاہئے یعنی موزہ پہننے کے وقت طہارت کاملہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کے بعد جب وضو ٹوٹے اس وقت پوری طہارت کا پایا جانا ضروری ہے، لہذا اگر بے وضو شخص نے موزہ پہنا اس کے بعد وہ پانی کے اندر گھسا جس سے اس کے دونوں پاؤں تر ہو گئے پھر اس نے باقی اعضاء وضو کو پورا کیا یعنی اپنا وضو مکمل کیا اب پھر اس کا وضو ٹوٹا تو اس کے لئے مسح کرنا جائز ہوگا، اس لئے جب وضو ٹوٹا تھا تو اس وقت اس کا وضو کامل تھا اور یہی شرط ہے کہ موزہ پہننے کے وقت طہارت کامل ہو یا نہ ہو مگر حدث کے وقت کامل ہونا ضروری ہے (اسی طرح ایک شخص نے پہلے دونوں پاؤں دھو کر دونوں موزے پہن لئے پھر اس کے بعد وضو پورا کیا تو اب بھی حدث کے بعد مدت کے اندر مسح اس کے لئے جائز ہے) مسح کی مدت مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین رات اور اس حدث کی ابتداء وضو کے ٹوٹنے کے وقت سے ہوگی، مثلاً کسی نے وضو کر کے موزہ پہنا تھا ایک بجے دن میں اور اس کا یہ وضو ٹوٹا نو بجے رات میں تو ایک دن ایک رات یا تین دن تین رات کی ابتداء نو بجے رات سے ہوگی، ایک بجے دن سے نہ ہوگی، بس مقیم کبھی چھ نمازوں میں موزوں پر مسح کرے گا اور کبھی چار نمازوں سے زیادہ پر قادر نہیں ہوتا، جیسے وہ شخص جس نے صبح ہونے سے پہلے وضو کیا، جب صبح ہو چکی تو اس نے نماز شروع کی، جب وہ اس نماز میں التحیات پڑھ چکا تھا کہ وضو ٹوٹ گیا۔

تشریح چھ نماز میں مسح کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک شخص نے طہارت کے بعد صبح میں موزہ پہنا، جب فجر خوب روشن ہو چکی تو اس کا پیشاب یا کسی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا چنانچہ اس نے فجر کی نماز کے لئے وضو کیا اور اس وضو میں پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کیا اور آفتاب نکلنے سے ذرا پہلے فجر کی نماز ادا کی، اب اس مقیم کی مدت مسح ختم اسی وقت پر دوسرے دن ہوگی، تو پانچ وقت پہلے دن کی پڑھی فجر سے لے کر عشاء تک اور دوسرے دن کی پھر فجر کی نماز مسح سے پڑھی اس لئے کہ ان کا وقت قبیل شمس تک ہے، اس کو ملا کر چھ نمازیں ہو گئیں

دوسرے کی مثال خود کتاب میں دی ہے کہ موزہ پر مسح کر کے صبح کی نماز شروع کی تھی کہ تشہد ختم کرنے کے بعد اس کا وضو ٹوٹ گیا اب اس کی مدت کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی، اب نماز ظہر کے وضو میں مسح کر سکتا ہے، عصر میں، مغرب میں اور پھر عشاء میں، اب جب مسح کر کے نماز فجر شروع کرے گا تو تشہد پر پہونچ کر اس کی مدت مسح پوری ہو چکے گی اس لئے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی، لہذا دوسرے دن کی فجر کی نماز پوری نہ ہو سکے گی۔

لَایَجُوزُ عَلٰی عِمَامَةٍ وَقَلَنسُوَةٍ وَبُرقُعٍ وَقُفَّازَینِ لِعَدمِ الحَرَجِ وَفَرضُهٗ عَمَلاً قَدرَ ثَلٰثَ اَصَابِعَ الیَدِ اَصغَرُهَا طُولاً وَعَرضاً مِن کُلِّ رِجلٍ لَا مِنَ الخُفِّ فَمَنَعُوا فِیهِ مَدَّ الاَصبَعِ فَلَو

مَسحَ بِرُؤُسِ اَصَابِعِهٖ وَجَافٰی اُصُولَهَا لَم یَجُزْ اِلَّا اَن یَبتَلَّ مِنَ الخُفِّ عِندَ الوَضعِ قَدرَ الفَرضِ قَالَهُ المُصَنِّفُ ثُمَّ قَالَ وَفِی الذَّخِیرَةِ اَنَّ المَاءَ مُتَقَاطِراً جَازَ وَاِلَّا لَا وَلَو قَطَعَ قَدَمَهُ اَی بَقِیَ مِن ظَهرِهٖ قَدرَ الفَرضِ مَسَحَ وَاِلَّا غَسَلَ کَمَن قُطِعَ مِن کَعبَیهِ وَلَو لَهُ رِجلٌ وَاحِدَةٌ مَسَحَهَا وَجَازَ مَسحُ خُفٍّ مَغصُوبٍ خِلَافاً لِلحَنَابِلَةِ کَمَا جَازَ غَسلُ رِجلٍ مَغصُوبَةٍ اِجمَاعاً وَالخَرقُ الکَبِیرُ بِمُوَحَّدَةٍ اَو مُثَلَّثَةٍ وَهُوَ قَدرُ ثَلٰثُ اَصَابِعَ القَدَمِ الاَصَاغِرِ بِکَمَا لِهَا وَمَقطُوعُهَا یُعتَبَرُ بِاَصَابِعِ مُمَاثِلِهٖ یَمنَعُهُ اِلَّا اَن یَکُونَ فَوقَهُ خُفٌّ اٰخَرُ اَو جُرمُوقٌ فَیَمسَحُ عَلَیهِ.

ترجمہ عمامہ، ٹوپی، برقعہ اور دستانوں پر مسح جائز نہیں ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں کوئی مشقت اور تکلیف نہیں ہے کہ اس کی اجازت دیجاتی (دوسری وجہ مسح کے جائز نہ ہونے کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مسح علی الخفین کا ثبوت حدیث نبوی سے خلاف قیاس ہے لہذا موزے پر دوسری چیز کا قیاس درست نہ ہوگا)

اور موزے کا فرض عملی ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی سے تین انگلی کے برابر ہے، طول میں بھی اور عرض میں بھی، ہر پاؤں سے یہ مقدار ہے، نہ کہ ہر موزے سے (یعنی مقدار فرض تین چھوٹی انگلی ہے خواہ ابتداء کسی طرف سے ہو مگر مستحب اور سنت طریقہ انگلی کے سرے کی طرف سے ہے جیسا کہ گذرا، ہر پاؤں سے تین انگلی کی مقدار کی شرط کا منشاء یہ ہے کہ کسی پاؤں میں اس مقدار سے کم پر مسح ہوگا تو درست نہ ہوگا خواہ مجموعی طور پر مقدار پوری ہوجائے مثلاً کوئی ایک پاؤں کے موزے پر دو انگلی کے برابر مسح کرے اور دوسرے پر چار انگلی کے برابر تو یہ مسح درست نہ ہوگا اور فرض ادا نہ قرار پائے گا اسی طرح موزے کے اس حصہ پر مسح کرنا ضروری ہے جس میں پاؤں ہے، جو حصہ موزہ کا پاؤں سے زیادہ ہو اور کوئی اس پر مسح کرے تو بھی فرض ادا نہ ہوگا) چونکہ مسح تین انگلی کے مقدار ہے اس لئے فقہاء نے مسح کے اندر ایک انگلی کا کھینچنا منع کیا ہے، یعنی ایک انگلی ایک مرتبہ تر کرکے اس تین انگلیوں کی مقدار مسح کیا تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر ایک انگلی سے اس طرح تین بار مسح کیا کہ ہر بار نیا پانی لیا اور الگ جگہ مسح کیا تو یہ جائز ہے، لہذا اگر انگلیوں کے سرے سے مسح کیا اور ان کی جڑوں کو موزے سے جدا رکھا تو مسح جائز نہیں ہوا، (اس وجہ سے کہ اس صورت میں مستعمل پانی سے مسح ہوا) مگر یہ کہ انگلیوں کے رکھنے کے وقت بقدر فرض موزہ تر ہوگیا تو اس صورت میں مسح جائز ہوگا، مصنفؒ نے اپنی شرح میں ایسا ہی کہا ہے (اس وجہ سے کہ اس طرح مستعمل پانی کے بغیر فرض ادا ہوگیا) پھر مصنفؒ نے شرح میں لکھا ہے کہ اور ذخیرہ میں یہ ہے کہ اگر انگلیوں کے سرے سے پانی ٹپکتا ہے تو مسح جائز ہے (کہ فرض ادا ہوا اور غیر مستعمل پانی سے ہوا) اور اگر انگلیوں کے سرے سے پانی ٹپکتا نہیں ہے تو مسح جائز نہیں ہے، اور اگر ایک آدمی کا پاؤں کاٹا گیا تو اگر قدم کی پشت کی جانب سے بقدر فرض تین انگلیوں کے برابر باقی ہے تو موزوں پر مسح کرے اور اگر بقدر فرض پشت قدم باقی نہیں ہے تو دونوں پاؤں اس شخص کی طرح دھوئے جس کی پیر دونوں ٹخنوں سے کاٹ دیا گیا ہو یعنی اس کے نیچے سے کہ اس کے لئے بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسح کرنے کی جگہ باقی نہیں رہی، ہاں دھونے کا محل البتہ باقی ہے، لہذا دھوئے گا، اور اگر کسی کے ایک ہی پاؤں ہے خواہ ایسا پیدائشی ہے یا ایک پاؤں ٹخنوں سے اوپر سے کٹ گیا ہے تو اس حالت میں یہ شخص اسی ایک پیر کے موزے پر مسح کرے گا، جو موزہ چھین کر پہنا گیا ہے اس پر مسح جائز ہے، یہ مسئلہ حنبلیوں کے خلاف ہے، چھیننے کا گناہ ہوگا کہ

یہ گناہ کبیرہ ہے لیکن جو اس پر مسح کر کے نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی، جس طرح اس پیر کا وضو میں دھونا بالاتفاق جائز ہے جو پیر قصاص کی وجہ سے مستحق قطع ہے، اس کو "مغصوب پیر" کہا گیا ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جب جرم شرعی کی وجہ سے پاؤں کاٹنے کا حکم ہو گیا اور پھر وہ شخص بھاگ گیا تو گویا اس نے پاؤں کو زبردستی غصب کر لیا، یہ شخص جب وضو کرے گا تو وضو میں پاؤں دھوئے گا، گو یہ پاؤں حقیقتا اس کا نہیں ہے، لیکن جب تک اس کے تصرف میں ہے حکم نافذ ہو گا، اور موزے کا بڑا یا بہت اتنا بڑا سوراخ جس کی مقدار پیر کی چھوٹی انگلی سے پوری تین انگلیوں کے برابر ہے مسح کے لئے مانع ہے اس پر مسح کرنا درست نہ ہوگا، اور جس شخص کی ساری انگلیاں کٹی ہوئی ہوں اس کے لئے اس دوسرے کی انگلیوں کا اعتبار ہو گا جس کی انگلیاں اس کی انگلیوں کے مماثل اور برابر ہیں۔

"والخرق الکبیر" میں کبیر باء کے ساتھ اور کثیر ثا کے ساتھ دونوں طرح ہو سکتا ہے، طحطاوی نے کبیری سے نقل کیا ہے کہ کبیر صحیح ہے، اگرچہ کثیر بھی تاویل کے ساتھ درست ہو جائیگا، ہاں جب اس پھٹے ہوئے موزے پر دوسرا موزہ یا جرموق پہنے ہوئے ہو تو وہ اس پر مسح کرے گا، اس لئے کہ اوپر والے کا اعتبار ہوا کرتا ہے نہ کہ نیچے والے کا۔

وَهٰذَالَو الخَرقُ عَلٰى اَصَابِعِهٖ وَعَقِبِهٖ وَيُرٰى مَا تَحتَهٗ فَلَو عَلَيهَا اُعتُبِرَ الثّلُثُ وَلَو كِبَارًاوَلَو عَلَيهِ اُعتُبِرَ بَدوُاَ كثرِهٖ وَلَو لَم يَرَ بِقَدرِ المَانِعِ عِندَ المَشيِ لِصَلَابَتِهٖ لَم يَمنَع وَاِن كَثُرَ كَمَا لَو انفَشَقَّتِ الظّهَارَةُ دُونَ البَطَانَةِ وَتَجمَعُ الخُرُوقُ فِي خُفٍّ وَاحِدٍ لَا فِيهِمَا بِشَرطِ اَن يَقَعَ فَرضُهٗ عَلَى الخُفِّ نَفسُهٗ لَا عَلٰى مَا ظَهَرَ مِن خَرقٍ يَسِيرٍوَاَقَلُّ خَرقٍ يَجمَعُ لِيَمنَعَ المَسحَ الحَالِي وَالاِستِقبَالِي كَمَا يَنتَقِضُ المَاضَوِيّ قهستاني قُلتُ وَمَرَّ اَنَّ مَا نَاقِضَ التَيَمُّمِ يَمنَعُ وَيُرفَعُ كَنِجَاسَةٍ وَاِنكِشَافٍ حَتّٰى انعِقَادُهَا كَمَا سَيَجِئُ فَلَيَحفِظ مَا تَدخُلُ فِيهِ المَسلَةُ لَا مَا دُونَهٗ اِلحَاقًا لَهٗ بِمَوَاضِعِ الخَرزِ بِخِلَافِ نَجَاسَةٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَاِنكِشَافِ عَورَةٍ وَطِيبِ مُحرِمٍ وَاَعلَامُ ثَوبِ حَرِيرٍ فَاِنَّهَا تَجمَعُ مُطلَقًا وَاختَلَفَ فِي جَمعِ خُرُوقِ اِذفِي اَضحِيَةٍ وَيَنبَغِي تَرجِيعُ الجَمعِ اِحتِيَاطًا

ترجمہ انگلیوں میں چھوٹی انگلی کا اعتبار اس وقت ہے جبکہ سوراخ اور پھٹن اس کی انگلیوں اور ایڑی پر نہ ہو اور سوراخ کے نیچے پاؤں نظر آتا ہو اور اگر یہ پھٹن انگلیوں کے اوپر ہو تو مسح کے جائز نہ ہونے میں تین انگلیوں کا اعتبار ہو گا اگرچہ وہ بڑی انگلیاں ہوں، اور اگر یہ پھٹن ایڑی پر ہو تو اس صورت میں ایڑی کے اکثر حصہ کا کھل جانا معتبر ہے، یعنی اگر آدھی ایڑی سے زیادہ کھلی ہوئی ہے تو مسح جائز نہیں ہے اور اگر چلنے کے وقت موزے کی سختی کی وجہ سے اس قدر پاؤں کا حصہ نظر نہ آئے جو مسح کے لئے مانع ہے تو گو وہ پھٹن زیادہ ہو لیکن مسح کے ناجائز ہونے کا سبب نہ بنے گا (حلبی کا قول ہے کہ اگر زمین سے پاؤں اٹھاتے وقت نظر نہ آئے تو یہ موزوں پر مسح کا مانع نہ بنے گا)، چنانچہ اگر موزے کا صرف ابرہ پھٹا ہے اور استر محفوظ ہے تو یہ مسح کے لئے مانع نہیں ہے، خواہ استر چمڑے کا ہو یا کپڑے کا موزے میں سلا ہوا، اور ایک موزے میں اگر مختلف جگہ سے پھٹن ہو تو ان سب کو ایک کے حساب میں جمع کیا جائے گا، دو کے حساب میں وہ جمع نہ ہو گا، اگر وہ پھٹا ہوا مختلف جگہ سے سب مل کر تین انگلیوں کی مقدار ہو جاتا ہے تو مسح جائز نہیں ہے، لیکن اگر ایک پیر کے موزے میں تین انگلیوں سے کم پھٹا ہوا ہو تو مسح جائز ہے، اور اگر یہ تین

نگلیوں کی مقدار دونوں موزوں میں ملا کر ہوتی ہے تو بھی مسح جائز ہے۔

دونوں موزوں پر مسح اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مسح کا فرض نفس موزے پر واقع ہو، اس جگہ پر نہ ہو جو تھوڑا پھٹا ہوا ہے، اور کمتر پھٹن اور سوراخ جمع کیا جاتا ہے تاکہ وہ فوری مسح کو اور آئندہ مسح کو روک دے جس طرح وہ گذشتہ مسح کو توڑ ڈالتا ہے، جیسا کہ قہستانی میں ہے (فوری مسح یا مسح حالی وہ ہے جس کے فی الحال کرنے کا ارادہ ہو اور استقبالی مسح وہ ہے جو بعد میں ہونے والا ہو اور مسح ماضی کی صورت یہ ہے کہ درست موزے پر مسح کیا پھر وہ تین انگلیوں کے برابر یا اس سے زیادہ پھٹ گیا تو یہ مسح کے لئے مانع ہے اور گذشتہ مسح ٹوٹ گیا)

میں کہتا ہوں کہ یہ بات باب تیمم میں گذر چکی ہے کہ جو چیز تیمم کو توڑ دیتی ہے وہ ابتدائے تیمم کے لئے بھی مانع ہے اور وہ موجودہ تیمم کو دور کر دیتا ہے جیسے نجاست اور ستر کا کھل جانا کہ دونوں ابتدائے نماز کے لئے بھی مانع ہے اور جو نماز ہو رہی ہے اس کو بھی وہ ختم کر دیتی ہے یعنی نجاست مغلظہ قدر درہم یا اس سے زیادہ لگی ہو تو نماز اس کے ساتھ جائز نہیں ہوتی، اسی طرح دوران نماز میں اتنی نجاست جسم یا کپڑے میں لگ جائے تو یہ چیز نماز کو ختم کر دے گی، حتی کہ یہ چیز انعقاد نماز تکبیر تحریمہ کے لئے بھی مانع ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے، اسے یاد رکھا جائے (کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اسی طرح موزے کا بقدر تین انگلی پھٹا ہوا ہونا بھی مسح کیلئے مانع اور رافع ہے، شروع میں اس قدر پھٹا ہوا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں اور مسح کے بعد اتنا پھٹ جائے تو مسح جاتا رہے گا)

کمتر سوراخ جو مسح کے توڑنے یا ناجائز ہونے کے لئے جمع کیا جاتا ہے اس سے وہ سوراخ مراد ہے جس میں ٹانٹ وغیرہ سینے کا سوا داخل ہوا ہو، باقی جو سوراخ اس سے کمتر ہو وہ معاف ہے شمار کے لائق نہیں اس لئے کہ یہ سینے کی جگہ کے ساتھ ملحق ہے۔

موزہ کی پھٹی ہوئی جگہ تو ایک پیر کے موزہ میں جمع کی جاتی ہے، باقی وہ متفرق نجاست اور ستر کا کھلنا اور حالت احرام کی خوشبو اور ریشم کے بنے ہوئے بیل بوٹے یہ مطلقاً جمع کئے جاتے ہیں خواہ ایک مقام میں ہو یا چند مقامات میں اور نمازی کے جس حصہ میں بھی ہو، اور قربانی کے جانور کے دونوں کانوں کے سوراخوں کو جمع کرنے میں اختلاف ہے یعنی ایک قول یہ ہے کہ دونوں کے سوراخوں کو جمع کریں گے اگر وہ ایک کان کی تہائی سے زیادہ ہونگے تو اس جانور کی قربانی جائز نہ ہوگی اور دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں کانوں کے سوراخوں کو ایک ساتھ جمع نہ کریں گے، صرف ایک کان کے سوراخوں کو جمع کریں گے، جس طرح موزوں میں صرف ایک موزہ کا سوراخ جمع کیا جاتا ہے، اور احتیاط پہلے قول کو ترجیح دینے میں ہے۔

تشریح ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اگر اس کے مختلف حصوں میں نجاست لگی ہوئی ہے جیسے کچھ موزے میں کچھ کپڑے میں ہو اور کچھ بدن میں، یا اسی طرح جگہ میں متفرق جگہ نجاست لگی ہو اور یہ سب مل کر درہم یا اس سے زیادہ ہوتی ہے تو نماز نہ ہوگی، اسی طرح نمازی کا ستر مختلف جگہوں سے کھلا ہوا ہے کچھ ران کا حصہ کچھ سرین کا حصہ) کچھ شرمگاہ کا حصہ اور یہ سب مل کر اتنا ہو جاتا ہے کہ شرعاً نماز اس کے ساتھ جائز نہیں ہے تو اس حالت میں بھی نماز نہ ہوگی، اسی طرح ریشم کے تمام بوٹوں کو ملا کر ریشم چار انگلی سے زیادہ ہے تو مرد کو اس کپڑے کا پہننا جائز نہ ہوگا۔

وَنَاقِضُهُ نَاقِضُ وُضُوءٍ لِاَنَّهُ بَعْضُهُ وَنَزْعُ خُفٍّ وَلَو وَاحِدًا وَمُضِيُّ الْمُدَّةِ وَاِن لَم يَمسَحْ اِن لَم يَخشَ بِغَلَبَةِ الظَّنِّ ذَهَابُ رِجلِهِ مِن بَردٍ لِلضَّرُورَةِ فَيَصِيرُ كَالجَبِيرَةِ فَيَستَوعِبُهُ بِالمَسحِ وَلَا يَتَوَقَّتُ وَلِذَا قَالُوا لَو تَمَّتِ المُدَّةُ وَهُوَ فِي صَلٰوتِهِ وَلَا مَاءَ مَضٰى فِي الاَصَحِّ وَقِيلَ تَفسُدُ وَتَيَمَّمَ

وهُو الاشبه وبعدهُمَا اى النّزع والمَضى غسلَ المُتوضى رجليهِ لا غيرَ لِحُلولِ الحَدَثِ السّابق قدمَيه الا لِمَا نِعٍ كبَردٍ فيتيمّمُ حِينئذٍ وخُرُوجُ اكثرِ قدمِهِ مِنَ الخفِّ الشرعيّ وكذا اخراجُهُ نزعٌ في الاصحّ اعتباراً للاكثرِ ولا عِبرَةَ بخُرُوجِ عقبِهِ ودُخولِهِ وما رُوِىَ مِن النقضِ بزوالِ عقبِهِ فمقيّدٌ بما اِذا كانَ بنيّةِ نزعِ الخفِّ امّا لم يكُن اى زوالُ عقبِهِ بنيتِهِ بل لِسعةٍ او غيرِهَا فلا ينقضُ بالاجماعِ كمَا يعلمُ مِنَ البرّ جندى معزياً للنّهايَةِ وكذا القهستانِي لكنّ باختصارٍ حتي زعمَ بعضُهم انّهُ خرقَ الاجماعَ فتنبّهْ وينتقضُ ايضاً يغسل اكثرِ الرّجلِ فِيهِ لو دخلَ الماءُ خُفَّيهِ صحّحهُ غيرُ واحدٍ وقيلَ لا ينتقضُ وإن بلغَ الماءُ الرُّكبَةَ وهُوَ الاظهرُ كمَا فِى البحرِ عن السِّراجِ لانّ اِستتارَ القدمِ بالخفِّ يمنعُ سرايَةَ الحَدَثِ اِلَى الرّجلِ فلا يقعُ هٰذا غسلاً معتبراً فلا يُوجِبُ بُطلانُ المَسحِ نهر فيغسِلُهُمَا ثانياً بعدَ المُدّةِ او النّزعِ كمَا مرّوبقيَ مِن نواقضِهِ الخرقُ وخُروجُ الوَقتِ لِلمعذُورِ

ترجمہ مسح کو وہ چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑنے والی ہیں، اس لئے کہ مسح وضو ہی کا ایک حصہ ہے، لہذا جو کل کا ناقض (توڑنے والا) ہوگا وہ جز کا بھی توڑنے والا ہوگا اور اسی کے ساتھ مسح کا توڑنے والا موزے کا اتار دینا ہے اگرچہ ایک ہی پیر کا موزہ اتارا گیا ہو، اور موزے کی متعین مدت کا گذر جانا بھی مسح کا توڑنے والا ہے اگرچہ اس نے مدت کے اندر مسح نہ کیا ہو، مگر اس وقت جبکہ اس کو اس کا ظن غالب نہ ہو کہ سردی کی وجہ سے پاؤں جاتا رہے گا، یہ شرط ضرورت کی وجہ سے لگائی گئی ہے بہذا خوف مذکور کے وقت موزہ پٹی کے مانند ہو جائے گا ایسے وقت میں پورے موزوں کا مسح کرے گا اور اس مسح کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہوتی ہے جس طرح پٹی پر مسح کرنے کی کوئی مدت متعین مقرر نہیں ہوا کرتی لہذا جب تک اس طرح خوف رہے گا موزوں پر برابر مسح کرتا رہے گا، اور اسی ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے کہا کہ نماز پڑھتے ہوئے جب موزوں پر مسح کی مدت پوری ہو گئی لیکن پانی موجود نہیں ہے تو صحیح تر قول یہ ہے کہ وہ علی حالہ نماز پڑھتا رہے، اس وجہ سے کہ جب پانی نہیں ہے تو موزہ اتارنے کا کیا فائدہ ہوگا۔

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس شخص کی نماز مدت کے پورے ہوتے ہی فاسد ہو جائے گی لہذا وہ تیمم کرے اور یہی قول مناسب تر ہے روایت کی رو سے بھی اور عقل و فہم کی راہ سے بھی، اور موزے اتارنے اور اس کی مدت پوری ہو جانے کے بعد وضو کرنے والا اپنے دونوں پاؤں کو دھوئے (بقیہ اعضاء وضو کو دھونے کی ضرورت نہیں ہے) اس وجہ سے کہ سابق حدث اس کے دونوں پاؤں میں سرایت کر چکی تھی، یعنی جس وقت حدث (وضو ٹوٹنے) کی وجہ سے وضو کیا تھا اور سارے اعضاء وضو کو دھویا تھا مگر پاؤں پر موزے کی وجہ سے مسح کیا تھا، اب اس کے بعد حدث نہیں ہوا بلکہ صرف موزہ اتار دیا یا مسح کی مدت گذر گئی تو اس حالت میں حدث سابق دونوں پاؤں جن کو نہیں دھویا تھا ان میں سرایت کر گیا۔ بقیہ تو دھوئے گئے تھے ہی، ہاں اگر کوئی مانع (رکاوٹ) ہو جس کی وجہ سے پاؤں نہیں دھو سکتا ہے، جیسے سخت سردی ہو اور پاؤں کے شل ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں تیمم کرے (یہاں حلبی یہ کہتے ہیں تیمم کرنا صحیح نہیں ہوگا، بلکہ اس موزہ پر مسح کرنا چاہئے جس طرح پٹی پر عذر کی وجہ سے مسح

کرتے ہیں، تیمم کی اجازت اس وقت ہے جب پانی نہ ہو یا اس سے ضرر کا اندیشہ ہو)

شرعی موزے سے پاؤں کا اکثر حصہ نکلنا یا قصداً نکالنا تمام موزہ کے نکالدینے کے حکم میں ہے۔ مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح بات یہی ہے کیونکہ قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل اور ایڑی کے نکلنے اور داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی بلا ارادہ موزہ کی کشادگی کی وجہ سے ایڑی کے نکلنے اور داخل ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور فقہ میں ایڑی کے ٹل جانے سے مسح کا ٹوٹ جانا جو مروی ہے وہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے جبکہ اس کا ٹلنا موزے کے اتارنے کی نیت سے ہو لیکن ایڑی ٹل جانا اپنے محل سے جب قصداً نہ ہو بلکہ موزہ کے ڈھیلے ہونے کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے تو باتفاق اس سے مسح نہیں ٹوٹتا، جیسا برجندی سے معلوم ہوتا ہے جو نہایہ کی طرف منسوب ہے اور قہستانی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے لیکن اس میں عبارت کو مختصر کر کے لکھا ہے جس کی وجہ سے بعضوں نے یہ سمجھا ہے کہ قہستانی نے اجماع کی شکست دریخت کر دی ہے لہذا واضح رہنا چاہئے کہ اس کا قول اجماع کے مخالف نہیں ہے۔

اور مسح اس صورت میں بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ موزے میں پاؤں کا اکثر حصہ دھل جائے اس طرح کہ ان موزوں میں پانی داخل کیا تھا، اور اس قول کو بہت سے فقہاء نے صحیح بتایا ہے (حلبی کہتے ہیں کہ اگر خود سے بھی پانی موزہ میں چلا جائے اور پاؤں کا اکثر حصہ دھل جائے تو مسح جاتا رہے گا) اور بعضوں نے کہا ہے کہ موزے میں پانی کے داخل ہو جانے سے مسح نہیں ٹوٹتا اگرچہ وہ پانی گھٹنے تک پہنچ جائے اور یہی قول زیادہ ظاہر ہے، چنانچہ بحر الرائق میں سراج نامی کتاب سے نقل کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ پاؤں کا موزے سے چھپ جانا یہ دراصل حدث کو پاؤں تک پہنچنے نہیں دیتا بلکہ روک دیتا ہے، لہذا خود بخود موزے میں پانی کے چلے جانے سے دھل جانا قابل اعتبار نہیں ہے، لہذا یہ مسح کے بطلان کا سبب نہ ٹھہرے گا، نہر الفائق میں آیا ہے کہ جب مدت پوری ہو جائے یا موزوں کو اتارے تو اس صورت میں دونوں پاؤں دوبارہ دھوئے گا، جیسا کہ گذر چکا، اب مسح کے نواقض میں سے موزے کا پھٹنا اور معذور کے حق میں وقت نماز کا نکل جانا رہ گیا۔

تشریح مدت مسح ایسے وقت ختم ہو جب کہ سخت ٹھنڈ ہو رہی ہو، جس میں موزہ کے اتارنے سے ظن غالب یہ ہو کہ پاؤں جاتا رہے گا تو اس وقت کیا کرے، اس صورت میں فقہاء کے دو فریق ہیں، ایک فریق کہتا ہے کہ مدت مسح کے ختم کے باوجود مسح نہیں ٹوٹے گا، دوسرا کہتا ہے کہ مسح ٹوٹ جائے گا، ہاں وہ مسح کا دوبارہ استیناف کرے، اور یہ مسح علی الجبیرہ کے طرز کا قرار پائے گا، شارح نے اسی دوسرے قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس قول کو لائق اعتماد کہا گیا ہے۔

مَسَحَ مُقِيمٌ بَعدَ حدثة فَسَافَرَ قَبلَ تَمَامِ يَومٍ وَلَيلَةٍ فَلَو بَعدَهُ نَزَعَ مَسَحَ ثَلثًا وَلَو اَقَامَ مُسَافِرٌ بَعدَ مَضي مُدّةِ مُقِيمٍ نَزَعَ وَاِلا اَتَمّهَا لِاَنّهُ صَارَ مُقِيماً.

ترجمہ کسی مقیم نے وضو ٹوٹنے کے بعد مسح کیا، پھر اس نے ایک دن ایک رات مدت پوری کرنے سے پہلے سفر کیا تو وہ اب تین دن تین رات مسح کرے گا یعنی مسافر والی مدت مسح پوری کرے گا، اور اگر اپنی مدت پوری کرنے کے بعد سفر کیا ہے تو وہ موزہ اتار دے گا اور پاؤں دھو کر وضو کرے گا، اور اگر کوئی مسافر مقیم والی مدت (ایک دن رات) پوری کرنے کے بعد مقیم ہو گیا تو وہ موزہ اتار دے گا اور پاؤں دھوئے گا اور اگر ایک دن رات پورا نہیں ہوا ہے تو وہ ایک دن رات مقیم والی مدت پوری کرے گا، اس لئے کہ وہ اب مقیم کے حکم میں ہو چکا ہے۔

وَحُكمُ مَسحِ جَبِيرَةٍ هِىَ عِيدَانٌ يَجبَرُ بِهَا الكَسر وَخَرقَةِ قُرحَةٍ وموضعِ فصد كى و نحو ذلك كَعِصَابَةِ جِرَاحَةٍ وَلَو بِرَاسِهِ كَغَسلٍ لِمَا تَحتَهَا فَيَكُونُ فَرضًا يَعنِى عمليًا لِثُبُوتِهِ بظنى وهذا قو لِهِمَا وَاِلَيهِ رَجَعَ الاِمَام وَ خُلاصة وَعَلَيهِ الفَتوٰى شرح مجمع قَدمنَا اَنَّ لفظ الفتوٰى آكد فى التَّصحِيحِ مِنَ المُختَار وَالاَصَحّ وَ الصَّحِيح ثُمّ اَنَّهُ يُخَالِفُ مَسحَ الخُفِّ مِنَ وُجُوهٍ ذُكِر منها ثَلٰثَة عَشَرَ فَلاَ يَتَوَقَّتُ لاَنّهُ كَا لغَسلِ حَتّٰى يَؤُمّ الاصحاء وَلَو بَدّ لَهَا بِاُخرٰى اَو سَقَطَت العُليَا لم يَجب اِعَادَةُ المَسحِ بَل يَندُبُ وَيَجمَعُ مَسحُ جَبِيرَةِ رِجلٍ مَعَهُ اَى مَعَ غَسلِ اُخرٰى لا مَسحَ خُفِّهَا بَل خُفَّيهِ

ترجمہ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر لکڑی رکھ کر جو پٹی باندھی جاتی ہے وہ پٹی، زخم کا پھاہیہ، فصد اور داغ لگنے کی جگہ اور اس کے علاوہ زخم کی طرح کی دوسری جگہ ان تمام پر مسح کرنے کا حکم ایسا ہے جیسے ان کے نیچے والے حصوں کو دھونے کا ہے۔

شارح نے بتایا کہ جبیرہ ان دو لکڑیوں کو کہتے ہیں جن کو ٹوٹی ہوئی ہڈی کے اوپر نیچے رکھ کر باندھتے ہیں، جب جبیرہ وغیرہ کا مسح اس کے نیچے کے حصے کے دھونے کے مثل ہے، تو یہ مسح کرنا فرض عملی ہوگا (نہ کہ فرض اعتقادی اس وجہ سے کہ مسح کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے، اور یہ حکم یعنی مسح مذکور کو فرض قرار دینا صاحبینؒ کا قول ہے، اور امام صاحبؒ نے آخر میں اسی قول کی طرف رجوع کیا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ مجمع کی شرح میں ہے (جبیرہ پر مسح کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ کی ہڈی غزوہ احد یا خیبر میں جب ٹوٹ گئی تھی تو آنحضرت ﷺ نے آپ کو ان چھپریوں پر مسح کرنے کا حکم دیا، جن کو اس ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھ رکھا، یہ حدیث بظاہر ضعیف ہے لیکن چونکہ متعدد طرق سے مروی ہے اس لئے یہ قوی کے حکم میں آگئی ہے امام اعظمؒ پہلے جبیرہ پر مسح کو واجب فرماتے تھے، پھر صاحبینؒ کی طرح اس کے فرض ہونے کی قائل ہوگئے) اور ہم دیباچہ کتاب میں پہلے ہی یہ بتا چکے ہیں کہ تصحیح کے باب میں فتوی کا لفظ مختار، اصح اور صحیح کے الفاظ سے زیادہ مؤکد ہے ما حصل یہ ہے کہ گو بعض فقہاء نے یہاں وجوب مسح کی تصحیح بیان کی ہے، لیکن فقہاء نے جہاں اس باب میں فرضیت ثابت کی ہے، وہاں فقہاء فتوی (علیہ الفتوی) کا لفظ لائے ہیں، لہذا فرضیت کو وجوب پر اس قاعدہ سے ترجیح حاصل ہوگی، پھر پٹی وغیرہ پر مسح موزہ پر مسح کے مخالف ہے، اور اس کی کئی وجہیں ہیں ان وجوہ میں سے مصنف نے تیرہ وجہیں یہاں بیان کی ہیں، چنانچہ مصنف نے کہا کہ جبیرہ (پٹی وغیرہ) پر مسح کا وقت اور اسکی مدت مقرر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ یہ مسح دھونے کے درجہ میں ہے، حتی کہ جبیرہ وغیرہ پر مسح کرنے والا تندرستوں کی امامت کرتا ہے اور یہ اس واسطے کہ وہ صاحب عذر نہیں ہے اور اگر اس نے ایک جبیرہ یعنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کی پٹی بدل کر دوسرا جبیرہ باندھا یا اوپر کا جبیرہ یعنی وہ پٹی گر گئی تو اس دوسری پٹی پر مسح کا دوبارہ کرنا واجب نہیں ہے البتہ مستحب ہے، اور ایک پاؤں کی پٹی پر مسح کرنے کو دوسرے پاؤں کے دھونے کے ساتھ جمع کیا جاتا ہے، لیکن ایک پیر کے جبیرہ کا مسح دوسرے پیر کے موزے کے مسح کے ساتھ جمع نہیں کیا جاتا ہے بلکہ دونوں پیر کے موزوں کا مسح جمع کیا جاتا ہے۔

تشریح ایک مسح موزوں کا ہوتا ہے، یہ درحقیقت مسح ہے، دوسرا مسح پٹی پر ہوتا ہے، یہ صورتاً تو بے شک مسح ہے حقیقتاً مسح نہیں، بلکہ یہ اصل میں دھونے کے حکم میں ہے گو ان دونوں مسحوں میں فرق ہے، اور یہی وجہ ہے کہ چونکہ جبیرہ کا

مسح حاما مسح نہیں ہے، اس مسح کا اجتماع دھونے کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کوئی ایک پیر جو اچھا ہے اس کو وضو میں دھوئے اور دوسرا
پیر جو زخمی ہے اس کی پٹی پر بھیگے ہوئے ہاتھ سے مسح کرے، یہ صورت جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ دو پیروں میں سے ایک
کے موزے پر مسح کرے اور دوسرے پیر کا موزہ نکالکر دھوئے، یا دونوں پیر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اس پر مسح کیا، اس کے بعد
دونوں پاؤں پر موزے چڑھالئے اب اس کا وضو ٹوٹا تو اس نے اس طرح وضو کیا کہ ایک پیر کے جبیرہ (پٹی) پر مسح کیا اور دوسرے
پاؤں کا مسح موزہ پر تو یہ درست نہیں ہے، اس لئے ایک پیر کے جبیرہ (پٹی) کے موزہ پر مسح کیا اور دوسرے پیر کے جبیرہ (پٹی) پر
اور یہ اجتماع درست نہیں ہے، البتہ اگر ان دونوں پٹی والے پیروں کے موزوں پر مسح کرے گا تو یہ جائز ہوگا، چنانچہ اگر یہ صورت
ہو کہ ایک پیر پر پٹی تھی اس پر مسح کیا دوسرے پر پٹی نہ تھی اس کو دھویا پھر دونوں پیروں پر موزے پہن لئے، اب وضو ٹوٹا اس کی
وجہ سے اس نے وضو کیا، اور اس وضو میں دونوں موزوں پر مسح کیا تو یہ جائز ہے اس لئے کہ یہاں اصل اور بدل کا اجتماع نہیں ہے۔

وَيَجُوزُ اَى يَصِحُّ مَسحُهَا وَلَو شُدَّت بِلا وُضُوءٍ وَغُسلٍ دفعاً لِلحَرَجِ وَيُترَكُ المَسحُ كَالغسلِ اِن ضَرَّ وَاِلا لا يُترَكُ وَهُوَ اَى مَسحُهَا مَشرُوطٌ بِالعِجزِ عَن مَسحِ نَفسِ المَوضَعِ فَاِن قَدِرَ عَلَيهِ فَلا مَسحَ عَلَيهَا وَالحَاصِلُ لُزُومُ غسلِ المَحَلِّ وَبِمَاءٍ حَارٍّ فَاِن ضَرَّ مَسحُهُ فَلَو ضَرَّ مَسحُهَا فَاِن ضَرَّ سَقَطَ اَصلاً وَيَمسَحُ نَحوُ مُفتَصِدٍ وَجَرِيحٍ عَلَى كُلِّ عِصَابَةٍ مَعَ فُرجَتِهَا فِي الاَصَحِّ اِن ضَرَّهُ المَاءُ اَو حَلُّهَا وَمِنهُ اَن لا يُمكِنَهُ رَبطُهَا بِنَفسِهِ وَلا يَجِدُ مَن يَربُطُهَا اِنكَسَرَ ظُفرُهُ فَجَعَلَ عَلَيهِ دَوَاءً وَوَضَعَهُ عَلَى شُقُوقِ رِجلِهِ اَجرَى المَاءَ عَلَيهِ اِن قَدَرَ وَاِلا مَسَحَهُ وَاِلا تَرَكَهُ وَالمَسحُ يَبطِلُهُ سُقُوطُهَا عَن بُرءٍ وَاِلا لا فَاِن سَقَطَت فِي الصَّلوٰةِ اِستَانَفَهَا وَكَذَا الحُكمُ لَو سَقَطَ الدَّوَاءُ اَو بَرِءَ مَوضَعُهَا وَلَم تَسقُط مُجتَبَى يَنبَغِي نَقبِيدُهُ بِمَا اِذَا لَم يَضُرَّ اِزَالَتُهَا فَاِن ضَرَّهُ فَلا بَحر

ترجمہ اگر چہ بغیر دھوئے اور بغیر وضو کئے ہوئے پٹی باندھی گئی ہو تب بھی مشقت کو دفع کرنے کی بنیاد پر اس پٹی پر مسح کرنا
درست ہوتا ہے، جس طرح نقصان کے وقت دھونے کو چھوڑ دینا جائز ہے، اسی طرح پٹی پر مسح کرنا بھی بوقت ضرر
ترک کر دیا جاتا ہے، اور اگر ضرر اور نقصان نہ ہو تو مسح کو چھوڑا نہیں جاتا ہے (یہاں ضرر اور نقصان کی مراد ایسا نقصان ہے جو
قابل اعتبار ہو، مطلق نقصان مراد نہیں ہے کیونکہ معمولی نقصان سے بچنا مشکل ہے اور اس معمولی نقصان کی وجہ سے کوئی حکم
نہیں بدلتا ہے)

اور جبیرہ یعنی ٹوٹی ہوئی ہڈی یا کسی زخم پر جو پٹی بندھی ہوئی ہے اس پر مسح کرنا اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اس خاص
حصہ پر مسح کرنے سے عاجز و مجبور ہو یعنی پٹی پر اس وقت مسح درست ہے جب خود اس زخم والے حصہ کا وہ مسح نہ کر سکتا ہو جیسے
اس کے لئے پانی مضر ہو یا پٹی کا کھولنا نقصان دہ ہو اگر اس زخم پر مسح ہو سکتا ہے تو پھر پٹی کی بجائے اسی جگہ پر مسح کرے، پٹی پر مسح
کرنا درست نہیں ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ جو جگہ ٹوٹی ہوئی ہے یا زخمی ہے دراصل اسی کا دھونا لازم ہے خواہ اس کو گرم پانی سے
دھونا پڑے، لیکن اگر اس ٹوٹی ہوئی جگہ کا مسح گرم پانی یا ٹھنڈے پانی سے مضر ہو تو پھر اس پر جو پٹی بندھی ہوئی ہے اس پر مسح

کرے اور اگر پٹی پر مسح کرنا بھی نقصان کرے تو وہ ساقط ہو جائیگا یعنی اس وقت نہ اس جگہ کا دھونا لازم ہوگا اور نہ پٹی پر مسح کرنا۔ اور فصد لینے والا اور زخمی جیسے لوگ پوری پٹی پر اس طرح مسح کریں گے کہ اس پٹی کی تمام کشادگی اس مسح کے اندر آجائے صحیح تر قول یہی ہے مگر یہ اس وقت مسح ہے جب پانی کا لگنا اس زخم کے لئے نقصان دہ ہو یا نفس پٹی کا کھولنا (یہاں مصنف نے مسح میں تمام پٹی کے گھیر لینے کی جو قید لگائی ہے وہ صاحب کنز کی پیروی میں ہے اور از روئے فتویٰ اس باب میں جو قول صحیح تر ہے وہ یہ ہے کہ پٹی کے بڑے حصہ پر مسح کر لینا کافی ہے) اور جس نقصان کی وجہ سے پٹی پر مسح کو جائز کہا گیا ہے اس نقصان میں یہ بھی داخل ہے کہ زخم والا بطور خود پٹی باندھنے پر قادر نہ ہو اور نہ وہاں کوئی ایسا شخص ہو جو اس کی پٹی باندھ سکتا ہو، تو اس مجبوری میں وہی پٹی کے اوپر ہی مسح کرنا کافی ہوگا۔

ایک شخص کا ناخن ٹوٹ گیا، اس نے اس ٹوٹے ہوئے حصہ پر دوا لگائی، یا پاؤں میں بوائی (پھٹن) تھی اس پر دوا لگائی تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اگر وہ قادر ہو تو وضو میں اس حصہ پر پانی بہادے اور اگر پانی نہ بہا سکتا ہو تو اس حصہ کا مسح کرے یعنی بھیگا ہوا ہاتھ اس زخم کی دوا پر پھیرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو چھوڑ دے یعنی نہ دھوئے اور نہ مسح کرے، دونوں بوجہ اس عذر شرعی کے ساقط قرار پائیں گے۔

اور اس پٹی والے مسح کو صحت کی وجہ سے پٹی کا خود بخود گر جانا باطل کر دیتا ہے اور اگر صحت کے بغیر پٹی گری ہے تو مسح باطل نہیں ہوتا ہے بخلاف موزہ کے مسح کے کہ وہ موزہ کے اتر جانے سے ہر حال میں باطل ہو جاتا ہے (زخم والی پٹی اگر بعد صحت نماز میں گری ہے تو وہ نماز پھر از سر نو پڑھے گا اور اسی طرح کا تفصیلی حکم اس صورت میں ہے جب دوا گر گئی یا پٹی والی جگہ صحت یاب ہو گئی مگر پٹی نہ گری)، مجتبیٰ میں ایسا ہی ہے (یعنی اگر دوا صحت کے بعد نماز کے اندر گری ہے یا پٹی والی جگہ اچھی ہو گئی تو ان دونوں صورتوں میں نماز دوبارہ از سر نو پڑھے)۔

اور اس حکم کو اس صورت کے ساتھ مقید کرنا چاہئے جبکہ پٹی کا اتارنا نقصان دہ نہ ہو اور اگر یہ بات نہیں ہے بلکہ پٹی کا اتارنا مضر ہے تو مسح باطل نہ ہوگا، یعنی صحت کے بعد پٹی کے اس وقت گرنے سے مسح باطل ہوتا ہے جب پٹی کا کھولنا نقصان نہ کرتا ہو اور اگر نقصان کرتا ہو اس طرح کہ پٹی چپکی ہوئی اور اس کے اکھیڑنے میں زخم کے تازہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مسح باطل نہ ہوگا۔

وَالرَّجُلُ وَالْمَرْءَةُ وَالْمُحدِثُ وَالْجُنُبُ فِي الْمَسحِ عَلَيهَا وَعَلٰى تَوَابِعِهَا سَوَاءٌ اِتِّفَاقاً وَلَا يُشْتَرَطُ فِي مَسحِهَا اِستِيعَابٌ وَتَكرَارٌ فِي الْاَصَحِّ فَيَكفِي مَسحُ اَكثَرِهَا مَرَّةً بِه يُفتِي وَكَذَا لَا يُشْتَرَطُ فِيهَا نِيَّةٌ اِتِّفَاقاً بِخِلَافِ الْخُفِّ فِي قَولٍ وَمَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ رَجَعَ عَنهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرحِهٖ.

ترجمہ پٹی کے اوپر مسح کرنے میں اور اس کے دوسرے مسائل و توابع میں مرد و عورت اور جس کو وضو نہ ہو وہ اور جس پر غسل فرض ہو وہ بالاتفاق سب برابر ہیں (توابع پٹی میں زخم کا پھاہیہ، فصد کی پٹی، جو جگہ داغی گئی ہے وہ اور زخم کے ارد گرد کی وہ جگہ جو پٹی کے نیچے آگئی ہے، سب داخل ہیں، ان سب کا وہی حکم ہے اور ان کے لئے وہی مسائل ہیں جو جبیرہ کی پٹی

کے ضمن میں گذرے) پٹی پر مسح کرنے میں پوری پٹی پر مسح کرنا اور مسح کو مکرر کرنا صحیح تر قول میں شرط نہیں ہے، لہذا پٹی کے اکثر حصہ پر ایک مرتبہ مسح کر لینا کافی ہوتا ہے، فتوی اسی قول پر دیا گیا ہے (پہلے گذر چکا ہے کہ پوری پٹی پر مسح کرنا لازم ہے لیکن وہاں اس مفتی بہ قول کا تذکرہ کر دیا گیا ہے، صرف یہ اخیر قول ہوتا تو بہتر تھا تاکہ عوام الجھن میں مبتلا نہ ہوتے۔)

اسی طرح پٹی کے اوپر مسح کرنے میں بالاتفاق نیت کی شرط نہیں کی جاتی ہے، بخلاف موزوں کے اوپر مسح کرنے میں کہ اس میں ایک قول میں نیت کو شرط بتایا گیا ہے، لیکن اصح قول یہ ہے کہ موزوں کے مسح میں بھی نیت شرط نہیں ہے، اور متن میں جو یہ قول مذکور ہے خود مصنف نے اپنی شرح میں اس قول کو نقل نہیں کیا ہے بلکہ چھوڑ دیا ہے (مطلب یہ ہے کہ تنویر الابصار کے مصنف نے اس کی شرح منح الغفار کے نام سے لکھی ہے اس میں ویمسح نحو مفتصدو جریح سے اخیر تک نہیں لائے ہیں۔

باب الحیض

حیض کے مسائل واحکام کا بیان

عَنوَنٌ به لِكَثرَتِه وَاِصَالَتِه وَاِلا فَهِىَ ثَلٰثَةٌ حَيضٌ ونِفاسٌ وَاِستِحَاضَةٌ هُوَ لُغَةً اَلسَّيلانُ وَشَرعاً عَلَي القَولِ بِاَنَّهُ مِنَ الاِحداثِ مَا نِعيَةٌ شَرعِيَةٌ بِسَبَبِ الدَّمِ المَذكُورِ وَعَلَى القَولِ بِاَنَّهُ مِنَ الاَنجاسِ دَمٌ مِن رَحِمٍ خَرَجَ الاِستِحَاضَةُ ومِنهُ مَا تَرَاهُ صَغِيرَةٌ وآيسَةٌ وَمُشكِلٌ لا لِوِلادَةٍ خَرَجَ النِفَاسُ وَسَبَبُهُ اِبتِداءً اِبتِلاءُ اللهِ لِحَوّاءِ لاكلِ الشَجرَةِ وَرُكنُهُ بُرُوزُ الدَمِ مِنَ الرّحِمِ وَشَرطُهُ تَقَدُّمُ نِصَابِ الطُهرِ وَلَو حُكماً وَعَدَمُ نَقصِهِ عَن اَقَلِّهِ وَاَوَانُهُ بَعدَ التِسعِ وَوَقتُ ثُبُوتِهِ بالبُرُوزِ فِيهِ تَترُكُ الصَّلٰوةَ وَلَو مُبتَدَأَةً فِي الاَصَحِّ لاَنَّ الاَصلَ الصِحَّةُ وَالحَيضُ دَمُ صِحَّةٍ شُمُنِّي

ترجمہ مصنف نے یہاں حیض کو عنوان قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حیض مستقل اور کثرت سے عورت کو ہوتا ہے، ورنہ عورت کے خون تین طرح کے ہیں، حیض، نفاس اور استحاضہ (یعنی گو اس باب کے تحت ان تینوں خون کا ذکر کیا گیا ہے لیکن عنوان میں صرف حیض ایک کا نام لیا، دو کا نہیں لیا۔ اعتراض ہو سکتا ہے کہ مصنف نے حیض کے بجائے نفاس عنوان کیوں قرار نہیں دیا، یا استحاضہ باب کا نام کیوں نہیں رکھا، جواب یہ دیا کہ ان تینوں قسم کے خون میں حیض مستقل اور بکثرت ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں نفاس اور استحاضہ کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے، اس لئے حیض عنوان مناسب معلوم ہوا۔ (نفاس جس عورت کے بچہ ہوتا ہے اس کو ہوتا ہے اور استحاضہ کا خون بیمار عورت کو آتا ہے، سب کو نہیں آتا)۔

حیض کے معنی لغت میں بہنے کے آتے ہیں اور شریعت میں اس قول کی بنیاد پر کہ حیض منجملہ احداث کے ایک حدث ہے ایک مانع شرعی ہے جو اس خون مذکور کی وجہ سے پیش آتا ہے، یعنی جن عبادات میں طہارت شرط ہے جیسے نماز، قرآن چھونا اور

مسجد میں داخل ہونا، ان عبادات میں شارح نے حیض کو طہارت (پاکی) کے لئے مانع (روکنے ولا) قرار دیا ہے اگر چہ یہ روکنا حسی نہ ہو، اور اس قول پر کہ حیض منجملہ نجاسات ایک نجاست ہے، اس خون کو کہتے ہیں جو عورت کی بچہ دانی سے جاری ہوتا ہے، وہ خون نہیں ہے جو ولادت کے سبب سے آتا ہے "من رحم" (بچہ دانی) کی قید سے استحاضہ حیض کی تعریف سے خارج ہو گیا، کیونکہ خون استحاضہ بچہ دانی سے نہیں آتا ہے بلکہ کسی خاص قسم کی رگ کے پھٹ جانے سے نکلتا ہے، اسی طرح لفظ "رحم" کے آنے سے نکسیکا خون اور دوسرے زخموں کا خون بھی حیض کی تعریف سے نکل گیا، اور پاخانہ کے مقام سے خون آتا ہے وہ بھی اس تعریف سے خارج ہو گیا، اور منجملہ استحاضہ وہ خون ہے جس کو وہ لڑکی دیکھتی ہے جو نو برس سے کم عمر کی ہے یا وہ بوڑھی عورت دیکھتی ہے جس کو حیض کی کوئی امید باقی نہ رہ گئی ہو اور جو خون خنثی مشکل دیکھتا ہے (صغیرہ نو برس سے کم عمر کی لڑکی ہے، آئسہ وہ عورت ہے جس کو حیض کی امید نہ رہے اور اکثر لوگوں نے اس کی عمر پچپن سال لکھی ہے، اور خنثی مشکل جس کے متعلق یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اس کا تعلق عورت کی جنس سے ہے یا مرد کی جنس سے) ولادت کی قید لگانے سے حیض کی تعریف سے نفاس کا خون نکل گیا اس لئے کہ گو یہ خون بچہ دانی سے نکلتا ہے مگر بچہ پیدا ہونے کے بعد نکلتا ہے، بغیر اس کے نہیں

حیض کے ہونے کا پہلا سبب حضرت حوا علیہا السلام کا اس درخت کو کھا لینا ہے جس سے روکا گیا تھا کہ اسی کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کو حیض میں مبتلا کیا (باقی وہ درخت جس سے اللہ تعالی نے روکا تھا، کیا تھا، مختلف اقوال ہیں کوئی گیہوں بتاتا ہے، کسی نے اس کو انجیر کہا ہے اور کسی نے لکھا ہے کہ وہ انگور تھا، واللہ اعلم)

اور حیض کا رکن بچہ دانی سے خون کا باہر نکل آنا ہے (امام محمدؒ حیض کا رکن احساس کو قرار دیتے ہیں ان دونوں قول کا اختلاف اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ ایک عورت نے وضو کیا پھر اس نے روئی یا کپڑے کی گدی اندر رکھ لی اس کے بعد اس کو آفتاب ڈوبنے سے پہلے خون کے آنے کا احساس ہوا، چنانچہ اس نے اس کو وہاں سے ہٹالیا، اس صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک اس عورت کا روزہ ٹوٹ جائے گا، کہ احساس پایا گیا اور شیخینؒ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا اس لئے کہ خون باہر نکل کر شرمگاہ کے کنارہ تک نہیں پہنچا، البتہ اگر یہاں پہنچ جائے گا تو بالاتفاق یہ خون فاسد صوم (روزہ) ثابت ہو گا، دیکھئے طحطاوی)

اور حیض کی شرط طہر کے نصاب کا پہلے پایا جانا ہے اگر چہ یہ طہر حکمی ہی ہو (طہر کا نصاب کم سے کم پندرہ دن ہے) اور طہر حکمی کی دو صورتیں ہیں، ایک مستحاضہ عورت کہ ایام حیض کے ختم ہونے کے بعد وہ حکماً پاک ہے گو خون استحاضہ اسے آتا ہے دوسری وہ عورت جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ خون آیا ہے کہ وہ اس سے پہلے حکماً ایام طہر میں شمار ہو گی) دوسری شرط یہ ہے کہ حیض کی جو کم سے کم تین دن مدت ہے اس سے کم نہ ہو۔

اور حیض کا وقت نو برس کی عمر کے بعد ہے، اور حیض کے ثابت ہونے کا وقت اس خون کا باہر آجانا ہے، جب یہ خون نکل آئے گا تو اس کی وجہ سے وہ عورت نماز چھوڑ دے گی، اگر چہ اس کو یہ حیض پہلے پہل آیا ہو، صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے، کیونکہ بدن میں اصل یہ ہے کہ وہ صحیح و سالم ہو، اور حیض کا خون صحت کا خون ہے، جیسا کہ شمنی میں ہے۔

تشریح اس مسئلہ میں دو قول ہیں، پہلا صحیح تر قول تو ابھی نقل ہوا کہ پہلے پہل جس عورت بالغہ کو حیض کا خون آیا ہے وہ خون دیکھتے ہی نماز چھوڑ دے اور غیر اصح دوسرا قول یہ ہے کہ جس عورت کو پہلے مرتبہ حیض کا خون آیا ہے وہ تین دن بعد نماز چھوڑے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ یہ خون خونِ حیض نہ ہو بلکہ استحاضہ کا خون ہو، اور پہلے قول کے صحیح تر ہونے کی دلیل

یہ دی گئی ہے کہ انسان کی جسمانی حالت کی اصل یہ ہے کہ وہ تندرست ہو اور حیض کا خون دلیل صحت ہے، لہذا پہلے پہل والے خون کو حیض ہی قرار دینا بہتر ہے، بخلاف خون استحاضہ کے، کہ وہ خون بیماری کی وجہ سے آتا ہے لہذا وہ دلیل بیماری شمار ہوگا۔

وَاَقَلُّهُ ثَلٰثَةُ اَيَامٍ بِلَيَالِيهَا الثَّلٰثِ فَالاِضَافَةُ لِبَيَانِ العَدَدِ المُقَدَّرِ بِالسَّاعَاتِ الفَلَكِيَّةِ لَا لِلاِختِصَاصِ فَلَا يَلزَمُ كَونُهَا لَيَالِيَ تِلكَ الاَيَّامِ وَكَذَا قَولُهُ وَاَكثَرُهُ عَشَرَةٌ بِعَشرِ لَيَالِيَ كَذَا رَوَاهُ الدَّارُ قُطنِي وَغَيرُهُ .

ترجمہ حیض کی کم سے کم مدت تین دن مع اسکی تین راتوں کے ہے لہذ الیالی کی اضافت اور نسبت ایام کی ضمیر کی طرف اس زمانہ کے شمار کے لئے ہے جس کا اندازہ ساعات فلکیہ (نجوم کی گھڑیوں) سے کیا گیا ہے، یہ اضافت خصوصیت کے بیان کے واسطے نہیں ہے یعنی یہ مراد نہیں ہے کہ انہی مخصوص دنوں کی راتیں ہوں، اور جب اضافت مذکورہ عدد کے بیان کے لئے ہے اختصاص کو ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہے تو یہ لازم نہیں ہوتا ہے کہ وہ راتیں مخصوص انہی دنوں کی ہوں، اور مصنف کا یہ قول بھی اسی معنی میں ہے جس میں کہا گیا کہ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے دس راتوں کے ساتھ مطلقاً چاہے انہیں دنوں کی راتیں ہوں خواہ ان کی نہ ہوں، ایسا ہی اس کو دار قطنی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

تشریح ساعت کی دو قسمیں ہیں، ایک ساعت فلکی، دوسری ساعت زمانی، ساعت فلکی پندرہ درجہ کی ہوتی ہے اس کا دوسرا نام ساعت معتدلہ بھی ہے، ایک دن اور ایک رات ۲۴ گھنٹوں کے ہوتے ہیں تو گھنٹوں کے حساب سے حیض کی کم سے کم مدت بہتر گھنٹے ہوئی،

اور ساعت زمانی دن یا رات کے بارہویں حصہ کا نام ہے، اس کو ساعت معوجہ بھی کہتے ہیں، گویا یہ ایک گھنٹہ کی ساعت ہوئی، تو جب متن میں ساعت کے ساتھ فلکی کی قید لگادی گئی تو اس سے ساعت زمانی، ساعت لغوی اور ساعت شرعی سب خارج قرار پائی، مختصر یہ کہ اگر بہتر گھنٹے یا اس سے زیادہ خون جاری رہا تو حیض ہے اور اگر بہتر گھنٹے سے کم رہا تو وہ استحاضہ کہلائے گا۔

یہ مسلم ہے کہ رات پہلے ہوتی ہے اور دن بعد میں، جیسے رمضان کا چاند نظر آتا ہے تو پہلے رات میں تراویح ہوتی ہے پھر دن میں روزہ، تو اب اگر کسی عورت کو جمعہ کے دن سے حیض شروع ہوا تو یہ لازم نہیں ہے کہ جمعہ کی رات میں بھی ہو، بلکہ مطلقاً تین راتیں ہونی چاہئے، جس طرح یہ بھی لازم نہیں کہ طلوع آفتاب کے اعتبار سے تین دن پورے کے پورے ہوں بلکہ مقصد یہ ہے کہ تین کی مقدار گذر جائے۔

دار قطنی کی جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے یہ متعدد طرق سے مروی ہے اس کی وجہ سے یہ حسن کے درجہ کو پہنچ کر لائق حجت قرار پا گئی۔

وَالنَّاقِصُ عَن اَقَلِّهِ وَالزَّائِدُ عَلٰى اَكثَرِهِ اَو اَكثَرِ النِّفَاسِ اَو عَلَى العَادَةِ وَجَاوَزَ اَكثَرُهُمَا وَمَا تَرَاهُ صَغِيرَةٌ دُونَ تِسعٍ عَلَى المُعتَمَدِ وَاٰيِسَةٌ عَلٰى ظَاهِرِ المَذهَبِ وَحَامِلٌ وَلَو قَبلَ خُرُوجِ اَكثَرِ الوَلَدِ اِستِحَاضَةٌ وَاَقَلُّ الطُّهرِ بَينَ الحَيضَتَينِ اَو النِّفَاسِ وَالحَيضِ خَمسَةَ عَشَرَ يَوماً وَلَيَالِيهَا اِجمَاعاً وَلَا حَدَّ لِاَكثَرِهِ وَاِن اِستَغرَقَ العُمرَ اِلَّا عِندَ الاِحتِيَاجِ اِلٰى نَصبِ عَادَةٍ لَهَا اِذَا اِستَمَرَّ بِهَا الدَّمُ

فَيُحَدُّ لِاَجْلِ العِدَّةِ بِشَهرَيْنِ بِه يُفْتٰی وَ عَمَّ كَلَامُهُ المُبتدأَةَ وَالمُعتَادَةَ وَمَن نَسِيَت عَادَتَهَا وَتُسَمّٰى اَلمُحَيِّرَةُ وَالمُضَلِّلَةُ وَاِضلَالُهَا اَمَّا بِعَدَدٍ اَو بِمَكَانٍ اَو بِهِمَا كَمَا بُسِطَ فِي البَحرِ وَالحَاوِي وَحَاصِلُهُ اَنَّهَا تَتَحَرّٰى وَمَتٰى تَرَدَّدَت بَيْنَ حَيْضٍ وَدُخُولٍ فِيهِ وَطُهرٍ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَاِن بَيْنَهُمَا وَالدُّخُولِ فِيهِ تَغتَسِلُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ وَتَترُكُ غَيرَ مُؤَكَّدَةٍ وَمَسجِداً وَجِمَاعاً وَتَصُومُ رَمَضَانَ ثُمَّ تَقضِي عِشرِينَ يَوماً اِن عَلِمَت بِدَايَتَهُ لَيلاً وَاِلَّا فَاثنَيْنِ وَعِشرِينَ وَتَطُوفُ لِرُكنٍ ثُمَّ تُعِيدُهُ بَعدَ عَشرَةٍ وَاَصدَرٍ وَلَا تُعِيدُهُ وَتَعتَدُّ لِطَلَاقٍ بِسَبعَةِ اَشهُرٍ عَلَى المُفتٰى بِه.

ترجمہ اور جو خون حیض کی کم سے کم مدت (تین دن رات) سے کم ہو اور جو حیض کی اکثر مدت (دس دن رات) سے زیادہ یا جو نفاس کی اکثر مدت چالیس دن سے زیادہ ہو یا اس عادت سے زیادہ ہے جو حیض و نفاس میں اس کی مقرر ہے اور وہ خون جو حیض و نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت ہے اس سے تجاوز کر گیا ہو، اسی طرح وہ خون جو نو سال سے کم عمر کی لڑکی دیکھے قابل اعتبار قول کے مطابق یہ اور جو خون وہ بڈھی عورت دیکھے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو، ظاہر مذہب کے موافق یہ، یا جو خون حاملہ عورت دیکھے اگرچہ اس کا یہ دیکھنا بچہ کے اکثر حصہ نکلنے سے پہلے کا ہو، یہ تمام خون استحاضہ کا خون ہے۔

اور طہر کی کم سے کم مدت جس میں عورت حیض سے بچی رہتی ہے، اس کے دو حیضوں کے درمیان یا نفاس اور حیض کے درمیان پندرہ دن رات ہے، اس پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہے (لیکن حیض و نفاس کے درمیان والی مدت طہر پندرہ دن اس وقت ہے جب نفاس کی اکثر مدت پوری ہو چکی ہو) اور اس طہر کی زیادہ سے زیادہ مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، گو وہ تمام عمر کو احاطہ کر لے، مگر اس وقت جبکہ عورت کی عادت مقرر کرنے کی ضرورت در پیش ہو اس حال میں کہ مسلسل بلا رکے اس کا خون جاری رہے، یعنی دائمی طور پر جب خون جاری ہو تو اس وقت طہر کی زیادہ سے زیادہ مدت مقرر کرنے کی ضروت ہو گی، لہذا طلاق کی عدت کے لئے طہر کی اکثر مدت دو مہینے مقرر کیے جائیں گے، اس قول پر فتوی دیا جاتا ہے، اور مصنف کا کلام ان تمام عورتوں کو شامل ہے جس کو پہلے پہل یہ واقعہ پیش آیا ہو اور جو اپنی عادت نہیں بھولی ہو، اور جو اپنی عادت بھول گئی ہو، اور وہ عورت جو اپنے حیض کی عادت فراموش کر گئی ہو، اس کو محیرہ اور مضللہ کہتے ہیں، اور اس کا بھول جانا یا تو حیض کے دنوں کا بھولنا ہے کہ حیض کتنے دن آیا تھا۔

یا جگہ کا بھولنا ہے یعنی دنوں کی تعداد تو یاد ہے مگر یہ یاد نہیں یہ عشر اول میں ہوتا تھا یا عشر ثانی میں یا عشر ثالث میں یا دونوں کو بھول جائے کہ نہ اس کو حیض کے دن کی تعداد یاد ہو اور نہ تاریخ ہی یاد ہو، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی بھولنے والی عورت تحری کرے یعنی خوب سوچے سمجھے اور ذہن دوڑائے اور ظن غالب پر عمل کرے، جن دنوں کو حیض سمجھے ان میں نماز روزہ چھوڑ دے اور جن دنوں میں اپنے کو پاک سمجھے ہر وقت کیلئے تازہ وضو کر کے نماز پڑھے، اور نہ یقین ہی ہو اور نہ ظن غالب ہی، بلکہ اس کو حیض کے پائے جانے اور حیض آنے اور طہر (پاک ہونے) میں تردد ہو تو وہ ہر نماز وقت کے لئے وضو کرے، یعنی جس دن اسے تردد ہو کہ آج حیض ہے یا نہیں، حیض شروع ہوا یا نہیں یا کہ وہ پاک ہی ہے تو وہ ہر نماز کے وقت کے لئے تازہ وضو کرے اور اس سے فرض، واجب اور سنن مؤکدہ ادا کرے اور احتیاطاً نہ مسجد میں داخل ہو اور نہ قرآن پاک کو چھوئے۔

اور اگر اس کو حیض اور طہر میں اور طہر کے داخل ہونے میں تردد ہو تو ہر نماز کے واسطے وہ غسل کرے، اس لئے ہو سکتا ہے

کہ حیض سے پاک ہو کر طہر (پاکی) میں داخل ہوئی ہو، اور اس وقت غیر مؤکدہ نماز اور مسجد میں داخل ہونے اور جماع (ہمبستری) کو چھوڑ دے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حیض کا دن ہو اور حیض میں شوہر کا بیوی سے ہمبستر ہونا جائز نہیں ہے اور وہ پورے رمضان کا روزہ رکھے گی، پھر بیس دن کا قضا کرے گی مگر یہ اس وقت جب اس کو علم ہو کہ حیض کی ابتداء رات سے ہوئی ہے تو چونکہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے لہذا پورے رمضان میں صرف دس دن کا روزہ فاسد ہوگا پھر اسنے بیس دن قضا کے روزہ رکھے تو ان میں دس دن یقیناً طہر کے ہوں گے، کیونکہ حیض کی مدت اگر زیادہ سے زیادہ ہوگی بھی تو دس دن، اس طرح اس نے پچاس دن کے روزے رکھے، دس رمضان میں حیض کے احتمال میں چلے گئے اور دس دن قضا کے احتمال حیض میں چلے گئے گویا بیس دن نکل گئے بچ گئے تیس دن، اس طرح رمضان پورا روزہ میں حکماً گذر گیا۔

یہ تو اس وقت تھا جب حیض کا شروع ہونا معلوم ہو کہ رات سے ہے کہ اس طرح صرف دس قضا ہوں گے اور اگر دن سے حیض کی ابتداء ہو تو گیارہویں تاریخ کے دن کا کچھ حصہ بھی دس دن پورے کرنے میں آجائے گا تو اس طرح گیارہ روزے حیض کی وجہ سے قضا ہوں گے، چنانچہ اس صورت میں کہا کہ بائیس دن کی قضا کرے کہ اس میں گیارہ دن کے روزے بالیقین طہر میں واقع ہوں گے، اور حج میں فرض طواف (طواف الزیارت) کا طواف کرے، اور دس دن کے بعد پھر اس کا اعادہ کرے اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ حیض میں ہوا ہے، حالانکہ طواف زیارت میں طہارت واجب ہے، طواف صدر کرے گا اور اس کا اعادہ نہ کرے گا اس وجہ سے کہ حائضہ سے طواف صدر ساقط ہے۔

اور مصلّلہ اور اسی طرح معتادہ مستمر الدم (جس کو برابر خون جاری ہے) طلاق کی عدت مفتٰی بہ قول پر سات ماہ گذارےگی یہ پہلے گذر چکا ہے کہ ایسی عورت کا اکثر طہر دو ماہ ہے تو اب تین حیض اور تین طہر کی مجموعی مدت سات ماہ ہوگی، تین حیض کے دس تیا تیس دن یعنی ایک ماہ اور تین طہر کے تین دونا چھ ماہ، تو اس طرح ایک اور چھ سات ماہ پورے ہوئے۔

تشریح شروع میں جو کہا وان استغرق عمر فقہاء نے لکھا ہے کہ طہر کے استغراق کی تین صورتیں ہیں (۱) پہلی صورت یہ ہے کہ عورت عمر کی وجہ سے بالغہ ہو جائے اور اس کو تمام عمر خون نہ آئے تو ایسی عورت نماز روزہ ادا کریگی اور شوہر سے ہمیشہ ہمبستر ہوگی، اس کی عدت مہینوں سے پوری ہوگی، (۲) عورت بلوغ کے وقت یا اس کے بعد اسے تین دن سے کم خون آئے اور پھر ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے، تو اس کا حکم بھی پہلی صورت جیسا ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ وہ عورت ایسا خون دیکھے جو حیض ہو سکتا ہے پھر وہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا بیان ہوا، مگر اس کی عدت حیض سے ہوگی، اگر سن ایاس سے پہلے حیض آیا، ورنہ مہینے سے، تفصیل باب العدت میں آئے گی۔

وہ عورت جس کا خون کبھی بند نہ ہو، برابر جاری رہے اس کے لئے طلاق کی عدت کے واسطے طہر کی زیادہ سے زیادہ مدت دو ماہ رکھی گئی ہے، یہ طہر کی اکثر مدت اس کے لئے ہے جس کو اپنی عادت یاد ہو، جس کو اصطلاح میں معتادہ کہتے ہیں اور متحیرہ کے لئے بھی یہی مدت ہے، متحیرہ وہ ہے جو اپنی عادت بھول گئی ہو، باقی مبتداء یعنی وہ عورت جس کو جوان ہوتے ہی برابر کے لئے خون جاری ہو گیا، اس کی اکثر مدت طہر یہ نہیں ہے، اور یہ مدت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے ہر ماہ ابتداء رویت سے حیض کے دس دن ہوں گے، خواہ یہ مہینہ کی پہلی دہائی میں ہو یا دوسری دہائی میں یا تیسری میں، اور اس کے باقی ایام طہر کے شمار ہوں گے، لہذا ایسی عورت کو اگر اس کے شوہر نے آخر طہر میں طلاق دی تو اس کی عدت انہتر دن میں ختم ہوگی، تین حیض کے

تیس دن اور دو درمیانی طہر میں سے ایک کے بیس دن اور دوسرے کے انیس دن، یہ مجموعہ انہتر دن ہوئے، اور اگر اس نے اول طہر میں دی ہے تو اس کی عدت ۸۸ یا ۸۹ دن میں ختم ہوگی، پہلا طہر بیس دن پھر پہلا حیض دس دن، پھر دوسرا طہر بیس دن کا پھر دوسرا حیض دس دن پھر تیسرا طہر انیس دن پھر تیسرا حیض دس دن یہ ۸۹ دن ہوئے، اور اگر دوسرا طہر بھی انیس ہی دن کا مانا جائے تو ۸۸ دن ہو گئے، اور اگر اس کے شوہر نے طلاق دی ہے حیض کے شروع ہونے کے بعد اول دن میں تو اس کی عدت گذرنے میں مجموعی مدت ۹۸ یا ۹۹ دن لگیں گے، اس طرح شمار میں چار حیض آجائیں گے یعنی وہ حیض بھی جس میں طلاق دی ہے، دس دن اس کے بڑھ جائیں گے۔

وَمَا تَراہُ مِن لَون کَکُدرَۃٍ وَتربیۃٍ فِی مُدَّتِہٖ المُعتَادَۃِ سِوٰی بیَاضٍ خَالِصٍ قِیلَ ھُوَ شئٌ یَشبہُ الخیطَ الاَبیَضَ وَلَو المَرئِی طُھراً مُتخلِّلاً بینَ الدَّمَین فِیھَا حَیضٌ لاَنَّ العِبرَۃَ لاولہ وَاخِرِہٖ وَعَلَیہِ المُتُونُ فَلیَحفِظ ثُمَّ ذَکَرَ اَحکامَہُ بِقَولِہٖ یَمنَعُ صلوۃً مطلَقاً وَلَو سَجدَۃَ شُکرٍ وَصَوماً وَجِماعاً وَتَقضِیہٖ لُزُوماً دُونَھَا لِلحَرَجِ وَلَو شُرِعَت تطوّعاً فِیھِمَا فَحَاضَت قَضتھُمَا خِلافاً لِمَا زَعمَہُ صدرُ الشَّرِیعَۃِ (بحر) وَفِی الفَیضِ لَو نَامَت طَاھِرَۃً وَقَامَت حَائِضَۃً حُکِمَ بِحَیضِھَا مُذقَامَت وَبِعَکسِہٖ مُذنَامَت اِحتِیاطاً وَیَمنَعُ حِلَّ دُخُولَ مَسجدٍ وَحِلَّ الطَّوَافِ وَلَو بَعدَ دُخُولِھَا المَسجِدَ وَشُرُوعِھَا فِیہِ وَقِربَانُ مَا تَحتَ الاِزَارِ یَعنِی مَا بَینَ سُرَّۃٍ وَرُکبَۃٍ وَلَو بِلاَ شَھوَۃٍ وَحَلَّ مَا عَدَاہُ مُطلَقاً وَھَل یَحِلُّ النَظرُ وَمُبَاشَرَتُھَا لَہٗ فِیہِ تَرَدُّدٌ وَقِرَاَۃُ قُرانٍ بِقَصدِہٖ وَمَسَّہٗ وَلَو مَکتُوباً بالفارسیَّۃِ فِي الاَصحِّ اِلا بغلافِہِ المُنفَصِلِ کَمَا مَرَّ وَکَذَا یَمنَعُ حَملَہٗ کَلَوحٍ وَوَرَقٍ فِیہِ ایۃٌ وَلاَ بَاسَ لِحَائِضٍ وَجُنُبٍ بِقِرَاءَۃِ اَدعِیَۃٍ وَمَسِّھَا وَحَملِھَا وَذِکرِاللّٰہِ تَعالٰی وَتَسبِیحٌ وَزِیَارَۃُ قُبُورٍ وَدُخُولُ مُصَلّٰی عِیدٍ وَاَکلٍ وَشُربٍ بَعدَ مَضمَضَۃٍ وَغَسلِ یَدٍ وَاَمَّا قَبلَھُمَا فَیُکرَہُ لِجُنُبٍ لا حَائِضٍ مَا لَم تَخَاطِب بِغُسلٍ ذَکَرَہُ الحَلَبِیُّ وَلا یُکرَہُ تَحرِیماً مَسُّ قُرآنٍ بِکُمٍ عِندَ الجُمھُورِ تَیسِیراً وَصحح فِی الھِدَایۃِ اَلکَرَاھَۃَ وَھُوَ اَحوَطُ.

ترجمہ اور معتادہ یعنی وہ عورت جس کی عادت حیض متعین ہے اور وہ اس کو یاد بھی ہے وہ اپنی اس مدت میں خالص سفید خون کے علاوہ جس رنگ کا بھی خون دیکھے گی وہ حیض شمار ہوگا، جیسے وہ گدلے رنگ ہو یا میالا رنگ، اور جب تیرہ (گدلا) اور خاکستری (میالا) خون حیض قرار پایا تو سرخ، سیاہ، پیلا اور سبز بدرجۂ اولیٰ حیض شمار ہوگا، بعض لوگوں نے سفید خون کے متعلق کہا ہے کہ وہ سفید دھاگہ کے مشابہ ہوتا ہے جو حیض کے ختم ہونے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔

اور تحقیق یہ ہے کہ بیاض خالص (خالص سفیدی سے حیض کا منقطع ہوجانا مراد ہے اگرچہ حیض کی مدت کے اندر دو خونوں کے درمیان طہر معلوم ہوں لیکن درحقیقت وہ بھی حیض ہی ہے، مطلب یہ ہے کہ حیض کے دس دن کی مدت میں پہلے تین دن خون نظر آیا، پھر خشکی دو دن رہی پھر پانچ دن خون آیا تو یہ درمیان کا طہر بھی حیض ہی شمار ہوگا اسے طہر متخلل بین الدمین کہتے

ہیں، اس طہر متخلل بین الدمین کو اس لئے حیض شمار کیا جاتا ہے کہ اس کے اول و آخر کا اعتبار ہے، اور اسی قول پر فقہ کے متنوں کا اتفاق ہے، لہٰذا اسے یاد رکھا جائے (جس طرح زکوۃ کے وجوب میں سال کے ابتداء و انتہاء کا لحاظ ہوا کرتا ہے، درمیان سال کا اعتبار نہیں ہوتا، اول و آخر صاحب نصاب ہے، حولان حول کے بعد زکوۃ واجب ہوگی اسی طرح یہاں حیض میں مدت کے اول و آخر کا اعتبار ہے درمیان کی خشکی کا کوئی کا اعتبار و لحاظ نہیں ہے،)

پھر مصنف نے اپنے اگلے قول سے حیض کے احکام بیان کئے ہیں وہ یہ ہے کہ حیض نماز کو مطلقا روکدیتا ہے، خواہ یہ نماز رکوع سجدہ والی ہو یا ایسی نہ ہو جیسے نماز جنازہ، اور گو کہ وہ سجدۂ شکر ہی کیوں نہ ہو، وہ بھی حائض کے لئے جائز نہیں اور (اسی طرح) حیض، روزہ اور جماع (وطی) کو روکدیتا ہے یعنی حالت حیض میں نہ تو نماز وقتی جائز ہے نہ نماز جنازہ، نہ سجدۂ شکر جائز ہے اور نہ روزہ، اور حیض والی عورت سے ہمبستری بھی جائز نہیں ہے، لیکن یہ عورت لازمی طور پر روزے کا قضا کرے گی، ہاں نماز کی قضا اس پر نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں حرج اور مشقت ہے (نماز سال کے ہر دن میں ہے اور روزانہ پانچ وقت ہے، بخلاف روزہ کے کہ وہ سال بھر میں صرف ایک مہینہ ہے، اس لئے سال میں ایک ماہ کے روزے کی قضا مشکل نہیں مگر سال بھر کی نماز کی قضا میں بڑی دقت ہے)

اور اگر کسی عورت نے نفل نماز یا نفل روزہ شروع کیا اور اسی میں وہ حائضہ ہو گئی تو اس صورت میں وہ دونوں کی قضا کریگی، اس قول کے خلاف جو صدر الشریعہ نے نقل کیا ہے کہ روزہ کے قضا کرے گی اور نماز کی قضا نہ کرے گی، دیکھئے بحر الرائق۔

اور فیض میں یہ ہے کہ ایک عورت پاکی کی حالت میں سوئی تھی مگر جب وہ اٹھی تو حائضہ تھی، تو اس کے لئے اٹھنے کے وقت سے حیض کا حکم کیا جائے گا (اب اگر صورت یہ ہوئی کہ یہ عورت عشاء کے وقت بغیر عشاء کی نماز پڑھے سو گئی اور صبح کو اٹھی تو اس کے ذمہ عشاء کی قضاء اس قاعدہ سے لازم ہو گی، البتہ صبح سے معافی کے خانہ میں شمار ہو گی) اور اس کے برعکس حکم ہے جب وہ سونیکے وقت حائضہ تھی اور جب اٹھی تو پاک تھی یعنی حیض بند ہو چکا تھا احتیاط کا تقاضا یہی ہے، مطلب یہ ہے کہ از راہ احتیاط اس عورت کو سونے کے وقت سے ہی پاک شمار کیا جائے گا۔

اور حیض مسجد میں داخلہ کو روکدیتا ہے، یعنی حائضہ عورت کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہوتا ہے (اس مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے بدن پر نجاست لگی ہو وہ مسجد میں نہیں جا سکتا، اور جس پر ریح کا دباؤ ہے اس کو چاہیے کہ وہ مسجد سے باہر آجائے بہتر یہی ہے اور اگر کسی مسافر یا معتکف یا کسی اور کو مسجد میں احتلام ہو گیا تو اس کو چاہئے اگر تیمم کر سکتا ہو تو تیمم کر کے وہاں سے چلے اور مسجد سے نکلے اور پھر غسل کرے اور اگر دشمن یا جانور کا خوف ہو جس کی وجہ سے نکلنا خطرہ سے خالی نہ ہو تو تیمم کر کے مسجد میں رک سکتا ہے اور اس وقت تیمم کرنا اس کے لئے واجب ہو گا، باقی یہ سب احکام مسجد سے متعلق ہیں، عید گاہ، خانقاہ اور مدرسہ یہاں مسجد کے حکم میں نہیں ہیں، دیکھئے طحطاوی)

اور حیض طواف کی حلت کو بھی روکدیتا ہے، اگرچہ حیض مسجد الحرام میں داخل ہونے اور طواف شروع کر دینے کے بعد شروع ہوا ہے، اور حیض بدن کے اس حصہ سے قربت کو روکدیتا ہے جو ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے، خواہ اس قربت (نزدیکی) میں شہوت نہ پائی جائے، یعنی حالت حیض میں عورت سے ہمبستر ہونا اور ناف سے لیکر گھٹنے تک کے حصہ کو ران یا ہاتھ لگانا حرام ہے اگر درمیان میں کوئی کپڑا وغیرہ نہ ہو (البتہ اگر عورت کا یہ حصہ کپڑے میں لپٹا ہوا ہو تو مرد اس کے ساتھ سو بھی سکتا ہے اور

یکجا بھی ہو سکتا ہے اگر چہ اس کو خون آرہا ہو، حائضہ عورت کھانا بھی پکا سکتی ہے اور روٹی بھی، یعنی اس کے چھونے سے نہ کوئی چیز ناپاک ہوتی ہے اور نہ مکروہ، حالت حیض میں عورت کو الگ تھلگ کر دینا اس طرح کہ اس کے بستر کے پاس گذر بھی نہ ہو یہودیوں کا شیوہ ہے) باقی عورت کے اس مخصوصہ حصہ ناف سے گھٹنے تک کے سوا اس کے تمام بدن سے مرد لذت اٹھا سکتا ہے، خواہ یہ لذت اٹھانا شہوت کے ساتھ ہو یا بلا شہوت ہر طرح درست ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ عورت کے ناف سے لیکر گھٹنے تک والے حصے کو مرد کے لئے دیکھنا اور اس کے بدن سے بدن ملانا جائز ہے یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تردد ہے، تحقیق یہ ہے کہ صرف دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور قرآن کی نیت سے قرآن پڑھنے کو حیض روکدیتا ہے، یعنی حائضہ عورت کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ پوری آیت ہو، خواہ آیت سے کم ہو (اکثر کتب فقہ میں اسی کی تصحیح ذکر کی گئی ہے، البتہ دعا یا ثناء وغیرہ کی نیت سے قرآن پڑھنا حائضہ کے لئے ناجائز نہیں ہے، اور بسم اللہ کا پڑھنا حائضہ کے لئے بالاتفاق جائز ہے، اور دوسرے اذکار بھی حائضہ عورت پڑھ سکتی ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ وہ اس کام کے لئے وضو کرے، وضو کا ترک خلاف اولی ہے)

اور حیض کی حالت میں قرآن کا چھونا بھی جائز نہیں ہے اگر چہ قرآن پاک فارسی خط میں لکھا ہوا ہو، صحیح تر قول یہی ہے (ناپاک مرد جس پر غسل فرض ہے اور حائضہ عورت کے لئے قرآن پاک کا چھونا جائز نہیں ہے خواہ وہ تختی پر لکھا ہوا ہو یا درہم پر یا دیوار پر، اسی طرح نہ قرآن پاک یہ چھو سکتے ہیں نہ اس کا حاشیہ، نہ حوض، ہاں اس وقت چھو سکتے ہیں جب وہ قرآن ایسے غلاف میں لپٹا ہوا ہو جو اس کے ساتھ سلا ہوا نہ ہو بلکہ اس سے جدا ہو سکتا ہو، جیسا کہ پہلے گذرا قرآن ہی کے حکم میں وہ توریت، انجیل اور زبور بھی ہیں جو تحریف سے پاک ہوں، باقی تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کتابوں کا چھونا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ حائضہ کے لئے یہ سب مکروہ ہے، کیونکہ یہ سب آیت قرآنی سے خالی نہیں ہوتے ہیں، کراہت کی جو علت بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نحو صرف کی وہ کتابیں چھونا بھی مکروہ ہیں جن میں مثالاً آیات قرآنی ہوتی ہیں) حائضہ عورت کے لئے قرآن کا اٹھانا بھی جائز نہیں ہے جس طرح اس تختے اور ورق کا اٹھانا جائز نہیں ہے جن میں قرآنی آیت لکھی ہوئی ہو (ہاں اگر ایک آیت سے کم لکھی ہو تو اٹھانا مکروہ نہیں ہے)

اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حائضہ عورت اور جنبی مرد دعائیں پڑھیں اور ان کو اٹھائیں اور ان کو چھوئیں اور اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ اللہ تعالی کا ذکر کریں اور سبحان اللہ پڑھیں، قبروں کی زیارت کریں اور عیدگاہ میں داخل ہوں لیکن اس کے لئے وضو کر لینا مستحب ہے، جیسا کہ "لاباس" کا لفظ بتاتا ہے، اور حائضہ کے لئے ہاتھ دھو کر اور کلی کر کے کھانے پینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، البتہ بغیر ہاتھ دھوئے اور کلی کئے ہوئے کھانا پینا اس جنبی مرد کے لئے مکروہ ہے جس پر غسل فرض ہے۔ حائضہ کے لئے اس میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے جب تک کہ اس کے نہانے کا وقت نہ آجائے یعنی حیض بند نہ ہو جائے، ایسا ہی حلبی نے ذکر کیا ہے۔

جنبی میں اور حائضہ میں فرق یہ ہے کہ جنبی نے جب کلی کی اور ہاتھ دھویا تو اس سے منہ اور ہاتھ کی نجاست دور ہو گئی بخلاف حائضہ کے کہ ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے حیض والی نجاست اس کے ہاتھ منہ سے زائل نہیں ہو گی، کیونکہ حیض ابھی

جاری ہے، پھر مناسب یہ ہے کہ ہاتھ دونوں ہی دھوئیں اس لئے کہ ہاتھ ادھر ادھر پہنچتے رہتے ہیں، نجاست لگنے کا غالب گمان رہتا ہے، جنبی میں زیادہ اور حائضہ میں کم، دوسرے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا یوں بھی مستحب ہے، خلاصہ میں ہے کہ جنبی جب کھانا چاہے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہاتھ دھوئے اور کلی کرے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک جنبی کے لئے آستین سے قرآن کا چھونا مکروہ تحریمی نہیں ہے، یہ حکم آسانی کے لئے ہے، اور صاحب ہدایہ نے اس کو صحیح کہا ہے کہ اس طرح آستین سے قرآن چھونا مکروہ ہے اور زیادہ احتیاط اسے مکروہ کہنے میں ہی ہے (آستین سے مراد ہر وہ کپڑا ہے جو چھونے والے کے بدن پر ہو)

وَيَحِلُّ وَطْيُهَا اِذا انقَطَعَ حَيضُهَا لاَكثَرِهٖ بلاَ غُسلٍ وُجُوبًا بَل نُدُبًا وَ اِن اِنقَطَعَ لِدُون اَقَلِّهٖ تَتَوَضَأُ وَتُصَلِّي فِي آخرِ الوقتِ وَاِن لاَقَلِّهٖ فَاِن لِدُون عَادَتِهَا لَم يَحِلُّ وَتَغتَسِلُ وَتُصَلِّي وَتَصُومُ اِحتِيَاطًا وَاِن لِعَادَتِهَا فَاِن كِتَابِيَّةٌ حَلَّ فِي الحَالِ وَاِلاَّ لاَ يَحِلُّ حَتّٰى تَغتَسِلَ اَو تَيَمَّمَ بِشَرطِهٖ اَوَيَمضِى عَلَيهَا زَمَنٌ يَسَعُ الغُسلَ وَلُبسَ الثِّيَابِ وَالتَّحرِيمَةَ يَعنِى مِن آخِرِ وَقتِ الصَّلٰوةِ لِتَعلِيلِهِم بِوُجُوبِهَا فِي ذِمَّتِهَا حَتّٰى لَو طَهُرَت فِي وَقتِ العِيدِ لاَ بُدَّ اَن يَمضِي وَقتُ الظُّهرِ كَمَا فِي السِّرَاجِ

ترجمہ جب حائضہ عورت کا خون اکثر مدت (دس دن) کے بعد بند ہو تو اس سے اس کے غسل کرنے سے پہلے وطی کرنا جائز ہوتا ہے، اور اس عورت پر اس حال میں غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے (یعنی دس دن بعد جس حائضہ کا خون بند ہوا ہے اس سے اس کے غسل سے پہلے شوہر کو وطی کرنا جائز ہے، اس لئے کہ وطی سے پہلے اس عورت پر غسل واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے تو اس طرح یہ وطی جو غسل سے پہلے ہوئی ہے زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی قرار پائے گی) اور اگر خون تین رات دن سے کم میں بند ہو گیا ہے تو عورت وضو کرے گی اور نماز کے اخیر وقت میں نماز ادا کرے گی، اس لئے کہ خون کا تین دن سے کم آنا علامت ہے کہ یہ حیض کا خون نہیں ہے، لیکن اس صورت میں بھی جماع حلال نہیں ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ سے واضح ہو گا) اور اگر حیض اس مدت سے کم میں بند ہوا ہے جو اس عورت کی عادت متعین تھی تو اس صورت میں بھی اس سے جماع جائز نہیں ہے) گو اس نے غسل بھی کر لیا ہو) ہاں یہ عورت غسل کر کے نماز روزہ کرے گی، کیونکہ احتیاط اسی میں ہے (یہ واضح رہے کہ اگر حیض عادت کے مطابق بند ہوا ہے تو آخیر وقت تک غسل کا مؤخر کرنا مستحب ہے اور اگر عادت متعینہ سے کم مدت میں بند ہو گیا ہے تو یہ تاخیر واجب ہے، کذا فی النہر)

اور اگر حیض اقل مدت کے بعد مگر عورت کی عادت کے مطابق بند ہوا ہے اور وہ عورت اہل کتاب سے ہے تو اس سے جماع کرنا تو فی الحال بھی حلال ہو گا (اس واسطے کہ اس پر غسل کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ غیر مسلم احکام شرعیہ کے مخاطب نہیں ہیں کذا فی البحر) اور اگر وہ عورت مسلمان ہے تو اس سے اس وقت تک جماع حلال نہیں ہو گا جب تک کہ وہ غسل نہ کرے یا اگر اس کو کوئی شرعی مجبوری ہو تو وہ غسل کے بدلہ تیمم کے تمام شرائط کے ساتھ تیمم نہ کرے (نہر الفائق میں یہ بھی ہے کہ تیمم کے بعد جب تک وہ نماز نہ پڑھ لے، یعنی صحیح تر قول کے مطابق اس سے جماع تب درست ہو گا یا پھر اس عورت پر حیض کے بند

ہونے کے بعد اس قدر وقت نہ گذر جائے کہ اس میں نہانے، کپڑے پہننے اور تحریمہ باندھنے کی اسکو گنجائش ہو، یعنی اتنی مدت نماز کے اخیر وقت سے نہ گذر جائے، اسلئے کہ فقہاء نے عورت کے ذمہ وجوب نماز کی علت یہی بیان کی ہے کہ اگر کوئی عورت عید کے وقت حیض سے پاک ہوئی تو اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس پر ظہر کا پورا وقت گذر جائے جیسا کہ یہ مسئلہ سراج میں مذکور ہے۔

تشریح یہاں حیض کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور اس کی مختلف صورتیں جو عورتوں کو پیش آتی رہتی ہیں لکھی گئی ہیں پہلی بات یہ ذہن نشین کرلی جائے کہ حیض کی کم سے کم مدت تین رات تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن دس رات، تین دن سے جو خون کم آئے وہ حیض کا نہیں ہوتا ہے بلکہ اسے اصطلاح میں استحاضہ کہتے ہیں، دوسری بات یہ بھی یاد رکھی جائے کہ زمانہ حیض میں عورت سے وطی حرام ہے، ایک بات یہ بھی پیش نظر رہے کہ عموماً عورتوں کو حیض کی مدت مقرر ہوتی ہے، مثلاً کسی کو ہر ماہ پانچ دن، کسی کو چار دن، کسی کو سات دن، اب تفصیل سنئے۔

(۱) ایک عورت کو حیض آرہا تھا، پورے دس دن بعد اس کو یہ خون بند ہوا تو اب اس عورت کے لئے مستحب یہ ہے کہ پہلے غسل کرے، پھر شوہر سے ہمبستر ہونا چاہے تو ہو، لیکن اگر کسی کا شوہر عورت کے نہانے سے پہلے اس سے ہمبستر ہونا چاہے تو اس صورت میں شریعت کہتی ہے کہ اس کے لئے حلال ہے

(۲) الف:۔ حیض کا خون دس دن پورا ہونے سے پہلے بند ہو گیا مثلاً سات دن میں، تو اب دیکھا یہ جائے گا کہ اس عورت کی حیض میں عمومی عادت کیا تھی، اگر یہ اس کی عادت کے موافق نہیں ہے مثلاً اس کی عادت چھ دن ہر ماہ میں تھی تو اب یہ صورت اس کی عادت سے کم ہوئی تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ بطور احتیاط غسل کرے اور نماز اور روزہ ادا کرے لیکن اس عورت سے جماع درست نہیں ہے نہ غسل سے پہلے اور نہ غسل کے بعد۔

(۲) ب:۔ خون تین دن کے بعد اور دس دن سے پہلے بند ہوا، نمبر (۲) الف کی طرح، لیکن یہ اسکی عمومی عادت کے مطابق ہوا، مثلاً سات دن بعد خون بند ہوا، اور اس کی عادت بھی یہی سات دن تھی، تو اس عورت سے اس وقت تک جماع درست نہیں ہے جب تک وہ خون کے بند ہونے کے بعد غسل نہ کرلے، یا پانی پر کسی وجہ سے اگر وہ قادر نہیں ہے تو تیمم نہ کرلے، جب غسل یا بوقت عذر شرعی تیمم کرلے گی تو اس سے جماع درست ہوگا، اور دوسری صورت جماع کے جائز ہونے کی یہ ہے عادت کے مطابق خون بند ہونے کے بعد اتنا وقت گذر جائے کہ جس میں وہ چاہتی تو غسل کر کے کپڑے بدل سکتی تھی اور تحریمہ باندھ سکتی تھی اور اس طرح وہ اپنے ذمہ ایک نماز بطور قضا یا دین چڑھالی، تو خواہ غسل اس نے نہ کیا ہو لیکن پھر بھی اس سے جماع درست ہوگا۔

اس دوسری صورت میں ایک نماز کا ذمہ میں دین ہو جانا ضروری ہے اور اتنا وقت کا پایا جانا جس میں غسل، تبدیل لباس اور تحریمہ کی گنجائش ہو، خواہ یہ خون وقت سے پہلے بند ہوا ہو یا وقت کے شروع میں اور اخیر وقت سے کچھ پہلے، چنانچہ اگر اس طرح کی کسی عورت کا حیض مثلاً ظہر سے پہلے بند ہوا یا ظہر کے اول وقت میں تو اس عورت سے اس وقت تک بلا غسل جماع درست نہیں ہے، جب تک عصر کا وقت داخل نہ ہو جائے، ایک نماز کا ذمہ میں دین ہو جانا اس عورت کے لئے حکماً طہارت ہے، کیونکہ نماز ذمہ میں اسی وقت واجب وضروری ہوتی ہے جب طہارت حاصل ہو، اس صورت میں وہ حکماً حائضہ نہ رہی بلکہ صرف جنبی باقی رہی، چنانچہ جماع اس سے جائز ہے لیکن اس کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے۔

کسی ایسی عادت والی عورت کا خون ظہر کے اخیر وقت میں بند ہوا لیکن اس وقت ظہر عصر کے درمیان اتنا وقت تھا کہ وہ غسل کر کے کپڑے بدل سکتی تھی اور تحریمہ باندھ سکتی تھی تو عصر کے وقت کے داخل ہو جانے کے بعد اس سے اس کے بلا غسل کئے بھی جماع درست ہے، لیکن اگر ان دونوں کے درمیان میں اتنا وقت نہ تھا تو اب اس سے جماع بعد غروب آفتاب درست ہوگا تاکہ عصر کی نماز ذمہ میں فرض ہو جائے، ظہر کے وقت جب گنجائش اتنی نہ تھی تو وہ ذمہ میں واجب نہیں ہوئی، اس لئے کہ اس نے اس کو پایا ہی نہیں۔

یہ تفصیل اس لئے بیان کردی گئی کہ مصنف کی عبارت واضح نہیں ہے چنانچہ بعض فقہاء یہ عبارت لائے او تصسیر صلوة دنیا فی ذمتها ، یہ مختصر بھی اور بہت واضح، اس میں یہ شبہ نہیں ہوتا کہ صرف اتنا وقت گذرنا چاہئے جس میں عورت غسل کر سکے، کپڑے بدل سکے اور تحریمہ باندھ سکے خواہ نماز ذمہ میں دین بنے یا نہیں

وَهل تُعتبَرُ التحرِيمَةُ فِي الصَّومِ الا صَحُّ لا وَهيَ مِنَ الطُّهرِ مُطْلَقًا وكَذَا الغُسْلُ لَولاَ كثرِهِ وَاِلا فَمِنَ الحَيضُ فَتقضِيُ مُطْلَقًا اِن بَقِيَ بعدَ الغُسْلَ وَالتَّحريمَةِ وَلَو لِعَشرَةٍ فَقَدْرُ التَحرِيمَةِ فَقَط لِئَلا تَزِيدُ اَيَامُهُ عَلٰى عَشرٍ فَلَيحفِظْ وَ وَطؤهَا يُكفُرُ مُستَحِلُهٗ كَمَا جَزمَ بِهٖ غَيرِ وَاحِدٍ وكَذَا مُستَحِلُ وَطي الدُبرِ عِندَ الجَمهُورِ مُجْتبٰى وَقِيلَ لا يُكفُرُ فِي المَسْئلَتَيْنِ وَهُوَ الصَحِيحُ خُلاَصَةَ وَعَلَيهِ المُعوَلُ لاَنَّهُ حَرَامٌ لِغَيرِهٖ وَلَمَا يَجيُّ فِي المُرتَدِّ اَنَّهُ لا يُفتٰى بتَكفِيرِ مُسْلِمِ كَانَ فِي كُفرِهٖ خِلاَفٌ وَلَورِوَايَةٌ ضَعِيفَةٌ ثُمَّ هُوَ كَبِيرَةٌ لَو عَامِدًا مُخْتَارًا عَالِمًا بالحُرْمَةِ لاجَاهِلاً اَو مُكرهًا اَوْ نَاسِيًا فَتلزَمُهُ التَّوبَةُ وَيَنْدُبُ تُصدُّقُهُ بِدِينَارٍ اَو نِصفة وَمَصرَفُهُ كَزكٰوةٍ وَهل عَلٰى المَرْأَةِ تُصَدُّقٌ قَالَ فِي الضِيَاءِ اَلظَّاهِرُ لا.

ترجمہ اور کیا روزے میں بھی تحریمہ کی گنجائش کا اعتبار ہے؟ جواب یہ ہے کہ صحیح تر قول کے مطابق روزے میں تحریمہ کا اعتبار نہیں ہے، اس میں صرف غسل کرنے اور کپڑے بدلنے کا اعتبار ہے، اس لئے کہ تحریمہ نماز کے لئے ہے روزہ کے لئے نہیں ہے (مثلاً ایک عورت فجر سے پہلے حیض سے پاک ہوئی یعنی اسکو فجر سے پہلے حیض کا خون بند ہوا تو روزہ کے واجب ہونے کے لئے رات میں صرف اس قدر گنجائش ہونے کی شرط ہے کہ جس میں اس کے لئے نہانا اور کپڑے پہننا ممکن ہو، اب خلاصہ یہ ہوا کہ نماز میں نہانا، کپڑے پہننا اور تحریمہ باندھنا ان تین کی گنجائش ہونی چاہئے، اور روزہ میں صرف پہلے دو کی۔ لیکن بعض فقہاء نے کہا کہ جس طرح نماز میں تحریمہ کی شرط ہے روزہ میں بھی ہونی چاہئے اس لئے کہ پاکی کا حکم ہونے سے جب نماز ذمہ میں دین ہو جاتی ہے تو دیتے ہیں، چنانچہ بحر الرائق میں اسی قول کو حق بتایا ہے)

اور تحریمہ کا زمانہ طہر میں داخل ہے خواہ خون دس دن بعد بند ہوا ہو یا اس سے کم مدت میں اور ایسا ہی غسل بھی تحریمہ کی طرح طہر میں داخل ہے مگر اس وقت جب کہ حیض کا خون دس دن بعد بند ہوا ہو اور اگر وہ اس دس دن سے کم میں بند ہوا ہے تو غسل کا زمانہ حیض میں داخل ہوگا، لہذا اگر خون بند ہونے کے بعد غسل اور تحریمہ کی مقدار گنجائش وقت میں ہے تو وہ عورت اس وقت کی نماز کی قضا کرے گی، اور اگر حیض کا خون دس دن میں بند ہوا ہے تو صرف تحریمہ کی مقدار بھی وقت ملا ہے تو بھی وہ اس

نماز کی قضا کرے گی، تا کہ حیض کے ایام دس دن سے زیادہ نہ ہو جائیں، سو اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

تشریح ماحصل یہ ہے اگر کسی عورت کا حیض کا دس دن سے کم میں بند ہوا تو غسل کا وقت حیض میں شمار ہوگا اور عورت غسل کے بعد پاک ہو سکے گی، لہذا اگر حیض بند ہونے کے بعد اس کو صرف اتنا ہی وقت ملا ہے کہ اس میں صرف غسل کرنے کی گنجائش ہو سکتی تھی تحریمہ کی گنجائش نہ تھی تو اس عورت پر اس وقت کی نماز کی قضا واجب نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ حکماً وقت کے اندر حیض سے نہیں نکلی کہ اس پر نماز اس وقت کی فرض ہو، البتہ غسل کے ساتھ تحریمہ کی گنجائش بھی تھی تو نماز ذمہ میں واجب ہو جائے گی، اس لئے پاک ہونے کے بعد حکماً اس کو تحریمہ کا وقت ملا، باقی اگر دس دن بعد خون بند ہوا ہے تو اس صورت میں خون کے بند ہوتے ہی وہ حیض سے نکل آئے گی، لہذا غسل کا وقت طہر میں شمار ہوگا، اگر ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدت حیض دس دن سے بڑھ گئی حالانکہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور وہ حیض میں پوری ہو چکی ہے، لہذا صرف تحریمہ کا موقعہ بھی تھا تو اس وقت کی نماز ذمہ میں واجب ہو جائے گی، گو وہ غسل پر قادر نہیں ہو سکی ہے، اور اسی وجہ سے دس دن پورے ہو...نے کے بعد حیض کا خون بند ہونے کی صورت میں مطلقاً وطی حلال ہوتی ہے)

اور زمانہ حیض میں وطی کو حلال جاننے والا کافر ہو جاتا ہے، اس تکفیر کا بہت سے فقہاء نے یقین کیا ہے (ان میں صاحب مبسوط، صاحب اختیار اور صاحب فتح القدیر بھی ہیں) اسی طرح جمہور کے نزدیک وہ شخص بھی کافر ہو جاتا ہے جو بیوی سے لواطت کو حلال جاننے والا ہے جیسا کہ مجتبیٰ میں صراحت ہے (رہا لڑکے کے ساتھ اس فعل بد کو حلال جاننے والا تو اس کی تکفیر میں بھی کسی کا اختلاف مذکور نہیں ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ لواطت زنا سے بڑھ کر حرام ہے اور کسی طرح بھی مباح نہیں اور اس کی قباحت عملاً بھی ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ جنت میں اس فعل کا کوئی نام و نشان نہ ہوگا)

اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں حلال سمجھنے والے کو کافر نہ کہنا چاہئے اور خلاصہ میں اسی قول کو صحیح کہا ہے اور اسی پر اعتماد کیا ہے اس لئے کہ ان دونوں میں حرمت غیر کی وجہ سے ہے اور وہ حیض اور پاخانہ کا پایا جانا ہے، اور باب المرتد میں آئے گا کہ جس مسلمان کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہو اگرچہ وہ اختلاف ضعیف روایت کی ہی بنیاد پر ہو اس کے کفر کا فتویٰ نہیں دیا جاتا ہے۔

بحر الرائق میں ہے کہ جو حرام کے حلال یا حلال کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے اور وہ حرام لعینہ یعنی اپنی ذات کی وجہ سے حرام ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ کافر ہوگا، لیکن جب وہ حرام لغیرہ ہو یعنی اس کی حرکت کسی غیر سبب سے اور وہ حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو یا حرام لعینہ ہو اور اس کی حرمت خبر آحاد سے ثابت ہو تو ان دونوں صورتوں میں تکفیر نہ کی جائے گی، شرح عقائد نسفیہ میں بھی ایسا ہی ہے (واللہ اعلم)

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ حالت حیض میں اپنے اختیار سے وطی کرنا حرمت کے معلوم ہونے کے باوجود گناہ کبیرہ ہے البتہ اگر اس کی حرمت نہیں جانتا ہے یا وہ بے اختیار ہو کر دباؤ اور زبردستی کی وجہ سے ایسا کرتا ہو یا بھول سے ایسا کرتا ہو تو گناہ کبیرہ نہیں ہے (باقی حرمت کا مرتکب کہلائے گا) لہذا جب بحالت حیض وطی حرام ہوئی اور گناہ کبیرہ تو اس فعل کے مرتکب کو لازم ہے کہ وہ توبہ کرے اور اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے (اگر اول حیض کا زمانہ ہے تو ایک دینار اور اگر حیض کا آخری ہے تو آدھا دینار۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب مرد حیض کی حالت میں بیوی کے پاس آئے تو وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ کرے، اور حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ مرد اپنی بیوی سے حالت حیض میں وطی کرے اور خون سرخ ہو تو ایک دینار صدقہ کرنا چاہئے اور اگر خون زرد ہو تو آدھا دینار، ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے) اور اس دینار اور آدھے کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا ہے، یعنی جن مستحقین کو زکوۃ دی جاتی ہے انہی کو یہ صدقہ والی رقم دی جائے گی، باقی یہ مسئلہ کہ کیا عورت پر صدقہ کرنا مستحب ہے، ضیاء میں یہ ہے کہ بظاہر یہ حکم عورت کے لئے نہیں ہے

وَدَم ُاستِحاضَةٍ حُكمُهُ كَرُعَافٍ دَائِمٍ وَقتًا كَامِلاً لا يَمنَعُ صَومًا وَ صَلٰوةً وَلَو نَفلاً وَجِمَاعاً لِحَدِيْثِ تَوَضّئُ وصلي اِن قَطَرَ الدَمُ عَلَى الحَصِيرِ وَالنِفاسُ لُغَةً ولادَةُ المَرأَةِ وَشَرعًا دَمٌ فَلَو لَمْ تَرَهُ هَلْ تَكُونُ نُفَسَاءُ المُعتَمَدُ نَعم يَخرُجُ مِن رَحمٍ فَلَو وَلَدَتهُ مِن سُرَّتِهَا اِن سَالَ الدَمُ مِنَ الرَحْمِ فَنُفَسَاءُ وَالافضَاتُ جرح وَاِن ثَبَتَ لَهُ اَحكامُ الوَلَدِ عَقبَ وَلَدٍ اَو اَكثَرِهِ وَلَو مُتَقَطِعاً عَضوً ا عَضواًالا اقله فتوضاء ان قدرت او تيمم وَتُوَمِّي بِصَلٰوةٍ وَلا تُوَخِّرُ فَمَا عُذرُ الصَّحِيحِ القَادِرِ وَحُكْمُهُ كَالحَيضِ فِي كُلِّ شَيْءٍ اِلا فِي سَبْعَةٍ ذَكَرْتُهَا فِي الخَزَائِنِ وَشَرحِي لِلمُلتَقَى مِنهَا اَنَّهُ لا حَدَّ لاَقَلِّهِ لا اِذَا اُحتِيجَ اِلَيْهِ لِعِدَّةٍ كَقَولِهِ اِذَا وَلَدتِ فَاَنتِ طَالِقٌ فَقَالَت مَضَتْ عِدَّتِي فَقُدْرَةُالامام بخمسةٍ وَعِشرِيْنَ يومًا مَعَ ثَلٰثِ حَيضٍ وَالثَّانِي بِاَحَدَ عَشَرَ وَالثَّالِثِ بِسَاعَةٍ وَاَكثَرُهُ اَرْبَعُونَ يومًا كَذَا رَوَاهُ التِرمِذِي وَغَيرُهُ وَلاَنَّ اَكثَرَهُ اَربَعَةُ اَمثَالِ اَكثَرِ الحَيضِ وَالزَّائِدُ عَلٰى اَكثَرِهِ اِستِحَاضَةٌ لَو مُبتَدأَةً اَمَّا المُعتَادَةُ فَتُرَدُّ لِعَادَتِهَا وَكَذَاالحَيضُ فَاِن انقَطَعَ عَلٰى اَكثَرِهِمَا اوقَبلَهُ فَالكُلُّ نِفَاسٌ وَكَذَا الحَيضِ اِن وَلِيَهُ طُهرٌ تَامٌ وَاِلا فَعَادَتُهَا وَهِيَ تَثبتُ وَتَنتَقِلُ بِمَرَّةٍ بِهِ يُفتٰى وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقنَاهُ عَلَى المُلتَقٰى وَالنِفَاسُ لاُمِّ تَوأَمَينِ مِنَ الاَوّلِ هُمَا وَلَدَانِ بَينَهُمَا دُونَ نِصفِ حَولٍ وَكَذَا الثَّلٰثَةُ وَلَو بَينَ الاَوّلِ وَالثالِثِ اَكثَرُ مِنهُ فِي الاَصَحِّ وَانقِضَاءُ العِدّةِ مِنَ الاَخِيرِ وِفَاقًا لِتَعَلُّقِهِ بِالفَرَاغِ اَى سقط مثلث السين اى سقوط ظَهَرَ بَعضُ خِلقِهِ كَيَدٍ اَو رِجْلٍ اَو اِصبَعٍ اَو ظُفرٍ اَو شَعرٍ وَلا يَستَبِينُ خِلقَةً اِلا بَعدَ مأَةٍ وَعِشرِينَ يومًا وَلَدٌ حُكمًا فَتَصِيرُ المَرأَةُ بِهِ نُفَسَاءَ وَالاَمَةُ اُمَّ وَلَدٍ وَيَحنَثُ بِهِ فِي تَعلِيقِهِ وَتَنقَضِي بِهِ العِدّةِ فَاِن لَم يَظهَر لَهُ شَئٌ فَلَيسَ بِشَيئٍ وَالمَرئِى حَيضٌ اِن دَامَ ثَلٰثًا وَتَقدمه طُهرٌ تَامٌ والا استحاضةوَلَو لَم يَدرِ حَالَهُ وَلاَ عَدَدَ اَيَامِ حَملِهَا وَدَامَ الدَمُّ تَدَعُ الصَّلٰوةَ اَيَامَ حَيضَتِهَا بِيَقِينٍ ثُمَّ تَغتَسِلُ ثُمَّ تُصَلِّي كَمَعذُورٍ.

ترجمہ استحاضہ کے خون کا حکم اس دائمی نکسیر کے حکم کی طرح ہے جو نماز کے پورے وقت میں جاری رہے، یہ خون روزہ اور جماع کو نہیں روکتا ہے، نہ فرض نماز کو اور نہ نفل کو، دلیل میں وہ حدیث ہے جس کی راوی فاطمہ بنت ابی حبیش ہیں، کہ آنحضرت ﷺ نے دم استحاضہ کے سلسلہ میں ان سے فرمایا کہ وضو کیا کر اور نماز پڑھا کر، اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے (لہٰذا نماز کا حکم تو عبارت النص سے معلوم ہوا باقی روزہ اور جزع کے جواز کا حکم دلالۃ النص سے نکلتا ہے جب نماز کی ادائیگی جائز ہو تو روزہ اور جماع تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہو گا استحاضہ کا خون چھ قسم پر منقسم ہے۔

ایک وہ ہے جو اقل حیض (تین دن) سے کم ہو (۲) وہ خون جو اکثر حیض (دس دن) سے زیادہ آئے (۳) مبتداہ کے حیض سے زیادہ آئے اور اس کی مدت ہر مہینہ میں دس دن ہے (۴) مبتداۂ کے نفاس سے زیادہ آئے، اور اس کی مدت چالیس یوم ہے۔
(۵) حیض و نفاس کی جو عادت متعین ہے اس سے زیادہ آئے اور وہ دونوں کی اکثر مدت (دس اور چالیس) سے تجاوز کر جائے
(۶) زمانۂ حمل میں جو خون آئے اور آئسہ (۵۵ سال سے زیادہ عمر کی عورت) صغیرہ (نو سال سے کم عمر کی لڑکی) اور مریضۃ الرحم کا خون بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

اور نفاس عرب کے لغت میں عورت کے جننے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح شرح میں وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد بچہ دانی سے نکلے، اگر کوئی عورت بچہ کے پیدا ہونے کے بعد خون نہ دیکھے تو کیا اس کو نفاس والی کہیں گے یا نہیں؟ جواب یہ ہے معتمد قول کی بناپر وہ نفاس والی ہے، لہٰذا اس پر احتیاطاً غسل واجب ہے، کیونکہ ولادت کے بعد کچھ خون کا آنا ضروری ہے خواہ وہ دیکھنے میں نہ آئے، سو اگر کسی عورت کا بچہ اس کی ناف سے پیدا ہوا اس طرح کہ ناف میں زخم تھا ولادت کے وقت وہ پھٹ گیا اور بچہ اسی سے نکل آیا تو اس وقت دیکھا جائے گا کہ اگر خون بچہ دانی سے بہا ہے تو وہ عورت نفاس والی کہی جائے گی اور بچہ دانی سے خون جاری نہیں ہوا تو وہ نفاس والی نہ ہو گی بلکہ زخم والی کہی جائے گی، اگرچہ اس کے لئے بچہ کے احکام ثابت ہوں گے (وہ یہ کہ اس کی ماں کی عدت بچہ پیدا ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی، اور اس کی ماں اگر لونڈی ہے تو وہ ام ولد قرار پائے گی، اور اگر اس کی طلاق بچہ ہونے پر معلق ہو گی تو اس کے پیدا ہو جانے کے بعد طلاق واقع ہو جائیگی) اور یہ نفاس پورے بچہ کے باہر آجانے یا بچہ کے اکثر حصہ کے باہر آجانے کے بعد ثابت ہوتا ہے، اگرچہ بچہ پورا یا پورا کا اکثر حصہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالا گیا ہو بچہ کے کمتر حصہ کے باہر نکلنے سے نفاس کا حکم ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی صورت میں کہ بچہ آدھے سے کم باہر نکلا ہو اور نماز کا وقت ختم ہو رہا ہو تو عورت وضو کرے گی اگر وضو پر قدرت رکھتی ہو، ورنہ تیمم کرے گی، اور اشارہ سے نماز ادا کرے گی اور نماز مؤخر نہیں کریگی، جب اس حالت میں عورت نماز کے باب میں معذور شرعاً نہیں سمجھی گئی تو وہ مرد جو تندرست و توانا ہے اس کے لئے نماز کے باب میں کونسا عذر قابل قبول ہو سکتا ہے (یہ عورت جس کے بچہ پیدا ہو رہا تھا اور اس کا آدھے سے کم حصہ باہر آبھی گیا ہے وہ اس حال میں نماز اس طرح ادا کریگی کہ وہاں ایک گڈھا کھود لے گی یا کوئی ہانڈی رکھے گی تاکہ پیدا ہونے والے بچہ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے)
بحر الرائق میں فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا ہے کہ اگر یہ عورت نماز نہ پڑھے گی تو گنہگار ہو گی اور اشارہ سے اس وقت نماز پڑھے گی، جب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو یا بچہ کے نقصان کا اندیشہ ہو۔
اور نفاس کا حکم ہر چیز میں حیض کے حکم کی طرح ہے، سوائے ان سات چیزوں کے جن کو میں نے خزائن الاسرار اور ملتقی البحر کی شرح میں ذکر کیا ہے (وہ سات چیزیں جن میں نفاس کا حکم حیض سے مختلف ہے یہ ہیں (۱) بلوغ یہ حیض سے ثابت ہوتا

ہے، نفاس سے ثابت نہیں ہوتا (۲) استبراء حیض سے ثابت ہوتا ہے نفاس سے ثابت نہیں ہوتا۔ (۳) عدت، یہ حیض سے ثابت ہوتا ہے نفاس سے ثابت نہیں ہوتا (۴) نفاس کی کم مدت متعین نہیں ہے، حیض کی کم مدت تین دن مقرر ہے (۵) نفاس کفارہ کے روزہ کے تسلسل کو توڑ دیتا ہے اور حیض تسلسل کے لئے توڑنے والا نہیں ہے (۶) نفاس سے طلاق سنت اور طلاق بدعت میں فصل حاصل نہیں ہوتا اور حیض سے ہوتا ہے (۷) نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے اور حیض کی دس دن۔

ان سات چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے مگر اس وقت جبکہ عدت کے واسطے اس کی حاجت ہو، جیسے مرد اپنی بیوی سے کہے کہ جب تو بچہ جنے گی تو تجھ کو طلاق ہے، اس عورت نے کہا مری طلاق کی عدت گذر گئی تو اس صورت میں امام اعظمؒ نے نفاس کی کم سے کم مدت پچیس دن مع تین حیضوں کے ٹھہرائی ہے اور امام ابو یوسفؒ نے کم سے کم مدت گیارہ دن بتائی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ کم سے کم مدت ایک ساعت ہے۔

تشریح اس باب میں فتوی امام اعظمؒ کے قول پر ہے کذا فی النہر، لہذا جب عورت نے ولادت کے ۸۵ دن بعد کہا کہ میری عدت گذر گئی تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی یہ بات مان لی جائے گی، کیونکہ (۲۵ دن نفاس کے ہوں گے اور ۱۵ دن طہر کے نفاس و حیض کے درمیان) اور تین حیضوں کے پانچ پانچ دن کے اعتبار سے پندرہ دن اور تین حیضوں کے درمیان دو طہر کے تیس دن، یہ کل پچاسی دن ہوتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تصدیق کی کم سے کم مدت ۶۵ دن ہیں، گیارہ دن نفاس کے، ۱۵ دن طہر کے اور تین حیض ۹ دن تین تین دن کے) اور ان حیضوں کے درمیان دو طہر تیس دن، اس کی میزان پینسٹھ دن ہوئے، اور امام محمدؒ کے نزدیک تصدیق کی کم سے کم مدت ایک ساعت (۵۴) دن ہیں، ایک ساعت نفاس کی، ۱۵ دن طہر کے، اور تین حیض کے نو دن، اور ان کے دو طہر تیس دن۔

نفاس کی اکثر مدت چالیس دن ہے، ترمذی وغیرہ نے ایسا ہی روایت کی ہے اور اس لئے کہ نفاس کی اکثر مدت حیض کی اکثر مدت کی چوگنی ہے۔

تشریح یعنی حدیث سے ثابت یہی چالیس دن ہے، یہ تو نقلی دلیل ہے، عقلی دلیل یہ ہے کہ حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور اس کی چوگنا نفاس کی اکثر مدت ہے جو چالیس دن ہوئی، عورت کو جب حمل قرار پاتا ہے تو حیض آنا بند ہو جاتا ہے، دوسری بات یہ کہ حمل جب چار ماہ کا ہوتا ہے تو بچہ میں جان پڑتی ہے اور بچہ میں جب سے جان آتی ہے اس کی غذا یہی حیض والا خون ہوتا ہے تو پانچویں مہینہ سے حیض والا خون بچہ کی غذا میں چلا جاتا ہے، پہلے چار ماہ کا حیض والا خون عورت کے پیٹ میں جمع رہتا ہے وہی بچہ کے پیدا ہونے کے بعد نفاس کی صورت میں نکلتا ہے تو چار مہینے میں ہر ماہ دس دن حیض کا ہوا تو اس طرح چار چو کا چالیس ہوا، اس لئے نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن رکھی گئی ہے

اور چالیس دن سے جو خون نفاس میں زیادہ آئے وہ استحاضہ ہے، اگر اس عورت کو پہلے پہل بچہ ہوا ہے، اس لئے کہ اس کی کوئی عادت پہلے سے نہیں ہے، اس لئے چالیس دن تک نفاس کا خون شمار ہوگا اور اگر عادت والی عورت ہے تو اس کی مدت عادت کی طرف پھیری جائے گی، مثلاً اس کے یہ تیسرا یا چوتھا بچہ ہوا ہے اور پہلے دو تین بچوں میں اس کو تیس دن نفاس کا خون آتا رہا ہے، اب تیسرے چوتھے بچے میں اگر خون مسلسل پچاس دن آیا تو تیس دن نفاس کے شمار ہوں گے اور باقی بیس دن استحاضہ کے، اور یہی حائضہ کا حکم ہے، یعنی اگر اس کو پہلے پہل حیض آیا ہے تو دس دن تک حیض کا خون شمار کریں گے اس سے جو زیادہ ہوگا

استحاضہ سمجھا جائے گا، اور اگر اس کو کئی ماہ پہلے سے حیض آرہا تھا اور اسکی ایک عادت مقرر ہو چکی تھی مثلاً پانچ دن ہر ماہ میں اور اس ماہ میں پندرہ دن خون آیا تو پانچ دن حیض کے شمار ہوں گے بقیہ دس دن نفاس کے لہذا اگر خون حیض اور نفاس کی اکثر مدت پر بند ہوا ہے یا اس سے پہلے تو نفاس میں سارا خون نفاس ہے اور حیض میں تمام خون حیض ہے، بشرطیکہ نفاس اور حیض میں سے ہر ایک کے بعد پورا طہر (پندرہ دن کا) اس کے متصل پایا جائے، اور اگر ایسا نہیں ہوا یعنی اس خون کے بعد پندرہ دن کا طہر نہ ہوا تو پھر جو عادت تھی اس کے مطابق نفاس اور حیض کے دن شمار ہوں گے اور اس کی عادت سے خون کا جو دن زیادہ ہو گا وہ استحاضہ قرار پائے گا، (اس کی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ مثلاً ایک عورت کی حیض میں عادت ہر ماہ پانچ دن تھی، اب اس ماہ اس کو چھ دن خون آیا تو اگر اس کے بعد پندرہ دن طہر کا رہا ہے تو چھ کے چھ دن حیض کے شمار ہوں گے اور اب اس کی یہی عادت ٹھہرے گی، لیکن اگر طہر پندرہ دن نہیں رہا بلکہ چودہ دن وہ عورت پاک رہی اور پندرھویں دن خون آگیا تو اب اس صورت میں عادت کی طرف اس کو لوٹایا جائے گا یعنی حیض کے دن پانچ ہی شمار ہوں گے اور چھٹا دن جو ایک دن زیادہ ہے وہ استحاضہ قرار پائے گا

اسی طرح نفاس میں اس عورت کی عادت ہر ولادت کے بعد تیس دن تھی مگر کسی ایک مہینہ میں اس کو اکتیس دن نفاس کا خون آیا تو اگر اس کے بعد پندرہ دن طہر رہا تب تو اکتیس کے اکتیس دن نفاس میں شمار ہوں گے، لیکن اگر طہر کے دن صرف چودہ دن رہے تو نفاس کے تیس ہی دن شمار ہوں گے اور ایک دن استحاضہ شمار ہو گا

ایک بار سے عادت ثابت بھی ہوتی اور بدل بھی جاتی ہے اور اسی قول پر فتوی بھی دیا گیا ہے اور اس کی پوری تفصیل ملتقی الابحر کی اس شرح میں ہے جو ہم نے لکھی ہے مثلاً پہلے پہل ایک عورت کو پانچ دن حیض کا خون آیا تو یہی اس کی عادت قرار پائے گی، پھر بعد والے مہینہ میں جب چھ دن خون آیا تو اب اس کی عادت چھ دن شمار ہو گی اور کہا جائے گا کہ پہلی عادت بدل گئی، امام ابو یوسفؒ اسی کے قائل ہیں، لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب تک دو مرتبہ نہ ہو اس وقت تک اسے عادت قرار نہیں دیں گے

اور دو جڑواں بچوں کی ماں کا نفاس پہلے بچے کے پیدا ہو جانے کے بعد شمار ہونے لگتا ہے، "تو آمین" وہ دو جڑواں بچے ہیں کہ جن دونوں کے درمیان آدھے برس سے کم فاصلہ ہو (پہلے بچہ کے پیدا ہو جانے کے بعد ہی چونکہ بچہ دانی کا منہ کھل جاتا ہے اس لئے اس کے بعد جو خون بھی آئے گا نفاس کا کہا جائے گا) اور تین بچوں کا بھی ایسا ہی حکم ہے جو ایک بطن سے ہوں خواہ پہلے بچہ اور تیسرے بچہ کے درمیان نصف سال سے زیادہ کا فاصلہ پڑ جائے، صحیح تر قول یہی ہے یعنی پہلے اور دوسرے کے درمیان نصف سال کے کم ہے اور اسی طرح دوسرے اور تیسرے کے درمیان چھ ماہ سے کم فصل ہو تو پہلے اور تیسرے کے درمیان فاصلہ زیادہ ہونے کا کوئی اصح قول میں کوئی اعتبار نہیں ہے، مصنف نے اپنی شرح میں بحر الرائق سے نقل کیا ہے کہ دوسرے ولد (بچے) کے بعد جو خون آیا اگر وہ چالیس دن کے اندر اندر رہے ہے تو پہلے بچہ کا نفاس ہو گا اور چالیس دن کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ شمار ہو گا، عورت کو چاہئے کہ چالیس دن کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے۔

اور عدت کے ختم ہونا کا تعلق بالاتفاق آخر والے بچہ سے ہے اس لئے کہ انقضاء اختتام کا تعلق بچہ دانی کے خالی ہونے سے ہے (اور بچہ دانی اخیر والے بچہ کے پیدا ہو جانے کے بعد خالی ہوتی ہے)

ناتمام بچہ جس کی بعض خلقت ظاہر ہو چکی ہو، جیسے ہاتھ، پاؤں، انگلی، ناخن، اور بال وغیرہ تو یہ حکم شریعت میں بچہ ہے، اور

یٹ کے بچہ میں اعضاء وغیرہ ایک سو بیس دن کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اس سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے، اس ناتمام بچہ کو فقہ کی صطلاح میں "سقط" کہتے ہیں، لفظ سقط میں س کو زبر، زیر اور پیش تینوں حرکت جائز ہے اور یہ لفظ سقط، مسقوط (گرے ہوئے) کے معنی میں آتا ہے، (اور بحر الرائق میں ہے کہ سقط کی تعبیر ساقط کے ساتھ مناسب ہے، اس لئے سقط لازم ہے جس کا مفعول ہیں آتا، پھر مقصود بچہ کا گر کر باہر آجانا ہے، خواہ خود گر جائے یا کوئی گرادے) جب ناتمام بچہ حکم میں بچہ ہی کے ہے تو اس کی ماں اس کے گرنے کے بعد نفاس والی اور وہ لونڈی ہے تو ام ولد ہو جائے گی۔

اور اگر کسی نے بچہ کے ہونے پر قسم کو معلق کر رکھا ہے تو اس ناتمام بچہ کے گر جانے سے قسم کا توڑنے والا قرار پائے گا اور ر وضع حمل کا تعلق عدت سے ہے تو اس ناتمام بچہ کے ہونے سے عدت پوری ہو جائے گی، البتہ اگر اس ناتمام بچہ میں کچھ عضاء ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو وہ کوئی چیز نہیں، اور نفاس وغیرہ کا اس سے کوئی تعلق قطعاً نہیں ہوگا اور جو خون اس کے بعد دیکھا ائے وہ اس وقت حیض شمار ہوگا جب اس سے پہلے طہر کے پندرہ دن گذر چکے ہوں اور یہ خون تین دن تک جاری رہا ہو، ورنہ ستحاضہ میں شمار ہوگا، یعنی اگر خون تین دن تک جاری نہ رہا خواہ پہلے طہر کے پندرہ دن گذر چکے ہوں یا تین دن جاری تو رہا تو مگر پہلے طہر کے پندرہ دن نہ گذرے ہوں ان دونوں صورتوں میں وہ خون استحاضہ سمجھا جائے گا

اور اگر اس ناتمام بچہ کا حال معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے اعضاء وغیرہ ظاہر تھے یا نہیں، اس لئے کہ وہ اندھیرے میں گرا اور سے بلا دیکھے ہوئے پھینک دیا گیا، اور نہ اسکو حمل کے دنوں کی گنتی معلوم ہے اور خون برابر جاری رہا تو وہ ایام جو یقینی طور پر اسکے حیض کے ہیں ان دنوں میں نماز کو چھوڑ دیا کرے پھر غسل کرے پھر وہ معذور کی طرح نماز ادا کرے یعنی ہر وقت کیلئے تازہ وضو کرے۔

لاَ یُحَدُّ اَیَاس بِمُدَّةٍ بل هُوَ اِن تَبلُغَ مِن السِّن مَالاَ تَحِیضُ مِثلُهَا فِیهِ فَاِذَا بَلَغته وَانقَطَعَ دَمُهَا حُکِمَ بِاَیَاسِهَا فَمَا رَاٴَ تهُ بَعدَ الاِنقِطَاعِ حَیضٌ فَیبطُلُ الاِعتِدَادُ بِالاَشهُرِ تَفسُدُ الاَنکِحَةُ وَقِیلَ یحَدُّ بِخَمسِینَ سَنَةً وَعَلَیهِ المُعَوَّلُ وَالفَتوٰی فِی زَمَانِنَا مُجتَبٰی وَغَیرُهُ تَیسِیرًا اذحَدُّهُ فِی العَدَّةِ خَمسٍ وَخَمسِینَ قَالَ فِی الضِّیَاءِ وَعَلَیهِ الاِعتِمَادُ وَمَا رَأَتهُ بَعدَهَا اَی بَعدُ المُدَّةِ المَذکُورَةِ فَلَیس بِحَیضٍ فِی ظَاهِرِ المَذهَبِ اِلاَّ اِذَا کَانَ دَمًا خَالِصًا فَحَیضٌ حتٰی یَبطُلُ بِه الاِعتِدَادِ بِالاَشهُرِ لٰکِن قَبلَ تَمَامِهَا لاَبَعدَهُ حَتّٰی لا تَفسُدُ الاَنکِحَةِ وَهُوَ المُختَارُ لِلفَتوٰی جَوهَرَةٌ وَغَیرُهَا وَسَنُحَقِّقُهُ فِی العِدَّةِ

سن ایاس

ترجمہ:۔ بڑھاپے کی وجہ حیض کے آنے سے ناامیدی کی کوئی خاص حد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ سن ایاس (حیض سے ناامیدی کی عمر) یہ ہے کہ عورت اس عمر میں پہنچ جائے کہ اس جیسی عورت کو اس عمر میں حیض نہیں آیا کرتا ہے، لہذا جب عورت اس عمر میں پہنچ جائے اور اس کا خون بند ہو جائے تو اس کے سن ایاس کا حکم کر دیا جائے گا (آئسہ عورت جو سن ایاس کو پہنچ چکی ہو اس کی عدت مہینوں سے ہوگی بشرطیکہ عدت کے درمیان اس کو حیض کا خون نہیں آیا) اگر سن ایاس میں پہنچنے کے بعد خون بند ہو گیا تھا

اس کے بعد عورت کو خون آیا تو وہ حیض کا خون قرار پائے گا اور مہینوں سے عدت کا شمار باطل ہو جائے گا، چنانچہ اس مہینہ والی مدت کی بنیاد پر جو نکاح ہوا ہے وہ فاسد ہو جائیگا، (کیونکہ وہ نکاح عدت کے زمانہ میں سمجھا جائیگا اور عدت میں نکاح جائز نہیں ہے) اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ سن ایاس پچاس برس کی عمر کے ساتھ محدود ہے اور اسی پر اعتماد ہے اور ہمارے زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے کہ اس میں آسانی ہے چنانچہ مجتبیٰ وغیرہ میں ایسا ہی ہے، اور مصنف نے ایاس کی عمر باب العدت میں پچپن سال بیان کی ہے، اور ضیاء نامی کتاب میں کہا ہے کہ اسی قول پر اعتماد ہے، اس مدت مذکورہ، ۵۰ یا ۵۵ سال کی عمر کے بعد عورت جو خون دیکھے گی وہ ظاہر مذہب میں حیض نہیں ہے مگر اس وقت جبکہ وہ خالص خون ہو تو حیض اور اس خون کے آنے سے مہینوں سے عدت کا شمار کرنا باطل ہو جائے گا لیکن یہ اس وقت ہے کہ خون عدت پوری ہونے سے پہلے نظر آئے، عدت ختم ہونے کے بعد اگر خالص خون دیکھے گی تو اس سے مہینوں سے عدت کا مسئلہ باطل نہ ہوگا اور نہ نکاح ہی فاسد ہوگا فتویٰ کے لئے یہی قول پسندیدہ ہے جیسا کہ جوہر نیرہ وغیرہ میں ہے اور اس کی مزید تحقیق ہم باب العدت میں کریں گے۔

وَصَاحِبُ عُذرٍ مَن بِهٖ سَلَسُ بَولٍ لَایُمکِنُهٗ اِمسَاکُهٗ اَو اِستِطلَاقُ بَطنٍ وَاِنفِلَاتُ رِیحٍ اَو اِستِحَاضَةٌ اَو بِعَینِهٖ رَمَدٌ اَو عَمَشٌ اَو غَربٌ کَذَا کُلُّ مَا یَخرُجُ بِوَجعٍ وَلَو مِن اُذُنٍ وَثَدیٍ وَسُرَّةٍ اِن استَوعَبَ عُذرُهٗ تَمَامَ وَقتِ صَلٰوةٍ مَفرُوضَةٍ بِاَن لَایَجِدُ فِی جَمِیعِ وَقتِهَا زَمَنًا یَتَوَضَّأُ وَیُصَلِّی فِیهِ خَالِیًا عَنِ الحَدَثِ وَلَو حُکمًا لِاَنَّ الاِنقِطَاعَ الیَسِیرِ مُلحَقٌ بِالعَدَمِ وَهٰذَا شَرطُ العُذرِ فِی حَقِّ الاِبتِدَاءِ وَفِی حَقِّ البَقَاءِ کَفٰی وُجُودُهٗ فِی جُزءٍ مِنَ الوَقتِ وَلَو مَرَّةً وَفِی حَقِّ الزَوَالِ یُشتَرَطُ اِستِیعَابُ الاِنقِطَاعِ تَمَامَ الوَقتِ حَقِیقَةً لِاَنَّهُ الاِنقِطَاعُ الکَامِلُ وَحُکمُهٗ الوُضُوءُ لَا غَسلُ ثَوبِهٖ وَنَحوِهٖ لِکُلِّ فَرضٍ اَللَّامُ لِلوَقتِ مَا فِی دُلُوکِ الشَمسِ ثُمَّ یُصَلِّی بِهٖ فِیهِ فَرضًا وَنفلاً فَدَ ـلَ الوَاجِبُ بِالاَولٰی مَاذَاخَرَجَ الوَقتُ بَطَلَ اَی ظَهَرَ حَدَثُهُ السَّابِقُ حَتّٰی لَو تَوَضَّأَ عَلَی الاِنقِطَاعِ وَدَامَ اِلٰی خُرُوجِهٖ لَم یَبطُل بِالخُرُوجِ مَالَم یَطرَ أَحدَثٌ آخَرُ اَو یَسِل کَمَسئَلَةِ مَسحِ خُفِّهٖ وَاَفَادَ اَنَّهٗ لَو تَوَضَّأَ بَعدَ الطُّلُوعِ وَلَو لِعِیدٍ اَوضحٰی لَم یَبطُل اِلَّا بِخُرُوجِ وَقتِ الظُهرِ وَاِن سَالَ عَلٰی ثَوبِهٖ فَوقَ دِرهَمٍ جَازَ لَهٗ اِن لَا یَغسِلَهٗ اِن کَانَ لَو غَسَلَهٗ یَتَنَجَّسُ قَبلَ الفَرَاغِ مِنهَا اَی الصَّلٰوةِ وَاِلَایَتَنَجَّسُ قَبلَ فَرَاغِهٖ فَلَا یَجُوزُ تَرکُ غَسلِهٖ هُوَ المُختَارُ لِلفَتوٰی وَکَذَا مَرِیضٌ لَا یَبسُطُ ثَوبًا اِلَا تَتَنَجَّسُ اِلَا تَنَجَّسَ فَورًا لَهٗ تَرکُهٗ وَالمَعذُورُ اِنَّمَا تَبقٰی طَهَارَتُهٗ فِی الوَقتِ بِشَرطَینِ اِذَا تَوَضَّأَ لِعُذرِهٖ لَم یَطرَأَ عَلَیهِ حَدَثٌ اٰخَرُ اَمَّا اِذَا تَوَضَّأَ لِحَدَثٍ اٰخَرَ وَعُذرُهٗ مُنقَطِعٌ ثُمَّ سَالَ اَو تَوَضَّأَ لِعُذرِهٖ ثُمَّ طَرَأَ عَلَیهِ حَدَثٌ اٰخَرُ بِاَن سَالَ اَحَدُ مَنخَرَیهِ اَو جُرحَیهِ اَو قَرحَتَیهِ وَلَو مِن ـ ندرِی ثُمَّ سَالَ الاٰخَرُ فَلَا تَبقٰی طَهَارَتُهٗ

معذور کا بیان

ترجمہ شریعت میں معذور وہ شخص ہے جس کو سلسل بول (مسلسل پیشاب ٹپکنے) کی بیماری ہو اس طرح کہ وہ اس کو روکنے کی قدرت نہ رکھتا ہو یا اس کا پیٹ چلتا ہو کہ برابر دست آتے رہتے ہیں یا خروج ریح کی بیماری ہے کہ وہ نہیں رکتی، یا استحاضہ کا خون جاری ہو، یا درد کے ساتھ اس کے آنکھوں میں جوش ہو یا آنکھوں سے کیچڑ بہتا رہتا ہے یا آنکھ چوندھی یا گوشہ چشم میں ناسور ہو اور اسی طرح وہ پیپ یا پانی جو درد کے ساتھ نکلے، گو وہ کان، پستان اور ناف سے نکلے ان تمام حالتوں میں ایسا شخص معذور ہے، بشرطیکہ یہ عذر اس کی فرض نماز کے تمام وقت کو اس طرح گھیر لے کہ نماز کے تمام وقت میں وہ ایسا موقعہ نہ پائے کہ اس میں وہ وضو کر کے اس طرح نماز ادا کر سکے کہ حدث نہ پایا جائے، اگر چہ اس عذر کا تمام وقت گھیر لینا حکمی ہو حقیقی نہ ہو، اس لئے برائے نام تھوڑی دیر کے لئے رکنا نہ رکنے کے حکم میں ہے، اتنی دیر رکنا رکنا نہیں ہے جس میں وہ حدث سے خالی ہو کر نماز بھی نہ پڑھ سکے، اور معذور ہونے کے لئے استیعاب (پورے وقت کو گھیرنے) کی یہ شرط عذر کے شروع ہونے کے حق میں ہے کہ اولاً اسی طرح سے عذر کا ثبوت ہوتا ہے، اور عذر کے باقی رہنے کے حق میں نماز کے وقت کے کسی جزء میں عذر کا پایا جانا کافی ہوتا ہے اگر چہ ایک ہی مرتبہ ہو، ایک بار پایا جانا کافی ہے پورے وقت کا گھیرنا ضروری نہیں ہے، اور عذر کے جاتے رہنے کے لئے پورے وقت نماز میں حقیقتاً مکمل انقطاع کا پایا جانا ضروری ہے، اس لئے کہ انقطاع کامل اسی کو کہتے ہیں (عذر کا خاتمہ اس وقت ہوگا جب ایک نماز کے پورے وقت میں اس عذر کا قطعاً کوئی اثر باقی نہ معلوم ہو) اس انقطاع کامل یعنی پوری بندش کے بعد اگر پھر وہ عذر پیدا ہو جائیگا تو پھر وہ معذور شرعی کے حکم میں ہو جائے گا اور اگر وہ عذر نہیں لوٹا تو معذور نہ کہا جائے گا ایسے معذور شرعی کا حکم یہ ہے کہ وہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کرے، اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ ہر وقت اپنا کپڑا یا بدن یا اور جگہ وغیرہ دھوئے (اور جو وضو نہ کر سکتا ہو وہ وضو کے بجائے تیمم کرے اور جب کپڑے کا نماز کے اندر اندر گندہ ہو جانا یقینی ہے تو پھر ہر وقت اس کے اور اس طرح کی اور چیز کے دھونے کا حکم دینا بے فائدہ رہتا، ہاں اگر پوری نماز میں اس کا کپڑا وغیرہ گندہ نہیں ہوتا ہے تو دھو لینا بہتر ہوگا)

شارح نے بتایا کہ لکل فرض میں لام وقت کے معنی میں ہے، جیسا کہ قرآن میں آیا ہے لدلوک الشمس اور لدلوک الشمس میں جو لام ہے اس کے معنی وقت کے ہیں، یعنی نماز آفتاب ڈھلنے کے وقت قائم کرو۔

ہر وقت وضو کرنے کے بعد اس سے فرض اور نفل ادا کرے اور جب فرض و نفل کی اس وضو سے ادا کرنے کی اجازت ہے تو واجب نماز کے ادا کرنے کی بدرجہ اولی اجازت ہوگی ما حصل یہ ہے کہ وقت میں وضو کر کے جتنی فرض واجب سنت اور نفل نمازیں ہوں اس ایک وضو سے پڑھ سکتا ہے سب کے لئے الگ الگ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن جونہی وہ وقت جاتا رہے گا، وضو باطل ہو جائے گا، یعنی جو پہلا حدث (بے وضو ہونا) عذر کی وجہ سے تھا۔ وہ ظاہر ہو جائیگا، حتی کہ اگر اس نے عذر کے ختم ہونے کے بعد وضو کیا اور عذر کا ختم ہونا نماز کے وقت کے نکل جانے تک برابر قائم رہا تو وقت کے نکل جانے کی وجہ سے وضو باطل نہ ہوگا جب تک دوسرا حدث اس وضو پر طاری نہ ہو جائے یا عذر سابق جاری نہ ہو جائے! اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ عذر ہونے کی صورت میں وقت کے اندر جو وضو کیا جاتا ہے وہ وقت کے نکل جانے سے اس لئے باطل ہو جاتا ہے کہ حدث سابق ظاہر ہو جاتا

ہے، لیکن جب عذر جاتا رہا ہے اور وضو کیا تو جب تک وضو توڑنے والی کوئی چیز پیش نہ آجائے وضو باقی رہے گا خواہ جس وقت میں وضو کیا ہے وہ وقت نکل بھی جائے، اثر عذر کا ہوتا ہے خروج وقت کا نہیں۔

یہ مسئلہ معذور کے موزوں پر مسح کرنے کے مسئلہ کی مانند ہے، یعنی عذر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا تو وقت کے اندر مسح کرنا جائز ہے اور جونہی وقت ختم ہوا مسح جائز نہیں رہے گا، خواہ اس نے موزہ نہ بھی اتارا ہو اور اگر عذر کے ختم ہونے کے بعد وضو کیا اور موزہ پہنا تو غیر معذور کی طرح مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات مسح کرنا جائز ہے۔

اور یہ جو قید لگائی کہ وقت نکلنے پر وضو باطل ہوگا اس قید نے یہ فائدہ دیا کہ اگر کسی معذور نے آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد وضو کیا اگر چہ اس کا یہ وضو عید کی نماز کے لئے ہو یا چاشت کی نماز کے لئے تو یہ وضو اس وقت تک باطل نہ ہوگا جب تک ظہر کا وقت نکل نہ جائے، ماحصل یہ ہے کہ وقت سے پنجگانہ نمازوں کا وقت مراد ہے، اور طلوع آفتاب سے لے کر نصف النہار تک کسی نماز کا وقت نہیں ہے لہذا وقت کا خروج ظہر کے وقت کے نکل جانے کے بعد پایا جائے گا اور چونکہ وضو کا باطل ہونا کسی نماز پنجگانہ کے وقت کے نکلنے پر موقوف ہے اس لئے جب تک ظہر کا وقت نہ نکلے گا وضو نہ ٹوٹے گا۔

اگر معذور کے کپڑے پر درہم سے زیادہ نجاست بھی ہو لہذا اگر صورت یہ ہے کہ کپڑے کو دھونے کے باوجود نماز سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے وہ کپڑا نجس (ناپاک) ہو جاتا ہے تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس نجاست کو بوقت نماز نہ دھوے، ہاں اگر نماز سے فراغت سے پہلے کپڑا نجس (ناپاک) نہیں ہوتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بوقت نماز کپڑے کے دھونے کو چھوڑ دینا جائز نہ ہوگا بلکہ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ دھولے، فتوی کے لئے اسی قول کو پسند کیا گیا ہے، اسی طرح اس مریض کا حکم ہے کہ وہ جو بھی کپڑا بچھاتا ہے فوراً ناپاک ہو جاتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ فرش بچھانا چھوڑ دے (اس کی صورت فقہاء نے یہ لکھی ہے، نماز کے لئے کوئی پاک زمین نہیں ملتی ہے اور اگر نماز پڑھنے کے لئے اپنا کپڑا بچھاتا ہے تو وہ اس کی بہنے والی نجاست سے فوراً (نماز کے فراغت سے پہلے) ناپاک ہو جاتا ہے تو اس کو شریعت نے ایسے وقت میں یہ اجازت دی ہے کہ کپڑا نہ بچھائے اور اسی طرح زمین پر نماز ادا کرے)۔

معذور کی طہارت تو وقت کے اندر اندر دو شرطوں کے ساتھ باقی رہتی ہے پہلی شرط تو یہ کہ اس نے عذر کی وجہ سے وضو کیا ہو اور دوسری شرط یہ کہ اس پر اس کے بعد دوسرا حدث (وضو توڑنے والا) طاری نہ ہوا ہو، لیکن جبکہ معذور نے کسی اور حدث کی وجہ سے وضو کیا اور اس کا پہلا عذر ختم ہو چکا تھا پھر اس کا وہ عذر لوٹ آیا، یا اس نے اپنے کسی عذر معلوم کی وجہ سے وضو کیا اور اس کے بعد اس کا وہ وضو ٹوٹ گیا، اسطرح کہ ایک نتھنا (نکسیر) کا یا ایک زخم یا ایک پھوڑا بہہ پڑا اگر چہ وہ پھوڑا چیچک کا ہو، یا دوسرا نتھنا یا دوسرا زخم یا دوسرا پھوڑا جاری ہو گیا تو اس صورت میں اس کی طہارت باقی نہ رہی (پہلی صورت میں اس وجہ سے وضو ٹوٹا کہ عذر شرعی لوٹ آیا اور اس سے پہلے جو وضو کیا تھا وہ اس عذر کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ وضو کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے کیا تھا، اور اگر اس مسئلہ میں دونوں نتھنے یا دونوں زخم یا دونوں پھوڑے ساتھ ساتھ جاری ہو جائیں اور بعد میں ایک بند ہو جائے تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نماز کا وضو باقی ہے)

فُرُوعٌ یَجِبُ رَدُّ عُذْرِهٖ وَتَقْلِیْلُهٗ بِقَدْرِ قُدْرَتِهٖ وَلَوْ بِصَلٰوةٍ مُوْمِئًا وَ بِرَدِّهٖ لَا یَبْقٰی ذَاعُذْرٍ بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَلَا یُصَلّٰی مَنْ بِهٖ اِنْفِلَاتُ رِیْحٍ خَلْفَ مَنْ بِهٖ سَلَسُ بَوْلٍ لِاَنَّ مَعَهٗ حَدَثًا نَجَسًا

فــروع

ترجمہ:۔ شارح تنویر الابصار کے بڑھائے ہوئے مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ صاحب عذر پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی قدرت بھر اپنے عذر کو دور کرے اور روکے اور کم کرے اگر چہ اس کے لئے اشارہ سے نماز پڑھنا پڑے، یعنی اشارہ کے ساتھ نماز ادا کرنے سے عذر ختم ہو رہا ہو یا کم ہو رہا ہو تو اشارے ہی کے ساتھ نماز ادا کرے، گویا اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ حدث کے ساتھ پڑھتا رہے اور عذر کے رک جانے سے وہ صاحب عذر باقی نہ رہے گا بلکہ تندرست کے حکم میں ہو جائے گا، بخلاف حائضہ عورت کے، یعنی اگر حیض والی عورت کسی تدبیر سے خون کے سیلان کو روک بھی دے گی تو بھی وہ حائضہ ہی کے حکم میں رہے گی،

استحاضہ والی عورت اس صورت میں معذور کے مانند ہے، یعنی یہ استحاضہ والا خون کسی تدبیر سے رک جائے گا تو وہ تندرست کے حکم میں ہو گی جن لوگوں نے اس کو حیض والی کے مانند قرار دیا ہے ان کا قول ضعیف ہے۔

جس کو برابر ہوا نکلتی رہتی ہے وہ اس شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھے گا جس کو برابر پیشاب ٹپکتا رہتا ہے اس وجہ سے کہ امام میں وہ حدث پایا گیا ایک حدث (وضو کا نہ ہونا) اور دوسرا انجاست یعنی پیشاب کا ہونا اور مقتدی میں صرف ایک عذر ہے، یعنی وضو کا باقی نہ رہنا، اس میں کوئی نجاست نہیں ہے۔

باب الانجاس

جمعُ نَجَس بفتحتَین وَهُوَ لُغَةً يَعمُّ الحَقِيقِي وَالحُكمِي وعُرفًا يَختصُّ بالاَوّل يَجُوزُ رَفعُ نِجاسَةٍ حَقِيقَةٍ عَن مَحلّهَا وَلَو اِنَاءً اَومَاكُولاً عَلِمَ مَحلّهَا اَولابماءٍ وَلَو مُستعملاً بهٖ يُفتي وَبكُلّ مَائِعٍ طَاهرٍ قَالِعٍ لِلنّجاسَةِ ينعَصِرُ بالعَصرِ كَخلّ وَمَاءِ وَردٍ حتّٰى الرِيقُ فَتطَهّرُ اَصبعٌ وَثَديٌ بلَحسٍ ثَلٰثًا بخِلاَفِ نَحوِ لبَنٍ كَزيتٍ لاَنّهٗ غيرُ قَالعٍ وَمَا قِيلَ اَنّ اللّبَنَ وَبَولُ مَا يُوكَلُ مُزِيلٌ فَخِلاَفُ المُختَارِ

(نجاستیں اور ان سے پاکی کا بیان)

ابھی نجاست حکمیہ کا بیان ہو رہا تھا، اس کی بحث ختم کر کے حقیقی نجاستوں اور ان سے پاکی کا بیان شروع ہو رہا ہے، حکمی نجاست قوی ہے کیونکہ اس کا ذرا سا بھی حصہ نماز کے جواز کو ختم کر دیتا ہے، پھر یہ کہ کوئی بھی عذر ہو حکمی نجاست کا دور کرنا واجب ہوتا ہے، حقیقی نجاستوں میں یہ بات نہیں ہے اس لئے حکمی نجاست کو پہلے بیان کیا اور حقیقی نجاست کو [illegible] کے بعد بیان کر رہے ہیں۔

انجاس، نجس کی جمع ہے نجس میں نون اور جیم دونوں کو زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے، عرب کے لغت میں حقیقی اور حکمی دونوں نجاستوں کو نجس کہتے ہیں البتہ عرف عام میں نجس کا لفظ نجاست حقیقیہ کو خاص ہے جیسے پاخانہ پیشاب، ان نجاستوں کو نجس بھی کہتے ہیں یعنی جیم کے زبر کے ساتھ، باقی جس کپڑے کو نجاست لگی ہو اس کو نجس (بکسر جیم) تو کہیں گے لیکن نجس (جیم کے زبر کے ساتھ) نہیں کہیں گے، خبث کا لفظ جب بولتے ہیں تو اس سے مراد صرف نجاست حقیقیہ ہوتی ہے حکمی نجاست نہیں، اسی طرح "حدث" کا لفظ صرف حکمی نجاست کے لئے مخصوص ہے حقیقی نجاست کو حدث سے تعبیر نہیں کرتے۔

حقیقی نجاست کا بدن، کپڑے اور جگہ سے دور کرنا اس وقت فرض ہے جب وہ درہم یا اس سے زیادہ ہو اور دور کرنے میں کوئی خاص دشواری پیش نہ آئے، لیکن اگر صورت ایسی ہو کہ جب تک لوگوں کے سامنے ستر نہیں کھولتا ہے دور نہیں کر سکتا ہے تو ایسی مجبوری میں نجاست کے ساتھ نماز پڑھے گا مگر ستر نہ کھولے گا، اسلئے کہ لوگوں کے سامنے ستر کھولنے والا حکماً فاسق ہے۔

دو برائیوں میں سے جب کسی نہ کسی میں مبتلا ہونا ضروری ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ کم درجہ کی برائی کو اختیار کیا جائیگا نجاست حقیقی جہاں لگی ہوئی ہو اس جگہ سے اس کا پانی سے دور کرنا جائز ہے اور ہر اس بہنے والی چیز سے جو نجاست کو دور کرنے والی ہو اور پڑنے سے نچڑ جائے، خواہ جہاں نجاست لگی ہے وہ برتن ہو یا کھانے کی چیز، اور خواہ اس کا محل و مقام معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، اسی پر فتوی دیا گیا ہے، بہنے والی پاک چیز جیسے سرکہ، گلاب کا پانی، حتی کہ منہ رال سے بھی نجاست کا دور کرنا درست ہے، چنانچہ انگلی اور پستان جو ناپاک ہو گئی ہو تو تین بار چاٹ لینے سے وہ پاک ہو جاتی ہے بخلاف دودھ جیسی چیزوں کے کہ ان سے نجاست لگی ہوئی چیز پاک نہیں ہوتی، جیسے تیل، کہ یہ نجاست کو اپنی چکنائی کی وجہ سے دور نہیں کرتا ہے، اور وہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دودھ اور حلال جانور کا پیشاب نجاست کو دور کرنیوالا ہے یہ قول مختار کے مخالف ہے۔

تشریح یہ جو کہا گیا کہ نجاست کی جگہ معلوم ہو یا نہ ہو اس کے ضمن میں طحطاوی نے خلاصہ سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کسی کے کپڑے کا ایک کنارا ناپاک ہو گیا جیسے پیشاب لگ گیا تھا خشک ہو گیا اور یاد نہ رہا کہ کونسا کنارا ناپاک ہوا تھا اور کوئی علامت بھی نہیں ہے تو قول مختار یہ ہے کہ جو بھی کنارا دھودے گا حکماً کپڑا پاک ہو جائے گا جن پتلی چیزوں سے نجاست دور ہوتی ہے ان میں سرکہ، گلاب کا پانی کا نام لیا لیکن اور جو بھی ایسی چیز ہو گی اس سے جب نجاست دھودی جائے تو وہ چیز پاک ہو جائیگی، ان چیزوں میں چنے کا پانی، زعفران کا پانی، درخت اور پھل کا پانی، تربوزہ کا پانی یہ سب بھی نجاست کو دور کرتے ہیں، ان میں سے جس کسی نے ناپاک کپڑا اور برتن کو دھودیا جائے گا تو پاک ہو جائے گا، پستان کے ناپاک ہونے کی مثال دی گئی ہے اور انگلی کی کہ چاٹنے سے یہ حصے پاک ہو جاتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ نجاست کا چاٹنا بھی خدانخواستہ جائز ہے، بلکہ نجاست کا چاٹنا ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر کسی نے بے خیالی میں ایسا کر لیا اور نجاست چاٹنے سے جاتی رہی تو انگلی اور پستان پاک ہو جائے گی، بچہ کی نے سے بھی پستان ناپاک ہو جاتی ہے اگر بچہ اسے تین بار چاٹ لے اور نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو پاک ہو جائیگی لیکن بچہ کو یہ ناپاک چاٹنے نہ دینا چاہئے، دھولینا چاہئے، لیکن اگر ایسا ہو ہی گیا تو حکماً پاک ہے۔

وَيَطْهُرُ خُفٌّ وَنَحْوُهُ كَنَعْلٍ تَنَجَّسَ بِذِي جِرْمٍ هُوَ كُلُّ مَا يُرٰى بَعْدَ الْجَفَافِ وَلَوْ مِنْ غَيْرِهَا كَخَمْرٍ وَبَوْلٍ اَصَابَهُ تُرَابٌ بِهِ يُفْتٰى بِدَلْكٍ يَزُوْلُ بِهِ اَثَرُهَا وَاِلَّا جِرْمٌ لَهَا كَبَوْلٍ فَيُغْسَلُ وَيَطْهُرُ صَيْقَلٌ لَامَسَامَ لَهُ كَمِرْآةٍ وَظُفْرٍ وَعَظْمٍ وَزُجَاجٍ وَآنِيَةٍ مَدْهُوْنَةٍ اَوْخَرَاطِي وَصَفَائِحَ

فِضَةٍ غَيرَ مَنقُوشَةٍ بِمَسحٍ يَزُولُ بِهِ اَثَرُهَا مُطلَقًا بِهِ يُفتٰي وَتطهرارض بخِلَافِ نَحوِ بسَاطٍ بِيُبسِهَا اَى جَفَافِهَا وَلَو بِرِيحٍ وَذِهَابُ اَثَرِهَا كَلَونٍ وَرِيحٍ لاَجَلِ صَلٰوةٍ عَلَيهَا لاَلِتَيَمُّمٍ بِهَا لاَنَّ المَشرُوطَ لَهَا الطَّهَارَةُ وَلَهُ الطُّهُورِتهُ وَحُكمُ آجُرٍ وَنَحوِهٖ كَلَبِنٍ مَفرُوشٍ وَخُصٍّ بِالخَاءِ تَحجِيرُهٗ سَطحٍ وَشَجَرٍ وَكَلَاءٍ قَائِمِينَ فِي اَرضٍ كَذَالِكَ اَى كَاَرضٍ فَيَطهُرُ بِجَفَافٍ وَكَذَا كُلُّ مَا كَانَ ثَابِتًا فِيهَا لاَخذِهٖ حُكمُهَا بِاِتِّصَالِهٖ فَالمُنفَصِلُ يَغسِل لاَ غَيرَ اِلاَّ حَجَرًا خُشنًا كَرَحِيٍ فَكَاَرضٍ.

ترجمہ موزہ اور اس جیسی دوسری چیز جیسے جوتا وغیرہ میں جسم والی نجاست لگ جائے تو وہ اس طرح رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا اثر دور ہو جائے، جسم والی وہ نجاست ہے جو سوکھ جانے کے بعد بھی نظر آئے، اگرچہ اس کا نظر آنا کسی اور چیز کے اس سے ملنے کی وجہ سے ہو جیسے شراب اور پیشاب جس کو مٹی لگ گئی جو کہ صرف شراب اور پیشاب خشک ہونے کے بعد نظر نہیں آیا کرتا ہے لیکن جب اس میں مٹی لگ جائے گی تو نظر آئے گا، لہذا اس کے بعد ان کا بھی جسم والی نجاست میں شمار ہو گا

یہاں موزہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بدن اور کپڑے میں لگ کر نجاست لگ گئی ہو تو یہ رگڑنے سے پاک نہیں ہوتا مگر گاڑھی منی کپڑے میں لگ گئی ہو تو کپڑے کو رگڑ دینے سے پاک ہو جاتا ہے، اسی طرح مٹی کے ساتھ پیشاب لگ جائے اور اس کو رگڑ دیا جائے تو یہ بھی پاک ہو جائے گا، یہ جو کہا کہ دھونے یا رگڑنے کے بعد نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اثر سے کیا مراد ہے، یہاں اثر سے مراد اوصاف ثلثہ رنگ، مزا اور بو ہے اگر ان تین میں سے کوئی بھی وصف دھونے یا رگڑنے کے بعد باقی رہ گیا ہے تو وہ پاک شمار نہ ہو گا، باقی رگڑنا تو اس میں اختیار ہے کہ زمین پر رگڑے یا پتھر پر یا لکڑی پر یا ناخن پر

اور اگر ایسی نجاست لگی ہو کہ اس کا جسم نہ ہو جیسے پیشاب وہ موزہ وغیرہ میں لگ جائے تو ان کو دھویا جائے اور طریقہ یہ ہے تین بار دھویا جائے اور ہر بار اتنی دیر چھوڑ دیا جائے کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے، اور جو صیقل دار چیز ایسی ہو کہ اس میں مسامات نہ ہوں کہ اس کے ذریعہ سے وہ جذب کر سکے جیسے آئینہ، ناخن، ھڈی، شیشہ، روغنی برتن، چینی کی پیالی اور رکابی اور خرادی ہوئی سخت لکڑی، چکنی اور بے نقش و نگار چاندی کے پتر، یہ سب چیزیں اس طرح پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہیں کہ نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہے (خواہ یہ پونچھنا اور صاف کرنا کپڑے اور اون سے ہو خواہ مٹی سے ہو اور پھر وہ نجاست تر ہو یا خشک، دیکھئے طحطاوی)

اور زمین خشک ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے خواہ اس کا یہ خشک ہونا ہوا سے ہی کیوں نہ ہو، بخلاف بستر وغیرہ کے کہ یہ سب بغیر دھوئے ہوئے پاک نہیں ہوتا (گیلی زمین بھی دھلے بغیر پاک نہیں ہوتی، اگر زمین ایسی نرم ہو جو پانی کو جذب کرتی ہو تو اس پر اس قدر پانی ڈالے کہ اس کو خود ظن غالب حاصل ہو جائے کہ زمین پاک ہو چکی ہو گی، اور ڈھالو زمین ہو تو اس کے نیچے کے حصہ میں ایک گڈھا کھودے اور ناپاک زمین پر پانی ڈالتا رہے جب وہ گڈھا بھر جائے تو اسے مٹی سے بھر دے، اور اگر زمین سخت اور ہموار ہو کہ اس کا دھونا ممکن نہ ہو تو اسے کھود کر اوپر کی مٹی نیچے اور نیچے کی اوپر کر دے، اور پختہ فرش ہو تو اس پر پانی ڈال کر رگڑے اور کپڑے وغیرہ سے خشک کر لے، تین بار اسی طرح کرے تو پاک ہو جائے گی یا اتنا پانی اس پر بہائے کہ نجاست کا کوئی

اثر باقی نہ رہے اور وہ خشک ہو جائے)

اور نجاست کے اثر کے ختم ہو جانے سے اس زمین پر نماز کی ادائیگی درست ہوتی ہے، اس سے تیمم درست نہیں ہوتا نجاست کے اثر میں رنگ، بو اور مزہ داخل ہے، اس واسطے کہ نماز کے جائز ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ زمین پاک ہو یہ شرط نہیں کہ وہ پاک کرنے والی بھی ہو، لیکن تیمم کے لئے ضروری ہے کہ زمین پاک کرنے والی ہو، صرف پاک ہونا کافی نہیں ہے، باقی بچھے ہوئے فرش کی پختہ اینٹ اور اس طرح کی دوسری چیز جیسے فرش کی پکی اینٹ، بانس، نرکل یا لکڑی کی ٹٹی کا حکم اور اس درخت اور گھاس کا حکم جو زمین میں جمی ہوئی ہے، وہی ہے جو زمین کا ہے یعنی نجاست کے خشک ہو جانے سے یہ ساری چیزیں پاک ہو جاتی ہیں

خص بخاء معجمہ چھت کی اوٹ کو کہتے ہیں جو بانس یا نرکل کی ٹٹی کے ذریعہ بناتے ہیں، اسی طرح ہر وہ چیز نجاست سے پاک ہو جاتی ہے جو زمین پر قائم اور ثابت ہے، زمین سے متصل ہونے کی وجہ سے اس کا حکم بھی وہی ہوتا ہے جو زمین کا ہے، لہذا وہ چیز جو زمین سے ملی ہوئی نہیں ہے بلکہ علیحدہ ہے جیسے وہ اینٹ جو لگی ہوئی نہیں ہے، یا لکڑی کا بنا ہوا زینہ (سیڑھی) جو الگ ہوتا ہے دھونے ہی سے پاک ہوتا ہے بغیر دھلے ہوئے پاک نہیں ہوتا، مگر کھردرا پتھر جیسے چکی کہ یہ زمین کی مانند ہے اس میں اگر نجاست لگ جائے تو یہ خشک ہو جانے سے پاک ہو جائیگی (باقی چکنے پتھر کے متعلق بحر الرائق میں صراحت ہے کہ بغیر دھلے ہوئے پاک نہیں ہوتا ہے)

وَيَطْهُرُ مَنِيٌّ اَىْ مَحَلُّهٗ يَابِسٌ بِفَرْكٍ وَلَا يَضُرُّ بَقَاءُ اَثَرِهٖ اِنْ طَهُرَ رَاْسُ حَشَفَةٍ كَاَنْ كَانَ مُسْتَنْجِيًا بِمَاءٍ وَفِى الْمُجْتَبٰى اَوْلَجَ فَنَزَعَ فَاَنْزَلَ لَمْ يَطْهُرْ اِلَّا بِغَسْلِهٖ لِتَلَوُّثِهٖ بِالنَّجَسِ اِنْتَهٰى اَىْ بِرُطُوبَةِ الْفَرْجِ فَيَكُوْنُ مُفَرَّعًا عَلٰى قَوْلِهِمَا بِنَجَاسَتِهَا اَمَّا عِنْدَهٗ فَهِىَ طَاهِرَةٌ كَسَائِرِ رُطُوْبَاتِ الْبَدَنِ جَوْهَرَةٌ وَاِلَّا يَكُنْ يَابِسًا اَوْ لَا رَاْسُهَا طَاهِرًا فَيُغْسَلُ كَسَائِرِ النَّجَاسَاتِ وَلَوْ دَمًا عَبِيْطًا عَلَى الْمَشْهُوْرِ بِلَا فَرْقٍ بَيْنَ مَنِيِّهٖ وَلَوْ رَقِيْقًا لِمَرَضٍ بِهٖ وَ مَنِيِّهَا وَلَا بَيْنَ مَنِيِّ آدَمِيٍّ وَغَيْرِهٖ كَمَا بَحَثَهُ الْبَاقَانِىْ وَلَا بَيْنَ ثَوْبٍ وَلَوْ جَدِيْدًا اَوْ مُبَطَّنًا فِى الْاَصَحِّ وَبَدَنٍ عَلَى الظَّاهِرِ مِنَ الْمَذْهَبِ ثُمَّ هَلْ يَعُوْدُ نَجِسًا بِبَلِّهٖ بَعْدَ فَرْكِهِ الْمُعْتَمَدُ لَا وَكَذَا كُلُّ مَا حُكِمَ بِطَهَارَتِهٖ بِغَيْرِ مَائِعٍ وَقَدْ اَنْهَيْتُ فِى الْخَزَائِنِ الْمُطَهِّرَاتِ اِلٰى نَيِّفٍ وَثَلٰثِيْنَ وَغَيَّرْتُ نَظْمَ اِبْنِ وَهْبَانَ فَقُلْتُ

ترجمہ خشک منی جہاں لگی ہو وہ جگہ کھرچ دینے سے پاک ہو جاتی ہے، اس کے اثر کا باقی رہ جانا پاکی کے لئے مضر نہیں ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ شرمگاہ کا سرا اسطرح پاک رہا ہو کہ اس کو پیشاب کے بعد پانی سے دھویا گیا ہے گویا خشک منی کے پاک کرنے کے لئے اس وقت ملنا اور کھرچنا مفید ہے جبکہ راس ذکر (شرمگاہ کا سرا) پاک ہو اس طرح پر کہ اس نے پیشاب کیا اور نکلنے کی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہوا یا ہو امگر پانی سے دھویا، صرف ڈھیلے سے اگر پیشاب خشک کیا ہو اور اسکے بعد منی نکلی ہو اور وہ اسکے کپڑے پر لگ گئی ہو تو وہ کھرچنے اور ملنے سے پاک نہ ہو گی، اس لئے کہ پیشاب سے مس ہو کر نکلی ہے اور پیشاب بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتا ہے لیکن علماء کی رائے یہ ہے کہ منی کے سلسلہ میں صرف ملنے اور کھرچنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ دھویا

بھی ضرور جائے (بلکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ آجکل کے مردوں کی منی میں پتلا پن آگیا ہے لہذا دھونا ہی ضروری ہے، ملنے اور کھرچنے سے پاک نہ ہوگا) دوسری بات یہ کہ جو قیود و شرائط ہیں ان کی پابندی بھی مشکل ہے۔

اور مجتبیٰ میں ہے کہ ایک شخص اپنی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل کرے پھر اسے نکالے اس کے بعد اسے انزال ہو تو ایسی حالت کی خشک منی بلا دھلے ہوئے پاک نہ ہوگی، اس لئے کہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ کی رطوبت سے لتھڑ چکی تھی اور اس سے ہو کر منی باہر آئی ہے، لہذا مجتبیٰ کا یہ قول صاحبین کے قول پر متفرع ہے، جو فرماتے ہیں کہ عورت کی رطوبت ناپاک ہے، باقی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ رطوبت بدن کی دوسری رطوبتوں کی طرح پاک ہے جیسے تھوک، پسینہ، وغیرہ۔

اور اگر منی خشک نہ ہو یا حشفہ کا سر لا پاک نہ ہو تو منی کو دھویا جائے، جس طرح نجاستوں کو گو وہ نجاست تازہ خون ہی کیوں نہ ہو دھویا جاتا ہے، مشہور قول یہی ہے (غیر مشہور قول یہ ہے کہ تازہ خون لگنے کے بعد خشک ہو جائے پھر اس کو کپڑے سے رگڑ کر یا چھیل کر دور کر دیا تو کپڑا پاک ہو جائے گا جیسے خشک منی کپڑے میں ہو اور رگڑ کر اسے دور کر دے تو پاک ہو جاتا ہے)

یہ جو کہا کہ خشک منی کھرچنے سے پاک ہوتی ہے اور تر دھونے سے، اس حکم میں مرد عورت کی منی میں کوئی تفریق نہیں ہے خواہ مرد کی منی بیماری کی وجہ سے پتلی ہی کیوں نہ ہو گئی ہو، اور نہ آدمی اور غیر آدمی کی منی میں فرق ہے جیسا کہ اس پر باقانی نے بحث کی ہے۔ (اسی طرح قہستانی میں بھی آدمی اور غیر آدمی کی منی کو برابر قرار دیا ہے، فیض نے بھی اسکی صراحت کی ہے، البتہ حلبی نے لکھا ہے کہ آدمی کی منی میں خلاف قیاس رخصت ہے لہذا اس پر غیر آدمی کی منی کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا، دیکھئے طحطاوی)

اور نہ کپڑے اور بدن میں کوئی فرق ہو، خواہ کپڑا نیا یا دہرا ہی کیوں نہ ہو، یعنی منی لگنے کے بعد پاک ہونے میں دونوں برابر ہیں، ظاہر مذہب یہی ہے، مختصر یہ کہ مرد کی منی ہو یا عورت کی، آدمی کی ہو یا غیر آدمی کی اور پھر وہ کپڑے میں لگے یا بدن میں اور کپڑا خواہ نیا ہو یا پرانا، اکہرا ہو یا دوہرا، ہر حالت میں اگر وہ خشک ہے تو وہ کھرچنے اور ملنے سے پاک ہو جائے گا اور تر ہے تو دھونا پڑے گا، بغیر دھلے ہوئے پاک نہ ہوگا، اب سوال یہ ہے کہ جس کپڑے میں منی خشک لگی تھی، کھرچ کر اور مل کر اسے پاک کر دیا، تو اگر وہ اسکے بعد بھیگ جائے تو کیا تر ہونے کے بعد وہ کپڑا پھر ناپاک ہو جائے گا تو جواب یہ ہے معتمد قول یہ ہے کہ بھیگنے سے دوبارہ ناپاک نہیں ہوتا ہے، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جسکی پاکی کا حکم نہ بہنے والی شئے سے کیا گیا ہے تر ہونے سے دوبارہ ناپاک نہیں ہوتی ہے نہ بہنے والی چیز کے ذریعہ پاکی کا حکم جیسے پونچھنے سے یا خشک ہو جانے سے بھی پاکی کا حکم کر دیا جاتا ہے اور میں نے خزائن الاسرار نامی کتاب میں ان چیزوں کی تضاد جو پاک کرتی ہیں کچھ اوپر تیس تک پہنچا دی ہے اور ابن دہبان کی نظم کو میں نے بدل کر کہا ہے۔

وَغَسلٌ وَمَسحٌ وَالجَفَافُ مُطهِرٌ ؞ وَنُحتٌ وَقَلبُ العَينِ وَالحَفرُ يُذكَرُ

وَدَبغٌ وَتَخلِيلٌ ذَكوٰةٌ تَخَلُّلٌ ؞ وَفَركٌ وَدَلكٌ وَالدُّخُولُ التَّغَوُّرُ

تَصَرُّ فِهِ فِي البَعضِ نَدفٌ وَنُزحُهَا ؞ وَنَارٌ وَغَليٌ غَسلُ بَعضٍ تَقَوُّرٌ

وَيُطهِرُ زَيتٌ تَنَجَّسَ بِجَعلِهِ صَابُونًا بِهِ يُفتٰى لِلبَلوٰى كَتَنُّورٍ رُشَّ بِمَاءٍ نَجِسٍ لَا بَاسَ بِالخُبزِ فِيهِ كَطِينٍ تَنَجَّسَ فَجُعِلَ مِنهُ كُوزًا بَعدَ جَعلِهِ فِي النَّارِ يَطهُرُ اَن لَم يَظهَر فِيهِ اَثَرُ النَّجَسِ بَعدَ الطَّبخِ ذَكَرَهُ الحَلَبِيُّ.

ترجمہ دھونا، پوچھنا، خشک کرنا، یہ تینوں طریقے پاک کرنے والے ہیں، اور چھیلنا اور ذات کا بدل جانا اور کھودنا یہ تینوں بھی پاک کرنے والی چیزوں میں شمار ہوتے ہیں، چمڑا کا دباغت دینا، شراب کا نمک وغیرہ دے کر سرکہ بنانا، جانور کا ذبح کرنا، شراب کا خود بخود سرکہ بن جانا، خشک منی کا کھرچنا اور ملنا، موزے کا رگڑنا اور ناپاک حوض میں اتنے پانی کا داخل ہو جانا کہ وہ بہنے لگے، اور کنویں کے ناپاک پانی کا زمین کے اندر گھسنا اور اندر چلا جانا بھی پاک کرتا ہے، اور بعض حصہ میں تصرف کرنا، روئی کا دھننا، کنویں سے پانی کا نکال ڈالنا، ناپاک چیز کا آگ میں جل جانا، ابال کھانا، بعض حصہ دھو ڈالنا، اور جمی ہوئی چیز میں نجاست لگے ہوئے حصہ کا نکال کر گڈھا کر دینا (ان تمام طریقوں سے چیزیں پاک ہوتی ہیں)

تشریح دھونا جیسے، ناپاک کپڑے وغیرہ کا، پوچھنا جیسے ناپاک شیشہ وغیرہ کا خشک. نا جیسے ناپاک زمین، چھیلنا جیسے لکڑی وغیرہ، اور ذات بدل جانے کی مثال جیسے گدھا اور سور نمک کی کان میں جا کر نمک بن جائے اور کھودنا جیسے زمین کا کہ اوپر کی مٹی نیچے چلی جائے اور نیچے کی اوپر آجائے، بعض حصہ میں تصرف سے پاک ہونے کی مثال جیسے غلہ کو بھوسے سے دوائیں کر کے علیحدہ کرتے ہیں تو غلہ کے اوپر بیل پیشاب اور گوبر کرتا ہے جس سے غلہ ناپاک ہو جاتا ہے جب اس ڈھیر میں سے کچھ خرچ کر دیا تو سب پاک ہو گیا، چنانچہ مسلمان کسان جب جب غلہ کو بھوسہ سے نکالتا ہے تو اس میں سے تھوڑا سا فقیر غریب کو دیدیتے ہیں، یوں یہ ضروری نہیں ہے کہ فقیر ہی کو دینے سے پاک ہوتا ہے بلکہ کچھ جب بھی نکل جاتا ہے سب پاک ہو جاتا ہے، خواہ وہ بعض کھانے کے واسطے نکالے یا بیچنے کے واسطے نکالے یا ہبہ کے لئے نکالے یا خیرات کرنے کے لئے نکالے، ہر صورت میں پاکی کا حکم کیا جائے گا۔

عالمگیری میں ہے کہ اگر نصف سے کمتر روئی ناپاک ہو گئی تو وہ دھننے کے بعد پاک ہو جائے گی، قہستانی میں ہے کہ تیل یا اس جیسی دوسری چیز جیسے گھی وغیرہ یا شہد ناپاک ہو گیا اور اس میں پانچواں حصہ پانی ڈال کر ابالا تو جب وہ پانی جل جائے گا تو وہ چیز پاک ہو جائے گی اسی طرح کپڑا ناپاک ہوا مگر یہ معلوم نہیں ہے کہ نجاست کہاں لگی ہے، تو اس کا کوئی بھی کنارا دھو دینے سے سب کی پاکی کا حکم ہو جائے گا، یا فرض کیجئے گھی یا شہد یا راب جما ہوا تھا اس میں چوہا گر کر مر گیا تو چوہے اور اس کے ارد گرد گھی یا شہد کو اس طرح نکال ڈالے کہ گڈھا ہو جائے تو باقی جو رہے گا وہ پاک ہو جائے گا

جو تیل ناپاک ہو گیا اس کو صابون بنا دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے، عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ لوگوں کا اس سے بچنا دشوار ہے، جس طرح ایک تندور ہے جس میں ناپاک پانی چھڑکا گیا تو اس میں روٹی پکانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کوئی بچہ تندور میں پیشاب کر دے، یا ناپاک تر کپڑے سے تندور کو پوچھا صاف کیا، پھر تندور گرم کر کے روٹی پکائی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ آگ جلنے کے بعد وہ ناپاکی جل گئی اس لئے وہ ناپاک پانی جل گیا اور اس کا اثر جاتا رہا) اس کی مثال اس مٹی کی ہے جو ناپاک ہو گئی پھر اس ناپاک مٹی سے کوزہ یا پیالہ بنا لیا گیا تو جب یہ کوزے اور پیالے آگ میں پکائے جائیں تو وہ پاک ہو جائیں گے، بشرطیکہ پکنے کے بعد اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، اس کو حلبی نے ذکر کیا۔

وَعَفَى الشَّارِعُ عَنْ قَدْرِ دِرْهَمٍ وَإِنْ كُرِهَ تَحْرِيمًا فَيَجِبُ غَسْلُهُ وَمَا دُونَهُ تَنْزِيهًا فَيُسَنُّ فَوْقَهُ مُبْطِلٌ فَيُفْرَضُ وَالْعِبْرَةُ لِوَقْتِ الصَّلٰوةِ لَا لِاَصَابَةِ عَلَى الْاَكْثَرِ (نهر) وَهُوَ مِثْقَالٌ عِشْرُوْنَ قِيرَاطًا فِي نَجَسٍ كَثِيفٍ لَهُ جِرْمٌ وَعَرَضٌ مُقَعَّرًا الْكَفِّ وَهُوَ دَاخِلٌ مَفَاصِلُ اَصَابِعِ الْيَدِ فِي

رَقِيق مِن مُغَلَّظَةِ كَعُذرَةِ آدمِيّ وكَذَا كُلُّ مَا خرَجَ مِنهُ مُوجبًا لِوَضُوءِ اوغُسل مُغَلَّظٌ و بول غَيرُ مَاكُول ولَو مِن صَغِير لَم يَطعَم اِلا بَولُ الخفَّاشِ وَخُرء هُ فَطَاهِرٌ وكَذَا بَولُ الفَارَةِ لِتعَذُّر التَّحرز عَنهُ وعَلَيهِ الفَتوٰی كَمَا فِي التَّاتَارخانِيّةِ وَسَيَجِئُ فِي آخرِ الكِتَابِ اِنّ خُرأهَا لا يفسد مَا لَم يَظهَرُ اَثرُهُ كَذَا فِي البَحرِ وَفِي الاِشبَاهِ بَولُ السِّنُّور فِي غيرِ اَوَانِي المَاءِ عَفوٌ وعليهِ الفَتوٰی وَدَمٌ مَسفُوحٌ مِن سَائِرِ الحيَوانَاتِ اِلا دَمُ شَهِيدٍ مَا دَامَ عَلَيهِ وَمَا بَقِيَ فِي لَحمِ مَهزُول وَعُرُوق وكَبَدٍ وَطِحَال وَقَلبٍ مَا لَن يَسِيلُ وَدَمُ سَمكِ وَقُمَّلِ بَرغُوث وبق زَادَ فِي السِّرَاج و كُتَان وَهِيَ كَمَا فِي القَامُوسِ كرمّا ن دُوَيبَةٌ حَمراء لسّاعةٌ فَالمُستَثنٰى اِثنَا عَشَرَ وَخَمرٌ وفِي بَاقِي الاَشربَةِ روَايَاتُ التَّغلِيظِ وَالتَّخفِيفِ وَالطَّهَا رَةُ رَجّحَ فِي البَحرِ الاَوّلَ وَفِي النَّهر الاَوسطَ وَخُرءُ كُلِّ طَير لا يَذرُق فِي الهَوَاءِ كَبَطٍّ اَهلِيٍّ وَدُجَاج وَاَمّا مَا يَذرُق فِيهِ فَاِن مَاكُولاً فَطَاهِرٌ والا فَمُخَفَّفٌ وَرَوثٌ وَخثيٌ اَفَادَ بِهِمَا نِجَاسَةَ خُرءِ كُلِّ حَيَوَان غَيرَ الطَّيرِ وقَالا مُخَفِّفَةٌ وَفِي الشّرنبلا لِيَةِ قَولُهُمَا اَظهَرُ وَطَهّرَ هُمَا مُحَمّدٌ آخِرًا لِلبَلوٰی وَبِهِ قَالَ مالكٌ وَلَو اَصَابَهٗ مِن نَجَاسَةِ مغلظَة وَنجَاسَةٍ مخففة جُلِعَتِ الخَفِيفَةُ تبعًا لِلغَلِيظَةِ اِحتِيَاطا كَمَا فِي الظَّهِيرِيّةِ ثُمّ مَتٰی اَطلَقُو النِجَاسَةَ فَظَاهِرُهٗ اَلتَّغلِيظُ.

ترجمہ صاحب شریعت بقدر درہم نجاست معاف کر دی ہے، مگر اتنی نجاست کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے بقدر درہم نجاست کا دھونا واجب ہوتا ہے، اور جو نجاست ایک درہم سے کم ہو اس کے ساتھ نماز مکروہ تنزیہی ہے، لہٰذا اس کا دھونا سنت ہے، واجب و فرض نہیں، اور وہ نجاست جو ایک درہم سے زیادہ ہو اس کے ساتھ نماز باطل ہو جاتی ہے جائز نہیں ہوتی، لہٰذا ایک درہم سے زیادہ اگر نجاست لگی ہو تو اس کا دھونا فرض ہوتا ہے۔

تشریح منشاء یہ ہے کہ اگر نمازی کے بدن یا کپڑے میں درہم بھر نجاست لگی ہو اور وہ نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن اس کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہے، نماز شروع کرنے کے بعد اگر اس کو معلوم ہوا ہے تو اس کے دھونے کیلئے نماز کا توڑنا جائز ہے، کذا فی الطحطاوی، باقی اگر درہم سے کم نجاست لگی ہو اور اس کے ساتھ نماز پڑھے تو افضل یہ ہے کہ پہلے اس نجاست کو دھو ڈالے، اور نماز میں یہ علم ہوا ہے تو اگر وقت میں وسعت ہے، اس کے گذر جانے کا خوف نہیں، اسی طرح جماعت کے فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو نیت توڑ ڈالے اور نجاست دھو کر پھر نماز پڑھے، حتی کہ اگر دوسری جگہ جماعت ملنے کی امید ہو تو بھی نماز توڑ ڈالے اور نجاست دھو کر دوسری مسجد میں باجماعت نماز ادا کرے)

اور نجاست کی مقدار میں نماز پڑھنے کے وقت کا اعتبار ہے، نجاست لگنے کا وقت معتبر نہیں ہے (یعنی اگر کسی نمازی کے کپڑے میں نجاست لگی اور وہ لگنے کے وقت درہم کی مقدار سے کم تھی لیکن نماز کے وقت وہ خود بخود پھیلکر درہم کی مقدار سے بڑھ گئی، تو اس صورت میں بتایا کہ نماز پڑھنے کے وقت جتنی مقدار ہو گئی ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا، لگنے کے وقت کا اعتبار نہ ہو گا

اور اسی کے مطابق حکم بھی کیا جائے گا، یا اسی طرح لگنے کے وقت نجاست درہم سے زیادہ تھی مگر نماز پڑھنے کے وقت وہ خشک ہو کر درہم سے کم رہ گئی تو یہاں بھی نماز کے وقت میں جتنی مقدار ہے اس پر حکم لگایا جائے گا، لگنے کے وقت کا اعتبار نہ ہوگا، یہاں یہ مسئلہ بھی ذہن میں رہے کہ نجاست جو نماز کو روکتی ہے اس میں اعتبار نمازی کے بطور خود اٹھانے کا ہوتا ہے مثلاً ایک نمازی کی پیٹھ یا کندھے پر ایک ایسا بچہ بیٹھ جاتا ہے کہ وہ خود بخود جم کر بیٹھ سکتا ہے، اور اپنے کو تھامتا ہے اور وہ بچہ ناپاک ہے یعنی اس کے کپڑے یا بدن میں نجاست لگی ہوئی ہے تو اس صورت میں نماز جائز ہو جائے گی، لیکن اگر وہ بچہ ایسا ہے جو خود جم کر نہیں بیٹھ سکتا ہے بلکہ اسے نمازی سنبھالتا ہے جیسے دودھ پینے والا چھوٹا بچہ تو اس صورت میں نماز نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس صورت میں بچہ کی نسبت نمازی کی طرف ہوگی، پہلی صورت میں نمازی کی طرف نسبت نہیں ہو سکتی ہے، لیکن بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس اضافت و نسبت کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے در حقیقت دونوں صورتوں میں نمازی نجاست کو اپنے اوپر لادے ہوئے ہے، لہذا کسی صورت میں نماز نہیں ہوگی، اور علامہ شامی نے اسی دوسرے قول کو قوی کہا ہے، لیکن وہ خود لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے جو منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے، اس لئے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور حضرت حسنؓ آپ کی پیٹھ پر سوار ہیں، جب آپ سجدہ میں جاتے تو ان کو دور کر دیتے، اس روایت کو نقل کر کے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ حضرت حسنؓ جو آپ کے نواسہ چھوٹے بچے تھے اور بچے عموماً نجاست سے محفوظ نہیں ہوتے

جو نجاست مغلظ درہم کے برابر جو معاف ہے اس میں درہم کی مقدار ایک مثقال کے برابر ہے، جو بیس قیراط کا ہوتا ہے، گاڑھی جسم والی نجاست میں اسی وزن کا اعتبار ہوگا، اور اگر نجاست پتلی ہے تو ہتھیلی کی گہرائی کا اعتبار ہوگا اور وہ انگلیوں کے جوڑوں کے اندر والا حصہ ہے، ہتھیلی میں پانی رکھیں، جتنے حصہ میں پانی رکا رہے وہ مقدار معتبر ہوگی نجاست غلیظہ جسم والی جیسے آدمی کا پاخانہ۔

ماحصل یہ ہے کہ فقہاء میں بعضوں نے مطلقاً درہم کے وزن کا اعتبار کیا ہے اور بعضوں نے اس کی مساحت (ناپ) کا، ہندوانی کے دونوں قولوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر نجاست گاڑھی جسم والی ہے جیسے پاخانہ تو درہم کے وزن کا اعتبار ہوگا اور اگر نجاست پتلی ہے جیسے پیشاب تو مساحت (ناپ) کا اعتبار ہوگا، صاحب بدائع نے کہا ہے کہ ماوراء النہر کے مشائخ اسی قول کو مختار قرار دیتے ہیں، اور زاہدی وزیلعی نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے

امام صاحبؒ فرماتے ہیں، نجاست غلیظہ وہ ہے جس میں دو نص متعارض نہ ہو اور اس سے اجتناب میں کوئی حرج واقع نہ ہو، اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ نجاست غلیظہ وہ ہے کہ نہ جس میں دو نص متعارض ہوں اور نہ مجتہدین، معاصرین اور ان کے سابقین کا اختلاف ہو، اور امام اعظمؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ وہ ہے جس میں دو نص متعارض ہوں اور صاحبین کہتے ہیں کہ جس میں دو نص متعارض بھی ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ مجتہدین کا اختلاف بھی ہو کذا فی الطحاوی)

اسی طرح ہر وہ چیز نجاست غلیظہ ہے جو آدمی کے بدن سے نکلے اور وہ وضو یا غسل کو واجب کرنے والی ہو، چنانچہ پیشاب، منی، مذی، ودی، پیپ، منہ بھر قے، حیض کا خون، یہ ساری چیزیں نجاست غلیظہ ہیں، لیکن ریح ناقض وضو تو ہے مگر نجاست غلیظہ نہیں ہے بلکہ طاہر ہے، اس کے لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا

اور ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے نجاست غلیظہ ہے خواہ وہ آدمی ہوں یا غیر آدمی اور آدمی خواہ جوان ہو یا ایسا شیر خوار (دودھ پینے والا) بچہ جو کھاتا نہ ہو، البتہ چمگادڑ کا پیشاب اور اس کی بیٹ پاک ہے، اور اسی طرح چوہے کا

پیشاب معاف ہے، اس لئے کہ اس سے بچنا دشوار ہے اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ تاتار خانیہ میں اس کی صراحت موجود ہے (حلبی کا بیان ہے کہ چوہے کے پیشاب کی معافی کپڑے اور کھانے کی چیز میں ہے پانی میں معافی نہیں ہے) اور آخر کتاب میں یہ بات آئے گی کہ چوہے کی مینگنی اس وقت تک چیز کو ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کا اثر ظاہر نہ ہو جائے گا، اس کا اثر رنگ اور بو ہے (روٹی کے اندر چوہے کی مینگنی نظر آئے مگر وہ سخت ہو تو اس کو نکال کر پھینک دے اور روٹی کھالے، روٹی ناپاک نہ ہو گی) اور اشباہ میں ہے کہ بلی کا پیشاب پانی کے سوا اور برتنوں میں پڑ جائے تو وہ معاف ہے اور اسی پر فتوی ہے

تمام جاندار کا بہتا ہوا خون نجاست غلیظہ ہے سوائے شہید کے اس خون کے جو اس کے بدن پر ہے کہ یہ پاک ہے اور وہ خون جو دبے گوشت، رگوں، کلیجی، تلی اور دل میں ذبح کرنے کے بعد باقی رہا اور نہ بہا وہ بھی پاک ہے اور اسی طرح مچھلی کا خون اور جوں، مچھر، پسو، وغیرہ کا خون یہ سب پاک ہیں (کیونکہ گوشت میں جو خون رہ گیا اور نہیں بہا وہ دم مسفوح جس کو نجس کہا گیا ہے اس میں داخل نہیں رہا، یہی حال کلیجی کا ہے، باقی مچھلی کا خون در حقیقت خون نہیں ہے خون اسے کہتے ہیں جو خشک ہونے کے بعد سیاہ پڑ جائے اور مچھلی کا خون سفید ہو جاتا ہے، اور جوں، مچھر وغیرہ میں بہنے والا خون ہوتا ہی نہیں ہے، لہذا اگر جوں کا خون کپڑے میں لگا ہو اور نماز پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح تیل وغیرہ میں جوں، مچھر وغیرہ مر جائے تو وہ ناپاک نہیں ہو گا) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حیوانات میں سے بارہ خون مستثنیٰ ہیں کہ وہ ناپاک نہیں ہیں، اور انگوری شراب وہ نجاست غلیظہ ہے اور اس کے علاوہ باقی نشہ آور شرابوں میں غلیظہ، خفیفہ اور طہارت کی روایتیں مختلف ہیں، بحر الرائق میں اول یعنی تغلیظ کی روایت کی ترجیح مذکور ہے یعنی نجاست غلیظہ ہے اور نہر الفائق میں ثانی یعنی تخفیف کی روایت یعنی نجاست خفیفہ ہے (علامہ شامی نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے کہا ہے کہ انگوری شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور شراب نجاست غلیظہ ہے اور اسی قول پر ہمارے زمانہ میں فتوی دیا جاتا ہے، اور تطبیق یہ ہے کہ جس نے امام اعظمؒ کے قول پر عمل کیا ہے، انہوں نے نجاست غلیظہ کہا، جس نے صاحبین کے قول کو پیش نظر رکھا اس نے خفیفہ کہا، اور وہ مشروبات جو مباح ہیں وہ حکماً پاک ہے)

وہ پرندے جو ہوا میں نہیں اڑتے ان کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے، جیسے خانگی بط اور مرغی کہ ان کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے، باقی وہ پرندے جو ہوا میں اڑتے ہیں، ان میں جن کا کھانا جائز و حلال ہے جیسے کبوتر تو اس کی بیٹ پاک ہے، اور اگر ان پرندوں کا کھانا حرام ہے تو اس کی بیٹ نجاست خفیفہ میں داخل ہے جیسے باز، شکرہ، چیل وغیرہ لیکن ان کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا، اس لئے کہ ان سے کنویں کی حفاظت دشوار ہے، اور لید و گوبر نجاست غلیظہ ہے

روث اور خثی دو لفظ یہاں لائے گئے ہیں اس لئے ان سب کی تشریح سمجھ لیجئے، گھوڑا، گدھا اور خچر کی لید کو عربی میں روث کہتے ہیں، اور گائے، بیل، بھینس، ہاتھی کے گوبر کو خثی کہتے ہیں، اور اونٹ، بکری بھیڑ کی مینگنی کو بعر کہا جاتا ہے، اور پرندوں کی بیٹ کو عربی میں خرء اور کتے کے پائخانہ کے لئے عربی میں نجو کا لفظ آتا ہے، اور انسان کے پائخانہ کے لئے عذرۃ کا لفظ

مصنف نے لید اور گوبر کا لفظ لا کر پرندوں کے سوا تمام حیوانات کے فضلے کا نجاست غلیظہ ہونا جتلا دیا، جب حلال جانوروں کا پائخانہ نجاست غلیظہ ہوا تو حرام جانوروں کا پائخانہ بدرجہ اولی نجاست غلیظہ ثابت ہوا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ لید اور گوبر نجاست خفیفہ ہے، باقی درندے اور آدمی کا فضلہ بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے، شرنبلانیہ میں ہے کہ لید گوبر کے باب میں صاحبین کا قول زیادہ موجہ ہے، اس لئے کہ جب ایک قول طہارت کا بھی ہے، تو در اصل نجاست و طہارت میں اختلاف ہوا، اور اس اختلاف

کا نتیجہ چاہتا ہے کہ نجاست خفیفہ ہی ہو، اور امام محمد نے آخر حال میں پاک فرمایا ہے، اس وجہ سے کہ اس میں عموم بلوی ہے، عام طور پر لوگ اس میں مبتلا رہتے ہیں، اور یہی قول امام مالک کا ہے (علماء نے لکھا ہے کہ جب امام محمدؒ رے شہر میں آئے تو دیکھا کہ تمام راستے اور سرائیں ان سے بھری پڑی ہیں تو مجبور ہو کر انہوں نے خفیفہ ہونے کا قول ترک، پاک ہونے کا فتوی دیدیا، امام مالکؒ نے کہا ہے کہ جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے، اس کا گوبر اور پیشاب پاک ہے، گدھے وغیرہ کی لید کے پاک ہونے کا قول امام مالکؒ سے مروی نہیں ہے)

اگر کسی کے کپڑے میں نجاست غلیظہ وخفیفہ دونوں لگ گئی تو اس صورت میں خفیفہ نجاست غلیظہ کے تابع قرار دی جائے گی، اور حکم نجاست غلیظہ کا دیا جائے گا، احتیاط کا تقاضا یہی ہے، ظہیریہ میں ایسا ہی ہے، لہذا دونوں نجاست غلیظہ وخفیفہ مل کر درہم سے زیادہ ہو جائے گی تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہو گی، پھر یہ یاد رکھا جائے کہ جب فقہاء "نجاست" کا لفظ مطلقا بلا کسی قید کے بولیں تو اس سے نجاست غلیظہ ظاہر امراد ہوتی ہے۔

وَعُفِیَ دُونَ رُبُعِ جَمِیعِ بَدَنٍ وَثَوبٍ وَلَو کَبِیرًا هُوَ المُختَارُ ذَکَرَهُ الحَلَبِیُّ وَرَجَّحَهُ فِی النَّهرِ عَلَی التَقدِیرِ بِرُبُعِ المُصَابِ کَیَدٍ وَکُمٍّ وَاِن قَالَ فِی الحَقَائِقِ وَعَلَیهِ الفَتوٰی مِن نَجَاسَةٍ مُخَفَّفَةٍ کَبَولِ مَاکُولٍ وَمِنهُ الفَرسُ وَطَهَّرَهُ مُحَمَّدٌ وَخَرءُ طَیرٍ مِنَ السِّبَاعِ اَو غَیرِهَا غَیرِ مَاکُولٍ قِیلَ طَاهِرٌ وَصُحِّحَ ثُمَّ الخِفَّةُ اِنَّمَا تَظهَرُ فِی غَیرِ المَاءِ فَلیُحفَظ وَعُفِیَ دَمُ سَمَكٍ وَلُعَابُ بَغلٍ وَحِمَارٍ وَالمَذهَبُ طَهَارَتُهَا وَبَولٌ اِنتَضَحَ کَرَءُوسِ ابرو کذاجانبها الاٰخراوان کَثُرَ بِاِصَابَةِ المَاءِ لِلضَّرُورَةِ لٰکِن لَو وَقَعَ فِی مَاءٍ قَلِیلٍ نَجسهُ فِی الاَصَحِّ لاَنَّ طَهَارَةَ المَاءِ آکَدُ جوهرهُ وَفِی القِنیَةِ لَو اتَّصَلَ وَانبَسَطَ وَزَادَ عَلٰی قَدرِ الدِّرهَمِ یَنبَغِی اَن یَکُونَ کَالدُّهنِ النَّجَسِ اِذَا نبَسَطَ وَطِینُ شَارِعٍ وَبُخَارُ نَجسٍ وَغُبَارُ سَرقِینٍ مَحَلُّ کِلاَبٍ وَانتِضَاحُ غُسَالَةٍ لا تَظهَرُ مَوَاقِعُ قَطرِهَا فِی الاِنَاءِ عَفوٌ وَمَاءٌ بِالمُدِّ وَرَدَ اَی جَرٰی عَلٰی نَجَسٍ نَجَسٌ اِذَا وَرَدَ کُلُّهُ اَو اَکثَرُهُ وَلَو اَقَلُّهُ لا کَجِیفَةٍ فِی نَهرٍ اَو نَجَاسَةٍ عَلٰی سَطحٍ لٰکِن قَدَّمنَا اَنَّ العِبرَةَ لِلاَثَرِ کَعَکسِهِ اَی اِذَا وَرَدَتِ النَّجَاسَةُ عَلَی المَاءِ تَنَجَّسَ المَاءُ اِجمَاعًا لٰکِن لا یُحکَمُ بِنَجَاسَةٍ اِذَا لا تی المُتَنَجِّسُ مَالَم یَنفَصِل فَلیُحفَظ لا یَکُونُ بخسار مَاءٌ قَذِرٌ وَاِلاَّ لَزِمَ نَجَاسَةُ الخُبزِ فِی سَائِرِ الاَمصَارِ وَلاَ مِلحٌ کَانَ حِمَارًا اَو خِنزِیرًا وَلا قَذِرٌ وَقَعَ فِی بِیرٍ فَصَارَ حمأة لاِنقِلاَبِ العَینِ بِهٖ یُفتٰی۔

ترجمہ کپڑا گو وہ بڑا ہو یا تمام بدن کی چوتھائی سے کم حصہ میں نجاست خفیفہ لگ جائے تو وہ معاف ہے اس مسئلہ کو حلبی نے ذکر کیا ہے اور اسی قول کو نہر الفائق میں راجح کہا ہے، مگر اس حصہ کی چوتھائی فرض کر کے جس میں نجاست لگی ہے جیسے دامن اور آستین، اور حقائق میں کہا ہے کہ فتوی اسی پر ہے (مثلاً دامن میں لگی تو اس کی چوتھائی مراد لی ہے اور آستین میں نجاست لگی ہے تو اس کی چوتھائی مراد لی ہے، پورے کپڑے کی چوتھائی مراد نہیں لی ہے، صاحب تحفہ، محیط، بدائع، مجتبی اور سراج وہاج نے کہا کہ یہی قول صحیح ہے، نجاست خفیفہ کی مثال جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، اور اسی قسم سے

گھوڑے کا پیشاب ہے اور ماکول اللحم (یعنی جن جانوروں کا کھانا حلال ہے) ان کے پیشاب کو امام محمدؒ نے پاک کہا ہے۔
شیخین کے نزدیک گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے، اور امام اعظمؒ نے جو فرمایا ہے کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے، اور اس کراہت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ گھوڑے کا گوشت ناپاک ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد کی کار آمد سواری ہے، اگر کھانے کی اجازت دیدی جاتی تو جہاد میں قلت سواری کا اندیشہ تھا

غیر ماکول اللحم پرندوں کی بیٹ نجاست خفیفہ ہے خواہ وہ پھاڑ کھانے والی ہوں یا پھاڑ کھانے والی نہ ہوں صرف شرط یہ ہے کہ ان کا گوشت کھانا حلال نہ ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ پاک ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے، پھر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خفت کا اثر پانی کے علاوہ میں ظاہر ہوتا ہے، پانی جس طرح نجاست غلیظہ کے پڑنے سے ناپاک ہو جاتا ہے نجاست خفیفہ سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے، مگر بقول حلبی غیر ماکول اللحم پرندوں (جن پرندوں کا گوشت حلال نہیں) کی بیٹ سے کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے گویہ بھی نجاست خفیفہ میں داخل ہے، ماحصل یہ ہوا کہ اور پانی تو ان پرندوں کی بیٹ سے ناپاک ہو جائے گا مگر چونکہ کنوؤں کی حفاظت ان سے دشوار ہے اس لئے کنویں کا استثناء ہے، جیسا کہ پہلے بھی آچکا ہے

مچھلی کا خون اور گدھے اور خچر کی رال معاف ہے اور صحیح مذہب یہ ہے کہ ان دونوں کی رال پاک ہے، پیشاب کی چھینٹیں جو سوئی کی نوک کے برابر اوڑکر پڑے معاف ہے (ہر چھینٹ سوئی کی نوک کے برابر ہو خواہ ان کی مجموعی تعداد زیادہ ہو) اور یہی حکم ان چھینٹوں کا ہے جو سوئی کے دوسرے کنارے کے برابر ہو جس میں تاگا ڈالا جاتا ہے، اگرچہ پیشاب کی یہ چھینٹیں پانی کے لگ جانے کی وجہ سے بہت ہو جائیں، یہ معافی ضرورت کی وجہ سے ہے کہ اس قدر باریک چھینٹوں سے بچنا عادتاً محال ہے (یوں آدمی کا فرض ہے کہ ان سے بھی بچنے کی سعی کرے) لیکن اگر یہی پیشاب کی چھینٹ تھوڑے پانی میں پڑ جائے تو وہ اس پانی کو ناپاک کردے گی، صحیح تر قول یہی ہے، اس لئے پانی کی پاکی کی بہت تاکید ہے، کذافی الجوہرہ

مگر پانی اس وقت ناپاک ہوگا جب چھینٹ کا اثر پانی پر ظاہر ہو، اس طرح کہ جس وقت چھینٹ پانی میں گرے تو پانی ہل جائے اس میں بوند پڑنے کا حلقہ سا بن جائے اگر یہ بات نہیں ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں، چنانچہ قہستانی نے تمرتاشی سے نقل کیا ہے کہ باوجود اس کے اگر کنویں میں پیشاب کی چھینٹ گر جائے تو کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا کذافی الحلبی

اور قنیہ میں ہے کہ پیشاب کی چھینٹیں باہم مل گئیں اور وہ پھیل گئیں اس طرح کہ ایک درہم سے زیادہ ہو گئی تو ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ وہ چھینٹیں اس ناپاک تیل کی طرح قرار دیدی جائیں جو پھیل گیا ہے یعنی جس طرح یہ ناپاک تیل مانع نماز ہے اسی طرح ان ملی ہوئی چھینٹوں کے ساتھ بھی نماز جائز نہ ہوگی۔

اور شاہراہ کی کیچڑ اور ناپاک چیز کی بھاپ اور گوبر کا غبار اور کتوں کے بیٹھنے کی جگہ اور وضو اور غسل کے پانی کی وہ چھینٹیں ان کے قطرات کی جگہ برتن میں ظاہر نہ ہو یہ سب معاف ہیں (باقی میت کے غسل کا پانی امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک ہے اگر کسی نے پانی سے استنجا کیا اور اسنے پانی نہیں پونچھا تو یہ پانی یا ریح کا اخراج ہوا اور وہ ریح اگر کپڑے کو پہنچی تو کپڑا ناپاک نہیں ہوا، اکثر علماء اس کے قائل ہیں، اسی نجاست کا دھواں بدن یا کپڑے کو لگے تو اس سے کپڑا یا بدن ناپاک نہیں ہوتا صحیح قول یہی ہے

پانی اگر ناپاک چیز پر سے گذرے تو وہ ناپاک ہے بشرطیکہ کل پانی یا اکثر پانی نجاست پر سے گذرا ہو جیسے اس کے عکس میں پاک ہوتا ہے، لیکن اگر پانی کا کم حصہ نجاست سے ملا اور زیادہ حصہ نجاست پر نہیں گذرا تو وہ ناپاک نہیں ہے، جیسے کوئی مردار

جانور نہر میں پڑا ہوا ہو یا چھت پر نجاست ہے اور پانی اس پر سے بہتا ہے تو ان صورتوں میں اگر پانی کی تھوڑی مقدار مردار یا نجاست سے ملے اور زیادہ حصہ نہ ملے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا، لیکن ہم نے باب المیاہ میں پہلے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں نجاست کے اثر کا اعتبار ہے، اسی طرح اگر نجاست پانی پر پڑے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، لیکن ناپاک چیز کے پانی سے ملتے ہی اس کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے تاوقتیکہ ناپاک آنے والی چیز جدا نہ ہو جائے، اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

تشریح قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ جونہی نجس چیز پانی پر گرے پانی ناپاک ہو جائے، لیکن ضرورت کی وجہ سے یہ قیاس یہاں ساقط الاعتبار ہے، ایک صورت یہ ہے کہ نجس کپڑا ٹپ میں ہو اور اوپر سے پانی ڈالا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ ٹپ میں پہلے سے پانی رکھا ہوا ہو اور اس میں ناپاک کپڑا ڈالا جائے، احناف کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں جب تک ان دونوں ملنے والوں کو آپس سے جدا نہ کیا جائے ناپاکی کا حکم نہ ہوگا، اور ناپاک کپڑے دھونے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے ناپاک کپڑا سوکھے ہوئے ٹپ میں یا کسی برتن میں رکھے جائیں پھر اس پر پانی ڈالا جائے اور دھویا جائے، اس طرح امام شافعیؒ کی رعایت بھی ہو جائے گی۔

نجاست کی راکھ ناپاک نہیں ہوتی ہے (خواہ وہ گوبر لید ہو یا آدمی کا پائخانہ) ورنہ بہت سے شہروں میں جہاں لید کی روٹیاں پکتی ہیں وہاں ان روٹیوں کا ناپاک ہونا لازم آئے گا، اور نہ وہ نمک ناپاک ہوتا ہے جس میں گدھا یا سور گر کر نمک بن جائے، اور نہ وہ گندگی ناپاک رہتی ہے جو کسی کنویں میں گر کر کیچڑ بن جائے، کیونکہ ان صورتوں میں ذات بالکل بدل جاتی ہے، اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے (گدھا، سور، نمک کی کان میں نمک بن گیا، بالکل اسی میں تحلیل ہو گیا، گندگی جل کر راکھ بن گئی یا سڑ کر کیچڑ مٹی بن گئی،، شریعت میں اس کی نظیر یہ ہے کہ آدمی کا نطفہ (منی) ناپاک ہے وہ پہلے بستہ خون بنتا ہے تو بھی ناپاک رہتا ہے، مگر جب وہ لوتھڑا بن جاتا ہے اور آدمی کی صورت میں آجاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے، رس چاہے گنے کا ہو یا کسی اور پاک چیز کا پاک ہوتا ہے، مگر جب اس سے شراب میں تبدیل کر دیتے ہیں تو پھر وہ ناپاک ہو جاتا ہے، اور شراب کو جب سرکہ بنادیتے ہیں تو پھر وہ شراب باقی نہیں رہتی سرکہ بن جاتی ہے اور جس طرح اور سرکہ پاک ہے یہ بھی پاک ہوتا ہے۔

وَغسلُ طَرَفِ ثوبٍ اَو بَدَنٍ اَصابَت نِجاسَةٌ مَحلاً مِنهُ وَنَسِيَ المَحلُّ مُطَهِّرٌ لَهُ وَاِن وَقَعَ الغسلُ بِغيرِ تَحَرٍّ هُوَ المُختَارُ ثم لوظهر اَنَّهَا فِي طَرَفٍ آخَرَ هَل يُعِيدُ فِي الخُلاصَةِ نَعَم وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ المُختَارُ اَنَّهُ لاَ يُعِيدُ اِلا الصَّلٰوةَ الَّتِي هُوَ فِيهَا كَمَا لَو بَالَ حُمُرٌ خَصَّهَا لَتَغلِيظِ لو لها اِتِّفَاقًا عَلٰى نَحوِ حِنطَةٍ تَدُوسُهَا فَقُسِمَ اَو غُسِلَ بَعضُهُ اَو ذَهَبَ بِهِبَةٍ اَواكلٍ اَو بَيعٍ كَمَا مَرَّ حَيثُ يَطهُرُ البَاقِي وَكَذَاالذهب يَطهُرُ مَحلُّ نَجاسَةٍ اَمَّا عَينُهَا فَلا تُقبَلُ الطَّهَارَةُ مَرئِيَةٍ بَعدَ جفافٍ كَدَمٍ بِقَلعِهَا اى لاحتمال وقوع النجس فى كل طرف كمسئلة الثوب بزَوَالِ عَينِهَا وَ اَثرِها ولو بِمَرَّةٍ اَو بِمَا فَوقَ الثَّلٰثِ فِي الاَصَحِّ لَم يَقُل بِغَسلِهَا لِيَعُمَّ نَحوَ دَلكٍ وَفَركٍ وَلا يَضُرُّ بَقَاءُ اَثرٍ كَلَونٍ وَ رِيحٍ لاَ رِمٍ فَلا يُكَلَّفُ فِي اِزَالَتِهِ الى مَاءٍ جَارٍ اَو صَابُونٍ وَنحوه بَل يَطهُرُ مَا صُبِغَ او خضب بنجس بغسله ثلثًا وَالاَولي غَسلُهُ اِلي اَن يَصفُو المَاءُ وَلا يَضُرُّ اَثرُ دُهنٍ اِلا دُهنَ وَدَكِ مَيتَةٍ لاَنَّهُ عَينُ النَّجَاسَةِ حَتّٰى لا يُدبَغُ بِهِ جِلدٌ بَل يَستَصبِحُ بِهِ فِي غَيرِ مَسجِدٍ وَ يَطهُرُ مَحلٌ غَيرُهَا

بِغَلَبَةِ ظَنِّ غَاسِلٍ لَو مُكَلَّفًا وَاِلا فَمُستَعمِلُ طَهَارَة مَحَلِّهَا بلا عَدَدٍ بِهٖ يُفتٰى وَقُدِّرَ ذٰلِكَ لِمُوَسوِسٍ بِغَسلٍ وَعَصرٍ ثَلثًا اَو سَبعًا فِيمَا يَنعَصِرُ مُبَالِغًا بِحَيثُ لا يَقطُرُ وَلَو عَصَرَهُ غَيرُهُ قَطَرَ طَهُرَ بِالنِّسبَةِ اِلَيهِ دُونَ ذٰلِكَ الغَيرِ وَلَو لَم يُبَالِغ لِرِقَّتِهٖ هَل يَطهُرُ الاَظهَرُ نعم لِلضَّرُورَةِ.

ترجمہ وہ کپڑے کا کنارا یا بدن کا وہ حصہ جس میں نجاست لگ گئی ہے اور وہ اس کو بھول گیا، اس کے کسی کنارے کا دھو دینا اس کو پاک کردینے والا ہے، اگرچہ بغیر غور وفکر دھویا ہو، یہی قول مختار ہے! یہ دراصل اس قول کا رد ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پورے کپڑے کا دھونا واجب ہے یا غور وفکر کر کے دھونا ضروری ہے لیکن دھونے کے بعد جب ظاہر یہ ہوا کہ نجاست اس دوسری طرف لگی ہے، جس کو نہیں دھویا ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ پھر دھوئے گا؟ خلاصہ میں ہے کہ ہاں وہ اس حصہ کو پھر دھوئے گا، اور فتاوی ظہیریہ میں قول مختار یہ نقل کیا ہے کہ وہ نماز نہیں لوٹائیگا مگر صرف وہ نماز جس میں اس کو نجاست نظر آئی ہے (شارح سے یہاں چوک ہوگئی ہے، ظہیریہ میں مسئلہ کی صورت یہ لکھی ہے کہ ایک نماز پڑھنے والے نے اپنے کپڑے پر نجاست دیکھی اور اسکو یہ معلوم نہیں کہ کب لگی ہے تو امام صاحبؒ سے جو روایتیں آئی ہیں ان میں قول مختار یہ ہے کہ وہ صرف اس نماز کا اعادہ کرے جس میں وہ مشغول ہے)

چنانچہ اگر گدھا گیہوں جیسے غلہ پر جس کو مالش کرتے ہیں پیشاب کردے، پھر وہ غلہ تقسیم کیا گیا اور اس میں سے تھوڑا حصہ لیکر دھو دیا، یا نگل گیا خواہ ہبہ کے راستہ سے ہو یا کھانے کے راستہ یا بیچنے کے راستہ تو بقیہ گیہوں یا جو بھی غلہ ہو اس کا بقیہ اس کی وجہ سے پاک ہو جائے گا، اور اسی طرح وہ گیہوں یا غلہ جو کوئی لے گیا، اس احتمال کی وجہ سے کہ ناپاک ادھر بھی ہو سکتا ہے جو چلا گیا یا صرف ہو گیا اور ادھر بھی جو باقی ہے جیسے اس ناپاک کپڑا کا مسئلہ جس کا کوئی ایک کنارا ناپاک ہو گیا ہو اور وہ معلوم نہ ہو سکے اور کسی کنارہ کو دھویا جائے، اور مصنف نے گدھے کی مثال خاص طور پر اس لئے دی کہ اس کا پیشاب سب کے نزدیک ناپاک ہے

اسی طرح اس نجاست کی جگہ خشک ہونے کے بعد اکھیڑنے اور بالکل دور کردینے سے پاک ہو جاتی ہے جو دیکھنے میں آتی ہے، جبکہ عین نجاست زائل ہو جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے، اگرچہ یہ دور ہو جانا ایک مرتبہ دور کرنے سے ہو جائے یا تین بار سے زیادہ مرتبہ دور کرنے سے صحیح قول یہی ہے، محل نجاست کی قید اس لئے لگائی کہ عین نجاست پاکی کو قبول نہیں کرتی رد دینے میں آنے والی نجاست سے مراد وہ نجاست ہے کہ سوکھ جانے کے بعد بھی نظر آئے، جیسے خون پائخانہ کہ خشک ہونے کے بعد بھی یہ دونوں نجاست نظر آتی ہیں، باقی جو خشک ہونے کے بعد دکھائی نہ پڑے وہ مرئی (نمودار) نہیں کہلاتی، نمودار نجاست کے باب میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ کے دھو دینے سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے بشرطیکہ پورے طور پر نجاست زائل ہو گئی ہو، دھونا، گرم پانی سے ہو یا ٹھنڈے سے، زیادہ پانی ہو یا کم، جاری پانی ہو یا تالاب کا ٹھرا ہوا پانی، پھر یہ کسی برتن میں ڈالکر دھوئے یا یونہی، اور غیر صحیح قول یہ ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد مزید دو مرتبہ دھونا واجب ہے تاکہ کوئی خدشہ باقی نہ رہ جائے

اوپر مصنف نے نجاست کے دور کرنے کے لئے "لفظ قطع لائے نسق نہیں لائے" جس کے معنی دھونا ہیں، تاکہ قطع کا لفظ رگڑنے اور ملنے کو بھی شامل ہو جائے، گویا یہ بتانا تھا کہ پاک کرنے کا طریقہ صرف دھونا ہی نہیں ہے بلکہ رگڑنے اور ملنے سے بھی نجاست پاک ہو جاتی ہے، جیسا کہ منی کے باب میں گذرا، پاک کرنے میں اثر لازم کا رہ جانا نقصان نہیں کرتا ہے، اثر لازم کا مطلب یہ ہے کہ جس کا دور ہونا دشوار ہو جیسے رنگ اور بو، مسلمان اس اثر لازم کے دور کرنے کا مکلف نہیں ہے کہ وہ گرم پانی

یا صابون یا اس طرح کی کوئی اور چیز ضرور استعمال ہی کرے، مثلاً شراب کا برتن جب خوب اچھی طرح دھویا، لیکن اس کی بو کسی طرح دھونے سے نہیں جاتی تو اس کی وجہ سے پاک ہونے میں کوئی خلل نہ ہوگا، اور نہ یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس بو کو دور کرنے کے لئے صابون وغیرہ استعمال ہی کرے۔

بلکہ جو ناپاک چیز سے رنگا گیا ہے یا جس کو ناپاک چیز کا خضاب کیا گیا ہے وہ تین مرتبہ دھو دینے سے پاک ہو جاتا ہے یہاں نجس سے متنجس (ناپاک شدہ) مراد ہے نجس العین نہیں، مثلاً خون نجس العین ہے مگر اس سے کوئی چیز رنگی جائے تو اس سے عین اور مزہ اور بو تمام کا زائل ہونا واجب ہوگا، رنگ باقی رہنا البتہ مضر نہیں ہے

اور بہتر یہ ہے کہ اس کو اتنا دھوئے یا اس طرح دھونے کہ پانی صاف رنگ کا گرنے لگے اور ناپاک تیل کی چکنائی کا باقی رہنا پاک ہونے کے لئے نقصان دہ نہیں ہے، البتہ مردار جانور کی چکنائی کا باقی رہنا پاکی کیلئے مضر ہے، اس لئے کہ وہ عین نجاست ہے حتی کہ اس سے چمڑے کو دباغت نہیں دیجائے گی، اور نہ مسجد میں اس سے روشنی کی جائے گی، مسجد کے سوا کسی دوسری جگہ اس کو چراغ میں روشنی کے لئے البتہ جلا سکتے ہیں۔

اور وہ نجاست جو دیکھنے میں نہیں آتی اس کی جگہ دھونے والے کے گمان غالب ہو جانے سے پاک ہوتی ہے بشرطیکہ دھونے والا مکلف عاقل، بالغ اور مسلمان ہو، اور اگر دھونے والا مکلف نہیں ہے بلکہ وہ بچہ یا پاگل ہے تو اس وقت استعمال کرانے والے کے ظن غالب کا اعتبار ہوگا، دھونے میں عدد کی شرط نہیں ہے کہ اتنی مرتبہ دھونا ضروری ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے (اگر ایک مرتبہ دھونے سے ہی گمان غالب ہو جائے کہ نجاست دور ہو گئی تو دوبارہ دھونا ضروری نہیں ہے، امام کرخی نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی ہے اور استیجابی نے اسی کو اختیار کیا ہے (دیکھئے طحطاوی) البتہ اس شخص کے باب میں جو وسوسہ میں مبتلا ہو اس کے لئے اندازہ یہ کیا گیا ہے کہ تین مرتبہ یا سات مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے بشرطیکہ وہ ایسی چیز ہے جو نچڑ سکتی ہے، اور جب دھونے کے بعد نچوڑے تو پورے طور پر اس طرح نچوڑے کہ پھر نچوڑنے سے پانی نہ ٹپکے اگرچہ دوسرے کے نچوڑنے سے ٹپکے تو اس کے اعتبار سے پاک ہو جاتا ہے، اس دوسرے کی نسبت سے پاک نہیں ہوتا، اور کپڑے کے باریک ہونے کی وجہ سے نچوڑنے میں مبالغہ نہ کرے تو پاک ہو گیا یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ہاں پاک ہو جائے گا، ضرورت یہی چاہتی ہے۔

تشریح جو وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہوا کرتا ہے، اس کو ظن غالب حاصل نہیں ہوتا، اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ دو دو گھنٹہ نہارہے ہیں اور انہیں یقین نہیں ہوتا، یا بار بار وضو کرتے ہیں پھر بھی تشفی نہیں ہوتی، اس لئے ضرورت پڑی کہ ایسے لوگوں کے لئے اندازہ مقرر کر دیا جائے کہ وہ تین بار دھو دے اور زیادہ وسوسہ ہو تو سات مرتبہ، اس سے زیادہ نہیں، فقہاء عراق نے ظن غالب کی قید لگائی ہے، اور فقہاء بخارا نے تین بار دھونے کی، صاحب سراج نے دونوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر وسوسہ نہیں ہے تو ظن غالب کا اعتبار کیا جائے، اور اگر مرض وسوسہ میں مبتلا ہے تو تین بار دھو دینا کافی ہے اور اس سے بھی جی نہ بھرے تو سات مرتبہ بس، تا کہ امام شافعیؒ کا بھی اختلاف نہ رہے، نچوڑنے کی شرط عام طور پر فقہاء نہیں لگاتے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف اخیر مرتبہ میں اچھی طرح نچوڑ دینا کافی ہے اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ہر مرتبہ نچوڑے، لہذا کسی پر بھی عمل کرے گا پاک ہو جائے گا، وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، اچھا یہ ہے کہ ہر مرتبہ نچوڑے اور اخیر مرتبہ میں خوب اچھی طرح نچوڑے، لیکن یہ واضح رہے کہ ہر شخص اپنی قوت کا ہی مکلف ہے، غیر کی قوت کا اعتبار ہرگز نہیں

ہے اور اس پر فتوی ہے۔

بحر الرائق میں حادی قدسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ برتن تین طرح کے ہوتے ہیں مٹی کے، لکڑی کے اور یا لوہے وغیرہ کے، ان کے پاک کرنے کے چار طریقے ہیں (۱) جلانا (۲) چھیلنا (۳) دھونا (۴) پونچھنا اگر برتن مٹی یا پتھر کا ہے اور نجاست اس کے اجزاء میں گھس گئی ہے تو اس کو جلایا جائے اور اگر پرانا ہے تو دھو دینا کافی ہے اور اگر نئی لکڑی کا برتن ہے تو اسے چھیل ڈالا جائے اور اگر پرانی لکڑی کا ہے تو دھو دینا چاہئے، اور اگر لوہے، پیتل رانگا یا کانچ کا ہے اور چکنا صیقل دار ہے تو خوب اچھی طرح پونچھ دیا جائے اور اگر کھر درا ہے تو دھو دیا جائے اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ اگر بدن میں نجاست لگ جائے تو تین مرتبہ دھو دیا جائے اس لئے کہ اس کا نچوڑنا دشوار ہے لہذا لگاتار تین مرتبہ دھو دینا نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا، طحطاوی۔

وَقُدِّرَ بِتَثْلِيثِ جفَافٍ اَی اِنقِطَاعُ التَّقَاطُرِ فِی غَیرِہٖ اَی غَیرِ مُنعَصِرٍ مِمَّا یَتَشَرَّبُ النِّجَاسَةُ وَالاَفبقلعها کما مرو هذا کله فی اجافة فِی اِجَابَةٍ اَمَّا لَو غُسِلَ فِی غَدِیرٍ اَو صُبَّ عَلَیه مَاءٌ کَثِیرٌ اَو جَرِیَ عَلَیهِ المَاءُ طَهُرَ مُطلَقًا بلاَ شَرطِ عَصرٍ وَتَجفِیفٍ وَ تَکرَارِ خَمسٍ هُوَ المُختَارُ وَ یَطهُرُ لَبَنٌ وَعَسلٌ وَدبسٌ وَدُهنٌ بَغلِیٍّ ثَلٰثًا وَ لَحمٌ طُبِخَ بخَمرٍ بَغلِیٍّ وَتَبرِیدٍ ثَلٰثًا وَکَذَا دَجَاجَةٌ مَلقَاة حَالَةَ فَلِیِ المَاءِ لِلنَّتفِ قَبلَ شَقِّهَا فَتح وَفِی التَّجنِیسِ حِنطَةٌ طُبِخَت فِی خَمرٍ لا تَطهُرُ اَبَدًا بِهٖ یُفتٰی وَلَو انفَتَخَتَ مِن بَولٍ نقعت وَجُفِّفَت ثَلٰثًا وَلَو عُجِّنَ خُبزٌ بِخَمرٍ صُبَّ فِیهِ خَلٌّ حَتّٰی یَذهَبُ اَثرُهَا فَیُطهُرُ

اور جو چیز نہ نچڑ سکے اور وہ نجاست کو اپنے اندر جذب کرنے والی ہے تو اس کے پاک کرنے میں اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ تین مرتبہ اس کو دھویا جائے اور ہر مرتبہ اس طرح خشک کیا جائے کہ پانی کا ٹپکنا بند ہو جائے اور وہ نہ نچڑنے والی نجاست اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے تو اس چیز سے صرف نجاست کے دور کر دینے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا البتہ بدن پر لگی ہوئی نجاست غیر مرئیہ کے پاک کرنے کے لئے تین مرتبہ بدن پر مسلسل پانی بہا دینا کافی ہے، خشک کرنے یعنی اس انتظار کی ہر بار ضرورت نہیں ہے کہ پانی کا ٹپکاؤ بند ہو جائے۔ اور یہ سب یعنی نچڑنے والی چیز میں تین مرتبہ دھونا اور نہ نچڑنے والی چیز میں تین مرتبہ دھونا اور ہر مرتبہ پانی کا ٹپکاؤ بند کرنا اس وقت ہے جبکہ تغاری، ٹب یا کسی برتن میں دھویا جائے، لیکن اگر پوکھر، تالاب میں کسی ناپاک چیز کو دھویا جائے یا اس پر بہت زیادہ پانی بہایا جائے یا اس پر پانی بہنے لگے تو وہ نچوڑنے اور خشک کرنے اور بار بار غوطہ دینے کی شرط کے بغیر پاک ہو جاتی ہے، مذہب مختار و پسندیدہ یہی ہے (ناپاک فرش پر جب پانی بہا دیا گیا اور اتنا کہ بہانے والے کو ظن غالب ہو گیا کہ نجاست دور ہو چکی ہے تو وہ فرش پاک ہو گیا، یہاں پانی بہانا ہی نچوڑنے کے قائم مقام ہے، کذا فی الطحطاوی)

ناپاک دودھ، ناپاک شہد، ناپاک شیرہ اور ناپاک تیل تین مرتبہ پانی دیکر جوش دینے سے پاک ہو جاتا ہے (طریقہ یہ ہوگا کہ ناپاک شہد وغیرہ میں جتنا شہد وغیرہ ہو اسی کے برابر پانی دیا جائے اور جوش دیا جائے جب وہ پانی جل جائے تو پھر پانی دیا جائے اور جوش دیا جائے، پھر جب یہ پانی بھی جل جائے تو پھر تیسری مرتبہ پانی ڈالے اور پکائے، اب پانی جلنے کے بعد ناپاک شہد، دودھ، شیرہ اور ناپاک تیل پاک ہو جائیگا۔)

اور وہ گوشت جو شراب میں پکایا گیا ہے اس کو تین مرتبہ جوش دینے اور ٹھنڈا کرنے سے پاک ہو جاتا ہے (سرد کرنے کی مراد خشک کر دینا ہے) اور اس طرح پاک ہونے کا یہ قول امام ابو یوسف ؒ کا ہے، باقی امام ابو حنیفہ ؒ فرماتے ہیں کہ شراب میں پکا ہوا گوشت کبھی پاک نہیں ہوتا ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے، لہذا شارح کا قول جو اوپر نقل ہوا ضعیف ہے۔

اسی طرح وہ مرغی بھی تین بار دھونے اور خشک کرنے سے پاک ہو جاتی ہو جس کو پیٹ پھاڑنے سے پہلے پر اکھیڑنے کے لئے جوش مارتے ہوئے پانی میں ڈال دیا گیا ہو، یہ فتح القدیر میں ہے۔

لیکن یہ پاکی امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک ہو گی، امام ابو حنیفہ ؒ کے قول کے مطابق ایسی مرغی کسی صورت سے پاک نہ ہو گی جب پیٹ چاک کر کے اور آلائش صاف کر کے پانی میں نہ ڈالی جائے

اور جو خون اس پر جما ہوا ہو اس کو دھو نہ دیا جائے طحطاوی تجنیس میں ہے کہ جس گیہوں کو شراب میں پکایا گیا ہے وہ کبھی پاک نہیں ہوتا ہے، اور اسی قول پر فتوی دیا گیا ہے (یہ قول امام ابو حنیفہ ؒ کا ہے)

اور وہ گیہوں جو پیشاب میں بھیگ کر پھول گیا ہے اس کو تین بار پانی میں بھگویا جائے اور سکھایا جائے تو پاک ہو جائے گا۔

اور وہ آٹا جو شراب میں گوندھا گیا اس میں سرکہ ڈالا جائے یہانتک کہ شراب کا اثر بالکل جاتا رہے تو پاک ہو جائے گا (اس لئے کہ شراب سرکہ میں بدل گئی)

فَصلٌ فِی الاِستِنجَاءِ

اَلاِستِنجَاءُ اِزالَةُ نَجَسٍ عَن سَبِیلٍ فَلا یَسُنُّ مِن رِیحٍ وَحصَاةٍ وَنَومٍ وَفَصدٍ وَهُوَ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ مُطلَقًا وَمَا قِیلَ مِن اِفتِرَاضِهٖ فَنَحوُ حَیضٍ وَمُجَاوَزَةِ مَخرَجٍ فَتَسَامُحٌ وَارکَانُهٗ اَربَعَةٌ شَخصٌ مُستَنجِی وَشَیءٌ مُستَنجٰی بِهٖ كَمَاءٍ وَحَجَرٍ نَجَسٍ خَارِجٍ مِن اَحَدِ السَّبِیلَینِ وَكَذَا لَو اَصَابَهٗ مِن خَارِجٍ وَاِن قَامَ مِن مَوضَعِهٖ عَلَی المُعتَمَدِ وَمَخرَجٌ دُبُرٌ قُبُلٌ بِنَحوِ حَجَرٍ مِمَّا هُوَ عَینٌ طَاهِرَةٌ قَالِعَةٌ لا قِیمَةَ لَهَا كَمَدَرٍ مُنقٍ لِاَنَّهٗ هُوَ المَقصُودُ فَیَختَارُ الاَبلَغُ وَالاَسلَمُ عَنِ التَّلوِیثِ وَلا یَتَقَیَّدُ بِاقبَالٍ وَادبَارٍ شِتَاءً وَصَیفًا وَلَیسَ العَدَدُ ثَلٰثًا بِمَسنُونٍ فِیهِ بَل مُستَحَبٌّ وَیَغسِلُ بِالمَاءِ اِلٰی اَن یَقَعَ فِی قَلبِهٖ اَنَّهٗ طَهُرَ مَا لَم یَكُن مُوَسوَسًا فَیُقَدِّمُ بِثَلٰثٍ كَمَا مَرَّ بَعدَهٗ اَی الحَجَرِ بِلا كَشفٍ لَهٗ عَورَةً عِندَ اَحَدٍ اَمَّا مَعَهٗ فَیَترُكُهٗ كَمَا مَرَّ فَلَو كَشَفَلَهٗ صَارَ فَاسِقًا لا لَو كَشَفَ لِاغتِسَالٍ اَو تَغَوُّطٍ كَمَا بَحَثَهُ ابنُ الشِّحنَةِ سُنَّةٌ مُطلَقًا بِهٖ یُفتٰی

(استنجاء کے احکام و مسائل)

پیٹ سے سبیلین (دونوں راستوں) کے ذریعہ جو نکلتا ہے اسے نجو کہتے ہیں، استنجاء کے معنی ہوئے نجو (گندگی) کو دور

صاف کرنا، خواہ پونچھکر خواہ دھو کر، دونوں طرح ہو سکتا ہے، مصنف نے کہا کہ استنجاء نجاست کا نجاست کی راہ (پاخانہ پیشاب کی جگہ ت) سے دور کرنا ہے لہذا خروج ریح، کنکری، نند اور فصد کے خون سے استنجاء مسنون نہیں ہوتا ہے (اس لئے کہ نہ ریح نجاست ہے اور نہ کنکری اور اسی طرح نند بھی نجاست نہیں ہے، فصد کا خون بیشک نجس ہے لیکن وہ پیشاب یا پائخانہ کے راستہ سے نہیں نکلتا کہ اس کا دور کرنا مسنون قرار دیا جائے

باقی استنجاء ہر حال میں سنت مؤکدہ ہے، خواہ نجاست عادت کے مطابق ہو یا عادت کے مطابق نہ ہو پھر وہ خشک ہو یا تر ہو، اور استنجاء پانی سے کیا جائے یا ڈھیلے سے، اور یہ استنجاء خواہ وہ شخص کرے جس کا وضو نہیں ہے یا وہ شخص کرے جس پر غسل واجب ہے اور جسے جنبی (ناپاک) کہتے ہیں یا حائضہ کرے۔

وہ جو کسی نے یہ کہا ہے کہ جب حیض کی مانند کوئی چیز ہو یا نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے تو اس وقت استنجاء فرض ہے، یہ کہنا خلاف تحقیق ہے اور استنجاء کے چار ارکان ہیں (۱) استنجاء کرنے والا شخص (۲) وہ چیز جس سے استنجاء کیا جائے جیسے پانی اور پتھر (۳) پائخانہ اور پیشاب دونوں راستوں میں سے کسی راستہ سے نکلنے والی نجاست (۴) نجاست نکلنے کی جگہ انسان کا اگلا یا پچھلا حصہ۔

اگر دونوں راستوں میں سے کسی کو باہر سے نجاست لگ جائے تو بھی استنجاء مسنون ہے اگر وہ اپنے قضائے حاجب کی جگہ سے اٹھ چکا ہے، قابل اعتماد قول یہی ہے۔

استنجاء پتھر جیسی چیز سے مسنون ہے جو بذات خود پاک ہو، نجاست کو دور کرنے والا ہو جس کی عموماً کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے صاف کرنے والا مٹی کا ڈھیلا ڈھیلا کی طرح دوسری مٹی، لکڑی، کپڑا، روئی اور پرانی کھال ہے اور دیوار اور زمین سے رگڑنا بھی ہے، لیکن ایسا گھر جو نہ اپنا ہو اور نہ کرایہ کا اس سے استنجاء درست نہیں ہے اور استنجاء کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بدن کو ڈھیلا کرلے، ہاں جب روزہ سے ہو اور پانی سے بڑا استنجاء کر رہا ہو تو اس وقت خدا احتیاط رکھے کہ پانی جذب نہ ہونے پائے، بلکہ اٹھنے سے پہلے کپڑے یا کسی اور چیز سے پانی صاف کرلے اور اس کی سعی تو ہر حال میں مناسب ہے کہ مستعمل پانی جو مقام پر قطرہ کی صورت میں ہے اسے کپڑے میں جذب نہ ہونے دے اور استنجاء سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے؛ پہلے اس لئے کہ کوئی ایسی چیز ہاتھ میں نہ لگی ہو جو مضر ہو یا گندی ہو اور بعد میں اس وجہ سے کہ ہاتھ سے نجاست کی بو اور اس کا اثر بالکل جاتا رہے۔

پاک صاف کی قید اس لئے لگائی ہے کہ مقصود استنجاء سے پاک، صاف کرنا ہے، لہذا استنجاء کے لئے ایسی چیز اختیار کرے جو خوب اچھی طرح پاک وصاف کرنے والی ہو، اور آلودہ کرنے سے محفوظ رکھنے والی ہو، اور جاڑے گرمی میں آگے سے پیچھے لیجانا اور پیچھے کی طرف سے آگے لانے کی استنجاء میں کوئی قید نہیں ہے (مقصود نجاست کا دور کرنا ہے آگے سے پیچھے کی طرف یا اس کے برعکس قید احتیاطی ہے، یہ مسنون نہیں ہے، البتہ ڈھیلا بائیں ہاتھ میں لینا چاہئے) استنجاء میں ڈھیلا استعمال کرنے میں تین کی گنتی مسنون نہیں ہے بلکہ مستحب ہے مقصد پاک کرنا ہے وہ ایک ڈھیلے سے ہو یا تین سے یا پانچ سے یا زیادہ سے، حدیث میں تین ڈھیلوں کا ذکر غالب عادت کی وجہ سے ہے یعنی عام طور پر لوگ تین ڈھیلے استعمال کرتے تھے

اور پانی سے اس طرح دھوئے گا کہ خود اس کے دل میں یہ یقین ہو جائے کہ پاک ہو گیا، یہ حکم اس کے لئے ہے جو مرض وسوسہ میں مبتلا نہیں، لہذا جس کو وسوسہ کی بیماری ہو اس کے لئے تین دفعہ دھونا مقرر کیا جاتا ہے تاکہ اس کو شبہ باقی نہ رہے، مگر یہ دھونا ڈھیلے سے استنجاء کے بعد ہے اور وہ بھی اس طرح کہ کسی کے پاس شرمگاہ اور ستر کھلنے نہ پائے اگر ایسی نوبت آئے تو دھونا

چھوڑ دے ہاں اگر بیوی ہے یا شرعی لونڈی تو وہاں ستر نہ کھلنے کی قید نہ ہوگی، اور اگر اس نے لوگوں کے سامنے آبدست یا استنجاء کے واسطے ستر کھولا تو وہ فاسق ہوگا۔ بحر الرائق میں صراحت ہے کہ اگر ایسی جگہ ہے جہاں آدمی ہیں اور پردہ کی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں وہ پانی سے استنجاء کر سکے تو پھر اس کو اس مجبوری میں ڈھیلے کے استنجاء پر اکتفا کرنا چاہئے، کیونکہ ڈھیلے کے استعمال کے بعد ایسی جگہ ستر کھولنا گناہ سے خالی نہیں، الحمد للہ ہندوستان میں خود عوام و خواص بہت احتیاط کرتے ہیں اور لوگوں کے سامنے ستر کھولنے کی جرأت نہیں کرتے۔

البتہ وہ شخص اس وقت گنہ گار نہ ہوگا جب وہ واجب غسل یا پاخانہ کے واسطے شرمگاہ کھولے، جیسا کہ ابن الشحنہ نے بیان کیا ہے، ڈھیلوں (کلوخ) سے صاف کرنے کے بعد پانی سے دھونا ہر زمانہ میں سنت ہے اسی قول پر فتوی دیا گیا ہے، سراج میں ایسا ہی ہے۔

یعنی یہ دھونا عہد صحابہ اور ہمارے زمانہ میں یکساں سنت ہے، جن لوگوں نے کہا ہے کہ عہد صحابہ میں دھونا مستحب تھا اب البتہ سنت ہے، یہ قول ضعیف ہے

وَيَجبُ اَى يَفرُض غَسلُهُ اِن جَاوَزَ المَخرَجُ نَجسٌ مانع وَيُعتبرُ القَدرُ المَانِعُ لِصَلٰوةٍ فِيمَا وَرَاءَ مَوضَعِ الاِستِنجَاءِ لاَنّ مَا عَلَي المَخرَجِ سَاقِطٌ شَرعًا وَاِن كَثُرَ وَ بِهٰذَا لا تكرَهُ الصَّلٰوةُ مَعَهُ وَكَرِهَ تَحرِيمًا بِعَظمٍ وَطَعَامٍ وَرَوثٍ يَابِسٍ كَعُذرَةٍ يَابِسَةٍ وَحَجرٍ اَستِنجِىَ بِهِ اِلا بِحَرفٍ آخَرَ وَآجُرٍ وَخَزفٍ وَزُجَاجٍ وَشَيءٍ مُحتَرَمٍ كَخِرقَةِ دِيبَاجٍ وَيَمِينٍ وَلاَ عُذرَ بِيُسرَاهُ فَلَم مَشلُولَةٌ وَلَم يَجدْ مَاءً جَارِيًا وَ لاصَابًا تَرَكَ المَاءَ وَلَو شَلّتَا سَقَطَ اَصلاً كَمَرِيضٍ وَمَرِيضَةٍ لَم يَجدا مَن يَحِلُ جِمَاعَهُ وَفَحمٍ وَعَلَفِ حَيوَانٍ وَحَقِّ غَيرٍ وَكُلُّ مَا يَنتَفِعُ بِهِ فَلَو فَعَلَ اَجزَاهُ مَعَ الكَرَاهَةِ بِحُصُولِ الاِنقَاءِ وَفِيهِ نَظرٌ لِمَا مَرّ اَنّهُ سُنّةٌ لا غَيرَ فَيَنبَغِي اَن لا يَكُونَ مُقِيمًا لَهَا بِالمَنهِي عَنهُ كَمَا كَرِهَ تَحرِيمًا اِستِقبَالُ قِبلَةٍ وَاِستِدبَارُهَا لاَجلِ بَولٍ اَو غَائِطٍ فَلو استنجاء لَم يكره وَلَو فِي بُنيَانٍ لاِطلاَقِ النَّهيِ فَاَن جَلَسَ مُستَقبِلاً لَهَا غَافِلاً ثُمّ ذَكَرَهُ انحَرَفَ نُدبًا لِحَدِيثِ الطِبرَانِي مَن جَلَسَ بِبَولٍ قِبَالَةَ القِبلَةِ فذكرهَا فَانحَرَفَ عَنهَا اِجلاَلاً لَهَا لَم يَقُم مِن مَجلِسِهِ حَتّٰى يَغفِرَ لَهُ اِن امكنه وَالا فَلا باس وَكَذَا يَكرَهُ هٰذِهِ تَعُمُ التَحرِيمِيّةَ وَالتَنزِيهِيّةَ لِلمَرأَةِ اِمسَاكُ صَغِيرٍ لِبَولٍ او غَائِطٍ نَحوَ القِبلَةِ وَكَذَامَدّ رِجلَهُ اِلَيهَا وَاِستِقبَالُ شَمسٍ وَقَمرٍ لَهُمَا اَى لاَجلِ بَولٍ اَو غَائِطٍ وَبَولٌ وَ غَائِطٌ فِي مَاءٍ وَ لَو جَارِيًا فِي الاَصَحّ وَفِي البَحرِ اِنّهَا فِي الرَاكِدِ تَحرِيمِيّةٌ وَفِي الجَارِي تَنزِيهِيّةٌ وَعَلَى طَرَفِ نَهرٍ اَو بِئرٍ اَو حَوضٍ اَو عَينٍ اَو تَحتَ شَجَرَةٍ مُثمِرَةٍ اَو فِي زَرعٍ اَو فِي ظِلٍّ يَنتَفِعُ بِالجُلُوسِ فِيهِ وَبِجُنبِ مَسجِدٍ وَمُصَلّى عِيدٍ وَفِي مَقَابِرَ وَبَينَ دَوَابٍ وَفِي طَرِيقِ النّاسِ وَفِي مَهَبّ رِيحٍ وَجُحرِ فَارَةٍ اَو حَيّةٍ اَو نَملَةٍ وَثُقُبٍ زَادَ العَينِي وَفِي مَوضَعٍ يَعبُرُ عَلَيهِ اَحَدٌ اَو يَقعدُ عَلَيهِ وَبِجُنبِ طَرِيقٍ اَو قَافِلَةٍ اَو خَيمَةٍ وَفِي اَسفَلِ الاَرضِ اِلَى اَعلاَهَا

وَالتَّكَلُّمُ عَلَيهِمَا وَاِن يَبُولُ قَائِمًا اَو مُضطَجِعًا اَو مُتَجَرِّدٌ مِن ثَوبِهٖ بِلاَ عُذرٍ وَيَبُولُ فِي مَوضِعِ يَتَوَضَّأُ هُوَ اَو يَغتَسِلُ فِيهِ لِحَدِيثٍ لَا يَبُولَنَّ اَحَدُكُم فِي مُستَحَمِّهٖ فَاِنَّ عَامَّةَ الوَسوَاسِ مِنهُ

ترجمہ اگر نماز کو روکنے والی نجاست مخرج سے ادھر ادھر پھیل گئی ہو تو اس کا استنجاء میں دھونا فرض ہے خواہ، یہ پائخانہ کی جگہ ہو یا پیشاب کی، اور ادھر ادھر بڑھنے والی نجاست جو نماز کو روکتی ہے وہ درہم یا اس سے زیادہ ہو اور نجاست کی وہ مقدار جو نماز کے لئے مانع ہے اس سے مراد وہ ہے جو استنجاء کی جگہ سے ادھر ادھر ہو، اور اسی کا اعتبار ہے اس لئے کہ نجاست نکلنے کی جگہ جو نجاست ہے اس کا شریعت میں اعتبار نہیں ہے اگرچہ وہ زیادہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ اس نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے، جس کی مقعد بڑی ہوگی اس پر نجاست زیادہ ہو سکتی ہے، اور عدم کراہت سے مراد یہ ہے کہ مکروہ تحریمی نہیں ہے، ورنہ پہلے گذر چکا کہ استنجاء کرنا سنت ہے اور اس کا ترک کم از کم مکروہ تنزیہی ضرور ہے

ھڈی، کھانے کی چیز اور خشک لید سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے اسی طرح جس طرح آدمی کے سوکھے پائخانہ اور اس ڈھیلے سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے جس سے ایک بار استنجاء کیا جا چکا ہے، لیکن اس ڈھیلے کے دوسرے کنارے سے استنجاء مکروہ نہیں ہے جس کے ایک کنارے سے استنجاء کیا گیا تھا اور دوسرا کنارہ محفوظ تھا، آلودہ نہ تھا (اسی طرح) استنجاء پختہ، اینٹ، ٹھیکرے، کانچ اور قابل مرمت چیز سے مکروہ تحریمی ہے، قابل حرمت چیز جیسے ریشمی کپڑا اور دایاں ہاتھ، جبکہ بائیں ہاتھ میں کوئی عذر نہ ہو اینٹ وغیرہ سے خراش آنے کا خطرہ ہے، محترم اور قیمتی چیز سے استنجاء کرنا اس کا ضائع کرنا ہے، دائیں ہاتھ سے استنجاء اور شرمگاہ کا تھامنا حدیث میں منع ہے، پھر اس ہاتھ سے کھاتے، پیتے، لکھتے ہیں، بائیں ہاتھ سے تھامنا چاہئے، ہاں اگر بائیں ہاتھ میں عذر ہو جیسے زخم ہو، کام نہ کرتا ہو تو مجبوری میں دائیں ہاتھ کا استعمال کرے گا مگر بہت احتیاط سے اور اگر بایاں ہاتھ لنجا ہو اور اسے جاری (بہتا) پانی میسر نہ ہو اور نہ ایسا شخص پاس ہو جو اس پر پانی ڈالے تو اس مجبوری میں پانی سے استنجاء چھوڑ دے اور اگر بہتا پانی یا نل لگا ہو، یا کوئی ایسا پانی ڈالنے والا ہو جس سے شرعاً پردہ نہیں ہے تو ان صورتوں میں دائیں ہاتھ سے استنجاء کرے گا اور اگر کسی کے دونوں ہاتھ شل (گنجے) ہوں تو اس سے استنجاء مطلقاً ساقط ہو گا یعنی ڈھیلوں سے بھی اور پانی سے بھی (لیکن وہ زمین سے یا دیوار سے رگڑ کر صاف کر سکتا ہے تو کرے گا) جیسے بیمار مرد اور بیمار عورت ہے لیکن دونوں ایسے شخص نہیں پاتے جس سے جماع اس کے لئے جائز ہو (اس لئے ایسا ہی شخص قابل پردہ نہیں ہے جیسی بیوی یا شوہر کہ اس کے سامنے ستر کھول سکتا ہے خواہ عورت ہو خواہ مرد) تو اس نہ پانے کی صورت میں ان سے بھی استنجاء ساقط ہے، اور اگر بیمار مرد کی بیوی ہے یا بیمار عورت کا شوہر ہے تو اس کی مدد سے استنجاء کرا سکتے ہیں، کوئلہ، جانور کے چارے اور غیر شخص کے حق سے استنجاء کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے، اور اس چیز سے بھی استنجاء مکروہ تحریمی ہے، جس سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے جیسے کاغذ، پتا، نرکل، بانس، روئی اور کپڑا وغیرہ کہ ان سب سے استنجاء مکروہ ہے. لیکن جن چیزوں سے استنجاء مکروہ ہے اگر کوئی انہی میں سے کسی سے استنجاء کرے تو کراہت تحریمی کے ساتھ کافی ہو جائے گا، صفائی حاصل ہو جانے کی وجہ سے جو مقصد اصلی ہے۔

شارح کہتے ہیں کہ مصنف کے اس قول میں "کہ ہڈی وغیرہ سے استنجاء کرے گا تو باوجود مکروہ تحریمی ہونے کافی ہو جائے گا" خلل ہے اور قابل غور ہے، کیونکہ یہ بات گذر چکی ہے کہ استنجا سنت ہے تو [illegible] ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ آدمی سنت کی [illegible] ان چیزوں سے تو نہ کرے جن سے روک دیا گیا ہے (صاحب نہر الفائق [illegible] نجاست کا ازالہ ([illegible]

سنت ہے، ڈھیلا کا استعمال بطور خاص کوئی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ نجاست کو دور کرتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ نجاست دور کرنے کو روک دیا گیا ہے، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ نجاست دور نہ ہوئی، نجاست ان چیزوں سے کوئی استنجاء کرے تب بھی دور ہو جاتی ہے جیسے کوئی غصب کی ہوئی زمین پر سنت نماز پڑھے تو نماز تو ادا ہو جائے گی زیادہ سے زیادہ اس چیز کا ارتکاب لازم آئے گا جس سے شریعت نے روکا تھا، یا جیسے کوئی غصب کئے ہوئے ڈھیلے سے استنجاء کرے تو استنجاء تو ہو جائے گا مگر منہی عنہ کا ارتکاب لازم آئے گا، خلاصہ بحث کا یہ ہے کہ جائز تو بلا شبہ ہو جائے گا لیکن اس فعل پر جو ثواب ہوتا ہے اس سے محروم رہے گا، اس لئے مصنف کا اس معنی میں کہنا درست ہے۔)

جس طرح پیشاب یا پائخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا مکروہ تحریمی ہے خواہ عمارت کے اندر ہی کیوں نہ ہو اس لئے حدیث میں ممانعت عام ہے، اس میں گھر یا میدان کی قید نہیں ہے، اس لئے کہ سید الکونین علیہ السلام نے فرمایا۔

اذا تیمم الغائط فلا تستقبلوا لقبلة ولا تستد بر وھا ولکن شرقوا او غربوا رواه السنه

(جب تم پائخانہ کے لئے آو تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ پیٹھ کرو، البتہ پورب یا پچھم کی طرف منہ یا پیٹھ کر لو۔)

اہل مدینہ کا قبلہ دکھن میں پڑتا ہے، اس لئے وہاں کے باشندوں کو پورب پچھم منہ یا پیٹھ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے وہ شمال و جنوب کی طرف پیٹھ یا منہ نہیں کر سکتے، ہندوستان کے رہنے والوں کا قبلہ پچھم جانب پڑتا ہے، یہاں پورب پچھم منہ پیٹھ کرنا پائخانہ پیشاب میں منع ہے، دکھن اور اتر کی طرف منہ کر سکتا ہے، یوں آدمی لباس میں ہو اور پیشاب پائخانہ میں نہ ہو تو پورب پچھم کی طرف منہ اور پیٹھ کر کے بیٹھ سکتا ہے، ہاں جان بوجھ کر سونے میں یا بیوی سے وطی کرتے وقت قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ اور بے ادبی ہے، لیکن اگر کوئی غفلت میں قبلہ رخ (پیشاب پائخانہ کرتے وقت) بیٹھ گیا پھر اس کو یاد آگیا تو مستحب یہ ہے کہ وہ ذرا مڑ جائے، اس لئے کہ طبرانی کی حدیث ہے کہ جو شخص پیشاب یا پائخانہ کرنے قبلہ رخ بیٹھ گیا، پھر اسے یاد آگیا، اور یاد آتے ہی وہ قبلہ کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے اس رخ سے مڑ گیا، تو ایسا شخص اپنی جگہ سے اٹھنے کے پہلے بخش دیا جائے گا، یعنی انشاء اللہ اس کے صغائر گناہ اس احساس عظمت کے طفیل بخشد یئے جائیں گے اور ایسا ہی عورت کے لئے یہ مکروہ تحریمی ہے کہ وہ بچہ کو پیشاب پائخانہ کراتے وقت قبلہ رخ رکھے اور قبلہ کیطرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے اور چاند اور سورج کی طرف منہ کرنا پیشاب پائخانہ کرتے وقت مکروہ ہے، اور پانی میں پیشاب پائخانہ کرنا مکروہ ہے خواہ پانی بہتا ہوا ہی کیوں نہ ہو، زیادہ صحیح قول یہی ہے، اور بحر الرائق میں ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں مکروہ تحریمی ہے، اور بہتے ہوئے پانی میں مکروہ تنزیہی (طحطاوی نے کہا لیکن اگر کسی مجبوری ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے جیسے پانی کے جہاز اور کشتی پر کوئی سفر کر رہا ہو اور خشکی پر اترنا ممکن نہ ہو) دریا یا نہر یا کنواں یا حوض یا چشمہ کے کنارے، پھلدار درخت کے نیچے، کھیت میں، یا ایسے سایہ میں جہاں لوگ آرام کے لئے بیٹھتے ہیں ان میں سے کسی جگہ پیشاب پائخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے (حدیث میں ایسی جگہوں میں پیشاب پائخانہ سے روکا گیا ہے، وہ سایہ جہاں کوئی بیٹھتا اٹھتا نہیں ہے، وہاں پیشاب پائخانہ کرنا مکروہ نہیں ہے) مسجد اور عید گاہ کے آس پاس اور قبرستان کے اندر پیشاب پائخانہ کرنا مکروہ ہے، لوگوں کے راستے اور جانوروں کے رہنے کی جگہ میں بھی مکروہ ہے (قبرستان میں اسلئے منع کیا گیا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے مردے کو بھی تکلیف ہوتی ہے، اور اس کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے، اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا گیا ہو اس سے گذرنا حرام ہے، جب قبرستان میں نیا راستہ بنانا اور اس پر چلنا حرام

ہے تو اس میں پیشاب پائخانہ کرنا بدرجہ اولی حرام ہوگا، (دیکھئے طحطاوی) اور استنجاء کرنا مکروہ ہے ہوا چلنے کی جگہ میں) تاکہ پیشاب کی چھینٹ ہوا سے اڑ کر کہیں کپڑے یا بدن پر نہ پڑ جائے اور چوہے یا سانپ یا چیونٹی کے سوراخ میں یا کسی عام سوراخ میں (اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے سوراخ اور بلوں میں پیشاب کرنے سے روکا ہے، حضرت قتادہؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ سوراخ میں پیشاب کرنے سے کیوں منع کیا گیا ہے، آپ نے فرمایا، کہا جاتا ہے، کہ وہ جنوں کے رہنے کی جگہ ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سوراخ سے کوئی زہریلا جانور نکل کر ڈس لیتا ہے، اور ایک واقعہ یہ ہے بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے سوراخ میں پیشاب کردیا تو جنوں نے اسے مار ڈالا) عینی میں زیادہ کیا ہے کہ اس جگہ بھی استنجاء مکروہ ہے جہاں سے کوئی گذرتا ہو یا وہاں بیٹھتا ہو اور راستہ کے کنارے میں یا قافلہ اور خیمے کے برابر اور نیچے بیٹھ کر اوپر کی طرف پیشاب پائخانہ کرنا بھی مکروہ ہے، کہ پلٹ کر خود کرنے والے پر نجاست آئے گی، اور پیشاب پائخانہ کرتے وقت بات کرنا مکروہ ہے (اس لئے اللہ تعالی اسے پسند نہیں کرتا ہے اور ان وقتوں میں ذکر اللہ بھی نہ کرے اور چھینک آئے تو ایسے وقت الحمد اللہ بھی زبان سے نہ پڑھے اور نہ یرحمک اللہ کہے نہ سلام کا جواب دے، نہ ازان کا جواب دے، اور بلا ضرورت شرمگاہ کی طرف یا پائخانہ پیشاب کی طرف نہ دیکھے، نہ وہاں تھوکے نہ ناک صاف کرے، نہ کھنکھارے نہ دائیں بائیں دیکھے اور نہ اپنے بدن سے کھیلے اور نہ آسمان کی طرف سر اٹھائے، اور نہ پیشاب پائخانہ میں زیادہ دیر تک بیٹھنے کی کوشش کرے کہ اس سے بواسیر اور جگر کا درد پیدا ہوتا ہے کپڑوں کی ایسے وقت پوری حفاظت رکھے کہ ملوث نہ ہونے پائے، نہ نجاست سے اور نہ استعمال کئے ہوئے پانی سے استنجاء کھلے سر نہ کیا جائے، یہ ادب کے خلاف ہے، استنجاء خانہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے اللھم اعوذ بک من الخبث الخبائث اور جس انگوٹھی پر اللہ کا نام کندہ ہو وہ بھی پائخانہ میں نہ لیجائے، داخل ہوتے وقت بایاں پیر داخل کرے اور نکلتے ہوئے پہلے دایاں پیر نکالے، جب استنجے کے لئے بیٹھنے کے قریب ہو تب ستر کھولے، کھڑے کھڑے ستر نہ کھول ڈالے، دونوں پاؤں کشادہ کر کے بیٹھے اور بائیں پر جھک کر بیٹھے، پائخانہ اور پیشاب سے فارغ ہو کر نکلنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ الحمد للہ الذی اذہب عنی الاذی وعافانی)

اور بلا عذر کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح لیٹ کر اور کپڑوں سے ننگا ہو کر بھی پیشاب کرنا مکروہ ہے (بوقت عذر کھڑے ہو کر، لیٹ کر اور ننگے ہو کر ہر طرح پیشاب پائخانہ کرنا درست ہے، خود آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر عذر شرعی کی وجہ سے پیشاب کیا ہے۔

اور ایسی جگہ پیشاب کرنا مکروہ ہے جہاں وہ وضو کیا کرتا ہے یا غسل کرتا ہے، اس حدیث کی وجہ سے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص ہرگز اپنے نہانے کی جگہ پیشاب نہ کرے، اس لئے کہ اکثر وسوسہ اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

فُـــرُوعٌ

يَجبُ الاِستِبراءُ بِمَشيٍ وَ تَنَحنُحٍ وَنَومٍ عَلٰى شِقِّهِ الاَيسَرِ وَ يَختَلِفُ بِطِبَاعِ النَّاسِ وَمَعَ طَهَارَةِ المَغسُولِ تَطهَرُ اِلَيهِ وَ يُشتَرَطُ اِزَالَةُ الرَّائِحَةِ عَنهَا وَعَنِ المَخرَجِ الاِاذَا عَجِزَ وَالنَّاسُ عَنهَا غَافِلُونَ اِستَنجَى المُتَوَضِّئُ اِن عَلٰى وَجهِ السُّنَّةِ بِاَن اَرخَى اِنتَقَضَ وَاِلا لا نَامَ اَو مَشٰى عَلٰى

نَجاسَةٍ اِن ظَهَرَ عَينهَا تنجَّس وَ اِلا لا ولَو وقَعَت فِى نَهرٍ فَاَصابَ ثَوبَهُ اِن ظَهرَ اَثرُهَا تنجّس وَاِلا لا لُفَّ طَاهِر فِى نَجسٍ مُبتَلّ بماءٍ اِن بحيَثُ لَو عصرَ قَطرَ تنجّس وَاِلا لا ولَو لُفَّ فِى مُبتَلّ بنحوِ بَولٍ اِن ظَهَرَ نَدَاوتُهُ اَو اَثرُهُ تَنجّس وَاِلا لا ، فَارَةٌ وُجِدَت فِى خَمرٍ فَرُمِيَت فَتخلّل اِن مُتَفَسِّخَةً تَنجّس وَاِلا لا وقَعَ خَمرٌ فِى خلٍّ اِن قَطرَةٌ لَم يَحِل اِلا بَعدَ سَاعَةٍ اِن كُوزًا حَلّ فِى الحَالِ ان لم يظهر اثره، فَارَةٌ وُجِدَت فِى قُمقُمةٍ ولَم يَدرِ اَماتَت فِيهَا اَم فِى جرَّةٍ اَو فِى بئرٍ يُحمَلُ عَلَى القمقمه ثَلٰثُ قِرَبٍ مِن سَمنٍ وَ عَسل وَدبسٍ اَخذَ مِن كُلّ حِصّةٍ وَ خَلطَ فَوُجدَ فِيهِ فَارَةٌ يَضعُهَا فِى الشَمسِ فَاِن خَرَجَ مِنهَا الدهنُ فَسمنٌ وَاِلا فَاِن بَقِىَ بحَالِ الجمدِ فَلعَسلُ اَو مُتلَطِخًا فَالدّبسُ يُعمَلُ بخبَرِ الحُرمَةِ فِى الذَّبِيحَةِ وبَخبَرِ الحِلّ فِى مَاءٍ وطَعَامٍ يَتحرّى فِى ثِيَابٍ اَقلُّهَا طَاهِرٌ وَفِى اَوَانٍ اَكثَرُهَا طَاهِرٌ لا اَقلُّهَا بَل يُحكَمُ بالاَغلَبِ اِلا لِضَرُورَةِ شُربٍ يَحرُمُ اَكلُ لَحمٍ اَنتَنَ لا نَحوِ سَمنٍ ولَبنَ شَعيرٌ فِى بَعرٍ اَو رَوثٍ صُلبٍ يُوكَلُ بَعدَ غَسلِهِ وفِى خِثىٍ لا مِرَارَةُ كُلِّ حيَوانٍ كَبَولِهِ وَجِرَّتُهُ كَزِبَابِهِ حُكمُ العَصِيرِ حُكمُ المَاءِ رُطُوبَةُ الفَرجِ طَاهِرَةٌ خِلافًا لَهُمَا العِبرَةُ لِلطَّاهِرِ مِن تُرَابٍ اَو مَاءٍ اَختَلَطا بهِ يُفتى مَشىٰ فِى حَمّامٍ ونَحوِهِ لا يَنجُسُ مَالَم يَعلَمَ اَنّهُ غُسَالَةُ نَجسٍ لا يَنبغِى اَخذُ المَاءِ مِنَ الاَنبُوبَةِ لاَنّهُ يَصِيرُ المَاءَ رَاكِداً اَلتَّبكِيرُ اِلَى الحَمّامِ لَيسَ مِنَ المُرُوّةِ لاَنّهُ فِيهِ اِظهَارُ مَقلُوبِ الكِنَايَةِ عَلَى الصَّبَاحِ ثِيَابُ الفَسقَةِ وَاَهلِ الذِمّةِ طَاهِرَةٌ دِيبَاجُ اَهلِ فَارِس نَجسٌ لجَعلِهِم فِيهِ البَولُ لِبَرِيقِهِ رَاٰى فِى ثَوبِ غَيرِهِ نَجسًا مَانِعًا اِن غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ اَنَّهُ لَو اَخبَرَهُ اَزَالَهَا وَجَبَ وَلا لا فَا لاَمرُ بالمَعرُوفِ عَلَى هٰذَا حَملُ السَّجّادَةِ فِى زَمَانِنَا اَولٰى اِحتِيَاطًا لِمَا وَرَدَ اَوّلَ مَا يُسئَالُ عَنهُ فِى القَبرِ اَلطَّهَارَةُ وَفِى المَوقِفِ الصَّلٰوةُ.

فروع

فروع کے عنوان سے صاحب در مختار نے تنویر الابصار میں کچھ مسائل کا مستقل اضافہ کیا ہے، گویہ تنویر الابصار کی شرح یا تشریح نہیں ہے، بلکہ تنویر الابصار میں یہ مسائل رہ گئے تھے، صاحب در مختار نے اپنی شرح میں بڑھا دیا ہے۔

پیشاب کرنے کے بعد پیادہ چل کر، کھنکھار کر اور بائیں پہلے پر لیٹ کر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرنا واجب ہے (استبراء، استنقاء اور استنجاء، تین لفظ ہیں، استبراء نام ہے باہر نکلنے والی چیز سے براءت طلب کرنا، ان طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ذریعہ جن کا شارح نے ذکر کیا ہے تا کہ یقین حاصل ہو جائے کہ نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، اور استنقاء نام ہے صفائی اور پاکیزگی طلب کرنے کا اور وہ اس طرح کہ پانی سے دھوتے وقت پاخانہ کے مقام کو پتھر یا انگلیوں سے مل کر یا پونچھ کر صاف کرے، اور استنجاء پاخانہ اور پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلا یا پانی استعمال کرنے کو کہتے ہیں۔

استبراء یعنی اثر زائل ہونے کا اطمینان لوگوں کی طبیعت کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، کسی کو پاکیزگی جلد حاصل ہوتی ہے اور کسی کو دیر سے، کسی کو چلنے سے حاصل ہوتی ہے اور کسی کو کھنکھارنے سے اور جس عضو کو دھویا جاتا ہے اس کی پاکی کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی پاک ہو جاتا ہے، اس کے پھر بعد میں دھو کر پاک کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، خواہ جس عضو کو دھویا جارہا ہے وہ استنجاء کی جگہ ہو یا کوئی اور جگہ ہو، اور طہارت میں ہاتھ سے بدبو کا دور کرنا اور مخرج کا نجاست سے شرط ہے، سوائے اس صورت کے کہ آدمی بو کے دور کرنے سے عاجز ہو، یعنی بار بار ہاتھ دھونے سے بھی بدبو زائل نہیں ہوتی ہے تو وہ معاف ہے، اور لوگ اس شرط سے غافل اور بے خبر ہیں (اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ آبدست کرنے کے بعد ہاتھ کو مٹی سے دھو کر صاف کیا جائے)

وضو کرنے کے بعد کسی نے استنجاء کیا یعنی پہلے پائخانہ کیا پھر وضو کیا، اس کے بعد آبدست کیا تو اگر استنجاء مسنون طریقہ سے کیا بایں طور کہ مخرج کو ڈھیلا کیا تھا تو اس صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا، اور اگر سنت طریقے سے استنجاء نہیں کیا ہے تو وضو نہیں ٹوٹا (مخرج کے ڈھیلا کرنے میں اندر سے مزید نجاست کے آنے کا شبہ ہے یوں نہیں)

کوئی شخص نجاست پر سو گیا یا اس پر چلا تو اگر نجاست بذات خود (بدن یا کپڑے یا پاؤں یا موزے یا جوتے پر) ظاہر ہوئی تو وہ ناپاک ہو گیا اور اگر نجاست نہیں ظاہر ہوئی تو ناپاک نہ ہوا۔

ناپاک پانی سے تر کپڑے پر پاک کپڑا لپیٹا گیا تو اگر پاک کپڑا اس طرح تر ہو گیا کہ نچوڑنے سے پانی ٹپکنے لگا تو وہ پاک کپڑا ناپاک ہو گیا اور اگر اس قدر نہیں بھیگا ہے تو ناپاک نہیں ہوا گو بھیگ گیا ہو مگر نچوڑنے سے ٹپکتا نہیں ہے

اور پیشاب کے مانند نجس العین سے جو کپڑا تر ہو گیا ہے اگر پاک کپڑا اس بھیگے ناپاک کپڑے میں لپیٹا گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر اس کی تراوت یا اس کا اثر اس پاک کپڑے میں ظاہر ہو گیا ہے تو یہ پاک کپڑا ناپاک ہو جائے گا اور اگر تراوت یا اثر ظاہر نہیں ہوا ہے تو ناپاک نہ ہوگا۔

ایک چوہا شراب میں مرا ہوا پایا گیا اس کو اس سے نکال کر پھینک دیا گیا، پھر وہ شراب سرکہ بن گئی اب اگر وہ چوہا پھولا یا پھٹا تھا تو سرکہ ناپاک ہے اور اگر پھولا پھٹا نہیں تھا تو ناپاک نہیں ہے (مردہ چوہے کے شراب میں پھولنے پھٹنے سے اس کے اجزاء شراب میں مل گئے تو گو شراب سرکہ بن گئی لیکن وہ اجزاء جو چوہے کے مل چکے تھے پاک نہیں ہوئے اور نہ ہو سکتے ہیں)

شراب سرکہ میں گر پڑی، اگر وہ شراب ایک قطرہ ہے تو وہ سرکہ اس وقت کھانا جائز نہیں ہے، البتہ ایک گھنٹہ بعد کھانا جائز ہوگا، اور اگر شراب ایک کوزہ بھر گری ہے تو وہ سرکہ اسی وقت کھانا درست ہے بشرطیکہ شراب کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب کا ایک قطرہ سرکہ میں پڑنے سے اس میں تحلیل سا ہو گیا، ایک قطرہ شراب میں نہ مزہ ہے اور نہ بو کے جس کے بدل جانے سے حکم دیا جائے کہ وہ بدل گیا، لہذا تھوڑی دیر توقف کرنا چاہئے کہ یقین ہو جائے اور کوزہ بھر شراب گرنے کی صورت میں یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ اس میں نہ مزہ ہے اور نہ بو، بلکہ یقیناً ہے مگر نہ محسوس ہوتا ہے کہ سرکہ میں گرتے ہی وہ شراب سرکہ سے بدل گئی ہے کیونکہ کوئی بو یا اثر ظاہر نہیں ہے، اس لئے اس کے فوراً استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر ظن غالب یہ ہے کہ شراب سرکہ میں بدل گئی ہے تو استعمال جائز ہے ورنہ نہیں

ایک چوہیا لوٹے میں پائی گئی مگر یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ لوٹے میں گر کر مری ہے یا گھڑے میں گر کر مری تھی اور گھڑے سے لوٹے میں آئی ہے یا کنویں ہی میں گر کر مری تھی، کنویں سے گھڑے میں آئی اور گھڑے سے لوٹے میں، تو اس صورت میں

اس کا مرنا لوٹے میں سمجھا جائے گا (اس لئے کہ جو سب سے قریب وقت ہے وہ لوٹے سے متعلق ہے اور عموماً واقعہ کی اضافت قریب تر اوقات کی طرف ہوا کرتی ہے، کذا فی الحلبی)

تین مشکیں تھیں گھی کی، شہد کی اور شیرۂ خرما کی، ان تینوں میں سے تھوڑا تھوڑا لیکر ایک جگہ ملا دیا گیا، اس کے بعد اس میں ایک چوہیا نظر آئی (اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں مشکوں میں سے کس کو ناپاک قرار دیا جائے) مخاطب کو اس صورت میں حکم ہے کہ تو اس مردہ چوہے کو نکال کر دھوپ میں رکھو، اگر اس چوہے سے چکنائی نکلے تو حکم دیا جائے گا کہ گھی کی مشک ناپاک ہے، اور اگر چکنائی نہیں نکلی، اور وہ بحالہ جما ہوا باقی ہے تو شہد کو ناپاک قرار دیا جائے گا، اور اگر وہ چپ چپاتا اور لتھڑا ہوا ہے تو شیرہ ناپاک ہوگا، اس لئے کہ گھی دھوپ میں پگھل جاتا ہے اور شہد سمٹتا ہے، اور شیرۂ خرما نرم ہوتا ہے۔

ذبیحہ میں حرمت کی خبر پر اور کھانے پانی میں حلت کی خبر پر عمل کیا جائے گا (مطلب یہ ہے کہ ایک ذبیحہ کے بارے میں ایک پرہیزگار مسلمان کہتا ہے، کہ حلال ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حرام ہے تو کس کی بات پر عمل کیا جائے گا؟ جواب یہ ہے کہ ذبیحہ میں حرمت کی خبر کو ترجیح ہوگی اور وہی قابل عمل قرار پائے گی، اس وجہ سے کہ ذبیحہ میں اصل حرمت ہے اور پانی غذا میں اصل حلت ہے، لہذا اس میں ایک کہے کہ حلال ہے اور دوسرا کہے حرام ہے تو اسے حلال سمجھا جائے گا دونوں میں متضاد خبریں ملیں لہذا دونوں ساقط ہو گئیں اصل پر عمل ہوا)

جن کپڑوں میں آدھے سے کم پاک ہوں اور آدھے سے زیادہ ناپاک تو اس صورت میں تحری کرے اور عقل اور اندازے سے غور و فکر کر کے جس پر جی جمے کہ یہ پاک ہے اسے استعمال کرے اور اسی میں نماز ادا کرے۔

بہت سے برتن ہیں ان میں سے زیادہ حصہ پاک ہے تو اس میں غور و فکر سے اور جس پر جی جمے کہ پاک ہے اس کو استعمال کرے، لیکن اگر ان برتنوں کا حال یہ ہو کہ اکثر تو ان میں ناپاک ہوں اور کم پاک تو اس صورت میں تحری اور غور و فکر کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ سب ناپاک قرار پائیں گے، اس لئے غالب پر فیصلہ ہوتا ہے، ہاں پینے کی ضرورت ہو تو کم حصہ پاک ہونے کی صورت میں بھی غور و فکر پر عمل کی اجازت ہے اور وہ پاک کے حکم میں ہوگا۔

سڑے ہوئے گوشت کا کھانا حرام ہوتا ہے لیکن گھی اور دودھ جیسی چیز سڑی ہو تو وہ حرام نہیں ہے (طحطاوی نے وجہ یہ لکھی ہے کہ سڑا ہو گھی نقصان نہیں کرتا بخلاف سڑے ہوئے گوشت کے کہ وہ نقصان دہ ہے۔)

سوکھی مینگنی اور لید میں جو جو نکلے اسے دھونے کے بعد کھانا جائز ہے لہذا وہ کھایا جائیگا، اور جو جو گوبر میں سے نکلے وہ دھونے کے بعد بھی نہ کھائے جائیں۔

ہر جانور کے پتہ کا حکم اس کے پیشاب کے حکم جیسا ہے اور ہر جانور کی جگالی اس کے گوبر و لید کے حکم میں ہے (یعنی جس کا پیشاب پاک ہے پتہ بھی پاک ہوگا اور جس کا پیشاب ناپاک ہے اس کا پتہ بھی ناپاک ہوگا، اسی طرح جگالی کے وقت جو جانور کے منہ سے جھاگ نکلتی ہے اس کا حکم وہی ہے جو جانور کے لید گوبر کا ہے

پھل اور گھاس کے رس کا حکم پانی کے حکم جیسا ہے یعنی جسطرح پاک پانی سے نجاست دور ہوتی ہے پاک رس سے بھی دور ہو جاتی ہے اور جسطرح زیادہ پانی (دہ در دہ) نجاست واقع ہونے سے ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح اگر رس دہ در دہ ہو تو نجاست پڑنے سے ناپاک نہ ہوگا۔

عورت کی شرمگاہ کی نجاست امام ابوحنیفہ کے نزدیک پاک ہے لیکن صاحبین کے نزدیک پاک نہیں ہے، مٹی اور پانی جو دونوں مل

گئے ہوں ان میں جو پاک ہوگا اسکا اعتبار ہوگا، اسی قول پرفتوی دیا جاتا ہے، مثلاً گارا پانی اور مٹی سے مل کرتیار ہوا، ایک ان میں پاک تھا دوسرا ناپاک تو جو پاک تو تھا اسکا اعتبار کر کے گارا کو پاک قرار دیا جائیگا، (مگراس قول کو ضعیف کہا گیا ہے، چنانچہ البحرالرائق میں ہے کہ پانی ناپاک ہویا مٹی گارا جو اس سے تیار ہوگا وہ ناپاک ہوگا اور اسی قول کو قاضی خاں اور فقیہ ابو اللیث نے بھی مختار کہا ہے، خلاصہ میں ہے کہ جس نے یہ بحث کی ہے کہ ایک پاک ایک ناپاک سے جو چیز تیار ہوئی ہے، وہ چونکہ شئ دیگر بن گئی لہذا پاک ہے، یہ قول قریب الفہم ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو کھانا ناپاک گھی یا ناپاک پانی سے تیار ہوا ہو وہ پاک ہے کیونکہ یہاں بھی ترکیب کے بعد دوسری شے تیار ہوگئی اسی طرح دوسرے مرکبات میں بھی یہی حکم ہوگا تو یہ قول ایسا ہے جس کا فساد کھلا ہوا ہے کذافی الحلبی

غسل خانہ یا اسطرح کی کسی جگہ میں چلا تو اسوقت تک اسکا پاؤں ناپاک نہ ہوگا جب تک یہ معلوم نہ ہوجائے یہ نجاست کا دھوون ہے (اگر پاؤں میں جوتا تھا تو ناپاک ہونے کا سوال ہی نہیں ہے، اگر ننگے پاؤں چلا ہے اور نجاست کا دھوون تھا تو بغیر پاؤں دھلے ہوئے نماز جائز نہ ہوگی، اور اگر نجاست وہاں نہیں دھوئی گئی ہے تو پاؤں ناپاک نہ ہوگا اور بغیر پاؤں دھوئے ہوئے نماز درست ہوگی، احتیاط یہ ہے کہ پاؤں دھولے۔)

پانی اس نل سے لے جس نل سے حوض میں پانی آرہا ہے، کیونکہ اس صورت میں پانی کا بہاؤ رک جائے گا اور وہ جمے ہوئے پانی کے حکم میں ہوجائے گا (پانی لینا ہو تو حوض سے لے تاکہ پانی کا بہاؤ باقی رہے)

صبح علی الصباح غسل خانہ میں نہانے کے لئے جانا مروت کے خلاف ہے اس لئے کہ اس میں رات کے جماع کا اظہار ہے (اور کوئی شبہ نہیں کہ جس فعل سے علی الاعلان رات کا جماع ظاہر ہو وہ بے شرمی کی بات ہے، آدمی کو ایسی چیز پردہ سے کرنی چاہئے اور اس کا غسل بھی پردہ سے ہو) آنحضرت ﷺ نے زن و شوہر کے تعلقات کے اظہار سے منع فرمایا ہے

فاسقوں اور ذمیوں کے کپڑے پاک ہیں (لہذا ان کپڑوں میں نماز ادا کرنا جائز ہے جب تک اسکے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے، اور تجنیس میں ہے کہ ذمیوں کے پائجامہ میں نماز مکروہ ہے اسلئے کہ وہ استنجاء نہیں کرتے ہیں، دوسرے یہ لوگ عموماً شراب سے نہیں بچتے اہل فارس کے یہاں کا ریشمی کپڑا ناپاک ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ چمک پیدا کرنے کیلئے پیشاب ڈالتے ہیں، لہذا ان کپڑوں کے متعلق یقین ہو کہ اس میں نجاست ڈالی جاتی ہے اسکو ناپاک سمجھنا چاہئے، صرف شبہ کی بناپر ترک ضروری نہیں ہے، لیکن موجودہ دور میں غالباً کپڑے کی بنائی میں کہیں بھی نجاست کا استعمال نہیں ہوتا، دوسری بات یہ بھی یاد رکھی جائے کہ کپڑوں میں اصل حلت ہے۔

ایک شخص دوسرے کے کپڑے میں نجاست دیکھے جو نماز کے لئے مانع تھی، لہذا اگر اس کو ظن غالب ہو کہ اس کے اس کی اطلاع دینے سے وہ اسے دور کرے گا تو اس وقت اس کو اسے خبر کرنا واجب ہے، یہاں واجب بمعنی فرض ہے، اور اگر اس کا گمان غالب نہ ہو تو بتانا فرض نہیں ہے، اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف کا فرض ہونا بھی اسی تفصیل پر ہے، یعنی اگر اسے گمان غالب ہو کہ وہ عمل کرے گا اور میری یہ بات مان لے گا تو بھلی بتادینا فرض ہے ورنہ اگر گمان غالب نہ ہو تو بھلی بات کا حکم دینا فرض نہیں ہے، (ساتھ ہی امر بالمعروف میں یہ بھی شرط ہے کہ اسے خود اپنی ذات پر نقصان کا خوف نہ ہو، ورنہ اسے اختیار ہے کہ چاہے امر بالمعروف کرے یا نہ کرے اور بری بات سے روکنے میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ خود بری بات کا مرتکب نہ ہو اور نہ اس سے بڑھ کر بھی بری بات کا، یوں وجوب فاسق پر بھی ہے اگرچہ اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فائدہ بخش نہیں ہوگا)

ہمارے زمانہ میں جانماز (مصلی) کا لئے رہنا احتیاطاً بہتر ہے، اس واسطے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قبر میں جو پہلے سوال ہوگا وہ طہارت کا ہوگا، اور قیامت میں پہلا سوال نماز کے متعلق ہوگا۔

کِتَابُ الصَّلوٰۃِ

شروع فی المقصود بعد بیان الوسیلة ولم تخل عنهاشریعة مرسل ولما صارت قربة بواسطة الکعبة کانت دون الایمان لا منه بل من فروعه وهی لغة الدعاء فنقلت شرعا الی الافعال المعلومة وهو الظاهر لوجودها بدون الدعاء فی الامی والاخرس وهی فرض عین علی کل مکلف بالاجماع فرضت فی الاسراء لیلة السبت سابع عشر رمضان قبل الهجرة بسنة ونصف وکانت قبله صلوتین قبل طلوع الشمس وقبل غروبها شمنی

نماز کے احکام ومسائل کی تفصیل

ترجمہ ذریعہ اور وسیلہ بیان کرنے کے بعد اب مقصود اصلی کی تفصیل شروع کی جارہی ہے واضح رہے کہ نماز یہاں مقصود اصلی ہے اور طہارت نماز کے لئے وسیلہ کا درجہ رکھتی ہے، لہذا قاعدہ کے اعتبار سے پہلے وسیلہ اور ذریعہ کو بیان کیا، اسکے بعد مقصود اصلی کا بیان شروع کیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ نماز کی بحث روزہ، زکوٰۃ کی بحث سے پہلے آئی ہے، تاکہ اس کی اہمیت واضح ہو کر لوگوں کے سامنے آسکے اسکے علاوہ نماز ایسی عبادت ہے جو ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے اور دن رات کے پانچ وقتوں میں ادا کی جاتی ہے، باقی روزہ زکوۃ، اور حج کہ ان میں روزہ تو بارہ مہینوں میں سے صرف ایک ماہ یعنی رمضان کا فرض ہے اور مسافر شرعی اور مریض کے لئے تاخیر کی رعایت بھی ہے اور زکوۃ ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لئے صاحب نصاب ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی سال گزرنے کے بعد فرض ہوتی ہے یہی حال حج کا ہے کہ صاحب استطاعت اور راستہ کے پرامن ہونے پر فرض ہے اور زندگی میں صرف ایک، بار اصل نماز سے کسی رسول کی شریعت خالی نہیں رہی ہے گو صورت اس کی مختلف رہی ہے، لیکن چونکہ نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے، اور اسی واسطے سے یہ شریعت مطہرہ میں عبادت ہے، اس کا درجہ ایمان کے بعد آتا ہے کیونکہ ایمان میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے، پھر نماز جز ایمان نہیں، بلکہ ایمان کے فروع میں داخل ہے (ماحصل یہ ہے کہ فعل کے اعتبار سے نماز ایمان میں داخل نہیں بلکہ اسکی شاخ ہے البتہ حکم کے لحاظ سے ایمان میں داخل ہے، کیونکہ ایمان میں آنحضرت ﷺ کے ان تمام ارشادات کی تصدیق ضروری ہے جو قطعی ہیں) لغت میں صلوۃ کے معنی دعاء کے آتے ہیں مگر اب شریعت میں یہ لفظ افعال مخصوصہ (رکوع سجدہ وغیرہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور پہلا دعاوالا معنی متروک ہو گیا اور یہی دوسری معنی ظاہر ہے جو بیان کیا گیا، اس لئے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے دعا لازم نہیں ہے، دعا کے بغیر نماز ہو جاتی ہے، جیسے اس جاہل اور گونگے کی نماز درست ہے جو دعا وغیرہ نہیں پڑھتے ہیں

نماز کی فرضیت یہ اجتماعی اور متفق علیہ مسئلہ ہے کہ نماز ہر عاقل، بالغ مسلمان پر فرض عین ہے، یہ نماز سنیچر کی رات ۱۷رمضان المبارک کو ہجرت نبوی سے ڈیڑھ سال پہلے معراج میں فرض ہوئی، معراج سے پہلے

مراد پانچ وقت نمازیں نہیں ایک آفتاب دیکھنے سے پہلے اور دوسری آفتاب ڈوبنے سے پہلے کذا فی الشمنی)

تشریح | ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے پیدا کی اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے، وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون ، میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ سب میری عبادت کریں، اور یہ مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا بہترین طریقہ نماز ہے، کہ انسان اس میں خدا کی حمد وثنا کرتا ہے، اس کے آگے جھکتا ہے اور اپنی پیشانی اس کے حضور میں زمین پر رگڑتا ہے اسی لئے فقہاء نے اسے مقصود اصلی سے تعبیر کیا ہے اور روزہ حج اور زکوٰۃ کی بحث سے پہلے بیان کیا ہے تاکہ اس کی اہمیت کا اظہار ہو، نماز سے پہلے صرف طہارت کا بیان آتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی صحت کا دارومدار پاکی پر ہے کہ بدن پاک ہو کپڑا پاک ہو، جگہ پاک ہو اور پاکی میں وضو، غسل، نجاست دور کرنا سب داخل ہے اس لئے ان سب کی تفصیل پہلے بیان کی جاتی ہے، پھر اس سے فارغ ہو کر نماز کا بیان شروع کیا جاتا ہے، یہاں بھی مصنف نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے

"مکلف" سے مراد عاقل بالغ مسلمان ہے، جو بھی مسلمان عاقل اور بالغ ہے اس پر نماز فرض عین ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت جوان ہو یا بوڑھا، آزاد ہو یا غلام، مقیم ہو یا مسافر، تندرست ہو یا بیمار، پنجوقتہ نماز کی فرضیت جو ہم امت محمد ﷺ پر فرض ہے یہ اسی امت کے ساتھ مخصوص ہے، اس طرح سے پانچ وقت کی نماز دن رات میں کسی اور شریعت میں فرض نہ تھی اسی طرح اذان، تکبیر اور تکبیر تحریمہ کے متعلق بھی کہا جاتا ہے کہ یہ چیزیں اسی امت کی نماز کے لئے مخصوص ہیں

کس پیغمبر نے کونسی نماز سب سے پہلے پڑھی

عینی "شرح ہدایہ میں ہے کہ فجر کی نماز سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت پڑھی جب آپ جنت سے نکل کر باہر آئے اور رات کی تاریکی کے بعد صبح ہوئی، اور ظہر کی نماز سب سے پہلے زوال آفتاب کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پڑھی اور یہ اس وقت پڑھی تھی جب آپ کو اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا اور عصر کی نماز سب سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی جس وقت آپ مچھلی کے پیٹ سے صحیح و سالم نکلے، اور اسطرح جب آپ نے دوبارہ زندگی پائی، اور مغرب کی نماز بطور شکر یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے ادا کی، اور عشاء کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت جب آپ مدین سے نکلے تھے، ہم مسلمانوں پر اب یہ پانچوں نمازیں فرض ہیں، قرآن پاک میں متعدد جگہ اقیموا الصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اسی طرح حدیث میں کھول کر بار بار نماز کا حکم دیا گیا ہے، اور اسکی تاکید کی گئی ہے،

معراج کب ہوئی

معراج کب ہوئی، اس میں بہت کچھ اختلاف ہے مگر مشہور قول یہ ہے کہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے ماہ رجب کی ۲۷ر تاریخ کو ہوئی، ایک قول یہ بھی ہے کہ معراج ماہ رمضان المبارک میں ہوئی، شارح نے دوسرا قول اپنی تحقیق کے مطابق اختیار کیا ہے، یوں بعضوں کا قول یہ بھی ہے کہ معراج ماہ ربیع الاول میں ہوئی اور بعض نے ربیع الثانی میں اور بعض نے شوال میں واقع ہونا بیان کیا ہے مگر امام نووی کا رجحان ۲۷ر رجب کی طرف ہے اور یہی عوام وخواص میں مشہور ہے واللہ اعلم۔

وان وجب ضرب ابن عشر علیها بید لا بخشبة لحدیث مروا اولادکم بالصلوٰۃ وهم

ابناء سبع واضربوھم وھم ابناء عشر قلت والصوم کالصلوۃ علی الصحیح کما فی صوم القھستانی معزیا للزاھدی وفی حظر الاختیار انہ یو مر بالصلوم والصلوۃ وینھی عن شرب الخمر لیالف الخیر ویترك الشر.

بچوں کو نماز کا عادی بنانیکی تاکید

ترجمہ اگرچہ اس دس برس کے بچہ کا مارنا پیٹنا واجب ہے جو نماز کو چھوڑ دے، مگر یہ مارنا پیٹنا صرف ہاتھ سے ارست ہے نہ کہ لکڑی سے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم کرو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور انہیں سزا دو جب وہ دس سال کی عمر سے تجاوز کر جائیں، شارح کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ روزہ کا حکم بھی بچوں کے لئے وہی ہے جو نماز کے باب میں ہے، صحیح قول یہی ہے چنانچہ قہستانی نے کتاب الصوم میں زاہدی کے حوالہ سے اسکو نقل کیا ہے، اور "اختیار" "شرح المختار نامی کتاب کے باب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ بچہ کو نماز روزہ کا حکم کرنا چاہئے اور اسکو شراب پینے سے روکنا چاہئے، تاکہ اسکو نیکی کی عادت پڑے اور برائی سے دور رہے اور بچے۔

تشریح کہنا یہ چاہتے ہیں کہ نماز صرف عاقل بالغ مسلمان پر فرض عین ہے، نابالغ اور مجنوں (پاگل) پر فرض نہیں ہے لیکن بایں ہمہ بچوں کے گارجین اور سرپرست پر واجب ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کو بھی نماز روزہ کی عادت ڈالنے کے لئے انھیں روزہ نماز کی تاکید کریں، صورت یہ ہو کہ جب وہ سات سال کے ہو جائیں یعنی ان کی عمر کا آٹھواں سال شروع ہو جائے تو اس وقت سے ان سے نماز پڑھنے کو کہیں اور جب عمر کے گیارھویں سال میں قدم رکھیں تو اب صرف کہنے ہی پر اکتفانہ کریں، بلکہ معمولی تنبیہ بھی کرتے رہیں، اور وہ اس طرح کہ اگر وہ کہنے کے باوجود نماز چھوڑ دیں تو ان کو ایک سے لیکر تین طمانچے تک ماریں بھی، یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ گیارہ سال کے بچوں پر بھی نماز فرض نہیں ہے، یہ صرف ان کو عادی بنانے کے لئے ہے، اور یہاں وجوب بمعنی ضروری ہے اصطلاحی فرض کے معنی میں نہیں ہے، جس حدیث سے یہ وجوب ثابت کیا گیا ہے وہ یہ ہے **مر واولادکم بالصلوۃ وھم ابناء سبع واضربوھم علیھا اوھم ابناء عشر رفرقوا بینھم فی المضاجع** رواہ ابوداؤد، اور ترمذی میں الفاظ یہ ہیں **علموا الصبی الصادۃ ابن سبع واضربوہ علیھا ابن عشر**، ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

بچوں کے بستر کس عمر میں علیحدہ کئے جائیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بچے دس سال کے ہو جائیں تو ان کا بستر الگ کر دیا جائے، اس عمر کے نہ دو بچے ایک ساتھ سوئیں اور نہ اس عمر کا کوئی بچہ کسی بڑے کے ساتھ سوئے، بلکہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اپنی ماں کے پاس بھی یہ نہ سونے پائیں۔

بچوں کی سزا اور جس طرح دس سالہ بچے کو نماز کے ترک پر مارنا واجب ہے اسی طرح سات سالہ بچہ کو نماز کا حکم دینا بھی واجب ہے، اس عمر کے بچے کو لکڑی، کوڑے وغیرہ سے اس وجہ سے مارنے کی اجازت نہیں ہے کہ

یہ سزا عاقل بالغ کے لئے ہے اور بچہ اس سزا کا محل نہیں ہے پھر طحاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مارنا متوسط درجہ کا ہو، اور تین طمانچے سے زیادہ نہ ہو اور اس طرح نہ مارے کہ خون نکل جائے یا کھال کھل جائے، بچوں کے معلم کو بھی اس سے زیادہ سزا کا حق نہیں دیا گیا ہے احکام الصغار میں حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایاك ان تضرب فوق الثلاث (تین طمانچے سے زیادہ مارنے سے پرہیز کرو اور بچو)

بچوں کی دینی تربیت

اوپر جو حدیث نقل کی گئی ہے اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بچوں کو شروع ہی سے ہر اچھی چیز کا حکم دیا جائے اور ہر بری بات سے روکا جائے احکام الصغار میں صراحت ہے کہ اگر کوئی بچہ بلا وضو نماز پڑھ لے تو اس کو حکم دیا جائے کہ وہ وضو کر کے نماز دھرائے البتہ اگر کوئی بچہ روزہ رکھے اور پھر توڑ دے تو اس سے وہ روزہ دوبارہ زبردستی رکھوایا نہیں جائے گا اس لئے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے، شریعت میں ہر موقع پر اعتدال کو پسند کیا گیا ہے۔

ویکفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي و تاركها عمد امجانة اي تكاسلا فاسق يحبس حتى يصلي لانه يحبس لحق العبد فحق احق قيل يضرب حتى يسيل منه الدم وعند الشافعي يقتل بصلوة واحدة حدا و قيل كفرا.

ترجمہ: منکر اور تارک نماز کا حکم

اور چونکہ نماز دلیل قطعی (کتاب و سنت اور اجماع امت) سے ثابت ہے لہذا اسکا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور جو سستی اور کاہلی کی وجہ سے قصداً نماز ترک کر دے وہ فاسق گنہگار ہے، کافر نہیں اور اس کی سزا یہ ہے کہ اسکو اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک وہ نماز نہ پڑھنے لگے، جب آدمی کسی آدمی کے حق کی وجہ سے قید ہو سکتا ہے تو حق اللہ کے لئے اسکا قید کرنا تو بدرجہ اولی مناسب ہوگا اور بعض علماء نے کہا کہ قصداً نماز کے چھوڑنے والے کو اتنا پیٹا جائے کہ اس کے بدن سے خون بہنے لگے اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ قصداً ایک وقت کی نماز چھوڑنے والا حد میں قتل کر دیا جائے اور امام شافعیؒ کا دوسرا کمزور قول یہ ہے اس کو اس لئے قتل کر دیا جائے کہ وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، (مگر یہ درست نہیں ہے)

تشریح

جو مسلمان نماز کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے، اس لئے کہ اس نے قرآن کے نص قطعی کا انکار کیا، منح الغفار نامی کتاب میں صراحت ہے کہ منکر نماز کا وہی حکم ہے جو ایک مرتد کا ہے، یعنی اگر وہ اسلام پیش ہونے پر دوبارہ قبول نہ کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا اور اس سے کسی طرح کا کوئی تعلق رکھنا مسلمان کے لئے جائز نہ ہوگا، باقی وہ شخص جو نماز کی فرضیت کا تو منکر نہ ہو، مگر قصداً اپنی کاہلی اور بے پرواہی کی وجہ سے نماز چھوڑ تا رہتا ہے وہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اور احناف کے نزدیک اسے قید کی سزا دی جائے گی، اور اس سے زیادہ یہ کہ اس کی ایسی پٹائی کی جائے گی کہ اسکے بدن میں سے خون نکل آئے، البتہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایسا شخص واجب القتل ہے مگر ان میں سے کوئی امام احمدؒ بصرہ کے سوا ایسے شخص کو کافر نہیں کہتا ہے

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو عاقل بالغ مسلمان بلا عذر شرعی فرض نماز تعمداً چھوڑ دے گا اس کا قید کرنا بھی واجب ہوگا

ویحکم باسلام فاعلیها بشروط اربعة ان یصلی فی الوقت مع جماعة موتما متمما وکذا لواذن فی الوقت او سجد للتلاوة اوزکی السائمة صار مسلما لا لو صلی فی غیر الوقت او منفرد او اماما او افسدها او فعل بقیة العبادات لا نها لا تختص بشر یعتنا و نظمها صاحب النهر فقال۔ وکافر فی الوقت صلی باقتدا+ متمما صلوته لا مفسدا و اذن ایضا معلنا اوزکی +سوائما کان سجد تزکی+ فمسلم لا بالصلوة منفرد +ولا الزکزة والصیام والحج زد.

ترجمہ :۔ جن عبادتوں کی وجہ سے ایک کافر مسلمان شمار ہوسکتا ہے

نماز پڑھنے والے میں اگر چار شرطیں پائی جائیں گی تو اس کے مسلمان ہونے کا حکم کیا جائیگا پہلی شرط یہ ہے کہ وقت پر وہ باجماعت امام کے ساتھ پوری نماز ادا کرے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسی طرح نماز کے وقت میں اذان پکارے، تیسری یہ ہے کہ وہ سجدہ تلاوت کرے یعنی جب آیت سجدہ وہ خود پڑھے یا کسی پڑھنے والے سے سنے تو سجدہ تلاوت ادا کرے، اور چوتھی شرط یہ ہے کہ ان جانوروں کی زکوۃ دے جن پر زکوۃ واجب ہے لیکن اگر اس نے نماز غیر وقت میں پڑھی ہے یا تنہا پڑھی ہے، جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی یا خود امام بن کر نماز ادا کی، مقتدی نہیں بنا، یا نماز شروع کر کے فاسد کر ڈالا ہے، یا نماز کے علاوہ کوئی اور عبادت تو کی مگر نماز نہیں پڑھی، تو ان تمام صورتوں میں وہ مسلمان قرار نہیں پائے گا اس لئے کہ نماز کی مذکورہ صورتیں اور نماز کے علاوہ دوسری عبادتیں شریعت محمدی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں،

اسلام کے ساتھ جو عبادتیں مخصوص ہیں انکو صاحب "النہر الفائق" نے نظم کر دیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے، کافر عین وقت میں امام کے پیچھے پوری نماز ادا کرے اس طرح کہ اس کو فاسد نہ کرے یا کھل کر اذان پکارے، یا چرنے والے جانوروں کی زکوۃ دے اور پاک وصاف ہو کر سجدۂ تلاوت ادا کرے تو وہ کافر اپنے ان افعال کی وجہ سے مسلمان قرار پائے گا، البتہ وہ کافر مسلمان قرار نہ پائے گا، جس نے تنہا نماز پڑھی ہے یا چرنے والے چوپاؤں کے علاوہ دوسرے اموال کی زکوۃ دی ہے اور اسی طرح وہ صرف روزہ رکھنے اور ناقص حج کرنے سے بھی مسلمان ثابت نہ ہوگا۔

تشریح بعض عبادتیں اور شعائر وہ ہیں جو پہلی امتوں میں بھی تھیں اور اس امت میں بھی ہیں، اور بعض شعائر اور عبادتیں ایسی ہیں جو صرف اس امت کے ساتھ مخصوص ہیں یا اسی طرح بعض عبادتوں کے مخصوص طریقے اس امت کے لئے خاص ہیں، کافروں کو جو عبادتیں نمایاں طور پر مسلمان ظاہر کر سکتی ہیں وہ صرف ایسی ہی عبادتیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کی امت کے ساتھ مخصوص ہیں، چنانچہ انہی مخصوص عبادتوں اور شعائر کے اختیار کرنے سے کوئی کافر مسلمان شمار ہوگا، اور وہ مخصوص عبادت یہ ہے وقت پر باجماعت امام کے پیچھے پوری نماز ادا کرنا، وقت پر اذان پکارنا، سجدہ تلاوت کرنا اور ان جانوروں کی زکوۃ ادا کرنا، جو سال کے اکثر حصے چرنے پر گزارتے ہیں، باقی تنہا نماز پڑھنا یا روزہ رکھنا یہ سب اس امت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پہلی امت میں بھی عبادت کا یہ طریقہ رائج تھا، اس لئے اس طرح کے افعال سے کوئی

کافر مسلمان قرار نہیں پائے گا

وهی عبادة بدنية مخصة فلا نيابة فيها اصلا ای لابالنفس كما صحت فی الحج ولا بالمال كما صحت فی الصوم بالفدية للفانی لانها انما تجوز باذن الشرع ولم يوجد سببها ترادف النعم ثم الخطاب ثم الوقت ای الجزء الاول منه ان اتصل به الاداء والا فما ای جزء من الوقت يتصل به الاداء والايتصل الاداء بجزء فالسبب هو الجزاء الاخير ولو ناقصا حتی تجب علی مجنون و مغمی عليه افاقا و حائض ونفساء طهرتا وصبی بلغ ومرتدا سلم وان صليا فی اول الوقت وبعد خروجه يضاف السبب الی جملته ليثبت الواجب بصفة الكمال وانه الاصل حتی يلزمهم القضاء فی كامل هو الصحيح.

ترجمہ:۔ نماز میں نیابت نہیں

اور نماز یہ خالص بدنی عبادت ہے، یہ جان و مال سے مرکب نہیں ہے، لہذا اس میں کسی طرح کی نیابت درست نہیں ہے نہ جانی نیابت درست ہے جس طرح کہ حج میں درست ہے کہ ایک کے بدلہ میں دوسرا کر سکتا ہے، نماز میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص دوسرے کی طرف سے ادا کردے، اور نہ نماز میں مالی ہی نیابت جائز ہے، جیسا کہ روزہ میں جائز ہے شیخ فانی جو روزہ کی طاقت نہیں رکھتا ہے وہ فدیہ ادا کر کے بری ہو جاتا ہے نماز میں یہ صورت جائز نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نیابت اور فدیہ شریعت میں صرف شارع کی اجازت سے جائز ہوتا ہے، نماز میں شارع کی طرف سے فدیہ یا نیابت کی کوئی اجازت موجود نہیں ہے، کہ کوئی فدیہ ادا کر کے یا دوسرے کو قائم مقام بنا کر نماز سے بری الذمہ ہو جائے۔

نماز کی فرضیت کا سبب

نماز کے فرض ہونے کا سبب نعمت خداوندی کا مسلسل پایا جانا پھر اس کے ساتھ اللہ تعالی کا بندے کو نماز کے لئے خطاب کرنا اور اس کے اوقات کا پایا جانا ہے، وقت کے سبب ظاہری ہونے کا منشا یہ ہے کہ اس وقت کا پہلا حصہ نماز کی ادائیگی کا سبب بن جاتا ہے، اگر کوئی نماز اس حصہ میں ادا کرے، اور اگر پہلے حصہ میں کوئی نماز ادا نہ کرے تو پھر وقت کے جس حصہ میں نماز ادا کرے گا وہی حصہ اس کا سبب قرار پائیگا اور اگر وقت کے کسی حصہ میں نماز کی ادائیگی نہیں پائی گئی تو پھر وقت کا اخیر حصہ سبب قرار پائیگا، گو یہ اخیر حصہ ناقص ہی کیوں نہ ہو، جس طرح عصر کے وقت میں آفتاب کا زرد ہو جانا، کہ یہ ناقص وقت ہے لیکن اگر کوئی اس وقت میں بھی نماز پڑھ لیگا تو ادا ہو جائے گی، لہذا کوئی پاگل یا غشی والا اخیر وقت میں افاقہ پائے، یا نفاس و حیض والی عورت اس اخیر وقت میں پاک ہو جائے، یا کوئی بچہ بالغ ہو جائے، یا کوئی مرتد مسلمان ہو جائے، تو ان سب پر نماز فرض ہو گئی اور اسکا ادا کرنا واجب ہو گا اگرچہ بچہ اور مرتد اول وقت میں نماز پڑھ چکے ہوں اور وقت کے نکل جانیکے بعد سبب کی نسبت پورے وقت کی طرف ہوا کرتی ہے تا کہ واجب صفت کمال کے ساتھ ثابت ہو اور شبہ نہیں کہ وجوب کا صفت کمال کے ساتھ ثابت ہونا ہی اصل شئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مجنون وغیرہ کو کامل وقت میں ہی قضا نماز کی ادائیگی لازم ہے صحیح مذہب یہی ہے لہذا ناقص وقت میں وہ قضاء نماز ادا نہیں کرے گا۔

تشریح

نماز اسی طرح بدنی عبادت جس طرح روزہ محض بدنی عبادت ہے اور زکوۃ محض مالی عبادت ہے باقی رہا حج تو یہ

بدنی عبادت بھی ہے اور مالی بھی ہے، کیونکہ حج میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور مشقت بھی جھیلنا پڑتی ہے، نماز اور روزہ میں صرف جسمانی اذیت ہے، مال خرچ نہیں کرنا ہوتا، اور زکوۃ میں صرف مال خرچ کرنا پڑتا ہے مشقت نہیں اٹھانا پڑتی۔

نماز چونکہ خالص بدنی عبادت ہے، اس لئے اس میں نیابت سرے سے جائز نہیں ہے کہ کسی کے بدلہ کوئی نماز ادا کردے، یا کوئی نماز کے بجائے فدیہ دیدے، اور نماز نہ پڑھے، حج میں البتہ گنجائش ہے کہ کوئی کسی کے بدلہ حج بدل کردے، بلکہ روزہ میں بھی اس شیخ فانی کو فدیہ کی اجازت ہے جس کی طاقت عمر کی وجہ سے اس طرح جاتی رہی ہو کہ اب پھر اس کے پلٹنے کی کوئی توقع باقی نہ رہ گئی ہو۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں یہ اعتراض ہو رہا تھا کہ جب روزہ بھی عبادت بدنی ہے اور نماز بھی، تو آخر کیا وجہ ہے کہ روزہ میں فدیہ درست ہے اور نماز میں درست نہیں مصنف نے اسکا جواب دیا **لانها انما تجوز باذن الشارع ولم یوجد** کہ روزہ میں بھی فدیہ گو خلاف قیاس ہے مگر اس وجہ سے جائز ہے کہ شریعت میں اسکی اجازت کھلے طور پر موجود ہے، لیکن اس مسئلہ میں نماز کو روزہ پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ وہاں خود فدیہ خلاف قیاس ہے اور ایسی خلاف چیز پر قیاس جائز نہیں ہوتا ہے رہا حکم سو نماز میں اسکی کہیں صراحت نہیں ہے، کہ کوئی شیخ فانی فدیہ دیکر نماز سے بچ سکتا ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ نماز کا سبب کیا ہے؟ اس میں تین چیز کا نام لیا (۱) انعام خداوندی کا مسلسل پایا جانا (۲) اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کو خطاب کرنا جیسے **اقیموا الصلوة** اور **ان الصلوة علی المومنین کتابا موقوتا** (۳) اور نماز کے وقت کا پایا جانا گویا سبب حقیقی رب العزت کی نعمتوں کا بندہ پر پایا جانا اور پھر ادائیگی نماز کا قرآن وحدیث میں حکم دینا ہے اور ظاہری سبب وقت ہے جو علامت کے درجہ میں ہے۔

نماز کے وقت میں سے کچھ حصہ پانے کا کیا حکم ہے

اگر کوئی پاگل کسی نماز کے اخیر وقت میں اچھا ہو گیا اور اسکو اتنا وقت ملا کہ وہ اس میں تکبیر تحریمہ کہہ سکتا تھا تو اس وقت کی نماز کی قضا اس پر لازم ہوگی، اسی طرح کوئی بے ہوش ہوش میں آگیا، یا کوئی نابالغ اخیر وقت میں بالغ ہو گیا، یا حائضہ عورت پاک ہو گئی، یا کافر مسلمان ہو گیا اور اس نے اتنا وقت پایا کہ تکبیر تحریمہ کہی جاسکتی تھی، تو اس وقت کی نماز انکے ذمہ ضروری ہوگی اور اسے وہ ادا کرے گا۔

مرتد کی نماز کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ظہر کے اول وقت میں وہ مسلمان تھا چنانچہ اس نے ظہر کی نماز ادا کی، پھر وہ اسی ظہر کے وقت میں بعد نماز مرتد ہو گیا یعنی دین اسلام سے پھر گیا اور کافر ہو گیا، پھر اسی ظہر کے اخیر وقت میں توفیق ہوئی اور مسلمان ہو گیا ابھی اتنا وقت باقی تھا کہ وہ تکبیر تحریمہ کہہ سکتا تھا تو اسکی پہلی ادا کی ہوئی نماز ظہر ارتداد کی وجہ سے باطل ہو گئی اور اخیر وقت میں اسلام کے وجہ سے پھر وہ نماز اس کے ذمہ لازم ہو جائے گی۔

وقت صلوة الفجر قدمه لانه لا خلاف فی طرفیه و اول من صلاه ادم واول الخمس وجوبا وقدم محمد الظهر لانه اولها ظهور او بیاناولا یخفی توقف وجوب الاداء علی العلم بالكفیة فلذا لم یقض نبیتا ﷺ الفجر صبیحة لیلة الاسراء.

ترجمہ:۔ نمازوں کے اوقات

اب یہاں سے ہر نماز کا وقت بتایا جارہا ہے، کہ کس نماز کا وقت کب سے کب تک ہے، سب سے پہلے فجر کی نماز کا وقت بتایا، شارح نے کہا کہ سب سے پہلے فجر کا وقت اس لئے بتایا گیا ہے کہ اس نماز کے اول و آخر وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بخلاف اور نمازوں کے وقتوں کے کہ ان میں اختلاف ہے، دوسری وجہ مقدم کرنیکی یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے فجر کی نماز پڑھی تھی، تیسری وجہ ہے کہ پنجوقتہ نمازوں میں سے سب سے پہلے جو نماز آنحضرت ﷺ کے ذریعہ بطور ادائیگی فرض ہوئی ہے وہ نماز فجر ہے کیونکہ نمازیں شب معراج میں فرض ہوئی ہیں، اور رات کے بعد صبح میں پہلی جس نماز کا وقت آیا وہ نماز فجر تھی۔

امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اوقات کے بیان میں سب سے پہلے ظہر کی نماز کا وقت ذکر کیا ہے اور ایسا انہوں نے اس وجہ سے کیا ہے کہ اولاً حضرت جبریل علیہ السلام نے ظہر کی نماز کی امامت کی تھی، جیسا کہ مشہور تر روایت میں ہے، اب ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ جب نمازیں پنجگانہ شبِ معراج میں فرض ہوئیں اور اول وقت فجر کا آیا تو (قاعدہ میں) آنحضرت ﷺ پر اس نماز کی ادائیگی ضروری تھی پھر آپ نے ادا کیوں نہیں کی؟ کیونکہ اس مشہور روایت سے جسکو امام محمدؒ نے قبول کیا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی نماز شبِ معراج کے بعد ظہر کی ادا کی گئی۔ اس روایت کی بنیاد پر جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ادائیگی کا وجوب اس وقت لازم ہوتا ہے جب ادائیگی کا طریقہ بھی معلوم ہو اسوقت تک چونکہ آپکو نماز کے ادا کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج کی صبح میں نماز ادا نہیں کی۔

تشریح

حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ پر شب معراج میں اولاً پچاس وقت کی نمازیں فرض ہوئیں، پھر آنحضرت ﷺ کی اس درخواست پر کہ اتنی نمازیں میری امت پر شاق ہونگی گھٹ کر پچاس سے پانچ وقت کی رہ گئیں لیکن ندا آئی کہ یہاں بات بدلتی نہیں ہے، لہذا آپ کو پانچ وقت کی ادائیگی پر بھی ثواب پچاس وقت کا ہی ملے گا، اس روایت کو عینی نے اپنی شرح میں نسائی، ترمذی اور مسند احمد کے حوالہ سے نقل کیا ہے

نماز فجر کی ایک روایت

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب جنت سے اتارے گئے تو رات کے وقت آپ پر خوف طاری ہوا، اس لئے کہ آپ نے رات کا یہ سماں کبھی دیکھا نہیں تھا چنانچہ جب فجر طلوع ہوئی اور تاریکی دور ہوئی تو آپ نے اس شکرانے میں دو رکعت نماز ادا کی، کذا فی العنایہ

سوئے ہوئے آدمی کو نماز کے لئے کب جگانا ضروری ہے

شامی نے یہاں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ سوئے ہوئے شخص کا نماز کے لئے جگانا کب واجب ہوتا ہے اول وقت میں یا اخیر وقت میں، وہ شرح اشباہ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ جب وقت تنگ ہونے لگے اس وقت بیدار کرنا واجب ہے، اول وقت میں واجب نہیں، لیکن احتیاط اور مستحب یہ ہے کہ جماعت سے پہلے بیدار کر دیا جائے تاکہ جماعت سے وہ محروم نہ رہے

ثم هل كان قبل البعثة متعبدا بشرع احد المختار عندنا لا بل كان يعمل مما ظهر له من الكشف الصادق من شريعة ابراهيم وغيره وصح تعبده في حراء بحر

ترجمہ :ـ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

پھر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی سرفرازی سے پہلے کسی نبی کی شریعت پر عبادت کرتے تھے یا نہیں اسکا پسندیدہ جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ آپ بعثت سے پہلے کسی مخصوص شریعت پر عمل نہیں فرماتے تھے بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کی شریعت سے کشف صادق سے جو واضح ہوتا تھا اس پر عمل فرماتے تھے، باقی یہ درست ہے کہ آپ غار حرامیں عبادت کیا کرتے تھے۔

تشریح

حدیث اور تاریخ دونوں سے ثابت ہے کہ نبوت ملنے سے پہلے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق خدا سے کنارہ کش ہو کر غار حرامیں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن وہاں رہ کر عبادت الٰہی اور غور وفکر میں مشغول رہتے تھے، حراء ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے تین میل کی دوری پر واقع ہے، باقی یہ تو مشہور ہی ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا لیکن باضابطہ نبوت کا تاج آپکے سر مبارک پر چالیس سال کی عمر میں ڈالا گیا، اور پھر آپ نے توحید ورسالت کا پیغام خدا کی مخلوق تک پہونچایا، غار حرامیں آپ کی عبادت کا کیا طریقہ تھا؟ علماء کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں تھا بلکہ اس طرح عوام سے کٹ کر رجوع الی اللہ کی کیفیت آپ اپنے لئے پسند فرماتے تھے، اور یہ سوچتے تھے کہ خدا کی مخلوق خدا کے سامنے کس طرح سربجود ہو گی، اور بعضوں نے لکھاہے کہ خدا کی یاد میں مشغول ہوتے تھے

من اول طلوع الفجر الثانی وهو البياض المنتشر المستطير لا المستطيل الی قبيل طلوع ذکاء بالضم غير منصرف اسم الشمس ووقت الظهر من زواله ای ميل ذکاء عن کبد السماء الی بلوغ الظل مثليه وعنه مثله وهو قولهما وزفر والائمة الثلثة قال الامام الطحاوی وبه ناخذ وفی غرر الاذکار وهو الماخوذ به وفی البرهان وهو الاظهر لبيان جبرئيل وهو نص فی الباب وفی الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتی سوی فی يکون للاشياء قبيل الزوال ويختلف باختلاف الزمان والمکان .

ترجمہ :ـ نماز فجر وظہر کے اوقات

نماز فجر کا وقت فجر ثانی (طلوع صبح صادق) سے آفتاب کے نکلنے کے تھوڑا پہلے تک ہے، فجر ثانی سے مراد وہ سفیدی ہے جو آسمان کے کنارے عرض (چوڑائی) میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے، وہ سفیدی مراد نہیں ہے جو لمبائی میں پھیلی ہوئی ہے، لفظ ذکاء ذال کے ساتھ آیا ہے اور یہ لفظ غیر منصرف ہے اور ذکاء آفتاب کا نام ہے، اور ظہر کی نماز کا وقت آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے لیکر سایہ کے دو مثل پہونچ جانے تک ہے آفتاب ڈھلنے سے مراد ہے آسمان کے وسط سے نیچے کی طرف اس کا جھکنا، اور ایک روایت امام اعظمؒ سے یہ ہے کہ نماز ظہر کا وقت آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے لیکر اس وقت تک ہے، جب تک ہر چیز کا سایہ اسکے ایک مثل ہو جائے اور صاحبینؒ کا قول یہی ہے، اور یہی امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ یعنی امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ کا ہے، اور امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ہم اسی دوسرے ایک مثل والے قول کو اختیار کرتے ہیں اور ''غرر الاذکار'' میں ہے کہ اسی

ل کو پسند کیا گیا ہے اور اسی پر عمل کیا گیا ہے اور "برہان نامی کتاب میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بیان سے
ریب تر بظاہر یہی دوسرا قول معلوم ہوتا ہے، اوقات کے بیان میں حضرت جبرئیل امین کا بیان نص صریح کا درجہ رکھتا ہے
ر فیض نامی کتاب میں ہے کہ آجکل اسی قول پر لوگوں کا عمل ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے، لیکن اس میں وہ سایہ داخل نہیں
ہے جو آفتاب ڈھلنے سے ذرا پہلے ہر چیز کا ہوتا ہے، جسے فئی الزوال کہتے ہیں اور یہ سایہ (فئی الزوال) وقت اور جگہ کے اعتبار
سے مختلف ہوتا ہے

تشریح صبح دو ہوتی ہے ایک صبح کاذب اور دوسری صبح صادق صبح کاذب رات میں داخل ہے اور اس وقت عشاء کی نماز جائز ہے اور روزہ رکھنے والا اس وقت میں سحری کھا سکتا ہے، صبح کاذب میں فجر کی نماز جائز نہیں ہے، نماز فجر کا وقت صبح صادق کے طلوع کے بعد شروع ہوتا ہے اسکے طلوع ہوتے ہی رات ختم ہو جاتی ہے اور اس میں عشاء کی نماز یا سحری درست نہیں رہتی، صبح صادق طلوع آفتاب کی علامت ہے۔

اوقات نماز والی روایت اوقات نماز کی بنیاد حضرت جبرئیل کی امامت والی حدیث پر ہے اس حدیث کے راوی بہت سے صحابہ کرامؓ ہیں، ان راویوں میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو ہریرۃؓ، ابو سعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابو موسیؓ، اشعریؓ، جابرؓ، اور براء بن عازبؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام ہیں، وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امامت حضرت جبرئیل نے بیت اللہ کے نزدیک دوبار کی پہلی دفعہ ظہر کی نماز اس وقت ادا کی جب اصلی سایہ نعلین کے بند کے مانند تھا اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو چکا تھا، پھر مغرب کی نماز پڑھی اور یہ اس وقت جب آفتاب ڈوب چکا تھا، اور روزہ کے افطار کا وقت آچکا تھا پھر جب شفق ختم ہوا تو عشاء کی نماز پڑھی اور رات گذر جانے اور صبح طلوع ہونے کے بعد فجر کی نماز پڑھی، اور یہی وہ وقت تھا کہ روزہ دار کے لئے اس وقت سے کھانا پینا حرام ہو چکا تھا، دوسری مرتبہ حضرت جبرئیل نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا گویا پہلے دن جس وقت عصر پڑھی تھی، اور جب ہر چیز کا سایہ اسکے دو مثل ہو چکا تو آپ نے عصر کی نماز پڑھی اور مغرب کی نماز اسی وقت ادا کی جس وقت پہلے دن ادا کی تھی یعنی آفتاب کے ڈوب جانے کے بعد، اور عشاء کی نماز تہائی رات گذر جانے کے بعد پڑھی، اور پوری رات ختم ہو جانے اور طلوع فجر کے بعد فجر کی نماز ایسے وقت میں پڑھی جب زمین روشن ہو گئی، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے محمد ﷺ آپ سے پہلے انبیاء کا یہ وقت ہے اور ان دونوں دنوں کے درمیان جو اوقات نماز آئے ہیں وہی نماز کے اوقات ہیں۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے اپنی مستدرک میں اور ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے دیکھئے شرح ہدایہ للعینی

ظہر کے سلسلہ میں محتاط قول ظہر کے شروع وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ اسکے اخیر وقت میں ائمہ کا اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اصلی سایہ کو چھوڑ کر جب ہر چیز کا سایہ اس کے دوگنا ہو جائے اس وقت تک ظہر کا وقت رہتا ہے، علماء احناف نے اسی قول کو صحیح تر ظاہر الروایۃ، مختار، قابل اعتماد اور لائق ترجیح قرار دیا ہے اور جیسا کہ بیان ہوا امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک

صرف ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے، اور محتاط علماء نے فرمایا ہے کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول تک پڑھلی جائے اور عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھی جائے تاکہ اختلاف سے بچا جاسکے، اور دونوں نمازیں متفقہ اوقات میں ادا ہوں۔

اصلی سایہ فیٔ (اصلی سایہ) وہ سایہ ہے جو دوپہر میں آفتاب ڈھلنے سے پہلے ہر چیز کا ہوتا ہے یہ اصلی سایہ مثل اور مثلین کے حساب میں داخل نہیں ہوتا ہے، یہ سایہ اصلی مواضع اور موسم کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے

ولو لم یجد ما یغرز اعتبر بقامتہ وھی ستۃ اقدام ونصف بقدمہ من طرف ابہامہ

اصلی سایہ معلوم کرنیکا طریقہ اگر نمازی کوئی ایسی چیز نہ پائے جس کو گاڑ کر وہ سایہ کا اندازہ لگا سکے تو اس مجبوری کے وقت میں اپنے قد کا اعتبار کرے ہر آدمی کا قد اس کے انگوٹھے کے کنارے سے سر تک اس کے قدم سے ساڑھے چھ قدم کا ہوتا ہے

تشریح سایہ اصلی معلوم کرنیکا طریقہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ایک سیدھی لکڑی چاشت کے وقت برابر زمین میں گاڑ دی جائے، اور اس وقت جو سایہ ہو اس کے کنارے نشان لگا دیا جائے، سایہ گھٹتے گھٹتے ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کا گھٹنا رک جائے گا اور پھر وہ بڑھنا شروع ہوگا، جب کم ہونا رک جائے اور پھر وہ وہاں سے بڑھنا شروع ہو تو وہ سمجھ لے کہ جہاں سے گھٹنا رک گیا ہے وہ اصلی سایہ ہے اس پر نشان لگا دے اور جونہی اس سے بڑھنا شروع ہو سمجھ لے کہ آفتاب ڈھلنا شروع ہو گیا، اب یہ یاد رکھئے کہ مثل اور دو مثل کو ناپتے وقت یہ اصلی سایہ ناپا نہیں جائیگا۔

لیکن اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں لکڑی میسر نہ ہو تو وہاں اپنے قد کے ذریعہ اندازہ لگائے، کہ کتنا وقت گذرا یوں سایہ معلوم کرنے کے فقہاء نے اور بھی طریقے لکھے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے شامی وغیرہ، اور اچھا یہ ہے کہ عوام اس سلسلہ میں علماء سے مدد لیں

ووقت العصر منہ الی قبیل الغروب فلو غربت ثم عادت ھل یعود الوقت الظاھر نعم وھی الوسطی علی المذھب ووقت المغرب منہ الی غروب الشفق وھو الحمرۃ عندھما وبہ قالت الثلثۃ والیہ رجع الامام کما فی شروح المجمع وغیرھا فکان ھو المذھب

ترجمہ:۔ وقت عصر اور عصر کی نماز کا وقت ہر چیز کے سائے کے دوگنے ہو جانے کے بعد سے لیکر سورج کے ڈوبنے سے ذرا پہلے تک ہے لہذا اگر آفتاب غروب ہو کر پھر پلٹ آئے تو کیا وہ عصر کا وقت دوبارہ قرار پائیگا؟ جواب یہ ہے کہ ہاں وقت عصر لوٹ کر آئے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے صحیح مذہب کی بنیاد پر "صلوٰۃ وسطیٰ" عصر ہی کی نماز ہے اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے لیکر شفق کے ڈوبتے وقت ہے، اور شفق صاحبینؒ کے نزدیک اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہو جانے کے بعد مغرب کی طرف رہتی ہے اور شفق کی یہی مراد بقیہ تین اماموں امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ہے اور شفق کے اسی معنی کی طرف امام اعظم ابو حنیفہؒ نے رجوع کیا ہے، جیسا مجمع وغیرہ کی شرحوں میں اس کی صراحت موجود ہے لہذا شفق کی یہی تعریف صحیح مذہب قرار پائے گی، جو اوپر بیان ہوئی۔

عصر کے وقت کے سلسلہ میں غروب آفتاب سے ذرا پہلے تک جو کہا گیا ہے اسی کو طحطاوی نے معتمد قول قرار دیا ہے اور

اس کے مقابلہ میں ضعیف قول یہ ہے کہ عصر کا وقت آفتاب کے زرد ہونے تک رہتا ہے۔

تشریح عصر کے وقت میں جو یہ کہا گیا کہ آفتاب ڈوب کر پھر نکل آئے تو کیا حکم ہے، یعنی عصر کا وقت باقی رہے گا یا نہیں، اس کی بنیاد اصل میں یہ واقعہ ہے جسے امام طحاویؒ، طبرانیؒ اور قاضی عیاضؒ نے بیان کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت علی مرتضیٰ کی گود میں سوگئے، جب آپ بیدار ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی ہے، حضرت علیؓ اس خیال سے کہ میری حرکت سے سرور عالم ﷺ کی آنکھیں کھل جائیں گی بیٹھے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے دعاء فرمائی کہ رب العلمین! علیؓ آپ کی اور آپکے رسول کی اطاعت میں تھے، آپ آفتاب کو واپس فرمادیں (تا کہ یہ نماز عصر ادا کرلیں) چنانچہ آفتاب پھر نکل آیا اور حضرت علیؓ نے نماز پڑھی، یہ واقعہ خیبر میں پیش آیا تھا ابن الجوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے مگر ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے حافظوا علی الصلوات والصلواۃ الوسطی اس صلوۃ وسطی سے کون نماز مراد ہے اس باب میں ۲۳ قول ہیں ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صلوۃ وسطی سے عصر کی نماز مراد ہے

شفق امام اعظمؒ کے نزدیک شفق کی ایک تعریف وہ ہے جو اوپر متن میں نقل ہوئی دوسری تعریف امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ شفق وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد رفق میں ظاہر ہوتی ہے، حضرت صدیق اکبرؓ، انسؓ، معاذؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے، محقق ابن الہمامؒ نے بحث کر کے ثابت کیا ہے شفق کی وہی مراد زیادہ صحیح ہے جو امام اعظمؒ سے مروی ہے اور قاعدہ میں اسی قول پر فتوی دینا چاہئے، اور یہی قول احتیاط کے مطابق ہے تفصیل کے لئے دیکھئے طحطاوی۔

ووقت العشاء والوتر منه الى الصبح ولكن لايصح ان يقدم عليها الوتر الا ناسيا لوجوب الترتيب لانهما فرضان عند الامام وفاقد وقتهما كبلغا رفان فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في اربعينة الشتاء مكلف بهما فيقدر لهما ولا ينوى القضاء لفقد وقت الاداء به افتى البرهان الكبير واختاره الكمال وتبعه ابن الشحنة في الغازه فصححه فزعم المصنف انه المذهب وقيل لا يكلف بهما لعدم سببهما وبه جزم في الكنز والدررو الملتقى عنه افتى البقالى ووافقه الحلوانى والمرغينانى ورجحه الشرنبلالى والحلبى واوسعا المقال ومنعا ما ذكره الكمال قلت ولا يساعده حديث الدجال لانه وان وجب اكثر من ثلثمائة ظهر مثلا قبل الزوال ليس كمسئلتنا لان المفقود فيه العلامة لا الزمان واما فيها فقد الامران

ترجمہ:۔ عشاء اور وتر کا وقت عشاء اور وتر کا وقت شفق کے غروب ہونیکے بعد سے لیکر صبح صادق کے طلوع ہونے کے پہلے تک ہے، لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ عشاء کی نماز سے پہلے وتر کی نماز پڑھی جائے، ہاں اگر کوئی بھول سے ایسا کرلے تو الگ بات ہے، اس وجہ سے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک عشاء اور

وتر (عملی) فرضیت میں دونوں برابر ہیں اور ان دونوں میں ترتیب واجب ہے (لیکن نماز عشاء فرض قطعی ہے اور نماز وتر فرض عملی ہے) اور جو لوگ ان دونوں نمازوں کا وقت نہ پائیں وہ بھی ان کے مکلف ہیں جیسے بلغار کے رہنے والے کہ وہاں موسم سرما کے چلّے میں شفق غائب ہونے کے پہلے ہی فجر طلوع ہو جاتی ہے (اور عشاء و وتر کا وقت نہیں آتا) لیکن بایں ہمہ ان لوگوں کو عشاء و وتر کا پڑھنا فرض ہے (جو وہاں رہتے ہوں) وہ وقت کا اندازہ کر کے یہ دونوں نمازیں پڑھیں گے ادائیگی کے وقت نہ ہونے کی وجہ سے قضا کی نیت نہیں کی جائے گی، برہان الدین کبیر نے یہی فتوی دیا ہے، صاحب فتح القدیر ابن الہمام نے یہاں عشاء و وتر کی فرضیت کو اختیار کیا ہے اور ابن الشحنہ شارح وھبانی نے اپنی چیستاں میں ان کی ہی پیروی کی ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے چنانچہ مصنف متن نے اسی قول کو صحیح مذہب کہا ہے۔

جہاں عشاء کا وقت نہ آئے

اور بعض علماء نے کہا کہ جو لوگ ان دونوں نمازوں کا وقت نہیں پائیں گے وہاں کی ادائیگی کے مکلف قرار نہیں پائیں گے، کیونکہ ان دونوں کی فرضیت کا سبب پایا نہیں گیا، اور وہ سبب وقت ہے اور اس عدم وجوب کا متن کی تین مشہور کتابوں میں تعین کیا گیا ہے کنزالدقائق میں اور مں اور ملتقی الابحر میں اور اسی قول پر علامہ بقالی نے فتوی دیا ہے اور حلوانی اور مرغینانی نے اس باب میں انہی لوگوں کی موافقت کی ہے اور اسی عدم وجوب عشاء و وتر کو ایسی جگہوں میں شرنبلالی اور حلبی نے ترجیح دیا ہے اور ان دونوں نے اس مسئلہ میں بہت کچھ گفتگو کی ہے اور کمال الدین ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر نے اس بارے میں جو کچھ ذکر کیا ہے اسے انہوں نے تسلیم نہیں کیا

تشریح

اس میں شبہ نہیں کہ عشاء اور وتر کا وقت ایک ہی ہے مگر ان میں باہم ترتیب یہ ہے کہ عشاء پہلے ہے اور وتر بعد میں۔ اور صاحبین وتر کو عشاء کے تابع قرار دیتے ہیں اس لئے پہلے عشاء کی نماز پڑھی جائیگی پھر وتر کی، بھول اور نسیان میں البتہ ترتیب واجب نہیں رہتی، لہذا کوئی بھول سے اگر وتر کو مقدم کردے اور عشاء کو موخر تو بھی نماز درست ہوگی البتہ قصداً ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

دوسری بحث اس میں ہے کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں عشاء کا وقت آئے ہی نہیں، بلکہ مغرب کے فوراً بعد فجر آجائے تو سوال یہ ہے کہ ایسی جگہوں میں عشاء اور وتر کی نماز کا حکم ہے یعنی ان کا پڑھنا ذمہ میں لازم ہوگا یا نہیں، اس مسئلہ میں فقہاء کی دو جماعت ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ خواہ وقت آئے یا نہیں آئے ہر حال میں یہ نماز ادا کی جائیگی، اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی ہے لہذا پانچوں نماز کا ترک کرنا درست نہ ہوگا، زیادہ سے زیادہ جو بات پیش آئے گی وہ یہ کہ وقت کے لئے اندازہ کرنا ہوگا، یعنی مغرب کے جتنی دیر بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے، اتنے فاصلہ سے عشاء کی نماز بلاوقت بھی پڑھ لیگا، دوسری جماعت کا فتوی ہے کہ عشاء کی نماز کا جب وقت ہی نہیں آیا تو یہ نماز ذمہ میں فرض نہیں ہوگی کیونکہ وجوب کا سبب وقت ہے اور وہ پایا نہیں گیا، مگر یہ دوسرا قول کمزور ہے، اسی وجہ سے اسے قیل کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، نماز کے وجوب کا سبب صرف وقت ہی نہیں ہے بلکہ دراصل حکم خداوندی اقیموا الصلوۃ ہے اور وہ حدیثیں ہیں جن میں پنجوقتہ نماز کی صراحت موجود ہے، اس لئے صرف وقت کا نہ پایا جانا یہ عدم وجوب کی دلیل نہیں بن سکتی، وقت تو دراصل علامت ہے، اور علامت کبھی باقی پائی جاتی ہے، کبھی پائی نہیں جاتی،

پہلی جماعت میں محقق ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر، برہان الدین الکبیرؒ اور ابن الشحنہؒ جیسے فقیہ لوگ ہیں اور دوسری

جماعت میں علامہ نسفیؒ، علامہ ابراہیم حلبیؒ حلوائی اور مرغیانی جیسے اہل علم

اس سلسلے کی تفصیل

واقعہ ہے نقل کیا گیا ہے کہ برہان الائمہ کے دور میں ایک استفتاء آیا کہ ہم لوگ اپنے شہر میں عشاء کا وقت نہیں پاتے ہیں تو اس صورت میں ہم پر عشاء کی نماز فرض ہے یا نہیں انہوں نے اس کے جواب میں لکھا سولہ صورت نسؤ کہ میں تم لوگوں پر عشا کی نماز فرض نہیں ہے ظہیر الدین مرغیانی نے بھی اس سوال کا یہی جواب دیا ٹھیک یہی سوال بلغار سے متعلق شمس الائمہ حلوائی کی خدمت میں بھی آیا، انہوں نے پہلے جواب کے برعکس جواب دیا کہ عشاء کی نماز تم پر واجب ہے، پھر یہی سوال خوارزم میں بقالیؒ سے ہوا انہوں نے لکھا کہ تم لوگوں پر عشا کی نماز واجب نہیں ہے، جب حلوائی کو اس جواب کی خبر ملی تو انہوں نے بقالیؒ کی خدمت میں ایک شخص بھیجا اور اسے تاکید کردی کہ تم وہاں پہونچکر مجمع عام میں ان سے سوال کرنا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو پانچ فرضوں میں سے ایک کا انکار کردے وہ مسلمان باقی رہے گا یا کافر ہو جائیگا؟ چنانچہ اس شخص نے جا کر ایسا ہی کیا، بقالی یہ سوال سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے، چنانچہ بقالی نے پلٹ کر پوچھا کہ تم اس شخص کے متعلق کیا کہو گے جسکے دونوں ہاتھ کہینیوں سمیت کٹے ہوئے ہوں یا جسکے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹے ہوں، ان کے لئے وضو میں کتنے فرض ہیں سوال کرنے والے نے جواب میں کہا کہ صرف تین فرض اس کے ذمہ ہوں گے، کیونکہ چوتھے فرض کا محل اس کے پاس نہیں ہے، بقالیؒ نے اب اس کے سوال کا جواب دیا کہ اسی طرح جہاں عشاء کا وقت نہیں آتا ہے، وہاں صرف چار وقت کی نماز فرض ہوگی، پانچویں وقت کی نماز اسکے ذمہ فرض نہ ہوگی، بقالی کا یہ جواب جب حلوائی کو پہونچا تو انکو یہ جواب بہت پسند آیا اور اس مسئلہ میں بقالی کے موافق ہوگئے

لیکن ابن الہمامؒ نے لکھا ہے جسکے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، اس پر بلاشبہ ان اعضاء کا دھونا فرض نہیں، لیکن اس مسئلہ پر "بلغار والے مسئلہ کو قیاس کر کے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جہاں عشاء کا وقت نہیں آتا، وہاں عشاء کی نماز ذمہ میں فرض نہیں ہوگی، اس لئے کہ وضو میں ہاتھ پاؤں نہ ہونیکی صورت میں حقیقتاً محل نہیں باقی رہتا ہے، مگر نماز کے باب میں وقت در حقیقت محل نہیں اور نہ وہ حقیقی سبب ہی ہے بلکہ اصل سبب تو حکم خداوندی اور ارشاد نبوی ہے وقت تو صرف اسکی علامت ہے، پھر یہ کہ شب معراج میں پانچ نمازوں کی فرضیت علی الاطلاق تمام خطوں کے لئے ہوئی ہے خواہ دنیا کا کوئی بھی گوشہ ہو وہاں رات آتی ہو، یا نہ آتی ہو، اس لئے اسکو کیسے ترک کیا جائیگا،

اسی کے ساتھ حدیث دجال جو مسلم شریف میں منقول ہے اسے سامنے رکھ کر سوچ لیا جائے تو بھی اسی مسلک کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ صحابہ کرام نے آپ سے پوچھا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا اس میں صرف پانچ وقت کی نماز کافی ہوگی یا کیا؟ تو آپ نے فرمایا کہ صرف پانچ وقت کی نماز کافی نہ ہوگی بلکہ اندازہ کرکے ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ نمازیں پڑھنا ہونگی اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ وقت آئے یا نہ آئے نمازیں وقت مقررہ میں پانچ ہوں گی

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاں شفق غائب ہونے سے پہلے فجر آجاتی ہے اور عشا کا وقت سرے سے نہیں آتا وہاں بھی عشاء کی ادائیگی ضروری ہوگی

ترجمہ :۔ مصنف کا رجحان

میں کہتا ہوں کہ حدیث دجال کمال ابن الہمامؒ کے موافقت نہیں کرتی، اس وجہ سے کہ گو زوال سے پہلے پہلے تین سو سے زیادہ ظہر کی نمازیں واجب ہوں گی،

لیکن اس دن میں نماز کا مسئلہ ہمارے اس مسئلہ کی مانند نہیں ہے، جہاں صرف عشاء کا وقت نہیں پایا جاتا، کیونکہ یوم دجال میں صرف علامت مفقود ہوگی، زمانہ مفقود نہیں ہوگا، اور بلغار جیسی جگہ کی عشاء اور وتر میں علامت اوقات اور زمانہ دونوں ہی مفقود ہوتا ہے، یعنی نہ تو عشاء کی علامت ہی پائی جاتی ہے اور نہ وقت ہی اتنا ہوتا ہے کہ اس میں مغرب اور فجر کے ساتھ عشاء کی گنجائش نکل سکے

تشریح مصنف در مختار نے ابن الہمامؒ کی دلیل پر تنقید کی ہے کہ حدیث دجال سے بلغار جیسی جگہ میں عشاء کی نماز کا وجوب ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ یوم دجال سال بھر کا ہوگا لہذا اس میں ہر ۲۴ گھنٹے میں پانچ نمازیں ادا ہوں گی لیکن بلغار جیسی جگہ میں حال یہ ہوتا ہے کہ ادھر مغرب کی نماز پڑھی ادھر طلوع فجر شروع ہوگیا اور نماز فجر کی تیاری ضروری ہوجاتی ہے عشاء کے لئے توسرے سے وقت رہتا ہی نہیں ہے کہ اندازہ سے کام کرسکے، ایک طرف مغرب کا وقت رہتا ہے دوسری طرف فوراً فجر کا وقت آجاتا ہے، خالی وقت کہاں باقی رہتا ہے، جس میں عشاء کی نماز کا حکم دیا جاسکے

اس مسئلہ میں دلیل دونوں طرف مضبوط ہے، لیکن فقہاء محققین نے عشاء کی ادائیگی کو ہی ترجیح دی ہے یہ ادائیگی بعض کہتے ہیں بطور قضا ہوگی اور بعض کہتے ہیں کہ بطور ادا ہوگی اور یہ اسوجہ سے کہ اس صورت میں پنجوقتہ فرائض کی تکمیل ہوتی ہے، لہذا احتیاط سے قریب تر یہی صورت ہے، واللہ اعلم

والمستحب للرجل الابتداء فى الفجر باسفار والختم به هو المختار بحيث يرتل اربعين اية ثم يعيده بطهارة لو فسد وقيل يوخر جدا لان الفساد موهوم لا لحاج بمزدلفة فالتغليس افضل كمرأة مطلقا وفى غير الفجر الافضل لها انتظار فراغ الجماعة وتاخير ظهر الصيف بحيث يمشى الى الظل مطلقا كذا فى المجمع وغيره اى بلا اشتراط شدة حر وحرارة بلد وقصد جماعة وما فى الجوهرة وغيرها من اشتراط ذلك منظور فيه.

ترجمہ: کب تاخیر مستحب ہے اور کب تعجیل اور مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ نماز فجر کو صبح کے روشن ہونے کے بعد شروع کرے اور اسی میں ختم کرے، پسندیدہ قول یہ ہے، اور یہ اس طرح ہو کہ دونوں رکعتوں میں چالیس آیتیں ٹھہر ٹھہر کر مخرج کی ادائیگی کے ساتھ پڑھے، اور اگر کسی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے تو پھر وہ باضابطہ وضو کر کے اسی طرح ان دونوں رکعتوں کا اعادہ کرسکے اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ فجر کی نماز خوب تاخیر کر کے پڑھے، اس لئے کہ نماز کا فاسد ہوجانا ایک موہوم امر ہے لیکن حج کرنے والے کے لئے مزدلفہ میں مستحب اسفار (صبح کا روشن کرنا) نہیں ہے بلکہ انکے لئے وہاں اندھیر میں ہی نماز پڑھنا مستحب ہے، جس طرح عورت کے لئے مستحب ہے کہ وہ ہر حال میں صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کرے کہ اسکے مطابق حال یہی صورت بہتر ہے، لیکن فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں عورتوں کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ مردوں کی جماعت کے ختم ہونے کا انتظار کریں، جب انکی جماعت ختم ہوچکے تو یہ نماز پڑھیں

اور گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز میں اس قدر تاخیر کرنا مستحب ہے کہ لوگ دیواروں کے سایہ میں چل کر مسجد جا

نہیں اس کی کوئی شرط نہیں ہے کہ گرمی کی شدت ہو یا صرف شہر کی گرمی ہو، اور جو یہ وجہ ہے وہ یہ کہ شدت حرارت کی وجہ شرط ضروری ہے وہ محل نظر ہے، تسلیم شدہ نہیں

تشریح نماز فجر میں صبح کا روشن کرنا مستحب ہے مگر اس قدر نہیں کہ نماز بعد طلوع آفتاب کا شبہ ہونے لگے یا اس کے بعد نماز پڑھنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے

ظہر میں تاخیر زمانہ گرمی کے لئے ہے اس سے معلوم ہوا کہ جاڑے کے موسم میں ظہر میں تاخیر کی جگہ تعجیل (جلدی) کرنا مستحب ہے، اور گرمی میں تاخیر کی حد فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ ایک مثل کے اندر اندر نماز ادا ہو جائے تاکہ جو وقت مختلف فیہ ہے اس سے بچ سکے، اس لئے کہ خزانہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ وہ وقت مکروہ ہے، جو اختلاف کی حد میں داخل ہو جائے

وجمعة كظهر اصلاواستحبابا فى الزمانين لانها خلفه وتاخير عصر صيفا وشتاء توسعة للنوافل مالم تتغير ذكاء بان لاتحار العين فى الاصح وتاخير عشاء الى ثلث الليل قيده فى الخانية وغيرها بالشتاء اما فى الصيف فيندب تعجيلها فان اخرها الى ما زاد على النصف كره لتفليل الجماعة اما اليه فمباح تتمه واخر العصر الى اصفرارذكاء فلو شرع فيه قلبل التغير فمده اليه لا يكره وآخر المغرب الى اشتباك النجوم اى كثرتها كره اى التاخير لا الفعل لانه ما مور به تحريما الا بعذر كسفر وكون على اكل وتاخير الوتر الى اخر الليل لواثق بالانتباه والا فقبل النوم فان افاق وصلّى نوافل،والحال انه صلى الوتر اول الليل فانة الافضل

جمعہ کا مستحب وقت اور جمعہ کا مستحب وقت دونوں موسم میں خواہ گرمی ہو خواہ سردی وہی ہے جو ظہر کے متعلق بیان ہوا، اس لئے کہ جمعہ ظہر کی جگہ ہے، لہٰذا جو ظہر کا وقت ہوگا وہی جمعہ کا بھی وقت ہوگا اور جو مستحب وقت ظہر کے لئے ہے وہی جمعہ کے لئے بھی یعنی گرمی میں تاخیر مستحب ہے اور سردی میں جلدی کرنا،

عصر مغرب عشاء میں مستحب وقت اور عصر میں تاخیر مستحب ہے گرمی اور جاڑے دونوں موسم میں، اور یہ تاخیر نوافل کی گنجائش کے واسطے ہے مگر یہ تاخیر اس وقت تک مستحب ہے جب تک آفتاب میں اس طرح کا تغیر پیدا نہ ہونے پائے کہ آنکھیں آفتاب کی طرف دیکھنے میں چکاچوند نہ ہوں، صحیح تر قول یہی ہے اور عشاء میں تہائی رات تک تاخیر مستحب ہے خانیہ وغیرہ میں اس تاخیر کو موسم سرما کے ساتھ مقید کیا ہے، اور موسم گرما میں مستحب جلدی کرنا لکھا ہے لہٰذا عشاء کی نماز کا آدھی رات سے زیادہ دیر تک مؤخر کرنا مکروہ ہے، اس وجہ سے کہ اس قدر تاخیر اسکی جماعت میں لوگوں کے کمی کا باعث ہوگی لیکن آدھی رات تک تاخیر مباح ہے، اسی طرح عصر کی تاخیر آفتاب کے زرد پڑ جانے تک مکروہ ہے لہٰذا اگر کسی نے عصر کی نماز شروع تو کی آفتاب زرد ہونے سے پہلے ہی مگر نماز ختم ہوئی آفتاب زرد پڑ جانے تک تو یہ مکروہ نہیں ہے، اور اگر کوئی مغرب میں ستاروں کے بکثرت نکل آنے تک تاخیر کرے تو یہ تاخیر بھی مکروہ ہے لیکن اس وقت میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے عشاء میں زائد از

نصف شب اور عصر میں تا زردی آفتاب اور مغرب میں تا ظہور کواکب تاخیر مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر یہ تاخیر سفر اور کھانا کھانے کے عذر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی نہیں

اور جو اخیر رات میں بیدار ہونے پر اعتماد رکھتا ہو اسکے لئے وتر کا اخیر رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے، اور جو جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے سونے سے پہلے وتر پڑھنا افضل ہے، پس اگر اول وقت میں وتر پڑھ کر سو گیا پھر جاگا، تو اس سے افضل فوت ہو گیا،

تشریح ظہر اور جمعہ دونوں کا وقت ایک ہی ہے، افضل وقت بھی اور مستحب وقت بھی، باقی یہ جو فرمایا کہ جمعہ ظہر کا خلیفہ ہے، یا اسکی جگہ ہے یہ دو قول میں سے ایک ہے دوسرا مشہور قول یہ ہے کہ جمعہ مستقل فرض ہے اور ظہر سے زیادہ مؤکد ہے

عصر کی تاخیر میں اس حدیث کو سامنے رکھنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ عصر میں اسی وقت تک تاخیر فرماتے تھے، جب تک آفتاب سفید اور صاف رہتا تھا لہذا آفتاب کی چمک غائب ہونے سے پہلے پہلے عصر ادا کر لینا چاہئے

جاڑے میں عشاء کی نماز میں ثلث (تہائی) رات تک کی تاخیر مستحب ہے اور اسکی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ عشاء بعد آدمی فوراً سو جائے، قصہ کہانی میں پڑ کر کراہت کا مرتکب نہ ہونے پائے، اور ایک نیک خیال یہ ہو کہ صبح اٹھتے ہی فجر کی نماز ادا کی تھی اور اب رات کو نماز پڑھ کر فوراً سوئیں، لیکن جہاں اس قدر تاخیر میں جماعت میں لوگوں کے جمع ہونے میں دشواری ہو وہاں اول وقت ہی میں پڑھ لینا مستحب ہوگا اور اسی وجہ سے آجکل اول وقت میں عشاء کی جماعت کا رواج ہے لوگوں پر اتنی دیر تک جماعت کا انتظار شاق گذرتا ہے،

والمستحب تعجيل ظهر شتاء يلحق به الربيع وبالصيف الخريف وتعجيل عصر وعشاء يوم غيم وتعجيل مغرب مطلقا وتاخيره قدر ركعتين يكره تنزيها وتاخير غيرهما فيه وهذا في ديار يكثر شتاؤها ويقل رعاية اوقاتها اما في ديارنا فيراعى الحكم الاول وحكم الاذان كالصلوة تعجيلا وتاخيرا.

ترجمہ :۔ موسم اور آسمان کے ابر آلود ہونیکی صورت مستحب جاڑے کے موسم میں مستحب یہ ہے کہ ظہر کی نماز میں جلدی کی جائے موسم سرما (جاڑے کا زمانہ) کے ساتھ ربیع ملحق ہے اور موسم گرما (گرمی کے زمانہ) کے ساتھ خریف، اور ابر اور بادل کے دنوں میں عصر اور عشاء کی نماز میں جلدی کرنا بہتر ہے تاکہ عصر میں آفتاب کی زردی کا خطرہ باقی نہ رہے اور عشاء کی جماعت میں لوگوں کی کمی نہ ہونے پائے، رہی نماز مغرب تو اس میں ہر زمانہ میں عجلت ہی مناسب اور مستحب ہے، خواہ سردی ہو، خواہ گرمی کیونکہ غروب آفتاب کے بعد صاف دنوں میں دو رکعت کے برابر بھی تاخیر مکروہ تنزیہی ہے لیکن اگر ابر بادل کا دن ہو تو مغرب میں بھی تاخیر مناسب ہے اور عصر و عشاء کے علاوہ دوسری نمازوں میں بادل کے دن میں تاخیر کرنا مستحب ہے، اور بدلی کے دن عشاء اور عصر میں جلدی اور مغرب، ظہر اور فجر میں تاخیر کا حکم ان ملکوں کے لئے ہے جہاں سخت سردی پڑتی ہے اور بدلی کے وجہ سے اوقات نماز کی رعایت کا اہتمام نہیں ہوتا ہے، لیکن ہمارے ملک مصر و شام میں پہلے حکم کی رعایت کی جاتی ہے یعنی

عصر وعشاء میں تاخیر، اور جاڑے کے دنوں میں ظہر میں جلدی پر عمل ہوتا ہے

اذان میں مستحب طریقہ اور اذان میں جلدی یا دیر کا مسئلہ یہ ہے کہ نمازوں کے مطابق ہوگا یعنی جس زمانہ میں نمازوں کا جو حکم بیان کیا گیا ہے، اسی پر عمل اذان کے باب میں بھی ہوگا

تشریح جاڑے کا موسم اسکو کہا جاتا ہے کہ جس میں سخت سردی پڑ رہی ہو اور موسم گرما وہ ہے جس میں شدت کی گرمی پڑ رہی ہو اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ جاڑا وہ ہے جس میں دو چیزوں کی ضرورت محسوس ہو ایک آگ تاپنے کی دوسرے روئی بھرے ہوئے کپڑے کی، اور گرمی وہ ہے جس میں ان دونوں کی ضرورت نہ ہو، اور ربیع اور خریف وہ ہے جس میں صرف ایک چیز کی ضرورت ہو، دونوں کی حاجت نہ ہو کذا فی الطحطاوی ربیع وخریف کے متعلق شرنبلالی نے مجمع الروایات سے نقل کیا ہے کہ ربیع اور خریف دونوں میں ظہر میں جلدی کرنا ہی مستحب ہے

نماز کے صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نماز کے وقت ہو جانے پر پورا اعتماد ہو اس لئے کہ وقت کے اندر اگر شک رہا تو نماز نہیں ہوگی، خواہ وہ وقت ہی میں کیوں نہ پڑھی گئی ہو، وقت کی صحت پر اعتماد کے لئے ایک عادل کی اذان کافی ہے اسی طرح اسکا خبر کرنا، اگر کوئی نہ ہو تو اس وقت تحری کرے یعنی خود غور وفکر سے کام لے اور اپنے گمان غالب پر عمل کرے.

دیانات میں ایک عادل کی خبر فقہاء نے اسکی صراحت کی ہے کہ دیانات میں ایک عادل کی خبر کافی ہے جیسے سمت قبلہ، طہارت، نجاست، حلال حرام، ان تمام میں ایک عادل شخص کی خبر قابل قبول ہوگی خواہ وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، معین الحکام میں اس کی بھی صراحت ہے کہ ایک اذان دینے والے کی اطلاع نماز کے اوقات میں قابل اعتماد ہوگی بشرطیکہ وہ بالغ عاقل ہو اور نماز کے اوقات جانتا ہو، البتہ روزے کے افطار میں بعض علماء نے لکھا ہے کہ صرف ایک شخص کی خبر کافی نہیں اسکے ساتھ ایک دوسرا بھی ہونا چاہئے لیکن دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ اگر وہ ایک شخص عادل ہے تو اسکی خبر پر افطار میں کوئی مضائقہ نہیں

وکرہ تحریما وکل مالا یجوز مکروہ صلوۃ مطلقا ولو قضاء او واجبۃ او نفلاً او علی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسھو لا شکر قنیۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلھا لا نھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک اصلا کما فی القنیۃ وغیرھا واستواء لا یوم الجمعۃ علی قول الثانی المصحح المعتمد کذا فی الاشباہ ونقل الحلبی عن الحاوی ان علیہ الفتوای وغروب الاعصر یومہ فلا یکرہ فعلہ لا دائہ کما وجب بخلاف الفجر والاحادیث تعارضت فتساقطت کما بسطہ صدر الشریعۃ.

ترجمہ:۔ وہ اوقات جن میں نماز مکروہ تحریمی ہے آفتاب کے نکلتے ہی فوراً نماز پڑھنا خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو مکروہ تحریمی ہے گو وہ قضا نماز ہو یا واجب، نفل نماز ہو یا نماز جنازہ سجدہ تلاوت ہو یا سجدہ سہو البتہ سجدہ شکر اس وقت میں مکروہ نہیں ہے مگر عوام کو اس وقت میں نماز سے

نہ روکا جائے، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ نماز چھوڑ دیں گے اور وہ نماز جس کا ادا کرنا بعض کے نزدیک جائز ہے اسکو بالکل چھوڑ دینے سے بہتر اسکا ادا کرنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں مذکور ہے اسی طرح دوپہر میں آفتاب کے سر پر آجانے کے وقت بھی مطلقاً نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ جمعہ کے دن اس وقت میں نفل مکروہ نہیں ہے اور یہ امام یوسفؒ کا معتمد اور تصحیح کردہ قول ہے جیسا کہ اشباہ میں مذکور ہے، اور حلبی فی حاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ فتوی امام ابو یوسفؒ ہی کے قول پر ہے اور آفتاب کے غروب ہونے سے ذرا پہلے بھی جب آفتاب میں زردی آجائے نماز مکروہ تحریمی ہے، مگر اس دن کے عصر کی نماز اس وقت مکروہ تحریمی نہیں ہے اس لئے کہ جس طرح وہ ذمہ میں ناقص واجب ہوئی ہے اس طرح وہ اس وقت میں ادا ہوگی، بخلاف نماز فجر کے کہ اسکا تمام وقت کامل ہے، لہذا اس کی ادائیگی بھی کامل وقت میں ہی ہونی چاہئے ، اور اس باب میں حدیثیں آپس میں متعارض ہیں لہذا وہ تمام ساقط قرار پائیں گی، چنانچہ صدر الشریعہ نے اسکو تفصیل سے بیان کیا ہے

تشریح ان تینوں وقتوں میں وقتی نماز، نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، اور سجدہ سہو مکروہ تحریمی ہے ایک آفتاب کے طلوع کے وقت جب تک آفتاب خوب روشن اور بلند نہ ہو جائے، دوسری دوپہر کے وقت جب آفتاب سر پر آجائے، جب تک کہ وہ ڈھل نہ جائے اور تیسرے آفتاب کے ڈوبنے کے وقت جب وہ پیلا پڑ جائے، جب تک وہ غروب نہ ہو جائے، مگر سجدہ شکر کرنے میں مضائقہ نہیں اسی طرح جمعہ کے دن دوپہر میں بوقت زوال امام ابو یوسفؒ نفل نماز پڑھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے اور غروب آفتاب سے کچھ پہلے بوقت زردی اس دن کی جس نے ابھی فرض نماز نہیں پڑھی ہے وہ پڑھ سکتا ہے اس کے لئے اس کی ادائیگی مکروہ نہیں۔

حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی اس نے پوری نماز پائی اور جس نے آفتاب نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پائی اسنے صبح کی پوری نماز پالی

دوسری حدیث یہ ہے کہ آفتاب کے نکلتے وقت، دوپہر میں آفتاب کے زوال کے وقت اور غروب کے وقت جب آفتاب میں زردی آجائے نماز نہ پڑھی جائے، ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، یہاں اسے وضع اس طرح کیا گیا ہے کہ قیاس سے کام لینا پڑا جیسا کہ ایسے موقع پر قاعدہ بھی ہے صلوۃ عصر میں پہلی حدیث کا حکم باقی رکھا کہ وہ جائز ہے اور نماز فجر میں دوسری حدیث کا حکم اختیار کیا یعنی جائز نہیں ہوگی، عصر میں چونکہ وجوب ناقص ہوا ہے لہذا ناقص ادائیگی درست ہے لیکن فجر میں چونکہ وجوب کامل ہوا ہے لہذا وہاں نقص کے ساتھ ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تفصیل کے لئے کتب شروح حدیث ملاحظہ فرمائیں

وينعقد نفل بشروع فيها بكراهة التحريم لا ينعقد الفرض وما هو ملحق به كواجب لعينه كوتر وسجدة تلاوة وصلوة جنازة تليت آلاية فى كامل وحضرت الجنازة قبل لوجوبه كاملا فلا يتادى ناقصا فلو وجبتا فيهالم يكره فعلها اى تحريما وفى التحفة الا فضل ان لا توخر الجنازة وصح مع الكراهة تطوع بدايه فيها ونذراداه فيها وقد نذره فيها وقضاء تطوع بدأبه فيها فسد لوجوبه ناقصا ثم ظاهر الرواية وجوب القطع والقضاء فى كامل كما فى البحر وفيه عن البغية الصلوة فيها على النبى ﷺ افضل من قرآة القرآن

وكانه لانها من اركان الصلوة فلاولى ترك ما كان ركنالها.

ترجمہ :۔ **اوقات مکروہ میں نماز کا حکم** ان تین اوقات مکروہ میں نفل نماز شروع کرنے سے کراہت تحریمی کیساتھ منعقد ہو جاتی ہے لہذا اس کو شروع کرنے کے بعد اس وقت قطع کر دینا اور بعد میں جب کامل وقت آجائے قضا کرنا واجب ہے، لیکن فرض نماز اور جو نمازیں فرض نماز کے ساتھ ملحق ہیں وہ ان تین مکروہ وقتوں میں شروع کرنے سے منعقد نہیں ہوتی ہیں، فرض نماز کے ساتھ ملحق نمازوں میں وہ نماز داخل ہے جو واجب لعینہ ہیں جیسے وتر اور وہ سجدہ تلاوت جس کی تلاوت کامل وقت میں ہوئی ہے، اور اس جنازہ کی نماز جو اس وقت مکروہ سے پہلے حاضر ہوا ہے کہ یہ نماز بھی کامل وقت میں واجب ہوئی لہذا اس کا ناقص ادا کرنا درست نہ ہوگا، البتہ اگر آیت سجدہ اور نماز جنازہ ان مکروہ اوقات میں واجب ہوئی ہے تو ان کی ان اوقات مکروہ میں ادائیگی مکروہ تحریمی نہیں ہے اور تحفہ نامی کتاب میں مذکور ہے کہ جنازہ کی نماز ان اوقات مکروہ میں مؤخر نہ کی جائے، اور وہ نفل نمازیں جو انہی اوقات ثلثہ مکروہہ میں شروع کی گئی ہیں، یا وہ نذر کی نماز جن کو انہی اوقات میں ادا کیا اور نذر بھی انہی اوقات کی کی تھی، اور اس نفل کی قضا جن کو ان ہی اوقات میں شروع کیا پھر اس کو فاسد کر دیا کراہت کے ساتھ یہ سب نمازیں جائز ہیں ان کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا وجوب بھی ناقص ہی ہوا تھا مگر اس باب میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ان نمازوں کو ان وقتوں میں چھوڑ دینا اور کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ بحر الرائق میں صراحت ہے، اور بحر الرائق میں بغیہ نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ ان اوقات مذکورہ میں قرآن پڑھنے سے افضل سرورکونین ﷺ پر درود پڑھنا ہے اور یہ شاید اس وجہ سے ہے کہ قرآن خوانی بھی نماز کے ارکان میں سے ایک ہے اس لئے ان وقتوں میں اسکا ترک ہی کر دینا اولی ہے جو نماز کے رکن کی حیثیت رکھتا ہے

تشریح نماز کی تین قسمیں ہیں، فرض، واجب، اور نفل، پھر فرض کی دو قسمیں ہیں قطعی اور عملی، فرض عملی وتر ہے اور قطعی کی دو قسمیں ہیں ایک فرض قطعی کفایہ دوسری فرض قطعی عین، فرض قطعی کفایہ نماز جنازہ ہے اور فرض قطعی عین نماز پنجگانہ اور جمعہ ہے

واجب لعینہ اور لغیرہ اسی طرح واجب کی بھی دو قسمیں ہیں ایک واجب لعینہ دوسری واجب لغیرہ ۔ واجب لعینہ اس کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالی نے ضروری قرار دیا ہو اور واجب لغیرہ وہ ہے جس کو بندے نے اپنے فعل سے اپنے اوپر واجب کر لیا ہو، واجب لعینہ میں نماز وتر۔ نماز عیدین اور سجدہ تلاوت داخل ہے اور واجب لغیرہ میں سجدہ سہو، طواف کی دو رکعت نماز نذر اور اس نفل کی قضا داخل ہے جس کو بندہ نے شروع کر کے فاسد کر دیا ہو۔

باقی رہی نماز نفل تو اس کی بھی دو قسم ہے ایک سنت مؤکدہ، دوسری سنت غیر موکدہ، سنت مؤکدہ میں فجر کی دو سنت اسی طرح ظہر کی چھ سنت چار پہلے اور دو بعد میں، اور بعد مغرب دو سنت، اور غیر سنت غیر مؤکدہ میں عصر سے پہلے چار سنت، اور عشاء کے پہلے چار سنت وغیرہ وغیرہ۔

اوقات مکروہ کے اقسام اوقات مکروہہ کی بھی دو قسمیں ہیں پہلی قسم میں طلوع آفتاب کا وقت استواء شمس (دوپہر) کا وقت اور غروب آفتاب سے ذرا پہلے کا وقت ہے، اور دوسری قسم میں فجر کی نماز فرض کے بعد سے لیکر طلوع آفتاب تک اور عصر کی فرض کے بعد سے لیکر آفتاب کے زرد ہونے تک کا وقت داخل ہے۔

ان اوقات میں نماز کی تفصیل

اوقات مکروہہ کی قسم اول میں نماز کی تمام مذکورہ قسمیں منعقد نہیں ہوتیں سوائے چھ نمازوں کے اس نفل اور نذر کی نماز جوانہی اوقات کے ساتھ مقید ہوں اور اس نفل کی قضا جن کوانہی اوقات میں شروع کر کے فاسد کیا ہو اور اس جنازہ کی نماز جوانہی وقتوں میں حاضر ہوا ہو، اور ان آیات کا سجدہ تلاوت جو آیتیں انہی اوقات میں پڑھی گئی ہوں اور اس دن کی عصر کی نماز جواب تک ادا نہ کی گئی ہو، یہ چھ نمازیں ان وقتوں میں کراہت کے ساتھ ہو جاتی ہیں مگر ان نمازوں کا بھی ان وقتوں میں چھوڑ دینا اور کامل وقت میں ادا کرنا واجب ہے، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز کا قطع کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے اسی وقت ادا کر لینا چاہئے

اور اوقات مکروہہ کی دوسری قسم کے اندر نماز مذکورہ کی تمام قسمیں منعقد ہو جاتی ہیں سوائے نماز نفل اور واجب لغیرہ کے کہ ان کا انعقاد چونکہ کراہت کے ساتھ ہوتا ہے لہذا ان دو نمازوں کا ان اوقات میں قطع کر دینا اور کامل وقت میں قضا کرنا واجب ہو گا۔

وكره نفل قصدا ولو تحية مسجدو كل ما كان واجبا لا لعينه بل لغيره وهو يتوقف وجوبه على فعله كمنذور وركعتي طواف وسجدتي سهو والذي شرع فيه في وقت مستحب او مكروه ثم افسده ولو سنة فجر بعد صلوة فجر وصلوة عصر ولو المجموعةبعرفةلا يكره قضاء فائتةٍ ولو وترا وسجدة تلاوة وصلوة جنازة وكذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لافرض وواجب لعينه بعد طلوع فجر سوى سنته لشغل الوقت به تقديرا حتى لو نوى تطوعا كان سنة الفجر بلا تعيين وقبل صلوة مغرب لكراهة تاخيره الا يسيرا او عند خروج امام من الحجرة او قيامه للصعود ان لم يكن حجرة لخطبة ما وسيجي انها عشرالى تمام صلوته بخلاف فائتة فانها لاتكره وقيد المصنف في الجمعة بواجبة الترتيب والا فيكره وبه يحصل التوفيق بين كلامي النهاية والصدر.

فجراور عصر کی فرض نمازوں کے بعد نفل کا حکم

فجر اور عصر کی فرض کے بعد جان بوجھ کر کسی نفل نماز کا پڑھنا مکروہ ہے خواہ وہ نماز تحیۃ المسجد ہی کیوں نہ ہو اور اسی طرح اس واجب کا پڑھنا مکروہ ہے جو واجب لغیرہ ہو واجب لعینہ نہ ہو، اور وہ نماز بھی مکروہ ہے جس کو کسی نے مستحب یا مکروہ وقت میں شروع کیا اور پھر اسکو فاسد کر دیا، گو وہ فجر کی سنت ہی کیوں نہ ہو، واجب لغیرہ وہ ہے جس کا واجب ہونا بندہ کے فعل پر موقوف ہو جیسے نذر کی نماز اور طواف کی دو رکعتیں، اور سہو کے دو سجدے، جس طرح فجر و عصر کی فرض نمازوں کے بعد نفل وغیرہ مکروہ ہے اسی طرح یہ نفل وغیرہ اس عصر کے بعد بھی مکروہ ہے جو عصر عرفات میں ظہر کے ساتھ جمع کی گئی ہو، لیکن عصر اور فجر کی فرض نماز کے بعد اس نماز کی قضا مکروہ نہیں ہے جو چھوٹ گئی ہو، خواہ وہ فوت شدہ نماز وتر ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح ان دونوں نمازوں کے بعد سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ مکروہ نہیں ہے، ایسا ہی صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ دوسری کسی نفل اور واجب لغیرہ نماز کا اس وقت میں پڑھنا مکروہ ہے مگر کسی فرض اور واجب لعینہ

یہ وقت مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ شارع نے فجر کے وقت کو تقدیری طور پر نماز فجر کے ساتھ مشغول کر رکھا ہے یعنی فجر کی دو رکعت سنت کے علاوہ کسی اور نفل اور واجب لغیرہ کی اس وقت میں گنجائش نہیں رکھی ہے، یہاں تک کہ طلوع فجر کے بعد اگر کسی بھی نفل کی کسی نے نیت کی تو وہ نماز کسی تعیین کے بغیر بھی فجر کی سنت ہی قرار پائے گی

مغرب کی فرض سے پہلے اور اسی طرح وہ نمازیں جو نفل اور واجب لغیرہ ہیں مغرب کی نماز فرض سے پہلے مکروہ ہیں اس لئے کہ اس صورت میں مغرب کی نماز میں تاخیر لازم آئیگی اور یہ تاخیر مغرب میں مکروہ ہے ہاں اگر برائے نام تاخیر ہو تو مکروہ نہیں اور جب حجرہ سے امام خطبہ کے لئے نکلے تو اس وقت سے یا حجرہ نہ ہونے کی صورت میں جب امام منبر پر چڑھنے کے لئے اٹھے تو اس وقت سے کسی نفل اور واجب لغیرہ کا پڑھنا اس وقت تک مکروہ ہے جب تک امام فرض نماز پوری نہ کرے، اور عنقریب باب العیدین میں یہ بات آئیگی کہ خطبات دس ہیں بخلاف فوت شدہ نمازوں کے کہ انکی قضا خطبہ کے وقت میں مکروہ نہیں ہے، اور مصنف نے آگے باب الجمعہ میں قید لگائی ہے کہ اگر فوت شدہ نماز واجب الترتیب ہے تب اسکی قضا بوقت خطبہ بلا کراہت جائز ہے لیکن اگر وہ فوت شدہ واجب الترتیب نہیں ہے تو اسکی قضا خطبہ کے وقت میں مکروہ ہے اور واجب الترتیب کی اس قید سے نہایہ اور صدر الشریعہ کے قول میں تطبیق و موافقت پیدا ہو جاتی ہے وہ اس طرح کہ صاحب نہایہ لکھتے ہیں کہ خطبہ کے وقت فوت شدہ نماز کی ادائیگی مکروہ نہیں ہے اور صدر الشریعہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں کہ انکی ادائیگی مکروہ ہے، تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ صاحب نہایہ کا قول لازم الترتیب پر محمول کیا جائے گیا اور صدر الشریعہ کا غیر لازم الترتیب پر

تشریح کسی نے فجر کی نماز سنت نماز اس وقت شروع کی جب فجر کی جماعت ہو رہی تھی پھر اس خوف سے کہ جماعت فوت ہو جائیگی وہ سنت کو درمیان میں چھوڑ کر جماعت میں شریک ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کہ وہ چھوڑی ہوئی سنت فرض کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ انہوں نے لکھا کہ وہ نہیں پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس وقت میں اس کی قضا مکروہ ہے

باقی سجدہ سہو کی نوبت اگر خود فجر یا عصر میں آئے تو وہ یقیناً کریگا، یہ سجدہ سہو مکروہ نہیں ہے اسی طرح کوئی فجر اور عصر کے بعد کسی فرض کی قضا پڑھے اور اس میں سجدہ سہو لازم آئے تو اسکا کرنا بھی درست ہے، ہاں نماز فجر و عصر کے بعد جن نمازوں کا پڑھنا مکروہ ہے ان کا سجدہ سہو بھی مکروہ ہوگا، اور یہ جو لکھا کہ طلوع فجر کے بعد صرف فجر کی سنت پڑھ سکتا ہے بقیہ دوسری سنت اور نفل مکروہ ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے جو مسلم شریف میں ہے کہ رسول خدا ﷺ صبح صادق کے بعد سوائے فجر کی دو رکعت سنت کے کوئی اور نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت فجر میں قراءت لمبی نہیں ہونی چاہئے، آنحضرت ﷺ کا معمول پہلی رکعت میں قل یآیہا الکفرون اور دوسری میں قل ھو اللہ کے پڑھنے کا تھا

فرض نماز کے وقتوں میں جنازہ کا حکم آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے بھی کوئی نفل نماز وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نماز مغرب میں تاخیر لازم آئیگی، البتہ کسی فوت شدہ فرض نماز کی قضا نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کی اس وقت میں بلا کراہت اجازت ہے، گو افضل یہ ہے کہ نماز جنازہ مغرب کی نماز سے فراغ کے بعد پڑھے منیۃ المصلی میں صراحت ہے کہ جمعہ کے وقت جنازہ آجائے تو

پہلے جمعہ کی فرض اس کے بعد اس کی سنت ادا کرے پھر اس کے بعد نماز جنازہ، اسی طرح یہاں بھی مغرب کے وقت جنازہ آئے تو مغرب کی فرض و سنت کے بعد جنازہ کی نماز پڑھنا افضل ہوگا،

خطبات جن کی تعداد متن میں دس لکھی ہے وہ یہ ہیں (۱) جمعہ کا خطبہ (۲) عید الفطر کا خطبہ (۳) عید الاضحیٰ کا خطبہ (۴-۵-۶) حج کے تین خطبات (۷) ختم قرآن کا خطبہ (۸) نکاح کا خطبہ (۹) استسقاء کا خطبہ (۱۰) کسوف کا خطبہ

وكذا يكره تطوع عند اقامة صلوة مكتوبة اے اقامة امام مذهبه لحديث اذا اقيمت الصلوة فلا صلوة الاالمكتوبة الاسنة فجر ان لم يخف فوت جماعتها ولو بادراك تشهدها فان خاف تركها اصلا وما ذكر من الحيل مردود وكذا يكره غير المكتوبة عند ضيق الوقت وقبل صلوة العيدين مطلقا وبعدها بمسجد لابيبت فى الاصح وبين صلوتى الجمع بعرفة ومزدلفة وكذا بعدهما كما مر و عند مدافعة الاخبثين او احدهما او الريح ووقت حضور طعام تاقت نفسه اليه وكذاكل ما يشغل باله عن افعالها ويخل بخشوعها كائناما كان فهذه نيف وثلثون وقتا

جماعت کے وقت سنت ونفل کا حکم

فرض نماز کی تکبیر کے وقت نفل نماز مکروہ ہے اور اس تکبیر سے یہاں اپنے ہم مذہب امام کی جماعت مراد ہے، اور اس وقت نفل کے مکروہ ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں صراحت ہے کہ جب فرض کی اقامت ہو تو اس وقت فرض نماز کے سوا کوئی دوسری نماز نہیں ہے صرف فجر کی سنت کی بوقت اقامت اجازت ہے مگر اس کے لئے جسکو جماعت کے فوت ہونے کا خطرہ نہ ہو گو وہ تشہد ہی پائے لیکن راجح قول یہ ہے کہ ایک رکعت پانے کی امید ہو تب سنت کی اجازت ہے ورنہ نہیں، لیکن اگر جماعت کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہو تو فجر کی سنت بھی جماعت کے وقت میں بالکل چھوڑ دے گا اور جماعت میں شریک ہو جائے گا، اور پھر اس سنت کی اسکے ذمہ قضا بھی نہیں ہے، اور فجر کی سنت کے لئے جو حیلے مذکور ہیں وہ مردود ہیں، مقبول نہیں اور اسی طرح جب وقت تنگ رہ جائے تو اس وقت وقتی فرض کے سوا کسی نفل کا پڑھنا مکروہ ہے۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد نوافل

اور عیدین کی نماز سے پہلے نفل پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے خواہ گھر میں ہو خواہ عید گاہ میں، اور عیدین کی نماز کے بعد صرف عید گاہ اور مسجد میں نفل مکروہ ہے گھر میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے، صحیح تر قول یہی ہے، اور عرفہ، مزدلفہ میں جس وقت دو وقت کی فرض جمع کر کے پڑھتے ہیں ان وقتوں میں ان جمع ہونیوالی فرض نمازوں کے درمیان کسی نفل نماز کا پڑھنا بھی مکروہ ہے اسی طرح عرفات میں جمع بین الصلوتین کے بعد بھی نفل پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ پہلے گذرا، عند قوله ولو الجموعه بعرفة البتہ مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کے بعد نفل مکروہ نہیں ہے یعنی، دونوں وقت کی فرض ادا کر چکنے کے بعد نفل پڑھ سکتا ہے

دیگر اوقات جن میں نماز مکروہ ہے

اور جس وقت پائخانہ پیشاب یا صرف پیشاب یا صرف پائخانہ یا ریح کا دباؤ ہو اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور اس کھانے کے آجانے کے بعد بھی

نماز مکروہ ہے، جس کھانیکی طرف دل راغب ہو اور اسی حکم میں ہر وہ چیز ہے جو نمازی کے دل کو نماز کی طرف سے مشغول رکھے اور اسکے خشوع و خضوع میں خلل انداز ہو، خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو پس یہ کچھ او پر تیس اوقات ہیں جن میں نماز مکروہ ہے

تشریح بوقت اقامت فرض نفل نماز اس وقت مکروہ ہے جب خود اپنے مسلک کا امام نماز پڑھا رہا ہو، اگر وہ مخالف مذہب کا امام ہو تو اس کی جماعت کے وقت نفل مکروہ نہیں ہے۔

سنت فجر کی قضا کا غیر شرعی حیلہ سنت فجر کی قضا کے جن حیلوں کو مردود کہا گیا ہے ان میں ایک حیلہ یہ ہے کہ کوئی سنت کو شروع کر کے نیت توڑدے تاکہ اس طرح وہ ذمہ میں واجب ہو، اور وہ اسے طلوع آفتاب سے پہلے قضا کرلے، دوسرا حیلہ یہ لکھا ہے کہ سنت شروع کی پھر بغیر اس کی نیت توڑے ہوئے فرض شروع کر دی اور طلوع آفتاب کے بعد سنت کی قضا کرلی اس طرح کی ساری صورتیں نا قابل اعتبار ہیں اس لئے کہ کسی نماز کو اس نیت سے شروع کرنا کہ شروع کر کے پھر اسکو قطع کردیں گے شرعاً یہ فعل قبیح ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ واجب لغیرہ کو اسنے فجر کے وقت میں ادا کیا حالانکہ واجب لغیرہ کی ادائیگی اس وقت میں مکروہ ہے جیساکہ گذر چکا،

مستحب وقت کی تنگی میں نفل جب وقتی فرض نماز کا مستحب وقت تنگ رہ جائے تو اس تنگ وقت میں کسی نفل سنت، واجب اور فوت شدہ فرض کا پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ مستحب وقت کی تنگی سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے

جمع بین الصلوتین جمع بین الصلوتین حج میں دو موقع سے کرتے ہیں ایک عرفات میں ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کو جمع کر کے پڑھتے ہیں اور دوسرے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں جسکی شریعت نے حج میں اجازت دے رکھی ہے

جن صورتوں میں نماز مکروہ ہے کچھ اوپر تیس اوقات جن میں نماز کو مکروہ کہا گیا ہے وہ یہ ہیں طلوع آفتاب، دوپہر (استواء آفتاب کے وقت) غروب آفتاب کے وقت، بعد نماز فجر، بعد نماز عصر، قبل نماز فجر، قبل نماز مغرب، اقامت فرض کیوقت، وقت کے تنگ ہوتے وقت، عید الفطر کی نماز سے پہلے اور عید الفطر کے بعد مسجد میں، عید الاضحیٰ کی نماز سے پہلے اور اسکے بعد صرف مسجد میں، عرفات میں دو فرض نمازوں کو جمع کرنے کے درمیان اور مزدلفہ میں جب دو نمازیں جمع کریں ان کے درمیان، پیشاب کے دباؤ کے وقت، پاخانہ کے دباؤ کے وقت، ریح کے دباؤ کے وقت، پاخانہ پیشاب دونوں کے دباؤ کے وقت اور اس کھانا کے آجانے کے وقت، جس کا جی مشتاق ہو، اور اس چیز کی موجودگی کے وقت جو حضور قلب کے لئے مانع ہے، اور آدھی رات کے بعد عشاء پڑھنا، بکثرت ستاروں کے نکلنے کے بعد مغرب پڑھنا، اور ان دس خطبوں کے اوقات میں جن کی تفصیل گذری اس طرح ۲۳ اور دس تینتیس اوقات ہوئے اس تفصیل کے سمجھنے میں اگر دشواری ہو تو کسی باخبر سے معلوم کریں

وكذا تكره في اماكن كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ومجزرة ومقبرة ومغتسل وحمام وبطن وادو معاطن ابل وغنم وبقر زاد في الكافي ومرابط دواب و اصطبل وطاحون وكنيف وسطوحها وسيل واد وارض مغصوبة او للغير لو مزروعة او مكروبة

وصحراء بلا سترة لمار ویکرہ النوم قبل العشاء والکلام المباح بعدھا وبعد طلوع الفجر الی اداثہ ثم لا باس بمشیہ لحاجة وقیل یکرہ الی طلوع ذکاء وقیل الی ارتفاعھا فیض.

چند وہ جگھیں جہاں نماز مکروہ ہے ایسے ہی چند جگھیں اور ہیں جن میں نماز مکروہ ہے جیسے کعبہ کے اوپر، اور کسی راستہ میں کوڑے کی جگہ میں، اس جگہ جہاں جانور ذبح ہوتے ہوں، قبرستان میں، غسل خانہ میں، حمام میں، نالے کے اندر، اونٹ بھیڑ بکری اور گائے بیل کے باندھنے کی جگہ میں، کافی نامی کتاب میں ان جگہوں کا اضافہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ نماز مکروہ ہے چوپاؤں کے بندھنے کی جگہ میں، گھوڑے کے اصطبل میں، اس چکی کے پاس جس کو بیل یا گدھے گھماتے ہیں، اور پاخانوں میں، ان کی چھتوں پر، اور نالہ بہنے کی جگہ میں، غصب کی ہوئی زمین میں، اور دوسروں کی اس زمین میں جو جوتی ہوئی ہو، اور جنگل میں بلاسترہ کے

وہ اوقات جن میں گفتگو اور سونا مکروہ ہے نماز عشاء سے پہلے سونا مکروہ ہے، اور عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد مباح بات چیت اور اسی طرح فجر کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بات چیت کرنا مکروہ ہے، گو یہ گفتگو جائز ہی کیوں نہ ہو البتہ نماز کے بعد اپنی ضرورت کے لئے چلنے پھرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صبح صادق کے بعد سے لیکر آفتاب کے نکلنے تک اور بعضوں نے کہا ہے آفتاب کے بلند ہونے تک بے فائدہ بات چیت کرنا مکروہ ہے (منشا یہ ہے کہ یہ وقت اللہ کی یاد یا تلاوت میں گزرے)

تشریح مباح بات چیت سے مراد ایسی گفتگو مراد ہے جو جائز ہو مگر اسکی ضرورت نہ ہو، باقی ضرورت کے لئے بات کرنے میں کراہت نہیں ہے۔ اسی طرح ذکر اللہ وغیرہ بھی مکروہ نہیں ہے جیسے قرآن پڑھنا، ذکر کرنا، فقہ وحدیث کا مذاکرہ کرنا مہمان کے ساتھ گفتگو کرنا

فجر کی سنت کے بعد بات کرنے سے سنت باطل نہیں ہوتی، البتہ ثواب کم ہو جاتا ہے، تفصیل بعد میں آرہی ہے

ولا جمع بین فرضین فی وقت بعذر سفر مطر خلافا للشافعی وما رواہ محمول علی الجمع فعلا لا وقتا فان جمع فسد لو قدم الفرض علی وقتہ وحرم لو عکس ای اخرہ عنہ وان صح بطریق القضاء الالحاج بعرفة ومزدلفة کما سیجی ولا باس بالتقلید عند الضرورة ولکن بشرط ان یلتزم جمیع ما یوجبہ ذلک الامام لما قدمنا ان الحکم الملفق باطل بالاجماع.

ترجمہ:۔ سفر اور بارش وغیرہ عذر کی وجہ سے دو فرض نمازوں کا ایک وقت ادا کرنا سفر اور بارش کے عذر کی وجہ سے دو فرض نمازوں کا ایک فرض کے وقت میں جمع کرنا جائز نہیں ہے امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ بارش اور سفر کا عذر ہو تو دو فرضوں کا ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے، احناف کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ دو فرضوں کو ایک وقت میں جمع کرنیکی جو

حدیث لائے ہیں وہ جمع فعلی پر محمول ہے، جمع وقتی پر دلالت نہیں کرتی ہیں، چنانچہ ہمارے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو فرضوں کو ایک وقت میں کسی نے جمع کیا تو ان میں وہ فرض نماز فاسد ہوگی جس کو اس کے وقت سے پہلے ادا کیا ہے، اور اگر اس کے برعکس کیا یعنی ایک کو اس کے وقت سے مؤخر کیا تو یہ تاخیر حرام ہے، کہ اس نے ایک فرض کو اس کے وقت میں ادا نہ کر کے دوسری نماز کے وقت میں لے گیا، گو اس تاخیر سے وہ فرض بطور قضا جائز ہو جائیگی البتہ عرفہ اور مزدلفہ میں دو نمازوں کا جمع کرنا حاجی کے لئے درست ہے جیسا کہ کتاب الحج میں آرہا ہے، ان دو کے سوا کسی دو نمازوں کا جمع کرنا درست نہیں ہے خواہ جمع تقدیم ہو خواہ جمع تاخیر

اور ضرورت کے وقت اپنے امام کے سوا دوسرے امام کی تقلید میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن دوسرے مسلک کے امام کی تقلید کے لئے شرط یہ ہے ان تمام احکام کو ضروری قرار دے لے جن کو اس امام نے عمل کے واسطے واجب قرار دیا ہے، اس لئے کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تلفیق یعنی جو حکم دو یا زیادہ مذہب سے لیکر مخلوط کیا گیا ہو وہ بالاجماع باطل ہے۔

تشریح جمع بین الصلوتین کے ناجائز ہونیکی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی دوسرا معبود برحق نہیں کہ رسول خدا ﷺ نے کوئی نماز کبھی اسکے وقت کے سوا میں نہیں پڑھی، مگر صرف دو نمازیں ہیں جن کو آپ نے جمع کر کے پڑھا ہے ایک ظہر اور عصر کو عرفات میں اور دوسری مغرب اور عشاء کو مزدلفہ میں۔

جمع بین الصلوتین کا صحیح مطلب

اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو نمازیں کسی وجہ سے جمع کی ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے ایک نماز کو اس کے آخیر وقت میں ادا فرمایا اور دوسری کو اس کے اول وقت میں مثلاً ظہر کو ظہر کے اخیر وقت میں اور عصر کو اسکے بالکل اول وقت میں، اسی کو جمع فعلی سے تعبیر کرتے ہیں کہ یہ حقیقتاً جمع نہیں ہے بلکہ صرف صورتاً ہے یا مثلاً مغرب کو سفر میں اس کے بالکل اخیر وقت میں پڑھے اور عشاء کو اس کے اول وقت میں تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے کذا فی الطحاوی وغیرہ

باقی اس طرح جمع کرنا کہ ظہر کو اس کے وقت میں ادا کیا جائے اور عصر کو اس کے وقت سے پہلے ظہر ہی کے وقت میں یا عصر کو عصر کے وقت ادا کیا جائے اور ظہر کو بھی عصر کے وقت میں تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ پہلی صورت میں ایک فرض کو اس کے وقت آنے سے پہلے ادا کر لیا، لہذا اس تقدیم کی وجہ سے وہ فرض فاسد ہو گئی اور دوسری صورت میں ایک نماز کو اس کا وقت گذار کر دوسری نماز کے وقت میں ادا کیا یہ قصداً تاخیر حرام ہے گو بطور قضا یہ نماز ہو جائے گی اصطلاح میں پہلی صورت کو "جمع تقدیم" سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری صورت جمع تاخیر ہے۔

ایک سوال کا جواب

سوال حنفی شخص شافعی المذہب کی تقلید کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ ضرورتاً تو تقلید بالاتفاق جائز ہے باقی جب کوئی ضرورت اور مجبوری نہ ہو تو اس صورت میں بعض جائز کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے، اسکی تفصیل باب الامامۃ میں اپنی جگہ مفصل آئیگی، لیکن ایک بات بطور خاص یہاں کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ خلاف مسلک امام کی جب کوئی اقتدا کریگا تو امام اپنے مسلک کے مطابق جن امور کو ضروری سمجھے گا اسکا یہ مقتدی بھی التزام کرے کیونکہ تلفیق باطل ہے تلفیق کہتے ہیں کہ ایک ہی مسئلہ میں کچھ باتیں ایک امام کی لے لی جائیں اور کچھ دوسرے کی۔

باب الاذان

هـو لغـة الاعلام وشرعا اعلام مخصوص لم يقل بدخول الوقت ليعم الفائتة وبين يدى الخطيب على وجه ومخصوص بالفاظ كذالك اى مخصوصة سببه ابتداء اذان جبرئيل ليلة الاسرأ واقامتهٗ حين امامتهٗ عليه السلام ثم رويا عبد الله بن زيد اذان الملك النـازل من السماء فـى السنـة الاولى مـن الهجـرة وهـل هـوجبرئيل قيل و قيـل وسببـه بقاءُ دخـول الـوقت وهـو سنـة للرجـال فى مكان عال مؤكـدة هـى كالـواجب فى لحوق الاثـم للفرائض الخمس فـى وقتهـا ولـو قضـاء لانـه سنـة للصلٰـوة حتى يبردبـه لا للوقت لايسن لغيرهـا كعيد فيعاد اذان وقـع بعضـه قبله كالاقامة خلافا للثانى فى الفجر بتربيـع تكبير فى ابتداء ه وعن الثانى ثنتين وبفتح راء اكبر والعوام يضمونها لكن فى الطلبة معنى قوله عليـه السلام الاذان جزم اى مقطـوع المد فلا تقول الله اكبر لانه استفهام وانـه لحن شرعى او مقطوع حركة الآخر للـوقف فلا يقف بالرفـع فانـه لحن لغـوى فتاوى الصير فسيـة مـن الباب السادس و الثلثيـن

احکام ومسائل اذان

اذان بروزن زمان مصدر ہے، اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ اسم مصدر ہے اس لئے اسکی ماضی اذّن ذال کی تشدید کے ساتھ ہے اور مصدر تاذین ہے اذان کے معنی لغت میں آگاہ کرنا، خبردار کرنا آتا ہے اور شریعت میں اذان مخصوص طور پر مخصوص الفاظ کے ساتھ خبردار کرنیکا نام ہے کہ لوگوں کو نماز کے لئے مخصوص و متعین اور مرتب الفاظ کے ساتھ اطلاع کر دی جائے مصنف تنویر الابصار نے اذان کی تعریف میں وقت کے داخل ہونیکی قید نہیں لگائی، تاکہ اذان کی یہ تعریف فوت شدہ نماز کے لئے جو اذان ہوتی ہے اس کو اور خطیب کے سامنے کی اذان کو بھی شامل ہو جائے۔

اذان کی ابتداء اذان کا سبب یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے شب معراج میں اسکے ساتھ ابتدا کی اور تکبیر انہوں نے اس وقت کہی جب آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں انبیاء کرام کی امامت کی، پھر یہ کہ سنہ ایک ہجری میں حضرت عبد اللہ بن زید ابن عبد ربہ نے خواب میں آسمانی فرشتے کو اذان پکارتے دیکھا اب سوال یہ ہے کہ یہ فرشتہ جو حضرت ابن زید کو اذان سکھا رہے تھے وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی تھے یا کوئی اور جواب میں دونوں باتیں کہی گئی ہیں

بعضوں نے کہا حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی تھے اور بعضوں نے کہا کوئی اور فرشتہ تھا، اور اذان کے باقی رہنے کا سبب نماز کے وقت کا داخل ہوتے رہنا ہے

اذان کن نمازوں کے لئے ہے

پنجوقتہ نمازوں کے اوقات میں مردوں کے لئے اونچی جگہ سے اذان دینا سنت مؤکدہ ہے اور اذان چھوڑ دینے کی صورت میں ویسا ہی گناہ ہوتا ہے جو ترک واجب کا ہے اذان فرائض نماز کے اوقات میں سنت ہے گو وہ نماز قضا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ یہ اذان نماز کے لئے سنت ہے نہ کہ وقت کے لئے، اور یہی وجہ ہے کہ اذان نماز کے تابع ہوتی ہے اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ گرمیوں میں ظہر کی اذان ٹھنڈے وقت میں دی جاتی ہے ہاں فرض نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں کے لئے اذان مسنون نہیں ہے چنانچہ عیدین وغیرہما کی نماز کے لئے اذان سنت نہیں

اذان کب اور کیسے کہی جائے

اگر کسی اذان کے بعض کلمات فرض نماز کے وقت سے پہلے کہے گئے ہوں تو وہ اذان دوبارہ کہی جائے گی جس طرح تکبیر میں کیا جاتا ہے کہ اگر وہ وقت سے پہلے کہی جائے گی تو اسکا اعادہ ضروری ہوگا، البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی اذان اگر وقت سے پہلے کہی جائے تو وہ لوٹائی نہیں جائیگی۔

اذان میں ابتداء چار بار اللہ اکبر کہا جائیگا اس طرح کہ اکبر کو زبر کے ساتھ ادا کیا جائے اور عوام اس کو پیش دیتے ہیں، امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ اذان کی ابتداء میں صرف دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے طلبہ نامی کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قول الاذان جزم کا مطلب یہ ہے کہ اذان بغیر مد کے ہے یعنی اللہ کے لفظ میں الف کو کشش نہیں ہے کیونکہ الف کو کھینچنے سے استفہام کا معنی پیدا ہو جاتا ہے یعنی کیا اللہ بڑا ہے اور اس طرح ادا کرنا شرعاً غلط ہے۔

یا حدیث الاذان جزم کا مطلب یہ ہے کہ آخر کی حرکت وقف کے لئے مقطوع ہے لہذا پیش کے ساتھ وقف نہ کرے کہ لغت عرب میں ایسا کرنا غلط ہے، یہ فتاویٰ صیرفیہ کے چھتیسویں باب میں ہے،

تشریح

اذان کی تعریف میں الفاظ مخصوصہ لا کر بتایا کہ کوئی اذان فارسی، اردو یا کسی اور زبان میں دے تو وہ حکماً اذان نہ ہوگی، گو لوگوں کو اس سے بھی اطلاع ہو جائیگی اور اذان کی سنت باقی رہ جائیگی۔

اذان کی بنیاد صرف عبد اللہ بن زید ابن عبد ربہ کے خواب پر ہی نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے آپکے پاس وحی بھی آچکی تھی، مصنف عبد الرزاق اور مراسیل ابو داؤد میں یہ چیز موجود ہے، اذان مدینہ منورہ ہی میں شروع ہوئی، جن روایات میں قبل ہجرت مکہ معظمہ کا ذکر آیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

اذان کی اہمیت

اذان شعار اسلام میں داخل ہے چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر شہر کے تمام لوگ اذان چھوڑ دینے پر اتفاق کر لیں تو ان سے جنگ اور قتال جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ ایسے لوگ قید کئے جانے اور مارے جانے کے لائق ہیں باقی یہ البتہ ہے کہ اذان سنت کفایہ ہے شہر میں ایک شخص بھی اذان کہہ دے گا تو یہ سب کی طرف سے کافی ہو جائیگی

عیدین وغیرہ کے لئے اذان نہیں

عید الفطر، عید اضحیٰ نماز جنازہ، نماز استسقاء، نماز کسوف، نماز تراویح اور دوسری سنن کے لئے اذان نہیں ہے، وتر کے لئے بھی اذان الگ سے نہیں

جلد نمبر ۱

ہے وہ عشاء کے وقت میں چونکہ داخل ہے لہذا عشاء کی اذان اس کے لئے کافی ہے اگر اذان وقت سے پہلے ہوئی تو وقت آنے پر پھر اسکا اعادہ ہوگا یعنی دوبارہ کہی جائیگی خواہ کسی بھی نماز کا وقت ہو رات ہو یا دن احناف کا فتوی اسی پر ہے اسی طرح اقامت وقت سے پہلے ہو تو وہ بھی بالاتفاق دوبارہ کہی جائیگی۔

ولا ترجيع فانه مكروه ملتقى ولا لحن فيه اى تغن بغير كلماته فانه لا يحل فعله وسماعه كالتغنى بالقران بلا تغيير حسن وقيل لا باس به فى الحيلتين ويترسل فيه بسكتة بين كل كلمتين ويكره تركه وتندب اعادته ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقا وقيل ان المحل متسعًا يمينًا ويسارًا فقط لئلا يستدبر القبلة بصلاة وفلاح ولو وحده اولمو لود لانه سنة الاذان مطلقا ويستدبر فى المنارة لو متسعة ويخرج راسه منها ويقول ندبا بعد فلاح اذان الفجر الصلوة خير من النوم مرتين لانه وقت نوم ويجعل ندبا اصبعيه فى صماخ اذنيه فاذانه بدونه حسن وبه احسن

ترجمہ :۔ اذان میں ترجیع نہیں

اذان میں ترجیع نہیں ہے اس لئے کہ یہ مکروہ ہے کذا فی الملتقی (ترجیع یہ ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمد ارسول اللہ کو پہلے دو۔دو بار آہستہ کہے پھر ان دونوں کلمات کو بلند آواز سے کہے، امام شافعیؒ کے نزدیک سنت طریقہ یہی ترجیع ہے لیکن ہمارے نزدیک ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے کذا فی الحلبی ترجیع حضرت ابو محذورہؓ کی اذان میں منقول ہے وہ دراصل تعلیم کی غرض سے تھی، حضرت بلالؓ کی اذان میں کہیں ترجیع کا ذکر نہیں آیا ہے) اور اذان میں لحن بھی نہیں ہے یعنی اس طرح گانا کہ کلمات اذان بدل جائے کیونکہ اس طرح اذان دینا اور سننا دونوں ناجائز ہیں جس طرح قرآن میں تغنی (گانا) درست نہیں ہے، البتہ خوش آوازی جس سے الفاظ نہ بدلیں بہتر ہے،

کلمات اذان کی ادائیگی

اور ضعیف قول یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کے اندر لحن کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر اولی کے خلاف یہاں بھی ہے اور کلمات اذان موذن ٹھہر ٹھہر کر کہے گا ،اور ہر دو کلمہ پر سکتہ ہوگا اور اس سکتہ (ٹھہراؤ) کا چھوڑ دینا مکروہ ہے چنانچہ اس کے ترک کر دینے سے اذان کا دوبارہ کہنا مستحب ہوتا ہے اور حی علی الفلاح پر موذن دائیں بائیں منہ بھی پھیریگا، اور اسی طرح اقامت میں کرے گا خواہ کسی جگہ بھی ہو، جگہ وسیع ہو یا نہ ہو، اور بعضوں نے کہا کہ جگہ کشادہ ہو تو صرف دائیں بائیں منہ بھیرے تا کہ حی علی الصلاۃ اور حی الفلاح میں قبلہ کی طرف پشت نہ واقع ہو اس منہ پھیرنے کو اذان دینے والا ترک نہ کرے گو وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو یا وہ بچہ کی پیدائش کے وقت ہی اذان کیوں نہ پکار رہا ہو، اس لئے کہ دائیں بائیں منہ پھیرنا ان کلمات کے ساتھ مطلقا اذان میں سنت ہے، اور اگر اذان کی جگہ گھیری ہوئی ہو تو اس میں موذن گردش کرے اور اسکے طاقچہ سے سر نکالے، تا کہ لوگوں تک آواز پہونچے (یہ واضح رہے کہ عہد نبوی میں حضرت بلالؓ مسجد یا کسی گھر کی چھت سے اذان پکارتے تھے، منارہ نہ تھا، اسکا رواج حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں ہوا۔)

اذان فجر

اور فجر کی اذان میں مستحب یہ ہے کہ حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلاۃ خیر من النوم کہے، اور اذان کہتے وقت اپنے دونوں کانوں کے سوراخ میں اپنی انگلیاں ڈال لے کہ یہ بھی مستحب ہے، کانوں میں انگلی ڈالے بغیر اذان دینا بہتر ہے مگر ڈالنا بہت بہتر ہے (اس سے آواز میں بلندی آتی ہے، اور یہ ایک علامت بھی ہوتی ہے کہ یہ شخص اذان پکار رہا ہے، کان والا آواز سنے گا اور بہرا اور دور کا آدمی، اس علامت سے معلوم کر لیگا کہ اذان پکار رہا ہے۔)

تشریح

لحن کہتے ہیں حروف کو اس طرح کھینچ تان کر کے ادا کرنا کہ اسکی ادائیگی اور حرکت و سکون میں تبدیلی واقع ہو جائے، یوں اعرابی غلطی کو بھی لحن کہتے ہیں، ایساراگ اذان میں ممنوع ہے، باقی اس طرح خوش آوازی کے ساتھ ادا کرنا جس میں کلمہ اور اس کے سکون و حرکت میں تبدیلی نہ ہو پسندیدہ ہے،

اذان میں ہر دو کلمہ کے بعد سکتہ یعنی ذرا ٹھہراؤ مستحب ہے اور اسکی خلاف ورزی مکروہ ہے حتی کہ اگر کوئی ہر دو کلمے پر ٹھہر ٹھہر کر اذان نہیں پکاریگا تو اسکی اذان کا اعادہ مستحب ہو گا کذافی الطحطاوی۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں کرلو کہ اس سے تمہاری آواز بلند ہو گی

والاقامة كالاذان فيمامرلكن هي اى الاقامة وكذا الامامة افضل منه فتح ولا يضع المقيم اصبعيه في اذنيه لانها اخفض ويحدر بضم الدال اى يسرع فيهافلو ترسل لم يعد ها في الاصح ويزيد قد قامت الصلوة بعد فلا حها مرتين وعند الثلثة هى فرادى ويستقبل غير الراكب القبلة بهما ويكره تركه تنزيها ولو قدم فيهما موخرًا اعادما قدم فقط . ولا يتكلم فيهما اصلا ولو رد سلام فان تكلم استانفه ويثوب بين الاذان والاقامة فى الكل للكل بما تعارفوه ويجلس بينهما بقدر ما يحضر الملازمون مراعيا لوقت الندب الا فى المغرب فيسكت قائما قدر ثلاث آيات قصار ويكره الوصل اجماعا

ترجمہ:۔ تکبیر کے احکام

اور ان احکام میں جو ابھی ذکر کئے گئے اذان کے ہی مانند تکبیر بھی ہے لیکن تکبیر اور اسی طرح امامت اذان سے افضل ہے فتح القدیر میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، لیکن تکبیر کہنے والا اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں نہیں ڈالے گا اس وجہ سے کہ تکبیر پست آواز میں ہوتی ہے (اور کان میں انگلیاں آواز میں بلندی کے لئے ڈالی جاتی ہیں) اور تکبیر کہنے میں جلدی کرے اس میں ہر دو کلموں پر سکتہ نہیں ہے، شارح نے کہا کہ لفظ "یحدر" "یسرع" کے معنی میں ہے لیکن اگر کوئی تکبیر کے کلمات اذان کی طرح ٹھہر ٹھہر کر کہے گا تو صحیح تر قول یہ ہے اسے پھر دوبارہ نہ کہے گا، اور تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ "قد قامت الصلوۃ۔ قد قامت الصلوۃ بڑھائے، اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ کے نزدیک تکبیر ایک ایک کلمہ ہے (یعنی جو اذان میں چار چار ہے وہ تکبیر میں دو دو اور جو اذان میں دو دو ہے وہ تکبیر میں ایک ایک بار) سوار کو سوا ہر شخص کو چاہئے کہ اذان اور تکبیر کہنے میں قبلہ کی طرف منہ رکھے، قبلہ کی طرف منہ کرنے کو چھوڑ دینا مکروہ تنزیہی ہے

خلاف ترتیب ہو تو اسکی اصلاح

اور اگر کوئی اذان اور تکبیر میں بعد والے لفظ کو پہلے کہدے تو اسکا حکم یہ ہے کہ ان الفاظ کو پھر اپنی جگہ میں کہے اس پر پوری اذان و تکبیر کا دوھرانا ضروری نہیں ہے اذان اور تکبیر کہتے وقت بات بالکل نہ کرے گو وہ سلام کا جواب ہی کیوں نہ ہو، اور اگر کوئی اذان و تکبیر میں بولیگا تو وہ اسے دوبارہ کہے گا اور اذان و تکبیر کے درمیان میں تمام نمازیوں کو بغیر کسی تخصیص کے بلائے جس طرح انکے بلانے کی عادت ہو، اور اذان اور تکبیر کے درمیان اس قدر فاصلہ کرے کہ پابندی سے جماعت کے لئے آنے والے آجائیں مگر اس انتظار میں مستحب وقت کی رعایت رکھے، صرف مغرب کی اذان کے بعد نمازیوں کو دوبارہ بلانے یا انکے انتظار کا حکم نہیں ہے، اذان اور تکبیر کے درمیان میں صرف اتنا فصل کرے جتنی دیر میں تین چھوٹی آیتیں پڑھی جائیں، اذان اور تکبیر کے درمیان بالکل فصل نہ کرنا اور ان دونوں کو ملادینا بالاتفاق مکروہ ہے

تشریح اذان کے جو احکام پہلے ذکر ہوئے تھے وہ یہ ہیں (۱) اذان سنت مؤکدہ ہے (۲) اگر وقت سے پہلے ہوئی ہے تو دوبارہ کہی جائیگی (۳) اس کی ابتداء چار تکبیر سے ہوگی (۴) ترجیع نہ کرے گا (۵) راگ جس سے الفاظ بدل جائیں درست نہیں (۶) ٹھہر ٹھہر کر کہے (۷) حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح میں دائیں بائیں مڑے (۸) فجر میں دوبارہ الصلوۃ خیر من النوم کا اضافہ کرے (۹) کانوں میں انگلیاں ڈالے (۱۰) منارہ (اذان گاہ) ہو تو اس میں گردش کر کے طاقچہ میں آکر منہ نکالے،

کلمات اذان تکبیر میں ٹھہر ٹھہر کر کہنے کے بجائے جلدی جلدی کہے اور الصلوۃ خیر من النوم کی جگہ ہر تکبیر میں قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ کہے، اور تکبیر کہنے میں کانوں کے اندر انگلیاں نہ رکھی جائیں، اس میں گردش بھی نہیں ہے، سفر میں سواری پر اذان درست ہے مگر اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں ہے،

تشریح تثویب کہتے ہیں، اذان کے تھوڑی دیر بعد الصلوۃ الصلوۃ کہہ کر نمازی کو دوبارہ بلانا، مگر مغرب کی نماز کے لئے تثویب نہیں ہے جماعت میں آنے والوں کی رعایت وقت مستحب کے لحاظ سے ہی ہوگی، اتنی رعایت اور انتظار نہ ہو کہ نماز کا مستحب وقت نکل جائے، موجودہ دور میں ٹائم مقرر کر دیا جاتا ہے اور اسکے مطابق جماعت شروع کر دی جاتی ہے، یہ اچھا طریقہ ہے، مزید انتظار کسی کا نہ کیا جائے، امام کا البتہ دو ایک منٹ مزید انتظار ہونا چاہئے، ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اذان کے بعد جماعت میں کچھ نہ کچھ فصل ضروری ہے تا کہ آنے والے آجائیں، پاخانہ، پیشاب، اور کھانے میں اگر مشغول ہوں تو اس سے فارغ ہو جائیں صرف مغرب میں ایک دو منٹ کے بعد جماعت شروع کر دی جائے،

رمضان کے دنوں میں افطار کی وجہ سے چار، پانچ منٹ کی تاخیر میں کوئی مضائقہ نہیں، حدیث میں ہے کہ تو اپنی اذان و اقامت میں اس قدر توقف کر کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہو جائے۔

فائده التسليم بعد الاذان حدث فی ربيع الآخر سنة سبعمائة واحدی وثمانين فی عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فی الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة

فائــــــــده

(شارح کی طرف سے ضروری اضافہ)

بعد اذان آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجنا نئی چیز ہے یہ طریقہ ربیع الثانی ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا ہے اس سے پہلے یہ طریقہ صرف دو شنبہ کی رات میں عشاء کی نماز کے اندر رائج تھا، پھر جمعہ کے دن اس کا اضافہ ہوا، اور اس کے دس برس بعد اس سلام کا رواج سوائے مغرب تمام نمازوں میں ہو گیا، پھر کچھ دنوں بعد یہ رسم مغرب میں بھی جاری ہوئی اور اس میں دو مرتبہ سلام بھیجا جانے لگا، یہ رسم بدعت حسنہ ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس بدعت کی ابتداء صلاح الدین ایوبی کے حکم سے ۷۹۱ھ میں ہوئی، طحطاوی لکھتے ہیں کہ مغرب کا سلام ہمارے اس زمانہ میں رائج نہیں ہے، بدعت حسنہ اس بدعت کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے بعد ایجاد ہوا ہو مگر قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو بحمد اللہ یہ رسم و رواج ہمارے ملک میں اس وقت تک نہیں ہے، اور نہ ہونا چاہئے کہ یہ سب خلاف سنت ہے

ویسن ان یوذن و یقیم لفائتة رافعا صوته لو بجماعة او صحراء لا ببیته منفردا و کذا یسنان لا ولی الفوائت لا لفاسدة و یخیر فیه للباقی لو فی مجلس وفلعه اولی وبقیم للکل ولا یسن ذلك فیما تصلیه النساء اداءً وقضاءً ولو جماعة کجماعة صبیان و عبید ولا یسنان ایضا لظهر یوم الجمعه فی مصر ولا فیما یقضی من الفوائت فی مسجد لان فیه تشویشا و تغلیطا، ویکره قضاؤها فیه لان التاخیر معصیة فلا یظهرها بزازیة.

ترجمہ:۔ قضا نمازوں کے لئے اذان جو نماز قضا ہو چکی ہے اس کے لئے اذان و تکبیر کہنا مسنون ہے جماعت کے ساتھ قضا کر رہا ہو، یا جنگل میں ادا کر رہا ہو، لیکن جنگل میں ادائیگی کی صورت میں اذان بلند آواز سے دے اور اگر اپنے گھر میں اکیلا قضا کر رہا ہو تو اذان زیادہ بلند آواز سے دینے کی ضرورت نہیں ہے، اور جب بہت سی نمازیں قضا ہوں تو ان نمازوں میں سے صرف پہلی نماز کے لئے اذان اور تکبیر کہی جائیگی اور بقیہ قضا کے لئے اس وقت اس کو اختیار ہے جب وہ ایک ہی مجلس میں ان سب کی قضا کر رہا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ بقیہ میں بھی کہے اور تکبیر تو ہر قضا میں کہے گا اور اگر ان قضا شدہ نمازوں کی قضا کئی مجلسوں میں الگ الگ کرے تو وہ ہر مجلس میں اذان و تکبیر کہے گا، البتہ جو نماز فاسد ہو جائے اور وہ اس کو وقت میں دوبارہ ادا کرے تو اس کے لئے اذان و تکبیر مسنون نہیں ہے ان نمازوں میں جن کو عورتیں پڑھیں خواہ وہ نماز ادا ہو، خواہ قضا اذان اور تکبیر سنت نہیں ہے گو بچوں اور غلاموں کی طرح وہ عورتیں باجماعت ہی کیوں نہ نماز پڑھیں۔

نیز جمعہ کے دن شہر میں ظہر کی نماز کے واسطے اذان اور تکبیر مسنون نہیں ہے، اور اسی طرح اذان و تکبیر ان قضا نمازوں میں بھی مسنون نہیں ہے جو مسجدوں میں ادا کی جائے، اس وجہ سے کہ اس میں لوگوں کے لئے تشویش ہے اور انکو غلطی میں

ذالناب کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ وقتی نماز کی اذان ہو رہی ہے، اور قضا شدہ نمازوں کا مسجد میں ادا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ وقت پہ نماز چھوڑ دینا اور بے وقت ادا کرنا گناہ ہے لہذا اس کو ظاہر نہ کرنا چاہئے اور مسجد میں ادا کرنے سے ظاہر کرنا سمجھا جائیگا۔

تشریح غزوہ خندق میں آنحضرت ﷺ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں تو آپ نے ان میں اذان اور تکبیر کا حکم فرمایا تھا، کذا فی الطحطاوی۔

ویجوز بلاکراهة اذان صبی مراهق وعبد ولا یحل الا باذن کاجیر خاص واعمی وولد زنا واعرابی انما یستحق ثواب الموذنین اذا کان عالما بالسنة والاوقات ولو غیر محتسب بحر ویکره اذان جنب وواقامة محدث لا اذانه علی المذهب واذان امراءة وخنثی وفاسق ولو عالما لکنه اولی بامامة واذان من جاهل تقی وسکران ولو بمباح کمعتوه وصبی لا یعقل وقاعد الا اذا اذن لنفسه وراکب الالمسافریعاد اذان جنب ندبا وقیل وجوبالا اقامته لمشروعیة تکرار ه فی الجمعة دون تکرارهاوکذایعاد واذان امراةٍ ومجنون ومعتوهٍ وسکران وصبی لا یعقل لا اقامتهم لمامرویجب استقبالهما لموت موذن وغشیه وحرسه وحصره ولا ملقن وذهابه للوضو لسبق حدث خلاصةلکن عبر فی السراج بیندب وجزم المصنف بعدم صحة اذان مجنون ومعتوه وصبی لا یعقل قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قوله فی الدیانات

ترجمہ:۔ بچہ وغیرہ کی اذان کا حکم اس بچہ کی اذان بلا کراہت جائز ہے جو قریب البلوغ ہے، اور اسی طرح غلام کی اذان بھی، لیکن غلام کے لئے اذان آقا کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے جیسے مخصوص مزدور کو بلا مالک کی اجازت اذان دینا درست نہیں ہے اذان میں وقت صرف ہوتا ہے جس سے آقا اور مالک کے کام کا نقصان ہوگا اس لئے اس کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے،

اندھے، ولد الزنا، اور دیہاتی کی اذان جائز ہے اور جو شخص اذان دیتا ہے وہ اس وقت تک مستحق ثواب نہیں ہوتا جب تک وہ اذان کا مسنون طریقہ نہ جانتا ہو، اور نماز کے اوقات نہ پہچانتا ہو، اگرچہ اس کی نیت صرف ثواب کی نہیں ہے بلکہ اذان پر اجرت بھی لیتا ہے، جس پر غسل واجب ہے اس کی اذان اور جسکو وضو نہیں ہے اس کی تکبیر مکروہ ہے۔

بلا وضو اذان لیکن وہ شخص جس کا وضو نہیں ہے اس کی اذان صحیح مذہب کی بنیاد پر مکروہ نہیں ہے (بلکہ بلا کراہت جائز ہے) عورت خنثی اور فاسق کی اذان مکروہ ہے گو وہ فاسق عالم ہو، البتہ فاسق عالم امامت اور اذان میں جاہل پرہیزگار سے زیادہ بہتر ہے مگر یہ اس وقت ہے جب اس فاسق عالم کے سوا دوسرا کوئی عالم موجود نہ ہو، اور مست کی اذان مکروہ ہے خواہ اس کی یہ مستی مباح چیز پینے یا کھانیکی وجہ سے ہو جس طرح بے شعور بچہ اور مدہوش کی اذان مکروہ ہے جو مرد بیٹھکر اذان دے اس کی اذان بھی مکروہ ہے ہاں اگر وہ صرف اپنے لئے اذان دے تو مکروہ نہیں ہے، اسی طرح سوار کی اذان مکروہ ہے

یعنی اگر وہ سوار مسافر ہے تو اسکی اذان مکروہ نہیں۔

اذان اور تکبیر کب لوٹانی چاہئے

وہ اذان جو جنبی (جس پرغسل فرض ہے) اس نے دی ہے تو اس کا لوٹانا مستحب ہے اور بعضوں نے کہا کہ اسکا لوٹانا واجب ہے لیکن اگر ناپاک اور جنبی نے تکبیر کہدی ہے تو وہ لوٹائی نہیں جائیگی، چونکہ جمعہ میں اذان کی تکرار ثابت ہے کہ دوبار ہوتی ہے لہذا عذر کی وجہ سے اذان کا اعادہ ہو سکتا ہے لیکن تکبیر دوبار کہیں ثابت نہیں اس لئے اس کا لوٹانا صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح وہ اذان لوٹائی جائیگی جو عورت یا پاگل مدہوش اور مست مردنے یا بے عقل بچہ نے دی ہو البتہ ان سب کی کہی ہوئی تکبیر دوبارہ نہ کہی جائے گی اس دلیل کی وجہ سے جو گذری کہ اذان کی تکرار ثابت ہے تکبیر کی تکرار ثابت نہیں۔

اور جب موذن اذان کہتے ہوئے یا تکبیر کہتے ہوئے اذان وتکبیر کے پورا کرنے سے پہلے مر جائے تو یہ اذان وتکبیر وجوبا از سر نو لوٹائی جائیگی اسی طرح ان دونوں کا اس وقت لوٹانا واجب ہے جب موذن یا تکبیر کہنے والے کو غش آجائے یا گونگا ہو جائے یا اسکی زبان بند ہو جائے اور وہاں کوئی تلقین کرنیوالا موجود نہ ہو اور اس وقت بھی اذان اور تکبیر لوٹانی ضروری ہے جب اذان یا تکبیر کہتے ہوئے وضو ٹوٹ جائے اور وہ وضو کرنے کے لئے چلا جائے، خلاصہ میں یونہی ہے لیکن سراج وہاج میں مذکورہ بالا صورتوں میں اذان کا از سر نو لوٹانا مستحب لکھا ہے "یجب" کی جگہ اس میں یندب کا لفظ آیا ہے۔

اور مصنف نے تیقن کے ساتھ کہا ہے کہ پاگل، مدہوش اور اس بچہ کی اذان درست نہیں ہے جس کو عقل نہیں، شارح کہتے ہیں کہ کافر اور فاسق کی اذان بھی جائز نہیں ہے اسلئے کہ دین کے کاموں میں ان لوگوں کے بات مقبول نہیں ہے۔

تشریح قریب البلوغ کی اذان کو بلا کراہت جائز کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خلاف اولی ہے جیسا کہ بحر الرائق میں صراحت ہے غلام اور اجیر خاص (خاص مزدور) کی اذان اس وقت درست ہوگی جب وہ اپنے آقا یا اس کی اجازت سے دے جس کا وہ مزدور ہے اس کی بلا اجازت اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں آقا اور مزدور رکھنے والے کا نقصان ہے، اس وجہ سے فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص مزدوری پر لگا ہو اس کے لئے بلا اجازت نوافل پڑھنا درست نہیں ہے جنبی کی اذان مکروہ تحریمی ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاتا ہے مگر وہ خود اس حال میں ادا نہیں کر سکتا۔

کن صورتوں کا اعادہ ضروری ہے

اذان کو پانچ صورتوں میں از سر نو واجب کہا گیا ہے (۱) اذان دیتے ہوئے درمیان اذان میں موذن مر جائے (۲) درمیان اذان میں موذن کو غش آجائے (۳) درمیان اذان میں موذن گونگا ہو جائے (۴) درمیان اذان میں موذن رک جائے اور اس کی آواز بند ہو جائے (۵) اثناء اذان میں موذن کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ اذان چھوڑ کر وضو کے لئے چلا جائے۔

ان پانچ صورتوں میں تکبیر کہنے والے کا حکم بھی وہی ہے جو موذن کا بیان ہوا، صرف موذن کو مصنف نے بیان کیا اور تکبیر کہنے والے کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر کہنا موذن کا ہی حق ہے۔

اثناء اذان وتکبیر میں اگر کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو موذن اور تکبیر کہنے والے کو چاہئے کہ وہ اذان اور تکبیر پوری کرنے کے بعد، وضو کو جائے، کیونکہ بے وضو والے کی اذان درست ہے۔

و كره تركهما معا لمسافر ولو منفردا و كذا تركها لا تركه لحضور الرفقة بخلاف مصل ولو بجماعة في بيته بمصر او قرية لها مسجد فلا يكره تركهما اذا اذان الحي يكفيه او مصل في مسجد بعد صلوة جماعة فيه بل يكره فعلهما و تكرار الجماعة الا في مسجد على طريق فلا باس بذلك جوهره اقام غيرمن اذن بغيبته اى المؤذن لا يكره مطلقا و ان بحضوره كره ان لحقه وحشة كما كره مشيه في اقامته.

ترجمہ:۔ مسافروں کے لئے اذان و تکبیر مسافروں کا اذان و تکبیر دونوں یا صرف تکبیر چھوڑ دینا مکروہ ہے خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو البتہ مسافر صرف اذان چھوڑ دے اور تکبیر کہے تو یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس کے سارے ساتھی موجود ہیں اور اذان کا منشاء سب کو جمع کرنا ہوتا ہے یہاں سب پہلے سے ہی یکجا موجود ہیں۔

بخلاف۔ اس نمازی کے جو شہر کے اندر اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے خواہ وہ باجماعت ہی کیوں نہ پڑھتا ہو یا وہ اس آبادی میں نماز پڑھ رہا ہے جس میں مسجد ہے تو ایسی جگہ میں اذان یا تکبیر کا چھوڑ دینا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ اس کے لئے محلہ کی اذان کافی ہے لیکن اگر گاؤں میں مسجد نہ ہو یا مسجد تو ہو مگر اس میں اذان اور تکبیر نہ ہوتی ہو تو اس مسجد کے نمازی کو چاہئے کہ وہ اذان اور تکبیر نہ چھوڑے۔

یا بخلاف اس نمازی کے جو کسی مسجد میں جماعت ہو جانے کے بعد نماز پڑھتا ہے اس میں اذان اور تکبیر کہنا اور دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے مگر اگر وہ راستہ کی مسجد ہے تو اس میں اذان و تکبیر کے ساتھ جماعت دوبارہ کرنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ جوہر نیرہ میں مذکور ہے، لیکن لا باس کا لفظ بتاتا ہے کہ خلاف اولی ضرور ہے۔

تکبیر کس کا حق ہے موذن کے موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسرا شخص تکبیر کہے تو یہ مطلقاً مکروہ نہیں ہے خواہ موذن اسے پسند کرے یا پسند نہ کرے، ہاں اگر موذن موجود ہو پھر دوسرا شخص تکبیر کہے اور موذن کو یہ بات پسند نہیں بلکہ اسکو اس سے وحشت ہوتی ہے تو البتہ مکروہ ہے، کیونکہ تکبیر کہنا اذان دینے والے کا حق ہے، یہ کراہت ایسی ہی ہے جس طرح تکبیر میں چلنا مکروہ ہے۔

تشریح اگر کسی گاؤں میں مسجد نہ ہو یا مسجد ہو مگر اس میں اذان اور تکبیر نہیں ہوتی ہے تو وہاں کے نمازی مسافر کے حکم میں ہیں ان کو اذان و تکبیر ترک نہیں کرنا چاہئے۔

تکبیر کہنا موذن کا حق اسلئے ہے کہ حدیث میں آیا ہے من اذن فهو يقيم جو اذان دیگا وہی تکبیر کہے گا۔

ويجيب وجوبا وقال الحلواني ندبا والواجب الاجابة بالقدم من سمع الاذان ولو جنبا لا حائضا ونفساء وسامع خطبة وفي صلوة جنازة وجماع ومستراح واكل وتعليم علم و تعلمه بخلاف قرآن بان يقول بلسانه كمقالته ان سمع المسنون منه وهو ما كان عربيا لا لحن فيه ولو تكرر اجاب الاول الا في الحيعلتين فيحو قل وفي الصلوٰة خير من النوم فيقول

صدقت وبررت و يندب القيام عند سماع الاذان بزازية ولم يذكرهل يستمر التى فراغه او يجلس ولولم يجبه حتى فرغ لم اره وينبغي تداركه ان قصر الفصل ويدعو عند فراغه بالوسيلة لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولو كان في المسجد حين سمعه ليس عليه الاجابة ولو كان خارجه اجاب بالمشى اليه بالقدم ولو اجاب باللسان لابه يكون مجيباًوهذا بناء على الاجابة المطلوبة بقدمه لا بلسانه كما هو قول الحلواني وعليه فيقطع قراة القرآن لو كان يقرء بمنزله ويجيب لو اذان مسجده كما ياتى ولو بمسجد لا لانه اجاب بالحضور وهذا متفرع على قول الحلواني واما عندنا فيقطع ويجيب بلسانه والظاهر وجوبها بلسانه لظاهر الامر في حديث اذا سمعتم الموذن فقولوا مثل ما يقول كما بسطهٗ في البحر واقره المصنف وقواه في النهر ناقلا عن المحيط وغيره بانه على الاول لا يرد السلام ولا يسلم ولا يقرء بل يقطعها ويجيب ولا يشتغل بغير الاجابة قال وينبغي ان لا يجيب بلسانه اتفاقا في الاذان بين يدى الخطيب وان يجيب بقدمهٖ اتفاقا في الاذان الاول يوم الجمعة لوجوب السعى بالنص وفى التتارخانية انما يجيب اذان مسجده وسئل ظهير الدين عمن سمعه في ان من جهاتٍ ما ذا يجب عليه قال اجابة اذان مسجده بالفعل ويجيب الاقامة ندبا اجماعا كاالاذان ويقول عند قد قامت الصلوة اقامها الله وادامها وقيل لا يجيبها وبه جزم الشمنى

ترجمہ:۔ اذان سننے والے کا فریضہ

جو شخص اذان سنے اس پر واجب ہے کہ زبان سے ان کلمات اذان کا جواب دے خواہ سننے والا جنبی ہی کیوں نہ ہو، اور حلوانی نے کہا کہ زبان سے کلمات اذان کا جواب دینا سننے والے کے لئے مستحب ہے اور پاؤں سے چل کر جواب دینا واجب ہے یعنی اذان سننے والے پر واجب یہ ہے کہ جماعت کی نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہو۔

لیکن اگر اذان سننے والی عورت حائضہ ہے یا وہ حالت نفاس میں ہے یا مرد خطبہ سن رہا ہے یا نماز پڑھ رہا ہے یا نماز جنازہ میں شریک ہے، اور یا بیوی کے ساتھ ہمبستر ہے، اور یا پاخانہ میں ہے، یا کھانا کھا رہا ہے، یا کوئی علم پڑھ رہا ہے یا علم سیکھ رہا ہے تو ان تمام حالتوں میں اذان کا جواب دینا واجب یا مستحب نہیں ہے، لیکن اگر وہ قرآن پڑھ رہا ہے تو اذان سننے کے بعد رک کر کلمات اذان کا جواب دے۔

جواب اس طرح دے کہ موذن کے کلمات کو اپنی زبان سے دہرائے لیکن شرط یہ ہے کہ اذان دینے والا سنت طریقہ پر اذان دے رہا ہو، اذان میں لحن ایسا نہ ہو کہ اس سے کلمات میں تغیر پیدا ہو جائے، جس اذان میں ایسی کھینچ تان ہو کہ الفاظ بدل جائیں تو اسکا جواب نہ دے گا۔

اور اگر دو مرتبہ اذان ہو تو ان میں سے جواب پہلی اذان کا دے گا خواہ وہ پہلی اذان مسجد کی ہو یا دوسری جگہ کی، البتہ تی علی

الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں سننے والا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے اور الصلوۃ خیر من النوم کے جواب میں "صدقت و بررت" لفظ کہے یعنی تو نے سچ کہا اور تو نے نیکوکاری کی ہے اور بزازیہ میں ہے کہ اذان سننے کے وقت کھڑا ہو جانا مستحب ہے لیکن اس میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ ختم اذان تک کھڑا رہے یا کھڑا ہو کر فوراً بیٹھ جائے اور اگر کوئی اذان سنے اور جواب نہ دے تا آنکہ موذن اذان سے فارغ ہو جائے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے میں نے کسی کتاب میں اس کا جواب نہیں دیکھا لیکن مناسب یہ ہے کہ اگر اذان میں ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے تو بعد میں جواب دیکر تلافی کی سعی کرے۔

اذان کے بعد مسجد جانا

اور اذان سے فارغ ہونے کے بعد رسول خدا علیہ السلام کے لئے دعائے وسیلہ کرے اور اگر اذان سننے والا مسجد میں ہے اور وہیں اذان سن رہا ہے تو اس پر جواب دینا لازم نہیں ہے لیکن اگر مسجد سے باہر ہے تو وہ مسجد میں چل کر آجائے یہی اس کا جواب ہے اگر کسی نے زبان سے جواب دیا مگر چل کر مسجد میں نہیں آیا تو وہ جواب دینے والا نہیں قرار پائے گا، اور اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ شریعت میں جو جواب مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ چل کر مسجد آئے، صرف زبان سے مطلوب نہیں ہے، جیسا کہ حلوانی کا قول نقل ہوا، اور اس قول کی بنا پر اگر کوئی اپنے گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہے۔ تو وہ قرآن پڑھنا بند کر دے اور کلمات اذان کا جواب دے اور مسجد آئے، اگر یہ اذان اس کے محلہ کی مسجد کی ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے لیکن اگر کوئی مسجد میں قرآن پڑھ رہا ہے اور اذان ہونے لگی تو قرآن پڑھنا بند نہ کرے اس لئے کہ وہ حاضری سے جواب دے رہا ہے یہ مسئلہ حلوانی کے قول پر متفرع ہے، لیکن ظاہر قول کی بنیاد پر زبان سے جواب دینا بھی واجب ہوتا ہے اس حدیث کی ظاہر عبارت پر جس میں مذکور ہے کہ جب تم اذان پکارنے والے کی اذان سنو تو تم اسی قول کی مانند کہو جس طرح موذن کہہ رہا ہے جیسا کہ صاحب بحر الرائق نے اس کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور مصنف نے اسے اپنے شرح میں برقرار رکھا ہے اور زبان سے جواب دینے کو قولی کہا ہے اور صاحب النہر الفائق نے محیط وغیرہ سے نقل کر کے اسکو مضبوط کیا ہے اس طرح پر کہ پہلے قول (یعنی زبان سے جواب دینے کی بنیاد) پر انہوں نے مسئلہ یہ بتایا ہے کہ اذان سننے والا نہ تو سلام کرنے والے کا جواب دے اور نہ وہ خود کسی کو سلام کرے اور نہ وہ قرآن پڑھے بلکہ پڑھ رہا ہو تو بند کر دے اور اذان کا جواب دے، جواب کو چھوڑ کر کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔

صاحب النہر الفائق نے کہا کہ اس اذان کا زبان سے جواب نہ دے جو خطیب کے سامنے جمعہ میں کہی جاتی ہے یہ متفقہ مسئلہ ہے، لیکن جمعہ کی پہلی اذان کا جواب دے اس طرح کہ چل کر مسجد میں آئے، اس لئے کہ نص سے سعی الی الجمعہ کا واجب ہونا ثابت ہے اور تاتارخانیہ میں یہ ہے کہ صرف اپنی مسجد کی اذان کا جواب دے یعنی اذان سننے کے بعد مسجد جائے۔

ظہیر الدین سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس نے متعدد جہت سے بیک وقت کئی اذانیں سنیں اس پر کیا واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اس پر اپنی مسجد کی اذان کا عملاً جواب دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ چل کر وہاں جماعت کے لئے جائے۔

تشریح

دعائے وسیلہ وہ دعا ہے جو اذان کے بعد پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہے اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمد ن الوسیلۃ والفضیلۃ والبعثہ مقاما محمود ن الذی وعدتہ انک لا تخلف المیعاد۔

حدیث میں ہے کہ اذان بعد جو مسلمان یہ دعا پڑھے گا اسکے لئے قیامت میں میری شفاعت واجب ہو گی

جمعہ کے دن دوسری اذان جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کے بعد زبان سے جواب دینے کی ممانعت اس لئے ہے کہ خطیب کے منبر پر بیٹھ جانے کے بعد کلام مطلقاً مکروہ ہے تفصیلی گفتگو باب الجمعہ میں آئیگی اور مستحب یہ ہے کہ جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے تکبیر کا بھی جواب دے۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے البتہ قد قامت الصلوۃ کے جواب میں اقامھا اللہ وادامھا کہے گا،

صلی السنة بعدالاقامة او حضر الامام بعدها لايعيدها وينبغي ان طال الفصل او وجد ما يعد قاطعاً كاكل ان تعاد دخل المسجد والموذن يقيم قعد الى قيام الامام فى مصلاه رئيس المحلة لا ينتظر ما لم يكن شرير ا والوقت متسع يكره له ان يوذن فى مسجد ين ولاية الاذان الاقامة لباقى فى المسجد مطلقا وكذا الامامة لو عد لا الا فضل كون الامام هو الموذن وفى الضياء انه عليه الصلوة والسلام اذن فى سفر بنفسه وقام وصلى الظهر وقد حققناه فى الخزائن.

فروع (چند جزئی مسئلے)

ترجمہ تکبیر کہنے کے بعد تکبیر کہنے والے نے سنت نماز پڑھی یا تکبیر ختم ہونے کے بعد امام آیا تو ان دونوں صورتوں میں تکبیر دوبارہ نہ کہے اور اگر تکبیر اور نماز کے درمیان فصل طویل ہو جائے یا ایسی بات پائی جائے جو نماز و تکبیر کے درمیان قاطع ہو یا فصل کرنے والی ہو جیسے کھانا کھانا تو اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ تکبیر لوٹائی جائے۔

ایک شخص مسجد میں اس حالت میں داخل ہوا کہ تکبیر کہنے والا تکبیر کہہ رہا تھا تو امام کے کھڑے ہونے تک اپنی جائے نماز پر بیٹھ جائے محلہ کے رئیس کا انتظار نہ کیا جائے لیکن اگر وہ شریر ہو اور وقت میں گنجائش بھی ہو تو انتظار کرنا جائز ہے اور اگر وقت تنگ ہے تو انتظار نہ کیا جائے گو رئیس محلہ بذات ہی کیوں نہ ہو،

ایک موذن کو (ایک وقت میں) دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے (لیکن یہ کراہت اس وقت ہے جب موذن پہلی مسجد میں نماز پڑھ چکا ہو، ورنہ نہیں)

اذان اور تکبیر کی ولایت مسجد بنانے والے کو حاصل ہوتی ہے، بنانے والا خواہ عادل نہ ہو دونوں صورتوں میں اسیطرح بانی مسجد کو امامت کا بھی اختیار حاصل ہے مگر یہ اس وقت ہے جب وہ عادل ہو

امام کا موذن ہونا افضل ہے، اور ضیاء مقدسی میں مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں بذات خود اذان پکاری پھر تکبیر بھی کہی اور ظہر کی نماز ادا فرمائی، ہم نے اس کو خزائن الاسرار میں بیان کیا ہے۔

تشریح شریر رئیس سے فتنہ کا خوف ہے اسوجہ سے مستحب وقت میں گنجائش کی شرط کے ساتھ اسکا انتظار درست کہا گیا ہے تکبیر کہتے وقت جب تک امام آگے نہ ہو جائے مقتدی کا امام کے کھڑے ہونے تک مصلی پر بیٹھنا ادب کے خیال سے ہے، ضروری یا واجب نہیں، بلکہ پہلے کھڑے ہونے سے صفوں کو سیدھا کرنے میں سہولت ہوگی، اور حدیث میں اسکی بہت تائید آئی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق لکھا ہے کہ خود اذان بھی دیتے تھے اور امامت بھی فرماتے تھے طحطاوی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

اذان کہنا اس صورت میں ثابت ہے جب آپ سوار تھے، چنانچہ ترمذی شریف میں حالت سفر میں آپکا اذان کہنا مروی ہے، اور نوویؒ نے اسے تسلیم کیا ہے، اور مسند احمد میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ اذان پکار دیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اذان کا حکم دیا ہے خود اذان نہیں دی ہے۔

باب شروط الصلوٰۃ

ھی ثلثة انواع شرط انعقاد کنیة و تحریمة ووقت خطبة وشرط دوام کطھارة وستر عورة واستقبال قبلة وشرط بقاءٍ فلا یشترط فیه تقدم ولا مقارنة بابتداءِ الصلوٰۃوھو القرأۃ فانه رکن فی نفسه شرط فی غیره لوجوده فی کل الارکان تقدیرا ولذا لم یجز استخلاف الامی ثم الشرط لغة العلامة اللازمة وشرعا ما یتوقف علیه الشیٔ ولا یدخل فیه ھی ستة طھارة بدنه ای جسده لدخول الاطراف فی الجسد دون البدن فلیحفظ من حدث بنوعیه وقدمه لانه اغلظ وخبث مانع کذالك

نماز کی شرائط کا بیان

ترجمہ شرط کی تین قسمیں ہیں عقلی، جعلی، اور شرعی، عقلی کی مثال جیسے بڑھئی کے لئے بسولا، جعلی کی مثال جیسے کوئی بیوی سے کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ پر طلاق، اور شرعی کی مثال جیسے نماز کے لئے پاکی کی شرط ہے۔

یہاں شرط سے شرط شرعی مراد ہے اور یہاں وہ شروط مقصود ہیں جو نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہیں وہ شرائط مراد نہیں ہیں جن کی وجہ سے نماز کا وجوب ثابت ہوتا ہے جیسے عاقل بالغ، اور مسلمان ہونا۔

مصنف نے کہا کہ شرطیں تین قسم پر ہیں ایک قسم نماز کے منعقد ہونیکی ہے، جس کا ابتداء نماز میں پہلے سے پایا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ آخر تک باقی رہے یا نہ رہے جیسے نیت تکبیر تحریمہ، اور نماز کا وقت ہونا، اور جمعہ کے لئے خطبہ کا ہونا کہ جب تک یہ چیزیں پائی نہ جائیں گی نماز کا وجود نہ ہوگا۔

شرط کی دوسری قسم وہ شرط ہے جو دوام نماز کے لئے ہے جیسے پاکی کا ہونا، ستر کا چھپا ہوا ہونا، اور قبلہ کی طرف منہ کا ہونا ان شرطوں کا از اول تا آخر پایا جانا ضروری ہے، تیسری قسم شرط بقا ہے کہ اس میں پہلے سے اس کا پایا جانا مشروط نہیں ہے اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ ابتداء نماز میں پائی جائے، بلکہ نماز کے ایک حصہ میں پائی جائے۔

اور وہ شرط بقا نماز میں قرآن پاک کا پڑھنا ہے، اسلئے کہ قراءت بذات خود رکن ہے اور غیر کے حق میں شرط ہے اس لئے کہ یہ قراءت تقدیراً تمام ارکان میں پائی جاتی ہے یعنی تمام ارکان میں قرات حقیقی گو نہیں پائی جاتی لیکن حکماً تمام میں موجود ہوتی ہے (رکن وہ ہے جو ماہیت شی میں داخل اور اس کا جزء ہو اور شرط وہ ہے جو ماہیت سے خارج ہو مگر اس کے لئے ضروری ہو)

اور چونکہ قرات کا پایا جانا تمام ارکان میں ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ امی (ان پڑھ) کا نماز میں خلیفہ بنانا جائز نہیں۔
خواہ یہ خلیفہ بنانا آخیر تشہد ہی میں کیوں نہ ہو

شرط کی تعریف

پھر یہ بھی واضح رہے کہ لغت میں شرط کہتے ہیں اس علامت (پہچان) کو جو اس کے لئے لازم ہو۔ شریعت میں شرط اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی چیز موقوف ہو، اور وہ اس میں داخل نہ ہو، بلکہ اس سے خارج ہو مگر لازم ہو۔

نماز کی شرطیں

اور نماز کی یہ شرطیں چھ ہیں (۱) بدن کا دونوں قسم کے حدث سے پاک ہونا یعنی اس کے پورے جسم کا پاک ہونا بدن کی شرح جسد کے ساتھ اس وجہ سے کی کہ ہاتھ پاؤں جسد (جسم) میں داخل ہیں، بدن میں داخل نہیں ہیں، لہذا اس کو یاد رکھا جائے (بدن اور جسد کا یہ فرق لغت عرب میں ہے، اردو زبان میں بدن جسد میں فرق نہیں اس لئے کہ بدن بھی سارے جسم ہی کو کہتے ہیں ان دو حدثوں میں سے ایک سے جسے حدث اصغر کہتے ہیں وضو واجب ہوتا ہے اور دوسرے سے جسے حدث اکبر کہتے ہیں غسل واجب ہوتا ہے)

اور مصنف نے حدث حکمی کو پہلے بیان کیا اور نجاست حقیقی کو بعد میں اس وجہ سے کہ نجاست حکمی (حدث) نجاست حقیقی سے زیادہ غلیظ اور زیادہ سخت ہے

اور ایسا ہی دونوں قسم کی اس نجاست حقیقی سے بھی پاک ہونا شرط ہے جو نماز کے لئے مانع ہے

تشریح

شرط دوام وہ ہے جسکا شروع نماز سے آخر نماز تک پایا جانا شرط ہو، اور شرط بقا وہ ہے جو نماز میں برابر نہ پائی جائے اور ایک ہے شرط انعقاد، جس کا صرف ابتداء نماز میں ہونا ضروری ہے۔

رکن اور شرط میں فرق یہ ہے کہ رکن ماہیت میں داخل ہوتا ہے اور شرط خارج پھر رکن دو طرح کا ہوتا ہے ایک رکن اصلی جو کبھی ساقط نہیں ہوتا، دوسرا رکن زائد جو کبھی ساقط بھی ہو جاتا ہے، جیسے مقتدی کے لئے قرات۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک حکمی دوسری حقیقی، نجاست حکمی نہ زیادہ معاف ہے نہ کم، لیکن نجاست حقیقی میں درہم سے کم معاف ہے اس سے زیادہ معاف نہیں۔

نجاست حکمی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حدث اصغر اور دوسری حدث اکبر اول وضو کو چاہتا ہے اور دوسرا موجب غسل ہے اور نجاست حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک مغلظہ دوسری مخففہ، مغلظہ درہم سے کم ہو تو اس کے ساتھ نماز درست ہو جاتی ہے لیکن درہم سے زیادہ معاف نہیں ہے اور اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی ہے، اور مخففہ ربع سے کم ہو تو معاف ہے زیادہ معاف نہیں

نجاست حکمی

نجاست حکمی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حدث اصغر اور دوسری حدث اکبر اول وضو کو چاہتا ہے اور دوسرا موجب غسل ہے اور نجاست حقیقی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک مغلظہ دوسری مخففہ، مغلظہ درہم سے کم ہو تو اس کے ساتھ نماز درست ہو جاتی ہے، لیکن درہم سے زیادہ معاف نہیں ہے اور اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی ہے، اور مخففہ ربع سے کم ہو تو معاف ہے زیادہ معاف نہیں،

وثوبہ وکذا ما یتحرك بحركتہ او یعد حاملا لہ كصبی علیہ نجس ان لم یستمسك

بنفسه منع والا لا كجنب وكلب ان شد فمه في الاصح ومكانه اى موضع قدميه او
احدهما ان رفع الاخرى وموضع سجوده اتفاقا فى الاصح لاموضع يديه وركبتيه على
الظاهر الا اذا سجد على كفه كما سيجئ من الثانى اى الخبث لقوله تعالى وثيابك فطهر فبدنه
مكانه بالاولى لا نهما الزم والرابع ستر عورته ووجوبه عام ولو فى الخلوة على الصحيح الا
لغرض صحيح وله لبس ثوب نجس فى غير صلوة وهى للرجل ما تحت سرته الى ما تحت
ركبتيه وشرط احمد سترا حد منكبيه ايضا وعن مالك هى القبل والدبر فقط وما هو عورة منه
عورة من الامة ولو خنثى او مدبرة او مكاتبة او ام ولد مع ظهر ها وبطنها واما جنبها متبع لهما
ولو اعتقها مصلية ان استترت كما قدرت صحت والا لا علمت بعتقه اولا على المذهب قال
ان صليت صلوة صحيحة فانت حرة قبلها فصلت بلا قناع ينبغى الغاء القبلية وقوع العتق
كمار حجره بالطلاق الدورى وللحرة ولو خنثى جميع بدنها حتى شعرها النازل فى الاصح
خلا الوجه والكفين فظهر الكف عورة على المذهب والقدمين على المعتمد وصوتها على
الراجح و زراعيها على المرجوح وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال لا لانه عورة
بل لخوف الفتنة كمسه وان امن الشهوة لانه اغلظ ولذا ثبت به حر مة المصاهرة كما ياتى فى
باب الخطر ولا يجوز النظر اليه بشهوة كوجه امردفانه يحرم النظر الى وجهها ووجه الامر
داذا شك فى الشهوة اما بدونها فيباح ولو جميلا كما اعتمده الكمال قال فحل النظر منوط
بعدم خشية الشهوة مع عدم العورة وفى السراج لا عورة للصغير جدا ثم ما لم يشته فقبل ودبر
ثم تغلظ الى عشر سنين ثم كبالغ وفى الاشباه يدخل على النساء الى خمسة عشر سنة .

ترجمہ :۔ نمازی کے لئے کیا چیزیں پاک ہونا ضروری ہیں

نمازی کی دوسری شرط نمازی کے کپڑے کا پاک ہونا ہے اور اسی طرح
اس چیز کا پاک ہونا شرط ہے جو نمازی کے ہلنے سے ہلے، اور جو نمازی کے بدن سے متصل ہو، مثلاً ایک لمبا کپڑا ہو اور اس کا
ایک کنارہ نمازی کے بدن پر ہو اور دوسرا نیچے زمین پر ہو اور اس میں اتنی نجاست لگی ہوئی ہو کہ جس کے ساتھ نماز جائز نہیں
ہوتی ہے تو اگر نمازی کے حرکت کرنے سے دوسرا کنارہ ہلتا ہے تو نماز نہ ہوگی اور اگر نہیں ہلتا ہے تو نماز ہو جائے گی اور اگر وہ
چیز ایسی ہے جو نمازی کے بدن سے متصل نہیں ہے جیسے چٹائی کہ اس کا ایک کنارہ ناپاک ہے اور دوسرا پاک ہے اور نمازی پاک
کنارے پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ لے تو نماز جائز ہوگی، خواہ وہ چٹائی بڑی ہو یا چھوٹی ہو

یا نمازی اس چیز کا اٹھانے والا گنا جائے، جیسے وہ بچہ جس پر نجاست لگی ہوئی ہے اور وہ نمازی کے بدن پر چڑھا ہے تو اگر وہ
بچہ خود رک نہیں سکتا، بلکہ نمازی کے تھامنے سے تھمتا ہے تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی اور اگر وہ بچہ خود رک جاتا ہے

پنے رکنے میں نمازی کا محتاج نہیں ہے تو نمازی کو اس کا اٹھانے والا قرار نہ دیا جائے گا اور اس کی نماز جائز ہو جائے گی
جس طرح ناپاک آدمی یا وہ کتا جس کا منہ بندھا ہوا ہے اگر نمازی پر لدا ہوا تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہو گا نماز جائے گی صحیح تر قول یہی ہے

تیسری شرط نماز کی جگہ کا پاک ہونا ہے یعنی اس کے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ پاک ہو اگر وہ دونوں پاؤں رکھتا ہے، اور اگر صرف ایک پاؤں ٹیکتا ہے تو اسکی جگہ پاک ہو (اسی طرح) اس کے سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا بالاتفاق صحیح تر قول میں شرط ہے، لیکن اس کو دونوں گھٹنوں اور دونوں ہاتھوں کی جگہ کا ظاہر الروایۃ میں پاک ہونا شرط نہیں ہے، ہاں اگر وہ نمازی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر سجدہ کرتا ہے تو اس جگہ کا پاک ہونا بھی شرط ہو گا جیسا کہ آئندہ یہ مسئلہ آئے گا۔

اور اس جگہ اور کپڑے کا نجاست حقیقی سے پاک ہونا شرط ہے، دلیل قرآن کی یہ آیت ہے وثیابک فطہر اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو، جب کپڑے کا پاک کرنا ضروری ہوا تو نمازی کے بدن اور جگہ کا پاک ہونا بدرجہ اولیٰ لازم ہو گا اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں جدا ہونے والی نہیں ہیں

ستر کا چھپانا

نماز کی چوتھی شرط نمازی کا ستر کو چھپانا ہے اور ستر کا چھپانا ہر جگہ واجب ہے گو آدمی اکیلا کسی خالی مکان میں ہی کیوں نہ ہو، صحیح قول یہی ہے البتہ کسی صحیح غرض کے واسطے ستر کا کھولنا بھی جائز ہے جیسے پائخانہ پیشاب کے واسطے یا علاج اور جماع کے واسطے کوئی کھولے، تو اس کو اس کی اجازت ہو گی۔

مسلمان کے لئے نماز کے علاوہ اور حالت میں ناپاک کپڑا پہننا جائز ہے (مگر یہ اسکی شان کے خلاف قرار پائے گا)

ستر کی حد

ستر کی حد مرد کے لئے ناف کے نیچے سے لیکر دونوں گھٹنوں کے نیچے تک ہے امام احمد ابن حنبلؒ نے نماز میں ایک کندھے کا ڈھکنا بھی شرط قرار دیا ہے اور امام مالکؒ سے ایک روایت ہے کہ ستر صرف آدمی کا اگلا (قبل) اور پچھلا (دبر) حصہ ہے جتنا حصہ مرد کا ستر میں داخل ہے وہی حصہ لونڈی کا بھی پیٹھ اور اسکے پیٹ کے اضافہ کے ساتھ ستر ہے خواہ وہ لونڈی خنثی ہو یا مدبرہ ہو یا مکاتبہ ہو یا ام ولد ہو، اور لونڈی کا پہلو اسکی پیٹھ اور پیٹ کے تابع ہے جتنا حصہ پیٹ سے ملا ہوا ہے پیٹ میں داخل ہے اور جتنا حصہ پیٹھ سے ملا ہوا ہے وہ پیٹھ میں داخل ہے گویا پہلو بھی ستر میں داخل ہے۔

مدبرہ اس لونڈی کو کہتے ہیں جس سے آقا نے کہہ دیا ہو کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے اور مکاتبہ وہ ہے جس سے آقا نے کہا ہو کہ اگر تو اس قدر مال دیدے گی تو تو آزاد ہے، اور ام ولد وہ لونڈی ہے جس سے آقا کو اولاد ہوئی ہو کسی لونڈی کو حالت نماز میں اس کے آقا نے آزاد کر دیا اب اگر اس لونڈی نے آزادی کی خبر سنتے ہی بشرط قدرت اپنا تمام بدن چھپا لیا تو اسکی نماز جائز و درست ہو جائے گی اور اگر قدرت کے باوجود آزادی کی خبر سنکر اس نے تمام بدن نہیں چھپایا تو اس کی نماز جائز نہ ہو گی، خواہ اس نے مولی کے آزاد کرنے کو جانا ہو یا نہ جانا ہو، درست مذہب یہی ہے، لیکن ستر چھپانے میں یہ بھی شرط ہے کہ اسنے عمل قلیل کے ذریعہ چھپایا ہو، اور اگر اس کو حالت نماز میں چھپانے کی قدرت نہیں تھی تو اس کی نماز باطل نہیں ہو گی
مولی نے اپنی لونڈی سے کہا کہ اگر تو نماز صحیح پڑھے گی تو تو نماز سے پہلے آزاد ہے چنانچہ لونڈی نے بغیر اوڑھنی کے نماز ادا کی اس صورت میں مناسب یہ ہو گا کہ نماز سے پہلے والی شرط کو لغو قرار دیدیا جائے اور آزادی واقع کر دی جائے جیسا کہ فقہاء نے طلاق دوری میں قبلیت کی شرط کو لغو قرار دیئے جانے کو ترجیح دی ہے

طلاق دوری کی صورت یہ ہے کہ کسی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تجھ سے طلاق دوں تو تجھ کو اس سے پہلے تین طلاقیں ہیں، پھر اس گفتگو کے بعد اسنے بغیر کسی شرط کے طلاق دی تو پہلی شرط تین طلاقوں والی پائی جائیگی اور اس طلاق سے پہلے اس پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی، اور جب یہ تین طلاقیں واقع ہو چکیں تو اسکا تقاضا یہ ہے کہ پچھلی ایک طلاق جس پر توقف کیا تھا وہ واقع نہ ہو کیونکہ تین طلاق کے بعد عورت چوتھی طلاق کا محل باقی نہیں رہتی تو یہاں بھی قبلیت کی شرط باطل قرار پائی اور اس کی شرط یہ ہوئی کہ اگر میں تم کو طلاق دوں تو تم کو تین طلاق ہے

آزاد عورت اور ستر اور آزاد عورت کا ستر اس کا تمام بدن ہے، حتی کہ اسکا جو بال لٹکا ہوا ہے صحیح مذہب میں وہ بھی ستر میں داخل ہے خواہ وہ آزاد عورت خنثی ہی کیوں نہ ہو، آزاد عورت کا صرف چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم معتمد قول کی بنیاد پر ستر سے خارج ہیں ورنہ تمام بدن ستر ہے دونوں ہتھیلی کہنے سے معلوم ہوا کہ دونوں کی پشت ستر میں داخل ہے اور اسکا چھپانا واجب ہے ظاہر مذہب یہی ہے، اور آزاد عورت کی آواز راجح قول میں ستر میں داخل نہیں ہے (پس اس بنیاد پر آواز بلند کر سکتی ہے باقی جہاں آواز بلند کرنا عورت کے لئے حرام کہا گیا ہے وہ فتنہ کے خوف سے ہے، یوں بعضوں کا کہنا ہے کہ عورت کی آواز بھی ستر میں داخل ہے لہذا اس کو اپنی آواز مرد سے چھپانا ضروری ہے)

اور ضعیف قول میں عورت کی کلائیاں ستر میں داخل نہیں یہ امام ابو یوسف کا قول ہے اور بعض مصنفین نے اسی قول کو راجح کہا ہے، لیکن راجح اور قوی قول یہ ہے کہ عورت کی کلائیاں ستر میں داخل ہیں اور ان کا چھپانا واجب ہے کذا فی الطحطاوی

چہرہ کھولنے کی ممانعت جوان عورت کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے سے روکا جائیگا اس وجہ سے نہیں کہ وہ ستر میں داخل ہے بلکہ یہ روکنا فتنہ سے بچنے کے لئے ہے جیسے مرد کے لئے عورت کا چہرہ چھونا ممنوع ہے گو اسے شہوت کا خطرہ نہ ہو، اس لئے کہ دیکھنے سے زیادہ خطرناک چھونا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی مرد شہوت سے عورت کا چہرہ چھوئے گا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی جس کی تفصیل باب الحظر والاباحۃ میں آئے گی۔

اجنبی عورت کا چہرہ دیکھنا منع ہے عورت کے چہرہ پر شہوت کے شبہ کے ساتھ نظر ڈالنا جائز نہیں جس طرح بے ریش لڑکے کو شہوت کے ساتھ دیکھنا حرام ہے لیکن اگر شہوت کا شک نہ ہو تو بے ریش لڑکے کا دیکھنا جائز ہے خواہ بے ریش لڑکا خوبصورت اور حسین ہی کیوں نہ ہو

صاحب فتح القدیر علامہ کمال بن الہمامؒ نے اسی قول پر اعتماد کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ دیکھنا اس وقت جائز ہے جبکہ شہوت کا خوف نہ ہو، اور نہ وہ محل ستر میں داخل ہو اور اگر شہوت کا خوف ہو تو اس جگہ کا دیکھنا جائز نہ ہوگا۔

بچے کا ستر اور سراج وہاج میں ہے کہ جو بچہ بہت چھوٹا ہو اس کا بدن ستر میں داخل نہیں ہے یعنی اس کے ستر کا چھپانا ضروری نہیں ہے مگر پھر بھی پائخانہ اور پیشاب کی جگہ کا چھپانا بہتر ہے کیونکہ دس برس کی عمر تک یہ حصہ ستر غلیظ ہے اور اس حصہ کو چھپایا جائے گا اور دس برس کے بعد وہ ستر کے چھپانے میں جوانکی مانند ہو جاتا ہے یعنی جس طرح جوانکا ستر چھپانا ضروری ہے اس کا بھی ضرور ہے (بہت چھوٹے بچہ کی عمر طحطاوی میں چار سال لکھی ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی)

اور اشباہ میں لکھا ہے کہ پندرہ برس پورے ہونے سے پہلے تک لڑکا عورتوں میں جاسکتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اسکا بالغ ہونا عمر کے سوا کسی اور طرح ظاہر اور معلوم نہ ہو، اور اگر کسی علامت سے یہ معلوم ہو جائے کہ لڑکا پندرہ برس سے پہلے بالغ ہو گیا ہے تو وہ اس وقت سے عوتوں میں جانے سے روکدیا جائے گا یعنی پندرہ برس کی عمر پورا ہونیکے پہلے سے ہی، اور جسم کا جو حصہ ستر میں داخل ہے اور اسکا دیکھنا منع ہے وہ حصہ خواہ جسم سے ملا ہو یا جدا ہو دونوں حالتوں میں اسکا دیکھنا منع ہے

تشریح کتے کے منہ باندھے ہوئے کی شرط کا مطلب یہ ہے اس کا لعاب وغیرہ جو نماز کے لئے مانع ہے وہ نہ لگے، صرف کتا مانع نماز نہیں ہے، بحر الرائق میں ہے کہ اگر نمازی کے پاس ایسا انڈا ہو جو اندر سے خون ہو گیا ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے کیونکہ وہ اپنی جگہ ہے بخلاف اس شیشے کے جس میں پیشاب بھر دیا گیا ہے اگر وہ نمازی کے پاس ہو تو اس کے ساتھ اس کی نماز جائز نہیں۔

دونوں پاؤں کے رکھنے کی جگہ کا حالت نماز میں پاک ہونا امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سب کے نزدیک بالاتفاق شرط ہے فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں اگر ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ پاک نہیں ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور فقہاء نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ ستر کا چھپانا غیروں سے واجب ہے اپنی ذات سے چھپانا واجب نہیں لیکن ادب یہ ہے کہ ستر کو خود اپنی ذات سے بھی چھپائے۔

عورت کے معنی ستر اصطلاح میں وہ حصہ بدن ہے جس کا غیروں سے چھپانا ضروری ہے اور اسے عربی میں "عورت" کہتے ہیں جو عور سے نکلا ہے لغت عرب میں عور کے معنی عیب اور نقصان کے آتے ہیں ستر اور لازمی طور پر چھپائے جانے والے حصہ کو عورت اس لئے کہتے ہیں کہ اسکا کھولنا اور ظاہر کرنا عیب بے حیائی اور عار شمار ہوتا ہے اردو میں عورت مرد کے مقابل صنف نازک کو کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ بھی پردہ میں رہنے کے لائق ہے، اور اسکا برسر عام ظاہر ہونا معیوب ہے اور باعث فتنہ بھی۔

ستر کی جو حد بیان کی گئی ہے وہ بالغ کے لئے ہے بچہ کے لئے وہ حد نہیں ہے جو بالغ کے لئے ہے چنانچہ ترجمہ میں اس کو الگ کر کے بیان کیا گیا ہے۔

ويمنع حتى انعقاد ها كشف ربع عضو قدرا داء ركن بلا صنعة من عورة غليظة او خفيفة على المعتمد و الغليظة قبل ودبر وماحولهما والخفيفة ما عدا ذالك من الرجل و المرأة تجمع بالاجزاء لو في عضو واحد والافباالقدربلغ ربع ادناها كاذن منع والشرط سترها عن غيره ولو حكما كمكان مظلم لا سترها عن نفسه وبه يفتى فلو راها من ذيقهٖ لم تفسد وان كرهوعادم ساتر لا يصف ما تحته ولا يضر التصاقه وتشكله ولو حريرا وطينا يبقى الى تمام صلوة اوماء كدرا لاصافيا ان وجد غيره نه وهل تكفيه الظلمة في مجمع الانهر بحثا نعم في الاضطرار لا الاختيار بصلى قاعدا كما في الصلوة وقيل ماوا رجليه

مؤميا بركوع وسجود وهو افضل من صلوته قاعداً بركع ويسجد وقائماً بايماء او بركوع وسجود لان الستر اهم من اداء الاركان ولو ابيح له ثوب ولو باعارة ثبتت قدرته هو الاصح ولو وعدبه ينتظر ما لم يخف فوت الوقت هو الاظهر كراجي ماء و طهارة مكان وهل يلزمه الشراء بثمن مثله ينبغي ذلك ولو وجدما اي ساترا كله نجس ليس باصلي كجلد ميتة لم يدبغ فانه لا يستريه فيها اتفاقا بل خارجها ذكره الحلواني اواقل من ربعه طاهر ندب صلوته فيه وجاز الايماء كما مر وحتم محمد لبسه واستحسنه في الاسرار وبه قالت الثلثة ولو كان ربعه طاهرا صلى فيه حتما اذا لربع كالكل

ستر کے کھلنے کا اثر نماز پر

ایک رکن ادا کرنیکی مقدار بھر چوتھائی عضو کا ستر غلیظہ یا خفیفہ سے نمازی کے کچھ کئے بغیر کھل جانا نماز کے جائز ہونے کو ختم کر دیتا ہے یعنی نماز فاسد ہو جاتی ہے معتمد قول یہی ہے (اور ادائے رکن کی مقدار فقہاء نے تین بار سبحان اللہ کہنا بیان کیا ہے، اور یہ چوتھائی عضو کا کھل جانا نمازی کے فعل سے ہو تو فوراً نماز فاسد ہو جائیگی گو مقدار رکن سے کم مدت کے لئے کھلے)

مرد اور عورت کا ستر غلیظہ پاخانہ اور پیشاب کا مقام اور اس کے آس پاس والا حصہ ہے اور جو حصہ اس کے سوا ہے وہ ستر خفیفہ ہے، اگر ستر کے ایک عضو میں کئی جگہ سے کھل جائے تو یہ برہنگی اجزاء کے اعتبار سے جمع کی جائے گی اور اس پر حکم لگایا جائے گا (مثلاً ران ستر کا ایک حصہ ہے ران پر کپڑا تھوڑا تھوڑا چند جگہ سے پھٹا ہوا ہے کہیں آٹھواں حصہ کہیں چھٹا حصہ کہیں دسواں حصہ تو اگر وہ سب مل کر چوتھائی کے برابر ہو جاتا ہے تو نماز فاسد قرار دے دی جائے گی اور سب مل کر باعتبار اجزاء چوتھائی ران کے برابر نہیں ہوتا تو نماز جائز قرار پائے گی)

اور اگر ستر کے ایک عضو کا مختلف حصہ نہیں کھلا بلکہ مختلف اعضاء ستر سے تھوڑا تھوڑا کھلا تو وہ پیائش کے اعتبار سے جمع کیا جائیگا اجزاء کے اعتبار سے نہیں، لہذا اگر سب مل کر اعضاء ستر میں سے سب سے چھوٹے عضو کے چوتھائی کے برابر پہونچ گیا جیسے کان تو نماز نہ ہوگی

ستر کا حکم اپنے اعتبار سے

اور ستر کا ڈھکنا اپنے غیر سے شرط ہے خواہ وہ باعتبار حکم ہو، جیسے اندھیری جگہ میں کوئی نماز پڑھے تو گو وہ جس کے اعتبار سے چھپا ہوا ہے کہ تاریکی کی وجہ سے نظر نہیں آتا لیکن حکم شریعت میں وہ چھپا ہوا قرار نہیں پائے گا بلکہ کپڑے وغیرہ سے اس حالت میں بھی ستر چھپانا اس کے لئے واجب ہوگا اور شرمگاہ کو گریبان سے دیکھ لیا تو اسکی نماز فاسد نہ ہوگی گو اس طرح اسکا دیکھنا اس کے لئے اس حال میں مکروہ تحریمی ہے

ننگا کس طرح نماز ادا کرے گا

وہ شخص جو کوئی ایسی چیز نہیں پا رہا ہے جس سے اس کا ستر اس طرح چھپ جائے کہ وہ ظاہر نہ ہو سکے، وہ بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔

اس کے لئے چھپانے [illegible] وغیرہ کا بدن سے اس طرح چپک جانا کہ عضو کی شکل اس میں لپٹی ہوئی بن جائے نماز

ے جائز ہونے میں عارج نہیں ہے بلکہ اس صورت میں بھی نماز ہو جائے گی چھپانے کے لئے جو چیز استعمال کی ہے خواہ وہ ریشمی کپڑا ہو یا گیلی مٹی، یا گدلا پانی حالت نماز میں پوری مدت باقی رہے

ریشمی کپڑا کو مرد کو پہننا حرام ہے اور اسے پہن کر نماز مکروہ ہوتی ہے لیکن اگر کوئی دوسری چیز ستر چھپانے والی نہیں ہے اور ریشمی کپڑا ہے تو وہ اس حالت میں ریشمی کپڑا پہن کر نماز ادا کرے گا، ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

صاف پانی میں بیٹھ کر نماز نہ پڑھے اگر نمازی اس کے سوا کوئی اور چیز ستر چھپانے کی پا رہا ہے، اور اگر کوئی دوسری چیز نہ ہو تو صاف پانی میں بیٹھ کر پڑھے گا۔

کیا ننگے شخص کو اندھیرے میں نماز پڑھنا کافی ہو جائے گا؟ مجمع الانہر میں بحث کر کے لکھا ہے کہ ہاں اضطرار کی حالت میں کافی ہو گا اختیار کی حالت میں کافی نہ ہو گا۔

جس کو ستر چھپانے کی کوئی چیز نہ ملے وہ نماز میں جس طرح بیٹھا جاتا ہے اس طرح بیٹھ کر رکوع سجدہ کا اشارہ کر کے نماز ادا کرے گا تاکہ اس کا ننگا پن ظاہر نہ ہو، اور بعضوں نے کہا برہنہ ہونیکی حالت میں اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھے گا کہ اس کے دونوں پاؤں آگے پھیلے ہوئے ہوں، اور ستر غلیظہ پر ہاتھ ڈال لے گا لیکن راجح پہلا قول ہے کہ نماز والی نشست پر پڑھیگا اس لئے کہ اس میں پردہ زیادہ ہے دوسرے اس میں قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا نہیں پڑتا ننگے کی نماز رکوع اور سجدہ کے اشارے کے ساتھ افضل ہے اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھنے سے کہ وہ رکوع اور سجدہ کرے یا کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے یا کھڑا ہو کر رکوع و سجدہ کے ساتھ پڑھے، اسلئے کہ شرم گاہ کا چھپانا ارکان کی ادائیگی سے بھی زیادہ ضروری ہے (اسکی وجہ یہ ہے کہ ستر چھپانا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں مطلقاً فرض ہے اور ارکان جیسے قیام، رکوع، اور سجدہ صرف نماز میں فرض ہے)

اگر کوئی ستر چھپانے کے لیئے کپڑا دے

ننگے شخص کو اگر کوئی دوسرا شخص کوئی کپڑا مباح کر دے گو وہ عاریت کے طور پر ہی ہو تو بھی صحیح تر مذہب میں اس کی قدرت اس پر ثابت ہو جائے گی اور اس وقت اس کے لئے ننگے رہ کر نماز ادا کرنا جائز نہ ہو گا اور اگر کوئی شخص اس ننگے سے وعدہ کرے کہ وہ اس کو کپڑا بطور اباحت یا مانگا ہوا دے گا، تو اس صورت میں وہ ننگا شخص اس کپڑے کا اس وقت تک انتظار کرے گا جب تک کہ وقت کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو ظاہر تر قول یہی ہے، جس طرح ایک امیدوار پانی، کپڑے اور پاک جگہ کا انتظار کرتا ہے (یعنی جو ناپاک جگہ میں قید ہو اور اسکو توقع ہو کہ وہ وہاں سے نماز کے وقت کے اندر نکل آئے گا تو نماز میں تاخیر کرے گا اور وہاں سے نکل کر پاک جگہ میں نماز ادا کرے گا)

ستر چھپانے کے لئے کپڑا خریدنا

ایک سوال یہ ہے کہ ننگے شخص کو مناسب قیمت پر کپڑا مل رہا ہو تو کیا اس کا خریدنا اس پر لازم ہے؟ مناسب جواب یہی ہے کہ وہ لازم ہے۔

ناپاک کپڑے کا استعمال

ایک ننگے شخص نے ستر چھپانے کے لئے ایسی چیز پائی جو کل کی کل ناپاک ہے مگر وہ اصلاً ناپاک نہیں ہے بلکہ وہ نجاست کے لگنے سے ناپاک ہوئی ہے تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ بالاتفاق اس سے نماز میں ستر کو نہ چھپائے البتہ نماز کے علاوہ اوقات میں اس ناپاک سے ستر ڈھک سکتا ہے اور ناپاک اصلی کی مثال مردار کی وہ کچی کھال ہے جو ابھی دباغت نہ دی گئی ہو وانی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے یا کسی ننگے نے ایسی چیز ستر

چھپانے کے لئے پائی جسکا چوتھائی سے کم پاک ہے تو ایسے شخص کے لئے اس ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اور امام محمد بن حسنؒ نے اس چھپانے والی چیز کا استعمال لازم قرار دیا ہے جو پوری کی پوری ناپاک ہے یا چوتھائی سے کم پاک اور چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہے، اور اسرار نامی کتاب میں اس قول کو مستحسن کہا ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اور اگر اس ستر چھپانے والی چیز کا ایک چوتھائی حصہ پاک ہے تو یقینی طور پر وہ اسی میں نماز پڑھے گا اس لئے کہ چوتھائی کی پاکی کل کی پاکی کے حکم میں ہے

تشریح حالت برہنگی میں اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے چوتھائی کی پاکی کو کل کی پاکی کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے جس طرح حج عمرہ میں محرم (احرام باندھنے والا) چوتھائی سر منڈوانے والے کا وہی حکم ہے جو کل سر منڈوانے والے کا ہے اسی طرح ستر کا چوتھائی حصہ کھل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے گویا یہاں چوتھائی کھلنا وہی اثر رکھتا ہے جو کل کھلنا۔

وهذا اذا لم يجد ما يزيل به النجاسة او يقللهافيحتم لبس اقل ثوبيه نجاسة و الضابط ان من ابتلى بليستين فان تساويا خيروان اختلفا اختار الاخف ولو وجدت الحرة البالغة ساترا يستر بدنها مع ربع راسها يجب سترهما سترها فلو تركت ستر راسها اعادت بخلاف المراهقة لانه لما سقط بعذر الرق فبعذر الصبى اولى ولو كان يستر اقل من ربع الراس لا يجب بل يندب لكن قوله ولو وجد المكلف ما يستر به بعض العورة وجب استعماله ذكره الكمال زاد الحلبى وان قل يقتضى وجوبه مطلقا فتامل . ويستر القبل والدبر اولا فان وجد ما يسترا حدهما قيل يسترا لدبر لانه افحش فى الركوع والسجود وقيل القبل حكاهما فى البحر بلا ترجيح وفى النهر الظاهران الخلاف فى الاولوية والتعليل يفيد انه لو صلى بالايماء تعين سترا لقبل ثم فخده ثم بطن المراة وظهرهاثم الركبة ثم الباقى على السواء واذا لم يجد المكلف المسافر ما يزيل به النجاسة او يقللها لبعده ميلا او لعطش صلى معها او عاريا ولا اعادة عليه وينبغى لزومها لو العجز عن مزيل وساتر بفعل العباد كما مر فى التييم ثم هذا اللمسافر لان للمقيم يشترط طهارة الساتروان لم يملكه قهستانى

ترجمہ چوتھائی ناپاک کپڑے وغیرہ میں نماز کے جائز ہونے کا حکم اس وقت ہے جب نمازی کوئی ایسی چیز نہ پائے جس سے اس ناپاکی کو وہ دور کر سکے یا اس کو کم کر سکے، لہذا اگر کوئی ایسی چیز پائے جس سے نجاست دور کر سکتا ہے تو اس وقت اس کا دور کرنا ضروری ہوگا یا کم ہو سکتی ہے تو کم کرے گا۔

جب نجاست دور کرنے کا حکم ہے تو اگر کسی کے پاس، جب دو ناپاک کپڑے ہوں تو اس وقت ان میں اس کپڑے کا پہننا لازم ہوگا جس میں نجاست کم ہے۔

ایک قاعدہ

اور اس سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص دو بلاؤں میں گرفتار ہو، تو اگر وہ دو بلائیں باہم برابر ہیں تو اسے اختیار ہے کہ ان میں سے اپنے حالات کے مطابق جسے چاہے قبول کرے اور اگر وہ دونوں مختلف ہیں یعنی ایک کم ہے اور ایک زیادہ تو ایسے وقت میں کم والی (ہلکی) کو اختیار کرے، (مثلاً ایک زخمی ہے اگر وہ سجدہ کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو خون جاری ہو جاتا ہے اور بیٹھ کر سر کے اشارہ سے نماز پڑھتا ہے تو خون جاری نہیں ہوتا، تو اس وقت وہ دوسری صورت اختیار کرے گا اس لئے کہ بے وضو نماز ادا کرنے سے بہتر سر کے اشارہ سے وضو کے ساتھ نماز پڑھنا ہے

اگر کپڑا تنگ ہو تو کیا کرے

بالغ جوان آزاد عورت بدن چھپانے کے لئے ایسا کپڑا وغیرہ پائے جس سے اس کا بدن اور چوتھائی سر چھپتا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے بدن اور چوتھائی سر کو چھپائے، اگر وہ بدن تو اس سے چھپالے اور چوتھائی سر کو کھلا چھوڑدے تو اسے اس صورت میں اپنی نماز لوٹانی پڑے گی ہاں اگر وہ پوری بالغ نہیں ہے بلکہ مراہقہ (قریب البلوغ) ہے اور اس نے صرف بدن ڈھکا اور سر کا چوتھائی حصہ نہیں چھپایا تو یہ اس صورت میں نماز نہیں لوٹائے گی، اس وجہ سے کہ جب لونڈی سے عذر کی وجہ سے سر کا چھپانا ساقط ہے تو اس قریب البلوغ سے نابالغہ ہونے کی وجہ سے سر کا چھپانا بدرجہ اولی ساقط ہوگا (حدیث میں بالغہ شریف عورت کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ بغیر سر چھپائے نماز نہ پڑھے) لیکن اگر وہ کپڑا وغیرہ اس قدر مختصر ہے کہ بدن کے بعد چوتھائی سر نہیں چھپا سکتا ہے بلکہ چوتھائی سے کم چھپاتا ہے تو اب بالغہ کے لئے بھی سر کا چھپانا واجب نہیں ہوگا، البتہ مستحب رہے گا،

لیکن مصنف کا یہ کہنا ہے کہ اگر مکلف ستر کے بعض حصہ کو چھپانے کی چیز پائے تو اس پر اس کا استعمال واجب ہے جسے کمال بن الہمامؒ نے ذکر کیا ہے حلبی نے کبیری میں اتنا اور زیادہ کیا ہے وان قل گو وہ کم ہی کیوں نہ ہو لہذا مخاطب کو چاہئے کہ یہاں غور کرے۔

اور کپڑے وغیرہ کے کم ہونے کی صورت میں پہلے پائخانہ پیشاب کا مقام ڈھکے، لیکن اگر اتنا کم ہے کہ ان میں سے صرف ایک کو ہی چھپا سکتا ہے تو اس صورت میں بعضوں نے کہا ہے کہ پائخانہ کے مقام کو چھپائے اس لئے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں وہ بری طرح کھلتا ہے اور بعضوں نے کہا پیشاب والے مقام کو چھپائے اس لئے کہ وہ قبلہ کی طرف پڑتا ہے اور کوئی عضو اسکا پردہ پوش نہیں، بحر الرائق میں ان دونوں قولوں کو نقل کیا ہے اور کسی کی ترجیح بیان نہیں کی ہے، اور نہر الفائق میں لکھا ہے کہ یہ اختلاف دونوں میں اولویت کا ہے اور علت کے پیش نظر کہا جائے گا کہ اگر وہ اشارہ سے نماز پڑھے تو اس صورت میں پیشاب کے مقام کا چھپانا متعین ہے پھر اس کے بعد ران چھپانے کا درجہ ہے پھر عورت کا پیٹ ہے اور اس کی پیٹھ ہے پھر گھٹنا ہے پھر اس کے بعد تمام بدن برابر ہے

نجاست دور کرنے کی صورت نہ ہو تو

اگر عاقل بالغ مسافر ایسی چیز نہ پاسکے جس سے وہ نجاست کو دور کرسکے یا اسے کم کرسکے اور یہ مجبوری اس کو پانی سے ایک میل دور ہونے کی وجہ سے پیش آئی ہے یا پیاس کی وجہ سے اگر پانی استعمال کرلیں گے تو پینگے کیا تو اس وقت وہ نجاست کے ساتھ نماز ادا کرلے گا یا پھر ننگا نماز ادا کرے گا اور بعد میں چھپانے کی چیز پانے کے بعد اس پر نماز کو دوبارہ پڑھنا عائد نہیں ہوگا اور نماز کا لوٹانا اس وقت

لازم ہوتا ہے جب بندے کے فعل کی وجہ سے یہ مجبوری پیش آئی ہو کہ اس کو نجاست دور کرنے اور ستر چھپانے کی چیز نہیں مل سکی جیسا کہ پہلے گذرا، پھر یہ بھی واضح رہے کہ ننگے ہونے کی حالت میں نماز کی ادائیگی کی اجازت مسافر کے لئے ہے کیونکہ مقیم کیلئے شرط ہے کہ ستر کو چھپانے والی چیز پاک صاف ہو گو وہ اس چیز کا مالک نہ ہو، جیسا کہ قہستانی میں ہے

تشریح ایسا زخمی جس کو سجدہ کرنے سے خون بہہ پڑتا ہے، اور بیٹھ کر نماز پڑھنے سے خون نہیں بہتا، تو اس صورت میں اس کے لئے اچھی شکل یہ ہے کہ بیٹھ کر سر کے اشارہ سے نماز ادا کرے، اس لئے کہ اس میں وضو باقی رہتا ہے صرف سجدہ چھوٹتا ہے اور سجدہ کے بغیر نماز شریعت میں موجود ہے مثلاً سواری پر نفل نماز اشارہ سے درست ہے تو یہاں دیکھئے کہ اختیار کے باوجود سجدہ چھوڑ دینا جائز ہے تو جب عذر شرعی درپیش ہو اور سجدہ ترک کردے تو کیا مضائقہ ہوگا۔

ستر غلیظہ میں تفصیل یہ ہے کہ پچھلے اور اگلے حصہ کے بعد ران کا درجہ ہے پھر شریف عورت کے پیٹ اور پیٹھ کا پھر گھٹنے کا، یعنی پہلے اگلے پچھلے حصہ کو چھپائے اس سے زیادہ ہو تو ران کو چھپائے اس سے زیادہ ہو تو عورت پیٹ اور پیٹھ کو چھپائے اور اس سے بھی زیادہ ہے تو گھٹنے کو چھپائے۔

ولاالخامس النية بالاجماع وهى الارادة المرجحة لا حد المتساويين اى ارادة الصلوة لله تعالى على الخصوص لا مطلق العلم فى الاصح الاترى ان من علم الكفر لا يكفر ولو نواه يكفر والمعتبرفيها عمل القلب اللازم للارادة فلا عبرة للذكر باللسان وان خالف القلب لانه كلام لا نية الا اذا اعجز عن احضاره لهموم اصابة فيكفيه اللسان مجتبى وهو اى عمل القلب ان يعلم عند الارادة بداهة بلاتامل اى صلوة يصلى فلو لم يعلم الابتامل لم يجز والتلفظ عند الارادة بها مستحب هو المختار وتكون بلفظ الماضى ولو فارسيا لانه الاغلب فى الانشاء ات وتصح بالحال فهستانى وقيل سنة يعنى احبه السلف او سنة علماء نا اذ لم ينقل عن المصطفى او لا الصحابة ولا التابعين بل قيل بدعة وفى المحيط يقول اللهم انى اريد ان اصلى صلوة كذا فيسرها لى وتقبلها منى وسيجى فى الحج وجاز تقديمها على التكبيرة ولو قبل الوقت وفى البدائع خرج من منزله يريد الجماعة فلما انتهى الى الامام كبر ولم تحضره النية جاز ومفاده جواز تقديم نية الاقتداء ايضا فليحفظ ما لم يوجد بينهما قاطعها من عمل غير لائق بصلوة وهو كل ما يمنع البناء وشرط الشافعى قر انها فيندب عندنا ولا عبرة بنية متاخرة عنها على المذهب وجوزه الكرخى الى الركوع وكفى مطلق نية الصلوة وان لم يقل لله تعالى لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد اذ تعينها بوقوعها وقت الشروع والتعين احوط ولا بد من التعين عند النية فلو جهل الفرضية لم يجز ولو علم ولم يميز الفرض من غيره ان نوى الفرض فى

الكل جاز و كذا لوام غيره فيما لا سنة قبلها لفرض انه ظهر او عصر قرنه باليوم والوقت اولا هو الاصح ولو الفرض قضاء لكنه يعين ظهر يوم كذا على المعتمد والاسهل نية اول ظهر عليه او اخرظهر وفي القهستاني عن المنية لا يشترط ذلك في الاصح وسيجئ في آخر الكتاب وواجب انه وتر او نذرا او سجود تلاوة و كذا شكر بخلاف سهو دون تعيين عدد ركعاته لحصولها ضمنا فلا يفر الخطاء في عددها

ترجمہ :۔ نماز میں نیت اور اس کی تفصیل

نماز کی پانچویں شرط نیت ہے یعنی نماز کا ایسا ارادہ کرنا جو دو چیزوں میں سے ایک کو راجح قرار دیدے، یہ متفقہ مسئلہ ہے اور اجماع سے ثابت ہے یعنی خالص اللہ تعالی کے لئے نماز کا ارادہ کرنا، جس میں اللہ سے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور نہ اس میں کوئی دکھاوا ہو یہاں صحیح تر مذہب میں نیت مطلق علم کا نام نہیں ہے کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جس کو کفر کا علم ہوتا ہے وہ کافر نہیں ہوتا ہے اور جو کفر کی نیت کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے ارادہ کے لئے علم لازم ہے اور علم (دانست) کے لئے ارادہ لازم نہیں نیت میں دل کا عمل معتبر ہے جو ارادہ کے لئے لازم ہے لہذا زبان سے ادا کرنے کا کوئی اعتبار نہیں گو وہ دل کے مخالف ہی کیوں نہ ہو زبان سے ذکر کرنا کلام ہے نیت نہیں ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اعتبار دل کے عمل کا ہے نہ کہ زبان کے عمل کا، تو یہ بات خود ظاہر ہوگئی کہ اگر زبان سے غلطی ہوگئی تو اس سے کچھ نقصان نہ ہوگا جیسے دل میں تو ارادہ ہو کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ رہا ہے مگر زبان سے نکل جائے عصر، تو اس میں کچھ نقصان نہیں اور اس غلطی کے باوجود نیت درست قرار پائے گی اور رکعت کے عدد میں دل کی غلطی مضر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ عدد کی تعیین شرط نہیں ہے کذا فی الاشباہ۔

لیکن زبان سے نیت کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جب آدمی تشویش وافکار کی وجہ سے دل کے حاضر کرنے سے عاجز ہو، اور دل کا عمل یہ ہے کہ نمازی رادہ کرتے وقت بلا تامل اور بغیر غور وفکر یہ جان لے کہ وہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، لہذا اگر بلا غور وفکر وہ یہ نہیں جانتا تو اس کی نماز جائز نہیں (لیکن یہ استحضار صرف بوقت نیت شرط ہے تمام نماز میں شرط نہیں یعنی اگر پوری نماز کے اندر استحضار نہ ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف بھی نہیں اور نماز کا ارادہ کرتے وقت زبان سے نیت کرنا مستحب ہے اور یہی قول مختار ہے، اور زبان سے جب نیت کے الفاظ ادا ہوں تو ان الفاظ کے لئے ماضی کا صیغہ ہونا چاہئے جو گذرے ہوئے زمانہ کو ظاہر کرے، خواہ عربی کے بجائے فارسی ہی زبان میں کیوں نہ ہو، ماضی کا صیغہ اس لئے کہا کہ انشاء میں عموماً ماضی کا لفظ مستعمل ہوتا ہے یوں حال کے صیغے کے ساتھ بھی نیت کرنا درست ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔)

عربی میں کہا جائے گا نویت ان اصلی الفجر میں نے نماز فجر پڑھنے کی نیت کی، اور فارسی میں اس طرح کہے گا نیت کردم کہ نماز فجر گذارم "اور اردو میں اس طرح نیت ہوگی، میں نے نماز فجر کی نیت کی"

بعضوں نے کہا کہ زبان سے نیت سنت موکدہ ہے یعنی زیادہ پسندیدہ ہے یا یہ علماء کا طریقہ رہا ہے سنت سے سنت شرعی مراد نہیں ہے اس وجہ سے کہ نہ آنحضرت ﷺ سے الفاظ منقول ہیں صحابہ کرام سے اور نہ تابعین سے بلکہ اسی وجہ سے بعض عالموں نے زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہا ہے یعنی بعد کی ایجاد جو خلاف شرع نہیں ہے، اور محیط میں ہے کہ نماز پڑھنے

والا اس طرح نیت کرے اللھم انی ارید ان اصلی صلوۃ کذا فیسر ہالی وتقبلہا منی (اے اللہ میں فلاں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں لہذا آپ اسے میرے لئے آسان فرمادیں اور میری طرف سے اس کو قبول فرمالیں) اس کی تفصیل عنقریب کتاب الحج میں آرہی ہے (یہ حال کیساتھ نیت کی ایک مثال ہے۔)

نیت کب کرے

نیت کا تکبیر تحریمہ سے پہلے کرنا جائز ہے یہ نیت کا تقدم نماز کے وقت سے پہلے ہو بدائع میں مذکور ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے جماعت کا ارادہ کر کے نکلا جب وہ امام کے نزدیک پہونچا تو اس نے تکبیر تحریمہ کہی مگر اس وقت اسے نیت یاد نہ تھی، تو اس کی نماز اس صورت میں جائز ہوگی، اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ اقتداء کی نیت بھی پہلے ہوسکتی ہے لہذا اس کو یاد رکھنا چاہئے، یہ نیت کا پہلے ہونا اس وقت جائز ہے جب نماز اور نیت کے درمیان کوئی ایسا عمل نہ پایا جائے جو نیت کو کاٹ دینے والا ہو یا نماز کے لئے مناسب نہ ہو اور ہر اس عمل کو جس پر نماز کی بنیاد نہ رکھی جاسکے بلکہ وہ اس کے لئے مانع ہو نماز کے لئے غیر مناسب کہا جائے گا (مثلاً حالت نماز میں نمازی کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ چپ چاپ وہاں سے نکل کر مسجد کے کنارے جاکر دوسرا وضو کرے اور بقیہ نماز پوری کرے تو اس بقیہ نماز کے پوری کرنے کا نام "بنا" ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ چلنا اور وضو کرنا نیت کو کاٹنے والا نہیں ہے لیکن اگر یہی شخص وضو کے لئے جاتے ہوئے کسی سے بات چیت کرنے لگے تو وہ اب بنا نہیں کر سکتا، اس کی پہلی نیت ختم ہو جائے گی اور وہ از سر نو نماز دہرائے گا) اور امام شافعیؒ شرط لگاتے ہیں کہ نیت تحریمہ سے متصل ہو، لہذا اس بنیاد پر ہمارے نزدیک نیت کا تحریمہ سے ملا ہوا ہونا مستحب ہوگا، اس وجہ سے محل اختلاف سے بچنا مستحب ہے، اگرچہ تحریمہ سے نیت کا متصل ہونا ہمارے یہاں شرط نہیں ہے۔

وہ نیت جو تحریمہ کے بعد صحیح مذہب پر قابل اعتبار نہیں، البتہ کرخیؒ نے رکوع تک نیت کرنے کو درست کہا ہے، نفل، سنت مؤکدہ اور تراویح میں قابل اعتماد قول پر نماز کی مطلق نیت کافی ہوتی ہے گو اس نے یہ نہ کہا ہو کہ میں اللہ کے واسطے نیت کرتا ہوں اس لئے کہ شروع ہونے سے ان کا تعین ہو جاتا ہے (مطلق نیت کا منشاء یہ ہے کہ یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ میں نفل کی یا سنت فجر کی یا نماز تراویح کی نیت کرتا ہوں بلکہ بغیر اس قید کے بھی نیت درست اور کافی ہو جاتی ہے لیکن احتیاط یہ ہے کہ نفل وسنت کی تعیین کرے) فرض نماز میں البتہ نیت کا تعین ضروری ہے کیونکہ اگر اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ فرض نماز کی نیت ہے تو پھر اس کی نماز جائز نہ ہوگی (مثلاً ایک شخص پانچ فرض نمازیں پڑھتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں کہ یہ فرض ہیں تو نماز درست نہ ہوگی اور اس کی قضا اس کے ذمہ واجب ہوگی لیکن اگر وہ فرض کو جانتا ہے کہ ان میں بعض فرض ہیں اور بعض نفل، مگر اس نے فرض کو غیر فرض سے جدا نہیں کیا بلکہ اس نے تمام نمازوں میں فرض کی ہی نیت کی تو بھی یہ نماز جائز ہوگی (بقدر فرض فرض میں شمار ہوگی اور اس کے علاوہ نفل میں۔)

اسی طرح اس شخص کی نماز جائز ہوگی جس نے اپنے غیر کی ان نمازوں میں امامت کی ہے، جن سے پہلے سنت مؤکدہ نہیں ہے (جیسے عصر، مغرب اور عشاء میں) گو وہ فرض اور نفل میں امتیاز نہیں کر سکتا ہے، امام اور مقتدی دونوں کی اس صورت میں نماز درست ہوگی،

فرض نماز میں نیت کا طریقہ

فرض میں نیت اس طرح متعین کرنا کہ وہ ظہر یا عصر کی فرض نماز پڑھ رہا ہے ضروری ہے خواہ وہ اس کے ساتھ دن اور وقت کا لفظ ملائے یا نہیں ملائے صحیح

تر قول یہی ہے (یعنی یہ کہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ آج کی ظہر یا اسوقت کی عصر ادا کرتا ہوں صرف ظہر کی فرض یا عصر کی فرض کی نیت کرلینا کافی ہے، کیونکہ جس وقت میں وہ پڑھ رہا ہے وہ اس نماز کے لئے متعین ہے) ہر فرض میں نیت تعین کی کرے خواہ وہ ادا ہو خواہ قضا ہو لیکن قضا کا پڑھنے والا اس کو بھی متعین کرے کہ فلاں دن کی ظہر کی قضا یا عصر کی قضا پڑھ رہا ہے معتمد قول یہ ہے کہ قضا میں دن کی قید لگانا ضروری ہے:

اور جب کسی کی بہت سی نمازیں قضا ہوں تو آسان طریقہ یہ ہے کہ وہ کہے کہ پہلی ظہر کی قضا کر رہا ہوں یا دوسری ظہر کی جو مجھ پر واجب ہے اور قہستانی میں منیۃ المصلی سے نقل کیا ہے کہ قضا میں نیت کا متعین کرنا شرط نہیں ہے صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے اور اس مسئلہ کا ذکر اخیر کتاب "مسائل شتی" میں آرہا ہے

فرض ہی کی طرح واجب میں بھی نیت کی تعین ضروری ہے کہ یہ وتر ہے یا نذر ہے یا سجدہ تلاوت ہے، اسی طرح سجد شکر کی نیت میں بھی تعین ضروری ہے بخلاف سجدہ سہو کہ اس میں تعین ضرزری نہیں، شارحین نے لکھا ہے کہ یہاں بھول ہوگئی ہے کیونکہ نیت کی تعیین سجدۂ سہو میں ضروری ہے البتہ سجدۂ شکر میں ضروری نہیں ہے اس لئے کہ سجدۂ شکر نفل ہے جس میں تعیین نیت ضروری نہیں اور سجدہ سہو واجب ہے جس میں نیت کی تعیین ضروری ہے گویا مصنف نے الٹ دیا ہے کذا فی الطحطاوی)

رکعات کی تعیین فرض و واجب میں

واجب اور فرض میں رکعات کے عدد کی تعیین ضروری نہیں ہے کیونکہ عدد رکعات ضمنا من جانب اللہ متعین ہیں، اس میں کمی بیشی کا احتمال نہیں ہے لہٰذا گنتی میں غلطی مضر نہیں (پس اگر کسی نے فجر میں دو کی جگہ نیت میں تین کہدیا، یا ظہر میں چار کی جگہ تین تو اس سے کوئی فساد پیدا نہ ہوگا)

تشریح نمازی کی چھ قسمیں ہیں (۱) وہ نمازی جسکو فرض اور نفل دونوں نمازوں کا علم ہے اس کے لئے نیت میں صرف فجر یا ظہر کا ارادہ کافی ہے (۲) وہ نمازی جو فرض و نفل کو جانتا ہے اور نماز فرض کی نیت سے ادا کرتا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ فرض کتنی ہیں اور سنتیں کتنی، اس کی بھی نماز درست ہے (۳) وہ نمازی جو فرض کی نیت سے نماز پڑھتا ہے، مگر فرض کے معنی نہیں جانتا اس کی نماز کافی نہیں ہوتی (۴) وہ نمازی جو یہ تو جانتا ہے کہ نمازیں جو پڑھی جاتی ہیں ان میں کچھ فرض نمازیں ہیں اور کچھ نفل، گر اسے ان دونوں میں کوئی امتیاز نہیں ہے تو اس کی نماز جائز نہیں، اس لئے کہ فرض میں نیت کا متعین کرنا ضروری ہے، لیکن جو نماز اس نے جماعت کے ساتھ پڑھی ہے وہ درست ہوگئی، کیونکہ اس نے امام کی نماز کی نیت کے ساتھ نیت کی، (۵) وہ نمازی جو ہر نماز کو فرض سمجھتا ہے اس کی نماز بھی جائز ہے (۶) وہ نمازی جو یہ نہیں جانتا ہے کہ خدا کی طرف سے بندوں پر نماز فرض ہے لیکن پنجوقتہ نماز پڑھتا ہے اس کی نماز جائز نہیں ہے یہ تقسیم اشباہ نے قنیہ نقل کی ہے

وینوی المقتدی المتابعة لم یقل ایضا لانه لو نوی الاقتداء بالامام وا الشروع فی صلوة الامام ولم یعین الصلوة صح فی الاصح وان لم یعلم بها بجعله نفسه تبعا لصلوة الامام بخلاف ما لو نوی صلوة الامام وان انتظر تکبیره فی الاصح لعدم نیة الاقتداء الا فی

جمعة وجنازة وعيد على المختار لاختصاصها بالجماعة ولو نوى فرض الوقت مع بقائه جازا لا في الجمعة لانها بدل الا ان يكون عنده في اعتقاده انها فرض الوقت كما هو راى البعض فتصح ولو نوى ظهر الوقت فلو مع بقائه اى الوقت جاز ولو في الجمعة ولو مع عدمه بانكان قد خرج وهو لا يعلمه لا يصح في الاصح ومثله فرض الوقت فالاولى نية ظهر اليوم لجوازه مطلقاً لصحة القضاء بنية الاداء كعكسه هو المختار.

ترجمہ :۔ اقتدا کی نیت جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے اسکو امام کے پیچھے ہونے کی نیت کرنی چاہئے (کہ میں امام کے پیچھے نماز ادا کر رہا ہوں) مصنف یہاں "ایضاً" کا لفظ نہیں لائے جس طرح دوسرے لوگ لائے ہیں، اور وہ اس وجہ سے کہ اگر نمازی امام کے اقتدا کی نیت کرے یا امام کی نماز شروع کرنے کی نیت کرے اور نماز متعین نہ کرے تو بھی صحیح تر قول میں اقتدا درست ہو گی گو مقتدی امام کی نماز کو نہ جانتا ہو، اس لئے کہ اس نے اپنے کو امام کی نماز کا پیروی کرنے والا قرار دیدیا ہے شامی کا کہنا ہے کہ "تبعا لصلوۃ الامام" کی جگہ شارح "تبعا للامام" کہتا تو بہتر ہوتا جس طرح زیلعی نے کہا ہے "تبعا لصلوۃ الامام" کا معنی ہوا امام کی نماز کا پیروی کرنے والا اور تبعا للامام" کا معنی ہے امام کی پیروی کرنیوالا۔

بخلاف اس صورت کے کہ وہ امام کی نماز کی نیت کرے کہ صحیح تر قول میں اس صورت میں اقتدا درست نہیں ہو گی اس وجہ سے کہ اس میں اقتدا کی نیت نہیں ہوئی گو اس نے امام کے اللہ اکبر کہنے کا انتظار بھی کیا ہو امام کی نیت سے اقتدا کی نیت لازم نہیں آتی، باقی امام کی تکبیر کا انتظار تو یہ کبھی اقتدا کے لئے ہوتا ہے اور کبھی عادت کے طور پر الحاصل دونوں صورتوں میں شک پایا گیا اس وجہ سے وہ مقتدی نہ ہوا۔

مگر جمعہ، جنازہ اور عیدین کی نماز میں مذہب مختار پر اقتدا کی نیت ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ نمازیں جماعت کے ساتھ مخصوص ہیں (تنہا نہیں پڑھی جاتیں لہذا ان نمازوں میں ضمناً اقتدا کی نیت ثابت ہو جائے گی)

اور اگر نماز پڑھنے والے نے وقتیہ فرض کی نیت کی اور اس وقت اس کا وقت باقی تھا تو یہ نیت جائز ہو گی یعنی نمازی نے نیت کی کہ میں وقت کی فرض پڑھتا ہوں تو اس نیت سے نماز ہو جائے گی لیکن جمعہ کی نماز میں وقت کی فرض کہنا درست نہیں ہے بلکہ اس کو جمعہ کا نام لینا ہو گا، اس لئے کہ جمعہ میں دن کے ظہر کے وقت کے بدلہ میں فرض ہے البتہ اس کے لئے جمعہ میں بھی وقت کا فرض کہنا درست ہو گا جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جمعہ وقت کا فریضہ ہے ظہر کا بدل نہیں جیسا کہ فقہاء کی ایک جماعت یہی رائے رکھتی ہے کہ جمعہ وقت کا فرض ہے ظہر کا بدل نہیں۔

اور اگر کسی نے ظہر کے وقت کی نیت کی، اور اسکا وقت باقی تھا تو اسکی یہ نہ نیت جائز ہو گی گو یہ صورت جمعہ میں ہی پیش نہ ہوا اور اگر کیسی نے وقت۔ ظہر کی نیت اس وقت کی جبکہ وقت باقی نہیں تھا وہ نکل چکا تھا مگر نمازی کو اس کے نکل جانے کا علم نہیں تھا تو اس طرح نیت کرنا صحیح تر قول میں درست نہ ہو گی، اور ظہر اس وقت کے مانند "فرض الوقت" ہے یعنی اگر

وقت نکل جانے کے بعد وقت کے فرض کی نیت کریگا اور وہ وقت کے نکل جانے کو جانتا نہ ہوگا تو یہ نیت بھی پہلے مسئلہ کی طرح صحیح تر قول میں درست نہ ہوگی اور اشباہ میں درست ہونے کا جو قول نقل کیا گیا ہے وہ اصح کے خلاف ہے پس بہتر یہ ہے کہ "آج کے ظہر کی نیت کرے اس لئے کہ اس طرح نیت کرنے سے خواہ وقت میں نماز پڑھے یا وقت نکلنے کے بعد دونوں صورتوں میں جائز ہے کیونکہ قضا کی ادائیگی ادا کی نیت سے درست ہے جیسے اس کے برعکس جائز ہے کہ کوئی ادا نماز قضا کی نیت سے پڑھے مختار قول یہی ہے۔

تشریح مطلب یہ ہے کہ آج کے ظہر کی نیت کی تو خواہ وقت باقی رہا ہو، یا ختم ہو چکا ہو دونوں صورتوں میں نماز اس لئے جائز ہوگی کہ یہ یقیناً اسی دن کے ظہر کی نماز ہے، یہ الگ ہے کہ وقت باقی ہونے کی صورت میں ادا ہوگی اور وقت کے نکل جانے کی شکل میں قضا، اور یہ جائز ہے کہ کوئی قضا کو ادا کے نام سے پڑھے یا ادا کو قضا کے نام سے، بخلاف وقت کے ظہر کی نیت کرنیکے کہ اس صورت اگر وقت نکل گیا ہو اور اسکو خبر نہیں ہو سکی تو ظہر کی نیت صحیح کیسے ہوگی۔

ومصلي الجنازة ينوى الصلوة لله تعالى وينوى ايضا الدعاء للميت لانه الواجب عليه فيقول اصلى الله داعيا للميت وان اشتبه عليه الميت ذكراً ام انثى يقول نويت اصلى مع الامام على من يصلى عليه الامام وافاد في الاشباه بحثا انه لو نوى الميت الذكر فبات انه انثى او عكسه لم يجز وانه لا يضر تعيين عدد الموتى الا اذا بان انهم اكثر لعدم نية الزائد والامام ينوى صلوته فقط ولا يشترط لصحة الاقتداء نية امامة المقتدى بل لنيل الثواب عند اقتداء احدٍ به قبله كما بحثه في الاشباه لوام رجالا فلا يحنث في لا يوم احدا ما لم ينو الامامة وان ام نساء فان اقتدت به المرأة محاذية لرجل في غير صلوة جنازة فلا بد لصحة صلوتها من نية امامتها لئلا يلزم الفساد بالمحاذاة بلا التزام وان لم تقتد محازية اختلف فيه فقيل يشترط وقيل لا كجنازة اجماعا وكجمعة وعيد على الاصح خلاصه واشباه وعليه ان لم تحاذ احد اتمت صلوتها والالا.

نماز جنازہ میں نیت کا طریقہ نماز جنازہ پڑھنے والا نیت کرے گا کہ نماز اللہ تعالی کے واسطے خاص ہے اور دعا مرنے والے کے لئے اور یہ اس وجہ سے کہ نمازی پر نماز کی نیت اور دعا دونوں واجب ہے لہذا نماز جنازہ پڑھنے والا اس طرح نیت کرے گا اصلی لله داعیا للمیت میں نماز اللہ تعالی کے واسطے پڑھتا ہوں اس حال میں کہ مرنے والے کے لئے دعاء گو بھی ہوں، اور جب نمازی کو یہ معلوم نہ ہو کہ مردہ مرد ہے یا عورت، گویا اس پر یہ بات مشتبہ ہے، تو اس طرح کہے گا کہ میں نے امام کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت کی جس طرح امام نماز پڑھے گا میں پڑھونگا

اشباہ میں بحث کر کے اس بات کا فائدہ پہونچایا ہے کہ اگر کسی نے مردہ مرد کی نیت کی اور بعد میں ظاہر ہوا کہ جنازہ مرد کا نہیں تھا بلکہ وہ عورت کا تھا یا اس کے الٹا ہوا کہ نماز جنازہ پڑھنے والے نے مردہ عورت کی نیت کی اور بعد میں معلوم ہوا کہ مردہ کا جنازہ تھا، تو اس صورت میں نماز درست نہ ہوگی، (جائز نہ ہونیکی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ میت امام کی مانند ہے جس

طرح امام کی تعیین میں غلطی سے نماز درست نہیں ہوتی ہے اسی طرح میت کی تعین میں غلطی ہو جانے سے نماز جنازہ درست نہ ہوگی اس لئے بہتر یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں اس میت کی نماز جنازہ پڑھتا ہوں اس اشارہ سے وہ متعین ہو جائیگا اور کوئی بھی ہو اس میں داخل ہو جائے گا۔

اور اشباہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ مردوں کی تعداد کی تعیین مضر نہیں ہے لیکن اس وقت البتہ مضر ہے جب یہ معلوم ہو کہ مردوں کی جو تعداد متعین کی تھی مردے ان سے زیادہ تھے، کیونکہ اس صورت میں زائد کی نیت نہیں پائی گئی، (مثلاً کسی نے دس کی نیت کی تو اگر دس یا اس سے کم ہیں تو نیت درست قرار دی جائے گی لیکن اگر مردے گیارہ یا زیادہ تھے تو یہ نیت درست نہ ہوگی کیونکہ جو زیادہ ہوئے اسکی نیت نہیں پائی گئی

امام کس طرح نیت کرے

اور امام صرف اپنی نماز کی نیت کرے گا، اقتدا کے درست ہونے کے لئے جبکہ وہ مردوں کا امام ہو، مقتدی کی امامت کی نیت کرنا اس کے لئے شرط نہیں ہے البتہ جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے جبکہ کوئی مقتدی ہو صرف اس وقت نیت شرط ہے پہلے سے نہیں، جیسا کہ اشباہ میں اسکو بیان کیا ہے

جب امام کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں ہے تو اگر کسی نے قسم کھائی ہے کہ وہ کسی کی امامت نہیں کرے گا اور وہ بغیر امامت کی نیت کے کھڑا ہو گیا، اور لوگ اس کی اقتدا کی نیت سے کھڑے ہو گئے اور وہ امام بن گیا تو اس سے وہ اپنی قسم میں جھوٹا نہ بنے گا یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔

اگر اس نے عورتوں کی امامت کی تو اگر عورت نے کسی مرد کے محاذ میں کھڑے ہو کر اقتدا کی اور یہ نماز جنازہ کے علاوہ نماز میں کی تو عورت کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کی امامت کی نیت کرے تاکہ مرد کے برابر کھڑے ہونیکی وجہ سے بلا التزام فساد لازم نہ آئے

عورت کے لئے امامت کی نیت

ماحصل یہ ہے کہ جب عورت مقتدی ہو تو اس کی اقتدا اس وقت درست ہو گی جب امام کے لئے اپنے امام ہونے اور اسکی اقتدا کی نیت کرے گا ورنہ نہیں، اگر عورت کی اقتدار کے لئے یہ شرط نہ لگائی جاتی تو جب بھی جماعت میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جاتی، مرد کی نماز فاسد ہو جاتی حالانکہ امام کے کسی فعل کے بغیر اسکو فساد کا ذریعہ ثابت کرنا مناسب نہ ہوتا، اس لئے یہ قید لگادی کہ امام عورت کی اقتدا کی نیت کرے گا تب اس کا برابر میں کھڑا ہونا مرد کی نماز کے فاسد ہونے کا موجب ہو گا ورنہ نہیں

اگر عورت نے مرد کے محاذات میں ہو کر اقتدا نہیں کی ہے تو اس میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ اس حال میں بھی یہ شرط ہے کہ اسکی اقتدا اسی وقت درست ہو گی جب امام اس کی امامت کی نیت کرے اور بعضوں نے کہا ہے اس صورت میں اقتدا کے صحیح ہونے کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں ہے، جس طرح نماز جنازہ میں عورت کی اقتدا کے صحیح ہونے کے لئے متفقہ طور پر اس کے لئے امام کی نیت امامت شرط نہیں ہے اور جیسے جمعہ اور عیدین میں نیت امامت صحیح تر قول میں شرط نہیں ہے (گو جمہور کے قول میں شرط ہے)

اور اس دوسرے قول سے کہ عورت کی اقتدا کے لئے نیت امامت شرط نہیں ہے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت

کسی مرد کے محاذات (برابر یا اس کے آگے) میں نہیں ہے تو اسکی نماز پوری ہو گی اور اگر وہ کسی مرد کے محاذات میں ہے یعنی اسکے برابر یا آگے میں ہے تو اس کی نماز پوری نہ ہو گی۔

ونية استقبال القبلة ليست بشرط مطلقا على الراجح فما قيل لو نوى بناء الكعبة او المقام او محراب مسجده لم يجز متفرع على المرجوح كنيته تعيين الامام في صحة الاقتداء فانها ليست بشرط فلو ائتم به بظنه زيدا فاذا هو بكر صح مثلا الا اذا عينه باسمه فبان غيره الا اذا عرفه بمكان كالقائم في المحراب او اشارة كهذا الامام الذى هو زيد الا اذا اشار ربعفة مختصة كهذا الشاب فاذا هو شيخ فلا يصح ويعكسه يصح لان الشاب يدعى شيخا لعلمه وفي المجتبى نوى ان لايصلي الاخلف من هو على مذهبه فاذا هو غيره لم يجز فائده لماكان الاعتبار للتسمية عندنا لم يختص ثواب الصلوة في مسجده عليه الصلوة والسلام بما كان في زمنه فليحفظ :

ترجمہ:۔ قبلہ رخ ہونے کی نیت راجح قول میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی نیت کسی حال میں درست نہیں ہے (خواہ نمازی کعبہ کے قریب ہو یا دور ہو جنگل میں ہو یا مسجد میں) باقی یہ مسئلہ کہ "اگر نمازی عبادت کعبہ یا مقام ابراہیم یا اپنی مسجد کے محراب کی نیت کرے گا تو نماز درست نہ ہو گی" یہ مرجوح یعنی ضعیف قول پر متفرع ہے (ان لوگوں کے قول پر جو قبلہ رخ ہونے کی نیت کو شرط بتاتے ہیں) راجح قول پہلا ہے کہ بعد کی نیت شرط نہیں ہے جیسے اقتدا کے صحیح ہونے میں امام کے متعین کرنے کی نیت شرط نہیں ہے لہذا اگر کسی نے امام کی اقتدا یہ سمجھ کر کی کہ امام زید ہے اور نکلا وہ بکر، تو اس صورت میں بھی یہ اقتدا درست ہو گی، (اس لئے کہ جو امامت کے فرائض انجام دے رہا تھا اس کی اقتدا نیت کی تھی یہ الگ بات ہے کہ اس نے سمجھا تھا کہ یہ امام فلاں شخص ہے مگر وہ نہ تھا، دوسرا تھا یہ فرق سمجھنے میں ہوا نیت میں نہیں) ہاں اس صورت میں اقتدا درست نہ ہو گی جب یہ متعین کر کے اور اسکا نام لے کر نیت کرے کہ فلاں شخص کی اقتدا کر رہا ہوں اور وہ اس کے علاوہ شخص ہو، لیکن اگر وہ نام کی تعیین کے ساتھ یہ بھی بتائے کہ جو اس محراب میں کھڑا ہے یا اشارہ کر کے کہے کہ اس امام کی اقتدا کر رہا ہوں جسکا نام زید ہے تو اقتدا درست ہو گی، (اگر وہ امام زید نہ ہو بلکہ بکر یا کوئی اور ہو، اس وجہ سے کہ اشارہ کرنے اور جگہ کی تعیین سے نام لینے کا اعتبار جاتا رہا) البتہ اس وقت اقتدا درست نہ ہو گی جب وہ امام کی کسی صفت خاص کے ساتھ اشارہ کرے گا مثلاً یوں کہا کہ میں اس جوان کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور وہ ہوا بوڑھا شخص تو اقتدا صحیح نہیں ہو گی، اور اگر اس کے برعکس ہوا کہ صفت خاص تو شیخ کی بیانی کی تھی اور نکلا وہ جوان تو اقتدا درست ہو جائے گی اور یہ اس وجہ سے کہ جوان کو اسکے علم کی وجہ سے کبھی شیخ کہا کرتے ہیں

اور مجتبیٰ میں ہے کہ مقتدی نے اس طرح نیت کی کہ میں نماز نہیں پڑھتا ہوں مگر اس شخص کے پیچھے جو میرا ہم مذہب ہے یعنی میرے طریقہ پر ہے اور امام ایسا شخص نکلا جو اسکا ہم مذہب نہ تھا بلکہ غیر تھا تو اقتدا درست نہ ہو گی

چونکہ احناف کے نزدیک نام لینے کا اعتبار ہے (جس صورت میں اشارہ نہ ہو) اس لئے نماز کا ثواب مسجد نبوی ﷺ میں

اسی حصہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مسجد میں داخل تھا اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے۔

تشریح بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں ایک نماز (مسجد حرام کے سوا) دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے

مسجد نبوی کا جمعہ رقبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا اس میں آپ کے بعد کئی دفعہ اضافہ ہوا ہے حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور پھر ولید اور مہدی وغیرہ نے اس میں اپنے اپنے دور میں اضافہ کیا ہے، اور عہد نبوی سے موجودہ مسجد بہت وسیع ہو گئی اور ہوتی جا رہی ہے۔

مسجد نبوی میں ثواب کی زیادتی عام ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہزار گنا ثواب کی زیادتی کا تعلق صرف اس حصہ خاص سے ہوگا جو حصہ عہدی نبوی میں مسجد میں داخل تھا یا اس وقت تک اس میں جو کچھ اضافہ ہوا ہے اس اضافہ شدہ حصہ میں بھی نماز پڑھنے سے ہزار گنا ثواب زیادہ ملے گا۔

جواب یہ دیا گیا ہے کہ اضافہ شدہ حصہ میں بھی نماز پڑھنے میں ثواب کی یہ زیادتی حاصل ہوگی، صرف عہد نبوی والے حصہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ اضافہ شدہ حصہ بھی مسجد نبوی کا ہی حصہ ہے، یہ کوئی الگ چیز نہیں ہے آنحضرت ﷺ کا منشا مدینہ کی مسجد تھی جس میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔

امام نووی نے ثواب کی زیادتی کو عہد نبوی والے حصہ کے ساتھ مخصوص کہا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں صرف مسجدی "کا لفظ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ "ہذا" اسم اشارہ بھی موجود ہے تو "فی مسجدی ہذا" کا مطلب ہوا کہ میری اس مسجد میں جو اس وقت موجود ہے؛ احناف کہتے ہیں کہ ہذا اسم اشارہ جگہ کے خاص کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس اشارہ سے مراد یہ ہے کہ اس مسجد خاص کے سوا اور جو مسجدیں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، بلکہ منشا مدینہ کی مسجد نبوی ہے جس میں آپ عموماً نماز ادا کرتے تھے۔

والسادس استقبال القبلة حقيقة او حكما كعاجز والشرط حصوله لا طلبة. وهو شرط زائد للابتلاء يسقط للعجز حتى لو سجد للكعبة نفسها كفر فللمكى وكذا المدنى لثبوت قبلتها بالوحى اصابة عينها يعم العاين وغيره لكن فى البحر انه ضيف والاصح ان من بينه وبينها حائل كالغائب واقره المصنف قائلا فالمراد بقولى فللمكى مكى يعائن الكعبة ولغيره اے غير معايضا اصابة جهتها بان يبقى شئ من سطح الواجه مسامتا للكعبة او لهوائها بان يفرض من تلقاء وجه مستقبلها حقيقة فى بعض البلاد خط على زاوية قائمة الى الافق مارا على الكعبة وخط اخر يقطعه على زاويتين قائمتين يمنة ويسرة منح قلت فهذا معنى التياسم والتياسر فى عبارة الدر فتبصر وتعرف بالدليل وهو فى القرى والامصار محاريب الصحابة والتابعين وفى المفاوز والبحار والنجوم كالقطب والافمن الاهل العالم بها ممن لو صاح به سمعه والمعتبر فى القبلة العرصة لا البناء فهى من الارض السابعة الى

نعوش وقبلة العاجز عنها لمرض وان وجد موجها عند الامام اوخوف مال وكذا كل من سقط عنه الاركان جهة قدرته ولو مضطجعا بايماء لخوف رؤية عدد ولم يعد لان الطاعة بحسب الطاقة.

ترجمہ :۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا نماز کی چھٹی شرط قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے خواہ یہ حقیقت میں ہو یا حکم کے اعتبار سے ہو، جیسے عاجز (جو دشمن کے خوف کی وجہ سے یا قبلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حقیقی قبلہ کی طرف منہ نہیں کرسکا ہے تو اسکا قبلہ وہی ہے جس طرف وہ منہ کرسکا تو یہ باعتبار حکم اس کا قبلہ ہوا، حقیقۃ نہ ہوا) اور نماز میں قبلہ رخ ہونا شرط ہے قبلہ کا طلب کرنا شرط نہیں (ہاں جب قبلہ کا معلوم ہونا طلب پر موقوف ہو تو طلب کرنا ہوگا) اور قبلہ رخ ہونا ایک زائد شرط ہے جو بندوں کے امتحان کے لئے ہے مگر جب کوئی مجبوری ہو تو یہ شرط ساقط ہوجاتی ہے باقی نہیں رہتی (عبادت میں بذات خود قبلہ مقصود نہیں بلکہ یکجہتی اور یگانگت کے لئے ہے اور اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ بندوں کو جو حکم دیا جاتا ہے، وہ مان لیتے ہیں) حد یہ ہے کہ اگر کوئی رب کعبہ کی جگہ نفس کعبہ کے سجدہ کی نیت کرے گا وہ کافر ہوجائے گا کیونکہ مقصود رب کعبہ ہے، نفس کعبہ نہیں

پس مکہ کے رہنے والے اور اسی طرح مدینہ کے باشندوں کا قبلہ عین کعبہ کی سیدھ ہے جو دیکھ رہا ہو اسکا بھی اور جو نہ دیکھ رہا ہو اس کا بھی، لیکن بحر الرائق میں ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اور اس باب میں صحیح تر قول یہ ہے کہ جس شخص اور کعبہ کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جو غائب ہے یعنی اسکا قبلہ جہت کعبہ ہوگا نہ کہ عین کعبہ، اور مصنف نے اس قول کو یہ کہہ کر قائم رکھا ہے کہ مکی سے مراد یہاں وہ شخص ہے جو کعبہ کو دیکھ رہا ہو، مدینہ کے باشندوں کا قبلہ عین کعبہ اس لئے ہے کہ ان کا قبلہ وحی سے ثابت ہے

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نماز پڑھنے والے مکی ومدنی کے درمیان اور کعبہ کے درمیان کوئی دیوار یا پہاڑ وغیرہ حائل نہیں ہے تو اس کا قبلہ عین کعبہ ہوگا اور اگر درمیان میں کوئی اس طرح کی چیز حائل ہوگی تو اس کا قبلہ جہت کعبہ ہوگا عین کعبہ نہ ہوگا جس طرح اس شخص کا قبلہ جو کعبہ کو نہیں دیکھ رہا ہے

غیر مکی کا قبلہ اور جو مکہ کے باشندے نہیں ہیں یعنی جو کعبہ کو نہیں دیکھ رہے ہیں اسکا قبلہ کعبہ کی جہت ہے عین کعبہ نہیں یعنی خود کہ چہرہ کی کچھ سطح کعبہ یا فضاء کعبہ کے مقابل باقی رہے، اس طرح کہ بعض شہروں میں درحقیقت جس وقت کعبہ کی طرف ہے اس چہرہ کی سیدھ سے ایک خط فرض کیا جائے جو آسمان کے کنارے تک کعبہ سے گذرتا ہوا زاویہ قائمہ بنائے اور ایک دوسرا خط فرض کیا جائے جو اس خط کو اسکے دائیں بائیں دو زاویہ قائمہ پر قطع کرے تو یہ دونوں خط جو کعبہ کے مقابل ہوگا جہت کعبہ پر کہا جائے گا

جہت کا معنی یہ ہے کہ بالکل آمنے سامنے نہ ہو بلکہ اسکی سمت کی طرف اس طرح ہو کہ اس سے پھر ہوا یا مخالف نہ سمجھا جائے گا تھوڑا سا دائیں بائیں کعبہ سے ہٹا ہوا ہو، لیکن جہت وہی ہو

کعبہ

صف

نمازی

شارح کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں درر نامی کتاب کی عبارت میں دائیں بائیں ہٹنے کے یہی معنی ہیں لہذا اچھی طرح دیکھ لیا جائے اور قبلہ اس علامت سے پہچانا جاتا ہے جو کعبہ کو بتائے، آبادیوں اور شہروں میں اس کی پہچان صحابہ کرام اور تابعین کے زمانہ کی مسجدوں کی محرابیں ہیں اور جنگلوں اور سمندروں میں اسکی پہچان ستارے ہیں جیسے قطب ستارہ۔

صحابہ تابعین کی مسجدوں سے مراد پرانی مسجدیں ہیں، جن کا سمت ٹھیک اور درست ہو، آجکل مسلمانوں کی تمام مسجدوں میں سمت قبلہ کا اہتمام کیا جاتا ہے لہذا جو مسجد بھی ہو وہ سمت قبلہ بتائے گی، جب تک کسی مسجد کے متعلق یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کی سمت درست نہیں ہے۔

قطب تارہ عموماً ہندوستان میں نمازی کے دائیں شانے پر ہوتا ہے اور یہاں عام طور پر رات میں عوام قطب تارہ ہی سے سمت معلوم کرتے ہیں اور اب اس جدید زمانہ میں قطب نما آلہ بھی ایجاد ہو گیا ہے اور وہ عام طور پر بازاروں میں ملتا ہے

اگر کہیں نہ مسجدیں ہوں اور نہ قطب تارہ ہو، تو اس جگہ ان باشندوں سے معلوم کیا جائے جو قبلہ جانتے ہیں بشرطیکہ وہ باشندے اتنی دوری پر ہوں کہ اگر نمازی ان کو بلند آواز سے پکارے تو وہ سن لیں۔

قبلہ کے متعلق جن لوگوں سے پوچھا جائے ان کے لئے کچھ فقہاء نے ایک شرط یہ بھی لگائی ہے کہ وہ مقبول الشہادۃ ہوں یعنی شرعاً ان کی گواہی معتبر ہو لہذا کافر اور جاہل سے پوچھنا اور ان کا بتانا کافی نہ ہو گا۔

اور قبلہ کے باب میں معتبر بات یہ ہے کہ اس سے مراد کعبہ کی طرف دیوار نہیں ہے بلکہ اس کی مراد میدان اور کشادگی ہے لہذا کعبہ کی کشادگی بھر ساتویں زمین سے لیکر عرش تک قبلہ ہے۔

چنانچہ کوئی زمین کی انتہائی گہرائی میں نماز پڑھے یا اونچے سے اونچے کسی پہاڑ یا مکان یا مینار کی چھت پر، تو وہ بھی قبلہ کی سمت رخ کرے گا اور اس کی نماز جائز ہو گی، جیسے کعبہ کی۔ چھت پر نماز درست ہے، پس اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کعبہ کی صرف عمارت قبلہ ہوتی تو اس کی چھت پر نماز جائز نہ ہوتی، اسی طرح نیچے گہرے کنویں میں نماز نہ ہوتی۔

مریض و مجبور کا قبلہ

اور اس شخص کا قبلہ جو اپنے مرض کی وجہ سے قبلہ رخ ہونے سے مجبور ہو، یا مال کی چوری کی وجہ سے قبلہ رخ نہ ہو سکتا ہو اور بیمار جس کو خواہ ایسا شخص مل بھی رہا ہو جو اسکو قبلہ رخ کر دے امام اعظمؒ کے نزدیک اس کا قبلہ اور ایسا ہی ہر وہ شخص جس سے نماز کے ارکان ساقط ہو چکے ہوں ان سب کا قبلہ ان کی قدرت والی جہت ہے یعنی جس طرف وہ رخ کر کے مجبوری میں نماز پڑھ سکتا ہو نماز پڑھے گا نماز جائز ہو گی ان مجبوروں کے لئے قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہے، اگرچہ کوئی اس خوف سے لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے کہ دشمن کہیں دیکھ نہ لے بیمار جو خود قبلہ رخ نہیں ہو سکتا لیکن اس کے پاس ایسا آدمی ہے جو اس کو قبلہ رخ کر سکتا ہے تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے بھی قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہے مگر صاحبینؒ یہ کہتے ہیں کہ ایسا مجبور بیمار اگر کوئی ایسا مددگار رکھتا ہے جو اسے قبلہ رخ کر سکتا ہے تو اس کے لئے قبلہ رخ ہونا لازم ہے قدرت والی جہت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھلے اور قبلہ کی طرف منہ نہ کرے تو اس کی نماز نہ

ہو گی، اور وہ شخص جس سے نماز کے ارکان ساقط ہو چکے ہوں اس کی مثال وہ بوڑھا آدمی ہے جو اپنے بوڑھاپے کی وجہ سے قیام و قعود نہیں کر سکتا ہے تو ایسے مجبور سے قبلہ رخ ہونا بھی ساقط ہو جاتا ہے، یا ایک شخص کو یہ خطرہ ہے کہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اگر وہ نماز ادا کرے گا تو دشمن دیکھ لیگا اور وہ نقصان پہونچائے گا تو اس سے بھی قبلہ رخ ہونا ساقط ہو جاتا ہے اس کو لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

اور وہ مجبور شخص جو حالت مجبوری میں بغیر قبلہ رخ ہوئے نماز ادا کر چکا ہے وہ ان نمازوں کا اعادہ نہ کرے گا اس لئے کہ خدا کی عبادت کا فریضہ انسان پر اس کی طاقت کے مطابق عائد ہوتا ہے گویا اس طرح کے اعذار، آسمانی عذر کے حکم میں ہیں او رجو نماز ایسے عذر کے وجہ سے قبلہ کے اہتمام کے بغیر پڑھی گئی ہے اس کا لوٹانا اس کے ذمہ نہیں ہے۔

ویتحری هو بذل المجهود لنيل المقصود عاجز عن معرفة القبلة بما مر فان ظهر خطؤه لم يعد لما مروان علم به في صلوته او تحول رائه ولو في سجود سهوا ستدار وبنى حتى لو صلى كل ركعة لجهة جاز ولو بمكة او مسجد مظلم ولا يلزمه قرع ابواب ومس جدران ولو اعمى فسواه رجل بنى ولم يقتد الرجل به ولا بمتحر تحول ولو ائتم بمتحر بلا تحرلم يجزان اخطاء الامام ولو سلم فتحول راى مسبوق ولا حق استدار المسبوق واستانف اللاحق ومن لم يقع تحريه على شئ صلى لكل جهة مرة احتياطا ومن تحول رايهٔ الجهة الاولى استدارومن تذكر ترك سجدة من الاولى استانف وان شرع بلا تحر لم يجزوان اصاب لتركه فرض التحرى الا اذا علم اصابته بعد فراغه فلا يعيد اتفاقا بخلاف مخالف جهة تحريه فانه يستانف مطلقا كمصل على انه محدث او ثوبه نجس او الوقت لم يدخل فبان بخلافه لم يجز

ترجمہ: ۔قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے

جو شخص قبلہ معلوم کرنے سے ان امور کے ذریعہ عاجز ہو جو پہلے بیان کیئے گئے تو ایسا شخص تحری کرے گا، تحری کہتے ہیں مقصود حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنیکو، گویا وہ دل میں سوچے اور جدھر اس کا دل گواہی دے کہ ادھر قبلہ ہے، اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے اور تحری کے بعد جو نماز ادا کی گئی اگر بعد میں ظاہر ہوا کہ اس میں اس سے غلطی ہوئی تو بھی وہ اس نماز کا اعادہ نہ کرے گا،

اور اگر نماز کے اندر اس کو صحیح قبلہ معلوم ہو گیا یا اس کی خود رائے بدل گئی کہ جس رخ وہ نماز پڑھ رہا ہے قبلہ اس کے خلاف سمت ہے گویا رائے کا بدلنا سجدہ سہو میں پیش آیا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسی وقت اس طرف پھر جائے اور بقیہ نماز اسی طرف رخ کر کے ادا کرے، حتی کہ اگر کسی کی رائے ہر رکعت میں بدلتی رہی اور اس نے ہر رکعت ایک نئی جہت کی طرف منہ کر کے ادا کی تو بھی اس کی نماز جائز ہو گئی اگر چہ اس کی یہ نماز مکہ میں ہی اس طرح ہوئی ہو، یا کسی تاریک مسجد میں ہوئی ہو۔

مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص خوب غور کر کے ایک رخ کو قبلہ سمجھا اور اس طرف منہ کر کے نماز شروع کی ایک رکعت جب پڑھ چکا تو اس کو گمان غالب ہوا کہ ادھر نہیں دوسری طرف قبلہ ہے، چنانچہ دوسری رکعت اس نے اس دوسری طرف منہ کر کے پڑھی، اسی طرح تیسری رکعت تیسری جہت اور چوتھی رکعت چوتھی طرف منہ کر کے نماز ادا کی تو اس صورت میں بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

مکہ مکرمہ میں ہونیکی شکل یہ ہے کہ وہ کسی ایسی جگہ میں قید تھا جہاں سے یہ معلوم نہ ہو سکتا ہو کہ کعبہ کدھر ہے تو اس نے اس حالت میں تحری کر کے نماز ادا کی بعد میں معلوم ہوا کہ رخ غلط تھا، تو بھی اس کی نماز ہو جائیگی

نمازی پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ قبلہ معلوم کرنے کے لئے لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹاتا پھرے یا مسجد کی دیواروں کو ٹٹولتا پھرے اور جو نمازی اندھا ہے اور اس کو کسی نے قبلہ کی طرف سیدھا کر دیا تو وہ بقیہ نماز اس صحیح رخ پر ادا کرے گا، اور جس نے اس اندھے کو قبلہ رخ کیا ہے وہ اس کی اقتدا نہ کرے گا (کیونکہ اس کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نماز کا کچھ حصہ غلط رخ اس نے ادا کیا ہے، اور نہ اس تحری کرنے والے کی اقتدا کرے گا جس کی رائے درمیان میں بدل گئی ہے۔)

تحری والے کی اقتدا

اگر کسی شخص نے ایک تحری کرنیوالے کی اقتدا خود بلا تحری کی، تو اگر امام سے تحری میں غلطی ہوئی ہے تو اس مقتدی کی نماز جائز نہ ہو گی، البتہ اس امام کی نماز جائز ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے تحری کر کے نماز ادا کی ہے، مقتدی کی اس لئے درست نہیں ہو گی کہ اس نے تحری نہیں کی اور قبلہ غلط نکلا۔

اور جب تحری کرنے والا امام سلام پھیر چکا تو مسبوق (جس کی کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے اور لاحق جو ملا تو تھا ساتھ مگر درمیان میں حدث کی وجہ سے اس کی کوئی رکعت رہ گئی) دونوں کی رائے بدل گئی کہ امام نے جس طرف منہ کیا تھا وہ قبلہ نہیں تھا بلکہ دوسری جانب قبلہ تھا تو اس صورت میں مسبوق اپنی بقیہ نماز اسی طرف منہ کر کے پوری کرے گا جس طرف اس کی رائے میں قبلہ ہو، اور باقی رہا لاحق تو وہ از سر نو نماز ادا کرے گا، اور یہ اس وجہ سے از سر نو نماز دوبارہ پڑھیگا کہ لاحق اپنی بقیہ نماز میں بھی حکماً امام کا تابع ہوتا ہے، اور امام کی مخالفت سے اس کی نماز فاسد ہو جائیگی اور اگر جان بوجھکر قبلہ کو چھوڑ کر نماز ادا کرے گا تو بھی اس کی نماز نہ ہو گی، اس لئے وہ جدھر قبلہ سمجھ رہا ہے اسی طرف منہ کر کے اپنی پوری نماز پڑھے گا اور جس شخص کی تحری (غور و فکر) کسی طرف متعین نہ ہو سکے بلکہ سب طرفین اس کے نزدیک قبلہ ہونے میں برابر معلوم ہوں تو ایسا شخص ہر طرف ایک ایک دفعہ پوری نماز ادا کرے گا، اور جس شخص کی رائے پہلی سمت کی طرف بدل گئی تو اس کو چاہئے کہ وہ نماز میں اسی طرف پھر جائے۔

اور جس شخص کو پہلی رکعت کا سجدہ چھوٹ جانا یاد آیا وہ از سر نو نماز پڑھے (اس کی صورت یہ ہو گی کہ ایک شخص نے تحری کر کے ایک رکعت ایک جانب نماز پڑھی، پھر رائے بدل گئی، اور دوسری رکعت دوسری سمت منہ کر کے پڑھنا شروع کی اس وقت یاد آیا کہ پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں نماز کو پھر سے دوبارہ پڑھے اس لئے کہ اگر سجدہ مذکورہ اس جانب کو کرتا ہے جدھر نماز کی دوسری رکعت پڑھ رہا ہے تو یہ قبلہ کی طرف نہ ہو گا اسلئے کہ پہلی رکعت کا قبلہ دوسرا تھا اور

حال یہ ہے کہ یہ سجدہ پہلی ہی رکعت کا جزء ہے اور اگر یہ سجدہ پہلی رکعت کے قبلہ کی طرف کرتا ہے تو اب جو سمت اس کا قبلہ ہے اس سے پھرنا لازم آتا ہے، اس وجہ سے اس کو حکم ہے کہ از سر نو نماز پڑھے۔

بلا تحری نماز کا حکم

اور جس کو قبلہ معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم کرتا ہے اگر وہ بلا تحری نماز شروع کر دیگا تو اس کا یہ شروع کرنا جائز نہ ہوگا گو وہ ٹھیک قبلہ ہی طرف کیوں نہ منہ کر کے پڑھ رہا ہو اس لئے کہ اس نے تحری کو چھوڑ دیا جو اس کے ذمہ فرض تھا، لیکن جب نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوا کہ قبلہ اس نے پالیا تھا تو متفقہ طور پر تمام احناف کہتے ہیں کہ وہ اس نماز کا اعادہ نہ کرے گا، البتہ جس نے اپنی تحری کے خلاف سمت نماز پڑھی ہے تو وہ ہر حال میں پھر سے دوبارہ نماز پڑھے گا (خواہ اسے نماز میں معلوم ہو کہ اس نے درست قبلہ کی طرف نماز پڑھی ہے یا اس سے غلطی ہوئی ہے، یا یہ علم نماز کے بعد ہو یا کچھ بھی معلوم نہ ہو اور امام اعظمؒ سے روایت ہے کہ ایسے شخص پر کفر کا خوف ہے کذا فی الشامی) جیسے وہ شخص از سر نو نماز پڑھے گا جس کو گمان ہو کہ وہ بے وضو نماز پڑھ رہا ہے یا اس کا کپڑا ناپاک ہے یا نماز کا وقت ابھی نہیں ہوا ہے اور بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اس سے اس کی نماز جائز نہ ہوگی (اس لئے کہ اس کے خیال کے مطابق نماز فاسد ہو چکی ہے، لہذا بعد میں موافقت ظاہر ہونے سے جائز نہ ہوگی)

صلی جماعة عند اشتباه القبله فلولم تشبة ان اصاب جاز بالتحری مع امام وتبين انهم صلوا الى جهات مختلفة ومن تيقن منهم مخالفة امامه فى الجهة او تقدمه عليه حالة الاداء اما بعده فلا يضر لم تجز صلوته لاعتقاده خطاء امامه ولتركه فرض المقام ومن لم يعلم ذلك فصلوته صحيحة كما لو لم يتعين الامام بان راى رجلين يصليان فائم بواحد لا بعينه

ترجمہ:۔ تحری والوں کی جماعت

ایک جماعت پر قبلہ مشتبہ تھا اس نے تحری کر کے ایک امام کے ساتھ نماز ادا کی اور بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے مختلف سمتوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو ان میں سے جس کو حالت ادا میں یقین ہوا کہ وہ اپنے امام کے مخالف سمت نماز پڑھ رہا ہے یا یہ یقین ہوا کہ وہ اپنے امام سے آگے ہے اسکی نماز درست نہ ہوگی، جس طرح اس شخص کی نماز درست نہیں ہوتی ہے جو دو شخصوں کو نماز پڑھتے دیکھے اور کسی ایک غیر معین کی اقتدا کرے اور اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد مخالف سمت یا آگے ہونے کا ظن غالب یا یقین ہوا تو یہ مضر نہیں ہے نماز ہو جائے گی۔

شارح نے کہا کہ اگر جماعت پر قبلہ مشتبہ نہ ہوا تھا تو اگر اس نے درست سمت کی طرف نماز پڑھی ہے تو وہ نماز درست ہوگی۔

حالت ادا میں امام کی مخالفت معلوم کرنے والے کی نماز اس وجہ سے جائز نہ ہوگی کہ اس کو اپنے امام کی غلطی پر ہونے کا اعتماد ہے اور آگے ہونا جس کو معلوم ہے اس کی نماز اس لئے نہ ہوگی کہ اس نے مقام کے فرض کو چھوڑ دیا اور وہ فرض تھا اس کا امام کے پیچھے کھڑا ہونا۔

اور جماعت میں جن لوگوں کو امام کی مخالفت اور اس سے آگے بڑھنے کا علم نہ ہوا ان سب کی نماز جائز ہو گئی۔

فروع النية عندنا شرط مطلقا ولو عقبها بمشيئة فلو مما يتعلق باقوال كطلاق و عتاق

بطل والا لا ليس لنا من ينوى خلاف ما يودى الاعلى قو ل محمد فى الجمعة وهو ضعيف المعتمد ان المعبادة ذات الافعال تنسحب نيتها على كلها افتتح خالصا ثم خالطه الرياء اعتبر السابق والرياء انه لو خلا عن الناس لا يصلى فلو معهم يحسنها وحده لا فله ثواب اصل الصلوة ولا يترك لخوف دخول الرياء لانه امر موهوم ولا رياء فى الفرائض فى حق سقوط الواجب قيل لشخص صل الظهر ولك دينار فصلى بهذه النية ينبغى ان تجزيه ولا يستحق الدينار الصلوة لا رضاء الحصوم لا تفيد بل يصلى لله فان لم يعف خصمه اخذ من حسناته جاء انه يوخذ لدانق ثواب سبع مائة صلوة بالجماعة ولو ادرك القوم فى الصلوة ولم يدر أفرض ام تراويح ينوى الفرض فان هم فيه صح والاتقع نفلا ولو نوى فرضين كمكتوبة وجنازة فللمكتوبة ولو مكتوبتين فللوقتية ولو فائتيتن فللاولى لو من اهلى الترتيب والا لقا فليخفظ ولو فائتة ووقتية فللفائتة لو لوقت متسعا ولو فرضا ونفلا فللفرض ولو نافلتين كسنة فبحر وتحية مسجد فعنهما ولو نافلة وجنازة فنافلة ولا تبطل بنية القطع ما لم يكبر بنية مغائرة ولو نوى فى صلوته الصوم صح

ترجمہ :۔ فروع یعنی جزئی مسائل

ہمارے نزدیک نیت مطلقاً شرط ہے کوئی بھی عبادت ہو کسی عبادت میں نیت رکن کا درجہ نہیں رکھتی ہے اور اگر کسی نے نیت کے الفاظ کہنے کے بعد ان شاء اللہ کہا اور نیت کی ہوئی چیز ان کاموں میں سے ہے جن کا زبان کے کہنے سے تعلق ہے جیسے طلاق یا عتاق تو انشاء اللہ کہنے سے وہ باطل ہو جائے گی، اور اگر ان کاموں کا تعلق قول سے نہیں ہے تو انشاء اللہ کہنے سے وہ باطل نہ ہونگے جیسے روزے کہ انکی نیت کے بعد اگر کسی نے انشاء اللہ کہدیا تو اس سے اس کا روزہ باطل نہیں ہو گا۔

ہم حنفیوں کے نزدیک کوئی فعل ایسا نہیں ہے کہ اس میں نیت تو کچھ کرے اور عمل کچھ کرے یعنی جو ادا کر رہا ہے اس کے خلاف نیت کرے صرف امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ میں یہ صورت ممکن ہے اور یہ قول بھی ان کا ضعیف ہے (صورت یہ ہے کہ امام محمد فرماتے ہیں کہ جو شخص ایک رکعت سے کم جمعہ پائے اسکی نماز جمعہ نہیں ہوئی اب اگر کسی نے جمعہ کی دوسری رکعت کا رکوع ہو چکنے کے بعد امام کی اقتدا کی اور نیت کی جمعہ کی اور امام کے فارغ ہونے کے بعد ظہر کی نیت سے نماز پوری کی، تو ظہر کی نماز اس کی ہو جائے گی بس یہ ایک صورت ہے کہ نیت کچھ کی اور ادا کچھ اور ہوئی۔

معتمد قول یہ ہے کہ بہت سے افعال والی عبادت کی نیت اسکے افعال کے لئے کافی ہوتی ہے (ہر فعل اور رکن کی نیت علیحدہ علیحدہ ضروری نہیں ہے ایک ہی دفعہ نیت سب فعل کے لئے کافی ہے جیسے روزہ کے شروع میں نیت کر لینا کافی ہے)

عبادت میں ریا اور نام ونمود کا خیال

ایک عمل اخلاص کے ساتھ شروع کیا پھر درمیان عمل میں ریا اور نام ونمود شامل ہو گیا تو اعتبار اس صورت میں سابق کا ہی رہے گا

(یعنی یہ عمل اخلاص کے ساتھ ہونا قرار پائے گا البتہ اس ریا کی وجہ سے ثواب میں کمی ہو جائے گی) ریا اور نام و نمود یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ لوگوں سے علیحدہ ہوتا تو نماز نہیں پڑھتا، اب اگر یہ لوگوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے نماز اچھی طرف پڑھے اور تنہائی میں اچھی طرح ادانہ کرے تو اسکو اصل نماز کا ثواب حاصل ہوگا اور اچھی طرح پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا (بظاہر یہ حکم فرض اور نفل دونوں میں شامل ہے کذافی الطحطاوی) نماز اور دوسری عبادت ریا اور نام و نمود کے داخل ہونے کے اندیشہ سے ہرگز نہ چھوڑی جائے اس لئے کہ ریا کا داخل ہونا ایک وہمی بات ہے (لہذا وہمی بات کی وجہ سے نیک کام چھوڑنا مناسب نہ ہوگا) فرائض میں کوئی ریا نہیں ہے اسکی ادائے گی سے جو فرض ذمہ میں ہے وہ بہرحال ادا ہو جائے گا (یعنی ریا فرض کو باطل نہیں کرتا ہے لہذا اگر کوئی ریا کے ساتھ بھی نمار ادا کرے گا تو اس کے ذمہ سے نماز کا فریضہ ادا ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے شرائط وارکان پائے گئے کذافی الشامی البتہ ثواب میں کمی آجائے گی۔

لالچ کی وجہ سے جو نماز پڑھی جائے

کسی شخص سے کہا گیا کہ تو ظہر کی نماز پڑھ لے تجھے ایک دینار ملے گا ،اس نے اسی دینار کی سنت سے نماز پڑھی تو اس صورت میں مناسب یہ ہے کہ اسکی نماز ہو جائے گی اور وہ دینار کا مستحق قرار نہ پائے گا (نماز اس وجہ سے ہو گی کہ فرض میں ریا کو دخل نہیں ،اور نماز اس کے ذمہ واجب تھی اور مستحق دینار کا اس لئے نہ ہوگا کہ فرض نماز کے ادا کرنے پر اجرت کا استحقاق نہیں ہوتا ہے (جیسے باپ بیٹے سے خدمت بطور اجیر بھی لے تو بیٹا باپ سے مستحق اجرت نہیں ہوتا ہے کہ باپ کی خدمت اس پر واجب ہی تھی کذافی الشامی)

نماز دشمنوں کو راضی کرنے کیلئے پڑھنا مفید نہیں ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ وہ نماز اللہ تعالی کے لئے پڑھے پھر اگر دشمن اپنا حق معاف نہ کرے گا تو آخرت میں اس کو اس کی نیکیوں میں سے لیکر دیا جائے گا (مختارات النوازل میں ہے کہ اگر کوئی اس نیت سے خداواسطے نماز پڑھے کہ اللہ حقداروں کو اس سے راضی کردے تو یہ نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ یہ طریقہ خلاف سنت ہے دیکھئے شامی)

کتب آسمانی میں آیا ہے کہ کسی صاحب حق کا اگر ایک پیسہ بھی ذمہ میں ہوگا تو قیامت میں اس کے بدلے اس سے سات سو نماز باجماعت کا ثواب لے لیا جائے (اور حقدار کو دیدیا جائے گا)

بلاعلم جماعت میں شریک ہونا

لوگوں کو حالت نماز میں پایا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ فرض نماز پڑھ رہے ہیں یا تراویح تو یہ ملنے والا فرض نماز کی نیت سے ملے گا کیونکہ اگر وہ سب فرض نماز پڑھ رہے ہیں تب تو اس کی بھی فرض نماز ادا ہو جائے گی ورنہ پھر نفل کا ثواب ملے گا یعنی اگر فرض نماز نہیں پڑھ رہے تھے تو ملنے والے کی نماز نفل نماز ہو گی اور اس کا ثواب ملے گا،

اگر کسی نے دو فرض فرض عین وقتی نماز اور فرض کفایہ نماز جنازہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کی ہے تو اس کی یہ نیت صرف فرض عین کی ہو گی یعنی وقتی نماز کے لئے ہوگی کہ یہ قوی تر ہے اور درحقیقت نماز مطلق اسی نماز کا نام ہے،

اور اگر کسی نے بیک وقت دو فرض نماز کی نیت کی ایک اس نماز کی جس کا وقت موجود ہے اور دوسری جس کا وقت ابھی

نہیں ہے تو اس صورت میں اسکی وقتی نماز ہو گی اور نیت اسی نماز کی قرار پائے گی کہ اس کا وقت موجود ہے۔

چند نماز کی ایک ساتھ نیت

اور اگر کسی نے دو قضا شدہ نمازوں کی نیت کی تو اس صورت میں یہ پہلی قضا شدہ نماز کی نیت شمار ہو گی بشر طیکہ وہ نمازی صاحب ترتیب ہو، اور اگر صاحب ترتیب نہیں ہے اور دو قضا شدہ نمازوں کی ایک ساتھ نیت کی ہے تو اس کی یہ نیت لغو قرار پائے گی، کہ دونوں کا ایک ساتھ ادا ہونا ممکن نہیں ہے۔

اور اگر ایک ساتھ ایک قضا شدہ نماز کی نیت کی اور ایک وقتی نماز کی تو یہ نیت قضا نماز کی قرار پائے گی بشر طیکہ وقت میں گنجائش ہو کہ وہ قضا پڑھنے کے بعد وقتی ادا کر سکے (اور طحطاوی نے یہ شرط لگائی ہے کہ صاحب ترتیب بھی ہو، اگر صاحب ترتیب نہ ہو گا تو نیت لغو ہو جائے گی اور اگر وقت تنگ ہو گا تو نیت وقتی کیلئے ہو گی خواہ وہ صاحب ترتیب ہو یا صاحب ترتیب نہ ہو ہر حال میں)

اگر ایک ساتھ فرض و نفل دونوں کی نیت کی تو فرض کی نیت قرار پائے گی کہ فرض قوی ہے، اور اگر دو نفل کی ایک ساتھ نیت کرے گا ایک سنت فجر کی دوسری تحیۃ المسجد کی تو یہ نیت دونوں کی طرف سے کافی ہو گی اور اس کو دونوں کا ثواب ملے گا۔

اور اگر کسی نے ایک جنازہ اور ایک نفل کی ایک ساتھ نیت کی تو یہ نیت نفل نماز کی شمار ہو گی اس لئے کہ نفل نماز اور جنازہ دعاء ہے۔

اور قطع کی صرف نیت کر لینے سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے جب تک وہ کسی دوسری نماز کی نیت سے تکبیر نہ کہے (مثلاً ایک شخص نے فرض نماز شروع کی پھر اسی نماز میں نیت کی کہ فرض ختم کر کے اب نفل پڑھتا ہوں تو جب تک نفل کی نیت کے بعد اللہ اکبر نہ کہے گا اس وقت تک فرض باطل نہ ہو گا۔)

اور اگر کوئی اپنی نماز میں روزہ کی نیت کرے تو اس کی یہ نیت درست ہو گی (طحطاوی نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ جس عبادت میں مشغول ہو وہ اس کے اندر ہی رہے اس عبادت میں ہوتے ہوئے دوسری چیز میں مشغول نہ ہو)

باب صفة الصلوة

شروع فی المشروط بعد بیان الشرط ھی لغة مصدر وعرفا کیفیة مشتملة علی فرض و واجب وسنة ومندوب من فرائضها التی لا تصح بدونها التحریمة قائما وھی شرط فی غیر جنازة علی القادر بہ یفتی فیجوز بناء النفل علی النفل وعلی الفرض وان کرہ لا فرض علی فرض او نفل علی الظاھر ولا تصالها بالارکان روعی لها الشروط وقد منعه ا لزیلعی ثم رجع الیه بقوله ولئن سلم نعم فی التلویح نقدیم المنع علی التسلیم اولی لکن نقول الاحتیاط خلافه وعبارة البرھان وانما اشترط لها ما اشترط للصلوة لا باعتبار رکنیتها بل باعتبار اتصالها بالقیام الذی ھو رکنها

نماز کی کیفیت اور اس کی ادائے گی کا طریقہ

نماز کے شروط یعنی لوازم بیان کرنے کے بعد اب شروط یعنی خود نماز کا بیان شروع ہو رہا ہے، لفظ صفت لغت میں مصدر ہے جس کا معنی ان چیزوں کا بیان کرنا آتا ہے جو موصوف میں پائے جاتے ہوں، اور عرف میں صفت اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں فرض، واجب، سنت اور مستحب تمام شامل ہیں، (یہ مطلق لفظ صفۃ کی تعریف نہیں کی گئی ہے بلکہ یہ صفت صلوۃ کی تعریف کی گئی ہے یعنی جو اجزاء نماز کی صفت کا درجہ رکھتے ہیں ان میں سے بعض اجزاء فرض ہیں بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب)

تکبیر تحریمہ فرض ہے

نماز کے ان فرائض میں سے جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے، ایک حالت قیام میں تکبیر تحریمہ ہے (یعنی ہاتھ باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا، جس کے بعد نمازی پر مباح چیزیں جیسے بات کرنا وغیرہ حرام ہو جاتی ہیں اور اسی وجہ سے اس تکبیر کو تحریمہ کہتے ہیں حالت قیام کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ تکبیر کھڑے ہونے کی حالت میں کہے جھک کر نہ کہے تکبیر تحریمہ سے ایسا ذکر مراد ہے جو خالص اللہ کے لئے ہو۔)

اور یہ تکبیر تحریمہ نماز جنازہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں ان تمام لوگوں کے لئے شرط ہے جو اس کے کہنے کی قدرت رکھتے ہوں (مطلب یہ ہے کہ گونگے اور امی کے لئے فرض نہیں ہے) فتوی اسی پر دیا گیا ہے (یعنی اسکے رکن ہونے کا فتوی نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے، اور اسی وجہ سے یہاں جنازہ کا استثنا کر دیا کہ اس میں تکبیر رکن ہے) چونکہ تکبیر تحریمہ شرط ہے، اس وجہ سے ایک نفل کی بنا دوسری نفل پر اور نفل کی بنا فرض پر جائز ہے گو یہ صورت کراہت تحریمی سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ سلام میں تاخیر ہوتی ہے، لیکن ایک فرض نماز کی بناء دوسری فرض نماز پر یا کسی فرض کی بنا نفل پر جائز نہیں ہے ظاہر مذہب یہی ہے (سوال یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ جب رکن نہیں شرط ہے تو ہر نماز کی بنا دوسری نماز پر درست ہونی چاہئے جیسے طہارت نماز کے لئے شرط ہے تو ایک نماز کی طہارت سے دوسری ہر طرح کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور جائز ہوتی ہیں، جواب یہ ہے فرض نماز میں اس کا ممتاز اور معین ہونا مطلوب ہے لہذا اگر ایک کی بنا دوسرے پر جائز قرار دیدی جائے تو دونوں مل کر ایک ہو جائے اور امتیاز فوت ہو جائے جو خلاف مقصود ہے)

تحریمہ میں شرائط کی رعایت

اور چونکہ تکبیر تحریمہ نماز کے ارکان سے متصل ہے اس لئے اس میں بھی شرطوں کی رعایت کی گئی ہے (گویا تکبیر تحریمہ میں طہارت اور استقبال قبلہ وغیرہ جیسی شرطوں کی رعایت کی وجہ اس کا اس قیام سے ملا ہوا ہونا ہے جو رکن ہے، خود تکبیر تحریمہ کی وجہ سے شرطوں کی رعایت نہیں ہے) اور زیلعی نے تکبیر تحریمہ کے لئے شرائط کی مراعات سے روکا ہے (کہ جب یہ رکن نہیں ہے تو رکن کی شرطوں کا لحاظ بھی اس میں ضروری نہیں ہے اور اس سے امام شافعیؒ کی اس دلیل کا رد کیا ہے جو وہ تکبیر تحریمہ کے رکن ہونے کی دیتے ہیں لیکن پھر زیلعی نے اپنے قول میں شرطوں کی مراعات کی طرف یہ کہہ کر رجوع کیا ہے کہ اگر شرطوں کی مراعات کو تکبیر تحریمہ میں تسلیم کر لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے یہ شرطوں کی مراعات اس کے رکن ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ چونکہ تکبیر تحریمہ ادائے نماز سے متصل ہے اسلئے شروط کی رعایت کی گئی ہے ہاں تلویح میں ہے، مان لینے سے بہتر یہ ہے کہ تحریمہ میں شرطوں کی رعایت کا انکار کیا جائے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ احتیاط اس کے خلاف میں ہے یعنی تکبیر تحریمہ کے

اندر شرطوں کی رعایت مان لیناہی مناسب ہے

اور برہان میں یہ عبارت آئی ہے کہ کوئی شبہ نہیں کہ تکبیر تحریمہ کے لئے ان چیزوں کو شرط کہا ہے جو نماز کے لئے شرط ہیں، لیکن تحریمہ کے لئے شرطوں کی یہ رعایت اس لئے نہیں ہے کہ وہ رکن ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ "قیام" سے متصل ہے جو نماز میں رکن ہے۔

ومنها القيام بحيث لو مديد يه لا ينال ركبية ومفروضه وواجبهٗ ومسنونه ومندوبه بقدر القراء ة فيه فلو كبر قائما فركع ولم يقف صح لان ما اتى به من القيام الى ان يبلغ الركوع يكفيه قنية فى فرض وملحق به كنذر وسنة فجر فى الاصح لقادر عليه وعلى السجود فلو قدر عليه دون السجود وندب ايماؤهٗ قاعدا وكذا من بسيل جرحه لو سجد وقد يتحتم القعود كمن يسيل جرحه اذا قام او يسلس بوله او يبدو ربع عورته او يضعف عن القرأة اصلا و عن صوم رمضان ولو اضعفه عن القيام الخروج لجماعة صلى فى بيته قائما به يفتى خلافا للاشباه

ترجمہ :۔ نماز میں کھڑا ہونا نماز کے فرائض میں ایک فرض کھڑا ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے، اس طرح کھڑا ہونا کہ اگر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف پھیلائے تو اپنے دو گھٹنوں کو نہ پاسکے (یعنی پورا نہ کھڑا ہو سکے تو اس قدر کھڑا ہونا تو بہر حال ضروری ہے کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہونچ جائے اور اگر اتنا جھک جائے گا کہ ہاتھ گھٹنے کو پالے تو پھر فرض ادانہ ہوگا، اور جس قدر نماز میں قراءت فرض ہے اتنی مقدار کھڑا ہونا بھی فرض ہے، اور قرات کی جو مقدار واجب ہے اتنی دیر کھڑا ہونا واجب ہے اور جو مقدار سنت ہے اتنی دیر کھڑا ہونا سنت ہے اور جو مقدار مستحب ہے اتنی دیر کھڑا ہونا مستحب ہے (نماز میں ایک بڑی یا تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا فرض ہے اور سورہ فاتحہ اور کسی سورۃ کا ملانا واجب ہے صبح میں طوال مفصل مستحب ہے اور وتر میں سورہ اعلیٰ، کافرون اور اخلاص کا پڑھنا مسنون ہے) لہذا اگر کسی نے کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ اللہ اکبر) کہی اور اس کے بعد فوراً رکوع میں چلا گیا اور ان دونوں کے درمیان وقفہ نہیں کیا تو یہ قیام بھی صحیح ہو جائے گا اس لئے کہ رکوع میں پہونچنے تک اس نے جتنا قیام کیا وہی اس کو کافی ہو گیا ، قنیہ میں ایسا ہی ہے (یعنی جب تک دونوں ہاتھ گھٹنوں تک نہیں پہونچ سکتے تھے اس وقت تک اس کا شمار قیام میں ہوگا، اور جب ہاتھ وہاں پہونچ گئے تو اب یہ رکوع میں شمار ہوگا، طحطاوی کا قول ہے کہ یہ صورت اس شخص کے حق میں رکن ہے جس پر قراءت نہیں ہے جیسے امی یا مقتدی جو اپنے امام کو رکوع میں پائے، یا پھر وہ ادنی قراءت پر اکتفا کرے مثلاً کوئی صرف اتنا پڑھ لے ثم نظر")

یہ کھڑا ہونا فرض نماز اور ان نمازوں میں فرض ہے جو فرض نماز سے ملحق ہیں جیسے نذر مانی ہوئی نمازیں اور فجر کی سنت صحیح تر قول میں (کہ یہ نمازیں فرض سے ملحق ہیں، فجر کی سنتیں ان علماء کے نزدیک فرض ہونگی جو ان کے وجوب کے قائل ہیں چنانچہ خلاصہ میں صراحت ہے کہ فجر کی سنتیں بغیر عذر بالاتفاق بیٹھ کر جائز نہیں)

قیام کن لوگوں کے اوپر فرض ہے

قیام اس شخص پر فرض ہے جو قیام اور سجدہ پر قادر ہو، لہٰذا اگر کوئی صرف قیام پر قادر ہو اور سجدہ پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھنا مستحب ہے (اس لئے کہ قیام اس سجدہ کا ذریعہ ہے جو عبادت ہے تو اصل سجدہ ہے جب اصل پر قدرت نہیں ہے تو ذریعہ کو بھی ترک کر سکتا ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ ترک کر دے یوں اس کے لئے کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھنا بھی درست ہے)

بیٹھکر نماز پڑھنا کب مستحب ہے اور کب لازم

اسی طرح اس شخص کے لئے بیٹھکر اشارہ کے ساتھ نماز پڑھنا مستحب ہے، جس کو سجدہ کرنے سے زخم بہنے لگتا ہے (اس لئے کہ یہ شخص بھی حقیقتاً سجدہ سے عاجز ہے کیونکہ اس حال میں اگر سجدہ کرتا ہے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اس وجہ سے جب سجدہ ساقط ہوا تو قیام بھی ساقط ہو گیا) اور کبھی بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم ہوتا ہے جیسے اس شخص کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم ہو گا کھڑے ہونے سے جس کا زخم بہنے لگتا ہے، یا جس کو کھڑے ہونے سے پیشاب ٹپکنے لگتا ہے یا اس کا چوتھائی ستر کھل جاتا ہے یا کھڑے ہونے کی وجہ سے قرآن پڑھنے سے وہ بالکل مجبور ہو جاتا ہے، یا رمضان کا روزہ رکھنے سے عاجز ہو جاتا ہے (کیونکہ ان تمام صورتوں میں یا وضو جاتا رہے گا، یا ستر کھلنے کی وجہ سے نماز نہ ہو گی، یا قرات جو فرض ہے اس کا ترک لازم آئے گا اور اس صورت میں بھی نماز نہ ہو گی یا رمضان کا روزہ جاتا رہے گا جو فرض ہے اس لئے قیام کو چھوڑ کر اس کے خلیفہ قعود (بیٹھنے) کا اختیار کرنا لازم قرار دیا گیا ہے۔)

اور اگر کسی کو جماعت کے لئے مسجد جانا نماز میں قیام سے عاجز کر دے یعنی اگر وہ گھر سے چل کر جماعت میں جاتا ہے تو پھر اس کو کھڑے ہو کر نماز کی طاقت باقی نہیں رہتی ہے ایسا شخص اپنے گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا اور جماعت کے لئے نہ جائے گا، اسی پر فتوٰی دیا گیا ہے (یہ اس لئے کہ قیام (کھڑا ہونا) فرض ہے اور جماعت سنت موکدہ، سنت موکدہ کے لئے فرض چھوڑ دینا کسی طرح مناسب نہ ہو گا) اشباہ کا قول اس کے مخالف ہے (اس کا کہنا یہ ہے کہ جماعت کے لئے جائے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کرے مگر ظاہر ہے کہ یہ قول اصول کے خلاف ہے)

ومنها القرأة لقادر عليها كما سيجئ هو ركن زائد عند الاكثر لسقوطه بالاقتداء بلا خلف ومنها الركوع بحيث لو مدیدیه نال ركبية ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط وتكراره تعبد ثابت بالسنة كعدد الركعات ومنها القعود الاخير والذى يظهر انه شرط لانه شرع للخروج كالتحريمة للشروع وصحح فى البدائع انه ركن زائد لحنث من حلف لا يصلى بالرفع من السجود وفى الراجية لا يكفر منكره قدرا فى قراءة التشهد الى عبده ورسوله بلا شرط موالاة وعدم فاصل اما فى الولولجيه صلى اربعا وجلس لخطة فظنها فقام ثم تذكر فجلس ثم تكلم فان كلا الجلستين قدر التشهد صحت والا لا

ترجمہ:۔ نمازمیں قراءت

نماز میں ایک فرض (منجملہ اور فرائض کے) قراءت ہے، اس شخص کے لئے جو قراءت پر قدرت رکھتا ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک یہ قراءت رکن زائد ہے (اسلئے کہ قراءت مقتدی سے بغیر کسی قائم مقام کے ساقط ہو جاتی ہے یعنی وہ نہ تو قراءت کرتا ہے اور نہ قراءت کا کوئی قائم مقام ہوتا ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہو رکن کی دو قسمیں ہیں ایک اصلی دوسری زائد، رکن اصلی وہ ہے جو بغیر ضرورت اور بلا عوض ساقط نہ ہو جیسے قیام کہ جب وہ کسی مجبوری کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے تو اس کی جگہ قائم مقائم کی حیثیت بیٹھنے کو حاصل ہوتی ہے، اور رکن زائد وہ ہے جو بلا ضرورت بھی بعض صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہوتا جیسے قراءت (اس کا کوئی قائم مقام نہیں ہے اب رہا سوال یہ کہ رکن جب جزء شئ ہوتا ہے اور داخل ماہیت ہوتا ہے تو پھر اس کے زائد ہونے کا کیا مطلب دور یہ کیونکہ ممکن ہے، اس کا جواب دیا گیا ہے کہ رکن کی حالت دوسری ہوتی ہے اور زائد ہونیکی دوسری چنانچہ جب ایسی حالت ہو کہ بغیر قراءت نماز نہ ہوتی ہو تب تو وہ رکن ہے جیسے تنہا نماز پڑھنا اور جب ایسی حالت ہو کہ قراءت ہونے سے بھی نماز ہو جاتی ہو جیسے مقتدی کی نماز تو اس وقت اس کو زائد سمجھا جائے گا)

رکوع

نماز کے فرائض میں سے ایک فرض رکوع ہے یعنی اس طرح جھکنا کہ اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف پھیلائے تو وہ اپنے گھٹنوں کو پالے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر اگر کوئی آدمی صرف گردن جھکالے تو وہ رکوع نہیں کہا جائے گا بلکہ اس میں کمر اتنی ضرور جھکے کہ دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑ سکے

سجدہ

نماز کا ایک فرض سجدہ کرنا ہے اس طرح اس کی پیشانی زمین سے لگ جائے اور اس کے دونوں قدم زمین پر ہوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے کسی ایک انگلی کا زمین پر ٹکانا سجدہ میں شرط ہے، جب تک یہ نہ پایا جائے گا اور سجدہ کا دوبارہ کرنا عبادت اظہار بندگی ہے جو حدیث سے ثابت ہے جیسے رکعتوں کی تعداد حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے

قعدہ اخیرہ

نماز میں ایک فرض اس کا قعدہ اخیرہ ہے، اور جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ شرط ہے اس لئے کہ یہ نماز سے نکلنے کے لئے مشروع ہوا ہے جس طرح تحریمہ نماز کے شروع کرنے لئے شروع ہوئی ہے، گو یا قعدۂ اخیرہ مقصود بالذات نہیں بلکہ نماز سے نکلنے کا اک ذریعہ ہے لیکن اس باب میں صحیح تر بات یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے اور رکن ہے اور بدائع میں تصحیح کی ہے کہ قعدۂ اخیرہ رکن زائد ہے، اس لئے کہ جو شخص یہ قسم کھائے گا کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا تو اس کی قسم سجدہ سے سر اٹھاتے ہی ٹوٹ جائے گی (اگر قعدۂ اخیرہ رکن اصلی ہوتا تو جب تک وہ ادا نہ ہو جاتا قسم نہ ٹوٹتی اس لئے معلوم ہوا کہ یہ رکن زائد ہے) اور فتاوٰی سراجیہ میں ہے کہ قعدۂ اخیرہ کا انکار کرنے والا کافر نہیں ہوتا ہے (شامی نے صراحت کر دی ہے کہ یہاں انکار کا مطلب قعدۂ اخیرہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا ہے) قعدۂ اخیرہ کے فرض ہونے کی مقدار کم از کم تشہد کو عبدہ ورسولہ تک پڑھنے بھر ہے جس میں نہ پیچھے بیٹھنے کی شرط ہے اور نہ عدم فاصلہ کی، یعنی اتنی دیر تک بیٹھنا کہ اس میں جلد جلد الفاظ کی صحت کے ساتھ التحیات عبدہ ورسولہ تک آدمی پڑھ سکے، پے درپے کی شرط اس لئے نہیں ہے کہ ولوالجیہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ایک شخص نے چار رکعت نماز پڑھی اور تھوڑی دیر بیٹھ گیا، پھر اس کو خیال ہوا کہ تین ہی رکعت ہوئی چنانچہ وہ چوتھی کی نیت سے اٹھ گیا، پھر یاد آیا اور بیٹھ گیا، پھر گفتگو کی، تو اس صورت میں اگر دونوں دفعہ کا

بیٹھنے علی التحیات کی مقدار ہو گیا ہے تو اس کی نماز صحیح ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

ومنها الخروج بصنعه كفعله المنافي لهابعد تمامها وان كره تحريما والصحيح انه ليس بفرض اتفاقا قاله الزيلعي وغيره واقره المصنف وفي المجتبى وعليه المحققون وبقي من الفروض تميز المفروض وترتيب القيام على الركوع والركوع على السجود والقعود الاخير على ما قبله واتمام الصلوة والانتقال من ركن الى اخر ومتابعته لامامه في الفروض صلوة امامه في رأيه وعدم تقدمه عليه مخالفة في الجهة وعد تذكر فائتة وعدم محاذاة امراء ة بشرطهما وتعديل الاركان عند الثاني والائمة الثلاثة قال العيني وهو المختار واقره المصنف وبسطناه في الخزائن وشرط في ادائها اى هذه الفرائض قلت وبه بلغت نيفا وعشرين وقد نظم الشرنبلالي في شرحه للوهبا نية للتحريمة عشرين شرطا ولغيرها ثلاثة عشر فقال شروط التحريم حظئيت بجمعها :. مهذبة حسنا مدى الدهر تزهر ، دخول لوقت واعتقاد دخوله وستر وطهر والقيام المحرر ونية اتباع الامام ونطقة وتعيين فرض او وجوب فيذكر بجملة ذكر خالص عن مراده . وبسملة عرباء ان هو يقدر. وعن تركها وا ولها ء جلالة : وعن مد همزات وباء باكبر . وعن فاصل فعل كلام مباين : وعن سبق تكبير ومثلك بعذر/ فدونك هدى مستقيما لقبلة . لعلك تحظى بالقبول وتشكر/ فجملتها العشرون بل زيد غيرها : وناظمها يرجوابجواد فيغفر/ و تزكى صلوة مع سلام لمصطفے . ذخيرة خلق الله للدين ينصر والحقتها من بعد ذاك لغيرها/ ثلثة عشر للمصيلن تظهر/ .قيامك في المفروض مقدار آية . وتقرء في ثنتين منه تخير . وفي ركعات النفل والوتر فرضها .ومن كان موتما فعن تلك يحظر/وشرط سجود فالقرار بجبهة وقرب قعود حد فصل مقرر.وبعد قيام فالركوع فسجدة. وثانية قد صح عنها تؤخر . على ظهر كف او عى فضل ثوبه .اذا تطهر الارض الجواز مقرر . سجودك في عال فضهر مشارك لسجد تها عند ازدعامك يغفر/ ا دائك افعال الصلوة بيقظة . وتميز مفروض عليك مقرر/ويختم افعال الصلوة قعوده وفي صنعه عنها الخروج محرر/ الاختيار ى الاستيقاظ اما لو ركع او سجد ذا هلا كل الذهول اجزاه فان اتى بها او باحد ها بان قام او قرأ او ركع او سجد او قعد الاخير نائما لا يعتد بما اتى به بل يعيده ولو القرأة و القعد على الاصح وان لم يعدة تفسد لصدوره لا عن اختياره فكان وجوده كعدمه والناس عنه

غافلون فلولتی النائم بر کعۃ تامۃ تفسد صلوٰۃ لانہ زاد رکعۃ وھی لا تقبل الرفض ولو رکع او سجد فنام فیہ اجزاہ لحصول الرفع منہ والوضع بالاختیار

ترجمہ: خروج بصنعہ نماز کے فرائض میں ایک فرض نماز پوری کرنے کے بعد نمازی کوئی ایسا کام کر کے نکلنا ہے جو نماز کے مخالف ہو، خواہ وہ کام مکروہ تحریمی ہی کیوں نہ ہو، (اس فعل سے مراد سلام پھیرنا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے ساتھ لفظ السلام کہنا واجب ہے (اور اسکی جگہ قصداً دوسرا فعل کرنا جو مخالف نماز ہو جیسے کھانا، پینا، باتیں کرنا کہ نماز پوری ہونے کے بعد ان چیزوں سے بھی نماز سے خروج (نکلنا) ہو جائے گا، مگر ایسے افعال مکروہ تحریمی ہیں، اور اس سے بچنا ہر مسلمان پر ضروری ہے، کیوں کہ اس صورت میں واجب کا ترک لازم آتا ہے

لیکن صحیح یہ ہے کہ خروج بصنعہ یعنی اپنے فعل کے ساتھ نماز سے نکلنا فرض نہیں ہے، اس بات میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے، ایسے ہی زیلعی وغیرہ نے لکھا ہے اور مصنف نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے اور مجتبیٰ میں ہے کہ محققین کا مذہب یہی ہے (خروج بصنعہ کے متعلق امام ابو حنیفہ سے کہیں صراحت نہیں ہے کہ یہ فرض ہے۔)

کچھ اور فرائض ماتن نے جو فرائض بیان کئے ہیں ان میں کچھ باقی رہ گئے ہیں، ان باقی میں سے ایک یہ ہے کہ فرض کو اس کے غیر سے جدا کرے (مثلاً پہلا سجدہ فرض ہے تو اس میں اور دوسرے سجدہ میں خط امتیاز کھینچے اس طرح کہ دونوں کے بیچ میں سر اٹھائے اور بغیر سر اٹھائے دوسرا سجدہ کرے گا تو نماز نہ ہو گی) باقی فرائض میں دوسرا فرض نماز کے ارکان میں باہم ترتیب قائم رکھنا ہے کہ قیام کو رکوع سے پہلے کرے اور رکوع کو سجدہ سے پہلے کرے اور قعدۂ اخیرہ کو ان ارکان کے بعد کرنا، جو ارکان اس سے پہلے ہونے چاہئیں (اس لئے کہ جو اس ترتیب کے خلاف کرے گا اس کی نماز فاسد ہو جائے گی) اور نماز کے جو فرائض متن والے سے رہ گئے ہیں ان میں تیسرا فرض نماز کا اس طرح پورا کرنا ہے کہ اس کا کوئی فرض چھوٹنے نہ پائے، اور چوتھا فرض ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونا ہے اور پانچواں فرض اپنے امام کی فرض نمازوں میں ہر رکن کے اندر پیروی کرنا ہے امام سے پہلے کوئی رکن ادا نہ کرے، چھٹا فرض یہ ہے کہ اپنے امام کی نماز کو اپنی رائے میں درست اور صحیح یقین کرتا ہو، ساتواں فرض یہ ہے کہ اپنے امام کے آگے نہ بڑھے یعنی اس کی ایڑی امام کے پاؤں سے پیچھے ہو، آٹھواں فرض سمت میں امام کی مخالفت سے بچنا ہے (یعنی جس سمت امام کا رخ ہے مقتدی کا رخ بھی اسی طرف ہو، اس کے مخالف نہ ہو، ورنہ نماز نہ ہو گی) نواں فرض صاحب ترتیب کو وقت میں وسعت ہوتے ہوئے فوت شدہ نماز کا یاد نہ ہونا ہے دسواں فرض کسی عورت کا ان شرائط کے ساتھ محاذات میں نہ ہونا ہے جن کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے محاذات (برابر میں ہونے) کی تفصیل باب الامامۃ میں آرہی ہے، گیارہواں فرض ارکان نماز میں تعدیل ہے اور یہ امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فرض ہے (تعدیل کا مطلب ارکان نماز کو سکون واطمینان کے ساتھ ادا کرنا ہے، رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ سب اطمینان کے ساتھ ادا ہوں) عینی نے کہا ہے کہ تعدیل ارکان کا فرض ہونا ہی پسندیدہ ہے اور مصنف نے بھی اسی کو ثابت رکھا ہے اور ہم نے اسے خزائن میں مفصل بیان کیا ہے۔

بسلسلہ نماز علامہ شرنبلانی کی ایک نظم کا ترجمہ اور ان فرائض کی ادائیگی میں اختیار یعنی بیداری کی شرط کی گئی ہے کہ نماز پڑھنے والا جاگا ہوا ہو، نیند میں نہ ہو،

شارح کہتے ہیں کہ اس شرط کے ساتھ کچھ اوپر بیس شرطیں اور ہیں جنہیں علامہ شرنبلالیؒ نے اپنی کتاب شرح وہبانیہ میں بیان کیا ہے ان میں سے تحریمہ کے لئے بیس شرطیں اور اس کے سوا باقی نماز کے لئے تیرہ شرطیں نظم کی ہیں، جن کے معنی یہ ہیں۔
تکبیر تحریمہ کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن کے جمع کرنے کی مجھے توفیق بخشی گئی، اور وہ شرطیں آراستہ اور زمانہ بھر میں روشن ہیں، وہ شرطیں یہ ہیں، فرض نماز کے وقت کا داخل ہونا، اور وقت کے ہو جانیکا ظن غالب یا یقین ہونا، جن اعضاء کا چھپانا ضروری ہے ان کا چھپانا، حدث سے پاک ہونا اور کپڑے اور بدن، اور جگہ کا نجاست سے پاک ہونا اور اس طرح سیدھا کھڑا ہونا کہ ہاتھوں سے گھٹنا نہ پکڑ سکے، اور مقتدی کا یہ نیت کرنا کہ وہ امام کی پیروی کرے گا، اور تکبیر کا اس طرح ادا کرنا کہ وہ خود سن لے، اور نیت میں فرض یا واجب کا متعین کرنا، کہ ظہر ہے یا عصر، ادا ہے یا قضا، پھر اگلے شعر میں جو ذکر ہے اسکو منہ سے ادا کرے اور وہ ذکر ذکر خالص ہے جس میں اپنی حالت وضرورت کا کوئی شائبہ نہ ہو، اور وہ ذکر بسم اللہ سے بھی علیحدہ ہو، یعنی تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہے یا ایسا جملہ جس میں اپنی حالت یا مغفرت کی درخواست نہ ہو، جیسے اللھم اغفرلی کہ اس سے تحریمہ درست نہیں ہے اسی طرح تحریمہ بسم اللہ سے بھی صحیح نہیں ہے، اور اگر نمازی عربی پر قادر ہو تو تحریمہ کا جملہ عربی زبان کا ہو، اور اگر وہ عربی زبان پر قدرت نہیں رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لئے فارسی جملہ سے بھی تحریمہ جائز ہوتا ہے، اور لفظ اللہ اکبر "میں اللہ کے دوسرے لام کے الف کو ترک نہ کرے اور نہ اللہ کی ہا کو چھوڑے اور دونوں ہمزے مد سے خالی ہوں، یعنی نہ اللہ کے شروع میں جو ہمزہ ہے اس کو کھینچے کہ استفہام کے معنی پیدا ہونے کا خطرہ ہو جائے، اور نہ اکبر کے ہمزہ پر مد پڑھا جائے کہ ایک ہمزہ کا دو ہمزہ بن جائے، اور اکبر کی باء پر مد نہ ہونے دے کہ ایسا ہونے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، اور اللہ اکبر اور نیت کے درمیان کوئی ایسا فعل نہ ہو جو نماز کا مخالف ہو، اور تحریمہ اور نیت کے درمیان کوئی ایسا کلام نہ آئے جو نماز کے مخالف ہو، اور یہ بھی ہو کہ پہلے اللہ اکبر کہے پھر نیت کرے، کیونکہ اس طرح نیت درست نہیں ہو گی، اور اے مخاطب تجھ جیسا اہل فہم نظم کہنے والے کی غلطی اگر دیکھتا ہے تو اسے معذور سمجھتا ہے کہ نظم میں الفاظ کی زیادتی مناسب نہیں رہتی،

اور اخیر شرط قبلہ کی طرف رخ ہونا ہے اس شخص کے لئے جس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو، تا نکہ تم کو ان اشعار کے قبول کا فائدہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، پس ان تمام شرطوں کا مجموعہ بیس ہوا بلکہ ان میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا ہے اور ان شرطوں کو جس نے نظم کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا امیدوار ہے جو بڑا سخی ہے اور بہترین درود وسلام ہو سرور کائنات ﷺ پر جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے ذریعہ ہیں، اور دین اسلام کے مدد کرنے والے، تحریمہ کی ان شرطوں کے بعد میں نے اور نمازوں کے لئے تیرہ شرطوں کا اضافہ کیا ہے جو نمازیوں کے لئے ظاہر ہیں، اور وہ تیرہ شرطیں یہ ہیں فرض نمازوں میں تیرا ایک آیت کی مقدار کھڑا ہونا، اور فرض کی دو رکعتوں میں تیرا قراءت کرنا، لیکن تجھ کو اختیار ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قراءت کرے یا پچھلی دو رکعتوں میں، اور نفل و وتر کی تمام رکعتوں میں قراءت فرض ہے لیکن جو شخص مقتدی ہو اس کو قراءت سے منع کیا جاتا ہے (اس لئے امام کی قراءت اس کے لئے کافی ہے خود مقتدی کے لئے قراءت مکروہ تحریمی ہے) اور سجدہ کی شرط یہ ہے کہ پیشانی ٹک جائے اس طرح کہ اسکا سر کا رہے نیچے کی طرف ڈھلکتا نہ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر چاول مسور جیسے کھلے غلہ کے ڈھیر پر یا ڈھلی روئی پر سجدہ کرے گا تو درست نہ ہو گا، اور دونوں سجدوں کے درمیان فصل یہ ہے کہ بیٹھنے کے قریب ہو جائے یعنی ایک سجدہ کر کے اس قدر اٹھ جائے کہ وہ بیٹھنے کی قریب ہو جائے، پھر اسکے بعد دوسرا سجدہ کرے، کم از کم اس قدر

فصل ضروری ہے اس سے کم اٹھے گا تو نماز درست نہ ہو گی، اور قیام کے بعد دوسرا فرض رکوع ہے پھر سجدہ اور اس میں ترتیب بھی فرض ہے جو فاسے سمجھ میں آتی ہے اور دوسرے سجدہ کی تاخیر اخیر نماز تک صحیح ہے (خود دونوں سجدوں میں ترتیب فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے) جب زمین پاک ہو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی یا اپنے کپڑے کے فاضل حصہ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔

سجدہ کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے خواہ سجدہ زمین پر کرے یا ہتھیلی پر یا اپنے کپڑے کے کسی حصہ پر بھیڑ اور جگہ کی تنگی کی صورت میں اونچی جگہ یا اس شخص کی پیٹھ پر سجدہ کرنا معاف ہے یعنی قابل مواخذہ نہیں یعنی سجدہ اتنی اونچی جگہ پر نہ کرے جو بیٹھنے کی جگہ سے بالشت بھر سے زیادہ اونچی ہو، لیکن کسی عذر کی وجہ ایسا کرے گا تو وہ معاف ہے کذافی الشامی)

نماز کے تمام افعال حالت بیداری میں ادا کرے، اور فرض کی تمیز ہو کہ کونسی فرض پڑھ رہا ہے اور افعال نماز کا قعدۂ اخیرہ پر ختم کرنا اور نماز سے کسی فعل کے ذریعہ باہر آنا، فرائض کے ادا کرنے کے لئے ہوش و حواس کا ہونا شرط ہے، لیکن اگر کوئی بالکل غفلت کی حالت میں رکوع یا سجدہ کرے تو یہ کافی ہو گا یعنی اس کی نماز ہو جائیگی، بھول اور غفلت معاف ہے بشرطیکہ وہ جاگا ہوا ہو ، پس اگر کسی کل فرائض کو یا ان میں سے کسی ایک کو ادا کیا، اس طرح کہ اس نے سونے کی حالت میں قیام کیا یا قراءت کیا، یا رکوع اور سجدہ کیا یا قعدۂ اخیرہ کیا جو رکن سونے میں اس نے ادا کیا ہے وہ معتبر نہیں ہے بلکہ اس کو دوبارہ ادا کرنا پڑے گا، اگر وہ قراءت اور ہی کیوں نہ ہو، صحیح تر قول یہی ہے (دوسرا غیر اصح قول فقیہ ابو اللیث کا یہ ہے کہ قراءت اور قعدہ یہ دو رکن سونے کی حالت میں معتبر ہوتے ہیں مگر فتوی اس پر نہیں ہے) بلکہ فتوی یہ ہے کہ اگر ان میں سے کسی رکن کو سونے کی حالت میں ادا کرے گا اور پھر اس کو دوبارہ ادا نہیں کرے گا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس سے وہ رکن اختیار سے ادا نہیں ہوا، بلکہ بے اختیاری میں ہوا، جس کا اعتبار نہیں، لہذا اس طرح اس کا پایا جانا نہ ہونے کے درجہ میں ہو گا اور (حیرت یہ ہے کہ عام) لوگ اس سے غافل ہیں (اور اس رکن کو دوبارہ ادا نہیں کرتے جو سونے کی حالت میں ادا ہوا ہے) لہذا اگر سونے والے نے نیند کی حالت میں ایک پوری رکعت ادا کی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے ایک رکعت زیادہ کر دی (اس طرح کہ سونے میں جو رکعت ادا کی تھی اس کو دوبارہ پڑھا، تو حساب میں اس طرح ایک رکعت کا اضافہ ہو گیا) حالانکہ رکعت ترک لوسرے سے قبول نہیں کرتی، (یہ ایسا ہوا کہ کسی نے چار رکعت کی جگہ پانچ رکعت پڑھ لی، جس سے یہ جائز نہیں ہے وہ بھی جائز نہیں ہے) لیکن اگر نمازی نے رکوع یا سجدہ کیا اور اس میں سو گیا، تو اس کو یہ رکوع اور سجدہ کفایت کرے گا، اس لئے کہ اس نے اس صورت میں اختیار سے سر اٹھایا اور رکھا ہے (یعنی رکوع میں جھکنا اور اس سے اٹھنا یا سجدہ میں جانا اور پھر اس سے سر اٹھانا اختیار سے پایا گیا ہے درمیان میں سو جانا مضر نہیں ہے)

ولها واجبات لا تفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو ان لم يسجد له وان لم يعدها يكون فاسقاً آثما وكذا كل صلوٰة اديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار انه جابر للاول لان الفرض لا يتكرروهي على ما ذكره اربعة عشر

قراء ة فاتحة الكتاب فيسجد للسهو بترك اكثر ها لا اقلها لكن في المجتبى يسجد بترك اية منها وهو اولى قلت وعليه فكل اية واجبة ككل تكبيرة عيد وتعديل ركن واتيان

كل و ترك تكرير كل كما ياتى فليحفظ وضم اقصر سورة كا لكوثر اوما قام مقامها وهو ثلاث ايات قصار نحو ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستكبر وكذا لو كانت الآية او الآيتان تعدل ثلاثاً قصار ذكره الحلبى فى الاوليين من الفرض وهل يكره فى الآخرين المختار لا وفى جميع ركعات النفل لان كل شفع منه صلوة وكل الوتر احتياطاً وتعيين القرآة فى الاوليين من الفرض على المذهب وتقديم الفاتحة على كل السورة وكذا ترك تكريرها قبل سورة الاوليين ورعاية الترتيب بين القرآة والركوع وفيما يتكرر اما فيما لا يتكرر ففرض كما مر فى كل ركعة كا لسجدة او فى كل الصلوة كعدد ركعاتها حتى لو نسى سجدة من الاولى قضاها ولو بعد السلام قبل الكلام لكنه يتشهد ثم يسجد للسهو ثم يتشهد لانه يبطل بالعود الى الصلبية والتلاوية اما السهوية فترفع التشهد لا القعده حتى لو سلم بمجرد رفعه منها لم تفسد بخلاف تلك السجدتين وتعديل الاركان اى تسكين الجوارح قدر تسبيحة فى الركوع والسجود وكذا فى الرفع منهما على ما اختاره الكمال لكن المشهور ان مكمل الفرض واجب ومكمل الواجب سنة وعند الثانى الاربعة فرض والقعود الاول ولو فى نفل فى الاصح وكذا ترك الزيادة فيه على التشهد واراد بالاول غير الاخير لكن يرد عليه لو استخلف مسافر سبقه الحدث مقيما فان القعود الاول فرض عليه وقد يجاب بانه عارض.

واجبات نماز یعنی جو چیزیں نماز میں واجب ہیں

واجب کے چھوڑ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، مگر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے خواہ یہ چھوڑنا بھول سے ہوا ہو، خواہ قصداً، اور سجدہ نہ ہونیکی صورت میں اس کا اعادی واجب ہوتا ہے چنانچہ مصنف لکھتے ہیں نماز کے لئے کچھ چیزیں واجب ہیں کہ جن کے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، البتہ وہ نماز جس میں واجب ترک ہوا ہے دوبارہ پڑھی جائیگی اور یہ دوبارہ پڑھنا اسکے ذمہ واجب ہے، یہ ترک خواہ جان بوجھکر ہوا ہو یا بھول کر، مگر اعادہ یعنی دوبارہ پڑھنا اسوقت واجب ہوگا جب اس نے سجدہ سہو نہ کیا ہو، اور اگر ترکِ واجب کے بعد سجدہ سہو کر لیا ہے، تو پھر دوبارہ پڑھنا نہیں پڑیگا کہ اس صورت میں اعادہ کیضرورت ہی نہیں اور اگر سجدہ سہو نہیں کیا ہے اور اس کے باوجود اس نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی تو ایسا شخص فاسق اور گنہگار ہوگا (اس لئے کہ واجب کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی کے ارتکاب سے آدمی فاسق و گنہگار ہوتا ہے) اسی طرح ہر اس نماز کا لوٹانا واجب ہے جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو (جیسے کسی کو پاخانہ اور پیشاب کا سخت دباؤ تھا مگر اس کے باوجود اس نے نماز پڑھی یا جس کپڑے میں جاندار کی تصویر تھی اسے پہن کر کسی نے نماز پڑھی کہ ان صورتوں میں نماز مکروہ تحریمی ہے) اور نماز

کا اس سورت میں لوٹانا پہلی نماز میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا پورا کرنا ہے کیونکہ ایک فرض دوبارہ ادا نہیں ہوتا ہے مختار قول یہی ہے (اس کے مقابل دوسرا غیر مختار قول ابوالیسر کا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ دوبارہ جو نماز پڑھی گئی یہ فرض ہے پہلی نماز جو ترک واجب یا مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہوئی ہے اس سے فرض ادا نہیں ہوا، اور صاحب درّ مختار یہ فرماتے ہیں کہ یہ دوسری نماز پہلی نماز میں جو نقص ہو گیا تھا اس کی تلافی کر دیتی ہے یعنی اس کو دور کرنے والی ہے جس طرح سجدہ سہو سے نقصان کی تلافی ہو جاتی ہے لہذا اسکا فریضہ تو اس پہلی ہی نماز سے ساقط ہو گیا، اب فرض کیجئے جماعت ہو رہی ہے امام سے واجب ترک ہو گیا اور اس نے سجدہ سہو نہیں کیا اب اس نے مقتدیوں کے ساتھ اس نماز کو لوٹایا لہذا اگر کوئی نیا مقتدی آکر اس دوسری جماعت میں ملیگا تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ امام کی یہ دوسری نماز فرض نہیں ہے بلکہ فرض میں جو نقصان ہو گیا تھا اسکو دور کرنیوالی ہے اور یہ نیا مقتدی فرض کی نیت سے ملا ہے تو امام کے خلاف اس کا فرض کیسے ادا ہو گا)

پہلا واجب سورہ فاتحہ پڑھنا

مصنف کے بیان کے مطابق نماز میں چودہ چیزیں واجب ہیں (یوں اس سے زائد بھی ہیں جسے دوسرے لوگوں نے لکھا ہے) ان واجبات میں سے پہلا واجب سورۂ فاتحہ پڑھنا ہے لہذا اگر کوئی نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیگا یا اس صورت کا اکثر حصہ پڑھنا چھوڑیگا تو اس پر سجدہ سہو کرنا واجب ہو گا، البتہ زیادہ حصہ پڑھا اور کمتر چھوڑ دیا تو سجدہ واجب نہیں ہو گا (طحطاوی میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پوری سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سورہ کا اکثر حصہ پڑھنا واجب ہے، معلوم ہوا کہ صاحب درمختار نے یہاں صاحبین کا قول اختیار کیا ہے لیکن آگے امام ابو حنیفہؒ کے قول کی بنیاد پر مجتبیٰ نامی کتاب میں جو لکھا ہے اسے نقل کیا ہے لکھتے ہیں مجتبیٰ میں لکھا ہے کہ سورہ فاتحہ کی ایک ایک آیت چھوڑنے سے بھی سجدہ سہو کرنا ہو گا اور بہتر قول یہی مجتبیٰ والا ہے (یعنی طحطاوی نے اس دوسرے قول کو ترجیح کی ہے)

صاحب درمختار کہتے ہیں کہ مجتبیٰ کے قول کے مطابق سورہ فاتحہ کی ہر ایک آیت کا پڑھنا اسی طرح واجب ہے جس طرح عید کی چھ تکبیروں میں سے ہر تکبیر واجب ہے اور جس طرح تعدیل ارکان میں ہر رکن میں تعدیل واجب ہے اور جس طرح ہر واجب کا اس کی جگہ میں ادا کرنا ضروری ہے، اور جس طرح ہر واجب کو دوبارہ ادا کرنے سے بچنا واجب ہے جیسا کہ آئندہ اسکی تفصیل اپنی جگہ آرہی ہے لہذا اس بات کو یاد رکھنا چاہئے (مگر الحمد للہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے یعنی اگر کوئی ایک رکعت میں دوبارہ سورہ فاتحہ پڑھ دیگا تو سجدہ سہو لازم نہیں ہو گا)

دوسرا واجب سورہ ملانا

دوسرا واجب الحمد للہ کے ساتھ سب سے چھوٹی سورۃ کا ملانا ہے جیسے انّا اعطیناك الکوثر یا جو اسکے کے برابر ہو اور بہت چھوٹی سورت کے برابر سے مراد تین چھوٹی آیتیں ہیں جیسے آیت ثمّ نظر ثمّ عبس وبسر ثمّ ادبر واستکبر (یہ تین چھوٹی آیتیں جو مسال میں پیش کی گئیں ہیں سورہ مدثر کی کی ہیں) اسی طرح ایک یا دو آیتیں اس طرح کی تین آیتوں کے برابر ہونگی اس کا حکم بھی وہی ہو گا یعنی یہ ایک اور دو آیتیں تین چھوٹی آیتوں کے برابر سمجھی جائیکیں اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے (شامی میں لکھا ہے تین چھوٹی آیتوں سے کم ملانا مکروہ تحریمی ہے) اور سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں واجب ہے لیکن کیا فرض کی پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ کا ملانا مکروہ ہو گا، اس میں مذہب مختار یہ ہے کہ فرض کی پچھلی دو

رکعتوں میں سورت کا ملانا مکروہ تحریمی نہیں ہے بلکہ خلاف سنت ہونیکی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے، اور نفل کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کیساتھ سورت کا ملانا واجب ہے اس لئے کہ نفل کی ہر دو رکعت ایک علیحدہ مستقل نماز ہے (لہٰذا اگر کوئی نماز چار رکعت کی نیت سے نفل شروع کریگا تو اس تحریمہ سے صرف دو رکعت نفل اس پر واجب ہوگی اور جب وہ تیسری رکعت کیلئے اٹھیگا تو وہ گویا اس کے لئے نیا تحریمہ شمار ہوگا، اور ان دوگانوں میں سے جس کسی میں بھی فساد ہوگا تو اس سے صرف وہی فاسد ہوگا دوسرا فاسد نہ ہوگا)۔

اور وتر کی تمام رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورت کا ملانا واجب ہے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے (کیونکہ وتر فرض کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ سنت کے مثل ہے کہ اس کے لئے بھی نہ الگ سے اذان دی جاتی ہے اور نہ تکبیر کہی جاتی ہے بخلاف فرض کے کہ اس کے لئے اذان بھی دی جاتی ہے اور تکبیر بھی کہی جاتی ہے لہذا احتیاط یہ ہے کہ قراءت کے باب میں اس پر سنت کا حکم جاری کیا جائے کذافی الشافی)

تیسرا واجب قراءت کا پہلی دو رکعتوں میں متعین کرنا

تیسرا واجب مذہب مشہور کے مطابق قراءت کا فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں متعین کرنا ہے (یعنی جو فرض نماز تین یا چار رکعت والی ہے اس میں متعین کرنا، یہ واضح رہے کہ سورہ ملانا الگ چیز ہے اور اس کا فرض کی پہلی دو رکعتوں کے ساتھ خاص کرنا الگ، لہذا اس کو تکرار مسئلہ نہیں سمجھا جائے)

تشریح فرض قراءت کے سلسلہ میں تین قول ہیں (۱) اول یہ کہ قراءت کی جگہ متعین طور پر پہلی دو رکعتیں ہیں بدائع میں اسی قول کی تصحیح کی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ بلا تعیین فرض کی دو رکعتوں میں قرات ہے اس دوسرے قول کی بنیاد پر پہلی دو رکعتوں کی تعین واجب ہے اور مذہب مشہور یہی قول ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے متعین کرنا افضل ہے نہ کہ واجب اور تیسرا قول ضعیف ہے۔

سورہ فاتحہ پہلے اور سورہ بعد میں

چوتھا واجب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پہلے پڑھے اور پوری سورہ بعد میں یعنی الحمد اللہ ختم کر کے سورہ پڑھے لہذا اگر کسی نے الحمد سے پہلے پوری سورت پڑھی یا اس کا کوئی حرف الحمد سے پہلے پڑھا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا شامی نے حرف کی تشریح یہ کی ہے کہ سورہ اتنی دیر پڑھے جس میں ایک رکن ادا ہو سکتا ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر الحمد سے پہلے سورہ کا کوئی حصہ ایک رکن سے کم میں پڑھا ہے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا اور اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ فرض کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ سے پہلے الحمد دوبارہ نہ پڑھے یعنی اس کا مکرر نہ پڑھنا بھی واجب ہے (لہذا اگر سورہ سے پہلے کوئی سورہ فاتحہ دوبار پڑھے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اسوجہ سے اس صورت میں سورہ کے ملانے میں تاخیر لازم آئی باقی اگر کوئی پچھلی دو رکعتوں میں سورہ سے پہلے سورہ فاتحہ مکرر پڑھے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، کذافی الطحطاوی)

رکوع اور قراءت میں ترتیب پانچواں واجب یہ ہے کہ رکوع اور قرات کے درمیان اور اسی طرح ان افعال کے درمیان جو ہر رکعت میں مکرر یعنی دوبارہ ہوتے ہیں ترتیب کی رعایت کرے جیسے سجدہ (طحطاوی نے لکھا ہے کہ سجدہ کے سوا اور کوئی فعل ہر رکعت میں مکروہ نہیں ہے استقصا سے یہی معلوم ہوا ہے) باقی جو افعال نماز کی ہر رکعت میں مکرر نہیں ہیں ان میں

باہم ترتیب فرض ہے، جیساکہ پہلے گزرا، یا یہ کہا جائے کہ ترتیب اُن افعال میں واجب ہے جو کل نماز میں ہوتے ہیں جیسے نماز کی رکعتوں کے عدد (رکعتوں میں باہم ترتیب مسبوق کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً چار رکعت والی نماز میں کسی کو آخری رکعت ملی، تو وہ امام کے سلام کے بعد جب کھڑا ہوگا تو پہلے اُس رکعت کو ادا کرے گا جس میں قرات ہے پھر اسکے بعد بلا قرأت والی رکعت) یہاں تک کہ اگر کوئی پہلی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا تو اس کی قضا کرے گا اگرچہ وہ سلام پھیرنے کے بعد اس کی قضا کرے صرف اتنی شرط ہے سلام کے بعد اس نے کلام یعنی ایسی گفتگو نہ کی ہو جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، لیکن جب سجدہ کی قضا کرے گا تو اس کے بعد التحیات پڑھے گا پھر سجدہ سہو کرے گا اور اسکے بعد التحیات، درود اور دعا پڑھ کر آخری سلام پھیریگا، تشہد یعنی التحیات پڑھنے کا حکم اسلئے ہے کہ سجدہ صلبی اور سجدہ تلاوت کی طرف عود کرنے سے التحیات مع قعدہ باطل ہو جاتا ہے؟ سجدہ صلبی خود نماز کے سجدہ کو کہتے ہیں جو نماز کا جزء ہے، اور قعدہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ اور دوسرے ارکان نماز کے درمیان ترتیب شرط ہے یعنی جب نماز کے کل ارکان ادا ہو چکیں تو اس کے بعد قعدہ اخیرہ ہونا چاہئے، لیکن جب سجدہ صلبی چھوٹ گیا اور قعدہ اخیرہ کے بعد اسے ادا کیا گیا تو یہ قعدہ مذکورہ اخیرہ باقی نہیں رہا، لہٰذا وہ قعدہ اور اس کا تشہد باطل ٹھہرا اسلئے پھر سے تشہد واجب قرار پایا اور سجدہ تلاوت سے قعدہ اخیرہ کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ تلاوت چونکہ نماز میں ہوا، اس لئے اسکو سجدہ صلبی کا حکم دیدیا گیا (کذی فی الشامی) لیکن سجدہ سہو صرف التحیات کو باطل کرتا ہے قعدہ اخیرہ کو باطل نہیں کرتا، لہٰذا اگر سجدہ سہو سے سر اٹھانے کے ساتھ ہی سلام پھیریگا تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی بخلاف سجدہ صلبی اور سجدہ تلاوت کے، کہ انکے بعد سلام پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسلئے کہ اس صورت میں قعدہ اخیرہ نہیں پایا گیا، جو فرض ہے، یہاں شارح نے لکھا ہے کہ مصنف کو "تلک" کی جگہ "تنک" تثنیہ لانا چاہئے تھا)

تعدیل ارکان ایک واجب یہ ہے کہ ارکان نماز اعتدال کی حالت میں ادا کرے اس طرح کہ نمازی رکوع اور دونوں سجدوں میں اپنے اعضاء کو بقدر سبحان اللہ کہنے کہ سکون بخشے اسی طرح رکوع اور سجدوں سے سر اٹھانے میں بھی تعدیل واجب ہے، یعنی جلسہ اور قومہ میں بھی اطمینان کرلے، محقق ابن الہمامؒ نے اسی کو پسند کیا، (بحر الرائق میں تعدیل کی دلیل یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی نمازوں میں تعدیل پر مواظبت فرمائی ہے)

لیکن مشہور قاعدہ یہ ہے کہ فرض کی تکمیل کرنیوالی چیز واجب ہوتی ہے اور واجب کی تکمیل کرنیوالی چیز سنت، تو جب تعدیل سے رکوع اور سجدہ جو فرض ہیں انکی تکمیل ہوتی ہے لہذا تعدیل کو اس قاعدہ سے واجب ہونا چاہئے اور قومہ اور جلسہ یہ دونوں واجب ہیں، لہذا ان میں تعدیل سنت ہونا چاہئے (یہ گویا ایک طرح کا اعتراض ہے کہ قومہ اور جلسہ میں تعدیل کو واجب کہنا صحیح نہیں حلبی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب باعتبار دلیل تعدیل واجب قرار پائی تو اس قاعدہ کی مخالفت مضر نہیں ہے)

قعدۂ اولیٰ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چاروں ہی فرض ہیں، یعنی عملاً ان چاروں جگہوں میں تعدیل ارکان فرض ہے، ان کے ترک سے نماز نہیں ہوتی ہے ، اور قعدہ اولیٰ واجب ہے خواہ فرض میں ہو، خواہ نفل میں صحیح تر قول یہی ہے، (اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نفل میں ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کو فرض کہتے ہیں، دلیل یہ دیتے ہیں نوافل میں ہر دو رکعت علیحدہ نماز ہے لہٰذا دو کے بعد جو قعدہ ہوگا وہ قعدۂ اخیرہ ہوگا، اور یہ فرض ہے، مگر جیسا کہ گذرا صحیح تر قول یہ ہے کہ چار رکعت کی نیت سے جو نفل نماز پڑھی جائے اس میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے، فرض نہیں، کیونکہ بغیر سلام پھیرے جب تیسری رکعت کے لئے اٹھا تو یہ قعدہ، قعدۂ اخیرہ کس طرح ہوگا)

قعدہ اولیٰ میں التحیات

اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے زیادہ نہ پڑھے (بلکہ التحیات کے بعد فوراً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، اگر کوئی التحیات کے بعد اللہم صل علی محمد کے مقدار بھی پڑھ دے گا تو اس واجب کا فوت ہونا قرار پائے گا اور سجدۂ سہو واجب ہوگا (کذا فی الشامی) قعدۂ اولیٰ کی مراد یہ ہے کہ وہ قعدۂ اخیرہ نہ ہو، (یعنی اگر کوئی ایک تحریمہ سے آٹھ رکعت یا زیادہ نفل پڑھے گا اور اخیر میں سلام پھیرے گا، تو ہر دو رکعت کے بعد جہاں جہاں بیٹھا ہے وہ سب قعدۂ اولیٰ ہی سمجھا جائے گا اور وہ سب واجب ہوں گے) لیکن قعدۂ اولیٰ کی مذکورہ تعریف پر اس مسئلہ سے اعتراض ہوتا ہے کہ ایک مسافر امامت کر رہا تھا اس کو حدث لاحق ہوا، اور اسکا وضو ٹوٹ گیا اس نے اپنا خلیفہ ایک مقیم کو بنایا جو اس کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا، اس صورت میں اس مقیم امام پر قعدۂ اولیٰ فرض ہوگا کیونکہ وہ جس کی نیابت کر رہا ہے اس پر یہ قعدہ فرض تھا اس لیے کہ یہ قعدہ آخیرہ تھا کیونکہ مسافر چار کی جگہ دو ہی پڑھتا ہے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ فرضیت اس امام پر عارضی طور پر ہے، اور نیابت کی وجہ سے ہے، مستقل نہیں ہے،

والتشهد ان ويسجد للسهو بترك بعضه ككله وكذا فى كل قعدة فى الاصح اذ قد يتكرر عشرا كمن ادرك الامام فى تشهد ى المغرب وعليه سهو فسجد معه وتشهد ثم تذكر سجود تلاوة فسجد معه وتشهد ثم سجد للسهو وتشهد معه ثم قضى الركعتين بتشهدين ورقع له كذلك قلت ومثل التلاوية تذكر الصلبية فلو فرضنا تذكرها ايضا لهما زيد اربع آخر لما مرو لو فرضنا تعدد التلاويه والصلبية لهما ايضا زيدت ولو فرضنا ادراكه للامام ساجدا ولو يسجد هما معه فمقتضى القواعد انه يقضيهما فيزاد اربع اخر فتدبر ولم ارمن نبه على ذلك والله اعلم ولفظ السلام مرتين فالثانى واجب على الاصح برهان دون عليكم وتنقضى قدوة بالاول قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية خلافا للتكملة فلو ائتم به بعده قبل قوله عليكم لم يجر وهل تنقطع التحريمة بالاول ام بالثانى جزم فى الجوهرة والبرهان وغيرهما بالاول وصحح شارح التكلمة الثانى وعليه فيصح الاقتداء قبله والمعتمد عند الشافعية انه لو اقتدى به بعد شروعه فى السلام وقبل عليكم لم يصح الاقتداء ذكره الرملى الشافعى فى باب سجود السهو وقراء ة قنوت الوتروهو مطلق الدعاء وكذاتكبيرقنوته وتكبيرة ركوع الثالثة زيلعى وتكبيرات العيدين وكذااحدها وتكبير ركوع ركعته الثانية كلفظ التكبير فى افتحاه لكن الاشبه وجوبه فى كل صلوة بحر فليحفظ والجهر للامام والاسرارللكل فيما يجهر فيه ويسروبقى من الواجبات اتيان كل واجب او فرض فى محله فلو اتم القراء ة فمكث متفكرا سهوا ثم ركع او تذكر السورة راكعا فضمها قائما اعاد الركوع وسجد للسهو و ترك تكرير ركوع وتثليث سجودوترك قعود قبل ثانية او رابعة وكل زيادة تتخلل بين الفرضين وانصات المقتدى و متابعة الامام يعنى فى المجتهد فيه لافى المقطوع بنسخه او بعدم سنيته كقنوت فجر وانماتفسد

بمخالفته فی الفروض کما بسطناه فی الخزائن قتل فبلغت اصولها نیفا واربعین وبالبسط اکثر من مائة الف اذ احدها ینتج (۳۹۰) من ضرب خمسة قعدة المغرب بتشهدها وترك نقص من او زیادة فیه او علیه فی (۷۸) کما مرو التتبع ینفی الحصر فتبصر فیلغزای واجب یستو جب (۳۹۰) واجبا

تشہد پڑھنا

اور دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا یعنی التحیات کا پڑھنا واجب ہے اور پورا تشہد چھوڑ دینے سے جس طرح سجدہ سہو کرنا واجب ہوتا ہے تشہد کا کچھ حصہ چھوڑ دینے سے بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور ایسا ہی ہر قعدہ میں بھی التحیات کا پڑھنا واجب ہوتا صحیح تر قول یہی ہے، (دوسرا قول یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ کے علاوہ اور قعدوں میں التحیات پڑھنا سنت ہے) مگر یہ قول صحیح تر کے خلاف ہے اور ہر قعدہ میں تشہد کے واجب ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ بعض اوقات تشہد دس دس بار مکرر ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے مغرب میں اپنے امام کی، اقتدا دونوں تشہد میں کی اس طرح کہ اس نے امام کو پہلے تشہد میں پایا تھا اور حال یہ تھا کہ اس امام پر سجدہ سہو واجب تھا، اب امام نے سہو کا سجدہ کیا تو اس مقتدی نے بھی امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا اور سجد سہو کے بعد امام کے ساتھ التحیات پڑھی یہ اس کا تیسرا تشہد ہوا، اس کے بعد امام کو یاد آیا کہ اس پر سجدۂ تلاوت بھی ہے چنانچہ اس نے وہ سجدہ تلاوت کیا تو اب مقتدی نے بھی اقتدأ سجدہ تلاوت کیا اور یہاں پھر امام نے التحیات پڑھی تو اس مقتدی کو بھی پڑھنا پڑا، اس سجدۂ تلاوت کی وجہ سے پہلا سجدہ سہو باطل ہو گیا لہٰذا امام کو پھر سجدۂ سہو کرنا پڑا، اور اس کے بعد التحیات پڑھنا پڑی، اس کے ساتھ اس مقتدی نے بھی سجدہ سہو کیا، اور التحیات پڑھی مقتدی کا یہ پانچویں بار تشہد پڑھنا ہوا، اب امام کے سلام کے بعد یہ مقتدی جو پہلے تشہد میں ملا تھا اٹھا اور اس نے اپنی بقیہ دو رکعتوں کو تنہا پورا کیا اس طرح کہ ہر رکعت میں اس نے تشہد پڑھا امام کے ساتھ اس کو صرف ایک رکعت ملی تھی لہذا تنہا ایک رکعت پڑھ کر اس نے قعدہ اولی کیا اور دوسری رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ، (پانچ اور دو سات مرتبہ تشہد ہوا) اب فرض کر لیجئے کہ جو بات پہلے اس کے امام کو پیش آئی تھی اسے بھی پیش آگئی، اس کے بعد بھی دو رکعتوں میں کوئی ایسی بات ہو گئی جس کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہو گیا تو اب یقینی طور پر اس کو سجدہ سہو کرنا پڑا اور اس کے بعد تشہد پڑھنا پڑا، یہ آٹھواں تشہد ہوا، پھر اس کے بعد اسے معلوم ہوا کہ ان بعد والی دو رکعتوں میں اس پر سجدہ تلاوت بھی ہو گیا تھا، اب اس نے سجدہ تلاوت کیا اور اس طرح اسکے بعد اس نے نواں تشہد پڑھا، اب پہلے والا سجدہ سہو باطل ہو گیا تو پھر سجدہ سہو کیا تو اس طرح اب دسویں بار اس نے تشہد پڑھا اور درود و دعا پڑھ کر سلام پھیرا، اس طرح ایک نماز میں اس مقتدی نے دس تشہد پڑھا یہ دسوں تشہد پڑھنا اس پر واجب تھا، معلوم ہوا کہ دو کی تخصیص نہیں ہے

متعدد تشہد کی مزید مثال

صاحب در مختار کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ سجدۂ تلاوت کی طرح فرض کر لیں کہ اس کو سجدہ صلبیہ یاد آگیا، یعنی نماز کا کوئی سجدہ کرنا رہ گیا تھا وہ یاد آیا تو اس طرح اس مقتدی اور امام پر چار سجدے اور بڑھ جائیں گے جیسا کہ پہلے گزرا کہ سجدہ صلبی کے بعد بھی سجدہ سہو دھرانا ہوتا ہے اور اگر ہر فرض کریں کہ مقتدی اور امام دونوں کو متعدد سجدۂ تلاوت اور سجدہ صلبی یاد آئے تو اس طرح چھ اور تشہد بڑھ جائیں گے (یہاں صرف اس قدر بتانا ہے کہ تشہد جتنے بھی ہوں گے سب واجب ہوں گے، دوسری بات یہ کہ تشہد متعدد مختلف طور پر ہو سکتے ہیں، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اوپر کی مثال سے چونکہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے اس لئے زیادہ تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں ہے متعدد تشہد ہونے کی مختلف

صورتوں کو مصنف نے بیان کیا ہے آگے بھی وہ متعدد تشہد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں) اور اگر ہم فرض کریں کہ مقتدی نے امام کو سجدہ میں پایا مگر مقتدی نے ان دونوں سجدوں کو اپنے امام کے ساتھ ادا نہیں کیا تو اس صورت میں قاعدے کا تقاضہ یہ ہے کہ مقتدی ان دونوں سجدوں کو ادا کرے تو اس صورت میں چار تشہد اور زیادہ ہو جائیں گے، لہٰذا غور سے ان صورتوں کو سمجھ لینا چاہئے، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس تفصیل سے مسائل بیان کر کے لوگوں کو آگاہ کیا ہو، واللہ اعلم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ جو اخیر سلام پھیرنے میں کہتے ہیں اس میں لفظ السلام "کا دو بار کہنا واجب ہے اور صحیح تر قول یہی ہے کہ دوسرا سلام بھی واجب ہے ، اس میں علیکم کہنا واجب نہیں ہے ہمارے نزدیک قول مشہور ہے مطابق پہلے سلام کے وقت جب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہیں تو لفظ السلام" پر علیکم پر پہونچنے سے پہلے ہی نماز تمام ہو جاتی ہے، شوافع کا بھی یہی مذہب ہے بخلاف شارح تکملہ کے کہ وہ دوسرے سلام پر اقتدا کا ختم ہونا بتاتے ہیں (اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے)

تشریح

یہاں متن میں لفظ ,السلام" لاکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر نمازی لفظ السلام کے بولنے پر قدرت رکھتا ہے، تو اسے اسی لفظ کا کہنا ضروری ہے دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوتا ہے، اور فالثانی واجب' اس لئے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلا سلام تو واجب ہے مگر دوسرا سلام واجب نہیں بلکہ مسنون ہے اس لئے یہ جملہ پڑھا کر شارح نے صراحت کر دی کہ صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے کہ یہ دوسرا سلام بھی واجب ہی ہے مسنون نہیں، اب آگے پہلے مسئلہ پر تفریع کرتے ہیں (ختم)

سلام پھیرتے وقت اقتدا

اگر کوئی امام کی اقتدا لفظ سلام کے بعد اور علیکم سے پہلے کرے تو یہ اقتدا جائز نہیں ہوگی اور وہ جماعت میں شریک ہونے والا نہیں سمجھا جائے گا دوسرا سوال یہ ہے کہ تحریمہ سلام اول پر ختم ہوتا ہے یا دوسرے سلام پر، جوہر نیرہ اور برہان اور ان دو کے علاوہ دوسری کتابوں میں اس پر یقین ظاہر کیا ہے کہ پہلے سلام پر نماز کا تحریمہ ختم ہو جاتا ہے اور تکملہ نامی کتاب کے شارح نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ نماز کا تحریمہ دوسرے سلام پر منقطع ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی نے ایک سلام پھیرنے کے بعد اور دوسرے سلام پھیرنے سے پہلے امام کو پالیا ہے تو اس کی اقتدا درست شمار ہوگی اور وہ جماعت میں شریک ہونے والا ہو جائے گا اور شوافع کے نزدیک قابل اعتماد قول یہ ہے کہ اگر کسی نے امام کی اقتدا پہلے سلام شروع کر دینے کے بعد اور علیکم کہنے سے پہلے کی ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہوگی، اس مسئلہ کو رملی شافعی نے باب سجود السہو میں ذکر کیا ہے، (شامی نے لکھا ہے کہ یہ دو مسئلے در مختار کے بعض نسخوں میں مذکور ہیں اور بعض میں نہیں یعنی "راتم" سے لیکر اخیر تک عبارت بعض میں ہے بعض میں نہیں)

دعائے قنوت اور اس کی تکبیر

وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا واجب ہے، اور اسی طرح اس دعائے قنوت کے لئے اللہ اکبر کہنا بھی واجب ہے، اور دعائے قنوت جس کو واجب کہا گیا ہے اس سے مطلق دعا مراد ہے کوئی خاص دعا جیسے انا نستعینک ہی مراد نہیں ہے جو دعا پڑھے گا واجب ہو گا البتہ اس خاص دعا کا پڑھنا مسنون ہے، (دعا قنوت کیلئے جو اللہ اکبر کہا جاتا ہے اس کے متعلق بعضوں نے لکھا ہے کہ اس کا کہنا سنت ہے کذا فی الحلبی، مگر زیلعی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی اس تکبیر کو چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہو گا، اس سے ظاہر ہے کہ اس کا کہنا واجب ہے، دیکھئے شامی۔

وتر کی تیسری رکعت کیلئے تکبیر وعیدین کی تکبیر زوائد

وتر کی تیسری رکعت کے رکوع کے لئے اللہ اکبر کہنا واجب ہے جیسا کہ زیلعی نے لکھا ہے۔(مگر محققین نے لکھا ہے کہ زیلعی میں یہ مسئلہ نہیں ملا، نہ یہاں ہے اور نہ باب سجود السہو میں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ رکوع کی تکبیر واجب نہیں بلکہ سنت ہے واللہ اعلم) اور عیدین کی چھ تکبیریں واجب ہیں (ہر رکعت میں تین تین زائد تکبیریں ہوتی ہیں) اور ایسے ہی ان چھ تکبیروں میں سے ہر ایک تکبیر علیحدہ بھی واجب ہے (یعنی ان چھ میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ واجب ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ چھ پوری کی پوری کہی جائیں تو واجب ہیں ورنہ واجب نہیں طحطاوی نے یہاں لکھا ہے کہ اسی طرح ایام تشریق کی تکبیریں بھی واجب ہیں جیسا کہ اس کتاب میں بھی آگے یہ چیز آرہی ہے)

عید کی دوسری رکعت کی تکبیر

عید کی دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر واجب ہے جس طرح عید کی نماز کے شروع میں تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا واجب ہے (پس معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عید کی نماز اللہ اکبر کے بجائے کسی اور لفظ سے شروع کریگا تو مکروہ تحریمی ہوگا کذافی الشامی) لیکن حق کے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ ہر نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنا واجب ہو جیسا کہ البحر الرائق میں ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

قراءت کہاں آہستہ اور کہاں جہر سے

اور امام کیلئے ان تمام نمازوں میں آواز سے پڑھنا واجب ہے جن نمازوں میں جہر کے ساتھ قرأت کی جاتی ہے جیسے مغرب، عشاء، فجر اور جمعہ، عیدین اور آہستہ پڑھنا امام اور دوسرے لوگوں کو ان نمازوں میں واجب ہے جن میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے جیسے ظہر، عصر اور مغرب وعشا کی اخیر رکعتیں۔

واجب وفرض کو اپنے محل پر ادا کرنا

واجبات نماز میں ایک واجب یہ ہے کہ ہر واجب یا فرض کو اس کے محل میں ادا کرے چنانچہ اگر نمازی نے قراءت پوری کرنے کے بعد فوراً رکوع نہیں بلکہ بھول کر کچھ سوچتا رہا اس کے بعد رکوع کیا تو اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا، سورہ کا ملانا بھول گیا اور جب رکوع میں گیا،۔۔۔۔۔۔۔ تو اسے یاد آیا چنانچہ وہ کھڑا ہو گیا اور سورہ پڑھی تو اب وہ دوبارہ رکوع کرے گا (پہلی مثال فرض کی تاخیر کی دی گئی ہے کہ قراءت کے بعد اس کا فرض تھا کہ فوراً رکوع کرتا جو فرض تھا مگر کھڑا سوچتارہ گیا اس سے اس میں تاخیر ہوئی، اور وہ اپنے محل میں ادا نہ ہو سکا، دوسری مثال واجب کو اپنی جگہ سے ٹلانے کی ہے یعنی الحمد کے بعد سورہ کا فوراً ملانا واجب تھا اب درمیان میں ایک زائد رکوع کی وجہ سے تاخیر ہوگئی لہذا اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا،

رکوع کا مکرر نہ کرنا

یہ بھی واجب ہے کہ رکوع کو دوبارہ نہ کرے بلکہ صرف ایک بار کرے اور اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ سجدے تین نہ کرے بلکہ صرف دو کرے، (چنانچہ اگر کوئی ایک بار رکوع کرکے اس کو دوبارہ کرے گا یا سجدے دو کی جگہ تین کرے گا تو اس پر سجدہ سہو لازم آئے گا اس لئے کہ اس سے واجب کا ترک ہوا)

قعدہ کا ترک

یہ بھی واجب ہے کہ دوسری رکعت یا چوتھی رکعت سے پہلے قعدہ ترک کردے یعنی نہ کرے (چنانچہ اگر کوئی پہلی رکعت میں قعدہ کرے گا یا چار رکعت والی نماز کے اندر تیسری رکعت میں تو اس پر سجدہ سہو

لازم ہو گا، اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ دو فرض کے درمیان کوئی زیادتی نہ کرے اور شامی میں ہے کہ فرض واجب کے درمیان بھی زیادتی کا ترک واجب ہے (مثلاً قعدہ اول کے تشہد میں زیادتی کی اور تیسری رکعت کے لئے اٹھنے میں اس کی وجہ سے دیر کی تو اس پر سجدہ سہو لازم ہو گا، اسی طرح تشہد کے بعد چپ کچھ دیر بیٹھے رہنا بھی زیادتی ہے)

مقتدی کا خاموش رہنا یہ بھی واجب ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے چپ رہے، (لہذا مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا مکروہ تحریمی قرار پائے گا، مگر صحیح قول میں اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی اور اگر مقتدی اپنے امام کے پیچھے بھول کر پڑھے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا، کیونکہ مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہے،

امام کی متابعت اور مقتدی کا اپنے امام کی ان افعال میں پیروی کرنا واجب ہے جن میں مجتہدین کا اختلاف ہے (مجتہد فیہ ان مسائل کو کہتے ہیں جن کی بنیاد معتبر دلیل شرعی پر ہو، جسکی وجہ سے ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی مخالفت جائز ہوتی ہے، جیسے عیدین کی تکبیرات میں حنفیہ شافعیہ کا اختلاف ہے کہ ایک رکعت میں حنفیہ تین کہتے ہیں اور شافعیہ پانچ اب فرض کیجئے عید کے امام نے تکبیرات زوائد تین کے بجائے چار پانچ کہدی تو مقتدی پر واجب ہے کہ وہ اس میں اپنے امام نماز کی پیروی کرے یا اسی طرح وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی یا سجدہ سہو سلام سے پہلے کر لیا تو مقتدی پر واجب ہے کہ اس میں امام کی پیروی کرے گو یہ حنفیہ کے مسلک کے خلاف اس نے کیا ہے باقی جن امور میں اماموں کا اتفاق ہے ان میں بدرجہ اولی پیروی واجب ہو گی)

امام کی کہاں پیروی ضروری نہیں البتہ ان افعال میں امام کی پیروی واجب نہیں ہے جن کا منسوخ ہونا قطعی ہے (جیسے کوئی امام نماز جنازہ چار تکبیر کے بجائے پانچ کہدے تو پانچویں تکبیر کی پیروی مقتدی پر واجب نہیں ہے اس لئے کہ گو آنحضرت ﷺ سے جنازہ میں پانچ اور سات تکبیریں بھی مروی ہیں مگر وہ آپکے آخری فعل یعنی چار تکبیر سے منسوخ ہے (کذا فی الشامی) اور اسی طرح امام کی پیروی اس فعل میں بھی واجب نہیں ہے جس کے متعلق یقین ہو کہ وہ مسنون نہیں ہے جیسے نماز فجر میں دعائے قنوت (کہ یہ شروع میں مسنون تھی مگر بعد میں منسوخ ہوئی، آنحضرت ﷺ نے ایک قوم پر بددعا کے طور پر ایک مہینہ تک قنوت پڑھی تھی، پھر وہ بات باقی نہیں رہی)

نماز کا فاسد ہونا باقی نماز فاسد صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب مقتدی اپنے امام کی فرض میں مخالفت کرے جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کو خزائن الاسرار نامی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے (بنیادی چیز نماز کے فاسد ہونے کی فرض کا ترک ہے، پیروی نہ کرنیکی صورت میں بھی فرض کا ترک ہی لازم آتا ہے، گویا یہاں عدم پیروی سے فرض کا ترک لازم آتا ہے اس لئے فساد کی نسبت عدم پیروی کرنے کی طرف کردی گئی ہے اور فرض کہنے سے یہ واضح ہو گیا کہ سنت یا واجب کے چھوڑنے پر نماز فاسد نہیں ہوتی ہے)

اصول واجبات اس کے بعد شارح کہتے ہیں کہ اسطرح اصول واجبات کچھ اوپر چالیس ہو گئے (مصنف نے چودہ واجبات بیان کئے تھے اس کے بعد شارح نے اٹھائیس کا اپنی طرف سے اضافہ کیا، کل بیالیس ہوگئے، تفصیل یہ ہے مثلاً ماتن نے الحمد للہ کو ایک واجب شمار کیا تھا شارح نے چھ آیتوں کو الگ الگ چھ واجب قرار دیا، گویا اس میں پانچ واجب کا اضافہ ہوا، اسی طرح عیدین کی چھ تکبیرات کو ماتن نے ایک واجب شمار کیا تھا اور شارح نے کہا کہ ان میں سے

ہر ایک علیحدہ علیحدہ بھی واجب ہے توپانچ کا اضافہ اس میں ہوا، ماتن کے نزدیک تعدیل ارکان ایک واجب تھا شارح نے اس میں چار واجب بنادیا، رکوع میں تعدیل، سجدہ میں تعدیل، قومہ میں تعدیل اور جلسہ میں تعدیل تین کا اضافہ یہاں ہوا، تو کل تیرہ کا اضافہ تو اس طرح ہو گیا اس کے بعد کہا فاتحہ کا مکرر نہ پڑھنا، قراءت اور رکوع میں ترتیب، عدد رکعات میں ترتیب، درمیانی قعدہ التحیات سے زیادہ نہ کرنا، تکبیر قنوت، قنوت والے رکوع کی تکبیر عید کی دوسری رکعت کے رکوع کی تکبیر، عید کی نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہنا، ہر فرض و واجب کو اس کو محل میں ادا کرنا، تکرار رکوع کا ترک کرنا، دو سے زیادہ سجدہ کا چھوڑنا، دوسری اور چوتھی رکعت سے پہلے قعدہ نہ کرنا، دو فرضوں کے درمیان زیادتی کا ترک کرنا، مقتدی کا امام کے پیچھے خاموش رہنا ہے امام کی پیروی کرنا، یہ ۴۲ واجبات بلا ضرب اور بغیر کسی تفصیل کے ہیں اور اسی لئے ان کو اصول واجبات سے تعبیر کیا، باقی اگر اسے پھیلایا جائے تو بہت ہو جاتے ہیں جیسا کہ آگے لکھتے ہیں۔

واجبات نماز کی تفصیل

واجبات نماز کو پھیلانے سے اسکی گنتی ایک لاکھ سے زیادہ ہو جائے گی اسلئے کہ ایک واجب جیسے تشہد (۳۹۰) واجب پیدا کرتا ہے اس طرح کہ نماز مغرب کے قعدہ کے پانچ واجبوں کو اس کے ۷۸ ان تشہدوں میں ضرب دیا جائے، جس کی تفصیل پہلے گذری یعنی جہاں مصنف نے کہا تھا کہ تشہد کبھی دس بار مکرر ہوتا ہے، (مغرب کے قعدہ کے پانچ واجب یہ ہیں اول قعدہ مغرب دوم اس کی التحیات، سوم التحیات کو ناقص نہ پڑھنا چہارم اسکے کلمات کے درمیان میں زیادتی نہ کرنا، پنجم اسکے پورا کرنے پر کچھ آگے نہ پڑھنا، تو اس طرح ۷۸ تشہدوں میں ہر ایک میں یہ پانچ واجب ہوں گے اسلئے جب اس ۷۸ کو پانچ سے ضرب دیا جائے گا حاصل ضرب (۳۹۰) آئے گا اس کی مزید تفصیل جس سے لاکھ تک تعداد پہونچتی ہے شامی میں دیکھی جائے یہاں اس نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے) اور تتبع (تلاش و جستجو) حصر کی نفی کرتی ہے لہذا اسکو غور سے دیکھا (یعنی تلاش و جستجو سے معلوم ہوتا ہے اسکی کوئی انتہا نہیں ہے لہذا اس میں وقت برباد کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہے) اسی مسئلہ میں چیساں کے طور پر پوچھتے ہیں کہ وہ کونسا واجب ہے جو (۳۹۰) واجبوں کا مستوجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ سے (۳۹۰) واجبوں کا مستوجب ہوتا ہے یعنی اس کی وجہ واجب لازم آتے ہیں (جواب میں وہی اوپر والا قاعدہ بیان ہوگا کہ مغرب کا قعدہ اول یہ مسئلہ مختصر کر کے اسلئے بیان کیا گیا ہے کہ یہ مسئلہ نہیں بلکہ مسائل میں ذہانت کی رفتار کا امتحان ہے)

وسننها ترك السنة لا يوجب فساداً ولا سهو ا بل إساءة لو عامدا غير مستخف وقالوا الاسارة ادون من الكراهة ثم هي على ما ذكره ثلثة وعشرون رفع اليدين للتحريمة في الخلاصة ان اعتادتركه اثم ونشر الاصابع اى تركها بحالها وان لا يطأطئ راسه عند التكبير فانه بدعة وجهر الامام بالتكبير بقدر حاجته للاعلام بالدخول والانتقال وكذا بالتسميع والسلام واما المؤتم والمنفرد فيسمع نفسه والثناء والتعوذ والتسمية والتامين وكونهن سرا ووضع يمينه على يساره وكونه تحت السرة للرجال لقول على رضى الله عنه من السنة وضعها تحت السرة ولخوف اجتماع الدم فى رؤس الاصابع وتكبير الركوع وكذا الرفع منه بحيث يستوى قائما والتسبيح فيه ثلثا والصاق كعبيه واخذ ركبتيه بيديه في

الرکوع وتفریج اصابعه لرجل ولا یندب التفریج الاھنا ولا الضم الا فی السجود وتکبیر السجود وکذا نفس الرفع منه بحیث یستوی جالسا وکذا تکبیره والتسبیح فیه ثلثا ووضع یدیه ورکبتیه فی السجود فلا تلزم طھارة مکانھما عندنا مجمع الا اذا سجد علی کفه کما مر وافتراش رجله الیسری فی تشھد الرجل والجلسة بین السجدتین ووضع یدیه فیھا علی فخذیه کالتشھد للتوارث وھذا مما اغفله اھل المتون والشروح کما فی امداد الفتاح للشرنبلالی قلت ویاتی معزیا للمنیة فافھم والصلوٰة علی النبی فی القعدة الاخیرة وفرض الشافعیؒ قول اللھم صل علی محمد ونسبوه الی الشذوذ مخالفة الاجماع والدعاء بما یستحیل سؤاله من العباد یقی بقیة تکبرات الانتقالات حتی تکبیرة القنوت علی قول والتسمیع للامام والتحمید لغیره وتحویل الوجه یمنة ویسرة للسلام

نماز کی سنتیں

نماز کی سنت کا ترک کرنا نہ تو نماز کے فساد کا موجب ہوتا اور نہ سجدہ سہو کا، بلکہ وہ اسائت کا موجب ہوتا ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس نے جان بوجھکر چھوڑا ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس نے سنت کو حقیر نہ سمجھا ہو (یعنی اگر کوئی بھول سے سنت چھوڑدے تو اس سے نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوگا اور نہ چھوڑنے والے کو برا کہا جائے گا، ہاں اگر کوئی قصداً سنت ترک کردے گا تو کہا جائے گا کہ اس نے برا کیا لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے سنت کو حقیر سمجھ کر نہ چھوڑا ہو بلکہ سستی یا کاہلی کی وجہ سے ایسا کیا ہو، اس لئے کہ سنت کو حقیر سمجھنے والا ازروئے فتوی کافر ہو جاتا ہے النہر الفائق میں بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر سنت کو حق نہ جانے گا تو کافر ہوگا اس لئے کہ حق نہ جاننا حقیر سمجھنا ہے)

اور فقہاء نے کہا ہے کہ اساوۃ کا درجہ کراہت سے کم ہے (یہاں کراہت سے کراہت تحریمی مراد ہے منشا یہ ہے کہ ترک سنت پر ارتکاب مکروہ تحریمی سے ملامت کم ہے مگر مکروہ تنزیہی سے زیادہ ہے، تلویح میں صراحت ہے کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا حرام کے لگ بھگ ہے اور النہر الفائق میں ہے کہ سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک پر ملامت کی جائے اور اس سے کچھ گناہ بھی ہوتا ہے، اور طحطاوی میں ہے کہ اسارت کا معنی ہے کہ اولیٰ کا ترک کرنا، گویا یہ مکروہ تنزیہی کے درجہ کی چیز ہوئی،)

تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھوں کا اٹھانا

پھر یہ سنتیں مصنف کے مطابق تیئس (۲۳) ہیں (گو واقع میں اس سے زیادہ ہیں جیسا کہ آگے شارح بیان کریں گے اس کی تفصیل یہ ہے)

تکبیر تحریمہ کیلئے دونوں ہاتھوں کا اٹھانا سنت ہے، خلاصہ میں ہے کہ جو ہاتھ اٹھانے کو چھوڑ دینے کا عادی ہوگا وہ گناہگار ہوگا، (اور کبھی کبھی ایسا ہو جائے تو گنہگار نہ ہوگا تکبیر تحریمہ کیلئے دونوں ہاتھ کب اٹھائے اس میں دو قول ہیں بعضوں نے کہا تکبیر کہنے سے پہلے اٹھائے پھر تکبیر تحریمہ کہے اور بعضوں نے کہا ساتھ ساتھ ایسا کرے اور تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے)

سر نہ جھکانا اور امام کا اللہ اکبر آواز سے کہنا

اور تکبیر کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلائے رکھنا سنت ہے یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا جیسے عموماً رہا کرتی ہیں نہ بالکل ملی ہوئی ہوں اور نہ بہت پھیلی ہوئی اور یہ بھی سنت ہے کہ تکبیر کے وقت اپنے سر کو نہ جھکائے، کیونکہ اس وقت سر کا جھکانا بدعت ہے (طحطاوی کا کہنا یہ ہے کہ پورے قیام میں کہیں اور کسی وقت بھی سر جھکانا ایسا ہی بدعت

ہوگا) اور امام کا اللہ اکبر آواز سے کہنا سنت ہے مگر اس قدر آواز سے جتنی لوگوں کو خبر دار کرنے کے لئے ضرورت ہو، کہ اب نماز شروع ہوئی اور اب ایک رکن سے دوسری طرف منتقل ہونا ہے، اسی طرح سمع اللہ لمن حمدہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کو بھی بقدر ضرورت آواز سے کہنا سنت ہے (طحطاوی میں ہے زیادہ زور سے پکار کر کہنا مکروہ ہے اور شامی نے کہا کہ کراہت اس وقت پیدا ہوگی جب زیادہ چیخے مثلاً اس کے پیچھے ایک صف ہے اور تکبیر میں اس قدر چیخے کہ دس صفوں تک آواز جاتی ہو، ایک بات یہاں یہ بھی واضح رہے کہ امام تکبیر تحریمہ میں صرف یہی نیت نہ کرے کہ مقتدی تک آواز پہونچانی ہے اور ان کو خبر دار کرنا ہے کہ نماز شروع ہوئی بلکہ اس کے ساتھ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی نماز کے تحریمہ کی بھی اس اللہ اکبر سے نیت کرے ورنہ نہ امام کی نماز ہوگی اور نہ اسکے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی، اسی طرح مکبر جو امام کے پیچھے تکبیر زور سے پکار کر دوسروں تک آواز پہونچاتا ہے اس کے لئے یہی ضروری ہے کہ اس تکبیر سے صرف دوسروں تک آواز پہونچانے کی ہی نیت نہ ہو بلکہ خود اپنے لئے بھی نیت ہو، اگر یہ نیت نہ کرے گا تو نہ اس کی نماز ہوگی اور نہ ان لوگوں کی جو اس مکبر کی آواز پر نقل و حرکت کرتے ہیں، اور اگر ضرورت نہ ہو تو مکبر کا اس طرح زور سے تکبیر کہنا مکروہ ہوگا)

اور مقتدی اور منفرد جو تنہا نماز پڑھتا ہے وہ اللہ اکبر اتنی آواز سے کہے کہ خود سن لے

نماز کی کچھ اور سنتیں

اور مسنون میں سبحانك اللهم پڑھنا، اور اعوذ بالله من الشيطان الرجيم کہنا بسم الله الرحمن الرحيم کہنا اور الحمد کے بعد آمین کہنا، اور یہ بھی مسنون ہے کہ یہ سب آہستہ کہے جائیں، اور سنت ہے مردوں کیلئے اپنے دائیں ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا، اسلئے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ دونوں ہاتھوں کا ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے اور ایک وجہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی یہ ہے کہ لٹکانے میں خون کے انگلیوں کے پوروں میں جمع ہو جانے کا خوف رہتا ہے،

اور مسنون رکوع کے لئے اللہ اکبر کہنا، اور ایسا ہی رکوع سے اٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا، رکوع سے اس طرح اٹھے کہ وہ سیدھا کھڑا ہو جائے، اور رکوع میں رکوع کی تسبیح کا تین مرتبہ پڑھنا بھی مسنون ہے، رکوع کی تسبیح سبحان ربی العظیم ہے اور تین مرتبہ سے کم کہنا مکروہ تنزیہی ہے اور مسنون ہے کہ دونوں ٹخنوں کو ملانا اور رکوع کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں گھٹنوں کا پکڑنا بھی مسنون ہے، اور مرد کے لئے اپنی انگلیوں کا کھلا رکھنا بھی مسنون ہے اور انگلیوں کا کھلا ہوا رکھنا رکوع کے سوا کہیں اور مستحب نہیں ہے اسی طرح انگلیوں کا ملانا سوائے سجدہ کے کہیں اور مستحب نہیں ہے اور مسنون ہے سجدہ میں جاتے ہوئے اور اس سے اٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہنا،

اور سجدہ سے اس طرح اٹھے کہ سیدھا بیٹھ جائے، ایسا ہی سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا بھی مسنون ہے اور سجدہ میں یہ بھی نیت سنت ہے کہ سجدہ کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اور گھٹنوں کو زمین پر رکھے (بعض فقیہوں نے زمین پر سجدہ میں ہاتھ اور گھٹنے کے رکھنے کو فرض کہا ہے اور بعض نے مسنون اور بعض نے واجب، اور واجب ہونے کو محققین نے ترجیح دیا ہے۔ اور درمیانی قول قرار دیا ہے جنہوں نے سنت کہا ہے) ان کے نزدیک ان دونوں کی جگہ کا پاک ہونا لازم نہیں ہے، (یعنی ناپاک ہونے کی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی، مگر محققین کے قول کے مطابق ان دونوں کی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ نماز فاسد ہوگی شامی نے اسی کو ترجیح دیا ہے) مگر جب کوئی نمازی اپنی ہتھیلی پر سجدہ کرے گا تو اس کی جگہ کا پاک

ہونا ضروری ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا، اور مرد کے لئے مسنون یہ ہے کہ تشہد میں اپنے بائیں پیر کو بچھائے اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہے،

اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں مسنون ہے اپنے دونوں ہاتھوں کا اپنی دونوں رانوں پر رکھنا جیسے التحیات پڑھتے وقت دونوں ہاتھوں کا دونوں زانوں پر رکھنا سنت ہے اکابر سے برابر یہی چلا آتا ہے جس کو اصطلاح میں توارث کہتے ہیں، (طحاوی نے کہا ہے کہ اس طرح ہاتھوں کو رکھے کہ انگلیوں کا کنارہ گھٹنوں کے پاس ہو) یہ ان مسائل میں ہے جس سے متن اور شرح والوں نے غفلت برتی ہے اور ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ اسے شیر نبلالیؒ نے امداد الفتاح میں ذکر کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کی نسبت منیہ کی طرف ہے لہذا غور کرلیں،) فافہم سے اس طرف اشارہ ہے کہ تشہد میں چونکہ رانوں پر ہاتھ کو ذکر کیا ہے اس لئے دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی حالت میں اس کا ذکر نہیں کیا، اور قعدہ اخیرہ میں آنحضرت ﷺ پر درود پڑھنا مسنون ہے اور امام شافعیؒ نے **اللھم صل علی محمد** کا کہنا فرض قرار دیا ہے یعنی امام شافعی کے نزدیک **اللھم صل علی محمد** کی مقدار پڑھنا فرض ہے، مگر فقہاء نے امام شافعیؒ کے اس قول کو شذوذ اور اجماع کی مخالفت کی طرف منسوب کیا ہے (مگر البحر الرائق میں ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین سے ایسی روایت آئی ہے جو امام شافعیؒ کے قول کے مطابق ہے لہذا جن لوگوں نے اسے شاذ کہا وہ صحیح نہیں ہے شاذ کہنے والوں میں طحاویؒ، ابوبکر رازیؒ، خطابیؒ، بغویؒ، ابن منذرؒ اور ابن جریر طبریؒ ہیں کذا فی الشامی)

اور درود کے بعد دعا ماثورہ پڑھنا مسنون ہے، یعنی ایسی چیز کا مانگنا جس کا بندوں سے طلب کرنا محال ہو، سنتوں میں سے وہ تکبیریں باقی رہیں جو ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے وقت کہتے ہیں،

حتی کہ ایک قول کی بنیاد پر ان میں وہ تکبیر بھی ہے جو دعائے قنوت پڑھنے سے پہلے کہتے ہیں (مگر طحطاوی نے لکھا ہے کہ دعائے قنوت والی تکبیر واجب ہے مسنون والا قول ضعیف ہے، جیسا کہ پہلے واجبات کے بیان میں گذر چکا ہے)

امام کا رکوع سے اٹھتے ہوئے **سمع اللہ لمن حمد** کہنا مسنون ہے، اور امام کے علاوہ مقتدی اور منفرد کے لئے "**ربنا لك الحمد**" کہنا، اور سلام کے وقت منہ کا دائیں اور بائیں طرف پھیرنا بھی مسنون ہے، اور یہ بھی مسنون ہے کہ پہلے دائیں طرف منہ پھیرے پھر بائیں طرف، اور سلام میں مردوں اور فرشتوں کی نیت کرنا بھی مسنون ہے اور یہ بھی سنت ہے کہ پہلے سلام کی نیت دوسرے سلام میں آواز پست ہو کذا فی الشامی)

ولها اداب تركه لا يوجب اساءة ولا عتابا كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل نظره الى موضع سجوده حال قيامه والى ظهر قدميه حال ركوع والى ارنبة انفه حال سجوده والى حجره حال قعوده والى منكبه الايمن والايسر عند التسليمة الاولى والثانية لتحصيل الخشوع وامساك فمه عند التثاؤب ولو باخذ شفته بسنه فان لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى وقيل باليمنى لو قائما والا فيسراه مجتبى او كمه لان التغطيه بلا ضرورة مكروهة

واخراج کفیه من کمیه عند التکبیر للرجل الا لضرورة کبرد ودفع السعال ما استطاع لانه بلا عذر مفسد فیجتنبه والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح خلافا للزفر فعنده عند حی علی الصلوة ابن کمال ان کان الامام بقرب المحراب والا فیقوم کل صف ینتهی الیه الامام علی الاظهر وانه دخل من قدام قاموا حین یقع بصرهم علیه الا اذا قام الا مام بنفسه فی مسجد فلا یقفوا حتی یتم اقامته ظهیریة وان خارجه قام کل صف ینتهی الیه بحر وشروع الامام فی الصلوة مذ قیل قد قامت الصلوة ولو اخر حتی اتمها لا باس به اجماعا وهو قول الثانی والثلثة وهو اعدل المذاهب کما فی شرح المجمع لمصنفه وفی القهستانی معزیا للخلاصة انه الاصح فرع ولو لم یعلم ما فی الصلوة من فرائض وسنن اجزأه قنیة

نماز کے آداب

اس کا چھوڑنا نہ تو مکروہ تنزیہی کا موجب ہوتا ہے اور نہ عتاب کا، جسطرح سنت زوائد (غیر موکدہ) کا چھوڑنا عتاب و کراہت کا موجب نہیں، لیکن ان آداب کا بجالانا افضل ہے (نماز میں ادب ان افعال کو کہتے ہیں جن کو آنحضرت ﷺ نے ایک یا دو بار کیا ہو اور مداومت نہ فرمائی ہو، یعنی پابندی سے نہ کیا ہو جیسے رکوع اور سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح کہنا، اور فقہ کی ایک کتاب میں بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ظاہراً ادب اور مستحب ایک ہی چیز ہے، اور سنت زوائد اسے کہتے ہیں جو موکد نہ ہوں، اور آنحضرت ﷺ نے اس کو عادتے طور پر کیا ہو جیسے آپ کا لباس میں ایک مخصوص طریقہ یا اٹھنے بیٹھنے میں، اور اس کو مقابل سنت ہدی یعنی موکدہ جیسے اذان اور جماعت کی نماز وغیرہ)

قیام، رکوع اور سجدہ کی حالت میں نگاہ کہاں ہو

نماز کے مستحبات یہ ہیں کہ کھڑے ہونیکی حالت میں نمازی اپنے سجدہ کی جگہ کی طرف نگاہ رکھے، اور رکوع کی حالت میں اس کی نگاہ اپنے دونوں قدموں کی پشت پر رہے، اور سجدہ کی حالت میں اپنی ناک کی نوک کی طرف، قعدہ کی حالت میں اپنی گود کی طرف دیکھے اور پہلے سلام پھیرتے وقت اسکی نگاہ اپنے دائیں شانے کی طرف ہو اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں شانے کی طرف یہ مستحبات و آداب نماز میں خشوع حاصل کرنے کیلئے بیان کئے گئے ہیں چنانچہ طحطاوی میں ہے کہ اگر ان مذکورہ جگہوں میں کوئی ایسی چیزیں ہوں جن کے دیکھنے سے دل میں یکسوئی باقی رہے، بلکہ دل میں ہیجان پیدا ہو یا انتشار، تو اس صورت انکی طرف دیکھنا مستحب باقی نہیں رہے گا، کیونکہ جو منشا تھا وہ باقی نہیں رہا، اور وہ ہے نماز خضوع و خشوع اور یکسوئی)

نماز میں جمائی آئے تو کیا کرے

یہ بھی مستحب ہیکہ نماز میں جب جمائی آئے تو نمازی اپنا منہ بند کرے، خواہ اپنے دانت سے اپنے ہونٹ کو پکڑ کر ہی کیوں نہ ہو، اور اگر منہ بند کرنے پر قدرت نہ رہے، منہ کھل ہی جائے تو اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت سے اس کو ڈھانپ لے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ دائیں ہاتھ کی پشت سے چھپائے اگر حالت قیام میں جمائی آئے، ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت سے، (منہ بند کرنے یا چھپانیکی وجہ یہ ہے کہ اس طرح منہ کھولنا مکروہ ہے نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی، باقی کھڑے ہونیکی حالت میں دائیں ہاتھ کی پشت سے کیوں چھپائے اور بقیہ حالت میں بائیں ہاتھ کی پشت سے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑے ہونیکی حالت میں

نمازی اس طرح ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے کہ دایاں ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور بایاں نیچے، اوپر کے ہاتھ سے چھپانے میں سہولت بھی ہے اور حرکت بھی صرف ایک ہاتھ کو ہوتی ہے اور بائیں ہاتھ سے چھپانے میں لازماً دائیں ہاتھ کو بھی حرکت ہوگی، اس لئے کہ اس کو دائیں کے نیچے سے کھینچے گا) یا بوقت جمائی منہ کو اپنی آستین سے چھپائے اس لئے کہ بلا ضرورت منہ کا چھپانا نماز میں مکروہ ہے (مطلب یہ ہے کہ جمائی کے وقت پہلے کوشش کرے کہ منہ نہ کھلے اگر چہ دانت سے ہونٹ پکڑنا پڑے اور اگر اس سے نہ کام چلے اور کھل ہی جائے تو بدرجہ مجبوری ہاتھ یا آستین سے چھپائے، بعض علماء نے لکھا ہے کہ جمائی آتے وقت دل میں یہ خیال کرے کہ انبیاء کرام نے جمائی نہیں لی ہے، تو اس خیال کے آتے ہی جمائی رک جائے گی یہ مجرب ہے واللہ اعلم)

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کا نکالنا و دیگر آداب

تکبیر تحریمہ کہتے وقت مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی آستینوں سے باہر نکالے، ہاں اگر کوئی ضرورت ہو، جس کی وجہ سے نکالنے میں دشواری ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، جیسے سردی ہو تو آستینوں سے ہاتھوں کا نکالنا مستحب نہیں رہتا، اور حتی الوسع کھانسی کا دبانا مستحب ہے اس لئے کہ بلا عذر کھانسنا نماز کے لئے مفسد ہے، لہذا اس سے مقدور بھر بچے، اور جب علی الفلاح پر تکبیر کہنے والے پہونچے تو امام و مقتدی دونوں کے لئے مستحب ہے کہ اگر وہ بیٹھا تو کھڑا ہو جائے، البتہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہو، اور حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہے جب امام محراب کے پاس ہو اور اگر محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے ہو تو امام جونہی جس صف کے پاس پہونچے اس صف والوں کو کھڑے ہو جانا چاہئے، ظاہر قول یہی ہے، اور اگر امام آگے سے آرہا ہو تو اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جب امام پر مقتدی کی نگاہ پڑے (اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں یہ رواج ہے کہ امام آگے موجود ہوتا ہے اور مقتدی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہتے ہیں اور تکبیر ہوتی رہتی ہے اور جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہونچتا ہے تب مقتدی کھڑے ہوتے ہیں تو یہ رواج درست نہیں ہے اور ادب کے خلاف ہے ظفیر مفتاحی)

مگر جب امام کسی مسجد میں بذات خود تکبیر کہے تو اس صورت میں مقتدی اس وقت تک نہ کھڑے ہوں جب تک وہ تکبیر پوری نہ کرلے، البتہ اگر امام مسجد سے باہر ہو تو وہ جس صف تک پہونچے اس صف کے مقتدی کھڑے ہوتے جائیں،

مستحب یہ ہے کہ امام اس وقت نماز شروع کرے جب قد قامت الصلوٰۃ کہا جائے، اور اگر وہ نماز کے شروع کرنے میں تاخیر کرے تا آنکہ تکبیر کہنے والے تکبیر پوری کرے تو اس میں بالاتفاق کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہ تاخیر والا قول امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ کا ہے، اور یہ سب سے معقول قول ہے جیسا کہ شرح مجمع" میں اس کے مصنف نے ذکر کیا ہے اور قہستانی میں خلاصہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے یعنی نماز تکبیر ختم ہونے کے بعد شروع کی جائے،

شارح نے یہاں یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر نمازی کو یہ علم نہیں ہے کہ نماز میں فرائض و سنن کیا ہے، تو اس کے باوجود بھی اس کی نماز درست ہوگی، قنیہ نامی کتاب میں ایسا ہی ہے۔

فصل

واذا اراد الشروع فی الصلوة کبر لو قادرا للافتتاح ای قال وجوبا الله اکبر ولا یصیر شارعا بالمبتدأ فقط کالله ولا باکبر فقط هو المختار فلو قال الله مع الامام واکبر قبله او ادرك الامام راکعا فقال الله قائما واکبر راکعا لم یصح فی الاصح کما لو فرغ من الله قبل الامام ولو ذکر الاسم بلا صفة صح عند الامام خلافا لمحمدؒ بالحذف اذا مد احدی الهمزتین مفسد وتعمده کفر و کذا الباء فی الاصح ویشترط کونه قائما فلو وجد الامام راکعا فکبر منحنیا ان الی القیام اقرب صح ولغت نیة تکبیرة الرکوع فروع کبر غیر عالم بتکبیر امامه ان اکبر رائه انه اکبر قبله لم یجز والاجاز محیط ولو اراد بتکبیره التعجب او متابعة المؤذن لم یصر شارعا ویجزم الراء لقوله ﷺ الاذان جزم والاقامة جزم والتکبیر جزم منح ومر فی الاذان وانما یصیر شارعا بالنیةعند التکبیر لا به وحده ولا بها وحدها بل بهما ولا یلزم العاجز عن النطق کاخرس وامی تحریك لسانه وکذا فی حق القراءة هو الصحیح لتعذرالواجب فلا یلزم غیره الا بدلیل فکفی النیة لکن ینبغی ان یشترط فیها القیام وعدم تقدیمها لقیامها مقام التحریمة ولو اره ثم فی الاشباه فی قاعدة التابع تابع فالمفتی به لزومه فی تکبیرة وتلبیة لا قراءة ورفع یدیه قبل التکبیر وقیل معه ماسا بابهامیه شحمتی اذنیه والمراد بالمحاذة لانها لا تتیقن الا بذلك ویستقبل بکفیه القبلة وقیل خدیه والمرأة ولو امة کما فی البحر لکن فی النهر عن السراج انها هنا کالرجل وفی غیره کالحرة ترفع یحیث یکون رؤس اعصابها خذاء منکبیها وقیل کالرجل

نماز ادا کرنیکا مسنون طریقہ اس فصل میں از اول تا آخر نماز کی ادائیگی کا طریقہ بتایا گیا ہے جو سلف صالحین اور صحابہ کرامؓ سے منقول چلا آرہا ہے، چنانچہ اسے بالترتیب بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمایا جائے مصنف لکھتے ہیں) نمازی جب اپنی نماز شروع کرنا چاہے تو وہ بشرط قدرت نماز کا افتتاح اللہ اکبر کہہ کر کرے، یعنی اس کے لئے اس وقت اللہ اکبر کہنا واجب ہے، (قدرت کی قید لا کر بتایا گیا کہ اگر اس کہنے پر قدرت نہیں ہے بلکہ عاجز ہے تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے اور یہ جو کہا وجوباً اللہ اکبر" اس کا منشایہ ہیکہ اگر کوئی اللہ اکبر کی جگہ اللہ کبیر اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر کہے گا تو واجب ادا نہیں ہوگا)

اگر کوئی صرف "اللہ" کہے اور "اکبر" نہ کہے یا صرف "اکبر" کہے اور "نہ کہے تو وہ نماز کا شروع کرنے والا شمار نہیں ہوگا

(شامی میں ہے کہ یہی قول امام محمدؒ کا ہے اور یہی امام اعظمؒ سے ظاہر الروایۃ ہے، اور اس لئے شروع کرنے والا نہیں ہوگا کہ شروع کے لئے شرط پورا جملہ اللہ اکبر" ہے لہذا صرف ان میں سے ایک لفظ کے کہنے سے شرط نہیں پائی جائے گی)

اگر کوئی مقتدی لفظ "اللہ" امام کے ساتھ کہے اور لفظ "اکبر" کو امام کے کہنے سے پہلے کہدے یا مقتدی نے امام کو حالت رکوع میں پایا چنانچہ اس نے لفظ" اللہ تو حالت قیام میں کہا اور لفظ "اکبر" رکوع میں جاکر تو ان دونوں صورتوں میں اس کی اقتدا درست نہیں ہوگی صحیح تر قول یہی ہے جس طرح اس شخص کی اقتدا درست نہیں ہوتی ہے جو امام کے لفظ "اللہ" کہنے سے پہلے اللہ کہہ لے (پہلی صورت میں درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب تک امام پورا جملہ "اللہ اکبر" کہہ نہ لے گا نماز کا شروع کرنے والا شمار نہیں ہوگا، اور پہلے صورت میں مقتدی نے امام کے لفظ اکبر کہنے سے پہلے کہہ لیا ہے، اور دوسری صورت میں درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی نے تحریمہ "اللہ اکبر" حالت قیام میں نہیں کہا جو شرط ہے بلکہ صرف اللہ کہا اور اکبر رکوع میں جاکر کہا، چونکہ وہ اقتدا کی نیت سے داخل ہوا تھا لہذا وہ ان دونوں صورتوں میں تنہا بھی شروع کرنے والا شمار نہ ہوگا)

اور اگر صرف لفظ اللہ کو ذکر کیا اور اس کی صفت اکبر کو نہیں کہا تو امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے مگر امام محمدؒ کہتے ہیں صحیح نہیں ہے،

اللہ اکبر کا کہنا اس طرح واجب ہے کہ اللہ اور اکبر دونوں ہمزوں کو حذف کرے یعنی ان کو کھینچ کر نہ کہے، اس لئے ان دوں ہمزوں میں سے کسی کو کھینچ کر پڑھنا نماز کی ابتدا کو فاسد کرنے والا ہے، اگر ایسا نادانستگی میں کیا ہو تب، ورنہ جان بوجھ کر ہمزوں کو کھینچ کر پڑھنا کفر ہے اسی طرح اکبر کی باء کو کھینچنا بھی مفسد ہے (اور بعض کتاب میں ہے کہ اکبر کی باء کا کھینچنا مفسد نہیں ہے (ہمزہ کو کھینچنے سے اللہ میں بھی دو ہمزہ ہو جائے گا اور اکبر میں بھی اور معنی یہ ہوگا کہ کیا اللہ سب سے بڑا ہے)

اللہ اکبر کہنے میں شرط یہ ہے کہ بشرط قدرت فرض نماز میں کھڑے ہو کر کہے اور اگر امام کو رکوع کی حالت میں پائے اور جھک کر اللہ اکبر کہے تو دیکھا جائے گا کہ اگر یہ جھکنا قیام سے قریب تر ہے تو شروع صحیح ہوگا اور رکوع کی تکبیر کی نیت لغو قرار پائے گی، (اس کی صورت یہ ہے کہ مقتدی نے جو اللہ اکبر کہا اس سے رکوع کی نیت کی، نماز کے شروع کرنے کی نیت نہیں کی، تو بھی یہ تکبیر تحریمہ ہو جائے گی اور رکوع کی نیت لغو قرار پائیگی اس لئے تکبیر تحریمہ فرض اور شرط ہے اور رکوع کی تکبیر مستحب، اور یہ مستحب تکبیر فرض کی جگہ میں واقع ہوئی اس لئے فرض ہی سمجھی جائے گی کذا فی الشامی)

شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

مقتدی نے اللہ اکبر کہا مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ امام اللہ اکبر کہہ چکا ہے یا نہیں، اب اگر اس کی غالب رائے یہ ہے کہ میں نے اپنے امام سے پہلے اللہ اکبر کہا ہے تب یہ اقتدا درست نہیں ہوگی اور اگر یہ غالب رائے نہیں ہے تو اقتدا جائز ہوگی، یعنی گمان غالب یہ ہے کہ اس نے اللہ اکبر امام کے ساتھ کہا ہے یا امام کے بعد یا کچھ گمان ہی نہیں ہے نہ پیچھے کا نہ پہلے کا تو اقتدا درست ہوگی،

تکبیر تحریمہ اور اسکی ادائیگی کا طریقہ

اور اگر نمازی نے اللہ اکبر کہہ کر اس سے تعجب کا ارادہ کیا، یا موذن کے جواب دینے کا تو اس صورت میں وہ نماز کا شروع کرنے والا نہیں ہوگا، اور "اکبر" کی راء کو جزم دے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، الاذان جزم والا قامۃ جزم والتکبیر جزم کہ اذان،

اقامت اور اللہ اکبر کہنا جزم ہے یعنی ان کے آخر حرف پر کوئی حرکت نہیں ہے، یہ حدیث ابراہیم نخعیؒ سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے یہ حدیث باب الاذان میں گزر چکی اور یہ یاد رکھا جائے کہ نماز شروع کرنے والا اس وقت ہوتا ہے جب اللہ اکبر کہنے کے وقت نیت پائی جائے صرف اللہ اکبر کہنے یا صرف نیت کرنے سے نماز کا شروع کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ دونوں کے جمع کرنے سے ہوتا ہے کہ اللہ اکبر بھی کہے اور نیت بھی کرے،

گونگا اور امی تکبیر تحریمہ کیسے کہے

اور جو شخص بولنے سے عاجز ہو جیسے گونگا اور امی اس کو اللہ اکبر کہنے کیلئے اپنی زبان کا ہلانا ضروری نہیں ہے اسی طرح ایسے شخص کو قراءت کے سلسلے میں بھی زبان کا ہلانا ضروری نہیں ہے صحیح یہی ہے اسلئے کہ واجب کو ادا کرنے سے معذور ہے، لہذا اس پر یہ ضروری نہیں ہے کہ واجب کے علاوہ کو ادا کردے جب تک اس کی کوئی دلیل نہ پائی جائے، لہذا صرف نیت کر لینا کافی ہوگا (یعنی اللہ اکبر کہنا بھی واجب ہے، اور قراءت بھی، اور گونگے اور امی ہونے کی وجہ سے اسکو ادا کرنے سے وہ مجبور ہے لہذا اس پر بغیر کسی دلیل کے زبان کے ہلانے کو واجب قرار دینا درست نہیں ہوگا بلکہ صرف نیت اس کی طرف سے کافی ہوگی) لیکن اس عاجز کے لئے یہ مناسب ہے کہ قیام کو شرط قرار دیا جائے اور یہ کہ نماز سے پہلے نہ ہو، (بلکہ متصل ہو) کیونکہ اس صورت میں نیت قائم مقام تحریمہ کے ہے مگر میں نے اس مسئلہ کو دیکھا نہیں ہے، پھر الاشباہ والنظائر کے قاعدہ التابع تابع کے تحت درج ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ عاجز پر زبان کا ہلانا لازم ہے، اللہ اکبر کہنے میں اور لبیک کہنے میں قراءت میں زبان ہلانا لازم نہیں ہے،

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کا اٹھانا

اور اللہ اکبر کہنے سے پہلے نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ اس کے دونوں انگوٹھوں سے اس کے کانوں کی لو چھو جائے، اور بعضوں نے کہا کہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کو اٹھائے (اس میں تین قول ہیں کہ ہاتھوں کو کب اٹھائے [1] اللہ اکبر کہنے سے پہلے یا اللہ اکبر[2] کہنے کے بعد یا ساتھ[3] ساتھ، یہ تینوں قول ہیں اور یہ تینوں حدیث میں آئے ہیں) محاذات کی مراد یہی ہے کہ ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، اور اس کا تیقن اس طرح پیدا ہوگا جس طرح بیان کیا گیا (یعنی حدیث میں الفاظ یہ ہیں "خدواذنیہ" اپنے دونوں کانوں کے محاذات میں، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کو چھوئیں، شانوں تک اٹھانے میں کانوں کی برابری ثابت نہیں ہوگی اور جن حدیثوں میں شانوں تک اٹھانا آیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کلائیاں شانوں کے برابر ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے، ابن الہمام نے یہی تطبیق بیان کی ہے کذافی الشامی)

اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی طرف متوجہ کرے اور ضعیف قول یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا رخ دونوں رخساروں کی طرف رکھے، اور لونڈی بھی ہاتھ کو اسی طرح اٹھائے گی، اس لئے کہ وہ اس مسئلہ میں مرد کی طرح ہے اور دوسرے مسائل نماز میں آزاد عورت کی طرح، اور آزاد عورت اپنے ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ میں اس طرح اٹھائے گی کہ اس کی انگلیوں کا سرا اس کے شانوں کے برابر ہو اور ایک قول یہ ہے کہ مرد کی طرح ہاتھ اٹھائیگی مگر پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔

وصح شروعه ایضا مع کراهة التحریم بتسبیح وتهلیل وتحمید وسائر کلم التعظیم الخالصة له تعالی ولو مشترکة کرحیم وکریم فی الاصح وخصه الثانی باکبر وکبیر منکرا ومعرفا زاد فی الخلاصة والکبار مخففا ومثقلاً کما صح لو شرع بغیر عربیة ای لسان

كان وخصه البردعي بالفارسية لمزيتها بحديث لسان اهل الجنة العربية والفارسية الدرية بتشديد الراء قهستاني وشرطا عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوة اما ما ذكره بقوله او امن اولبى او سلم او سمى عند ذبح او شهد عند حاكم او رد سلاما ولم ارلو شمت عاطسا او قرأ بها عاجزا فجائز اجماعا قيد القراء ة بالعجز لا ن الاصح رجوعه الى قولهما وعليه الفتوى قلت وجعل العينى الشروع كالقراء ة لا سلف له فيه ولا سند له يقويه بل جعله فى التاتارخانية كالتلبية يجوز اتفاقا فظاهره كالمتن رجوعهما اليه لا هو اليهما فاحفظه فقد اشتبه على كثير من القاصرين حتى الشرنبلالي فى كل كتبه فتنبه لا يصح ان اذن بها على الاصح وان علم انه اذان ذكره الحدادى واعتبر الزيلعي التعارف

تکبیر تحریمہ میں سبحان اللہ وغیرہ کہنا

اور نمازی کا نماز کو سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ الحمد للہ، اور ان کلمات سے بھی شروع کرنا درست ہے جو خالص اللہ کی تعظیم کیلئے ہیں گو وہ مشترک ہوں جیسے رحیم، کریم مگر یہ شروع کرنا کراہت تحریمی کے ساتھ ہو گا، اور امام ابو یوسفؒ نے شروع کرنے کے لئے دو لفظ کو مخصوص کیا ہے ایک اللہ اکبر کو، اور دوسرے اللہ کبیر کو، خواہ اکبر اور کبیر پر الف لام داخل کر کے کہے یا بغیر الف لام داخل کئے ہوئے اور خلاصہ نامی کتاب میں لفظ ''کبار'' کو شامل کیا ہے، کہ اس کو بھی الف لام داخل کر کے کہے یا بغیر الف لام داخل کئے (گویا امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اللہ الاکبر، اللہ اکبر اللہ کبیر، اللہ الکبیر، درست ہے، اللہ کبار ان سے ہی نماز شروع ہو سکتی ہے، دوسرے الفاظ سے شروع کرنا صحیح نہیں ہو گا) اکبر، کبیر اور کبار سے شروع ایسا ہی صحیح ہے جیسے کہ نماز غیر عربی لفظ سے شروع کرنا صحیح ہے خواہ وہ کسی بھی زبان کا لفظ ہو (شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی اس بڑائی کو ادا کرتا ہو)

دوسری زبان تکبیر تحریمہ

اور احمد بن حسن البروعی نے اس دوسری زبانوں کو زبان فارسی کے ساتھ مخصوص کیا ہے اس لئے کہ فارسی زبان کو ایک خصوصیت حاصل ہے حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے اور دوسری فارسی، اور صاحبین دوسری زبان کے ساتھ افتتاح کو اس وقت درست کہتے ہیں جب نمازی عربی زبان میں ادا کرنے سے عاجز و مجبور ہو، اور یہی اختلاف صاحبین اور امام اعظمؒ میں خطبہ اور نماز کے دوسرے اذکار کے اندر بھی ہے یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسری زبان میں خطبہ ثنا اور دوسری دعائیں جائز ہیں اور صاحبین یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت درست ہو گا جب وہ عربی زبان میں ادا کرنے سے عاجز ہو ورنہ نہیں،

وقت مجبوری دوسری زبان میں بعض چیزوں کی ادائیگی کا حکم

اور مصنف نے ان امور کا بھی کیا ہے جو نماز میں داخل نہیں ہیں چنانچہ فرمایا کہ یا ایمان لایا یا لبیک کہا، یا سلام کیا، یا جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھی، یا کسی حاکم کے سامنے گواہی دی، یا سلام کا جواب دیا، اور یہ سب اگر عربی سے عاجز ہوتے وقت دوسری زبان میں ادا کیا تو امام اعظمؒ اور صاحبین دونوں کے نزدیک باتفاق درست ہو گا اور اگر قدرت کے باوجود ایسا کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہو گا اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہو گا،

غیر زبان میں قراءت

شارح نے کہا کہ اگر چھینک کا جواب غیر زبان میں دیا تو یہ جزئیہ میں نے صراحتاً نہیں دیکھا کہ کیا حکم ہے مگر شامی نے لکھا ہے کہ سلام کے جواب اور چھینک کے جواب میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا ہے، یا مجبوری کے وقت عربی کے سوا دوسری زبان میں قراءت کی تو بالاتفاق جائز ہے (آگے صراحت کی ہے کہ) مصنف نے قراءت میں عربی سے عاجز ہونے کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا ہے اور اسی پر فتوی ہے، یعنی بوقت مجبوری ایسا کرنا جائز ہوتا ہے ورنہ نہیں

اور عینی نے شروع نماز کی تکبیر کو قراءت کی مانند قرار دیا ہے یعنی یہ تکبیر غیر زبان میں اس وقت صحیح ہوئی جب عربی سے عاجز ہو) اس باب میں عینی سے پیشتر کسی نے ایسا نہیں کہا ہے اور نہ عینی کے اس قول کی کوئی سند ہے جس سے اس کے دعوی کو قوت پہونچتی ہو، بلکہ فتوی تتارخانیہ میں شروع کی تکبیر کو تلبیہ کے مانند قرار دیا ہے کہ غیر زبان میں بالاتفاق جائز ہے پس تتارخانیہ کا ظاہر تنویر الابصار کے متن کی طرح ہے کہ صاحبین نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے، یہ نہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے صاحبینؒ کی طرف رجوع کیا ہے لہذا اسے یاد رکھ، اس لئے بہت سے کوتاہی کرنے والوں پر یہ مسئلہ مشتبہ ہوگیا، حتی کہ شرنبلالی بھی اس کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ مشتبہ رہا ہے لہذا خبردار رہنا چاہئے

تشریح صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے تمام ذکر اور تکبیر تحریمہ دوسری زبان میں اس وقت درست ہے جب نمازی عربی زبان میں ان کے ادا کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو:

اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قراءت میں تو جواز کیلئے یہ شرط ہے کہ عربی پر قدرت نہ ہو، باقی نماز کے دوسرے اذکار اور تکبیر تحریمہ کیلئے یہ شرط نہیں ہے بلکہ عربی پر قدرت کے باوجود یہ سب غیر زبان میں جائز ہیں، ماحصل یہ ہے امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع صرف قراءت کے مسئلہ میں کیا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور خالص عربی میں نازل ہوا ہے باقی تکبیر تحریمہ وغیرہ تو اس میں ذکر اور تعظیم مقصد ہے یہ ہر زبان میں حاصل ہو سکتا ہے عربی زبان کی خصوصیت نہیں ہے.

اگر کوئی غیر زبان میں اذان دے گا تو صحیح تر قول کے مطابق یہ اذان درست نہیں ہوگی، اگرچہ لوگ سنکر یہ جانتے ہوں کہ یہ اذان ہی ہے، اس کو حدادی نے ذکر کیا ہے اور زیلعی نے تعارف کا اعتبار کیا ہے یعنی فارسی میں دی جائے اور لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ اذان ہو رہی ہے تو درست ہوگی اور اگر لوگ اس کو اذان نہ سمجھتے ہوں تو درست نہیں ہوگی، کیونکہ اذان کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوا، یعنی لوگوں کو خبر نہیں ہو سکی،

فروع

فرأ بالفارسية او التوراة او الانجيل ان قصة تفسدو ان ذكر الا والحق به في البحر الشاذ لكن في النهر الاوجه انه لا يفسد ولا يجزئ كا لتهجي وتجوز كتابة اية او ايتين بالفارسية لا اكثر ويكره كتب تفسيره تحته بها ولو شرع بمشوب بحاجته كتعوذ وبسملة وحوقلة واللهم اغفرلي او ذكرها عند الذبح لم يجز بخلاف اللهم فقط فانه يجوز فيهما على الاصح كيا الله

فروع یعنی شارح کی طرف سے اضافہ شدہ مسائل

فارسی میں قراءت یا قرآن کی جگہ توریت وانجیل کی تلاوت

فارسی میں قراءت کی، یا قرآن کی جگہ انجیل یا توریت پڑھی، تو اگر وہ کوئی قصہ تھا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر کوئی ذکر تھا تو نماز فاسد نہیں ہوگی (ہدایہ میں ہے فارسی میں قراءت کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بشرطیکہ جس قدر قرآن سے نماز درست ہوتی اس قدر وہ عربی میں پڑھ چکا ہو، اور قاضی خاں میں ہے صاحبین کے یہاں اس صورت میں نماز فاسد ہوجائیگی اور صاحب فتح القدیر نے دونوں میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر فارسی میں قصہ یاامر ونہی کی جگہ قراءت کرے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر یہ ذکر اور تنزیہ کی جگہ پڑھے گا اور اسی پر اکتفا کرے گا تو بھی نماز فاسد ہوگی، اس وجہ سے کہ اس صورت میں نماز قراءت سے خالی رہ گئی، اور اگر قرآن کی کچھ آیتیں یا ایک بڑی آیت ملائے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کذافی الشامی)

اور اسی مسئلہ کے ساتھ بحر الرائق نے شاذ ملادیا ہے یعنی شاذ کا حکم بھی اسی تفصیل کے ساتھ ہے جو فارسی قراءت کے سلسلے میں مذکور ہوا، لیکن نہر الفائق میں یہ ہے کہ توجہ تر یہ بات ہے کہ روایت شاذ نماز کو فاسد نہیں کرتی اور نہ قراءت واجب کی جگہ کفایت کرتی ہے، جیسے قرآن کا ہجے کر کے پڑھنا، مثلاً کوئی اس طرح پڑھے ال ح م دل ل آہ، کہ یہ نماز کے لئے مفسد ہے اور اس سے مقدار واجب ادا نہیں ہوتا،

تشریح قرآن پاک کی مشہور روایات سات ہیں اور قراءت کے امام دس ہیں، تو اس طرح متواتر روایتیں دس تک ہوسکتی ہیں لہذا جو روایت ان دسوں روایتوں میں سے کسی روایت میں نہیں ہوگی وہ شاذ ہوگی، فاسد نہ ہونے کی وجہ نہر الفائق میں یہ لکھی ہے روایت شاذ کے باب میں شک ہے کہ قرآن ہے یا نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ صرف شک کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوا کرتی ہے، بخلاف فارسی عبارت کے کہ وہ کسی صورت میں قرآن نہیں ہے کیونکہ عرف عام میں قرآن عربی زبان ہی کا نام ہے۔

آیات کا فارسی میں لکھنا

ایک یا دو آیتوں کا فارسی میں لکھنا درست ہے زیادہ کا لکھنا درست نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک یا دو آیت حکماً قلیل ہے اور قلیل معاف ہے کثیر معاف نہیں البتہ کوئی ضرورت ہی ہو تو زیادہ لکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قرآن کی تفسیر غیر زبان میں

قرآن کی تفسیر کا قرآن کے نیچے فارسی میں لکھنا مکروہ ہے (طحطاوی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ شریعت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کو غیر قرآن سے خالی رکھا جائے، اور فتح القدیر میں کافی سے نقل کیا ہے کہ قرآن کا لکھنا اور اس کے نیچے تفسیر اور ترجمہ کا لکھنا جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے، چنانچہ ہندوستان میں طریقہ یہ ہے کہ قرآن عربی خط میں اعراب کے ساتھ لکھتے ہیں اور اسکے نیچے ایک لکیر دے کر فارسی یا اردو میں ترجمہ لکھتے ہیں اور حاشیہ پر تفسیر لکھتے ہیں اور یہ عرف عام ہوگیا ہے، اس لئے اس میں کوئی کراہت تنزیہی باقی نہیں رہی، (ترجمہ اور قرآن میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے)

نماز کی ابتدا ضرورت کے ساتھ مخلوط الفاظ سے

اگر کسی نے نماز ایسے لفظوں کے ساتھ شروع کی، جو نمازی کی ضرورتوں کے ساتھ مخلوط ہے تو یہ شروع درست نہیں ہوگا جیسے شروع کرنا، اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کے ساتھ، یا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے ساتھ شروع کرنا، یا اللھم اغفرلی کے ساتھ، یا کوئی جانور ذبح کرے اللھم اغفرلی کے ساتھ تو یہ درست نہیں ہے۔البتہ اگر صرف اللھم کے ساتھ نماز شروع کرے گا اور اللھم کہہ کر جانور ذبح کرنے تو یہ درست ہوگا جیسے یا اللہ کے ساتھ شروع کرنا اور ذبح کرنا درست ہے، صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے،

ووضع الرجل یمینه علی یساره تحت سرته اخذاً رسغها بخنصره وابهامه هو المختار وتضع المرأة والخنثی الکف علی الکف تحت ثدیها کما فرغ من التکبیر بلا ارسال فی الاصح وهو سنة قیام ظاهره ان القاعد لا یضع ولم اره ثم رایت فی مجمع الانهر المراد من القیام ما هو الاعم لان القاعد یفعل کذلك له قرار فیه ذکر مسنون فیضع حالة الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازة لا یسن فی قیام متخلل بین رکوع و سجود لعدم القرار و لا بین تکبیرات العید لعدم الذکر ما لم یطل القیام فیضع سراجیه وقرأ کما کبر سبحانك اللهم تارکا وجل ثناؤك الا فی الجنازة مقتصراً علیه فلا یضم وجهت وجهی الا فی النافلة ولا تفسد بقوله وانا اول المسلمین فی الاصح الا اذا شرع الامام فی القراء ۃ سواء کان مسبوقا او مدرکاً وسواء کان امامه یجهر بالقرائة او لا فانه لا یاتی به لما فی النهر عن الصغری ادرك الامام فی القیام یثنی ما لم یبدأ بالقراء ۃ وقیل فی المخافتة یتنی ولو ادرکه راکعا او ساجداً ان اکبر رایه انه یدرکة اتی به وکما استفتح یعوذ بلفظ اعوذعلی المذهب سراً قید للاستفتاح ایضاً فهو کا لتنازع لقراء ۃ فلو تذکره بعد الفاتحة ترکه ولو قبل کما لها تعوذ وینبغی ان یستانفها ذکره الحلبی ولا یتعوذ التلمیذ اذا قرأ علی استاذه ذخیرۃ ای لا یسن فلیحفظ فیاتی به المسبوق عند قیامه لقضاء ما فاته لقرائته الا المقتدی بعدمها ویوخر الامام التعوذ عن تکبیرات العید لقراء ته بعدها وکما تعوذ سمی غیر المؤتم بلفظ البسملة لا مطلق الذکر کما فی ذبیحة ووضوء سراً فی اول کل رکعة ولو جهریة لا تسن بین الفاتحة والسورۃ مطلقا ولو سریة ولا تکره اتفاقا و ما صححه الزاهدی من وجوبها ضعفه فی البحر وهی اية واحدة من القرآن کله انزلت للفصل بین السور فما فی النمل بعض اية اجماعا ولیست من الفاتحة ولا من کل سورۃ فی الاصح فتحرم علی الجنب ولم

تجز الصلوٰة بها احتياطاً ولم يكفر جاحدها لشبهة اختلاف مالكؒ فيها وكما سمى قرأ المصلى لو اماما او منفرداً الفاتحة وقرأ بعدها وجوباً سورة او ثلث ايات ولو كانت الآية او الايتان تعدل ثلث ايات قصار نتفت كراهة التحريم ذكره الحلبى ولا تنتفى التنزيهية الا بالمسنون وامن بمد وقصر وامالة ولا تفسد بمدّمع تشديد وحذف ياء بل يقصر مع احدهما او بمد معها وهذا مما تفردت بتحريره الامام سرا كما موم و منفرد ولو فى السرية اذا سمعه ولو من مثله فى نحو جمعة وعيد واما حديث اذا من الامام فامنوا فمن التعليق بمعلوم الوجود فلا يتوقف على سماعه منه بل يحصل بتمام الفاتحة بدليل اذا قال الامام ولا الضالين فقولوا امين

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا باندھنا

اور تکبیر تحریمہ کے بعد اللہ اکبر سے فارغ ہوتے ہی ہاتھ کو لٹکائے بغیر مرد اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھے اس طرح کہ اپنے دائیں ہاتھ کی چھنگلیا اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑنے والا ہو یہی مختار قول ہے (اور بقیہ تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر پھیلا دے) اور عورت اور خنثی اپنی دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر کر کے دونوں پستان کے نیچے رکھے (یا یوں کہیں کہ سینہ پر رکھے جیسا کہ دوسرے مصنفین نے لکھا ہے) اور جونہی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے فوراً باندھ لے، صحیح تر قول یہی ہے،

تشریح خنثی اس کو کہتے ہیں جس میں مرد و عورت دونوں کی علامت ہو، لہذا اگر مرد والی علامتوں میں قوت ہوگی تو وہ مرد کے حکم میں ہوگا اور اگر عورت والی علامتوں میں قوت ہوگی تو عورت کا حکم عائد ہوگا اور اگر ان دونوں علامتوں میں سے کسی علامت کو قوت و غلبہ نہ ہو تو وہ خنثی مشکل ہے،

امام محمدؒ سے نوادر میں ایک روایت یہ آئی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد دونوں ہاتھوں کو لٹکائے رکھے اور ثنا پڑھے اور ثنا پڑھنے کے بعد ہاتھ باندھے، فتوی قول اصح پر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد ہاتھ کو لٹکائے بغیر ہاتھ باندھ لے پھر ثنا پڑھے فقط۔

ہاتھوں کا باندھنا کس کی سنت ہے

ہاتھوں کا باندھنا قیام کی سنت ہے، یعنی شیخین کے نزدیک ہاتھوں کا باندھنا کھڑے ہونے کی سنت ہے (باقی امام محمدؒ کہتے ہیں کہ یہ باندھنا قراءت کی سنت ہے اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ ثنا میں ہاتھوں کا لٹکانا درست ہے البتہ قراءت شروع کرنے سے پہلے باندھ لے گا، اور قیام کی سنت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جو بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہے اس کے لئے ہاتھ باندھنا سنت نہ ہوگا، مگر مصنف کہتے ہیں میں نے یہ مسئلہ کہیں نہیں دیکھا، پھر میں نے مجمع الانہر نامی کتاب میں دیکھا کہ یہاں قیام سے مراد ہے خواہ حقیقی، خواہ حکمی، اس لئے کہ بیٹھنے والا بھی ایسا ہی ہاتھوں کو باندھتا ہے جیسا کہ کھڑے ہونے والا (اس سے معلوم ہوا قیام حقیقی اور حکمی دونوں کو شامل ہے لہذا اس میں بیٹھنا بھی داخل ہوگا، اس لئے کہ حکمی قیام میں نوافل میں بیٹھنا اور اسی طرح فرائض میں عذر کی وجہ سے بیٹھنا قائم مقام قیام کے ہی ہے ہاتھوں کا باندھنا اس قیام کی سنت ہے جس میں طول ہو اور کوئی ذکر شروع ہو، یعنی اس کے

پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو، خواہ وہ ذکر فرض ہو، واجب ہو، یا سنت ہو، (اس سے معلوم ہوا کہ ثنا پڑھتے وقت بھی ہاتھ باندھے اور دعائے قنوت پڑھنے کے وقت بھی، اور جنازہ کی تکبیروں میں بھی، کیونکہ سب قیاموں میں ذکر شروع پایا جاتا ہے) اس قیام میں ہاتھوں کا باندھنا مسنون نہیں ہے جو رکوع اور سجدوں کے درمیان ہوتا ہے اس وجہ سے کہ قیام طویل نہیں ہوتا (یعنی قومہ میں ذکر مسنون سمع اللہ لمن حمدہ یا ربنا لک الحمد ہے مگر قیام بہت مختصر ہوتا ہے لمبا نہیں ہوتا، اس لئے ہاتھوں کا یہاں باندھنا مسنون نہیں ہے)، اور عیدین کی تکبیرات زوائد میں بھی ہاتھوں کا باندھنا مسنون نہیں ہے، کیونکہ اس قیام میں کوئی ذکر شروع نہیں ہے البتہ اگر قیام کو طول دے گا تو ہاتھوں کو باندھ لے گا کما فی السراج (طحطاوی نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ التسبیح کا قومہ چونکہ لمبا ہوتا ہے اس لئے اس میں ہاتھ باندھنا اس قاعدہ سے مسنون ہوگا، اس لئے کہ اس میں ذکر بھی ہے اور قیام بھی لمبا ہے)

ہاتھوں کو باندھنے کے بعد ثنا اور تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو جب باندھ لے تو ثنا پڑھے یعنی سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا اله غيرك) اس میں وجل ثناءک کا جملہ چھوڑ دے کہ یہ جملہ صرف نماز جنازہ میں پڑھایا جاتا ہے اسی ثناء پر اکتفا کرے اور اس میں وجہت وجہی الخ نہ ملائے البتہ نوافل میں اس کی ملانیکی اجازت ہے اور نمازی کے انا اول المسلمین کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، صحیح تر قول اس باب میں یہی ہے، منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر کوئی ثنا میں جل ثناءک "پڑھالیگا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوگی، اور انی وجهت وجهي للذي فطر السمٰوٰت الخ پوری آیت ثنا کے ساتھ نفل نماز میں ملالے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں اور متاخرین فقہاء نے کہا ہے کہ انی وجہت پوری آیت تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھے) تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد ثنا پڑھے گا مگر جب امام نے قراءت شروع کردی ہو تو مقتدی اس وقت تکبیر تحریمہ کے بعد ثنا نہیں پڑھے گا خواہ یہ مقتدی مسبوق ہو کہ کچھ رکعت ہو جانے کے بعد ملا ہو یا مدرک ہو یعنی شروع سے امام کے ساتھ شریک رہا ہو، اور برابر ہے کہ اس کا امام جہر کے ساتھ قراءت کررہا ہو یا جہر کے ساتھ نہ پڑھتا ہو، اس لئے کہ نہر الفائق میں صغری سے منقول ہے کہ جب مقتدی نے امام کو قیام کی حالت میں پایا تو وہ اس وقت ثنا پڑھے گا جب تک امام نے قراءت نہ شروع کی ہو، اور بعضوں نے کہا ہے کہ امام کے قراءت آہستہ پڑھنے کی صورت میں مقتدی ثنا پڑھے گا، اور اگر امام کو رکوع یا سجدہ کی حالت میں پائے اور مقتدی کو گمان غالب ہو کہ ثنا پڑھنے کے بعد امام کو اس حالت میں پالے گا تو وہ ثنا پڑھیگا (طحطاوی نے شرنبلالی سے نقل کیا ہے کہ اگر امام کو رکوع میں پائے تو مقتدی کو چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کے رکوع کرے اور ثنا چھوڑ دے اور اگر سجدے کی حالت میں پائے تو تحریمہ کے بعد ثنا پڑھے پھر سجدے میں شریک ہو اور یہی حال قعدہ کا بھی ہے)

ثنا کے بعد تعوذ اور جب ثنا پڑھ چکے تو اس کے بعد فوراً شیطان سے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ کر پناہ مانگے مگر اعوذ باللہ آہستہ پڑھے اور ثنا بھی آہستہ ہی پڑھے گا سر اکا لفظ تعوذ اور ثنا دونوں کو شامل ہے یہ تعوذ قراءت کے لئے پڑھے گا لہٰذا اگر کسی نے اعوذ باللہ نہیں پڑھا اور الحمد پڑھنے کے بعد یاد آیا کہ اس نے اعوذ باللہ نہیں پڑھا ہے تو وہ اس کو ترک کردے گا اور اگر الحمد پورا پڑھنے سے پہلے یاد آیا ہے تو اعوذ باللہ پڑھ لے گا، مگر اس کے بعد مناسب یہ ہے کہ الحمد للہ کو اب دوبارہ از سرنو پڑھے، حلبی نے اس کو ایسا ہی لکھا ہے (شامی نے لکھا ہے کہ یہ اصلی مسئلہ خلاصہ میں مذکور ہے حلبی نے اسے بے موقع سمجھا ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قراءت جو فرض ہے اس کو چھوڑ کر درمیان میں اعوذ باللہ پڑھے گا جس

کا پڑھنا سنت نہ ہے، اس لئے صحیح تحقیق وہی ہے جیسے فقیہ ابو جعفر نے نوادر مین بیان کیا ہے کہ اگر تکبیر کے بعد قراءت شروع کر دیا اور ثنا اور اعوذ کا پڑھنا بھول گیا تو اب ان دونوں کو ترک کر دے اس لئے ان کے پڑھنے کا موقع جاتا رہا۔

شاگرد کا اعوذ پڑھنا

شاگرد کا استاذ کے پاس سبق پڑھتے ہوئے اعوذ باللہ کا پڑھنا مسنون نہیں ہے اس کو یاد رکھنا چاہئے (کیونکہ اعوذ باللہ قراءت قرآن کے لئے ہے لہٰذا کسی دوسری کتاب کے سبق پڑھتے وقت اس کا پڑھنا مسنون نہ ہوگا، ہاں قراءت کا سبق پڑھے تو اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہوگا،)

مسبوق تعوذ پڑھے گا یا نہیں

مسبوق یعنی جس کی کوئی رکعت چھوٹ گئی ہے، وہ جب اپنی نماز پورے کرنے امام کے سلام کے بعد کھڑا ہوگا تو وہ اعوذ باللہ پڑھے گا اس لئے اس کو بقیہ رکعتوں میں قراءت کرنی ہے، مقتدی امام کے ساتھ نماز شروع کرے گا یا پڑھے گا تو وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا اس لئے کہ اس کو قراءت نہیں کرنی ہے،

عیدین میں تعوذ کب پڑھے

اور عیدین کی نماز میں امام اعوذ باللہ تکبیرات زوائد کے بعد پڑھے گا، اس لئے کہ قراءت تکبیرات زوائد کے بعد پڑھی جاتی ہے (طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قراءت کا تابع ہے اور یہی مذہب صحیح ہے مگر امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعوذ ثنا کا تابع ہے لہذا ان کے نزدیک اعوذ ثنا کے بعد پڑھنا چاہئے، گویا عیدین میں ان کے نزدیک تکبیرات زوائد کے پہلے پڑھے گا، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا، قاضی خاں، ہدایہ اور دوسری کتابوں میں طرفین کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور شرح منیہ میں صراحت ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں کذا فی الشامی)

اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ

اعوذ باللہ پڑھنے کا معاً بعد امام اور منفرد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے مطلق ذکر کافی نہیں ہے جس طرح جانور ذبح کرتے وقت اور وضو کرتے وقت مطلقاً اللہ کا نام لینا کافی ہوتا ہے، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی خصوصیت نہیں ہے، یہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں پڑھے گا اگرچہ رکعت جہری ہو، (جنہوں نے سری کی قید لگائی ہے وہ صحیح نہیں ہے)

الحمد اور سورہ کے درمیان بسم اللہ

الحمد للہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے گو نماز سری ہو، خواہ یہ پہلی رکعت میں ہو یا کئی اور رکعت میں اور نہ یہ پڑھنا مکروہ ہی ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے (شامی نے لکھا ہے کہ مکروہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعضوں کے نزدیک بسم ہر سورت کا ایک جزء ہے، اور مجتبی میں صراحت ہے کہ سورت سے پہلے اس کا پڑھ لینا بہتر ہے) اور زاہدی نے الحمد للہ کے شروع میں بسم اللہ کے واجب ہونے کی جو تصحیح کی ہے اس کو بحر الرائق میں ضعیف کہا ہے،

بسم اللہ آیت قرآنی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پورے قرآن پاک کی ایک آیت ہے، یہ سورتوں کے درمیان فصل کے لئے نازل کی گئی ہے، لہٰذا جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ نحل میں ہے وہ بالاتفاق ایک آیت کا ٹکڑہ ہے، (جو آیت یہاں سے شروع ہوتی ہے انه من سليمان وانهبسم الله الرحمن الرحيم اور آتونی مسلمین پرختم ہوتی ہے) صحیح مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اور نہ وہ ہر سورت کا جزء

ہے (البتہ بعض مشائخ اور امام شافعی بسم اللہ کو سورہ فاتحہ اور ہر سورت کا جزء قرار دیتے ہیں، احناف اس کے قائل نہیں ہے)

حالت جنابت میں بسم اللہ پڑھنا

چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک کی ایک آیت ہے اس لئے جنبی کو جس پر غسل واجب ہوتا ہے حالت جنابت میں بسم اللہ پڑھنا حرام ہے، اور اسی طرح حائضہ اور نفاس والی عورت کو، اور صرف بسم اللہ پڑھنے سے احتیاطاً نماز جائز نہیں ہوتی ہے، (شامی نے لکھا ہے کہ احتیاطاً دونوں مسئلوں کی علت ہے، چونکہ بسم اللہ تمام سورتوں کے شروع میں برابر لکھی جارہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزء ہے چنانچہ احتیاط پر فتویٰ دیا گیا کہ جنبی حائضہ اور نفاس والی کے لئے اس کا پڑھنا حرام ہے اور چونکہ امام مالک اس کو قرآن نہیں کہتے ہیں، اس لئے اس کا قرآن ہونا مشکوک ٹھہرا لہٰذا احتیاط کا تقاضہ یہ ہوا کہ صرف اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہو، چونکہ قراءت فرض ہے اور مشکوک سے فرض ادا نہیں ہوتا ہے،)

بسم اللہ جز قرآن نہ ماننے والا

اور جو شخص بسم اللہ کو قرآن کا جزء نہیں مانے وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ امام مالک کے انکار سے اس کے قرآن ہونے میں شبہ پیدا ہوگیا، لہٰذا اس کے منکر پر کفر پر فتویٰ عائد نہیں ہوگا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے فوراً بعد امام اور منفرد سورہ فاتحہ پڑھے (مقتدی کے لئے یہ حکم نہیں ہے،) اور سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورہ پڑھے جس کا پڑھنا واجب قرار دیا گیا ہے، یا کوئی تین آیتیں، اور اگر کوئی ایک آیت یا دو آیت تین آیتوں کے برابر ہو اور اس کو پڑھے تو کراہت تحریمی زائل ہو جائیگی اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے البتہ کراہت تنزیہی زائل نہیں ہوتی، مگر اس وقت جب مسنون قراءت پڑھی جائے (سورۃ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ فرض نمازوں میں الحمد کے بعد صرف ایک سورہ کا پڑھنا افضل ہے لیکن اگر کوئی ایک سے زیادہ دو یا تین سورتیں پڑھے گا تو یہ بھی مکروہ نہیں ہوگا، اور قراءت مسنون کی تفصیل یہ ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل پڑھے اور عصر و عشا میں اوساط مفصل، اور مغرب میں قصار مفصل تفصیل آگے آرہی ہے)

آمین کہنا

اور آمین کہے مد کے ساتھ یا قصر اور امالہ کے ساتھ (آمین مد کے ساتھ یاسین کے وزن پر ہوگا، اور قصر کے ساتھ آمین بروزن قرین ہوگا اور امالہ کے ساتھ ایمین بروزن بے کین آئے گا گویا آمین آمین ایمین تینوں طرح کہنا جائز ہے)

آمین کی آٹھ صورتیں اور ان کا حکم

نماز فاسد نہیں ہوتی اگر کوئی آمین میں میم کو تشدید کیساتھ کہے یا آمین یاء کو حذف کر کے کہے، البتہ نماز اسوقت فاسد ہوگی جب آمین قصر کے ساتھ کہے اور اس میں میم کو مشدد پڑھے یا یاء کو حذف کر کے کہے یا مد کے ساتھ آمین کہے اس طرح کہے کہ میم و تشدید بھی دے اور یاء کو حذف بھی کر دے، یعنی آمّن یہ وہ تنقیح ہے جسے بیان کرنے میں تنہا ہوں کسی اور نے نہیں بیان کی (تین صورتیں اوپر بیان ہوئیں کہ امین قصر یا مد یا امالہ کے ساتھ کہے تو یہ تینوں صورتیں جائز ہیں اور دو بعد میں بیان کیں کہ ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو اس طرح پانچ صورتیں وہ ہیں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور تین سے ــــــ نماز فاسد ہو جاتی ہے اس طرح کل آٹھ صورتیں ہوئیں پانچ سے نماز نہیں فاسد ہوتی اور تین سے فاسد ہو جاتی ہے، جواز کی صورتیں یہ ہیں آمین، آمین، ایمین، آمّین، امن، اور فساد والی صورت یہ ہے امّین، آمّن، اور آمّن،)

آمین کا سراً کہنا

امام آہستہ آمین کہے جس طرح مقتدی اور منفرد آہستہ آمین کہتا ہے اگرچہ مقتدی سری نماز میں ہو، بشرطیکہ مقتدی امام کا آمین کہنا سنے، اگرچہ وہ اپنے جیسے مقتدی سے سنے یا بواسطہ سنے جیسے عیدین اور جمعہ میں (امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آمین صرف مقتدی کہے گا امام نہیں کہے گا، اور امام شافعیؒ کہتے ہیں امام و مقتدی دونوں آمین بلند آواز سے کہیں، اس وجہ سے سب آمین آہستہ کہیں اور بعضوں نے کہا کہ مقتدی سری نمازوں میں آمین نہیں کہے گا اگرچہ وہ امام وہ آمین کو سنے کذا فی الشامی)

اور یہ جو صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ جب امام آمین کہے تم سب بھی آمین کہو اس لئے کہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کی موافقت کرے گا اس کے بہت سے گناہ بخش دیے جائیں گے، تو اس میں آمین کہنا شرط معلوم الوجود پر معلق ہے اس لئے امام سے سننے پر موقوف نہیں رہے گا، بلکہ فاتحہ کے پورا ہونے پر حاصل ہوگا اسی حدیث کی دلیل سے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو (یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ امام سے آمین کہنا سنکر ہی آمین کہے بلکہ شریعت نے اس کی جگہ متعین کر دی ہے کہ سورہ فاتحہ کے ختم پر آمین کہو، اس وقت کہنا چاہئے خواہ امام سے آمین کہنا سنے یا نہیں سنے)

ثم کمافرغ یکبر مع لانحطاط للرکوع ولا یکره وصل القراء ة بتکبیره ولو بقی حرف او کلمة فاتمه حال الانحناء لا باس به عند البعض منیة المصلی ویضع یدیه معتمدا بهما علی رکبتیه ویفرج اصابعه للتمکن ویسن ان یلصق کعبیه وینصب ساقیه ویبسط ظهره ویسوی ظهره بعجزه غیر رافع ولا منکس راسه ویسبح فیه واقله ثلثا فلو ترکه او نقصه کره تنزیها وکره تحریما الحالة رکوع او قراء ة لا دراك الجائی ای ان عرفه والا فلا باس به ولو اراد التقرب الی الله لم یکره اتفاقا لکنه نادر وتسمی مسئلة الریاء فینبغی التحرز عنها واعلم انه مما یبتنی علی لزوم المتابعة فی الارکان انه لو رفع الامام راسه من الرکوع او السجود قبل ان یتم الماموم التسبیحات الثلث وجب متابعة وکذا عکسه فیعود ولا یصیر ذلك رکوعین بخلاف سلامه او قیامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد فانه لا یتابعه بل یتمه لوجوبه ولو لم یتم جاز ولو سلم والمؤتم فی ادعیة التشهد تابعه لانها سنة والناس عنه غافلون ثم یرفع راسه من رکوعه مسمعا فی الوالولجیة لو ابدل النون لا ما تفسد وهل یقف بجزم او تحریك قولان ویکتفی به الامام وقالا یضم التحمید سرا ویکتفی بالتحمید المؤتم وافضله اللهم ربنا ولك الحمد ثم حذف الواو ثم حذف اللهم فقط ویجمع بینهما لو منفرداً علی المعتمد یستمع رافعاً ویحمد مستویا و یقوم مستویا لما مر من انه سنة او واجب او فرض ثم یکبر مع الحزور ویسجد واضعاً رکبتیه او لا لقربها من الارض ثم یدیه الا لعذر ثم وجهه مقدما انفه لما مر بین کفیه اعتبارا الآخر الرکعة باولها ضا ما اصابع یدیه

لتوجه للقبلة ويعكس نهوضه وسجد بانفه اى على ما صلب منه وجبهته حدها طولا من الصدغ الى الصدغ و عرضاً من اسفل الحاجبين الى القحف ووضع اكثرها واجب وقيل فرض كبعضها وان قل وكره اقتصاره فى السجود على احدهما ومنعا الاكتفاء بالانف بلا عذر واليه صح رجوعه وعليه الفتوى كما حررناه فى شرح الملتقى وفيه يفترض وضع اصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة والا لم تجز والناس عنه غافلون كما يكره تنزيها بكور عمامته الا لعذر وان صح عندنا بشرط كونه على جبهته كلها كما مر اما اذا كان الكور على راسه فقط وسجد عليه مقتصرا اى ولم تصب الارض جبهته ولا انفه على القول به لا يصح لعدم السجود على محله وبشرط طهارة المكان وان يجد حجم الارض والناس عنه غافلون ولو سجد على كمه او فاضل ثوبه صح لو كان المكان المبسوط عليه ذلك طاهرا والا لامالم يعد سجوده على طاهر فيصح اتفاقا وكذا حكم كل متصل ولو بعضه ككفه فى الاصح وفخذه لو بعذر لا ركبتيه لكن صحح الحلبى انها كفخذه و كره بسط ذلك اولم يكن ثمه تراب او حصاة او حراو برد لانه ترفع والا يكن ترفعا فاذا لم يخف اذى لا باس به فيكره تنزيها وان خافه كان مباحا وفى الزيلعى ان لدفع تراب عن رجهه كره وعن عمامته لاوصحح الحلبى عدم كراهة بسط الخرقة ولو بسط القيام جعل كتفه تحت قدميه وسجد على ذيله لانه اقرب للتواضع

طریقہ رکوع

پھر قراءت سے فارغ ہوتے ہی رکوع میں جانے کیلئے اللہ اکبر کہے اور اسکے کہنے کیساتھ رکوع کیلئے جھک جائے یعنی مسنون یہ ہے کہ اللہ اکبر اور کوع کیلئے جھکنا ساتھ ساتھ ہو، اور قراءت کے آخر حرف کا رکوع کے اللہ اکبر میں ملا دینا مکروہ نہیں ہے شامی نے لکھا ہے اگر اخیر آیت میں خدا کی بڑائی اور تعریف ہو تو اسکو رکوع کیلئے جو اللہ اکبر کہتے ہیں اسکے ساتھ ملا دے، تو بہتر ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو جدا کرنا بہتر ہے جیسے کوئی سورہ کوثر پڑھے تو اس کے اخیر کو نہ ملانا ہی بہتر ہے، اور اگر قراءت کا کوئی حرف یا کلمہ باقی رہا اور اس نے اسکو جھکنے کی حالت میں پورا کیا تو بعض کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کذا فی منیۃ المصلی (مگر شامی نے لکھا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے بہتر اور قابل اعتماد قول یہ ہے کہ قراءت کو پوری کرلے پھر رکوع میں جائے) اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر سہارا دیکر رکھے، اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کھولدے تاکہ گھٹنوں کو اچھی طرح پکڑ سکے، (طحطاوی میں ہے کہ ہاتھوں کا رکھنا اور ان سے گھٹنوں کا پکڑنا اور انگلیوں کا کھلا رکھنا مسنون ہے)

رکوع اور اس میں تسبیح

اور سنت یہ ہے کہ اپنے ٹخنوں کو ملائے اور دونوں پنڈلیوں کو سیدھا کھڑا رکھے اور پیٹھ کو پھیلادے اور اپنی پیٹھ کو اپنی کمر کے برابر رکھے، سر کو نہ تو کمر سے اوپر اٹھائے اور نہ نیچا رکھے (شامی میں ہے کہ پنڈلیوں کو کمان کی طرح کرنا جیسے اکثر عوام کرتے ہیں مکروہ ہے اور یہ سب سنتیں مردوں کے حق میں ہیں اور عورتیں رکوع میں تھوڑا سا جھکیں گی، اور انگلیوں کو نہیں پھیلائیں گی بلکہ ملی ہوئی رکھیں گی اور ہاتھوں کو گھٹنے پر رکھیں گی

اور اپنے گھٹنوں کو جھکالیں گی اور بازوؤں کو علیحدہ نہ کریں گی) اور رکوع میں رکوع کی تسبیح (سبحان ربی العظیم) کہے اور اس کی کم سے کم مقدار تین بار ہے اگر کوئی تسبیح کہنا چھوڑ دے یا تین مرتبہ سے کم کہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا (امام احمدؒ کے نزدیک ایک مرتبہ رکوع کی تسبیح رکوع میں کہنا واجب ہے اور حلبی کا رجحان بھی وجوب کی طرف ہے اسلئے رکوع میں تسبیح ضرور کہے تاکہ اختلاف سے بچا رہے)

آنے والے کی رعایت

اور اس غرض سے رکوع یا قراءت کا دراز کرنا مکروہ تحریمی ہے کہ آنے والا جماعت میں مل جائے، مگر یہ کراہت اس وقت ہے جب امام آنے والے کو پہنچان کر ایسا کرے، ورنہ کوئی مضائقہ نہیں ہے، (مگر طول ایسا نہ ہو کہ نمازیوں کے لئے بار ہو جائے اور "لاباس" کا لفظ بتاتا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ آنے والے کی رعایت میں قراءت یا رکوع کو لمبا نہ کرے)

اور اگر یہ طول دینا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے آنے والوں کے ملجانے کی نیت نہیں کی ہے تو مکروہ نہ ہوگا اس پر سب کا اتفاق ہے مگر محض تقرب الٰہی کے لئے ایسا کرنا کمیاب ہے اور اسی وجہ سے اس مسئلہ کا نام "مسئلہ ریا" رکھا گیا ہے لہٰذا اس سے بچنا ہی مناسب ہوگا۔

رکوع سجدے میں امام کی پیروی

یہ جان لیا جائے کہ ارکان کے اندر امام کی پیروی لازم ہونے پر یہ مسئلہ مبنی ہے، اور وہ یہ ہے کہ امام اگر اپنا سر رکوع یا سجدوں سے اٹھالے اور مقتدی نے ابھی رکوع یا سجدے کی تین تسبیحیں پوری نہیں کی ہیں تو بھی مقتدی پر اپنے امام کی پیروی واجب ہے یعنی جس قدر تسبیح رہ گئی ہوں اس کو چھوڑ دے اور امام کے ساتھ سر اٹھالے، اور اسکے عکس میں بھی یہی حکم ہے یعنی اگر مقتدی نے امام کی تسبیحیں پوری ہونے سے پہلے سر اٹھالیا تو اس میں بھی مقتدی پر واجب ہیکہ امام کی پیروی کرے اور وہ دوبارہ رکوع میں امام کے ساتھ جھک جائے اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ کراہت تحریمی کا مرتکب ہوگا اور مقتدی کیلئے یہ رکوع ایک ہی رکوع کے حکم میں ہوگا دو رکوع نہیں کہلائے گا کیونکہ پہلی مرتبہ غلط اٹھا تھا اور اب اس کی تکمیل کے لئے پھر رکوع میں گیا ہے،

سلام پھیرنے اور تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے میں پیروی

اس کے خلاف سلام پھیرنے اور تیسری رکعت کیلئے اٹھنے کا مسئلہ ہے کہ اگر امام مقتدی کی التحیات پوری ہونے سے پہلے سلام پھیر دے یا تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے، تو مقتدی امام کی پیروی نہیں کرے گا، بلکہ التحیات پوری کرے گا اسلئے کہ التحیات کا پڑھنا واجب ہے اور اگر مقتدی التحیات پوری نہ کرے اور امام کے ساتھ سلام پھیر دے یا تیسری رکعت کے لئے امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو یہ بھی جائز ہوگا، اس لئے کہ جیسے التحیات کا پڑھنا واجب ہے امام کی پیروی بھی واجب ہے لہٰذا ایک واجب کا ترک دوسرے واجب کے لئے ہو تو یہ بلا کراہت درست ہے کذا فی الطحطاوی، (حلبی میں ہے کہ اس دوسری صورت میں نماز تو درست ہو جائے گی مگر کراہت تحریمی کے ساتھ اس وجہ سے کہ اگر التحیات پورے کر کے مقتدی سلام پھیرے گا یا التحیات پوری کر کے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگا تو اس میں امام کی پیروی ختم نہ ہوگی بلکہ پیروی بہر حال ہوگی البتہ ذرا تاخیر سے ہوگی اور التحیات چھوڑ کر امام کے ساتھ سلام پھیر دینے یا تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں التحیات کا ایک حصہ باقی رہ جائے گا)

مقتدی التحیات کے بعد درود ودعامیں ہو اور امام سلام پھیر دے تو کیا کرے

اور اگر امام سلام پھیر دے اور مقتدی تشہد کے بعد کی دعائیں پڑھ رہا ہو تو اس صورت میں مقتدی ان دعاؤں کو چھوڑ دے اور امام کی پیروی میں اس کے ساتھ سلام پھیر دے، (کیونکہ یہ دعائیں مسنون ہیں واجب نہیں، لہٰذا پیروی جو واجب ہے اس کے لئے سنت چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے) اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں (یعنی دعا پڑھتے رہ جاتے ہیں اور امام کے ساتھ سلام نہیں پھیرتے اور سنت کی وجہ سے واجب میں تاخیر کرتے ہیں شامی میں صراحت ہے کہ اس التحیات کے بعد والی دعاؤں میں درود بھی داخل ہے)

رکوع سے اٹھنا

پھر رکوع پورا کر کے رکوع سے اپنا سر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے اٹھائے، یعنی سر اٹھانے کے ساتھ ہی سمع اللہ لمن حمدہ شروع کر دے، ولوالجیہ میں ہے کہ اگر لمن کے نون کو لام سے بدل دے گا، تو نماز فاسد ہو جائے گی یعنی لمن کی جگہ لمل کہے گا، اسلئے کہ یہ لفظ بے معنی ہے (شامی میں ہے کہ منیۃ المصلی نے لکھا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہو گی، حلبی نے لکھا ہے کہ اس کا حکم توتلے آدمی کی طرح ہے یعنی اگر صحیح کہنے پر قادر نہ ہو گا تو نماز فاسد نہیں ہو گی)

رکوع سے اٹھتے ہوئے کیا کہے

اب سوال یہ ہے کہ وقف کس طرح کرے گا جزم کے ساتھ یا یا حرکت کے ساتھ، جواب یہ ہے کہ اس باب میں دو قول ہیں (جو لوگ اس کو سکوت کے لئے کہتے ہیں وہ جزم پر وقف کرتے ہیں اور جو کو ضمیر کہتے ہیں وہ ضمہ اشباع کے ساتھ کہتے ہیں) امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر اکتفا کرے گا مگر صاحبین نے کہا ہے کہ اس کے ساتھ آہستہ سے ربنا لک الحمد بھی ملالے گا اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد پر اکتفا کرے، (طحطاوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو اور اس میں افضل کلمہ ہے اللهم ربنا لك الحمد پھر، اس کے بعد درجہ ہے ربنا لك الحمد کا اور اس کے بعد ربنا لك الحمد اور بقول شامی چوتھے درجے میں ربنا لك الحمد ہے،

اور منفرد (تنہا نماز پڑھنے ولا) سمع الله لمن حمده اور ربنا لك الحمد دونوں کہے گا قابل اعتماد قول یہی ہے، رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سمع الله لمن حمده کہے اور سیدھا کھڑا ہو کر ربنا لك الحمد کہے اور رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو، کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ یہ قیام سنت ہے یا واجب یا فرض (امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہے اور صاحب فتح القدیر ابن الہمام واجب لکھتے ہیں اور امام ابو یوسفؒ اسے فرض کہتے ہیں کذا فی الطحطاوی)

سجدہ کیسے کرے

رکوع سے اٹھ کر جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہے اور سجدہ میں جائے اس طرح کہ پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو زمین پر رکھے کیونکہ یہ دونوں حصہ زمین سے زیادہ قریب ہیں پھر دونوں ہاتھوں کو رکھے، ہاں عذر ہو تو الگ بات ہے، پھر اپنا چہرہ یعنی پیشانی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اس طرح رکھے کہ پہلے ناک کو ٹیکے اس دلیل کی بنیاد پر جو گذری کہ پیشانی رکھنے میں ناک زمین سے زیادہ قریب ہوتی ہے دونوں ہتھیلیوں کے درمیان پیشانی اس طرح رکھے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جائیں اس وجہ سے کہ جس طرح پہلی رکعت میں بوقت تحریمہ سر دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھا ویسا ہی رکعت کا اخیر بھی ہو جائے کہ سر دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رہے اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ملی ہوئی رکھے

تا کہ سب کی سب قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور سجدے سے اٹھتے ہوئے اس کے برعکس کرے یعنی سر اٹھانے میں پہلے پیشانی کو زمین سے الگ کرے پھر ناک کو، پھر ہاتھوں کو، پھر گھٹنوں کو اور سجدہ کرے ناک کے اس حصہ پر جو سخت ہے اور پیشانی پر، اور پیشانی کی حد لمبائی میں ایک کنپٹی سے لے کر دوسری کنپٹی تک ہے اور چوڑائی میں دونوں ابرووں کے نیچے سے کھوپڑی تک (اور بعضوں نے حد یہ لکھی ہے کہ بھوؤں کے اوپر سے سر کے بال جمنے تک اور یہ حد زیادہ واضح ہے اور سجدہ میں پیشانی کے اکثر حصہ کا رکھنا واجب ہے اور بعضوں نے کہا کہ فرض ہے جس طرح پیشانی کے بعض حصہ کا رکھنا فرض ہے اگرچہ کم سے کم ہو)

اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ میں پیشانی کے کتنے حصہ کا رکھنا فرض ہے اس میں راجح قول یہ ہے کہ پیشانی کے کچھ حصہ کا رکھنا فرض ہے اور پیشانی کے اکثر حصہ کا رکھنا واجب ہے ، اور معراج الدرایہ میں ہے کہ پیشانی کے تمام اطراف کا رکھنا بالاتفاق شرط نہیں ہے اگر بعض حصہ پر اکتفا کرے گا گو وہ قلیل ہو تو سجدہ جائز ہو جائے گا۔ کذا فی الشامی)

سجدہ ناک اور پیشانی دونوں پر ہو

سجدہ میں ناک اور پیشانی میں سے ایک پر اکتفا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور صاحبین نے بلا عذر صرف ناک پر اکتفا کرنے سے روکا ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کہ صرف ناک پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا نہیں ہوگا جیسا ہم نے شرح الملتقی میں اسے صراحت کے ساتھ لکھدیا ہے اور شرح الملتقی میں یہ بھی ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا زمین پر رکھنا فرض ہے خواہ ایک ہی انگلی کیوں نہ ہو، اور اس کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور اگر سجدہ کی حالت میں ایک انگلی بھی زمین پر نہ ہو تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور لوگ اس مسئلہ سے غافل ہیں (شامی میں صراحت ہے کہ اگر سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھ جائیں گے تو سجدہ درست نہیں ہوگا، اور اگر دونوں میں ایک اٹھ جائے اور ایک باقی رہے تو سجدہ جائز ہوگا اور اسی پر فتویٰ ہے اور قہستانی اور برجندی میں ہے کہ پاؤں کی انگلیوں کا حالت سجدہ میں قبلہ رخ رکھنا سنت ہے اور اس سنت کا ترک کرنا مکروہ ہے)

عمامہ کے پیچ پر سجدہ

بلا عذر اپنی پگڑی (عمامہ) کے پیچ پر سجدہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے، اگرچہ ہمارے نزدیک عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنا اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ وہ پیچ پیشانی پر ہو، کل پر ہو یا بعض پر، جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ پیشانی کے بعض حصہ کا سجدہ میں ہونا فرض ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر عمامہ کا پیچ پیشانی پر ڈھلک کر آگیا ہو اور اس پر سجدہ کرے تو مکروہ تنزیہی ہے، سر کے پیچ پر سجدہ درست نہیں ہے، چنانچہ آگے لکھتے ہیں کہ جس صورت میں عمامہ کا پیچ صرف سر پر ہو اور سجدہ میں صرف اسی پر اکتفا کرے یعنی اس کی پیشانی زمین تک نہ پہونچ سکے اور اسکی ناک زمین سے لگے تو سجدہ درست نہیں ہوگا اس وجہ سے کہ سجدہ اپنی جگہ پر نہ ہو سکا، اور پیچ پر سجدہ کے لئے یہ شرط ہے کہ جگہ پاک ہو اور پیچ سے زمین کی سختی معلوم ہو، اور عوام اس شرط سے غافل ہیں (مطلب یہ ہے کہ پیچ کو جتنا دبنا ہو دب جائے۔

آستین یا کپڑے کے بقیہ پر سجدہ کرنا

اور اگر اپنی آستین یا اپنے کپڑے کے بچے ہوئے حصہ پر سجدہ کرے گا تو یہ سجدہ صحیح ہوگا، بشرطیکہ وہ جگہ پاک ہو جس پر آستین یا بچا ہوا کپڑا پھیلا ہو، اگر وہ جگہ پاک نہیں ہوگی تو سجدہ درست نہیں ہوگا، جبتک وہ دوبارہ پاک جگہ پر سجدہ نہ کرے، پاک جگہ پر دوبارہ سجدہ کرنے کے بعد بالاتفاق وہ سجدہ درست ہو جائے گا طحطاوی نے یہاں لکھا ہے کہ شارح مفسدات نماز میں ذکر کریں گے کہ ناپاک جگہ پر سجدہ کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے گو وہ دوبارہ پاک جگہ پر سجدہ کرے۔ تو اس طرح ایک دوسرے کے مخالف ہوتا ہے باقی یہ کہنا کہ یہاں سجدہ کی جگہ میں درمیان میں کپڑا حائل ہونے کی وجہ سے آڑ ہے اور جہاں نماز کا فاسد ہونا

بیان کیا ہے وہاں درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہے تو یہ فرق کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہے)

جسم کے کسی حصہ پر سجدہ

اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو نمازی سے ملی ہوئی ہو، یعنی اس پر سجدہ صحیح ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے نیچے کی جگہ پاک ہو، اگر وہ ملی ہوئی چیز نمازی کے جسم کا جز ہو جیسے اس کی ہتھیلی، اور اس کی ران، کہ کسی عذر کی وجہ سے اگر ران پر سجدہ کرے گا تو سجدہ صحیح ہوگا، البتہ گھٹنوں پر سجدہ صحیح نہیں ہوگا لیکن حلبی نے تصحیح کی ہے کہ گھٹنا بھی اس کی ران کی طرح ہی ہے کہ جس طرح عذر کی وجہ سے ہتھیلی یا ران پر سجدہ درست ہے گھٹنوں پر بھی درست ہوگا اور بلاعذر ان میں سے کسی پر درست نہیں ہوگا،

سجدہ کے لئے نمازی کا اپنا کپڑا بچھانا

سجدہ کے لئے نمازی کا اپنے سے ملی ہوئی چیز کا بچھانا جیسے آستین وغیرہ کا مکروہ ہے مگر یہ کراہت اس وقت ہے جب وہاں مٹی یا کنکر یا گرمی اور سردی نہ ہو اس وجہ سے کہ اس وقت یہ کبر میں شمار ہوگا، (اور شامی نے لکھا ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے ایسا کرے گا تو مکروہ تحریمی ہوگا) اور اگر یہ بچھانا از راہ تکبر نہ ہو اور اس کو کسی اذیت کا خوف نہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور بچھانا مکروہ تنزیہی ہوگا اور اگر اذیت کا اندیشہ ہو تو آستین وغیرہ کا بچھانا مباح ہوگا،

اور زیلعی میں ہے کہ اگر پیشانی کو مٹی سے بچانے کے لئے بچھایا ہے تو مکروہ ہے اور اگر عمامہ کو بچانے کے لئے کیا ہے تو مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ پہلی صورت تکبر کی علامت ہے اور دوسری صورت میں مال کی حفاظت مقصود ہے

اور حلبی نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ کپڑا بچھانے میں کوئی کراہت نہیں ہے یعنی کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

اچکن پر نماز

اگر کوئی اچکن کو نماز پڑھنے کے لئے بچھائے تو یہ چاہئے کہ اچکن کے شانوں کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھے اور اچکن کے دامن پر سجدہ کرے، اس لئے کہ یہ تواضع سے زیادہ قریب ہے۔

وان سجد للزحام على ظهر هل هو قيد احترازى لم اره مصل صلوته التى هو فيها جاز للضرورة وان لم يصلها بل صلى غيرها او لم يصل اصلا او كان فرجة لا يصح وشرط فى الكفاية كون ركبتى الساجد على الارض وشرط فى المجتبى سجود المسجود عليه على الارض فالشروط خمسة لكن نقل القهستانى الجواز ولو الثانى على ظهر الثالث وعلى ظهر غير المصلى بل على ظهر كل ماكول بل على غير الظهر كالفخذين للعذر ولو كان موضع سجوده ارفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوبتين جاز سجوده وان اكثر لا الا لزحمة كما مر والمراد لبنة بخارى وهى ربع ذراع عرض ستة اصابع فمقدار ارتفاعهما نصف ذراع ثنتا عشرة اصبعا ذكره الحلبى ويظهر عضديه فى غير زحمة ويباعد بطنه عن فخذيه ليظهر كل عضو بنفسه بخلاف الصفوف فان المقصود اتحادهم حتى كانهم جسد واحد ويستقبل باطراف اصابع رجليه القبلة ويكره ان لم يفعل ذلك كما يكره لو وضع قدماء رفع اخرى بلا عذر ويسبح فيه ثلثا كما مر والمرأة تنخفض فلاتبدى عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لانه استرو حررنا فى الخزائن انها تخالف الرجل فى

خمسة وعشرين ثم يرفع راسه مكبرا ويكفي فيه مع الكراهة ادنى ما يطلق عليه اسم الرفع كما صححه فى المحيط لتعلق الركنية بالادنى كسائر الاركان بل لو سجد على لوح فنزع فسجد بلا رفع اصلا صح وصحح فى الهداية انه ان كان الى القعود اقرب صح والا فلا و رجحه فى النهر والشرنبلالية ثم السجدة الصلوتية تتم بالرفع عند محمدؒ وعليه الفتوى كا لتلاوية اتفاقا مجمع ويجلس بين السجدتين مطمئنا لما مر ويضع يديه على فخذيه كالتشهد منية المصلي وليس بينها ذكر مسنون وكذا ليس بعد رفعه من الركوع دعاء وكذا لا ياتي فى ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب وما رود محمول على النفل ويكبر ويسجد ثانية مطمئنا ويكبر للنهوض على صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا باس و يكره تقديم احدى رجليه عند النهوض والركعة الثانية كالاولى فيما مرغير انه لا ياتي بثناء وتعوذ فيها اذ لم يشرعا الامرة واحدة ولا يسن موكداً رفع يديه الا فى سبع مواطن كما ورد بناءً على ان الصفا والمروة واحد نظر اللسعي ثلثة فى الصلوة تكبيرة افتتاح وقنوت وعيد وخمسة فى الحج استلام الحجر والصفا والمروة وعرفات الجمرات و يجمعها على هذا الترتيب بالنثر فقعس صمعج وبالنظم لا بن الفصيح قوله فتح قنوت عيد استلم انصفا مع مروة عرفات الجمرات والرفع بحذاء اذنيه كالتحريمة فى الثلثة الاول و اما فى الاستلام والرمي عند الجمرتين الاولى والوسطى فانه يرفع حذاء منكبيه ويجعل باطنهما نحو الحجر الكعبة واما عند الصفا والمروة وعرفات فيرفعهما كالدعاء والرفع فيه وفى الاستقاء يستحب فيبسط يديه حذاء صدره نحو السماء لانها قبلة الدعاء ويكون بينهما فرجة والاشارة بمسبحته لعذر كبرد يكفي والمسح بعده على وجهه سنة فى الاصح شرنبلالية وفى وتر البحر الدعاء اربعة دعاء رغبة تفعل كما مر ودعاء رهبة يجعل كفيه لوجهه كالمستغيث من الشئ ودعاء تضرع يعقد الخنصر والبنصر ويحلق ويشير بمسبحته و دعاء الخفية ما يفعله فى نفسه

ترجمہ: نمازی کی پیٹھ پر سجدہ اگر نمازیوں کی بھیڑ کی وجہ سے اس نمازی کی پشت پر سجدہ کرے جو وہی نماز اس کے ساتھ پڑھ رہا ہے جو وہ خود پڑھ رہا ہے تو یہ سجدہ کرنا درست ہوگا اور ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا، شارح نے کہا پشت کی قید احترازی ہے یا نہیں یہ میں نے نہیں دیکھا (دوسرے مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے اسلئے لکھا ہے کہ بھیڑ کی وجہ سے رانوں پر سجدہ کرنا بھی جائز ہے اور جس کی پیٹھ پر سجدہ کر رہا ہے اگر وہ دوسری نماز پڑھ رہا ہے، وہ نماز نہیں ہے جو سجدہ کرنے والا پڑھ رہا ہے یا سرے سے وہ شخص نماز ہی نہیں پڑھ رہا ہے یا نمازی کے سامنے کشادگی ہونے کے باوجود ایسا کر رہا ہے تو ان صورتوں میں اس کی پشت پر سجدہ جائز نہیں ہوگا۔

دوسرے کی پشت پرسجدہ کے جائز ہونیکی شرط

اور کفایہ میں سجدہ کرنے والوں کے لئے شرط یہ قرار دی ہے کہ سجدہ کرنے والوں کے دونوں گھٹنے زمین پر ہوں اور مجتبی میں یہ شرط بیان کی ہے کہ جس کی پشت پر سجدہ کر رہا ہے وہ زمین پر سجدہ کرنے والا ہو (تب درست ہوگا) لہذا اس طرح جائز ہونیکی شرطیں پانچ ہوگئیں (اول بھیڑ بھاڑ ہونا، دوم سجدہ کا دوسرے کی پشت پر ہونا، سوم جسکی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے اور جو سجدہ کر رہا ہے دونوں کا ایک نماز میں شریک ہونا، چہارم سجدہ کرنے والے کے گھٹنوں کا زمین پر ہونا، پنجم یہ کہ جس کی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے وہ خود زمین پر سجدہ کر رہا ہو،

لیکن قہستانی نے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں بھی سجدہ درست ہوگا کہ دوسرا جس کی پشت پر سجدہ کیا جارہا ہے تیسرے کی پشت پر سجدہ کر رہا ہو، یا وہ غیر نمازی کی پشت پر سجدہ کر رہا ہو، بلکہ ہر کھائی جانے والی چیز کی پشت پر سجدہ کو جائز کہا گیا ہے اگر وہ پشت کے سوا کسی اور حصہ جسم پر سجدہ کرے جیسے کوئی اپنی رانوں پر عذر کی وجہ سے سجدہ کرے تو یہ جائز ہوگا۔

سجدہ کی جگہ کی اونچائی

اگر نمازی کے سجدہ کی جگہ اس کے پاؤں کی جگہ سے دو کھڑی اینٹوں کی برابر اونچی ہو تو اس پر اس کا سجدہ کرنا جائز ہے اور دو کھڑی اینٹوں کی اونچائی سے سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ کے لحاظ سے زیادہ اونچی ہو تو سجدہ جائز نہیں ہوگا ہاں اگر بھیڑ ہو اور اسکے سوا کوئی صورت نہ رہ جائے تو اس سے بھی اونچی جگہ پر سجدہ جائز ہے، یہاں اینٹ سے بخارا کی اینٹ مراد ہے یعنی ایک ہاتھ کا چوتھائی حصہ، جو چھ انگشت کے برابر ہوتی ہے، اس طرح دونوں اینٹوں کی اونچائی ایک بالشت ہوئی، یعنی بارہ انگلی اونچائی، حلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔

اور جہاں بھیڑ نہ ہو وہاں سجدہ کی حالت میں اپنے دونوں بازوں کو ظاہر کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے الگ رکھے، تا کہ ہر عضو خود بخود ظاہر ہو جائے یعنی ایک کا دوسرے پر سہارا نہ ہو، بخلاف صفوں کے کہ اس میں اپنے بازوں کو ملائے رکھے علیحدہ نہ کرے اس لئے کہ صفوں سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ سب کے سب ایک جسم کی طرح میں اور یہ مقصد بازوں کے ملے رہنے سے ہی عمدہ طور پر حاصل ہوگا۔

سجدے میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ

اور سجدے میں اپنے پاؤں کی انگلیوں کے سروں کو قبلہ رخ رکھے کیونکہ قبلہ رخ نہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قبلہ رخ رکھنے کو سنت کہا گیا ہے، جس طرح یہ مکروہ ہے کہ سجدہ کی حالت میں ایک پاؤں کو زمین پر رکھے اور دوسرے کو بلا عذر اٹھائے رکھے (طحطاوی نے لکھا ہے کہ بظاہر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ فعل عبث اور لغو ہے)

اور سجدے میں سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ پڑھے جیسا کہ اوپر رکوع کے سلسلہ میں گذرا، کہ تسبیح کا ترک کرنا یا تین مرتبہ سے کم پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

سجدہ میں عورت کی نشست اور اس کے خصوصی مسائل

عورت سجدہ میں اس طرح بیٹھے گی کہ اپنے کو پست رکھے گی بازووں کو ظاہر نہ کرے گی اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملائے رکھے گی، اس لئے کہ اس صورت میں اس کے لئے زیادہ پردہ ہے، اور ہم نے خزائن الاسرار نامی کتاب میں لکھا ہے کہ عورت پچیس چیزوں میں مرد کے مخالف ہے اس کی تفصیل شامی نے اس طرح کی ہے، (۱) عورت

تکبیر تحریمہ میں اپنے ہاتھوں کو اپنے شانوں کے برابر اٹھائے گی، (۲) ہاتھوں کو آستینوں سے باہر نہیں نکالیگی، (۳) دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے گی، (۴) عورت اپنے ہاتھوں کو پستان کے نیچے باندھے گی، (۵) عورت رکوع میں تھوڑا جھکے گی اور امرد کی طرح سر کو کمر کے برابر نہ کرے گی، (۶) رکوع میں ہاتھوں پر سہارا نہیں دے گی، (۷) رکوع کی حالت میں ہاتھوں کی انگلیوں کو نہیں پھیلائے گی بلکہ ان کو ملی ہوئی رکھے گی، (۸) رکوع میں وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے گی گھٹنوں کو پکڑے گی نہیں، (۹) اپنے گھٹنوں کو رکوع میں جھالیگی (۱۰) رکوع کی حالت میں سمٹی ہوئی رہے (۱۱) سجدے میں اپنی بغلیں نہ کھولے (۱۲) سجدے کی حالت میں اپنے دونوں ہاتھوں کو بچھادے (۱۳) التحیات میں دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر سرین پر بیٹھے (۱۴) حالت التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے، (۱۵) جب کوئی بات نماز میں پیش آئے تو تالی بجائے یعنی مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے، (۱۶) عورت مرد کی اِمامت نہ کرے (۱۷) صرف عورتوں کی جماعت مکروہ ہے (۱۸) عورتوں کی جماعت میں امام عورت درمیان میں کھڑی ہو، آگے ہو کر مرد امام کی طرح نہ کھڑی ہو (۱۹) عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے (۲۰) مردوں کے ساتھ نماز میں عورتوں کی صف پیچھے ہو (۲۱) عورتوں پر جمعہ فرض نہیں ہے لیکن اگر پڑھ لیگی تو جمعہ کی نماز صحیح ہو جائے گی، (۲۲) عورت پر عید کی نماز واجب نہیں ہے، (۲۳) ایام تشریق میں عورتوں پر نمازوں کے بعد تکبیر واجب نہیں ہے (۲۴) عورتوں کے لئے یہ مستحب نہیں کہ فجر کی نماز صبح کے خوب روشن ہونے کے بعد پڑھے (۲۵) جہری نماز میں عورت بلند آواز کے ساتھ قراءت نہیں کرے گی، بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

بحر الرائق میں یہ بھی ہے کہ عورتیں سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں کھڑی نہ رکھیں گی طحطاوی میں دو چیزوں کا اضافہ ہے ایک یہ کہ عورت اذان نہیں دیگی دوسرے یہ کہ عورت اعتکاف مسجد میں نہیں کرے گی گویا صرف نماز کی ۲۷ چیزوں میں عورت مردوں کے مخالف عمل کرے گی یوں ان کے علاوہ بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں عورتوں کے لئے علیحدہ احکام ہیں جن کی تفصیل الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے۔

سجدہ سے سر اٹھانا

پھر نمازی سجدہ سے اللہ اکبر کہتا ہوا سر اٹھائے گا، اور صرف اتنا سر اٹھانا جس پر سر اٹھانے کا اطلاق ہو سکے مکروہ تحریمی ہے مگر یہ اٹھانا کافی ہو جائے گا جیسا کہ محیط نامی کتاب میں اس کی تصحیح کی گئی ہے، کیونکہ اس ادنی رفع سے دوسرے ارکان کی طرح اس پر بھی رکنیت کا اطلاق ہو جائے گا، یعنی جن لوگوں کے نزدیک سجدہ سے سر اٹھانا رکن ہے تھوڑا سا اٹھانے سے وہ رکن ادا ہو جائے گا بلکہ اگر کوئی تختہ پر سجدہ کر رہا تھا کہ اس کے سر کے نیچے سے اس تختہ کو نکال لیا اور اس نے بغیر سر اٹھائے ہوئے پھر سجدہ کیا تو یہ صحیح ہو گا مگر کراہت تحریمی کا مرتکب ہو گا اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ اگر سر اٹھانے میں بیٹھنے سے زیادہ قریب ہو گا تب تو سر اُٹھانا درست ہو گا ورنہ درست نہیں ہو گا شرنبلالیہ اور نہر الفائق میں اسی قول کو ترجیح دی ہے، امام محمدؒ کے نزدیک سر اٹھانے کے بعد ہی سجدہ پورا ہوتا ہے اور اسی قول پر فتوی ہے (اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف سر رکھنے سے سجدہ پورا ہو جاتا ہے، اب مثلاً سجدہ کی حالت میں کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو امام محمدؒ کہتے ہیں کہ وضو کے بعد اس سجدہ کا دوبارہ کرنا ضروری ہے اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ سجدہ کا رکن پورا ہو چکا، اس کا دوبارہ کرنا اس پر

ضروری نہیں ہے کذافی الطحاوی) نماز کا سجدہ سر اٹھانے کے بعد اسی طرح پورا ہوتا ہے جس طرح سجدہ تلاوت بالاتفاق اسی وقت پورا ہوتا ہے جس سجدہ سے سر اٹھالے،

دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا

دونوں سجدوں کے درمیان نمازی اطمینان کے ساتھ بیٹھے گا (جسکی مقدار ایک بار سبحان اللہ کہنے کے برابر بیان کی گئی ہے) اس دلیل کی بنیاد پر جو پہلے مذکور ہوئی، (یعنی یہ بیٹھنا سنت ہے یا واجب ہے یا فرض) اور بیٹھنے کی حالت میں نمازی اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھے گا جس طرح التحیات کی حالت میں رکھتے ہیں منیۃ المصلی میں ایسا ہی لکھا ہے، دونوں سجدوں کے درمیان کوئی مسنون ذکر نہیں ہے اور ایسا ہی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد بھی کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اور اسی طرح اپنے رکوع اور سجدوں میں سوائے رکوع اور سجدہ کی تسبیح کے کوئی اور دعا نہیں پڑھے گا معتمد مذہب یہی ہے اور جہاں اس تسبیح کے علاوہ کچھ پڑھنے کا ذکر آیا ہے وہ نوافل نمازوں کے لئے ہے فرائض نمازوں میں نہیں،

نوافل کے دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا

دونوں سجدوں کے درمیان ابو داؤد شریف میں یہ دعا آئی ہے، اللھم الغفرلی وارحمنی و عافی واھدنی وارزقنی اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا آئی ہے اللھم ربنا لك الحمد ملا السموات والارش وملا بینھما وملا ما شئت من شیء بعد اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد وکلنا لك عبد لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد اور بھی دعائیں آئیں ہیں مگر یہ ساری دعائیں نفل نماز پر محمول ہیں یعنی آنحضرت ﷺ ان دعاوں کو تہجد یا دوسری نفل نمازوں میں پڑھا کرتے تھے علامہ شامی نے حلیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی ان دعاؤں کو فرض نمازوں میں پڑھے تو کچھ ضرر نہیں ہے گو مشائخ سے کہیں اس کی صراحت منقول نہیں ہے۔

دوسرے سجدے سے کھڑا ہونا

پہلے سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھنے کے بعد تکبیر کہتا ہوا اطمینان سے دوسرے سجدہ میں جائے اور اسے اطمینان کے ساتھ ادا کرے، اور دوسرے سجدے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا دونوں قدموں کے چنگل پر سہارا دیتے ہوئے کھڑا ہو جائے نہ ٹیک لگائے اور نہ استراحت کے لئے بیٹھے، اور اگر زمین سے سہارا لیا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں (یہاں تو فعل سے شامی نے ٹیک لگانا ہی مراد لیا ہے گو بعضوں نے جلسہ استراحت کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ اگر کوئی یہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر دوسرے لوگ کہتے ہیں اس کی وجہ سے دوسرے فرض یعنی قیام میں تاخیر لازم آئے گی۔

دوسری رکعت

سجدہ سے اٹھتے وقت ایک پاؤں آگے بڑھانا مکروہ ہے، اور رکعت ثانیہ (دوسری رکعت) اسی طرح ادا کرے گا جس طرح تفصیل پہلی رکعت کے متعلق گذری، فرق یہ ہوگا کہ دوسری رکعت میں ثناء اور تعوذ نہیں پڑھے گا اس لئے کہ یہ دونوں صرف ایک بار پہلی رکعت میں مشروع ہے،

دونوں ہاتھوں کا اٹھانا

اور دونوں ہاتھوں کا اٹھانا بطور سنت موکدہ صرف سات جگہوں میں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس بنیاد پر کہ صفا اور مروہ سعی کے لحاظ سے ایک ہیں (یعنی مصنف کے کلام جو آٹھ جگہیں معلوم ہوتی ہیں وہ صفا اور مروہ دونوں کو دو شمار کرنے کی صورت میں، حالانکہ یہ دونوں ایک کے حکم میں ہیں تو اس طرح وہ

سات ہی جگہیں ہوئی، موکدہ کی قید سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دعاؤں میں ہاتھ کا اٹھانا سنت موکدہ نہیں ہے بلکہ مستحب ہے) وہ سات جگہیں یہ ہیں تین تو نماز میں ہیں ایک تکبیر تحریمہ کے وقت دوسرے دعائے قنوت کے وقت اور تیسری عید کی تکبیر زوائد کے وقت اور پانچ جگہیں حج میں ہیں (دراصل یہ چار ہیں) (۱) حجر اسود کو بوسہ دینے کے وقت (۲) صفا اور مروہ پر (۳) عرفات اور مزدلفہ میں (۴) اور اولی و وسطی جمروں پر کنکر مارتے وقت اس طرح چار تین سات جگہیں ہوئیں، نثر میں ان سات جگہوں کو اس ترتیب پر جمع کیا ہے فقعس، صمعج یعنی ان دونوں لفظوں میں آٹھ حروف ہیں، ان میں سے ہر حروف ایک ایک جگہ کے شروع کا لے لیا گیا ہے، مثلاً افتتاح یعنی تکبیر تحریمہ کا (د) دعاء قنوت کا (ق) اور عید کی تکبیر کا (ع) اسی طرح (س) استیلام حجر کا (ص) صفا کا (م) مروہ کا (ع) عرفات و مزدلفہ کا اور (ج) جمرہ اولی و وسطی کا، اور ان سات جگہوں کو ابن الفصیح نے نظم میں ادا کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے فتح یعنی شروع نماز اور قنوت اور تکبیر عید اور استیلام حجر اسود اور صفا اور مروہ پر اور عرفات میں اور جمرات اولی و وسطی کے وقت،

ہاتھوں کو اٹھانے کی تفصیل

اول کے تین مقاموں (تحریمہ، قنوت اور عید کی تکبیروں) میں دونوں ہاتھوں کا اٹھانا دونوں کانوں کے برابر ہو، جس طرح نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ میں اٹھایا کرتے ہیں، اور حجر اسود کو بوسہ دینے اور اولی اور درمیانی جمروں پر کنکر مارنے میں دونوں ہاتھوں کو اپنے شانوں کے برابر اٹھائے اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو حجر اسود اور کعبہ کی طرف کرے (مثل تحریمہ یہاں اس لئے کہا کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کا اٹھانا سب جانتے ہیں اور اول و درمیانی جمروں کا نام لیا اور جمرہ اخیر کا نام نہیں لیا اس وجہ سے کہ اس اخیر جمرہ کے پاس دعا نہیں کذا فی الطحاوی) اور صفا و مروہ اور عرفات میں دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے جس طرح دعا میں اٹھاتے ہیں، اور دعا اور پانی طلب کرنے میں ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے، لہٰذا ہاتھوں کو اٹھا کر سینے کے برابر لا کر آسمان کی طرف پھیلا دے، اس لئے کہ آسمان دعاؤں کا قبلہ ہے، جس طرح کعبہ نماز کا قبلہ ہے، اور دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان تھوڑا سا فصل رہے، اور دعا میں بوقت عذر جیسے سردی ہو تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا کافی ہوتا ہے، اور دعا کے بعد ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیر لینا سنت ہے صحیح تر قول میں جیسا شرنبلالیہ میں ہے۔

دعا کی قسمیں

بحر الرائق کے باب تر میں آیا ہے کہ دعا کی چار قسمیں ہیں (۱) دعاء رغبت (۲) دعائے خوف (۳) دعاء عاجزی (۴) اور دعائے خفیہ یعنی پوشیدہ دعائے رغبت یعنی کسی چیز کی طلب میں دعا کرنا جیسے جنت وغیرہ اس کا طریقہ وہی ہے جو اوپر گذرا کہ دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر سینہ کی برابر لیجائے اور دعا کرے دوسری دعا خوف ہے جیسے دوزخ سے بچنے کی دعا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کی پشت کو اپنے چہرے کی طرف کرے جیسے فریاد کرنے والا کرتا ہے تیسری دعائے تفرع (عاجزی) ہے جس میں نہ کسی چیز کی خواہش ہو اور نہ کسی چیز کا خوف ہو بلکہ عاجزی کا ظاہر کرنا ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے خنصر اور بنصر (سب سے چھوٹی اور اس کے بغل والی) انگلیوں کو بند کرے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ باندھے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، چوتھی دعائے پوشیدہ ہے جو دل میں مانگی جاتی ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو بالکل نہ اٹھائے تاکہ کسی کو مانگنے کا علم نہ ہو۔

وبعد فراغه من سجدتی الركعة الثانية يفترش الرجل رجله اليسرى فيجعلها بين اليتيه

ویجلس علیها وینصب رجله الیمنی ویرجه اصابعه فی المنصوبة نحو القبلة هو السنة فی الفرض والنفل ویضع یمناه علی فخذه الیمنی ویسراه علی الیسری ویبسط اصابعه مفرجة قلیلا جاعلا اطرافها عند رکبتیه والمرأة تجلس متورکة ولا یأخذ الرکبة هو الاصح لتوجه للقبلة ولا یشیر بسبابته عند الشهادة وعلیه الفتوی کما فی الو لو الجیة والتجنیس و عمدة المفتی وعامة الفتاوی لکن المعتمد ما صححه الشراح ولا سیما المتاخرون کا لکمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الاسلام الجدو غیرهم انه یشیر لفعله علیه الصلوة والسلام ونسبوه لمحمد والامام بل فی متن دررالبحاروشرحه غررالاذکار المفتی به عندنا انه یشیر باسطاً اصابعه کلها وفی الشرنبلالیة عن البرهان الصحیح انه یشیربمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عندالاثبات واحترازبالصحیح عما قیل لایشیرلانه خلاف الدرایة والروایة وبقولنا بالمسبحة عما قیل یعقد عند الاشارة انتهی وفی العینی عن التحفة الاصح انها مستحبة وفی المحیط سنة ویقرا تشهد ابن مسعود رضی الله تعالی وجوبا کما بحثه فی البحر لکن کلام غیره یفید ندبه وجزم شیخ الاسلام الجد بان الخلاف فی الافضلیة ونحوه فی مجمع الانهر ویقصد بالفاظ التشهد معانیها مرادة له علی وجه الانشاء کانه یحی الله تعالی ویسلم علی نبیه وعلی نفسه واولیائه لا الاخبار عن ذلك ذکره فی المجتبی وظاهره ان ضمیر علینا للحاضرین لاحکایة سلام الله تعالی وکان علیه الصلوة والسلام یقول فیه انی رسول الله ولا یزید فی الفرض علی التشهد فی القعدة الاولی اجماعا فان زادعامدا کره فیجب الاعادة اوساهیا وجب علیه سجود السهو اذا قال اللهم صل علی محمد فقط علی المذهب المفتی به لا لخصوص الصلوٰة بل لتاخیر القیام ولو فرغ المؤتم قبل امامه سکت اتفاقا واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة.

قعدہ میں کیسے بیٹھے

اور دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد مرد اپنے بائیں پاؤں کو بچھادے اور اس کو اپنی سرین کے نیچے رکھے اور اس پر بیٹھ جائے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے اور اس دائیں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کو کرے فرض اور نفل دونوں ہی نمازوں میں ایسا کرنا سنت ہے، (قہستانی میں یہ بھی آیا ہے کہ بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو بھی حتی الوسع قبلہ رخ رکھنے کی کوشش کرے، اور قعدہ میں اپنے دائیں ہاتھ کو ران پر رکھے، اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر، اور ہاتھ کی انگلیوں کو ران پر کھول کر رکھے کہ درمیان میں تھوڑی سی کشادگی ہو، اور انگلیوں کے سرے کو گھٹنوں کے پاس لئے آئے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ گھٹنوں کو نہیں پکڑے اور یہ اس لئے تاکہ انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو (کیونکہ پکڑنے کی صورت میں ان کا رخ زمین کی طرف ہو جائے گا، یوں زانوں کو پکڑنا جائز ہے مگر افضل کے خلاف ہے، کذافی الشامی)

شہادت کی انگلی کا اٹھانا

التحیات میں اشھد ان لا الہ للہ کہنے کے وقت شہادت کی انگلی سے اشارہ نہ کرے اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ ولوالجیہ، تجنیس، عمدۃ المفتی اور عام فتاوی میں ہے، مگر اس مسئلہ میں قابل اعتاد وہ قول ہے جس کی تصحیح شارحین نے کی ہے بالخصوص متاخرین فقہاء کرام نے، جیسے کمال، حلبی، بھنسی، باقانی، شیخ الاسلام جد، اور دوسرے لوگوں نے، اور وہ قول یہ ہے کہ التحیات میں اشھد ان الالہ الا اللہ پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے اور ان لوگوں نے اس قول کو امام محمدؒ اور ابو حنیفہؒ کیطرف منسوب کیا ہے، بلکہ "درو البحار" اور اس کی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ اس مسئلہ میں ہم حنفیوں کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اپنی تمام انگلیوں کو کھلی رکھے اور اشارہ کرے، (شامی نے لکھاہے کہ تمام انگلیوں کو کھلا ہوا رکھنا نہیں لکھاہے بلکہ صراحت یہ ہے کہ ترپین کے عقد کی صورت پر رکھ کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے، انگلی کو لا الہ پر اٹھائے اور الا اللہ پر گرا لے، اور یہی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے اور کیفیت بہت سی احادیث میں مذکور ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اشارہ کے وقت تمام انگلیوں کو پھیلانے کا ذکر صحیح نہیں ہے)

انگلی اٹھانے کا ثبوت

شرنبلالیہ میں برہان سے نقل کیا گیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور اشارہ لا الہ پر کرے یعنی لا الہ پر انگلی کو اوپر کی طرف اٹھائے اور اثبات یعنی الا اللہ کہنے کے وقت نیچے کرلے، اور صحیح کی قید لگا کر ہم نے پہلے اس پر صحیح قول کی تردید کی ہے جس میں کہا گیا ہے، کہ اشارہ نہ کرے، اور اس کے صحیح نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اشارہ نہ کرنا خلاف عقل و نقل ہے اور تنہا انگشت شہادے کی قید اس لئے لگائی کہ اس سے اس قول سے احتراز ہو جس میں لکھاہے کہ اشارہ کے وقت ترپین کا عقد کرے شرنبلالی کا قول یہاں ختم ہوگیا، اور عینی میں تحفہ سے نقل کیا ہے کہ صحیح تر قول کے مطابق اشارہ مستحب ہے اور محیط نامی کتاب میں ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے،

(علامہ نجم الدین زاہدی نے نقل کیاہے امام ابو حنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ تینوں سے منقول ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور یہی معدان الحقائق شرح کنز الد قائق میں ہے، اشارہ کرنے کا ثبوت حدیث میں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے لہذا اسی پر عمل ہونا چاہئے۔

قعدہ میں تشہد

قعدہ میں بطور وجوب وہ التحیات پڑھے جو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ بحر الرائق میں بحث کی گئی ہے لیکن اوروں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو التحیات منقول ہے اس کا پڑھنا مستحب ہے اور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ اختلاف افضل ہونے میں ہے اور اسی کے مانند مجمع الانہر میں بھی ہے۔

(التحیات کو تشہد اس لئے کیا گیا ہے اس میں دو شہادت ہیں ایک اشھد ان لا الہ الا اللہ اور دوسری واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ عبداللہ بن مسعودؓ والی التحیات یہ ہے التحیات للہ والصلوت والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ بحر الرائق کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی تشہد کا پڑھنا واجب ہے مگر اس کے حاشیہ میں خیر الدین الری نے لکھاہے کہ مطلب یہ ہے کہ نماز میں نفس تشہد کا پڑھنا واجب ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ اسی تشہد کا پڑھنا واجب ہے، نہر الفائق میں ہے کہ خاص اس تشہد کا پڑھنا بہتر ہے جس طرح کہ وتر میں نفس دعا قنوت کا پڑھنا واجب ہے اور الفاظ مخصوصہ اللھم انا نستعینک الخ کا سنت ہے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ التحیات میں کچھ کمی زیادتی کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ نماز کے اذکار مخصوص و محدود ہیں ان سے زیادہ نہیں کرنا چاہیئے)

تشہد کی تفصیل تشہد کے الفاظ سے مقصود ان کے معنی بطور انشاء ہونا چاہئے گویا کہ نمازی اللہ تعالیٰ کو تحیت پیش کرتا ہے اور وہ اپنے نبی کریم ﷺ اور اپنے نفس اور اپنے احباب کو سلام عرض کرتا ہے، تشہد کے الفاظ سے اس حال کا ذکر کرنا اور حکایت کرنا مقصود نہ ہو جو معراج میں پیش آیا، اس کو مجتبیٰ نامی کتاب میں ذکر کیا ہے، (یعنی معراج کے واقعہ مین جو قصہ پیش آیا اس کی حکایت کا قسد نہ ہو، اور وہ قصہ یہ ہے کہ شب معراج میں جب آنحضرت ﷺ قرب کے مقام پر فائز ہوئے تو ارشاد ہوا کہ آپ بیٹھ جائیں اس موقع سے آپ نے فرمایا، التحیات للہ والصلوۃ والطیبات یعنی بدنی اور مالی عبادتیں حاضر خدمت ہیں اسکے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور خلعت شاہی ارشاد ہوا "السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبر کاتہ" یعنی اے نبی ہمارا اسلام اور رحمت اور برکتیں خصوصی طور پر تم پر ہوں، آنحضرت ﷺ نے جب خصوصی تکریم و تعظیم کو ملاحظہ فرمایا تو آپ نے چاہا کہ میری امت کے ضعفا اور گنہ گار بھی اس سے محروم نہ رہیں چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا، السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین،، یعنی سلام خاص طور پر ہم سب پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر ہو علینا میں امت کے تمام افراد آگئے کوئی محروم نہ رہا، جب ملائکہ مقربین نے نبی کریم ﷺ کا یہ جود و کرم دیکھا تو وہ بول اٹھے، اشھدان لا الہ اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ۔

یہاں مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ التحیات پڑھتے وقت اس قصہ کی حکایت کا قصد ہرگز نہ ہو، ارادہ رکھنا چاہئے کہ میں بطور خود اللہ تعالیٰ کے حضور میں تحیت پیش کر رہا ہوں اور اسی کے ساتھ رسول اکرم ﷺ اور اپنے ــــــ احباب پر سلام بھیجتا ہوں)

مصنف کا ظاہر کلام یہ ہے کہ علینا" میں ضمیر موجودہ لوگوں کے لئے ہے یعنی امام مقتدی اور ملائکۃ اللہ کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت کے لئے نہیں ہے (طحطاوی نے لکھا ہے کہ درست یہ تھا کہ شارح "سلام اللہ تعالیٰ" کے بجائے سلام رسول اللہ "لکھتا اس لئے کہ جو واقعہ معراج کا اوپر نقل ہوا ہے اس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ التحیات میں "السلام علینا" آنحضرت ﷺ کا مقولہ تھا)

اور نبی کریم ﷺ التحیات میں بجائے "اشھد ان محمد ا عبدہ ورسولہ کے اشہد انی رسول اللہ فرمایا کرتے تھے (اس کو رافعی نے شوافع سے نقل کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو رد فرمایا ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ سے التحیات متواتر اسی طرح مروی ہے جس طرح سب لوگ پڑھتے ہیں یعنی آپ بھی اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ ہی پڑھا کرتے تھے، ہاں اذان میں البتہ یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے ایک دفعہ اذان دی تو اس میں "انی رسول اللہ کا کلمہ فرمایا، بخاری میں سلمہ ابن الاکوع کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ اذان میں الشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انی رسول اللہ فرمایا کذافی الشامی)

قعدہ اولی میں صرف التحیات نماز کے پہلے قعدہ میں جب التحیات پڑھے تو اس میں صرف التحیات پڑھے اس پر کچھ اضافہ نہ کرے یہ مسئلہ متفق علیہ ہے (طحطاوی نے لکھا ہے کہ احناف، امام مالک اور امام احمدؒ کے یہاں تو بے شک یہی قول ہے، مگر امام شافعیؒ قعدہ اولی میں التحیات کے ساتھ درود کو لازم فرماتے ہیں اس لئے شارح کو "اجماعاً" کے بجائے "بالاتفاق" کا لفظ لانا چاہیئے تھا)

لہٰذا اگر التحیات میں جان بوجھ کر کچھ زیادہ کرے گا تو وہ مکروہ ہوگا اور التحیات کا از سر نو پڑھنا واجب ہے اور اگر بھول کر کچھ پڑھا دیا ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا جبکہ اس نے التحیات پر صرف اللھم صل علی محمد کا اضافہ کیا ہو، اسی پر فتوی ہے یہ سجدہ سہو کا وجوب کچھ درود کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ قیام میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہے۔

تشریح یہاں یہ لکھا اذا قال اللهم صل علی محمد فقط کا لفظ اس لئے لائے تاکہ اس قول کا رد ہو جائے جنہوں نے کہا ہے کہ سجدہ سہو اس وقت واجب ہوگا جب اللهم صل علی محمد و علی آل محمد تک پڑھے یعنی علی محمد کے ساتھ جب تک و علی آل محمد نہ پڑھے گا سجدہ سہو واجب نہ ہوگا، اور اس دوسرے قول کو قاضی امام اور حلبی نے اختیار کیا ہے اور اسی کو اصح کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر لوگ اسی کے قائل ہیں، اور بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک ایک رکن کے ادا کرنے کی مقدار تاخیر نہ ہوگی سجدہ سہو واجب نہ ہوگا اور امام اعظمؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اسی کے قائل ہیں اور فتاویٰ تاتار خانیہ میں ہے کہ صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد فرماتے ہیں کہ جب تک پوری درود حمید مجید تک نہ پڑھے گا سجدہ سہو واجب نہ ہوگا کذا فی الشامی مگر اس وقت فتویٰ اسی پر ہے کہ قعدہ اولیٰ میں اگر التحیات کے بعد اللهم صل علی محمد پڑھے گا تو سجدہ سہو واجب ہوگا،

مقتدی و مسبوق کا التحیات پڑھنا اگر مقتدی اپنے امام سے پہلے التحیات پڑھ چکے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ چپکا ہو رہے اور وہ شخص جس کی رکعت چھوٹ گئی ہے قعدۂ اخیرہ میں التحیات اس قدر ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ وہ التحیات سے اپنے امام کے سلام پھیرنے کے وقت ختم کرے اور بعضوں نے کہا کہ مسبوق التحیات کو پورا کرے اور کلمہ شہادت کی تکرار کرتا رہے اور بعضوں نے کہا التحیات پورے کر کے خاموش رہے شامی نے لکھا ہے کہ ان تمام اقوال کی تصحیح کی گئی ہے اور اگر قعدہ اخیرہ نہ ہو تو اس میں مسبوق و مقتدی دونوں برابر ہیں،

واکتفی المفترض فیما بعد الاولیین بالفاتحة فانها سنة علی الظاهر ولو زاد لا باس به وهو مخیر بین قراءة الفاتحة وصحح العینی وجوبها وتسبیح ثلثا وسکوت قدرها وفی النهایة قد تسبیحة فلا یکون مسیا بالسکوت علی المذهب لثبوت التخییر عن علیؓ وابن مسعود وهو الصارف للمواظبة عن الوجوب ویفعل فی القعود الثانی ا لافتراش کالاول وتشهد ایضاً وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصح زیادة فی العالمین وتکرار انك حمید مجید وعدم کراهة الترحم ولو ابتداءً وندب السیادة لانه زیادة الاخبار بالواقع عین سلوك الادب فهو افضل من ترکه ذکره الرملی الشافعیؒ وغیره وما نقل لا تسودونی فی الصلوة فکذب وقولهم لا تسیدونی بالیاء لحن ایضاً والصواب بالواو وخص ابراهیم لسلامه علینا اولانه سمانا المسلیمن اولان المطلوب صلوة یتخذه بها خلیلا وعلی الاخیر فالتشبیه ظاهر او راجع لاٰل محمد او المشبه به قد یکون ادنی مثل مثل نوره کمشکوة

رکعتوں میں قراءت فرض نماز پڑھنے والا پہلی دو رکعتوں کے بعد والی رکعتوں میں صرف الحمد پڑھنے پر اکتفا کرے یعنی سورہ نہ ملائے، اس لئے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ان رکعتوں میں سنت ہے ظاہر روایت یہی ہے اور اگر الحمد سے زیادہ پڑھ لے گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی اگر کوئی تیسری چوتھی رکعتوں میں سورہ ملالے گا تو اس کی وجہ سے کوئی خرابی نہیں ہوگی (شامی نے لکھا ہے کہ پچھلی رکعتوں میں الحمد پر اکتفا کرنا مسنون ہے، واجب نہیں، تو اس پر زیادہ کرنا اور سورہ ملانا خلاف اولیٰ ہوگا)

نمازی کو اختیار ہے کہ تیسری اور چوتھی رکعت میں وہ سورہ فاتحہ پڑھے اور چاہے تو تین مرتبہ سبحان اللہ کہے، اور چاہے تو تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار چپ رہے عینی نے سورہ فاتحہ کے واجب ہونیکی تصحیح کی ہے اور نہایہ میں ہے کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار چپ رہے تو وہ بھی برا کرنے والا نہ ہوگا بلکہ یہ ظاہر الروایات کے مطابق ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نمازی کو یہ اختیار دیا جاتا ثابت ہے اور یہی اختیار دیا جانا مواظبت کو واجب ہونے سے پھیرنے والا ہے،

یہ دراصل ایک اعتراض یا اشکال کا جواب ہے وہ اشکال یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں الحمد اور سورہ دونوں پڑھا کرتے تھے، اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف الحمد (سورہ فاتحہ) پڑھتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ برابر ایسا ہی کرتے تھے بس اُس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ پچھلی دونوں رکعتوں میں الحمد کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ برابر کسی کام کا آنحضرت ﷺ کا کرنا وجوب کی دلیل ہے،

شارح نے جواب دیا کہ حدیث ہی حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ نمازی کو پچھلی دو رکعتوں میں اختیار ہے چاہے قرآن پڑھے چاہے تین مرتبہ سبحان اللہ کہے چاہے اس قدر خاموش رہے اور یہ واضح ہے کہ دو صحابی نے اختیار اپنے قیاس سے نہیں، دیا ہوگا بلکہ انہوں نے رسول خدا ﷺ سے سنکر یہ کہا ہوگا لہذا یہ بھی مرفوع کے درجہ میں ہے، اب اس دوسری حدیث کی موجودگی میں پہلی حدیث سے وجوب کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ اگر الحمد پڑھنا ہی واجب ہوتا تو اختیار ہرگز نہیں دیا جاتا، اور اسی سے عینی کے اس قول کی بھی تردید ہوتی ہے جس میں انہوں نے وجوب کی تصحیح فرمائی ہے کذا فی الشامی)

قعدہ اخیرہ دوسرے قعدہ میں بھی پاؤں اسی طرح بچھادے جس طرح پہلے قعدہ میں بتایا گیا اور اس دوسرے قعدہ میں التحیات بھی پڑھے گا اور آنحضرت ﷺ پر درود بھی بھیجے گا، (شرح منیۃ المصلی میں امام محمدؒ سے وہ درود اس طرح منقول ہے، **اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید ، اللھم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انك حمید مجید** اور بخاری و مسلم شریف میں بھی درود مروی ہے گویا یہ حدیث کے مطابق ہے کذا فی الشامی)

درود میں فی العالمین کا اضافہ اور درود میں کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم، کے بعد فی العالمین کا ایک بار زیادہ کرنا درست ہے اور حمید مجید کا دوبارہ لانا یعنی ایک دفعہ کی صلیت کے بعد اور ایک دفعہ کی کما بارکت کے بعد (جیسا کہ اوپر درود میں نقل ہوا، البتہ فی العالمین کا اضافہ کما صلیت علی ابراہیم وعلی ابراہیم کے بعد حدیث میں نہیں آیا ہے)

صل کی جگہ ارحم اور اگر ابتداء میں صل کی جگہ ارحم پڑھے تو مکروہ نہیں ہے (مگر امام نوویؒ نے اذکار میں لکھا ہے اس لفظ کو درود میں پڑھانا بدعت ہے اور فیض میں لکھا ہے احتیاطاً اس کا ترک کرنا بہتر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے تشہد میں دعائے رحمت کسی معتبر طریقہ سے ثابت نہیں ہے)

درود میں سیدنا لفظ بڑھانا درود میں سیدنا کا لفظ بڑھانا آنحضرت ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر مستحب ہے اسلئے واقعہ کی خبر دینا ادب کے مطابق ہے لہذا سیدنا کا لفظ چھوڑ دینے سے

افضل یہ ہو گا کہ اسے بڑھائے اس کو رملی شافعی نے ذکر کیا ہے (مگر یہ اضافہ خلاف سنت ہو گا یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور میں اس کا رواج نہیں ہے، کیونکہ جہاں یہ درود منقول ہے اس میں یہ لفظ نہیں ہے اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ مجھے نماز میں سید امت کہو یہ حدیث جھوٹ ہے اور بعضوں نے جو لا تسیدونی کا لفظ یاء کے ساتھ نقل کیا ہے وہ بھی غلط ہے صحیح واو کے ساتھ ہے)

حضرت ابراہیم سے تشبیہ کی وجہ درود میں خصوصی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے لئے سلامتی کی دعا کی ہے یا اس وجہ سے کہ آپ نے ہم سب کا نام مسلمان رکھا، یا وہ دعائے رحمت مطلوب ہے جس کی وجہ سے رب العالمین آنحضرت ﷺ کو خلیل بنائے۔

تشریح دراصل یہ ایک اعتراض کا جواب ہے وہ اعتراض یہ ہے کہ درود میں تمام انبیاء کرام کو چھوڑ کر صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہی تشبیہ کیوں دی اور یہ کیوں کہا، کما صلیت علی ابراہیم و اعلی آل ابراہیم یا کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم" شارح نے اس اعتراض کے تین جواب دینے میں فرمایا کہ مخصوص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دینے میں تین وجہوں میں سے کوئی وجہ ہو سکتی ہے (۱) اس لئے کہ شب معراج میں جب آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے آنحضرت ﷺ سے فرمایا کہ اپنی امت کو میرا سلام پہونچانا (۲) یا اس وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارا نام مسلمان رکھا چنانچہ قرآن میں ہے ہو سماکم المسلمین، تو اس کے بدلے میں ہماری طرف سے یہ تشبیہ دی ہے (۳) یا اس وجہ سے کہ اس صلوۃ سے مطلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سید الکونین ﷺ کو خلیل بنائے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنالیا تھا، یہ تین جواب شارح نے لکھے ہیں اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تشبیہ کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے ہیں کیونکہ یہ آپکے جد امجد کے درجہ میں ہیں اور نفائل میں بہتر اور پسندیدہ تشبیہ باپ والوں سے ہی ہوا کرتی ہے ایک جواب یہ بھی دیا گیا کہ قرآن میں آنحضرت کو حکم دیا گیا اتبعو ملۃ ابراہیم حنیفا کہ آپ یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی پیروی کریں کذا فی الشامی ایک اور جواب یہ دیا گیا کہ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی ہے کہ ملت اسلامیہ ملت ابراہیم سے ملتی جلتی ہے)

جب مطلوب یہ ہے کہ رب العالمین سید الکونین ﷺ بنائے تو اس سے تشبیہ ظاہر ہے یعنی وجہ تشبیہ خلت ہے یہ تشبیہ آل محمد ﷺ کی طرف راجع ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس سے تشبیہ دی جاتی ہے (مشبہ بہ) وہ کمتر ہوتا ہے جیسے قرآن پاک میں آیا ہے مثل نورہ کمشکوۃ (خدا کے نور کی مثال جیسے قندیل میں چراغ)

یہ بھی ایک علمی سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ایک مشتبہ ہوتا ہے جس کو تشبیہ دی جاتی ہے اور ایک مشتبہ بہ ہوتا ہے جس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے عمومی قاعدہ یہ ہے کہ مشبہ بہ (جس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے وہ) مشبہ (جس کو تشبیہ دی جاتی ہے اس) سے اعلی ہوتا ہے اور بظاہر یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے جو رحمت و برکت خود رحمۃ العالمین ﷺ اور آپ کی آل (امت) کو حاصل ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی امت سے اعلی ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس پر دس بار رحمت بھیجتا ہے اور اس کی دس برائیاں دور کرتا ہے اور دس درجے بلند فرماتا ہے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے پیغمبر کے لئے وارد نہیں ہے۔

شارح علیہ الرحمۃ نے جواب یہ دیا کہ وجہ شبہ رحمت خاصہ ہے جو باعث خلت ہے یا یہ کہ تشبیہ میں خود آنحضرت ﷺ

شریک نہیں ہیں بلکہ جس کو تشبیہ دی گئی ہے وہ صرف آل محمد ﷺ ہیں یا یہ کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشبہ بہ، مشبہ سے کمتر ہوتا ہے جس طرح قرآن پاک میں اللہ کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں مشبہ نور الٰہی ہے اور مشبہ بہ چراغ، اور کہاں نور خدا اور اور کہاں چراغ، مگر چونکہ چراغ کی روشنی محسوس ہوتی اور دیکھی جاتی ہے اس لئے اس کو مشبہ بہ بنایا گیا، تاکہ ذہن جلد قبول کر لے، اسی طرح یہاں چونکہ ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم علیہ السلام پر رحمت و برکت تمام ملتوں میں واضح تھا اور مشہور بھی اس لئے اسے مشبہ بہ قرار دیدیا گیا، تاکہ جلد اس کی اہمیت ذہن قبول کر لے،

وهی فرض عملا بالامر فی شعبان ثانی الهجرة مرة واحدة اتفاقا فی العمر فلو بلغ فی صلوته نابت عن الفرض نهر بحثا وفی المجتبی لا یجب علی النبی ﷺ ان یصلی علی نفسه واختلف الطحاوی والکرخی فی وجوبها علی السامع و الذاکر کلما ذکر ﷺ والمختار عند الطحاوی تکراره ای الوجوب کلما ذکر ولو اتحد المجلس فی الاصح لا کان الامر یقتضی التکرار بل لانه تعلق وجوبها بسبب متکرر وهو الذکر فیتکرر بتکرره وتصیردینا بالترك فتقضی لانها حق عبد کالتشمیت بخلاف ذکره تعالی والمذهب استحبابه ای التکرار وعلیه الفتوی والمعتمد من المذهب قول الطحاوی کذا ذکره الباقانی تبعا لما صححه الحلبی وغیره ورجحهٗ فی البحر باحادیث الوعید کرغم والباد وشفاء وبخل وجفاء ثم قال فتکون فرضا فی العمر وواجبا کلما ذکر علی الصحیح وحر اما عند فتح التاجر متاعه ونحوه

درود کا حکم

عمر بھر میں ایک مرتبہ بالاتفاق درود فرض ہے اس امر پر عمل کرنے کے لئے جو شعبان ۲ھ میں ہوا (یہاں امر سے مراد یہ آیت ہے، یا ایها الذین آمنوا صلو علیه وسلموا تسلیما، یہ آیت شعبان ۲ھ ہجری میں نازل ہوئی، آیت کا ترجمہ یہ ہے، اے ایمان والو! تم آنحضرت ﷺ پر درود سلام بھیجو) لہذا اگر کوئی نابالغ نماز پڑھتے ہوئے حالت نماز میں ہی بالغ ہو گیا اور اس نے قعدہ اخیرہ میں درود پڑھتا تو یہ درود فرض کے قائم مقام ہو گا یعنی اس کے ذمہ سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائیگی جیسا کہ نہر الفائق میں ہے اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ خود ذات بابرکت نبی ﷺ پر واجب نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر درود بھیجیں (اور وجہ یہ لکھی ہے آیت یا ایہا الذین آمنوا صلوا الخ میں رسول اکرم ﷺ داخل نہیں ہیں، البتہ یا ایہا الناس اور یا عبادی میں سب شامل ہوتی ہی،، یہاں آیت میں امت مخاطب ہے)

درود کا تکرار سننے والے پر

طحاویؒ اور کرخیؒ کے درمیان اس بات میں اختلاف ہے کہ جب جب آنحضرت ﷺ کا ذکر ہو تو سننے والوں اور ذکر کرنے والوں پر درود واجب ہے یا نہیں امام طحاویؒ کے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ جب جب آنحضرت ﷺ کا ذکر کیا جائے ہر بار درود پڑھنا چاہئے گو مجلس ایک ہی کیوں نہ ہو صحیح تر قول یہی ہے (شامی نے لکھا ہے کہ آیت میں صلاۃ و سلام دونوں کا ذکر ہے، مگر یہاں صرف صلوۃ (درود) کا مسئلہ بتایا گیا اور سلام کو نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آیت تسلیم کے معنی حکم بجا آوری کے ہے اور اصح کہہ کر اس طرف اشارہ کیا کہ بعض لوگوں

نے لکھاہے کہ ایک مجلس میں آیت بار درود پڑھ لینا کافی ہے گو متعدد مرتبہ آپ کا ذکر ہوا ہو، اور بعض لوگوں یہ لکھاہے کہ یہ وجوب کفایہ میں نہیں، یعنی اگر کچھ لوگ پڑھ لیں گے تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا،

وجوب کا تکرار اس وجہ سے نہیں ہے کہ صیغہ امر تکرار کو چاہتا ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ درود کے وجوب کا تعلق سبب مکرر سے ہے اور وہ سبب آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک ہے لہذا جب جب ذکر پایا جائے گا رجوب کا تکرار بھی ہوگا، اور درود کے ترک کرنیکی صورت میں وہ ذمہ میں قرض ہو جائے گا، جس کی قضا لازم ہو گی اس لئے درود بندہ کا حق ہے جس طرح چھینکنے والے کا جواب دینا بندہ کا حق ہے اور اس کی قضا ہوتی ہے یہ مثال صرف قضا ہونے میں دی گئی ہے (معلوم ہوا کہ جب جب نبی کریم ﷺ کا نام لیا جائے گا درود پڑھنا ہوگا) بخلاف ذکر اللہ کے، کہ وہ رب العالمین کا حق ہے، لہذا اس کی قضا نہیں ہوگی، یعنی ایک مجلس میں اللہ تعالی کا بار بار نام لینے سے ہر بار ثنا واجب نہیں ہے، اور مذہب مشہور یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر ایک بار تو درود واجب ہے اور دوبارہ سہ بارہ ذکر سے درود مستحب ہے، اور اسی قول پر فتوی ہے اور اس باب میں امام طحاویؒ کا قول قابل اعتماد ہے یعنی ہر بار درود واجب ہے جیسا کہ باقانی نے حلبی کی تصحیح کی پیروی میں ذکر کیا ہے، اور صاحب بحر الرائق نے طحاوی کے قول کو ان احادیث کی بنیاد پر ترجیح دیا ہے جو اس سلسلہ میں آئی ہیں اور جن میں ذکر مبارک پر درود نہ بھیجنے والے کے لئے ذلیل ہونے، دور ہونے بدبخت ہونے اور بخل و ظلم کی وعید آئی ہے، ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جب سرور کائنات ﷺ کا نام آئے ہر بار درود بھیجنا واجب ہے،

تشریح وہ احادیث یہ ہیں (۱) رغم الف اجل ذکرت عنده لم یصل علی (۲) من ذکرت عنده فلم یصل علیك (۳) من ذکرت عنده فلم یصل علی فقدء شقی (۴) البخیل من ذکرت عنده فلم یصل علی (۵) من الجفاء ان اذکر فلم یصل علی، ان احادیث میں درود نہ بھیجنے والوں کے پہلی حدیث میں ذلت کی وعید ہے دوسری حدیث رحمت خداوندی سے دوری کی وعید ہے اور تیسری میں بدبختی کی، چوتھی میں بخل کی اور پانچویں میں ظلم وستم کی۔

صاحب بحر نے ترجیح ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عمر میں ایک بار آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنا فرض ہے اور جب آپکا نام آئے تو اس وقت واجب اور اسی کو مذہب صحیح کہا ہے، اور جس وقت تاجر اپنا سامان کھولے اور اسی طرح کے دوسرے وقتوں میں درود پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (شامی نے لکھا ہے اگر اس کا منشا سامان کی ترویج یا خریدار کو جتانا ہو گا تب مکروہ تحریمی ہے ورنہ یوں نہیں، اور نماز میں درود پڑھنا سنت ہے یعنی قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد، اور بقیہ وقتوں جب کوئی مانع شرعی نہ ہو درود پڑھنا مستحب ہے۔

وسنة فی الصلوة ومستحبة فی کل اوقات الامکان ومکروهة فی صلوة غیر تشهد اخیر فلذا استثنی فی النهر من قول الطحاوی ما فی تشهد اول وضمن صلوة علیه الثلا یتسلسل بل خصه فی درر البحار بغیر الذاکر لحدیث من ذکرت عنده فلیحفظ وازعاج الاعضاء برفع الصوت جهل وانما هی دعاء له والدعاء یکون بین الجهر والمخافتة کذا اعتمده الباجی فی کنز العفاف وحرر انها قد ترد ککلمة التوحید مع انها اعظم منها وافضل لحدیث الاصبهانی وغیره عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی مرة واحدة فتقبلت منه واحدة فتقبلت منهٗ محا الله عنه ذنوب ثمانین سنة فقید المأمول بالقبول

درود نماز میں صرف قعدہ اخیرہ میں

اور نماز میں تشہد کے بعد قعدہ اخیرہ کے سوا درود کا پڑھنا مکروہ ہے (شامی نے لکھا ہے قنوت کے آخیر میں بھی درود کا پڑھنا جائز ہے لہذا یہاں اس کا بھی استثناء کرنا چاہئے تھا، کہ اس میں درود پڑھنا جائز ہے، بلکہ مسنون ہے۔

ان سات جگہوں میں درود کا پڑھنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے (۱) بوقت جماع حالت جماع میں (۲) پیشاب پاخانہ کرتے وقت (۳) سامان بیچتے وقت کہ خوب بکے (۴) پاؤں پھسلتے وقت (۵) تعجب کے وقت (۶) جانور کے ذبح کرتے وقت (۷) چھینکنے کے وقت،

قعدہ اخیرہ کے سوا مکروہ

اور چونکہ اخیرہ کے سوا نماز میں درود مکروہ ہے اس لئے صاحب نہرالفائق نے طحاوی کے قول سے تشہد اول میں جو نام نامی آتا ہے اس کا استثناء کیا ہے یعنی اس وقت درود پڑھنا واجب نہیں ہے، منشا یہ ہے اس تشہد میں بھی آنحضرت ﷺ کا نام نامی آتا ہے مگر وہاں درود شریف پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لہٰذا اس وقت درود نہیں پڑھا جائے گا اور اس نام کو بھی مستثناء کیا ہے جو درود شریف کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کا نام آتا ہے تا تسلسل لازم نہ آئے (شامی نے لکھا ہے کہ اگر قراءت یا خطبہ میں آنحضرت ﷺ کا نام نامی آئے اور سنے تو اس وقت بھی درود کا پڑھنا واجب نہیں ہے اسلئے کہ اس وقت خود خطبہ و قراءت کا سننا واجب ہے اور اگر کوئی قرآن خود ہی پڑھ رہا تھا اور اس میں نام نامی آیا تو اس صورت میں افضل یہ ہے کہ قراءت کو باقی رکھے قراءت کے بعد پڑھنے والے کو اختیار ہے خواہ درود پڑھے یا نہ پڑھے) اور بخاری نامی کتاب میں ہے کہ درود پڑھنا اس پر واجب ہے جو نام سنے خود لینے والے پر نہیں اسلئے حدیث میں الفاظ یہ ہیں من ذکرت عندہ جس کے سامنے میرا ذکر ہو، اسے بھی یاد رکھنا چاہئے چنانچہ بعض لوگوں نے امام طحاوی کے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ نام لینے پر درود واجب ہے اسلئے کہ اگر نام لینے سے درود کو واجب کیا جائے پھر درود کا سلسلہ کبھی منقطع ہی نہ ہو، اسلئے درود آنحضرت کے نام خالی نہیں ہوتا، درر سجاد میں اسی کا جواب ہے کہ سننے والے پر واجب ہے لینے والے پر نہیں اس لئے حدیث وعید سننے والے کیلئے ہے،

درود میں جسم کا ہلانا جہالت ہے

اور درود میں آواز کی بلندی کے ساتھ اعضا ہلانے کا رواج جہالت ہے، درود در اصل آدمی کے حق میں دعا ہے اور دعا نیں نہ زیادہ جہر ہو اور نا بالکل سر، بلکہ درمیان انداز سے ہونا چاہئے، باجی نے اپنی کتاب کنزالعفاۃ میں اسی قول پر اعتماد کیا ہے (منشا یہ ہے کہ درود پڑھتے وقت رسماً ہاتھ پاؤں یا گردن ہلانے کی ممانعت ہے، قرآن سنتے وقت بھی یہ صورت نہیں ہونی چاہئے)

قبول و عدم قبول کی بحث

درود شریف کبھی قبول ہوتا ہے اور کبھی قبول نہیں بھی ہوتا، جس طرح کلمہ توحید کبھی قبول ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا یعنی اخلاص کے ساتھ ہو تو قبول ہوتا ہے بغیر اخلاص اقرار توحید بھی قبول نہیں حالانکہ کلمہ توحید درود سے افضل اور بزرگ تر ہے اور درود کا بھی مقبول ہونا اس حدیث انسؓ سے معلوم ہوتا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اور اس سے وہ قبول ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے اسّی سال کے گناہ مٹا دیتا ہے اس حدیث میں ثواب کو قبول کی قید سے مقید کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی درود نا قبول بھی ہوتا ہے،

درود شریف بھی ایک عمل ہے لہذا جس طرح سارے اعمال کے لئے مقبول و نا مقبول دونوں پہلو ہوتے ہیں اسی طرح اس کے لئے بھی ہے، لیکن یہ دو پہلو باعتبار ثواب ہے کہ مقبول کا ثواب ملے گا اور جو قبول نہ ہوگا اس کا ثواب نہیں ملے گا باقی

آنحضرت ﷺ سے جہاں تک تعلق ہے بہر حال اس سے آپکے درجات میں اضافہ ہوگا اور اس اعتبار سے نامقبول ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا کذافی الطحطاوی)

ودعا بالعربية وحرم بغير ها نهر لنفسه وابويه واستاذه والمؤمنين ويحرم سوال العافية مدى الدهر او خير الدارين ودفع شرهما او المستحيلات العادية كنزول المائدة قيل والشرعية والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر لالكل المؤمنين كل ذنوبهم بحر بالادعية المذكورة فى القرآن والسنة لابما يشبه كلام الناس اضطرب فيه كلامهم ولا سيما المصنف والمختار كما قاله الحلبى ان ما هو فى القرآن او فى الحديث لا يفسد وما ليس فى احدهما ان استحال طلبه من الخلق لا يفسد والا يفسد ولو قيل قدر التشهد والا تيم به ما لم يتذكر سجدة فلا تفسد بسؤال المغفرة مطلقا ولو لعمى او لعمر وكذا الرزق ما لم يقيده بمال ونحوه لاستعماله فى العباد مجازاً

قعدہ اخیرہ کی دعامیں عربی میں

نماز کے قعدہ اخیرہ میں درود کے بعد جو دعا ہے اسے عربی زبان میں پڑھے عربی کے سوا دوسری زبان میں پڑھنا حرام ہے، دعا اپنے لئے کرے اپنے والدین کے لئے اور اپنے مسلمان اساتذہ کے لئے (دربار خداوندی میں حاضری ہوئی تو پہلے اس کی حمد ثنا، اس کے لئے رکوع و سجود اور اس کی تسبیح و تقدیس ہوئی پھر آپ کے برگزیدہ اور محبوب رسول پاک ﷺ پر صلاۃ و سلام پیش کیا گیا، یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے اس لئے اپنے اور والدین اور اساتذہ کو بھی فراموش کرنا، مناسب نہیں ہوتا، ایک کے احسان سے وجود اور تربیت کی نعمت حاصل ہوئی اور دوسرے کی برکت سے علم و ہنر کی دولت

دوسری زبان میں نماز کے اندر دعا کو نہر الفائق میں اس لئے حرام کہا کہ سرکاری زبان عربی ہی ہے اور شروع سے اب تک سارے ارکان اس میں ادا ہوئے ہیں لہذا یہ اخیر والی دعا بھی اسی زبان میں پیش ہونی چاہئے تاکہ یکسانیت باقی رہے پھر عربی زبان میں جو ادب ہے وہ دیگر زبان میں نہیں شامی نے لکھا ہے کہ غیر زبان میں دعا مکروہ ہے حرام نہیں)

مدة العمر کے لئے تندرستی کی دعا

راحت و تندرستی کی دعا مانگنا مدت العمر کے لئے حرام ہے اسی طرح تمام عمر کے لئے دونوں جہاں کی بہتری برائیوں کے درو ہونے کی درخواست بھی یا اسی طرح ان چیزوں کی درخواست کرنا جو عادۃً محال ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ جو شرعاً محال ہے اس کی درخواست بھی، عادۃً محال کی مثال جیسے یہ آسمان سے کھانے کا دستر خوان اترا کرے اور شرعاً محال کی مثال جیسے رب العالمین کو دنیا میں دیکھنا، (یہ اسلئے کہا ہے کہ آدمی بھی بیمار ہوتا ہے اور اس میں قدرت کی حکمت ہوتی ہے، اور اس کا بھی بندے کو فائدہ ہوتا ہے لہذا اس حکمت کا بطلان مناسب نہیں، دارین کی فلاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھی مشکل ہے اس لئے کہ بغیر تکلیف یہ حاصل نہیں ہوتا، اور کچھ نہ ہوگا تو روح کے پرواز کے وقت جو تکلیف ہوتی ہے اس سے دوچار ہونا ہی پڑے گا اگر یہ نیت ہے کہ اللہ کے نزدیک جو بہتر ہے اس بہتری کی درخواست ہے تو مضائقہ نہیں۔

کافر کے لئے مغفرت کی دعا حرام

کافر کے لئے مغفرت کی دعا حرام ہے، البتہ تمام موضوں کے لئے تمام گناہوں سے مغفرت کی دعا درست ہے اور درود کے بعد وہ دعائیں پڑھے جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں ایسی دعائیں نہ ہوں جو آدمی کی گفتگو کے مشابہ ہوں، گویا قرآنی دعائیں بہ نیت دعا پڑھے گا، یہ نیت قرآن نہیں کہ قرآن کا دوسرے رکن میں پڑھنا مکروہ ہے، اس دعا کے سلسلہ میں مشکوۃ میں حدیث ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے دعا تعلیم فرمائیں جیسے میں نماز میں پڑھتا رہوں اس وقت آپ نے انہیں یہ دعا بتائی اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم، چنانچہ یہی دعا عام طور بعد درود رائج ہے اور اسے پڑھنا بھی چاہئے۔

دعا کے سلسلہ میں اقوال

دعا کے باب میں فقہاء بالخصوص مصنف کا قول مختلف ہے حلبی کے قول کے مطابق اس باب میں مختار یہ ہے کہ دعا قرآن میں یا حدیث میں آئی ہے، اس کا نماز میں پڑھنا نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے اسی طرح وہ دعا بھی مفسد نماز نہیں ہے جو گو قرآن وحدیث میں نہیں آئی ہے مگر اس کا مخلوق سے مانگنا محال ہے جیسے کوئی کہے اللھم اغفر لعمی (اے اللہ میرے چچا کو بخش دے) اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن اگر وہ ایسی دعا ہے جس کا مانگنا مخلوق سے محال نہ ہو تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے اللھم اعطنی الملح اسے اللہ مجھے نمک دے تو اس سے نماز فاسد ہو جائیگی، بشرطیکہ یہ دعا مذکور التحیات کی مقدار سے پہلے ہو، اور اگر التحیات کی مقدار سے پہلے نہ ہو، بلکہ اس مقدار کے بعد پڑھے تو اس سے نماز پوری ہو جائے گی مگر کراہت تحریمی کے ساتھ،

نماز اس وقت تک پوری شمار ہوگی جب تک کہ سجدہ نماز یا سجدہ تلاوت یاد نہ آئے، لہذا مطلقاً مغفرت کی طلب سے نماز فاسد نہیں ہوگی خواہ مغفرت اپنے چچا کے لئے طلب کرے یا عمر کے لئے، اور اسی طرح رزق کے طلب کی دعائے بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، اگر اسے مال وغیرہ کے ساتھ مقید نہ کرے گا اس لئے کہ اس کا استعمال مجازاً بندوں کے لئے بھی ہے،

ثم یسلم عن یمینه ویساره حتی یری بیاض خده ولو عکس سلم عن یمینه فقط ولو تلقاء وجهه سلم عن یساره اخری ولو نسی الیسار اتی به ما لم یستدبر القبلة فی الاصح وتنقطع التحریمة بتسلیمة واحدة برهان وقد مرو فی التاتارخانیة ما شرع فی الصلوة مثنی فللواحد حکم المثنی فیحصل التحلیل بسلام واحد کما یحصل بالمثنی وتتقید الرکعة بسجدة واحدة کما تنقید سجدتین مع الامام ان اتم التشهد کما مرو کما مرو لا یخرج المؤتم بنحو سلام الامام بل بقهقهته وحدثه عمد النتقاء حرمتها فلا یسلم ولو اتمه قیل امامه فتکلم جاز وکره فلوعرض مناف تفسد صلوة الامام فقط کالتحریمة مع الامام وقالا الافضل فیهما بعده قائلا علیکم ورحمة الله هو السنة وصرح الحدادی بکراهة علیکم السلام و اله لا یقول هنا وبرکاته وجعله النووی بدعة ورده الحلبی وفی الحاوی انه حسن وسن جعل المثانی اخفض من الاول خصه فی المنیة بالامام واقره المصنف وینوی الامام

بخطابه السلام علی من فی یمینه ویساره ممن معه فی صلوته ولو جنا او نساءً اما سلام التشهد فیعم لعدم الخطاب والحفظة فیهما بلانیة عدد کالایمان بالانبیاء

نماز کے ختم پر سلام

اس کے بعد نمازی دائیں منہ پھیر کر دائیں سلام پھیرے اور پھر بائیں منہ پھیر کر بائیں سلام پھیرے، اور اس قدر دائیں بائیں منہ پھیرے کہ اس کے رخسارے کی سفیدی پیچھے نماز پڑھنے والے کو نظر آئے (سلام میں پورا السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے، اگر کوئی صرف السلام علیکم کہے تو بھی کافی ہوگا مگر اس طرح کہنے والا سنت طریقہ کا چھوڑنے والا ہوگا اور دائیں بائیں سلام میں منہ پھیرنا بھی سنت ہے کذافی الطحطاوی)

اور اگر الٹا کیا یعنی بائیں پہلے سلام پھیرا پھر دائیں تو اس صورت صرف دائیں طرف دوبارہ سلام پھیرے اور اگر اپنے سامنے کی طرف منہ کر کے سلام پھیرا تو اس صورت میں دوسرا سلام بائیں طرف پھیر دے، کیونکہ اس صورت میں سامنے والا سلام دائیں سلام کے قائم مقام ہو گیا، اور بائیں طرف سلام پھیرنا بھول گیا ہے تو اسے اس وقت تک ادا کر سکتا ہے جب تک قبلہ کی طرف پشت نہیں کیا ہے صحیح تر مذہب یہی ہے اور جب تک کلام نہیں کیا ہے اور بحر الرائق میں ہے کہ قبلہ کی طرف پشت کرنے سے بھی اس کا وقت ختم نہیں ہوتا ہے جب تک سجدہ میں ہے اس وقت تک ادا کر سکتا ہے،

نماز کس لفظ پر ختم ہوتی ہے

باقی تکبیر تحریمہ پہلے سلام پھیرنے کے ساتھ ہی منقطع ہو جاتی ہے کذافی البرہان اور یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا (واجبات نماز میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ پہلے سلام پر علیکم کے پہلے ہی اقتدا ختم ہو جاتی ہے)

تار خانیہ میں ہے کہ نماز میں جو چیز دو بار مشروع ہے اس میں سے ایک کے لئے دو کا حکم ہے، اس کلیہ سے یہ نکلا کہ دو سلام میں سے ایک سلام بھی قائم مقام دو کے ہیں لہٰذا ایک سلام سے نماز سے نکلنا اسی طرح ثابت ہو جائے گا جس طرح دو سے، اور سجدہ میں بھی ایک سے مقید کرنا دو کے قائم مقام ہو جائے گا اب مثلاً کوئی عقدہ اخیر بھول کر کھڑا ہو گیا اور اس رکعت کا ایک سجدہ کر لیا تو نماز باطل ہو جائیگی جس طرح دو سجدہ کرنے سے باطل ہوتی،

مقتدی کا سلام پھیرنا

اور مقتدی اپنے امام کے ساتھ سلام پھیر دے اگر وہ تشہد پورا کر چکا ہے جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے بھی گذر چکا، اور اگر تحیات پوری نہ کی ہو تو اس کو پورے کر کے سلام پھیرے، اس لئے التحیات بھی واجب ہے اور امام کی پیروی بھی واجب ہے،

امام کے سلام پھیرنے یا اس کے اس طرح کسی چیز سے مقتدی نماز سے خارج نہیں ہوگا بلکہ خود اس پر سلام پھیرنا واجب ہوگا، تاکہ وہ نماز سے باہر ہو البتہ امام کے سلام کے۔۔۔بعد مقتدی کھل کھلا کر ہنس دیئے یا قصداً بے وضو ہو جائے تو وہ نماز سے نکل جائے گا اس لئے کہ اس صورت میں نماز کی حرمت باقی نہیں رہی لہٰذا اب نماز سے نکلنے کے لئے اس کو سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر مقتدی نے اپنے امام کے تشہد پورا کرنے سے پہلے خود اپنا تشہد پورا کر لیا، اور اس کے بعد بول پڑا، تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی، مگر اس کا یہ فعل مکروہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے بلا عذر شرعی امام کی پیروی سے گریز کیا اب اگر مقتدی کے اس فعل مکروہ کے بعد امام سے کوئی مفسد صلاۃ چیز واقع ہو گئی تو صرف امام کی نماز فاسد ہوگی، اس مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ اسی فساد سے پہلے فعل مکروہ کی وجہ سے نماز سے نکل چکا تھا،

مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیرے

مقتدی جس طرح امام کے ساتھ تحریمہ باندھتا ہے اسی طرح اسکو اپنے امام کے ساتھ ہی سلام بھی پھیرنا چاہئے اور صاحبین نے کہا کہ افضل یہ ہے کہ تحریمہ اور سلام دونوں میں مقتدی امام کے بعد کرے یعنی جب امام تحریمہ باندھ چکے تو اسکے بعد مقتدی تحریمہ باندھے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدی سلام پھیرے، بالکل ساتھ ساتھ نہ کرے سلام پھیرتے ہوئے کہے گا السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور یہ کہنا سنت ہے اور حاوی قدسی نے صراحت کی ہے کہ علیکم السلام کہنا السلام علیکم کی جگہ میں یہاں مکروہ ہے اور اسکی بھی صراحت کی ہے کہ یہاں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے ساتھ "وبرکاتہ" نہ کہے،

اور برکاتہ کے اضافہ کرنے کو امام نوویؒ نے بدعت کہا ہے لیکن حلبی منیۃ المصلی کے شارح نے امام نوویؒ کے اس قول کی تردید کی ہے (ان کے پیش سنن ابو داؤد کی وہ حدیث ہے جس میں برکاتہ کا لفظ بھی آیا ہے کہ جب حدیث میں آیا ہے تو بدعت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے) چنانچہ حاوی قدسی میں ہے کہ اس لفظ کا کہنا اچھا ہے،

دوسرا سلام پست آواز میں

مسنون یہ ہے کہ دوسرا سلام پہلے کی نسبت آواز میں پست ہو، منیۃ المصلی میں اس کو امام کے لئے مخصوص کہا ہے اور مصنف نے اسی کو برقرار رکھا ہے، (گویا مقتدی اور منفرد دونوں سلام یکساں آواز میں کہے گا صرف امام دوسرے سلام کو پہلے کے اعتبار سے ذرا پست آواز میں کہے گا) اس سلام میں امام ان لوگوں پر سلامتی کی نیت کرے گا جو اس کے دائیں بائیں نمازی ہوں خواہ وہ آدمی ہوں یا جن پھر وہ مرد ہوں یا عورتیں، البتہ تشہد کا السلام علینا تمام مسلمانوں کے لئے عام ہوتا ہے نماز میں دائیں بائیں ہوں یا نہ ہوں، اس لئے تشہد میں خطاب نہیں ہوتا ہے،

سلام میں نیت

اس سلام میں ان فرشتوں کی بھی امام نیت کرے گا جو مکلّف لوگوں کے اعمال کی دیکھ بھال پر مقرر ہیں، تعداد متعین نہیں کرے گا، وہ جتنے بھی ہونگے بغیر شمار سب اس میں داخل ہوں گے جیسے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی تعداد کی حد بندی نہیں ہوتی،

محافظ فرشتوں کی تعداد

اس باب میں اختلاف ہے کہ محافظ فرشتوں کی تعداد کیا ہے، بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر مومن کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ چار ہوتے ہیں اور کوئی پانچ کہتا ہے، اور کوئی دس، اور کسی کے نزدیک ایک سو ساٹھ ہیں اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں کذا فی الشامی، اس کی تفصیل شرح المنیہ میں ہے وہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

وقدم القوم لان المختار ان خواص بنی آدم وهم الانبياء افضل من كل الملائكة وعوام بنی آدم وهم الاتقياء افضل من عوام الملائكة والمراد بالاتقياء من اتقى الشرك فقط كا لفسقة كما فى البحر عن الروضة واقره المصنف قلت وفى مجمع الانهر تبعا للقهستانى خواص البشرواوساطه افضل من خاص الملائكة واوساطه عند اكثر المشائخ وهل تتغير الحفظه قولان ويفارقه كاتب المسيئات عند جماع وخلاء وصلوة والمختار

ان کیفیة الکتابة والمکتوب فیه مما استاثر الله بعلمه نعم فی حاشیة الاشباه تکتب فی رق بلاحرف کثبوتها فی العقل وهواحد ما قیل فی قوله تعالی والطورو کتب مسطورفی رق منثور وصحح النیشابوری فی تفسیره انهمایکتبان کل شئی حتی انیة وفیتفسیر الدمیاطی یکتب المباح کاتب الستیات ولیحمحی یومالقمیامةوفی تفسیرالکازرونی المعروف بالاخوین الاصح ان الکافر ایضاً تکتب اعماله الا ان کاتب الیمین کالشاهد علی کاتب الیساروفی البرهان ان ملائکة اللیل غیرملائکة النهار وان ابلیس مع ابن آدم بالنهار وولده باللیل وفی صحیح مسلم ما منکم من اهد الاوقد وکل الله به قرینه من الجن وقرینه من الملائکة قالوا وایاك یا رسول الله قال وایای ولکن الله اعانی علیه فاسلم روی بفتح المیم وضمها

ترجمہ یہاں سلام میں مصنف نے پہلے آدمیوں کا ذکر کیا پھر فرشتوں کا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی میں جو خواص ہیں، جیسے انبیاء علیہم السلام وہ تمام فرشتوں سے افضل ہے اور آدمیوں کے عوام یعنی پرہیز گار اور خداترس وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں اور یہاں پرہیز گار سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے بچتے ہیں، جیسے فاسق چنانچہ بحر الرائق میں روضۃ العلماء سے ایسا ہی منقول ہے اور مصنف نے اسی قول کو باقی رکھا ہے،

افضلیت کی بحث روضۃ العلماء میں لکھا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام۔۔۔ تمام مخلوق سے افضل ہیں اور ان میں افضل سرور کائنات ﷺ ہیں اور انبیاء کے بعد مخصوص فرشتوں کا درجہ ہے وہ سب سے افضل ہیں، مخصوص فرشتوں میں حضرت جبریل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، عرش کے اٹھانے والے، اور ان کے بعد درجہ صحابہ تابعین، شہداء اور صالحین کا ہے یہ باقی فرشتوں سے افضل ہیں یہاں تک سب کا اتفاق ہے اس کے بعد اختلاف ہے امام اعظم فرماتے ہیں کہ اسلام عوام فرشتوں سے افضل ہیں اور صاحبین کہتے ہیں عوام فرشتے عوام مسلمانوں سے افضل ہیں، بشر میں تین درجے ہیں ایک خواص جیسے انبیاء دوسرے اوسط جیسے صحابہ، اور صلحائے امت تیسرے عوام جیسے صلحاء امت کے علاوہ لوگ اور فرشتوں میں صرف دو درجے ہیں ایک خواص دوسرے عوام، ان میں خواص بشر سب سے افضل ہیں، پھر خواص ملائک یعنی مخلوق فرشتے، پھر اوسط بشر یہاں تک تو اتفاق ہے اس کے بعد اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں عوام بشر عوام ملائک سے افضل ہیں اور صالحین کے نزدیک عوام ملائک کو عوام بشر پر فضیلت حاصل ہے

شارح کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ مجمع الانہر میں قہستانی سے مذکور ہے کہ بشر (آدمی) کے خواص فرشتوں کے خواص سے افضل ہیں، اور آدمی کے درجے اوسط کے لوگ فرشتوں کے اوسط درجہ سے افضل ہیں، اکثر مشائخ کا قول یہی ہے،

محافظ فرشتوں کی تبدیلی باقی محافظ فرشتے بدلتے رہتے ہیں یا نہیں اس میں دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ بدلتے رہتے ہیں، کیونکہ بخاری وغیرہ کی حدیث ہے کہ تم میں دن رات فرشتے آتے رہتے ہیں اور نماز عصر و فجر میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے یعنی یہ دو وقت ڈیوٹی بدلنے کے ہوتے ہیں رات کے فرشتے صبح کی نماز کے بعد اوپر چلے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے آجاتے ہیں پھر عصر کے وقت دن والے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں اور رات والے آتے ہیں.

اس حدیث کے سلسلہ میں قاضی عیاض کا قول ہے کہ ان فرشتوں سے مراد کراما کاتبین ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں فرشتے آدمی کی زندگی بھی نہیں بدلتے اس لئے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رب العالمین نے اپنے بندوں کے لئے دو فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں جب وہ آدمی مر جاتا ہے تو وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی وفات ہو چکی، اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اوپر چڑھ آوں، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ آسمان فرشتوں سے بھرا ہوا ہے جو تسبیح میں مشغول ہیں وہ کہتے ہیں تو کیا میں زمین پر ٹھہروں، اللہ تعالی جواب دیتا ہے کہ میری زمین فرشتوں سے بھری پڑی ہے جو میری پاکی بیان کرتے ہیں معروف ہیں چنانچہ اس کے بعد وہ فرشتے عرض کریں گے کہ اب ہم کہاں قیام کریں اللہ تعالی فرمائے گا مرے بندے کی قبر پر ٹھہرو، اور میری بڑائی بیان کرو مجھے یاد کرو اور اسے میرے بندے کے لئے لکھتے رہو،

فرشتے کس کس وقت جدا ہوتے ہیں

وہ فرشتے جو برائیوں کو لکھنے پر مقرر ہیں وہ عورت کے ساتھ ہمبستری ہونے کے وقت، پائخانہ کرتے وقت اور نماز پڑھنے کے اوقات میں جدا ہو جاتے ہیں، طحطاوی میں ہے کہ جماع کے وقت اور بیت الخلاء میں دونوں طرح کے فرشتے علیحدہ ہو جاتے ہیں نیکی لکھنے والے بھی اور برائی لکھنے والے بھی، البتہ نماز پڑھتے وقت نیکی لکھنے والے رہتے ہیں اور اس نیکی کو لکھتے ہیں البتہ برائی لکھنے والے کا کوئی کام نہیں رہتا اس لئے جدا ہو جاتے ہیں اور صحیح یہی ہے

فرشتوں کا لکھنا

باقی یہ سوال کہ فرشتے کس چیز میں لکھتے ہیں اور اسکی کیا کیفیت ہوتی ہے تو یہ ان اشیاء میں سے ہے جن کا علم صرف اللہ تعالی کو ہے،

اعمال لکھنے والے فرشتے

البتہ حاشیہ اشباہ میں یہ تفصیل بھی درج ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتے اوراق میں بغیر حروف لکھتے ہیں، جس طرح انسانی معلومات انسان کی عقل میں بغیر حرفوں کے محفوظ رہتی ہیں اور یہ ان اقوال میں سے ایک قول ہے جو اس آیت کی تفسیر میں منقول ہیں والطور وکتاب مسطور فی رق منشور، اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اس کی تصحیح کی ہے کہ وہ دونوں مقرر فرشتے ہر چیز کو لکھتے ہیں، حتی کہ آدمی کے آہ کرنے اور کراہنے کو بھی لکھتے ہیں (شامی میں ہے کہ ہر ضروری چیز کو لکھتے ہیں سانس لینے اور نبض چلنے اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو بھی) اور تفسیر دمیاتی میں ہے کہ برائیاں لکھنے والا فرشتہ مباح چیزوں کو لکھتا ہے اور پھر قیامت کے دن مٹا ڈالے گا حاصل یہ ہوا کہ انسانی اعمال تین طرح کے ہوتے ہیں (۱) وہ اعمال نیک جن ثواب ہے (۲) وہ اعمال بد جن میں عذاب ہے (۳) مباح جن میں نہ ثواب ہے اور نہ عذاب، اعمال نیک، نیکیوں والا فرشتہ لکھتا ہے اور بقیہ کاتب سیات۔

کافروں کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں

تفسیر گازرونی میں ہے جو "اخوین" کے نام سے مشہور ہے کہ صحیح تر قول یہ ہے کہ کافروں کے اعمال بھی لکھے جاتے ہیں مگر دایاں کاتب اعمال بائیں کاتب اعمال پر بطور شاہد ہو جاتا ہے (دائیں جو فرشتہ ہوتا ہے وہ نیکی لکھتا ہے اور بائیں والا برائی، کافر کے سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ اس کی تو کوئی نیکی۔۔ شمار نہیں ہوتی، لہٰذا دائیں کاتب کی کیا ضرورت ہے اوپر اسی کا جواب دیا گیا ہے کہ وہ گواہ کے طور پر وہاں موجود رہتا ہے)

دن اور رات کے فرشتے

برہان نامی کتاب میں ہے کہ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں سے الگ ہیں جیسا کہ پہلے حدیث گذر چکی ہے۔

ابلیس اور اس کی اولاد

اور یہ کہ ابلیس (شیطان) ہر انسان کے ساتھ دن میں ہوتا ہے اور رات میں ہر انسان کے ساتھ اس کی اولاد رہتی ہے (طحطاوی میں ہے کہ بقول بعض ابلیس کے بیوی ہے اور اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے اور بعض کے قول کے مطابق ابلیس انڈے دیتا ہے، اس سے بچے ہوتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ابلیس کی ایک ران میں نر کی علامت ہے اور دوسری ران میں مادہ کی علامت اور وہ خود اپنی ذات سے صحبت کرتا ہے اور بچے دیتا ہے واللہ اعلم)

ہر انسان کے ساتھ اللہ اور شیطان

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالی نے ایک شیطان مقرر کر رکھا ہے اور ایک فرشتہ، صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ بھی ایسا ہے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ بھی، لیکن اللہ تعالی نے میری خصوصی طور پر مدد فرمائی اور اس کو میرے تابع فرمادیا اور وہ مسلمان ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ مجھے صرف خیر کی تلقین کرتا ہے، شارح نے بتایا کہ لفظ "اسلم" میں میم کو زبر بھی ہو سکتا ہے اور پیش بھی زبر ہو گا تو باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہو گا اور اس کا معنی ہو گا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور میم کو پیش پڑھا جائے تو وہ فعل مضارع واحد متکلم کا صیغہ مصدر سلامت سے ہو گا اور اس کا معنی ہو گا کہ میں بچا رہتا ہوں،

ویزید المؤتم السلام علی امامه فی التسلیمة الاولی ان کان المام فیها والافی الثانیة ونواه فیهما لو محاذیا وینوی المنفرد الحفظة فقط لم یقل الکتب لیعم الممیزاذ لا کتبة معه ولعمری لقد صار هذا کالشریعة المنسوخة لا یکاد ینوی احد شیئا الا الفقهاء وفیهم نظر ویکره تاخیر السنة الا بقدر اللهم انت السلام الخ وقال الحلوانی لا باس بالفصل بالاوراد واختاره الکمال قال الحلبی ان ارید بالکراهة التنزیهیة ارتفع الخلاف قلت وفی حفظی حمله علی القلیلة ویستحب ان یستغفر ثلثا ویقرأ اية الکرسی والمعوذات ویسبح ویحمد ویکربر ثلثا وثلثین ویهلل تمام المائة ویدعو ویختم بسبحان ربك وفی الجوهرة ویکره للامام التنفل فی مکان لا لمؤتم وقیل یستحب کسر الصفوف وفی الخانیة یستحب للامام التحول الیمین القبلة یعنی یسار المصلی لتنفل اووردو خیره فی المنیة بین تحویله یمینا وشمالا واماما وخلفا وذهابه لبیته واستقباله الناس بوجهه ولودون عشرة مالم یکن بخدائه مصل ولوبعید اعلی المذهب

مقتدی کے سلام میں امام کی نیت

اور مقتدی قوم اور فرشتوں کے ساتھ اپنے سلام میں اپنے امام کی نیت کا اضافہ کرے گا امام دائیں پڑے تو والے سلام میں نیت کرے گا اور بائیں پڑے تو بائیں والے میں اور اگر بالکل اس کے مقابل پیچھے ہو تو دونوں سلاموں میں، اور تنہا نماز پڑھنے والا اپنے

سلام میں صرف فرشتوں کی نیت کرے گا شارح نے بتایا کہ مصنف نے حفظ کا لفظ لایا، کتبہ کا لفظ نہیں لایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ کتبہ سے مراد اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہےاور حفظ سے حفاظت کرنے والے، حفظ بالغ نابالغ سب کے ساتھ ہوتا ہے اور کتبہ بالغ کے ساتھ، حفظ کا لفظ لا کر یہ بتایا کہ سمجھدار نابالغ لڑکا بھی سلام میں فرشتے کی نیت کرے گا،

فرائض بعد فوراً سنت

شامی نے لکھا ہے کہ حسنات بھی لکھے جاتے ہیں اور ان کا ثواب ان کو ملے گا اور اس کے لئے بھی کاتب حسنات ہوتا ہے فرض نمازوں کے بعد سنت کی تاخیر مکروہ ہے البتہ مختصر دعائی مقدار تاخیر سے کراہت نہیں ہوتی (حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ صرف دعائی مقدار تاخیر کرتے تھے اس کے بعد فوراً سنت شروع فرمادیتے تھے، وظائف سنتوں کے بعد پڑھنے چاہئے اور جہاں فرض کے بعد وظائف کا تذکرہ ہے وہاں سنتوں کے بعد ہی مراد ہے صراحت کہیں نہیں ہے کہ سنتوں سے پہلے پڑھے، اس لئے سنت فرض کے تابع ہے لہذا سنت کے بعد جو وظائف ہونگے وہ فرض کے بعد ہی شمار ہوں گے)

فرض وسنت کے درمیان وظائف

حلوانی نے کہا کہ فرض و سنت کے درمیان وظیفوں کے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے محقق کمال الدین نے بھی اس کو پسندیدہ کہا ہے، حلبی کہتے ہیں کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی مراد لیا جائے تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا ہے (گویا جنہوں نے مکروہ کہا ہے اور جنہوں نے اجازت دی ہے دونوں میں تطبیق نکل آتی ہے) شارح کہتے ہیں کہ میری یاد میں حلوانی کی مراد تھوڑے سے وظائف ہیں) جن کی وجہ سے فرض و سنت میں زیادہ فاصلہ نہ ہو،

سلام کے بعد استغفار

مستحب یہ ہے کہ سلام کے بعد تین بار استغفار پڑھے اور اسی کے ساتھ آیۃ الکرسی اور سورہ ناس، سورہ فلق اور سورہ اخلاص پڑھے، اور سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار اور ایک بار لا الہ الا اللہ پڑھے اس طرح یہ سو ہو جائیں گے، پھر دعا مانگے، اور دعا کو **سبحان ربك رب العزة عما يصفون** پر ختم کرے (استغفار کی کیفیت امداد الفتاح میں یہ لکھی ہے، **استغفر الله تعظيم الذى لا اله الا هو الحى القيوم واتوب اليه**'' سبحان اللہ، اللہ اکبر، اور لا الہ الا اللہ ملا کر سو بار پڑھنے کو تسبیح فاطمی کہا جاتا ہے)

مقتدی وامام کا اپنی جگہ میں نفل پڑھنا

جوہرہ میں ہے کہ امام کو اپنی فرض نماز کی جگہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے، البتہ مقتدی کے لئے اسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ نہیں جہاں وہ فرض میں تھا، اس مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے، جیسا کہ فتاوی خانیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ نفل پڑھنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ امام صفوف کو چیر کر باہر آجائے، اور بہتر یہ ہے کہ نفلیں اپنے گھروں میں جا کر ادا کی جائے اگر کسی رکاوٹ کا خطرہ نہ ہو، اس دور میں گھروں میں جا کر نفل ادا کرنے میں بڑی زحمت ہے، مسلمان گھرانوں میں پہلا جیسا نماز کا اہتمام نہیں رہا، مسجد سے گھر پہونچتے ہوئے نہ معلوم کتنے لوگوں سے ملاقات ہوگی اور باتوں میں انکا جائیں گے اور گھر پہونچ کر بھی سکون میسر نہیں ہوگا، اس لئے مسجد میں پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ سکون اب مسجد میں ہے گھروں میں نہیں۔

امام نوافل کہاں پڑھے

فتاوی خانیہ میں ہے کہ امام کو نفل پڑھنا ہو یا وظیفہ پڑھنا ہو تو مستحب یہ ہے کہ قبلہ کے دائیں جانب پھر جائے اور منیۃ المصلی میں ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ چاہے وہ دائیں طرف

پھر جائے یا دائیں جانب پھر جائے اور چاہے آگے کی طرف اور خواہ پیچھے کی طرف، اور اگر وہ چاہے تو گھر جاکر سنت و نفل ادا کرے اور اس سے کم آدمی ہو تو امام اپنا منہ مقتدیوں کی طرف کرلے، بشرطیکہ اس کے سامنے کوئی نمازی نہ ہو، گو وہ دور نماز پڑھ رہا ہو، ظاہر مذہب یہی ہے، (منیۃ المصلی میں اختیار ان صورتوں میں ہے کہ جب فرض کے بعد سنتیں ہوں اور لوگوں کی طرف منہ کرنے کی صورت اس وقت ہے کہ فرضوں کے بعد سنتیں ہوں اور اس مردوں والی قید ایک روایت کے پیش نظر ہے جو بے اصل ہے، اور جو کہا کہ امام کے سامنے کوئی آدمی نہ ہو اگرچہ دور ہی ہو، یہ ذخیرہ میں مذکور ہے مگر حلیہ میں یہ ہے کہ اگر امام اور اس نمازی کے درمیان میں کوئی تیسرا شخص ہو جس کی پشت نمازی کی طرف ہو تو اس وقت امام کے اس طرف منھ پھیرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے یہ تیسرا شخص سترہ کے قائم مقام ہو جائے گا، چنانچہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی کسی کی طرف اس طرح منہ کر کے نماز پڑھے کہ دونوں کے درمیان تیسرا شخص ہو اور اس کی پشت نمازی کی طرف ہو تو مکروہ نہ ہوگا، ظاہر مذہب میں امام محمدؒ نے اس کے مشہور ہونیکی وجہ سے قید نہیں لگائی،

(فصل)ویجهر الامام وجوبا بحسب الجماعة فان زاد علیه اساء ولو ائتم به بعد الفاتحة او بعضها سرا اعادها جهرا بحر لكن فی اخر شرح المنية ایتم به بعد الفاتحة یجهر بالسورة ان قصد الامامة والا فلا یلزمه الجهر ، فی الفجر واولی العشائین اداء وقضاء وجمعة وعیدین وتراویح ووتر بعدها ای فی رمضان فقط للتوارث قلت فی تقییده بعدها نظر لبهره فیه وان لم یصل التراویح علی الصحیح كما فی مجمع الانهر نعم فی القهستانی تبعا للقاعدی لا سهو بالخافتة فی غیر الفرائض كعید ووتر نعم الجهر افضل ویسر فی غیرها وكان علیه الصلوة والسلام یجهر فی الكل تركه فی الظهر والعصر لدفع اذی الكفار كافی كمنتقل بالنهار فانه یسر ویخیر المنفرد فی الجهر وهو افضل ویكتفی بادناه ان ادی وفی السبرية یخافت حتما علی المذهب كمنتقل باللیل منفرداً فلو ام جهر لتبعية النفل للفرض زیلعی ویخافت المنفرد حتما ای وجوبا ان قضی الجهرية فی وقت المخافتة كان صلی العشاء بعد طلوع الشمس كذا ذكره المصنف بعد عد الواجبات قلت وهكذا ذكرقابن الملك فی شرح المنار من بحث القضاء علی الاصح كما فی الهداية لكن تعقبه غیر واحد ورجحوا تخییره كمن سبق بر كعة من الجمعة فقام یقضیها یخیر

فصل احکام و مسائل قراءت

ترجمہ:- نماز کے ارکان میں سے قراءت بھی ایک رکن ہے اور اس کے مسائل زیادہ تھے اس لئے اسی کے واسطے مستقل فصل قائم کی۔

جہری نمازمیں جہر واجب ہے

امام پر جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرنا واجب ہے مگر یہ آواز کی بلندی جماعت کے مطابق ہوگی کہ تمام تک آواز پہونچ جائے، ضرورت سے زیادہ آواز بلند براہے، یہ جہر اس لئے واجب ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ پابندی سے ایسا ہی کرتے تھے۔

سورہ فاتحہ کے بعد اگر امام بننا پڑے

اگر کوئی کسی نمازی کی اقتدا اس وقت کرے جب وہ پوری سورہ فاتحہ پڑھ چکا تھا، یا اس کا کچھ حصہ پڑھ چکا تھا، تو اس نمازی کو چاہئے کہ وہ سورہ فاتحہ کا بلند آواز سے اعادہ کرے، بحرالرائق میں ایسا ہی ہے لیکن شرح المنیہ کے آخر میں ہے کہ اگر سورہ فاتحہ کے بعد کسی نے نمازی کی اقتدائی ہے تو اب اس کو سورہ بلند آواز پڑھنا چاہئے، اگر وہ نمازی امامت کرنا چاہتا ہے، ورنہ لازم نہیں ہے۔

ایک مقتدی کے آنے سے جہر کی وجہ

بحر الرائق میں اعادہ کا جہر کے ساتھ اس لئے حکم ہے کہ دوسرے شخص کی اقتدا کرنے کی وجہ سے بلند آواز سے اس پر پڑھنا واجب ہو گیا، اب اگر باقی کو بلند آواز سے پڑھتا ہے اور آہستہ والی کو رہنے دیتا ہے تو ایک ہی رکعت آہستہ آواز اور بلند دونوں طرح پڑھنا لازم آتا ہے، اور یہ براہے اور اگر پڑھے ہوئے کی رعایت میں آہستہ پڑھتا ہے تو واجب کا ترک لازم آتا ہے، اس لئے اس دوسرے شخص کے مل جانے کی وجہ سے قراءت کا جہر کے ساتھ پڑھنا واجب ہو گیا، اس لئے کہا کہ بلند آواز سے ضروری ہو گیا تا کہ یکسانیت پیدا ہو جائے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شارح منیۃ کا قول ضعیف ہے اور امامت کے مقدوری شرط بھی ضعیف ہے کیونکہ مرد کی اقتدا کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے عورتوں کے لئے البتہ شرط ہے۔

جہری نمازیں

یہ قراءت بلند آواز سے نماز فجر، مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں رکھے گا، ان کو بطور ادا پڑھ رہا ہو یا بطور قضاء، اور قراءت بلند آواز سے جمعہ، عیدین اور تراویح میں کرے گا اور تراویح کے بعد والی وتر میں بھی یعنی صرف رمضان کے مہینہ میں، سلف سے یہی تواتر چلا آرہا ہے، شارح کہتے ہیں کہ وتر میں مصنف نے "بعدہا" کی جو قید لگائی ہے اس میں گفتگو ہے، کیونکہ بہر حال رمضان کے مہینہ میں امام وتر میں جہر کرے گا اگر چہ اس نے تراویح نہیں پڑھی ہو، مذہب صحیح یہی ہے، چنانچہ مجمع الانہر میں صراحت ہے کہ اگر تراویح کے پہلے وتر جماعت سے پڑھے گا تو اس میں بھی جہر کے ساتھ پڑھنا واجب ہے اور شامی نے کہا کہ اس حصہ کا مطلب یہ ہے کہ تراویح ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور اس کے بعد وتر بھی رمضان ہی میں ہوں گے تو اب اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے مہینہ کی وتر میں جہر کرے دوسرے مہینوں میں نہیں۔

فرضوں نمازوں کے سوا دوسری جہری نماز آہستہ پڑھنا

قہستانی میں قاعدہ کی پیروی میں لکھا ہے کہ فرضوں کے سوا دوسری جہری نمازوں میں آہستہ پڑھنے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا ہے جیسے عید اور رمضان کی وتر مگر ہاں ان میں بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے۔

قہستانی نے اس عبارت کے بعد لکھا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عید اور وتر کی نمازوں میں بھی جہر کرے یعنی جہر ضروری سمجھ کر کرے۔

اور ان مذکورہ نمازوں اور رکعتوں کے علاوہ میں قراءت آہستہ کرے، آنحضرت ﷺ پہلے تمام نمازوں میں قراءت بلند آواز سے فرماتے تھے، پھر آپ نے ظہر وعصر میں آواز کے ساتھ قراءت ترک فرمادی اس وجہ سے کہ کفار اذیت پہونچاتے تھے اس سے بچنے کے لئے آپ نے ایسا کیا کافی میں ایسا ہی ہے۔

تشریح نبی کریم ﷺ اولاً تمام نمازوں میں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھتے تھے، کفار یہ سن کر رب العزت اور آپکو گالیاں دیتے جس سے آپ کو اذیت ہوتی اس پر یہ آئتیں نازی ہوئیں ولا تجهر بصلوتك و لا تخافت بها وبتغ بكن ذالك سبيلا "یعنی نہ تو اپنی نمازوں میں بلند آواز سے پڑھو اور نہ تمام آہستہ پڑھو، ان دونوں کے درمیان کوئی راستہ تلاش کرو، مطلب یہ ہے کہ رات کی نمازوں میں جہر کرو اور دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو، چنانچہ اس حکم کے بعد آپ ظہر و عصر میں آہستہ پڑھنے لگے کیونکہ ان وقتوں میں کفار مکہ ایذا کے لئے آمادہ رہتے تھے، اور مغرب میں وہ کھانے میں عموماً مشغول ہوتے اور عشاء اور فجر میں سونے میں اس وجہ سے آپ ان تین وقتوں کی نماز فرض میں آواز کے ساتھ قرأت کرتے، باقی عید اور جمعہ کی نمازیں تو یہ ہجرت کے بعد مدینہ سے شروع ہوئی ہیں وہاں کفار کا زور نہیں تھا، بلکہ آپ امن میں تھے اس لئے ان دونوں میں بھی بلند آواز سے قراءت فرماتے کذافی الطحطاوی عن الحلبی۔

جہری نمازوں میں منفرد کو اختیار ان نمازوں میں اسی طرح آہستہ پڑھے جس طرح ان نفل نمازوں میں آہستہ پڑھتے ہیں، جہری نمازوں میں منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والوں کو اختیار ہے کہ بلند آواز سے پڑھے یا نہ پڑھے مگر آواز کے ساتھ پڑھنا اس کے لئے بھی افضل ہے، تاکہ جماعت کی نماز سے باب قراءت میں مشابہ ہو جائے لیکن منفرد معمولی آواز پر اکتفا کرے گا اس لئے تنہا ہے کسی جماعت کو سنانا نہیں ہے یہ اس صورت میں ہے کہ وہ ادا نماز پڑھے،

سری نمازوں میں آہستہ پڑھنا سری نمازوں میں یقینی طور پر وہ آہستہ پڑھے گا کہ آہستہ پڑھنا ہی واجب ہے یہاں تک کہ اگر ان میں جہر کے ساتھ پڑھے گا تو سجدہ سہو لازم ہو گا جہری نماز میں منفرد کو ایسا ہی اختیار ہے جیسا کہ رات میں تنہا نفل نماز پڑھنے والے کو قراءت کے باب میں اختیار ہے کہ آہستہ پڑھے یا بلند آواز سے ، لیکن اگر رات کی نفل جماعت کے ساتھ پڑھے گا تو اس میں بلند آواز سے قراءت کرے گا اس لئے کہ نفل نماز فرض کے تابع ہے کذافی الزیلعی۔

جہری نماز کی قضا سری نمازوں کے اوقات میں منفرد اگر جہری نماز کی قضا سری نمازوں کے وقت پڑھے گا تو اس میں اس پر قرأت کا آہستہ پڑھنا واجب ہے مثلاً کوئی عشاء کی قضا نماز سورج نکلنے کے بعد ادا کرے تو اس میں آہستہ قرأت کرے گا، شارح کہتے ہیں کہ ابن الملک نے اس کو شرح المنار میں اسی طرح ذکر کیا ہے جہاں قضا کی بحث کی ہے، ہدایہ میں بھی ایسا ہی ہے مصنف نے بھی اس کو جہاں واجبات شمار کئے ہیں وہاں ذکر کیا ہے، لیکن اگر جہری نماز کی قضا جہری نمازوں کے وقت میں کرے گا تو اس منفرد کو اختیار حاصل ہو گا کہ چاہے آواز کے ساتھ کرے چاہے آہستہ، جیسا کہ حلبی میں اس کی صراحت موجود ہے۔

لیکن جہری نماز کے سری نماز کے وقتوں میں ادا کرنے میں وجوباً آہستہ پڑھنے پر بعضوں نے اعتراض کیا ہے اور انہوں نے یہاں بھی اس کو جہر و سر کے اندر اختیار دیا ہے جیسے وہ شخص جس کی نماز جمعہ میں ایک رکعت چھوٹ جائے اور امام کے بعد وہ اسے کھڑے ہو کر پوری کرے، اس کو بھی اختیار ہے کہ چاہے پکار کر پڑھے چاہے آہستہ پڑھے طحطاوی نے کہا کہ جس کی مغرب و عشاء کی رکعتیں چھوٹ جائے ان کا حال بھی یہی ہے اس لئے مسبوق منفرد کی طرح ہے (خواہ وہ جہر کے ساتھ پڑھے یا آہستہ دونوں کا اختیار ہے۔

واو فی الجهرا سماع غیره و ادنی المخافتة اسماع نفسه و من بقربه فلو سمع رجل او رجلان فلیس بجهر و الجهران یسمع الکل خلاصة ویجری ذالك المذکورفی کل مایتعلق بنطق کتسمیة علی ذبیحة ووجوب سجدة تلاوة و عتاق و طلاق و استثناء وغیر ها فلو طلق اور استثنی ولم یسمع نفسه لم یصح فی الا صح وقیل فی نحو البیع یشترط سماع المشتری ولو ترك السورة اولی العشاء مثلاً ولو عمداً قرأها وجوباً وقیل ندبا مع الفاتحة جهرافی الاخرین لان الجمع بین جهر و مخافتة فی رکعته شنیع ولوتذکر ها فی رکوعه قرأها و اعاد الرکوع ولوترك الفاتحة فی الاولین لایقضیها فی الاٰ خریین للزوم تکرار ها ولو تذکرها قبل الرکوع قراها واعاد السورة.

جہری وسری کی تعریف معمولاً اولی (جہر) بلند آوازی یہ ہے کہ اپنے غیر کو سنائے جو اس سے ذرا دوری پر ہو اور معمولی درجہ کی آہستگی یہ ہے کہ خود کو سنائے اور اس شخص کو اس سے قریب ہو، لہٰذا اگر ایک دو آدمی سن لیں تو وہ بلند آواز سے قرات نہیں کہی جائیگی بلند آواز یہ ہے کہ سب صف والے سنیں، خلاصہ میں ایسا ہی ہے۔

(اس پر قہستانی نے اعتراض کیا ہے کہ اگر جماعت بڑی ہو اور سبھوں تک آواز نہ پہونچے تو وہ جہر نہ ہوگا شامی نے جواب دیا ہے کہ صف اول کے لوگ کے مراد ہیں، مگر کبھی مسجد بہت لمبی ہوتی ہے تو کنارے تک آواز نہیں پہونچتی اس لئے کہا جائے کہ یہاں مراد یہ ہے کہ آس پاس کے کل آدمی سن سکیں)

جہر و سر کی یہ تعریف ہر اس چیز پر جاری ہوگی جو بولنے سے تعلق رکھتی ہو، جیسے ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا، سجدہ تلاوت کا واجب ہونا، طلاق دینا، انشاء اللہ کہنا، آزاد کرنا، چنانچہ کسی نے طلاق دی اور انشاء اللہ اس طرح نہ کہا کہ خود بھی سن سکے تو استثناء درست نہیں ہوگا صحیح تر مذہب یہی ہے یوں امام کرخیؒ نے یہ تعریف کی ہے کہ ادنی سر یہ ہے کہ حروف صحیح طور پر نکلے خود بھی سنے یا نہ سنے

بعض لوگوں نے کہا بیع جیسے تصرفات میں مشتری کا سننا شرط ہے (طحطاوی نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ معاملات ہیں جن میں تبادلہ پایا جائے یا غیر کے قبول کرنے پر موقوف ہوں۔

پہلی رکعتوں کے قراءت کی قضا پچھلی رکعتوں میں اگر عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں مثلاً سورہ پڑھنا چھوڑ دیا عموماً ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کی پچھلی دو رکعتوں میں سورہ کو مع الحمد کے بلند آواز سے پڑھے اور بعضوں نے کہا کہ ایسا کرنا مستحب ہے کیونکہ ایک رکعت کے اندر جہر و سر دونوں کا جمع کرنا برا ہے، قیل سے مستحب کا بیان بتاتا ہے کہ اصح قول وجوب والا ہی ہے، اور اگر اسے سورہ رکوع میں یاد آگئی تو وہ کھڑا ہو کر سورہ پڑھے گا پھر رکوع کرے گا اس لئے ترتیب ان ارکان میں جو مکرر نہیں ہیں فرض ہے لہٰذا اگر دوبارہ رکوع نہیں کرے گا تو نماز فاسد ہو جائیگی کذانی الشامی۔

سورہ فاتحہ کا اعادہ نہیں اگر سورہ فاتحہ پہلی دو رکعتوں میں چھوڑ دیا ہے تو اسے پچھلی دو رکعتوں میں بطور قضا نہیں پڑھے گا، اس لئے کہ ایسا کرنے میں سورہ فاتحہ دوبارہ پڑھنا لازم آئے گا، ایک بار خود ان پچھلی رکعتوں میں جو الحمد ہے وہ پڑھے گا پھر پہلی دونوں رکعتوں میں جو فاتحہ رہ گیا ہے وہ، اور واجب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کا تکرار نہ ہو اور اگر اسے رکوع سے پہلے سورہ فاتحہ یاد ہوئی تو وہ اسے پہلے پڑھے پھر دوبارہ اس کے ساتھ سورہ پڑھے یہ واجب ہے اس لئے سورہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان ترتیب واجب ہے کذا فی الطحطاوی

وفرض القراء ة آية على المذهب هي لغة العلامة و عرفا طائفة من القرآن مترجمة اقلها ستة احرف ولو تقديرا كلم يلد الا اذا كانت كلمةً فالاصح عدم الصحة فان كررها مرار االا اذا حاكم فيجوز ذكره ولو قرأآية طويلة في الركعتين فالاصح الصحة اتفاقاً لانه يزيد على ثلث ايات قصار قاله الحلبي وحفظها فرض عين متعين على كل مكلف وحفظ جميع القرآن فرض كفاية وسنة عين افضل من التفضل وتعلم الفقه افضل منهما وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب على كل مسلم يكره نقص شئي من الواجب.

فرض قراءت وہ قرأت جو نماز میں فرض ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی ہے ظاہر مذہب میں ایک آیت ہے یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک بڑی آیت کا پڑھنا فرض ہے۔

آیت لغت میں علامت کے معنی میں ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں قرآن کا ایک ٹکڑہ ہے جس کی ابتدا اور انتہا کا اعتبار کیا جائے اس ٹکرہ میں کم سے کم چھ حروف ہوں، اگر تقدیری طور پر ہوں، جیسے لم یلد کہ بظاہر گو اس میں پانچ حروف ہیں مگر یہ اصل میں چونکہ لم یولد تھا تعلیل کے بعد لم ملد ہوا ہے اس لئے اصل میں چھ حروف تھے مگر جب وہ آیت ایک کلمہ ہو تو صحیح تر یہ ہے کہ نماز اس سے درست نہیں ہوتی ہے، گو اس کلمہ کو نمازی چند بار کہے، مثلاً، ص، ق، ن یہ قرآن میں ہے اگر ان میں کسی کو بار بار بھی کہے گا تو نماز نہیں ہو گی، ہاں اگر کوئی حاکم فیصلہ کردے تو جائز ہو جائے گی اسے قہتانی نے ذکر کیا اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے ایک شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تو نماز صحیح پڑھے تو آزاد چنانچہ اس نے نماز پڑھی اور اس نماز میں ایک کلمہ مدْہَامَّتَانِ کو پڑھا ایک مرتبہ یا بار بار۔ اس کے بعد وہ مقدمہ ایسے حاکم کی عدالت میں گیا جو ایک کلمہ کے پڑھنے سے نماز کے درست ہونے کا قائل ہو اور وہ فیصلہ کردے غلام آزاد ہے تو اب اس صورت میں اس کی یہ نماز بھی جائز قرار دیدی جائے گی کذا فی الشامی۔

ایک لمبی آیت دو رکعتوں میں ایک لمبی آیت دو رکعتوں میں اگر ایک لمبی آیت کو کسی نے دو رکعتوں میں پڑھا تو صحیح یہ ہے نماز امام اعظم اور صاحبین تمام کے نزدیک درست ہو گی اس لئے اتنا پڑھنا تین چھوٹی آیتوں سے زیادہ ہے یہ حلبی نے کہا اجب نصف آیت تین چھوٹی آیتوں کے برابر یا زیادہ ہو تو صاحبین کے نزدیک بھی نماز صحیح ہو گی۔

کتنا قرآن یاد کرنا فرض عین ہے ایک آیت قرآنی کا ہر مکلف عاقل و بالغ کو یاد کرنا متعین طور پر فرض عین ہے اور پورے قرآن کا حفظ کرنا فرض کفایہ ہے یعنی کچھ مسلمان حفظ کرلیں گے تو

سبھوں کے ذمہ یہ فرض باقی نہیں رہے گا سب قرآن کا یاد کرنا ہر مکلف کیلئے نفل پڑھنے سے افضل ہے اور سنت عین ہے۔

سنت کی قسمیں شامی نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کی بھی قسمیں ہیں سنت عین اور سنت کفایہ، مثلاً تراویح پڑھنا سنت عین ہے اور اس کی جماعت ہر محلہ میں سنت کفایہ ہے، شرح المنیہ میں ہے کہ قرآن بھول جانا حرام نہیں ہے مگر اس طرح بھول جانا کہ قرآن دیکھ کر بھی نہ پڑھا جاسکے یہ البتہ حرام ہے، اور فقہ کا سیکھنا نفل پڑھنے اور بقیہ پورا قرآن حفظ کرنے سے بہتر ہے یہاں فقہ سے مراد وہ دینی مسائل ہیں جو اپنی ضرورت سے زیادہ ہو ورنہ، بقدر حاجت فقہ کا سیکھنا فرض ہے، بقیہ پورے قرآن کے یاد کرنے کا حاصل یہ ہے جس قدر یاد کرے فرض یا واجب ہے اس کے بعد والا حصہ یاد کرنے سے مسائل دینی کا سیکھنا افضل ہے لیکن یہ افضل بھی اس وقت ہے جب فرض کفایہ کے درجہ میں کچھ حافظ قرآن موجود ہوں تب ورنہ افضل نہ ہوگا۔

الحمد یعنی سورہ فاتحہ اور کسی اور سورہ کا یاد کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور واجب میں کمی مکروہ تحریمی ہے اور سنت میں سے کسی چیز کا کم کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

ویسن فی السفر مطلقا ای حالة قرارا وفرار كذا اطلق فی الجامع الصغير ورجحه فی البحر ورد ما فی الهداية و غير ها من التفصيل ورده فی النهر و حرران مافی الهداية هو المحرر الفاتحة وجوباً و ای سورة شاء وفی الضرورة بقدر الحال ويسن فی الحضر لامام و منفردِ ذكره الحلبی و الناس عنه غافلون طوال المفصل من الحجروات الى البروج فی الفجر و الظهر و منها الى آخر لم يكن اوساطه فی العصر و العشاء و باقيه قصاره فی المغرب ای فی كل ركعة سورة مما ذكر ذكره الحلبی و اختار فی البدايع عدم التقدير وانه يختلف بالوقت والقوم والامام و فی الحجة يقرأ فی الفرض بالترسل حرفا حرفا و فی التراويح بين وبين فے النفل ليلاله ان يسرع بعد ان يقرأ كما يفهم ويجوزبالروايات السبع لكن الاولی ان لايقرأبالغوبيةعند العوام صيانةلدينهم وتطال اولی الفجر علی ثانيتها بقلر الثلث وقيل النصف ندبا فلو فحش لاباس به فقط و قال محمد اولی الكل حتی التراويح قيل وعليه الفتوی واطاله الثانيه علی الاولی يكره تنزيها اجماعا ان بثلاث آيات ان تقاربت طولا وقصراً والا اعتبر الحروف والكلمات واعتبر الحلبی فحش الطول لا عدو الآيات واستثنی مافی البحر ماوردت به السنته و استظهر فے النفل عدم الكراهة مطلقاً وان ماقل لايكره لانه عليه الصلوة والسلام صلی بالمعوذتين.

سفر کی نماز میں قراءت سفر میں جب نماز پڑھے تو اس میں سورہ فاتحہ اور کسی سورہ کا پڑھنا مسنون ہے جس کو وہ چاہے خواہ اطمینان کی حالت ہو یا جلدی کی شارح نے کہا کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں سفر کو مطلقاً کہا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ بحر الرائق میں اور ہدایہ نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کی تردید ہے اور نہر الفائق میں صاحب بحر الرائق کے قول کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ جو کچھ ہدایہ میں تفصیل ہے وہی درست ہے۔

ہدایہ میں تفصیل یہ ہے کہ سفر میں اگر مسافر جلدی میں ہے تو سورہ فاتحہ پڑھے اور جو سورہ وہ چاہے اور اگر حالت اطمینان میں ہے تو فجر کی نماز میں سورہ بروج کے مثل پڑھے اور ظہر میں بھی ایسا ہی اور عصر و عشاء میں بروج سے چھوٹی سورتیں پڑھے اور مغرب میں بہت چھوٹی سورتیں صاحب بحر الرائق کا کہنا یہ ہے کہ امام محمد کی کتاب میں مطلقا ہے یہ تفصیل نہیں پھر یہ کہ مسافر کے لئے سورہ بروج کی تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا دونوں حالتوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے صاحب نہر الفائق کا کہنا ہے کہ بروج سے مراد طوال مفصل ہے کسی خاص صورت کی تعین نہیں ہے لہٰذا اگر وہ اس کی رعایت کر سکتا ہے تو کرنا چاہئے

مسنون یہ ہے کہ ضرورت کے وقت نماز میں قرأت حالت کے مطابق کرے، جیسی گنجائش ہو ویسا ہی کرے۔ مثلاً وقت تنگ ہو تو مختصر سے مختصر پڑھے تا کہ نماز پوری ہو جائے یا اسی طرح جان یا مال کا خوف ہو تو بھی کم سے کم قرأت کر کے جلد نماز پور کرلے۔

حالت اقامات میں قرات مسنونہ

حالتِ اقامت میں امام اور منفرد کے لئے مسنون یہ ہے کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل کی قرأت کرے جو سورہ حجرات سے شروع ہو کر سورہ بروج پر ختم ہوتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں کہ منفرد کا اس باب میں وہی حکم ہے جو امام کا ہے اور عصر اور عشاء میں اوسط مفصل پڑھے جو سورہ بروج سے شروع ہو کر لم یکن کے آخر تک ہے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھے یہ لم یکن لذی کے بعد سے لیکر آخر قرآن تک ہے اور اس طرح ان نمازوں میں پڑھنا مسنون ہے اس کا ثبوت صحابہ سے ثابت ہے حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھو اور عصر و عشاء میں اوسط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کذا فی الشامی)

یعنی نماز کی ہر رکعت میں ان سورتوں میں جو مذکور ہوتیں میں ایک سورہ پڑھے اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے اور بدائع نے کچھ مقرر نہ کرنے کو پسند کیا ہے اس لئے قراءت وقت قوم اور امام کے باعث مختلف ہوتی ہے (ما حصل یہ ہے قرات میں کوئی حدبندی مناسب نہیں ہے مثلاً فجر میں کبھی بڑی سورت پڑھے اور کبھی چھوٹی اسی طرح اور نمازوں میں، اور یہ اختلاف وقت پر منحصر ہے اگر وقت و حالت اجازت دے زیادہ پڑھے وہ رنہ مختصر اور کم اس طرح مقتدی نہیں گھبرائیں تو لمبی قرات کرے ورنہ مختصر یہی حال امام کا ہے کہ اگر وہ خوش آواز ہے تو اس کا زیادہ پڑھنا مقتدیوں کو ناگوار نہیں ہوگا ورنہ وہ اکتا جاتے ہیں۔

نماز میں قراءت کس طرح کرے

فتاویٰ حجہ میں ہے کہ فرض نماز میں قرأت ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک حرف کو الگ الگ کر کے پڑھے تراویح میں نہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور نہ تیز پڑھے بلکہ درمیانہ انداز میں پڑھے اور رات کی نفلوں میں جیسے تہجد ہے نمازی کیلئے جائز ہے کہ قرأت جلد جلد کرے مگر اس طرح کہ سمجھ میں آئے نفل میں تیز پڑھنے کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ عموماً لوگ اس میں قرآن زیادہ پڑھا کرتے ہیں لیکن ایسا تیز بھی نہ پڑھے کہ سمجھ میں ہی نہ آئے۔

قرآن کا ساتوں روایتوں کے مطابق پڑھنا جائز ہوتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ عوام کے سامنے اس روایت کے مطابق نہ پڑھے جس سے وہ مانوس نہ ہوں، تا کہ عوام کا دین محفوظ رہے اور وہ کسی وہم میں مبتلا نہ ہوں۔

فجر کی پہلی رکعت کو دوسرے سے طویل ہونا چاہئے

صرف فجر میں پہلی رکعت بہ نسبت دوسری کے لمبی کرے اور یہ زیادہ تہائی یا نصف کے قریب ہو مستحب

ہے لیکن اگر بہت زیادہ لمبی کردے گا تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ سب نمازوں میں پہلی رکعت دوسری کی نسبت سے لمبی کرنا مستحب ہے حتیٰ کہ تراویح میں بھی اور کہا گیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

طحطاوی نے لکھا ہے کہ یہ اختلاف جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے علاوہ نماز میں ہے اس لئے کہ ان دونوں میں دونوں رکعتوں میں قرات برابر برابر ہونی چاہئے او حلیہ میں امام محمدؒ اور شیخین دونوں کی دلیل نقل کی ہے اور کہا ہے کہ فتویٰ شیخین کے قول پر ہونا چاہئے۔

دوسری کا پہلی سے طویل کرنا

البتہ دوسری رکعت کا پہلی رکعت پر تین آیتوں کی مقدار زیادہ کرنا بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے اگر دونوں رکعتوں کی آیتیں بڑی اور چھوٹی ہونے میں قریب قریب ہوں اور اگر ایک سی آیتیں نہ ہوں تو حروف وکلمات کا اعتبار ہوگا یعنی دوسری رکعت کے حروف وکلمات پہلی رکعت سے زیادہ نہ ہوں، اور حلبی نے زیادہ زیادتی کا اعتبار کیا ہے آیات کی تعداد کا اعتبار نہیں کیا ہے ماحصل یہ ہے کہ دوسری رکعت میں پہلی سے زیادہ نہ پڑھنے پائے۔

اور بحر الرائق میں ان سورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو حدیث میں آئی ہیں یعنی ان کے پڑھنے میں کراہت نہیں ہے جیسے جمعہ اور عیدین کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت ہل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھنا حالانکہ پہلی میں انیس آیتیں ہیں اور دوسری میں چھبیس اور نفل نمازوں میں مطلقاً کراہت نہ ہونے کو ترجیح دیا ہے۔ یعنی خواہ حدیث میں اس طرح پڑھنا آیا ہو یا نہ آیا ہو کراہت نہیں ہوگی اور اگر دوسری رکعت میں زیادتی اوّل کے اعتبار سے تین آیتوں سے کم ہو تو مکروہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر میں معوذتین پڑھی ہے یعنی اول میں سورہ فلق اور دوسری میں سورہ ناس اور حال یہ ہے کہ سورہ ناس میں چھ آیتیں ہیں اور فلق میں پانچ آیتیں۔

ولایتعین شیء من القرآن لصلوة علی طریق الفرضیة بل تعین الفاتحة علی وجه الوجوب ویکره التعیین کالسجدة وهل اتی لفجر کل جمعة بل یندب قراتهما احیانا المؤتم لایقرا مطلقاً ولا الفاتحة فی السریة اتفاقا و ما نسب لحمد ضعیف کما بسطه الکمال فان قرأ کره تحریماً تصح فی الاصح وفی درد البحار عن مبسوط خواهرزاده انها تفسد ویکون فاسقاد هومروی عن عدة من الصحابة فالمنع احوط بل یستمع اذا جهر وینصت اذا اسر لقول ابی هریرة رضی الله عنه کنا نقرأ خلف الامام ننزل و اذا قری القرآن فاستمعوله والنصتوا وان وصلیة قرأالامام اية ترغیب اوترهیب وکذا لامام لا یشتغل بغیر القرآن وماورد وحمل علی النفل منفردا کما مر وکذا الخطبة نلایاتی بمایفوت الاستماع ولو کتابتة اوردسلام وان لی الخطیب علی النبی صلی الله علیه وسلم الا اذاقرا اية صلوا علیه فیصلی المستع سراً بنفسه وینصت بلسانه عملاً بامری صلوا وانصتوا والبعید عن الخطیب والقریب سیأن فی افتراض الانصات.

ترجمہ تعیین سورہ کی کراہت

بطور فرض کے قرآن پاک کا کوئی مخصوص حصہ کسی نماز کے لئے متعین نہیں ہے البتہ سورہ فاتحہ ہر نماز میں بطور وجوب مقرر ہے، اور کسی نماز کیلئے کسی سورہ کی تعیین مکروہ ہے جیسے الم سجدہ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں اور دوسری رکعت میں سورہ دھر کا پڑھنا، بلکہ ان دونوں کا کبھی کبھی جمعہ کی فجر میں پڑھنا مستحب ہے ہمیشہ متعین طور پر نہیں، دوسرے فقہاء نے قید لگائی ہے کہ اگر معین سورہ کا پڑھنا واجب سمجھے اور دوسری کو جائز نہ سمجھے تو ایسا تعیین مکروہ ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں معین سورہ پڑھے اور بعض دن دوسری سورتوں کو بھی پڑھے یا اس متعین سورت کے سوا دوسری سورت اسے یاد نہ ہو یا اس کا پڑھنا اسے سہل ہو اور دوسری دشوار ہو اور اس وجہ سے کو پڑھے تو مکروہ نہیں ہوگا اور اس کی وجہ ہدایہ میں یہ لکھی ہے اس طرح کرنے سے بقیہ قرآن کا پڑھنا متروک ہو جائے گا اور یہ کہ اس معین کے افضل ہونے کا وہم ہو جائیگا۔

مقتدی خاموش رہے

مقتدی مطلقاً امام کے پیچھے قرات نہیں کرے گا نہ جہری نماز میں اور نہ سری نماز میں سورہ فاتحہ پڑھے گا اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے اور یہ جو امام محمد کی طرح منسوب ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ سری نماز میں احتیاط الحمد کا پڑھنا مستحب ہے یہ قول ضعیف ہے چنانچہ ابن کمال نے اسے محقق طور پر بیان کیا ہے (انہوں فتح القدیر میں صراحت کی ہے کہ امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، خواہ وہ جہری نماز ہو یا سری لہٰذا اگر مقتدی قرأت کرے گا تو وہ مکروہ تحریمی ہوگا لیکن نماز صحیح ہو جائیگی صحیح تر قول یہی ہے اور دربحار میں مبسوط خواہر زادہ سے نقل کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور پڑھنے والا فاسق ہوتا ہے، یہ قرات کا امام کے پیچھے ممنوع ہونا متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے لہٰذا اس سے منع کرنے میں زیادہ احتیاط ہے (خزائن اور کافی میں ہے کہ امام کے پیچھے قرات سے اسی صحابہ کرام نے روکا ہے جن میں حضرت علی عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ بھی ہیں نماز کے فاسد ہونے کا قول اصح کے مقابلہ میں ہے یعنی زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ درست رہتی ہے۔

مقتدی امام کے پیچھے امام کی قرات خاموشی سے سنے اگر امام آواز سے قرأت کر رہا ہے، اور جب امام آہستہ قرأت کرے (جیسے ظہر وعصر میں) تو مقتدی چپ رہے اس لئے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ **کنا نقرا خلف الامام تنزل " واذا قرای القرآن فاستعمو اله وانصتوا** کہ ہم لوگ امام کے پیچھے پڑھا کرتے تھے چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسے دھیان سے سنو اور خاموش رہو، چنانچہ ہم نے اس قرآنی حکم پر عمل شروع کر دیا اس آیت میں دو حکم ہیں ایک سننا اور دوسرے خاموش رہنا اس میں پہلا حکم سننے کا تعلق جہری نماز سے ہے جس میں امام آواز کے ساتھ قرأت کرتا ہے اور دوسرا حکم خاموشی کا تعلق سری نماز سے ہے جس میں آہستہ پڑھتا جسے کوئی نہیں سنتا، لہٰذا جہری اور سری دونوں نمازوں میں نہ پڑھنا ہی واجب۔

مقتدی امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھے اگرچہ امام ترغیب وترہیب کی ہی آیت کیوں نہ پڑھے، ایسا ہی امام بھی دوسری دعا پڑھنے میں مشغول نہ ہو بلکہ صرف قرآنی آیت پڑھے اور اس باب میں جو حدیث آئی ہے کہ آیت ترغیب ترہیب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دعائیں پڑھتے تھے تو (یہ ان نفل نمازوں سے متعلق سمجھی جائے جسے آپ تنہا پڑھتے تھے،)

چنانچہ ابوداؤد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نماز پڑھی جب آیت رحمت پر پہونچے تو رک کر اپنے لئے اللہ تعالی سے رحمت کی درخواست فرماتے، اور جب آیت عذاب آتی تو وہاں توقف فرما کر پناہ طلب کرتے، اس حدیث کا تعلق نفل نماز سے ہے کہ جب آپؐ تنہا نفل پڑھتے تھے تو ایسا کرتے تھے،

خطبہ کے وقت خاموشی یہی حکم خطبہ کا ہے کہ جب خطیب خطبہ دے تو سننے والا بات نہ کرے جس کی وجہ سے سننا فوت ہو جائے، اگر چھیکنا یا سلام کا جواب دینا ہی ہو، یعنی یہ بھی نہ کرے، اور اس وقت بھی خاموش رہے جس وقت خطیب آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم پر درود بھیجے البتہ جس وقت خطیب آیت صلوا علیہ وسلموا پڑھے تو سننے والا اپنے دل میں درود پڑھے زبان سے اس وقت بھی نہ پڑھے تا کہ دونوں حکم پر عمل ہو جائے درود پڑھنے کے حکم پر عمل دل میں درود پڑھنے سے اور خاموش رہنے کا حکم پر زبان سے نہ پڑھکر (شامی نے لکھا ہے کہ جو حکم نماز کا ہے وہی خطبہ کا ہے یعنی جس طرح نماز میں بات کرنا حرام ہے خطبہ کے وقت بھی حرام ہے خواہ یہ خطبہ جمعہ کا ہو عیدین کا یا نکاح کا سب میں چپ رہنا واجب ہے)

خطبہ کے دور و نزدیک دونوں خاموش رہیں خطبہ سننے کے وقت خاموش رہنے کے فرض ہونے میں وہ دونوں برابر ہیں جو امام سے دور ہوں اور جو امام سے قریب ہوں یعنی دونوں پر خاموش رہنا فرض ہے خواہ اس تک آواز آتی ہو یا نہ آتی ہو، فرض کی جگہ بعض فقہاء نے چپ رہنے کو واجب کہا اور اسی قول کو ترجیح ہے کیونکہ اس وقت بولنے کو مکروہ تحریمی کہا گیا ہے۔

(فروع) یجب الاستماع للقرأة مطلقالانه العبرةفی الثانی لعموم الفظ لاباس ان یقراء سورة ویعید هافی الثانیة وان یقرأ فی الاولیٰ من محل وفی الثانیة من آخرولومن سورة انکان بینهما آیتان فاکسرویکره الفصل بسورة قصیرة و ان یقرا منکوساً الا اذا ختم فیقرأ من البقرة و فی القنیة قراء فی الاولیٰ الکافرون و فی الثانیة الم ترا وتبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ ولایکره فی النفل شئی من ذلك وثلث تبلغ تدراقصر سورة افضل من آیة طویلة وفی سورة العبرة للاکثروبسطناه فی الخزائن.

چند جزئی مسائل

ترجمہ قرآن کا سننا قرآن کا سننا جب وہ آواز سے پڑھا جا رہا ہے ہر حال میں واجب ہے نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی اس لئے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے یعنی اگرچہ فاستمعو والی آیت باب نماز میں نازل ہوئی ہے مگر احکام میں چونکہ الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا یہ حکم ہر جگہ لاگو ہوگا (مگر یہ سننا اس وقت واجب ہے جب کوئی شرعی عذر نہ ہو، اگر عذر ہے تو واجب نہیں ہوگا، جیسے گھر میں آدمی پہلے سے کاروبار میں باتیں کر رہا ہے دوسری طرف بچہ تلاوت کرنے لگا تو ان پر اس کا سننا واجب ہوگا اسی طرح کوئی بازار میں آواز کے ساتھ تلاوت کرنے لگے تو بازاری اور کاروباری پر واجب نہیں ہے کہ وہ سب چھوڑ کر سنے کذا فی الشامی)

ایک سورہ کا دو رکعت میں پڑھنا

اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ایک شخص ایک رکعت میں کوئی سورہ پڑھے اور پھر دوسری رکعت میں اسی کو پڑھے، یعنی خلاف اولی تو ہے جسے مکروہ تنزیہی کہتے ہیں یہ بھی اختیار کے وقت ہے اور بوقت مجبوری مکروہ تنزیہی بھی نہیں، مثلاً ایک شخص نے پہلی رکعت میں سورہ ناس پڑھ دیا اور اس کی وجہ سے پھر دوسری رکعت میں اس کو ہی پڑھنا پڑے۔

ایک سورہ کا متعدد رکعتوں میں پڑھنا

اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک رکعت میں کسی جگہ سے پڑھ دے اور رکعت میں کسی اور جگہ سے، اگر یہ دونوں جگہیں ایک سورت کی ہوں، شرط یہ ہے کہ ان دونوں جگہوں میں دو آیتوں یا زیادہ کا فاصلہ ہو (ایک آیت کے فصل سے ایسا کرنا مکروہ ہے) اور دو رکعتوں کی قرأت میں ایک چھوٹی سورہ کا فاصلہ مکروہ ہے (مثلاً پہلی رکعت میں سورہ کافرون اور دوسری میں تبت پڑھے اور درمیان میں اذاجاء نصر اللہ چھوڑ دے تو یہ مکروہ ہوگا، البتہ اگر کسی بڑی سورت کا دونوں میں فاصلہ ہو تو مکروہ نہیں ہے) قرآن کو الٹی ترتیب سے پڑھنا بھی مکروہ ہے مثلاً پہلی رکعت میں سورہ اخلاص پڑھے اور دوسری رکعت میں تبت (وجہ یہ ہے جس ترتیب سے قرآن ہے اسی ترتیب سے پڑھنا واجب ہے بچوں کو پارہ عم میں ترتیب بدل کر جو پڑھاتے وہ تعلیم کی سہولت کے لئے کرتے ہیں اس کی اجازت ہے۔ الٹا پڑھنا مکروہ ہے مگر جب قرآن ختم کرے تو اس وقت سورہ بقرہ میں سے کچھ پڑھے اس لئے کہ حدیث میں ایسا ہی آیا ہے، قنیہ میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھی اور دوسری رکعت میں سورہ فیل یعنی ترتیب کے خلاف پھر اس کو یاد آیا تو وہ اسی کو پورا کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کو چھوڑ دے مطابق ترتیب دوسری سورہ پڑھے (اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر ترتیب بدل جائے یا ایک چھوٹی سورت درمیان میں بھول کر چھوٹ جائے تو اس صورت میں کراہت نہیں ہوگی۔

البتہ نفل میں ان باتوں میں کوئی مکروہ نہیں ہے، یعنی ترتیب کے خلاف پڑھنا یا درمیان میں چھوٹی سورہ کا چھوڑ دینا نماز نفل میں مکروہ نہیں، تین چھوٹی آیتوں کا پڑھنا جو بڑی ایک آیت کے برابر ہو ایک لمبی آیت پڑھنے سے افضل ہے یعنی ثواب میں اور پوری ایک سورہ اور سورہ کا بعض حصہ پڑھنے میں اکثر کا اعتبار ہے، یعنی اگر اس سورت کی اکثر آیتیں پڑھی ہیں تو کامل کے حکم میں ہوگی ورنہ ناقص کے حکم میں شمار ہوگی اور یہ مسئلہ حزائن الاسرار نامی کتاب میں شارح نے مفصل بیان کیا ہے۔

باب الامامة

ھی صغری و کبری فالکبری استحقاق تصرف عام علی الانام وتحقیقه فی علم الکلام ونصبه اهم الواجبات فلنا قدموہ علی دفن صاحب المعجزات ویشترط کونه مسلما حرا ذکر عاقلا بالغا قادراً قرشیا لا ھاشمیا علویا معصوما ویکرہ تقلید الفاسق ویعزل به الا لفتنة ویجب ان یدعی له بالصلاح وتصح سلطنة متغلب للضرورۃ و کذا صبی وینبغی ان بفرض امور التقلید علی وال تابع له والسلطان فی الرسم ھو الولد وفی الحقیقة ھو الوالی لعدم صحة اذنه بقضاء وجمعة کما فی الاشباہ عن البزازیة وفیھا لو بلغ السلطان او الوالی یحتاج الی تقلید جدید والصغری ربط صلوۃ المؤتم بالامام بشروط عشرۃ نیة المؤتم الاقتداء واتحاد مکانھما وصلوتھما وصحة صلوۃ امامه وعدم محاذاۃ امرأۃ و عدم تقدمه علیه بعقبه وعلمه بانتقالاته وبحاله من اقامة وسفر ومشارکته فی الارکان وکونه مثله او دونه فیھا وفی الشرائط کما بسط فی البحر

امامت سے متعلق احکام ومسائل

امامت کبریٰ اوراس کی شرطیں

امامت دو طرح کی ہے ایک چھوٹی دوسری بڑی، بڑی امامت مخلوق پر عام تصرف کے استحقاق کو کہتے ہیں اور اس قسم کی تفصیل علم کلام میں مذکور ہے، اور اس امامت (خلافت) کا قائم کرنا مسلمانوں کے لئے بہت اہم واجبات میں سے ہے کہ بہت واجبات کا انحصار اسی امامت پر ہے (چنانچہ علماء کلام نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک امام کا ہونا ضروری ہے جو اسلامی احکام ان میں نافذ کرے اور دنیا میں امن و سلامتی قائم کرے، برائیوں کا قلع قمع کرے، دشمنوں کو اسلامی سرحدوں میں دخل انداز ہونے سے روکے اور اس کے لئے لشکر فراہم کرے، اور ان کے لئے سامان حرب فراہم کرے، زکوۃ وصول کرے اور فقراء ومساکین کی نگہداشت رکھے، چوری ڈکیتی بند کرے اور ان میں مبتلاء لوگوں کو عبرتناک سزادے جن بچوں کے ولی نہیں ہیں ان کی شادی کرائے اور مسلمانوں کی ہر طرح دیکھ بھال رکھے) اور اسی اہمیت وضرورت کی وجہ سے صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی تدفین سے پہلے خلیفہ کا انتخاب کیا، (آنحضرت ﷺ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی اور تدفین سہ شنبہ کے دن یا چہار شنبہ کی شب میں عمل میں آئی، طحطاوی نے لکھا ہے کہ یہ سنت اب تک باقی ہے کہ جب تک خلیفہ منتخب نہ ہو جائے وفات پانے والے خلیفہ کی تدفین عمل میں نہ آئے) خلیفۃ المسلمین کی شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان، آزاد، مرد اور عاقل وبالغ ہو اور اسی کے ساتھ قریشی بھی ہو اور صاحب قدرت بھی، جمہور نے امامت کبریٰ کے لئے شجاعت کی قید لگائی ہے، اور بعضوں نے یہ شرط بھی مانی ہے کہ وہ عالم دین ہو، امام کا ہاشمی، علوی اور معصوم ہونا شرط نہیں ہے، (یہ قیدیں شیعوں نے لگا رکھی ہے کہ اس کا ہاشمی

ہونا ضروری ہے، تاکہ سیدنا ابو بکر صدیق، فاروق اعظم عمر، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم خلافت کے مستحق قرار نہیں پائیں اور علوی کی قید اس لئے لگائی ہے کہ عباسیوں کی خلافت کو باطل قرار دیا جاسکے، اور معصوم اثنا عشری شیعوں اور اسماعیلیوں کا قول ہے یہ بھی اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے کہ انبیاء کے سوا ہمارے نزدیک کوئی معصوم نہیں بہر حال یہ قیدیں غلط ہیں بدکار کو امام (خلیفہ) بنانا مکروہ ہے اور فسق کی وجہ سے خلیفہ لائق معزولی قرار پاتا ہے لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو اسکو معزول نہیں کیا جائے گا، اور ایسے فاسق امام جس کے علیحدہ کرنے میں فتنہ کا خوف ہو اس کے لئے نیک ہونے کی دعا کرنا ضروری ہے، اور جو زبردستی حاکم بن جائے بوجہ ضرورت اس کی سلطنت درست ہوتی ہے (خلیفہ ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں اول یہ کہ خود خلیفۂ وقت اپنی جگہ دوسرے مستحق خلافت کو نامزد کر جائے جس طرح حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر کے لوگوں سے منظوری لی، دوسرے یہ کہ علماء امت اور صلحاء ذی رائے مل کر کسی کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لیں، جس طرح خود صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہؓ نے خلیفہ بنایا، اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور کوئی زور زبردستی سے خلیفہ بن جائے تو ضرورت کی وجہ سے اس کی سلطنت صحیح قرار دی جائے گی، تاکہ اہل اسلام بغیر خلیفہ نہ رہیں، اور اسی کیساتھ فتنہ سے محفوظ رہ سکیں)

اسی طرح نابالغ باشعور لڑکے کی حکومت درست ہے اور ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ امور سلطنت ایک ایسے حاکم کے سپرد ہوں جو اس کا تابع ہو، بظاہر بادشاہ وہ لڑکا ہوگا اور حقیقتاً یہ ناظم الامور، اس لئے کہ اس ناظم الامور کی اجازت قضا اور جمعہ میں درست نہیں ہوگی جیسا کہ الاشباہ نے بزازیہ سے نقل کیا ہے (جب وہ لڑکا بالغ ہو جائے گا وہ خود سب سنبھال لے گا) اور بزازیہ میں یہ بھی ہے کہ وہ نابالغ لڑکا جو سلطان ہوا ہے یا حاکم جو نابالغ ہے جب بلوغ کو پہونچ جائے تو اسے از سر نو حاکم بنانے کی ضرورت ہوگی، یہ خلافت کی بحث ضمنی طور پر بقدر ضرورت یہاں آگئی ہے یہاں تو امامت کی دوسری قسم یعنی امامت نماز کے احکام و مسائل بیان کرنے ہیں، چنانچہ اب اسے شروع کرتے ہیں۔

امامت صغریٰ

امامت صغریٰ یہ مقتدی کی نماز کا امام کی نماز سے دس شرطوں کے ساتھ وابستہ ہونے کا نام ہے (شارح نے یہ دس شرطیں اقتدا کی بیان کی ہیں البتہ نور الایضاح میں امامت کی تندرست مردوں کے لئے چھ شرطیں الگ سے لکھی ہیں، (۱) مسلمان ہونا (۲) بالغ ہونا (۳) عاقل ہونا (۴) مرد ہونا (۵) عذروں سے صحیح سالم ہونا جیسے نکسیر اور پیشاب کا ٹپکنا وغیرہ (۶) نماز کی شرطوں کا پایا جانا جیسے پاکی (۷) ستر کا چھپا ہوا ہونا، اقتدا کی دس شرطیں یہ ہیں)

(۱) مقتدی کو اقتدا کی نیت کرنی (۲) مقتدی اور امام کی جگہ کا متحد ہونا لہٰذا اگر سوار پیادہ کی اقتدا کرے گا تو درست نہیں ہوگا (۳) دونوں کی نماز کا متحد ہونا یعنی اگر مقتدی امام کی نماز کی نیت سے اقتدا کرے تو اس کی نماز درست ہو جائے، یعنی مقتدی وہی نماز پڑھے جو فرض نماز امام پڑھ رہا ہے (۴) امام کی نماز کا مقتدی کے یقین وعلم میں صحیح ہونا (۵) عورت کا برابر میں نہ ہونا (۶) مقتدی کا امام سے بلحاظ ایڑی آگے نہ بڑھنا، (۷) امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کا مقتدی کو جاننا خواہ امام کو دیکھ کر ہو، خواہ اس کی آواز سنکر ہو، یا دوسرے مقتدی کو دیکھ کر ہو، (۸) مقتدی کا اپنے امام کے حال سے واقف ہونا کہ وہ مسافر ہے یا مقیم، یہ جاننا خواہ نماز سے پہلے ہو، خواہ بعد، اسی لئے مسافر امام کو حکم ہے دو رکعت پر جب سلام پھیرے تو مقتدی کو جتادے کہ میں مسافر ہوں، جو مقیم ہیں اپنی نماز پوری کر لیں (۹) مقتدی کا اپنے امام کے ساتھ ارکان نماز میں شریک

ہونا (یعنی مقتدی کا ہر رکن کا امام کے ساتھ ادا کرنا، اگر امام کے ساتھ کسی رکن کو مقتدی چھوڑ دے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی . (۱۰) مقتدی کا ارکان نماز اور شرائط میں امام کے مانند ہونا یا اس سے کمتر ہونا، جس کی تفصیل "بحر الرائق میں ہے (مثلاً امام اشارہ سے نماز ادا کرتا ہو اور مقتدی بھی اسی طرح تو اقتدا درست ہوگی کیونکہ دونوں ادا سے ارکان میں برابر ہیں یا امام رکوع، سجود سے نماز ادا کرتا ہو اور مقتدی اشارہ سے یہ کمتر کی مثال ہے اور شرائط میں یکساں ہونے کی صورت یہ ہے کہ امام بھی ننگا اور مقتدی بھی یا امام میں سب شرطیں ہوں اور مقتدی ننگا ہو)

قیل وتبوتها وارکعوا مع الرکعین ومن حکمها نظام الالفة وتعلم الجاهل من العالم هی افضل من الاذان عندنا خلافا للشافعی قاله العینی وقوله عمرؓ لو لا الخلافة لا ذنت ای مع الامامة اذا لجمع افضل وقال بعضهم اخاف ان ترکت الفاتحة ان یعاتبنی الشافعیؒ او قرأتها یعاتبنی ابو حنیفةؒ فاخترن الامامة والجماعة سنة مؤکدة للرجال قال الزاهدی ارادوا بالتاکید الوجوب الا فی جمعة وعید فشرط وفی التراویح سنة کفایة وفی وتر رمضان مستحبة علی قول .

جماعت کی دلیل امامت و جماعت کا ثبوت قرآن کی اس آیت سے ہے وارکعوا مع الراکعین یعنی رکوع کرنیوالوں کیساتھ رکوع کرو یعنی جماعت میں شریک ہو کر نماز ادا کرو (اس روشنی میں جماعت سنت مؤکدہ کے بجائے واجب یا فرض قرار پائے گی، البتہ جن لوگوں نے آیت میں خضوع و خشوع معنی کیا، اس معنی کے مطابق اس آیت سے جماعت پر استدلال نہیں ہو سکے گا) جماعت کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت نظام الفت و محبت کا قیام ہے اور جاہل کا عالم سے سیکھنا (کیونکہ دن رات کے پانچ وقتوں میں اہل محلہ اور ہمسایہ سے مسجد میں ملاقات ہوگی اور باہم تبادلہ خیالات کا بھی موقع ملے گا اور جو نماز پڑھنا اچھی طرح نہ جانتا ہوگا وہ جاننے والوں سے سیکھے گا، پھر جماعت سے نماز پڑھنے میں زیادہ جی لگتا ہے اور سہولت ہوتی ہے، الگ الگ نماز میں یہ چیز حاصل نہیں ہوا کرتی ہے اس باب میں خاکسار کی کتاب "اسلام کا نظام مساجد" کا مطالعہ مفید رہے گا۔

امامت کی حیثیت امامت احناف کے نزدیک اذان دینے سے افضل ہے یعنی اس میں زیادہ ثواب ہے بخلاف امام شافعیؒ کے کہ وہ اذان میں زیادہ ثواب بتاتے ہیں ایسے ہی عینی نے لکھا ہے اور بعض امامت و اذان دونوں کا ثواب برابر کہتے ہیں کذا فی الحلبی، اور حضرت فاروق اعظم عمرؓ کا یہ قول کہ اگر خلافت نہ ہوتی تو میں خود اذان دیا کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ امامت کے ساتھ ساتھ اذان کی خدمت بھی انجام دیتا کیونکہ امامت اور اذان دونوں کا جمع کرنا افضل ہے، مؤذن کو وقت اور جماعت کا انتظار کرنا پڑتا ہے حضرت عمرؓ کو خلافت کے امور سے اتنی چھٹی نہیں تھی۔

امامت کی ترجیح کی وجہ بعض علماء کا قول ہے کہ اگر میں حالت اقتدا میں سورۂ فاتحہ پڑھنا بند کردوں تو مجھے خوف ہے کہ کہیں حضرت امام شافعیؒ مجھ پر عتاب نہ کریں، اور اگر اس کو پڑھوں تو اس کا خطرہ ہے کہ کہیں حضرت امام ابو حنیفہ خفا نہ ہو جائیں ان سب سے بچنے کے لئے میں نے امامت کو پسند کیا، (تاکہ سورۂ فاتحہ کے امام کے

بچے پڑھنے نہ پڑھنے کا کوئی جھگڑا ہی نہ پیدا ہو، پس یہ بھی امامت کے افضل ہونے کی ایک دلیل ہوئی کہ اس میں کوئی اختلافی ...یہ ایسا پیش نہیں آتا)

جماعت سنت مؤکدہ ہے

جماعت کیساتھ نماز ادا کرنا مردوں کیلئے سنت مؤکدہ ہے، زاہدی کا قول ہے کہ یہاں مؤکدہ سے مراد وجوب ہے لہٰذا جو لوگ جماعت کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں ان کے قول میں اور جو واجب کہتے ہیں ان کے قول میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا نتیجہ ایک ہے، البتہ جمعہ اور عیدین میں جماعت شرط ہے۔

تراویح کی نماز اور وتر کی جماعت

تراویح کی نماز میں جماعت سنت کفایہ ہے کہ محلہ کے کچھ لوگ بھی جماعت سے تراویح ادا کرلیں گے تو سبھوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی اور رمضان کے دنوں میں وتر کی جماعت ایک قول پر مستحب ہے (اور اسی پر عمل ہے۔)

وفی وتر غیرہ وتطوع علی سبیل التداعی مکروھة وسنحققه ویکرہ تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام له ولا مؤذن واقلها اثنان واحد مع الامام ولو ممیزا او ملکا او جنیا فی مسجد او غیرہ وتصح امامته الجنی اشباہ وقیل واجبة وعلیه العامة ای عامة مشائخنا وبه جزم فی التحفة وغیرها قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب فتسن او تجب ثمرته تظھر فی الاثم بترکها مرة ، علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج ولو فاتته ندب طلبها فی مسجد اخر الا المسجد الحرام ونحوہ ، فلا نجب علی مریض ومقعد وزمن ومقطوع یدور جل من خلاف او رجل فقط ذکرہ الحدادی ومفلوج وشیخ کبیر جاجز واعمی وان وجد قائدا ولا علی من حال بینه وبینها مطروطین وبرد شدید وظلمة کذلك وریح لیلا لانها اوخوف علی ماله اومن غریم او ظالم اومدافعة احد الاخبثین وارادة سفروقیامه بمریض وحضور طعام تتوقه نفسه ذکرہ الحدادی وکذا اشتغاله بالفقه لا بغیرہ کذا جزم به الباقانی تبعا للبھنسی ای الا اذا واظب تکاسلا فلا یعذر ویعزرولو باخذ المال یعنی بجنسه عنه مدة ولا تقبل شھادته الا بتاویل بدعة الامام او عدم مراعاته

ماہ رمضان کے سوا کی وتروں میں اور نماز نفل میں تداعی کے طور پر جماعت مکروہ ہے عنقریب اس کی ہم تحقیق بیان کریں گے، (تداعی کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ چار یا زیادہ مقتدی ہوں، چنانچہ قہستانی میں ہے کہ اگر چار سے کم آدمی ایک امام کے پیچھے نفل کی جماعت کرلیں تو مکروہ نہیں ہے)

جماعت ثانیہ

محلہ کی کسی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے البتہ عام راستہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے میں کراہت نہیں ہے (یا ایسی مسجد میں جس کے لئے امام ومؤذن متعین نہ ہو یعنی وہاں جماعت کا اہتمام نہ ہو) یہاں مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہے، اس وجہ سے کہ کافی نامی کتاب میں یہ ہے دوبارہ

جماعت جائز نہیں اور مجمع نامی کتاب میں ہے دوبارہ جماعت کرنا مباح نہیں، اور شرح جامع صغیر میں دوبارہ کو بدعت لکھا ہے اور مسجد محلہ سے مراد یہ ہے کہ اس مسجد میں امام اور جماعت کا اہتمام ہو، درر نامی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر اہل محلہ اذان اور تکبیر کے بغیر جماعت ثانی کریں یا مسجد شارع عام پر ہو تو اس صورت میں دوسری جماعت جائز ہوگی، جیسے اس مسجد میں جائز ہوتی ہے جس کا امام و مؤذن کوئی نہ ہو، اور لوگ آ آکر جماعت سے نماز پڑھتے ہوں، مگر اس صورت میں افضل یہ ہے کہ ہر گروہ اذان و تکبیر کے ساتھ نماز ادا کرے۔

جماعت ثانیہ کی کراہت کی وجہ دوسری جماعت کے مسجد میں مکروہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کچھ لوگوں میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، ایک مسجد میں پہونچے جہاں جماعت ہو چکی تھی، چنانچہ آپ اس مسجد سے باہر تشریف لائے اور گھر والوں کو جمع کر کے با جماعت نماز ادا کی، لہٰذا اگر دوسری جماعت مسجد میں بلا کراہت جائز ہوتی تو مسجد میں جماعت کرنے کے بجائے آپ گھر میں آکر جماعت نہ کرتے، پھر صلوٰۃ خوف میں ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کو کہا گیا ہے، عقلی طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر بلا کراہت متعدد جماعتوں کی ایک مسجد میں اجازت دیدی جائے تو جماعت میں بڑی کمی آجائے گی اور اہمیت باقی نہیں رہے گی، فتاوی ظہیریہ میں یہ جزئیہ بھی موجود ہے کہ اگر کچھ لوگ کسی ایسی مسجد میں آئیں جس میں جماعت ہو چکی ہے تو وہ تنہا تنہا نماز ادا کریں اور یہی ظاہر الروایت ہے، اور اسی بنیاد پر شیخ مسندی تلمیذ ابن الہمام نے لکھا ہے کہ اہل حرمین جو جدا جدا امام کے پیچھے ایک ہی وقت جماعتیں کرتے ہیں مکروہ ہے اور بعض مالکیوں کا فتوی ہے کہ مسجد محلہ میں چاروں اماموں کے قول پر تکرار جماعت ناجائز ہے مسجد حرام اور مسجد نبوی میں متعدد جماعتوں کا جواب بعضوں نے یہ دیا ہے کہ وہاں چونکہ نماز مقرر نہیں لہٰذا وہ مسجد محلہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ شارح عام والی مسجد کے حکم میں ہیں، شرح منیۃ المصلی میں امام ابو یوسف کا قول ہے کہ جب دوسری جماعت پہلی جماعت کی صورت پر نہ ہو تو یہ جماعت ثانیہ مکروہ نہیں ہوگی ورنہ مکروہ ہوگی، اور اسی قول کو صحیح کہا گیا ہے، اور تتار خانیہ میں والوالجیہ سے منقول ہے کہ ہم اسی قول کو قبول کرتے ہیں اور بزازیہ میں ہے کہ محراب سے ہٹ کر کھڑے ہونے میں پہلی جماعت کی صورت بدل جاتی ہے۔

خاکسار کے نزدیک اس باب میں مضبوط دلیل صلوٰۃ خوف ہے جس میں دو اماموں کے ساتھ الگ الگ جماعت کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ امام ایک ہی رکھا گیا اور جماعتیں دو کر دی گئیں ایک امام کے پیچھے اور دوسری دشمن کے مقابل پھر دوسری اسی امام کے پیچھے اور پہلی دشمنوں کے مقابلہ میں۔

جماعت جماعت کم سے کم دو شخصوں کا اس طرح مل کر نماز پڑھنا کہ، ایک امام ہو اور ایک مقتدی، اگرچہ وہ مقتدی تمیز دار لڑکا ہو، یا وہ فرشتہ ہو، یا جن، پھر یہ اجماعت مسجد میں ہو یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ میں ہر حال میں اسے جماعت کی نماز کہیں گے۔

تشریح دو آدمیوں سے جماعت کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ دو اور اس سے زیادہ جماعت ہے اور اس حدیث کو سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جماعت اجتماع (جمع ہونے) سے ماخوذ ہے اور دو میں

ہی جمع ہو کر پڑھنا لازم آیا اس لئے جماعت ہوئی، یہ دلیل عقلی بحر الرائق میں ہے جماعت کا یہ حکم پنجوقتہ فرضوں کیلئے ہے، نماز جمعہ میں دو کی جماعت کافی نہیں ہے اسلئے کہ اس نماز (جمعہ) میں امام کو چھوڑ کر تین مقتدی کا ہونا ضروری ہے، کذا فی الشامی۔

جن کی امامت

جن کا امام ہونا درست ہے، اشباہ میں ایسا ہی ہے اس لئے کہ انسان کی طرح جن بھی مکلف ہیں البتہ فرشتہ کی امامت درست نہیں اس لئے کہ فرشتہ مکلف نہیں قرار دیا گیا ہے، لہٰذا اس کی نماز نفل ہوگی، اور نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض والے کی نماز درست نہیں ہے، رہ گئی بات جبرئیل علیہ السلام کا امام ہونا اور آنحضرت ﷺ کا مقتدی ہونا، تو یہ نماز کے اوقات کی تعلیم کے لئے تھا، اس کا اللہ تعالی نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس وقت کے لئے مکلف بنا دیا تھا، اور یہ بھی امکان ہے کہ بعد میں آنحضرت ﷺ نے اس نماز کا اعادہ کر لیا ہو، کذا فی الطحطاوی۔

جماعت کا وجوب

بعضوں نے جماعت کو واجب کہا ہے اور ہمارے اکثر علماء اسی قول پر ہیں، اور تحفہ نامی وغیرہ کتابوں میں اسی قول پر یقین کیا ہے البحر الرائق میں لکھا ہے کہ وجوب والی روایت قوی ہے نہر الفائق نے کہا کہ اصح قول یہی ہے اور سب سے قوی بھی، اسی وجہ سے اجناس نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی جماعت کی نماز حقیر سمجھ کر چھوڑ دے اس کی گواہی معتبر نہیں ہے اور بعضوں کے نزدیک جماعت سے پڑھنا فرض کفایہ ہے یا فرض عین۔

بہر حال جماعت کی نماز یا سنت مؤکدہ ہے یا واجب ہے ان مردوں پر، جو عاقل، بالغ اور جماعت پر بغیر کسی دقت (عذر شرعی) کے قادر ہیں، شارح نے کہا ہے کہ سنت موکدہ اور واجب ہونے کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب کوئی ایک بار جماعت چھوڑ دے گا یہ شخص واجب کہنے والے کے نزدیک گنہ گار ہوگا اور جو مسنون کہتے ہیں ان کے نزدیک گنہگار نہیں ہوگا، حرج سے مراد عذر شرعی ہے جو شرکت جماعت سے مانع ہو، جیسے بیماری یا بہت بوڑھا ہونا، نور الایضاح میں ہے کہ اگر کوئی عذر شرعی کی وجہ سے جماعت کی نماز میں حاضر نہیں ہو سکا مگر اس کی نیت تھی کہ اگر عذر نہ ہو تو ضرور حاضر ہوتا تو ایسے شخص کو نہ حاضر ہونے کے باوجود جماعت کا ثواب ملے گا کذا فی الشامی۔

جماعت کے لئے دوسری مسجد میں جانا

اگر کسی نمازی کو اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت نہ ملے تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ جماعت کے لئے دوسری مسجد میں جائے اور سعی کرے کہ وہاں جماعت مل جائے، ہاں اگر مسجد حرام یا اس جیسی دوسری مسجد ہو اور وہاں جماعت چھوٹ جائے تو دوسری مسجد میں جماعت کیلئے جانا مستحب نہیں ہے اس لئے کہ مسجد حرام وغیرہ میں دوسری مسجد والوں سے بہت زیادہ ثواب ہے (حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آدمی کا اپنے گھر میں نماز ادا کرنا ایک نماز کا ثواب حاصل کرنا ہے اور محلّہ کی مسجد میں ادا کرنا پچیس نمازوں کا ثواب حاصل کرنا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کا ثواب حاصل کرنا ہے۔ بیت المقدس میں پانچ ہزار نمازوں کا ثواب اور مسجد نبوی میں پچاس ہزار اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

وہ لوگ جن پر جماعت واجب نہیں

بلا حرج کی قید سے یہ ثابت ہوا کہ بیمار، اپاہج، چلنے پھرنے سے معذور اور جس کا ایک ہاتھ ایک پیر مخالف سے کٹا ہوا ہو، اس پر جماعت کی نماز واجب نہیں ہے، صرف اس کا ایک پیر کٹا ہو، اس پر بھی واجب نہیں اسی طرح جس پر فالج پڑا ہو یا ایسا بڈھا ہو جو چلنے پھرنے سے مجبور

ہو یا اندھا ہو، ان لوگوں پر جماعت کی نماز واجب نہیں ہے گو اس اندھے کو کوئی ہاتھ پکڑ کر مسجد لے جانے والا ہی کیوں نہ ہو۔
اس شخص پر بھی جماعت میں شرکت واجب نہیں ہے کہ جس کے راستے میں بارش اور کیچڑ حائل ہو، یا ایسا سخت جاڑا ہو کہ باہر نکلنے کی ہمت نہ ہو، یا ایسی تاریکی ہو کہ راستہ نظر نہیں آئے، یا رات کا وقت ہو اور آندھی حائل ہو، البتہ دن کی آندھی میں جماعت معاف نہیں، یا مال کا خوف ہو کہ جہاں جماعت میں گئے چور مال اٹھا لے جائے گا، یا کسی کا قرض کھائے ہو اور اس سے خطرہ ہو یا ظالم سے خوف ہو، یا پیشاب پائخانہ کا دباؤ ہو، تو ان تمام حالتوں میں جماعت واجب نہیں رہتی (اسی طرح ریاح کو دبا کر جماعت میں شرکت واجب نہیں۔)

جماعت چھوڑنے کیلئے قافلہ رخصت ہو جانا اور تنہا رہ جانا بھی عذر ہے اور کسی بیمار کا ایسا تیمار دار ہونا کہ اس کے جماعت میں جانے سے بیمار کو اذیت ہو، اور کھانے کا سامنے آجانا جس کی طرف نمازی کا نفس راغب ہو اسے حدادی نے ذکر کیا ہے، اسی طرح جماعت میں شریک نہ ہونے کا عذر علم فقہ میں نمازی کا مشغول ہونا ہے علم فقہ کے دیگر علوم میں مشغولیت جماعت چھوڑنے کیلئے عذر نہیں ہے، جیسا کہ باقانی نے یقین کیا ہے گو انہوں نے بھنسی کی پیروی میں ایسا کہا ہے ہاں اگر علم فقہ میں مشغولی کو کوئی مستقل بہانہ بنائے اور سستی کی وجہ سے برابر جماعت چھوڑتا رہے تو اسے معذور شمار نہیں سمجھا جائے گا اور اس کی تعزیر کی جائے گی خواہ یہ تعزیر مال روک کر کی جائے (فقہ سے علم دین کے مسائل واحکام مراد ہیں خواہ خود سیکھ رہا ہو، یا کسی کو سکھاتا ہو، یا اس کی تصنیف و تالیف میں مشغول ہو، تعزیر مالی کا قول ضعیف ہے، اس پر پوری بحث باب التعزیر میں آئے گی)

والاحق بالامامة تقديما بل نصبا مجمع الانهر الا علم باحكام الصلوة فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة وحفظه قدر فرض وقيل واجب وقيل سنة ثم الاحسن تلاوة وتجويد اللقراءة ثم الاورع اى الاكثر اتقاء للشبهات والتقوى اتقاء المحرمات ثم الاسن اى الاقدم اسلاما فيقدم شاب على شيخ اسلم وقالوا يقدم الاقدم ورعا وفى النهر عن الزاد وعليه يقاس سائر الخصال فيقال يقدم اقدمهم علما ونحوه وحينئذ فقلما يحتاج للقرعة ثم الاحسن خلقا بالضم الفة بالناس ثم الاحسن وجها اى اكثرهم تهجد ازاد فى الزاد ثم اصبحهم اى اسمحهم وجها ثم اكثر هم حسبا ثم الاشرف نسبا زاد فى البرهان ثم الاحسن صوتا وفى الاشباه قبيل ثمن المثل ثم الاحسن زوجة ثم الاكثر ما لا ثم الاكثر جاها ثم الأنظف ثوبا ثم الاكبر رأسا والاصغر عضوا ثم المقيم على المسافر ثم الحر الاصلى على العتيق ثم المتيمم عن حدث على المتميم عن جنابة فائدة لا يقدم احد فى التزحم الا بمجح ومنه السبق الى الدرس والافتاء والدعوى فان استوو ا فى المجىء اقرع بينهم انتهى كلام الاشباه وفى الفصل الثانى والثلثين من حظر التارتاخانية وفى طلبة العلم يقدم السابق فان اختلفوا وثمة بينة فيها والاقرع كمجيئهم معا كما فى الحرقى الغرقى اذا لم يعرف الاول يجعل كانهم ماتوا معا انتهى وفى محاسن القراء لا بن وهبان

وقيل ان لم يكن للشيخ معلوم جاز ان يقدم من شاء واكثر مشائخنا على تقديم الاسبق واول من سنه ابن كثير .

مستحق امامت

امامت کا زیادہ مستحق جو آگے بڑھ کر امام بنے یا اس کو امام مقرر کیا جائے وہ شخص ہے جو احکام و مسائل نماز سے زیادہ واقف ہو گو دوسرے علوم میں بڑھا ہوا ہو یا نہ ہو یعنی کن چیزوں سے نماز صحیح ہوتی ہے اور کن چیزوں سے فاسد اسے اچھی طرح جانتا ہو، مگر اسی کیساتھ شرط یہ ہے کہ وہ ظاہری گناہوں سے بچتا ہو، اور اسے قرآن بقدر فرض یاد ہو، اور بعضوں نے کہا کہ واجب کی مقدار یاد ہو اور بعضوں نے کہا کہ سنت کی مقدار یاد ہو، (طحطاوی نے کہا ظاہری گناہوں سے بچنے کیساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس شخص کے دین پر کوئی طعن نہ کرتا ہو، رہ گیا قرآن کا بقدر فرض یا بقدر واجب یا بقدر سنت یاد ہونا تو کافی نامی کتاب میں بقدر فرض کو اختیار کیا ہے اور بحر الرائق میں بقدر واجب کو اور علامہ زیلعی نے بقدر سنت کی صراحت کی ہے اور مبسوط و فتح القدیر نے بھی اسی کو نقل کیا ہے اور بقدر سنت والا قول یہاں زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ یہاں اس کی بحث ہے کہ امامت کیلئے کون شخص اولی اور بہتر ہوگا، لہٰذا بقدر سنت کا لحاظ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اگر علم میں برابر ہوں تو پھر مستحق امامت وہ شخص ہے جو تلاوت اور تجوید میں زیادہ اچھا ہو، پھر وہ جو زیادہ محتاط اور متقی ہو اور شبہات اور حرام چیزوں سے بہت بچتا ہو تلاوت و تجوید میں اچھا ہونے کی مراد یہ ہے کہ حروف اور مخارج حروف پر قادر ہو اور اس سے زیادہ واقف ہو، قاری کا مرتبہ دوسرے درجہ میں ہے اور عالم کا پہلے درجہ میں یہ اس لئے علم اور احکام و مسائل سے واقفیت کی ضرورت تمام ارکان میں ہوتی ہے، اور قراءت کی صرف ایک رکن میں شارح نے ورع اور تقویٰ میں فرق یہ بتایا ہے کہ شبہات سے بچنے کو ورع کہتے ہیں اور حرام اشیاء سے بچنے کو تقویٰ۔

پھر زیادہ پرہیزگار کے بعد مستحق امامت زیادہ عمر والا ہے یعنی جس کا اسلام لانا پہلے ہو، لہٰذا جو جوان قدیم الاسلام ہوگا اس کو اس بڈھے پر ترجیح ہوگی جس نے جلد ہی اسلام قبول کیا ہے، اور فقہاء نے کہا ہے کہ جس کی پرہیزگاری زیادہ دنوں سے ہو وہ اس پر مقدم ہے جس کی پرہیزگاری کم مدت کی ہو، اور نہر الفائق میں زاد الفقیر سے منقول ہے کہ پرہیزگاری پر تمام خصلتوں کو قیاس کیا جائے گا چنانچہ کہا جائے گا کہ جس کا علم زیادہ دنوں کا ہے وہ اس پر مقدم ہوگا جس کا علم ابھی کم دنوں کا ہے اور اسی طرح تجوید و قراءت میں جو پرانا ہے اس کو جدید پر فضیلت حاصل ہوگی، اور اس لحاظ و پاس میں جب اہتمام ہوگا تو قرعہ ڈالنے کی ضرورت بہت کم پیش آئے گی۔

پھر مستحق امامت وہ ہے جو خوش خلقی میں بڑھا ہوا ہو شارح نے بتایا کہ خلق خاء کے پیش کے ساتھ ہے جس کا ماحصل ملنساری ہے، پھر مستحق امامت وہ جس کا چہرہ تہجد گذاری کی وجہ سے زیادہ خوبصورت اور بارونق ہو (حدیث میں آیا ہے کہ جو رات میں تہجد پابندی سے پڑھے گا دن میں اس کا چہرہ حسین معلوم ہوگا، (صاحب بدائع لکھتے ہیں کہ یہ تکلف ہے یہاں ظاہر کی خوبصورتی ہی مراد لی جائے کہ اس کی وجہ سے جماعت میں اضافہ کی امید ہوتی ہے) اس کے بعد زاد الفقیر نامی کتاب میں یہ بڑھایا ہے کہ پھر وہ مستحق امامت ہے جس کی صباحت و ملاحت بڑھی ہوئی ہو اور ہنس مکھ ہو۔

پھر مستحق امامت وہ ہے جو حسب میں بڑھا ہوا ہو (قاموس میں ہے کہ حسب وہ بزرگی ہے جو آدمی میں آباؤ اجداد یا مال یا دین

کی وجہ سے پیدا ہو، پھر امامت کا مستحق وہ ہے جو باعتبار خاندان زیادہ شریف ہو، اس کے بعد برہان نامی کتاب میں اضافہ ہے کہ پھر مستحق امامت وہ ہے جس کی آواز زیادہ اچھی ہو یعنی پہلے اوصاف میں مساوات ہو تو اس کو ترجیح ہوگی، جس کی آواز اچھی ہوگی۔
اشباہ میں ثمن مثل کے پہلے مذکور ہے کہ پھر وہ شخص امامت کا حقدار ہے جس کی بیوی زیادہ اچھی ہو (اگر شہرت کی وجہ سے لوگوں کو اس کا اچھا ہونا معلوم ہو یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کی تفتیش کی جائے۔)

پھر وہ مستحق امامت ہے جو مال و دولت میں بڑھا ہوا ہو (اور جائز دولت رکھتا ہو، حرام مال والا فاسق ہوتا ہے لہٰذا وہ قابل ترجیح نہیں ہے) پھر جو اپنے مرتبہ میں بڑھا ہوا ہو یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کی جگہ بڑھی ہوئی ہے، پھر وہ جس کے کپڑے صاف ستھرے ہوں، اسلئے کہ لوگوں میں طبعاً یہ چیز بھی پسندیدہ ہوتی ہے، پھر وہ جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں (کیونکہ سر کا بڑا ہونا اور دیگر اعضاء کا چھوٹا ہونا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ عقل و فہم زیادہ رکھتا ہے۔

پھر امامت میں مقیم کو مسافر پر ترجیح حاصل ہے پھر جو اصلاً آزاد ہے اس کو اس پر ترجیح ہے جو غلام سے آزاد ہوا ہو، پھر جس نے وضو کا تیمم کیا ہے اس کو اس شخص پر ترجیح ہے جس نے جنابت کے لئے تیمم کیا ہے، اس لئے کہ جنابت بڑھی ہوئی ہے۔

آگے کرنے کا سبب شرعی

اگر چند اشخاص کسی امر شرعی یا عادی میں باہم مزاحم ہوں تو ان میں سے کسی کو بغیر کسی قابل ترجیح بات کے مقدم نہیں کیا جائے اور اسباب ترجیح یہ ہیں کہ پڑھنے یا فتوی لینے یا قاضی کے یہاں دعوی دائر کرنے میں سبقت کرنا (مثلاً دو لڑکے کسی استاذ کے پاس پڑھتے ہیں تو ان میں جو پہلے استاذ کے پاس آئے گا وہ اس کا مستحق قرار پائے گا کہ اس کا سبق پہلے ہو، پھر دوسرے کا، اسی طرح مفتی کے پاس جو پہلے آئے گا وہ اس کا مستحق ہوگا کہ مفتی اسے پہلے فتوی لکھ کر حوالے کرے) لہٰذا امامت کے باب میں بھی اس کا لحاظ ہوگا کہ جو پہلے آئے گا وہ مستحق ٹھہرے گا اور اگر آنے میں سب برابر ہوں یعنی ایک ساتھ آئے ہوں تو ان میں قرعہ ڈالا جائے گا اور جس کا نام نکلے گا وہ امامت کے فرائض انجام دے گا۔

اور تتار خانیہ کی تیسویں فصل کتاب الحظر میں ہے کہ طالب علموں میں اس کا سبق مقدم رکھا جائے جو پہلے آیا ہے اور اس باب میں اختلاف ہے اور وہاں کوئی دلیل کسی کے پہلے آنے کی موجود ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ پھر قرعہ ڈالا جائے گا، جس طرح بہتوں کے اکٹھے آجانے کی صورت میں قرعہ ڈالا جاتا ہے چنانچہ ایک ساتھ جلنے اور ڈوب جانے والوں میں جب یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون پہلے جلا یا ڈوبا تو فرض کرلیا جاتا ہے کہ وہ سب ایک ساتھ جلے اور ایک ساتھ ڈوبے اس طرح اگر اختلاف ہو کہ کون پہلے آیا اور کون پیچھے اور کسی کے پاس دلیل نہ ہو تو فرض کرلیا جائے گا کہ وہ سب ایک ساتھ آئے اور اب قرعہ کے ذریعہ فیصلہ ہوگا کہ ان میں کس کو مقدم رکھا جائے، اور ابن وہبان کی محاسن القراء نامی کتاب میں ہے کہ بہت طلبہ آگئے ہوں اور اسکا علم نہیں کہ کون پہلے آیا اور کون بعد میں تو ایسی صورت میں استاذ کو حق ہے کہ جسکو چاہے پہلے سبق دے اور جسکو چاہے پیچھے دے، گو ہمارے اکثر مشائخ یہی فرماتے ہیں کہ جو پہلے آیا وہ مقدم ہے اور یہ طریقہ سب سے پہلے ابن کثیر نے مقرر کیا تھا۔

فان استووا یقرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرھم ولو قدموا غیر الاولی اساؤا بلا اثم واعلم ان صاحب البیت ومثلہ امام المسجد الراتب اولی بالامامۃ من

غیرہ مطلقا الاان یکون معہ سلطان اوقاض فیقدم علیہ لعموم ولایتھما وصرح الحدادی بتقدیم الوالی علی الراتب والمستعیر والمستاجراحق من المالک لما مرولوام قوما وھم لہ کارھون ان الکراھۃ لفساد فیہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما لحدیث ابی داؤد لا یقبل اللہ صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون وان ھواحق لاوالکراھۃ علیھم .

مستحقین میں مساوات کی صورت

پس اگر مستحقین امامت میں مساوات ہو یعنی وجہ ترجیح باقی نہ ہو تو ان میں قرعہ ڈال کر فیصلہ کیا جائے یا مقتدیوں پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ جسکو پسند کریں اسکو امام بنادیا جائے اور اگر مقتدیوں میں اختلاف ہو تو جدھر اکثریت ہو، اس کی رائے اور پسند کو ترجیح دی جائے اور اسی کو امام بنادیا جائے، اور اگر مقتدی غیر مستحق کو امام بنادیں گے، اور وجہ ترجیح جو بیان ہوئی ہے اس کا لحاظ نہیں کریں گے تو یہ ایک بری بات کے کرنے والے قرار پائیں گے کہ انہوں نے سنت طریقے کے خلاف کیا، مگر گنہگار نہیں ہونگے۔

صاحب خانہ کے لئے حق امامت

گھر والا دوسرے آنے والے سے امامت کا زیادہ مستحق ہوتا ہے گو باہر سے آنے والا بڑا عالم یا قاری ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح مسجد کا متعین ومقرر شدہ امام آنے والوں سے افضل ہے گو وہ آنے والے علم اور قراءۃ میں اس سے بڑھ کر ہی کیوں نہ ہوں، البتہ اگر سلطان یا قاضی آجائے تو یہ امامت کے باب میں مالک مکان اور متعین امام سے مقدم ہوگا، کہ ان دونوں کو سبھوں پر بڑائی حاصل ہے، اور ان کی ولایت عام ہے حدادی نے امامت کے باب میں صراحت کی ہے کہ والی متعین امام پر مقدم ہوگا۔

اور جس کو عاریت یا کرایہ پر مکان دیا ہے وہاں اگر جماعت ہو تو امام بننے میں عاریت یا کرایہ پڑ رہنے والے کو مالک مکان پر ترجیح حاصل ہے اس بنیاد پر جس کا ذکر پہلے ہوا، شامی نے لکھا ہے کہ یہاں "لمامر" کا جملہ مناسب نہیں تھا، اس لئے کہ ان دونوں کی ولایت کے عام ہونے کا کوئی سوال نہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے، کہ موجودہ صورت میں مکان میں رہنے کا حق ان کو ہی حاصل ہے، مالک کو نہیں ہے۔

خود ساختہ امام

اور اگر کوئی کسی قوم کا امام بن جائے اور امامت کا فریضہ انجام دے، حالانکہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں اور اس کی امامت کو برا جانتے ہیں، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ آخر ان کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے، اگر کوئی ایسی بری بات ہے جو اس میں پائی جاتی ہے، یا اس وجہ سے ہے کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ مستحق امامت ہے تو اس صورت میں اس شخص کے لئے ان لوگوں کا امام ہونا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو ان لوگوں کی امامت کرتا ہے جو اسے پسند نہیں کرتے بلکہ ناگوار سمجھتے ہیں، اور اگر امام واقعی احق اور مستحق ہے اور بلا کسی خرابی کے لوگ اسکو ناپسند کرتے ہیں، تو اسکی وجہ سے امام ہونا مکروہ نہیں ہوگا، بلکہ مقتدیوں کی بے وجہ ناگواری مکروہ سمجھی جائے گی۔

ویکرہ تنزیھا امامۃ عبد ولومعتقا قھستانی عن الخلاصۃ ولعلہ لما قدمناہ من تقدم الحرالاصلی اذا الکراھۃ تنزیھیۃ فتنبہ واعرابی ومثلہ ترکمان واکراد وعامی وفاسق

واعمی ونحوہ الاعشی نہرالاان یکون ای غیرالفاسق اعلم القوم فہواولی ومبتدع ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسولؐ لا بمعاندہ بل بنوع شبہۃ وکل من کان من قبلتنا لایکفربھا حتی الخوارج الذین یستحلون دماء نا واموالنا وسب اصحاب الرسول ﷺ وینکرون صفاتہ تعالی وجواز رویتہ لکونہ عن تاویل وشبہۃ بدلیل قبول شہادتہم الا الخطابیۃ ومنا من کفرھم وان انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃ کفر بھا کقولہ ان اللہ تعالی جسم کالاجسام وانکارہ صحبۃ الصدیق فلا یصح الاقتداء بہ اصلا فلیحفظ وولد الزنا ھذا ان وجد غیرھم والا فلا کراھۃ بحر بحثا وفی النہر عن المحیط صل خلف فاسق اومبتدع نال فضل الجماعۃ وکذا تکرہ خلف امرد وسفیہ ومفلوج وابرص شاع برصہ وشارب الخمرواکل الربواونمام ومراء متصنع ومن ام باجرۃ قہستانی زاد ابن ملک ومخالف کشافعی لکن فی وتر البحر ان تیقن المراعاۃ لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ

اندھے اور فاسق کی امامت

غلام گو وہ آزاد ہو گیا ہو اس کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، خلاصہ سے قہستانی نے ایسا ہی نقل کیا ہے، اور اس کی وجہ شاید وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کی، آزاد امامت کے باب میں غلام آزاد شدہ پر مقدم ہے اس مسئلہ میں کراہت تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی، ترک اولیٰ کا نام ہے اس لئے اسے سمجھ لینا چاہئے، ایسا ہی دیہاتی گنوار کی امامت اور اسی طرح جاہل ترکمان اور کرد کی امامت بھی مکروہ ہے اور اس کراہت تنزیہی کی وجہ ان سب کی بڑھی ہوئی جہالت ہے اور لوگوں کا اسے ناپسند کرنا ہے، نیز فاسق اور اندھے کی امامت بھی مکروہ ہے اور اندھے ہی کے حکم میں وہ شخص ہے جس کو دن اور رات میں کم سوجھتا ہو، جسے چوندھا کہتے ہیں، البتہ اگر اندھا اور چوندھا ان لوگوں میں احکام و مسائل نماز زیادہ جانتا ہو، تو ان کی امامت مکروہ نہیں ہوگی، ہاں فاسق کی امامت گو وہ بڑا متقی ہو مکروہ ہی رہے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ امامت میں اس کی تعظیم ہوتی ہے حالانکہ مقتدیوں کا فرض ہے کہ فاسق کی اہانت کرے بس اس علت کی وجہ سے فاسق کی امامت کو مکروہ تحریمی کہا گیا ہے۔

بخلاف اندھے کے کہ وہ نجاست سے واقعی مشکل سے بچتا ہے مگر عالم ہونے کی صورت میں کراہت کی علت ختم ہو جاتی ہے اسلئے کہ حدیث نبویؐ میں صراحتاً موجود ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم اور حضرت عتبان رضی اللہ عنہ اندھے تھے مگر یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا تھا کہ وہ آپ کی جگہ نماز پڑھائیں کیونکہ ان سے زیادہ کوئی دوسرا مسائل نماز سے واقف نہ تھا کذا فی الطحطاوی۔

بدعتی کی امامت

بدعتی کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے بدعتی ان چیزوں کو بطور ثواب تسلیم کرنے کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہیں اور یہ کسی تاویل کی وجہ سے ایسا کرتا ہو اگر مخالفت یا عناداً میں ایسا کرے گا تو یہ کفر قرار پائے گا۔ شمنی نے بدعت کی تعریف کی ہے کہ وہ چیز جو کسی شبہ استحسان سے پیدا ہو اور وہ اس کی

مخالف ہو جس کی آنحضرت ﷺ نے تعلیم فرمائی ہے خواہ وہ حق بات علم ہو یا عمل ،اسکو دین مستقیم سمجھ لیا گیا ہو۔

خوارج و معتزلہ تمام وہ لوگ جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں وہ بدعت سے کافر نہیں ہوتے حتی کہ خوارج جو ہمارے مال و جان کو حلال سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں اور صفات باری تعالی اور اپنے دیدار کے منکر ہیں وہ بھی کافر نہیں ہیں، کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تاویلا ہے یعنی انہوں نے حدیث و آیت کے معنی غلط سمجھے ہیں اور اپنے مطلب کے مطابق اس کو ڈھال لیا ہے حالانکہ یہ معنی اس معنی کے سراسر خلاف ہے جو سلف صالحین سے مروی ہے، طحطاوی نے لکھا ہے کہ صفات الٰہی کے منکر معتزلہ ہیں، خارجی نہیں ہیں، اور اگر خوارج سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل سنت کے طریقے سے خارج ہوں تو پہلے جو معنی بیان کیا گیا ہے درست رہے گا، خارجی کو اس وجہ سے کافر نہیں کہتے ہیں کہ ان کی گواہی معتبر ہے، اگر کافر ہوتے تو ان کی گواہی معتبر قرار نہیں پاتی، البتہ فرقہ خطابیہ کی گواہی معتبر نہیں ہے طحطاوی میں ہے ان کی گواہی مقبول نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے موافق کیلئے جھوٹی گواہی دینے کو دین گردانتے ہیں۔ ہم حنفیوں میں بعض علماء نے خارجیوں کو کافر قرار دیا ہے، مگر شامی نے لکھا ہے کہ یہ قول اس قول کے خلاف ہے جس کو قابل اعتماد قرار دیا گیا ہے، چنانچہ بحر الرائق میں ہے کہ معتمد مذہب یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔

منکر ضروریات دین کی امامت ہاں اگر بدعتی دین کی ضروری باتوں میں سے کسی کا منکر ہو، تو وہ اس بدعت کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، جیسے اس کا کہنا کہ دوسرے اجسام کی طرح اللہ تعالی بھی ایک جسم ہے یا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس صحبت و رفاقت کا انکار کرنا جس کی قرآن پاک میں نشاندہی کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے لا تحزن ان اللہ معنا ایسے بدعتی کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں ہو گی، اس مسئلہ کو یاد رکھنا چاہئے۔

ولد الزنا کی امامت ولد الزنا کی امامت بھی مکروہ ہے (اس لئے کہ عموما اس سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے) اور پہلے جن لوگوں کے پیچھے نماز کو مکروہ کہا گیا ہے یہ کراہت اس وقت ہے جب ان سے بہتر دوسرا کوئی امام موجود ہو، اور اگر ان سے بہتر کوئی دوسرا امام موجود نہیں ہے تو انکی امامت میں کراہت نہ ہو گی، بحر الرائق کی بحث سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے، نہر الفائق میں محیط نامی کتاب سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لے گا تو اسے نماز کی فضیلت مل جائیگی، (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا نماز فرض پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کر لے۔ کذا فی الشامی۔)

بے ریش لڑکے کی امامت اسی طرح (امرد) یعنی بے داڑھی موچھ والے نوجوان کے پیچھے اور بے عقل کے پیچھے بھی نماز مکروہ تنزیہی ہے (شیخ رحمتی کا کہنا ہے کہ یہاں امرد (بے ریش) لڑکے سے ایسا خوبصورت بالغ لڑکا مراد ہے جو محل فتنہ ہو، لیکن اگر سبھوں میں وہی سب سے بڑا عالم ہو، یا لوگوں کو اس سے نفرت یا خوف شہوت نہ ہو تو اس کی امامت بلا کراہت صحیح ہے۔

مبروص وغیرہ کی امامت ایسے مبروص جس کا برص پھیل گیا ہو اس کے اور فالج زدہ کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے (برص میں بدن پر سفید داغ سے ہو جاتے ہیں جو بدن کی کھال سے مختلف بے میل ہوتے ہیں اور کراہت کی وجہ وہی ہے جو عموما عام لوگوں میں اس مرض والے سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، سود خوار شراب پینے والے چغل خور، ریا کار اور تکلف

کرنے والے کے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے، ریاکار سے مراد وہ شخص ہے جس کا منشا نمائش اور نام ونمود ہو، خواہ وہ عبادت کو اچھی طرح ادا کرے یا اچھی طرح ادا نہ کرے، اور تکلف کرنے والا وہ ہے جو نماز وغیرہ بناوٹ اور تکلف کے ساتھ ادا کرے۔

اجرت لینے والے امام کی امامت جو شخص اجرت لے کر امامت کرے اسکے پیچھے بھی نماز مکروہ ہے قہستانی میں ایسا ہی ہے (کراہت کا فتویٰ متقدمین کے مسلک پر ہے جو کہتے تھے کہ امامت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، مگر متاخرین فقہاء نے امامت اور اذان پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے متاخرین کا کہنا یہ ہے کہ اب یہ امور کوئی بھی مفت انجام دینے پر آمادہ نظر نہیں آتا ہے، لہٰذا اگر اجرت کو اس زمانہ میں بھی ناجائز کہا جائے گا تو امامت کرنے والا ملنا مشکل ہوگا، اس مجبوری اور ضرورت کے پیش نظر انہوں نے فتویٰ دیا ہے کہ اجرت پر امامت کرنا جائز ہے، پس متاخرین کے مسلک اور فتویٰ کی بنیاد پر اجرت پر امامت کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہے اور اب اسی قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔)

مخالف مسلک کی امامت ابن مالک نے زیادہ کیا ہے کہ اپنے مخالف مذہب کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے جیسے کوئی حنفی کسی شافعی کی اقتداء کرے، لیکن بحر الرائق کے باب الوتر میں مذکور ہے کہ اگر مقتدی کو یقین ہو کہ "مخالف مذہب امام" مقتدی کے مسلک کی رعایت رکھے گا تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ نہ ہوگی، اور اگر اس کو یہ یقین ہو کہ "مخالف مسلک امام" ایسی رعایت نہیں کرے گا، تو ایسے امام کی اقتدا درست نہیں ہوئی اور اگر رعایت اور عدم رعایت میں مقتدی کو شک ہو تو اس کی اقتداء مکروہ ہوگی، خلاصہ یہ ہوا کہ جو مخالف مسلک امام مقتدی کی رعایت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔

ویکرہ تحریما تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائدا علی قدر السنۃ فی قراءۃ واذکار رضی القوم اولا لاطلاق الامر بالتخفیف نہرو فی الشرنبلالیۃ ظاہر حدیث معاذانہ لا یزید علی صلوٰۃ اضعفہم مطلقا ولذا قال الکمال الا لضرورۃ وصح انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قرأ بالمعوذتین فی الفجر حین سمع بکاء صبی.

مقدار سنت سے طویل قراءت سنت کی مقدار سے جماعت کی نماز کا لمبی کرنا مکروہ ہے، خواہ یہ قراءت کے طول کی وجہ سے ہو یا تسبیحات کے طول دینے کی وجہ سے، قوم اس طول دینے پر راضی ہو یا راضی نہ ہو دونوں حالت میں مکروہ ہے، اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مطلقاً یہ حکم دیا ہے کہ جب تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ، تو مناسب یہ ہے کہ ہلکی پڑھاؤ (کیونکہ نمازیوں میں کمزور، بیمار اور بڈھے سبھی طرح کے لوگ ہوتے ہیں، یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔

صاحب بحر الرائق نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ جماعت کی نماز پڑھنا واجب ہے اور اسی وجہ سے لمبی کرنے کو فقہاء نے مکروہ تحریمی کہا، شرنبلالیہ میں ہے کہ حضرت معاذؓ کی حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے مقتدیوں میں جو سب سے زیادہ کمزور ہو اس کی نماز سے مطلقاً زیادہ نہ کرے، اگرچہ قراءت مسنونہ سے کم قراءت کرنا پڑے اور یہی ہے کہ ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ مسنون مقدار سے کم نہ کرے، مگر جب ایسی ہی کوئی ضرورت در پیش آجائے۔

حضرت معاذؓ کا واقعہ حضرت معاذؓ کی حدیث کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عشاء کی نماز میں امامت کرتے ہوئے سورہ بقرہ پڑھنا شروع کیا تو ایک مقتدی جماعت سے نکل آیا اور اس سے الگ ہو کر تنہا نماز پڑھی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس اکیلے نماز پڑھنے والے نے آکر شکایت کی کہ حضرت معاذؓ اتنی لمبی عشاء میں قراءت کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنے میں ڈالتے ہو، جب عشاء کی نماز کی امامت کرو تو اس میں سورہ والشمس والضحیٰ اور سبح اسم اور اقراء اور واللیل پڑھا کرو، شامی نے اس حدیث کے سلسلہ میں زیلعی کے اس قول پر اعتراض کیا ہے کہ "سب سے کمزور مقتدی کی نماز سے زیادہ لمبی نہ کرے گو قرأت مقدار مسنون سے کم ہو جائے" شامی کہتے ہیں اس حدیث سے یہ بات نہیں نکلتی ہے، بلکہ اس حدیث معاذ سے یہ ثابت ہوتا ہے مسنون مقدار سے زیادہ نہ پڑھے، چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ سے سورتوں کا نام لیکر بتایا کہ سورہ شمس سورہ ضحیٰ اور سورہ واللیل جیسی سورتیں پڑھا کرو، جو نماز عشاء میں مسنون ہیں، اور ابن الہمام کے قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ مقدار مسنون سے قراءت کم نہ کی جائے، ہاں اگر کوئی شدید ضرورت ہو تو اس وقت مقدار مسنون سے کم کرنے کی گنجائش ہوگی، یہ مطلب نہیں کہ ضعیف کی رعایت میں قراءت مسنون میں کمی کردے۔

نماز فجر میں معوذتین کی قرأت یہ درست ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز فجر کی جماعت میں اس وقت معوذتین (سورہ فلق اور سورہ ناس) تلاوت فرمائی، جب آپؐ نے بچوں کے رونے کی آواز سنی (یوں نماز فجر میں مسنون طوال مفصل کا پڑھنا ہے مگر ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ طوال مفصل کی سورتوں کی بجائے سورہ فلق اور سورہ ناس پڑھی، لوگوں نے دریافت کیا کہ آج ایسا کیوں کیا گیا، تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز کان میں پڑی، تو مجھے خیال ہوا کہ کہیں اس بچہ کی ماں جو جماعت میں شریک تھی گھبرا نہ اٹھے، اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت قراءت مسنونہ کی جگہ چھوٹی سورتوں کے پڑھنے کی اجازت ہے۔

ویکرہ تحریما جماعة النساء ولو فی التراویح فی غیر صلوة جنازة لانها لم تشرع مکررۃ فلو انفردن تفوتهن بفراغ احدهن ولو امت فیها رجالا لاتعاد لسقوط الفرض بصلوتها الااذا استخلفها الامام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلوة الکل فان فعلن تقف الامام وسطهن فلو تقدمت اثمت الا الخنثی فیتقدمهن کالعراة فیتوسطهم الامام وتکره جماعتهم تحریما فتح ویکرہ حضورهن الجماعة ولولجمعة وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذهب المفتی به لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثا العجائز المتفانیة کما تکرہ امامة الرجل هن فی بیت لیس معهن رجل غیرہ ولا محرم منه کاخته او زوجته او امته اما اذا کان معهن واحد ممن ذکر او امهن فی المسجد لا یکرہ بحر۔

عورتوں کی جماعت وامامت صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ وہ نماز تراویح کی ہی کیوں نہ ہو، البتہ نماز جنازہ میں صرف عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں ہے، وہ جماعت کرسکتی ہے

اس لئے کہ جنازہ کی نماز صرف ایک مرتبہ ہوتی ہے دوبارہ اجازت نہیں ہے، لہٰذا اگر ساری عورتیں تنہا نماز پڑھیں گی اور ایک عورت کے نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری عورتوں کی نمازیں فوت ہو جائیں گی اس وجہ سے کہ دوبارہ نماز جنازہ مکروہ ہے۔

(نماز جنازہ ایک ہی مرتبہ فرض ہے دوسری مرتبہ دوبارہ پڑھنا نفل اور مکروہ ہے، لہٰذا جب ایک عورت تنہا نماز جنازہ ادا کرلے گی تو فرض ادا ہو جائے گا اور باقی عورتیں اس سے محروم رہ جائیں گی، اور یہ اس صورت میں جب نماز جنازہ پڑھنے والی صرف عورتیں ہوں، مرد نہ ہوں۔

اور اگر نماز جنازہ میں عورت نے امامت کی اور مرد مقتدی رہے تو اب یہ نماز لوٹائی نہیں جائے گی، اس لئے کہ اس عورت والی نماز سے فرض ساقط ہو چکا، اب دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی، باقی مردوں کی نماز سرے سے ہوئی ہی نہیں، گویا صرف امام عورت کی نماز ہوئی، مگر فرضیت اسی سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر جنازہ کی نماز میں امامت مرد نے کی اور مقتدی مرد و عورت دونوں تھے، مگر درمیان نماز میں کسی عذر شرعی کی وجہ سے مرد امام نے اپنا خلیفہ عورت کو بنا دیا تو اس صورت میں تمام کی نماز فاسد ہو جائے گی، اب اس صورت میں یہ نماز جنازہ دوبارہ پڑھی جائے گی۔

(مقتدی اور امام سب کی نماز اوپر والی صورت میں اس لئے فاسد ہو گئی کہ امام نے اس کو خلیفہ بنایا جو لائق امامت نہیں تھی، اور امام خود اس عورت کا مقتدی ہو گیا، اس اقتدا کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہوئی اور جب امام کی نماز نہ ہوئی تو بقیہ مقتدیوں کے نماز کے جائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عورتوں کی الگ جماعت کا حکم

اب جب کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ٹھہری تو انہیں جماعت الگ نہیں کرنا چاہئے لیکن اس کے باوجود عورتیں اگر اپنی جماعت کریں تو چاہئے کہ ان عورتوں کی جو عورت امام ہو وہ درمیان صف میں کھڑی ہو، اور اگر یہ عورت امام آگے بڑھ کر مرد امام کی طرح کھڑی ہوگی، تو گنہ گار قرار پائے گی، ہاں اگر ان کا امام کوئی خنثیٰ ہو تو وہ ان عورتوں کے آگے جا کر امامت کرے گا۔

عورت امام کہاں کھڑی ہوگی

عورت امام درمیان صف میں اس طرح کھڑی ہوگی کہ اس کی ایڑیاں صف میں کھڑے مقتدیوں کی ایڑیوں سے آگے ہو، اور خنثیٰ امام کو آگے بڑھنے کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اگر اس کو عورت مان لیا جائے تو برابر کھڑے ہونے سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی، اور پھر اس کی فاسد ہونے کی وجہ سے سارے مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جاتی، آگے کھڑے ہونے میں یہ صورت پیش نہیں آئے گی۔

صرف عورتوں کی جماعت میں "امام عورت" درمیان میں اس طرح کھڑی ہوگی جیسے ننگے آدمیوں کی جماعت میں ان کا امام صف کے درمیان میں کھڑا ہوگا، آگے بڑھ کر کھڑا نہ ہوگا، مگر ننگوں کی جماعت جس کا امام بھی ننگا ہو مکروہ تحریمی ہے۔

یہاں درمیان صف میں کھڑے ہونے میں صرف عورت والی، جماعت کا امام جو عورت ہو اور ننگوں کی جماعت کا امام جو ننگا ہو برابر ہے اس درمیان کے اندر کھڑے ہونے کا دونوں کو حکم ہے یوں ننگوں کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز ادا کریں اور عورتیں کھڑی ہو کر نماز ادا کریں گی۔

عورتوں کا جماعت میں آنا عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے، اگرچہ یہ حاضر ہونا جمعہ میں ہو یا عیدین میں اور یا مجلس وعظ میں، ان میں سے ہر جگہ مکروہ ہے پھر عورت خواہ جوان ہو، خواہ بوڑھی، خواہ رات میں ہو یا دن میں مطلقاً مکروہ ہے، فساد زمانہ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے، ابن الہمام نے البتہ ان بوڑھی عورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے جو بالکل عمر کے کنارے پہونچ چکی ہوں۔

نبی کریم ﷺ کے عہد میں عورتیں جماعت میں آیا کرتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عہد نبویؐ کے بعد عورتوں کی جماعت میں حاضری پر پابندی عاید کی، اس پابندی کی شکایت لیکر عورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت صدیقہؓ نے ان عورتوں سے فرمایا کہ جو حالت اس وقت عورتوں کی حضرت عمر کے سامنے ہے اگر یہی عہد نبویؐ میں ہوتا تو یقیناً آنحضرت ﷺ بھی تم کو مسجد میں حاضری کی اجازت نہیں دیتے، اسی حدیث کو سامنے رکھ کر متاخرین نے عورتوں کو جماعت کے لئے نکلنے کو مکروہ لکھا ہے۔

ويقف الواحد ولو صبيااما الواحدة فتتاخر محاذيا اى مساويا ليمين امامه على المذهب ولاعبرة بالراس بل بالقدم فلو صغيرا فالاصح مالم يتقدم اكثر قدم المؤتم لا نفسد فلو وقف عن يساره كره اتفاقا و كذا يكره خلفه على الاصح لمخالفة السنة والزائد يقف خلفه فلو توسط اثنين كره تنزيها وتحريما لواكثر ولوقام واحد بجنب الامام وخلفه صف كره جماعا ويصف اى يصفهم الامام بان يامرهم بذلك قال الشمنى وينبغى ان يامرهم بان يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطا وخير صفوف الرجال اولها فى غير جنازة ثم وثم ولو صلى على رفرف المسجد ان وجد فى صحنه مكانا كره كقيامه فى صف خلف صف فيه فرجة قلت وبالكراهة ايضا صرح الشافعية وقال السيوطى فى بسط الكف فى اتمام الصف وهذا الفعل مفوت لفضيلة الجماعة الذى هوا التضعيف لا لاصل بركة الجماعة فتضعيفها غير بركتها هى عود بركة الكامل منهم على الناقص انتهى ولو وجد فرجة فى الاول لا الثانى له خرق الثانى لتقصير هم وفى الحديث من سد فرجة غفرله وصح خياركم الينكم مناكب فى الصلوة وبهذا يعلم جهل من يستمسك عند دخول داخل بجنبه فى الصف ويظن انه رياء كمابسط فى البحر لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها مايخالفه ثم نقل تصحيح عدم الفساد فى مسئلة من جذب من الصف فتاخر فهل ثم فرق فليحرر.

مرد کا تنہا صرف عورتوں کی امامت کرنا عورتیں کسی ایسے گھر میں جمع ہوں جہاں نہ کوئی مرد ہو اور نہ کوئی محرم تو ایسی جگہ اس جماعت کی امامت مرد کے لئے مکروہ ہے، ہاں اگر اس جماعت میں مرد بھی شامل ہو یا عورتیں امام مرد کی بہن، بیوی ہو تو امامت کر سکتا ہے یا مرد عورتوں کی امامت مسجد

میں کرے تو جائز ہے مکروہ نہیں مگر شرط یہ ہے کہ مسجد کا دروازہ کھلا ہوا ہو، اور یہ جماعت درمیان مسجد میں ہو رہی ہو، گوشے میں نہ ہو، اگر مسجد کے گوشے میں ہو یا گھر میں جہاں مرد نہ ہو تو محرم عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔

صف بندی اور اقتداء اگر مقتدی فقط ایک ہو اگرچہ وہ نابالغ لڑکا ہو تو اس کو امام کے بغل میں دائیں کھڑا ہونا چاہئے اس کی وہی جگہ ہے اس باب میں قوی مذہب یہی ہے، (امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک مقتدی ہو تو وہ اس قدر امام سے پیچھے ہو کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑی کے برابر ہو، شارح نے بتایا کہ اگر یہ ایک مقتدی عورت ہو تو وہ امام کے پیچھے کھڑی ہوگی، شامی نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ مقتدی سے کہہ دے کہ تم میرے دائیں کھڑے ہو

آگے پیچھے ہونے میں قدم کا اعتبار ہوتا ہے سر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے مثلاً سجدہ کرنے میں مقتدی کا سر آگے پڑے اور امام کا پیچھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور مقتدی کا قدم پیچھے ہے اور امام کا آگے، اور اگر امام کا قدم چھوٹا ہو تو جب تک مقتدی کے قدم کا اکثر حصہ امام کے قدم سے آگے نہ ہوگا مقتدی کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اس کا ماحصل یہ ہوا کہ صرف پنجے کے آگے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ مقتدی ایک ہو اور وہ امام کے دائیں نہ کھڑا ہو کر بائیں کھڑا ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اسی طرح ایک مقتدی ہو اور وہ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے صحیح مذہب اس باب میں یہی ہے اس لئے کہ اس نے سنت طریقے کی مخالفت کی۔

ایک سے زیادہ مقتدی ہوں تو اور اگر مقتدی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہونگے، اب امام اگر دو مقتدی کے درمیان اسی صف میں کھڑا ہوگا تو یہ مکروہ تنزیہی ہوگا، اور اگر دو سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں امام مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہو کر امامت کرے گا تو یہ مکروہ تحریمی ہے، (شامی نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس صورت میں امام کا آگے بڑھ کر کھڑا ہونا واجب ہے چنانچہ ہدایہ فتح القدیر سے یہی ثابت ہوتا ہے)

اور امام کے پیچھے جماعت کھڑی ہو مگر ایک شخص آکر امام کے بغل میں کھڑا ہو کر اقتداء کرے اور نماز ادا کرے تو یہ بھی بالاتفاق مکروہ ہے، (ایک دوسری صورت یہ ہے کہ ایک امام ایک مقتدی اغل بغل نماز پڑھ رہے تھے ایک دوسرا مقتدی آگیا تو اس صورت میں لکھا ہے کہ امام ایک لمبا قدم بڑھا کر آگے ہو جائے اور بعضوں نے کہا مقتدی پیچھے ہٹے، اور بعضوں نے کہا کہ یہ دوسرا مقتدی نیت باندھ کر پہلے کو پیچھے کرے اور دوسرا مقتدی آکر امام کے بائیں مل جائے تو امام کو چاہئے کہ دونوں کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کردے کہ مقتدیوں کا یہ کام ہے کہ وہ پیچھے ہو جائیں اس لئے کہ وہ تابع کی حیثیت رکھتے ہیں امام متبوع ہے اس کو اپنی جگہ رہنا چاہئے، حدیث مسلم سے اسکی تائید ہوتی ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تشریف لے گئے نبی کریم ﷺ نماز کیلئے کھڑے ہوئے، تو یہ آکر بائیں طرف کھڑے ہوگئے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بائیں سے دائیں کر لیا، اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آگئے اور وہ آپکے بائیں بغل میں کھڑے ہوئے، اب آنحضرت ﷺ نے ہم دونوں کو اپنے پیچھے کر دیا اور ہم آپکے پیچھے کھڑے ہوئے، کذا فی الشامی۔

صف بندی کے وقت امام کا فرض امام مقتدیوں کی صف کھڑی کر کے ان کو ایک سیدھ میں کھڑے ہونے کا حکم دے گا، محشی نے لکھا ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ مقتدیوں سے کہے کہ تم ایک

دوسرے سے مل کر کھڑے ہو، دو شخصوں کے بیچ خلا نہ رہنے پائے اور سارے مقتدی اپنے شانوں کو برابر رکھیں، اور امام درمیان میں اس طرح کھڑا ہو کہ اسکے دائیں اور بائیں دونوں طرف صف برابر ہو، شامی نے مبسوط سے نقل کیا ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے، تاکہ دونوں طرف صفیں برابر ہوں اور اگر امام صف کے درمیان میں نہ ہو بلکہ ایک طرف کھڑا ہو گا تو یہ مکروہ ہو گا۔

صف امام کے دونوں طرف برابر ہے اب آنے والا پہلے دائیں ملے اور اگر صف میں کہیں خلاء ہے تو اس میں کھڑا ہو کر اسکو پر کرے، اور اگر یہ صف پوری ہو چکی ہے کسی طرف ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی جگہ باقی نہیں ہے، تو وہ تھوڑا انتظار کرے کہ وہ دوسرے آنیوالے کیساتھ دوسری صف میں کھڑا ہو، اور اگر امام رکوع میں جارہا ہو اور کوئی دوسرا نہیں آیا تو کسی مسئلہ جاننے والے کو صف میں سے کھینچ کر اپنے ساتھ کرے، اور اگر مسئلہ جاننے والا نظر نہ آئے تو وہ تنہا دوسری طرف صف میں امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے، اس زمانہ میں جب کہ عام نمازی مسائل سے واقف نہیں ہیں، یا طبیعت میں ضد ہے اگلی صف سے کسی کو کھینچنے کے بجائے تنہا کھڑا ہو جانا چاہئے۔

نماز جنازہ کی آخری صف

نماز جنازہ کو چھوڑ کر دوسری نمازوں میں مردوں کی صفوں میں بہتر پہلی صف ہے پھر دوسری، پھر تیسری اسی طرح اخیر تک (پہلی صف کے بہتر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ روایتوں میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب رحمت نازل ہوتی ہے تو امام کے بعد اس شخص پر نازل ہوتی ہے جو صف اول میں امام کی سیدھ میں رہتا ہے پھر داہنی طرف والوں پر پھر بائیں طرف والوں پر، اب صف اول کے بعد دوسری صف والوں پر، البتہ نماز جنازہ میں بہتر آخری اور پچھلی صف کو کہا گیا ہے، اس لئے کہ جنازہ میں صفوں کی زیادتی مطلوب ہے، تو اگر پہلی بہتر قرار دی جاتی تو لوگوں کے کم ہونے کی صورت میں کوئی پیچھے کھڑا ہونا گوارا نہیں کرتا، منشا جماعت کی زیادتی کی ترغیب ہے۔

مسجد کی طاق میں کھڑا ہونا

صحن مسجد میں جگہ ہوتے ہوئے مسجد کی طاق میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے، جیسے اگلی صف میں جگہ رہتے ہوئے کوئی پچھلی صف میں ملے تو یہ مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے صفوں کے نظام میں خلل پڑتا ہے، ہاں کوئی مجبوری ہو تو مضائقہ نہیں جیسے مکبر ہو اور طاق میں کھڑے ہو کر تکبیر کہنے سے آواز پھیلتی ہے، تو اس کے لئے یہ کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہو گا۔

جب اگلی صف میں جگہ خالی ہو

ایک نمازی نے نیت باندھنے کے بعد دیکھا کہ اگلی صف پر جگہ خالی ہے تو اگر وہ چل کر اس جگہ کو پر کرے گا اور اگلی صف میں ملے گا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، پہلی صف میں جگہ رہتے ہوئے دوسری صف میں کھڑا ہونا بظاہر مکروہ تحریمی ہے، کذا فی الشامی۔

شافعیوں نے بھی پہلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑے ہونے کو صراحت کے ساتھ مکروہ کہا ہے امام سیوطی شافعیؒ نے اپنی کتاب بسط الکف فی اتمام الصف میں بیان کیا ہے، صف میں جگہ چھوڑنا جماعت کے ثواب کو فوت کرنا ہے، جس میں ثواب کئی گنا ہوتا ہے، باقی جماعت کی اصل برکت اس کو بھی حاصل ہوتی ہے، اضافہ سے محروم رہتا ہے، اس لئے ثواب کا کئی گنا ہونا الگ ہے اور جماعت کی برکت علیحدہ چیز ہے، اور جماعت کی برکت یہ ہے کہ نمازیوں میں سے کامل شخص پر جو برکت ہوتی ہو وہ ناقص کے حصہ میں چلی آئی، (حدیث میں آیا ہے کہ جماعت کی نماز کا ثواب تنہا کی نماز سے پچیس یا ستائیس گنا

زیادہ ہے، اگلی صف میں خلا چھوڑنے والے کو یہ ثواب نہیں ملے گا، البتہ نفس جماعت کی برکت اس کے حصہ میں آئے گی، یعنی کامل شخصوں کے کمال اخلاص کی وجہ سے جو رحمت نازل ہوتی ہے اس میں تمام مقتدی شریک ہو جاتے ہیں کذا فی الطحاوی، مگر شامی میں ہے کہ احناف کے یہاں ثواب کا اضافہ بھی ملتا ہے مگر کراہت کے ساتھ۔

اگر آنے والا مقتدی دیکھے کہ پہلی صف میں خلا ہے مگر دوسری صف بالکل پر ہے کہیں جگہ نہیں تو اس آنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ دوسری صف کو چیر کر پہلی صف میں وہاں پہونچ جائے جہاں جگہ خالی ہے، اس لئے کہ اس میں دوسرے صف والوں کی کوتاہی ہے کہ اگلی صف کے خلا کو پر نہیں کیا اور وہاں خالی جگہ چھوڑ دی اس وجہ سے اس دوسری صف کو چیر کر جانے میں مضائقہ نہیں ہے، (حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے کہ چیر کر اگلی صف کی خالی جگہ کو بھرے۔ حدیث میں ہے جو صف کی خالی جگہ کو بھرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادینگے، حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تم میں بہتر شخص وہ ہے جو نماز میں نرم شانہ ہو، یعنی اگر کوئی صف میں داخل ہونے کے لئے شانوں پر ہاتھ رکھے تو شانے کو نرم کردے اور اس کو جگہ دیدے، اس سے اس شخص کی جہالت بھی معلوم ہو جاتی ہے، جو کسی داخل ہونے والے کے داخل ہوتے وقت روک بنتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ یہ اس کی ریاکاری ہے، (حالانکہ وہ جماعت کی فضیلت پر آنے والے کی مدد کرتا ہے۔)

صف سے آدمی کو ہٹانا

لیکن مصنف اور دوسرے علماء نے قنیہ نامی کتاب اور دوسری کتابوں سے اس اوپر والے قول کی مخالفت نقل کی ہے اور صاحب قنیہ کی موافقت کی ہے کہ اگر کسی شخص نے صف میں بیٹھے ہوئے آدمی کو ہٹایا اور وہ ہٹ گیا، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے نماز ہوتے ہوئے اس کی بات مانی جو نماز میں داخل نہیں تھا، طحطاوی نے مصنف کے اس قول پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے کہ بہتر یہ تھا کہ وہ اسے نقل نہیں کرتے، کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ آنے والوں کو جگہ دینا فضیلت کی بات ہے تو پھر نماز کے فاسد ہونے کی بات عجیب ہے۔

صف سے کھینچنا

ایک شخص صف سے کھینچا گیا چنانچہ وہ پیچھے ہٹ آیا، اس مسئلہ کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اور اس سے اوپر والے مسئلہ میں کیا فرق ہے؟ اس کی تنقیح ہونی چاہئے۔

(پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص صف میں ملا ہوا نماز پڑھ رہا تھا، دوسرا نماز کے لئے آیا اور نیت باندھنے سے پہلے اس نے نمازی سے کہا کہ ذرا آگے بڑھ، وہ آگے بڑھ گیا، یا اس آنے والے نمازی نے خود صف میں ملنے کے لئے ہٹایا، اور اس نے ہٹ کر اسے جگہ دیدی، اس مسئلہ میں صاحب قنیہ لکھتے ہیں نمازی کی نماز فاسد ہو گئی، کیونکہ اس صورت میں نماز کے اندر ایک غیر نمازی آدمی کی مانی گئی، اور وہ اگر نمازی آنے والے کے حکم سے نہیں بلکہ اس کو دیکھ کر خود بخود جگہ دیدے اور اپنی جگہ سے کھسک جائے تو کہتے ہیں اس میں اور پہلے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں ہے، طحطاوی نے لکھا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں ہٹنے والا یہ خیال کر کے ہٹے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے حکم کی طاعت میں ایسا کر رہا ہے تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ وہ امر شرعی کا دھیان نہ رکھے بلکہ صرف نماز میں شریک ہونے والے کا لحاظ رکھتے ہوئے ہٹے تو نماز فاسد ہو جائیگی)

الرجال ظاهره يعم العبيد ثم الصبيان ظاهره تعددهم فلو واحدا دخل في الصف ثم

خنثى ثم النساء قالوا الصفوف الممكنة اثنا عشر لكن لا يلزم صحة كلهالمعاملة الخناثي الاخر واذا حاذته ولو بعضو واحد وخصه الزيلعي بالساق والكعب امرأة ولو امة مشتهاة حالا كبنت تسع مطلقا وثمان وسبع لو ضخمة اوماضيا كعجوز ولاحائل بينهما اقله قدر ذراع في غلظ اصبع او فرجة تسع رجلا في صلوة وان لم تتحد كنيتها ظهرا بمصلي عصر على الصحيح سراج فانه يصح نفلا على المذهب بحر وسيجيء مطلقة خرج الجنازة مشتركة فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلوتها مكروهة لامفسد فتح تحريمة وان سبقت بعضها واداء ولوحكما كلاحقين بعد فراغ الامام بخلاف المسبوقين والمحاذاة في الطريق واتحدت الجهة فلواختلف كما في جوف الكعبة وليلة مظلمة فلا فساد فسدت صلوته لومكلفا والا لا ان نوى الامام وقت شروعه لا بعده امامتها وان لم تكن حاضرة على الظاهر ولو نوى امرأة معينة او النساء الاهذه عملت نيته والاينوها فسدت صلوتها كما اشار اليها بالتاخير فلم تتأخرلتركها فرض المقام فتح وشرطوا كونهاعاقلة وكونهما في مكان واحد في ركن كامل فالشروط عشرةومحاذاة الامرد الصبيح المشتهى لايفسدها على المذهب تضعيف لما في جامع المحبوبي ودرر البحار من الفساد لانه في المرأة غير معلول بالشهوة بل بترك فرض المقام كما حققه ابن الهمام.

صفوں کی ترتیب

امام کے پیچھے پہلے مردوں کی صف ہو، اس میں غلام بھی داخل ہیں یعنی مرد خواہ آزاد ہوں یا غلام پہلے ان کی صف ہوگی، ان مردوں کے بعد لڑکوں کی صف ہوگی، مگر یہ اس وقت جب کہ ایک سے زیادہ لڑکے ہوں، تو ان کی صف بالغوں سے الگ ان کے پیچھے ہوگی، اور اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو وہ تنہا الگ صف میں نہیں کھڑا ہوگا بلکہ وہ مردوں کی صف میں مل جائے گا، اسی طرح خنثیٰ اگر تنہا ہوگا تو وہ لڑکوں کی صف میں مل جائے گا، ہاں ایسی صورت ہو کہ ایک ہی ہونے والے کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی نماز فاسد ہوتی ہو، تو اس صورت میں تنہا ہونے کی صورت میں بھی سب سے پیچھے ہی رہنا ہوگا، جیسے عورت صرف ایک ہو، تو اب وہ تنہا ہونے کی وجہ سے مردوں کی صف میں نہیں ملے گی، بلکہ پیچھے رہے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مردوں کی صف میں یہ عورت مل جاتی ہے تو مردوں کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

مردوں کی صف کے بعد خنثیٰ کی صفیں ہوں گی ان کے پیچھے عورتوں کی، فقہاء نے کہا ہے کہ جن صفوں کا ہونا ممکن ہے وہ بارہ ہو سکتی ہیں مگر ان تمام کا درست ہونا لازم نہیں ہے اس لئے کہ خنثیٰ کا معاملہ صفوں کیلئے سخت نقصان دہ ہے (ان بارہ صفوں کی ترتیب یہ ہو سکتی ہے کہ مقتدی مذکر ہوگا یا مؤنث یا خنثیٰ، ان تینوں میں سے ہر ایک نابالغ ہوگا، یا بالغ، تین دونا چھ قسم ہو گئی، پھر ان چھ میں بھی ہر قسم کے یہ سب آزاد ہوں گے یا غلام، تو اس طرح چھ دونا بارہ قسمیں ہو گئیں، ان کی ترتیب حلیہ میں اس طرح لکھی ہے، اول صف آزاد بالغ مرد، دوم آزاد نابالغ آزاد لڑکے، سوم بالغ غلام چہارم نابالغ غلام پنجم آزاد بالغ خنثیٰ، ششم آزاد نابالغ خنثیٰ ہفتم بالغ غلام خنثیٰ ہشتم غلام نابالغ خنثیٰ نہم آزاد بالغ عورتیں دہم آزاد نابالغ عورتیں یازدہم بالغ لونڈیاں دوازدہم نابالغ لونڈیاں

مگر خنثیٰ کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ کون مرد کے حکم میں ہے اور کون عورت کے حکم میں، اس لئے خنثیٰ کا خنثیٰ کے برابر یا اس کے پیچھے کھڑا ہونا صحیح نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے اگلی صف میں جو خنثیٰ ہے وہ عورت کے حکم میں ہو اور پچھلی صف والا مرد کے حکم میں اسی طرح برابر والوں میں ایک مرد ہو اور ایک عورت، شامی نے اس کا حل یہ نکالا ہے کہ تمام بالغ خنثوں کو ایک صف میں اسی طرح کھڑا کیا جائے کہ ہر دو کے درمیان کسی چیز کی آڑ ہو، یا درمیان فصل رہے، اس لئے دونوں کا برابر کھڑا ہونا ایک دوسرے کی نماز کیلئے مفسد ہے۔

عورت کا محاذات میں ہونا

جب مشتہاۃ عورت مرد کے محاذات میں ہو، خواہ یہ محاذات ایک عضو کا ہی ہو اور عورت خواہ لونڈی ہی ہو تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی زیلعی نے کہا کہ محاذات میں پنڈلی اور ٹخنے برابر ہونے کا اعتبار ہے دوسرے عضو کا نہیں ہے، مشتہاۃ عورت کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو اس کی طرف فطری طور پر کشش ہو اور وہ قابل جماع ہو جیسے نو سالہ موٹی یا دبلی لڑکی ہو یا آٹھ سالہ یا سات سالہ فربہ گداز بدن ہو، یا وہ گذشتہ زمانہ میں مشتہاۃ رہی ہو اب نہ ہو جیسے بڑھیا۔

شارح کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مرد کے سیدھ میں ہونا مطلقاً مفسد نماز ہے یعنی عورت کا کوئی بھی عضو مرد کے کسی بھی عضو کے سیدھ میں ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے قاضی خان نے وضاحت کی ہے کہ عورت کے عضو سے مراد اس کا قدم ہے کہ حالت نماز میں عورت کا قدم اگر مرد کے کسی بھی عضو کی سیدھ میں ہوگا مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ مرد و عورت برابر کھڑے ہوں خواہ عورت آگے ہو اور مرد پیچھے ہو، اور عمر کی قید جو نو سالہ یا آٹھ یا سات سالہ کی لگائی ہے کہ یہ بھی مشتہاۃ ہے طحطاوی نے کہا کہ یہ قول قابل اعتماد نہیں ہے اس لئے کہ نو برس کی لڑکی ہرگز صحبت کے قابل نہیں ہوتی ہے اسی لئے زیلعی نے لکھا ہے عمر جو بھی ہو شرط یہ ہے کہ وہ قابل وطی ہو اگر قابل وطی نہیں ہے تو مشتہاۃ قرار نہیں پائے گی۔

محاذات کی شرطیں

محاذات میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عورت قابل وطی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ مرد و عورت کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، آڑ کی چیز کی بلندی کم از کم ایک ہاتھ ہو، اور موٹائی ایک انگشت ہو یا اتنی کشادگی ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو، اگر درمیان میں آڑ یا فاصلہ ہوگا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، فاصلہ کا اعتبار ایک سیدھ میں ہونے کی حالت میں ہوتا ہے آگے پیچھے ہونے میں یہ فاصلہ فساد کو نہیں روک سکے گا، ہاں آگے پیچھے ہونے کی حالت میں آڑ ہوگی، تو بیشک نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تیسری شرط محاذات کی یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں رکوع سجدہ والی نماز میں ہوں خواہ وہ نماز عید ہو وتر ہو نفل اور گو صورتاً دونوں کی نماز ایک نہ ہو جیسے عورت ظہر پڑھنے والے مرد کے پیچھے عصر کی نیت سے مل جائے تو اس صورت میں بشرط محاذات نماز فاسد ہو جائیگی مذہب صحیح یہی ہے، کہ عورت کی نماز نفل ہو کر درست قرار پائیگی، یہ مسئلہ عنقریب پھر آئیگا رکوع. سجدہ والی نماز کی قید سے نماز جنازہ نکل گئی کہ اس محاذات کا اعتبار نہیں ہوگا، اور اس میں محاذات سے نماز جنازہ فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ نماز جنازہ حقیقتاً دعا ہے نماز نہیں ہے۔

محاذات کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ نماز دونوں مرد و عورت میں از راہ تحریمہ مشترک ہو، خواہ آگے پیچھے تحریمہ باندھا گیا ہو، اور ادائیگی میں بھی شرکت ہو، کہ اس میں ایک دوسرے کے امام ہوں، یا دونوں کسی تیسرے کی اقتدا میں ہوں،

اور ادا میں گو یہ شرکت حکماً ہی ہو جیسے دو لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی نمازیں پوری کر رہے ہوں اس طرح کہ ان میں مرد ہو اور دوسری عورت اور یہ دونوں امام کے فارغ ہونے کے بعد نماز میں ایک سیدھ میں کھڑے ہو کر پوری کرنے لگیں تو بھی مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے اس حالت میں بھی دونوں حکماً امام کے پیچھے ہیں بخلاف ان دو مسبوقوں کے دونوں کی رکعتیں چھوٹ گئی ہوں اور مرد و عورت اپنی بقیہ نمازیں ایک سیدھ میں کھڑے ہو کر نماز پوری کریں تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہو گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسبوق اپنی نماز پوری کرنے میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے تو ایسے میں محاذات کو محاذات فی اداء الصلوۃ نہیں کہیں گے، اسی طرح اگر مرد و عورت دونوں کے وضو ٹوٹ گئے، اور دونوں وضو کرنے چلے اور راستہ میں محاذات ہو گئی، تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہو گی، اسی طرح اگر مرد و عورت ایک امام کے مقتدی نہ ہوں بلکہ ایک امام کا مقتدی ہو اور دوسرا تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور اس میں محاذات ہو جائے تو بھی نماز فاسد نہیں ہو گی گو یہ نفس محاذات مکروہ ہے۔

پانچویں شرط محاذات کی یہ ہے کہ دونوں مرد و عورت کے قبلہ کی جہت ایک ہو، پس جہت مختلف ہو جیسے کعبہ کے ارد گرد نماز پڑھنے میں ہوتی ہے یا اندھیری رات میں تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہو گی، اگر دونوں کے منہ اندھیرے اور تحری کی وجہ سے دو طرف پڑے، مرد کی نماز اس وقت فاسد ہو گی جب وہ عاقل بالغ ہو گا، ورنہ نہیں مکلف کی قید شروع میں اس لئے لگائی گئی ہے کہ یہ محاذات اگر کسی نابالغ لڑکے سے عورت کی نماز میں ہو جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، گویا چھٹی شرط محاذات کی یہ قرار پائی کہ عاقل و بالغ ہوں۔

ساتویں شرط محاذات کی جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یہ ہے کہ مرد کی نماز اس وقت فاسد ہو گی جب امام نے ابتداء نماز سے عورت کے لئے امام ہونے کی نیت کی ہو، اگر نماز کے شروع ہو جانے کے بعد عورت کے لئے امام نے امامت کی نیت کی ہو تو عورت کی یہ اقتداء درست نہیں ہو گی،، اور اس صورت میں مرد کی نماز بھی فاسد نہیں ہو گی، امام کے عورت کے لئے نیت کرنے کے وقت عورت کا موجود رہنا ضروری نہیں ہے جس عورت کے لئے اقتداء کی نیت کی تھی، اگر محاذات اس کے سوا کسی اور عورت سے پائی گئی تو اس صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہو گی، یا عام عورتوں کی نیت کی تو کسی بھی عورت کی محاذات سے نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر متعین عورت کی نیت نہیں کی تو اس کے آنے کی صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہو گی، اور جسکی نیت کی اس کی فاسد ہو گی، امام نے اس کو اشارہ کیا کہ پیچھے چلی جائے لیکن وہ پیچھے نہیں ہوئی تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ عورت نے اپنے فرض مقام کو چھوڑا۔

شامی نے لکھا ہے کہ اکثر فقہاء کا کہنا ہے کہ جمعہ اور عیدین میں عورت کی اقتدا کے صحیح ہونے کے لئے امام کا ان کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، اور یہی قول اصح ہے اور جنازہ میں بالاتفاق یہ شرط نہیں ہے، مگر جمعہ و عیدین میں امامت کی نیت شرط نہ ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ عورت مرد کے محاذات میں نہ ہو۔

محاذات کی آٹھویں شرط یہ ہے کہ جو عورت محاذات میں ہو عاقلہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجنون عورت محاذات میں ہو گی تو نماز فاسد نہیں ہو گی، کیونکہ اس کی نماز منعقد ہی نہیں ہوتی۔

نویں شرط یہ ہے کہ مرد و عورت ایک مکان میں ہوں یعنی مثلاً اگر مرد قد بھر اونچی جگہ میں ہو، اور عورت نیچے ہو تو

محاذات سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

دسویں شرط یہ ہے کہ محاذات ایک کامل رکن کے ادا کرنے میں ہو، شامی کا کہنا ہے کہ فتاوی خانیہ میں یہ ہے کہ نفس محاذات مفسد نماز ہے خواہ کامل رکن میں ہو یا کم میں ہو کامل رکن کی شرط کا اعتبار نہیں ہے،

بہر اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کی محاذات یعنی سیدھ میں ہونے سے مرد کی نماز اس وقت فاسد ہوگی جب یہ اوپر کی دس شرطیں پائی جائیں۔ اگر بے داڑھی مونچھ کا خوبصورت لڑکا قابل شہوت محاذات میں ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے مذہب قوی یہی ہے، شارح نے کہا کہ اس قول سے معلوم ہوا کہ جامع محبوبی اور دار السجار کا وہ قول کمزور ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امرد کے محاذات سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس قول کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورت کی محاذات سے اس لئے نماز نہیں فاسد ہوتی ہے، کہ اس میں شہوت پائی جاتی ہے، بلکہ اس لئے فاسد ہوتی ہے کہ اس نے اپنا مقام متعین چھوڑ دیا، جیسا کہ اسے ابن الہمام نے ثابت کیا ہے، (اگر واقعی شہوت علت ہوتی تو چاہئے تھا کہ بڑھیا، ماں بہن اور دوسرے محرم کے محاذات سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، حالانکہ ان کے محاذات سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وجہ عورت کا اس مقام کو چھوڑنا ہے جہاں اس کے لئے کھڑا ہونا فرض تھا۔)

ولایصح اقتداء رجل بامرأة وخنثى وصبی مطلقا ولوفی جنازة ونقل علی الاصح وكذالايصح الاقتداء بمجنون مطبق اومتقطع في غيرحالة افاقته وسكران او معتوه ذكره الحلبى ولاطاهر بمعذورهذا ان قارن الوضوء الحدث اوطرا عليه بعده وصح لوتوضا على الانقطاع وصلى كذلك كاقتداء بمفتصدا من خروج الدم وكاقتداء امرأة بمثلها وصبى بمثله ومعذور بمثله وذى عذرين بذى عذرلاعكسه كذى انفلات ريح بدى سكس لان مع الامام حدثاونجاسة ومافى المجتبى الاقتداء بالمماثل صحيح الاثلثة الخنثى المشكل والضالة والمستحاضة اى لاحتمال الحيض فلوانتفى صح ولاحافظ اية من القران بغير حافظ لها وهوالامى ولا امى باخرس لقدرة الامى على التحريمة. فصح عكسه ولا مستور عورة بعارفلوام العارى عريانا ولا بسين فصلوة الامام ومماثله جائزة اتفاقا وكذا ذوجرح بمثله وبصحيح ولا قادرعلى ركوع وسجودبعاجزعنهمالبناء القوى على الضعيف ولا مفترض بمتنفل وبمفترض فرضا اخرلان اتحادا لصلوتين شرط عندنا وصح ان معاذا كان يصلى مع النبیﷺ نفلا ويقومه فرضا ولا ناذر بمتنفل ولا بمفترض ولا بناذر لان كلا منهما كمفترض فرضا اخرا لا اذا نذراحدهما عين منذو والاخر للاتحاد ولا ناذربحالف لان المنذورة اقوى فصح عكسه وبحالف وبمتنفل ومصليا ركعتى طواف كناذرين

اقتداء کی بحث

مرد کیلئے نہ کسی عورت کی اقتداء کرنا درست ہے نہ کسی خنثی کی اور نہ کسی نابالغ لڑکے کی، اگر چہ وہ نماز جنازہ ہو یا نفل ہو، مذہب صحیح یہی ہے، تراویح بھی نابالغ لڑکے کے پیچھے درست نہیں ہے، اسی لئے

بچہ کی نماز بھی جائز نہیں، نابالغ لڑکا مکلف نہیں ہے، اسی طرح دائمی مجنوں کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ہے، اور نہ جنوں منقطع کے پیچھے، اگر وہ حالت افاقہ میں نہیں ہے، مدہوش کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ہے، اور نہ کسی متوالے کے پیچھے مُطبق کہتے ہیں جسے کبھی ہوش نہ آئے، اور منقطع اسے کہتے ہیں جسے کبھی کبھی افاقہ ہوتا ہو، اور کبھی کبھی جنون کا دورہ پڑتا ہو، یہاں بھی وجہ یہی ہے، کہ مجنون مکلف نہیں ہے لہٰذا غیر مکلف کے پیچھے مکلف کی نماز نہ ہوگی، اور متوالے اور مدہوش کو نیت کی خبر نہیں رہتی۔

اسی طرح طاہر (پاک رہنے والے کی نماز معذور کے پیچھے درست نہیں ہوتی ہے، یہ اس صورت میں کہ جب وضو کے ساتھ حدث ہوا ہو یا بعد وضو کرنے کے یعنی نماز سے پہلے اس پر حدث طاری ہوا ہو، اور اس وقت اقتداء جائز ہے، عذر نہ ہونے کے وقت اس نے وضو کیا، اور پوری نماز عذر نہ ہونے کی حالت میں ادا کی ہو، جس طرح تندرست آدمی اگر فصد کھلوانے والے کی اقتداء کرے تو درست ہے، کہ وہ خون کے نکلنے سے مامون ہو گیا، اور جس طرح درست ہے کہ کوئی عورت اگر کسی عورت کے پیچھے نماز ادا کرے یا لڑکا کسی دوسرے لڑکے کے پیچھے نماز پڑھے اور عذر والا عذر والے سے پیچھے پڑھے یہ سب اقتداء صحیح ہے ایک عذر والا دو عذر والے کے پیچھے نماز پڑھے گا تو درست نہیں ہوگی، لیکن اگر دو عذر والا ایک عذر والے کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی، جیسے جس کو اخراج ریح کی بیماری ہو اگر وہ اس کے پیچھے نماز پڑھے جس کو سلس البول (پیشاب کی بیماری) ہے تو نماز درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ سلسل البول کو دو عذر ہے، ایک بے وضو ہونا، دوسرے نجاست کا ہونا اور مقتدی میں صرف ایک عذر ہے ہوا نکلنا، جس سے وضو جاتا رہتا ہے

مماثل کی اقتداء

وہ جو مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ اپنے مماثل کی اقتداء درست ہے مگر تین صف کے لئے اپنے مثل کی اقتداء درست نہیں ہے، (۱) خنثیٰ مشکل (۲) ضالہ جس کو اپنے حیض کا علم نہ ہو اور برابر خون آتا ہو (۳) اور وہ مستحاضہ جس کو حیض کا احتمال ہو، لیکن اگر حیض کا احتمال نہ ہو تو مستحاضہ کے پیچھے درست ہے،

خنثیٰ مشکل اس کو کہتے ہیں جس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ نہ کیا جا سکے، اس میں ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے اس لئے درست نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جس کو امام بنایا ہے وہ عورت ہو اور مقتدی مرد ہو۔

ضالہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو خون برابر آرہا ہو، اور وہ اپنے حیض کی عادت بھول گئی ہو اب اس کو امام بنانے میں شبہ یہ ہوگا کہ جس نماز میں وہ امام بنائی گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حیض کا دن ہو۔

مستحاضہ وہ عورت ہے جس کو حیض کے بعد بھی بیماری کا خون آتا ہو، اس کی امامت اس لئے درست نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ حیض کا دن ہو، اگر یقین ہو کہ حیض کے دن گذر چلے ہیں تو پھر امامت درست ہوگی۔

قرآن یادر کھنے والے کی نماز اس کے پیچھے جس کو قرآن یاد نہ ہو

اسی طرح اس شخص کی نماز جس کو قرآن کی کوئی آیت یاد ہو اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہوگی جس کو قرآن کی کوئی آیت یاد نہ ہو، اور ایسے شخص کو امی کہا جاتا ہے اسی طرح امی کی نماز گونگے کے پیچھے درست نہیں ہے اس لئے کہ امی تحریمہ پر قادر ہے، گونگا اس پر قادر نہیں ہے، چنانچہ گونگے کی نماز امی کے پیچھے درست ہوگی، ہاں اگر ایسا امی ہو جو تحریمہ پر بھی قادر نہ ہو، تو بقول علامہ شامی اس کی نماز گونگے کے پیچھے درست ہوگی۔

ستر پوش کی نماز بے ستر پوش کے پیچھے

جس کا ستر چھپا ہوا اس کی نماز اس کے پیچھے درست نہیں ہوتی جو بالکل ننگا ہو، لہٰذا اگر امام ننگا ہو اور مقتدی ننگے بھی ہوں، اور کپڑے پہنے ہوئے بھی، تو اس صورت میں امام کی نماز بھی درست ہو گی اور ان مقتدیوں کی بھی جو ننگے ہیں، البتہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں ان کی نماز درست نہیں ہو گی، اسی طرح اگر امام زخمی ہو اور مقتدی زخمی بھی ہوں اور تندرست بھی، تو امام اور زخمی مقتدی کی نماز درست ہو گی۔ (لیکن اگر امام امی ہو اور مقتدی امی بھی ہوں، اور قراءت پر قادر بھی، تو اس صورت میں کسی کی نماز درست نہیں ہو گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قاری کو امام بنایا جائے تو اس کی قراءت امی کی بھی حکماً قراءت قرار پاتی، مگر یہ صورت ننگے اور پہننے والے میں نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے کہ امام کا لباس مقتدی کا لباس قرار نہیں پا سکتا ہے۔)

رکوع پر قادر کی نماز اسکے پیچھے جو رکوع سجدہ پر قادر نہ ہو

جو شخص رکوع وسجدہ پر قادر ہے اس کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہے جو ان دونوں رکوع اور سجدہ کرنے سے عاجز و مجبور ہے، اس لئے کہ یہ قوی اور مضبوط کی بنیاد رکھنا ہے کمزور وضعیف پر، (مطلب یہ ہے کہ جو شخص اشارہ سے نماز ادا کرتا ہو، وہ ضعیف حال میں ہے لہٰذا اسکے پیچھے رکوع وسجدہ کیساتھ نماز پر قادر کی نماز جائز نہیں ہوتی) اسی طرح جو فرض نماز ادا کر رہا ہو اسکی نماز نفل نماز پڑھنے والے امام کے پیچھے درست نہیں ہے اور نہ دوسری فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے درست ہو گی اس لئے کہ دونوں کی نمازیں الگ الگ ہیں اور اقتداء کیلئے امام و مقتدی کی نماز کا ایک ہونا ضروری ہے۔

ایک اشکال کا جواب

حضرت معاذؓ کے متعلق درست یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے پیچھے نفل کی نیت سے نماز پڑھتے تھے اور اپنی قوم کے ساتھ فرض کی نیت سے ادا کرتے تھے (منشا یہ ہے حضرت معاذ خود قوم کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے اور آپ کی قوم آپ کے پیچھے فرض ہی نماز پڑھتی تھی، یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت معاذؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ فرض پڑھ کر آتے تھے، اور قوم کی امامت کرتے تھے یعنی قوم کی امامت اس طرح فرماتے تھے کہ خود نفل پڑھتے ہوں اور آپ کی قوم فرض پڑھتی ہو۔

نذر والے کی نماز

جس نے نماز کی نذر مانی ہو اس کے لئے اس نماز میں نفل نماز پڑھنے والے کی اقتدا درست نہیں ہے، اس لئے کہ نذر ماننے والے کی نماز اس کے ذمہ واجب ہو گی، لہٰذا قوی کی بنا ضعیف پر کیسے درست ہو گی، اسی طرح اس نذر ماننے والے کی نماز فرض پڑھنے والے کے پیچھے اور دوسرے نذر ماننے والے کے پیچھے بھی درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں امام اور مقتدی کی نماز میں اتحاد نہیں پایا جائے گا، جو اقتداء کیلئے ضروری شرط ہے، دونوں الگ الگ فرض پڑھنے والے کی طرح ہونگے، البتہ اگر امام و مقتدی دونوں نے ایک ہی نماز کی نذر مانی ہو تو ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہو گی، اس لئے کہ دونوں کی نمازیں بعینہ ایک ہیں (اس صورت یہ ہو گی کہ مثلاً زید نے کہا کہ میں اس نماز کی نذر مانتا ہوں جس کی خالد نے مانی ہے، لیکن اگر دونوں نے الگ الگ مانی ہے تو پھر ایک کیلئے دوسرے کی اقتداء درست نہیں ہے۔

اور نذر کی نماز قسم کھانے والے کی نماز کے پیچھے درست نہیں، اس لئے کہ نذر کی نماز قسم کی نماز سے زیادہ قوی ہے، البتہ اس کے برعکس درست ہے کہ قسم والا نذر والے کی اقتداء کرے، اسی طرح قسم والا قسم والے کی اقتداء کر سکتا ہے اور نفل پڑھنے

ا ے کی بھی،قسم کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں دو رکعت نماز پڑھوں گا، یہ نماز اس کی نفل کے حکم میں
ہوگی، دو رکعت نفل پڑھنے سے بھی وہ نماز ادا ہو جائے گی، اور نفل پڑھنے کا کفارہ ادا کر دے تو بھی کام ہو جائے گا، اس کے
بس نذر کی نماز ذمہ میں واجب ہو جاتی ہے اس لئے یہ قسم والے کی اقتداء نہیں کر سکتا ہے۔ طواف کی دو رکعتیں دو شخص پڑھیں
تو وہ دونوں دو نذر کی نماز پڑھنے والوں کے حکم میں ہوں گے، جس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کر سکتے ہیں
اسی طرح دو شخص جو طواف کی دو رکعتیں پڑھ رہے ہیں، ایک دوسرے کی اقتداء نہیں کر سکتے، کیونکہ دونوں کی نماز الگ الگ
ہے ہاں جو لوگ طواف کی دو رکعتوں کو مسنون کہتے ہیں ان کے قول کے مطابق اقتداء کو درست کہا جائے گا۔

ولواشتر کا فی نافلة فافسداهاصح الاقتداء لا ان افسداها منفردين ولوصليا الظهر ونوى كل امامة الاخرصحت لاان نويا الاقتداء والفرق لايخفى ولالاحق ولامسبوق بمثلهما لما تقرران الاقتداء فى موضع الانفراد مفسد كعكسه ولامسافر بمقيم بعد الوقت فيما يتغير بالسفر كالظهر سواء احرم المقيم بعد الوقت اوفيه فخرج فاقتدى المسافر بل ان احرم فى الوقت فخرج صح واتم تبعا لامامه اما بعد الوقت فلا يتغير فرضه فيكون اقتداء بمتنفل فى حق قعدة او قرائة باقتدائه فى شفع اول ثان ولا نازل براكب ولا راكب براكب دابة اخرى فلو معه صح ولا غير الثغ به، اى بالالثغ على الاصح كما فى البحر عن المجتبى وحرر الحلبى وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما كالامى فلا يؤم الامثله ولا تصح صلوته اذا امكنه الاقتداء بمن يحسنه او ترك جهده اووجد قدرالفرض ممالا لثغ فيه هذا هو الصحيح المختار فى حكم الالثغ وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف اولا يقدر على اخراج الفاء الا بتكرار.

نفل شروع کر کے فاسد کرنے والے کی نماز

دو شخص کسی نفل نماز میں شریک ہوئے پھر انھوں نے اس کو فاسد کر دیا تو اس صورت میں وہ دونوں ایک دوسرے کی نماز فاسد شدہ کی ادائیگی میں اقتداء کریں تو یہ درست ہے (جیسے یہ دونوں کسی امام کے پیچھے تراویح پڑھ رہے تھے، اس کو فاسد کر دیا، اب یہ دونوں ان رکعات تراویح کو ایک دوسرے کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں کیونکہ نماز متحد ہے) اور اگر دو شخصوں نے نماز ظہر ادا کی، اور دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے امام ہونے کی نیت کی، تو اس صورت میں نماز درست ہوگی، لیکن اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی اقتداء کی نیت کی تو نماز درست نہیں ہوگی، اور ان دونوں صورتوں میں فرق پوشیدہ نہیں ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ امامت کی نیت کی صورت میں ہر ایک منفرد ہو گیا اور اس نے تمام ارکان خود ادا کئے، بخلاف اقتداء کی نیت کے کہ ہر ایک نے اپنی نماز دوسرے کی نماز پر موقوف کر دی، اور کوئی امام نہ بنا اور نہ دونوں میں سے کسی نے پورے ارکان ادا کئے۔

لاحق ومسبوق کی اقتداء

لاحق اور مسبوق اگر خود دوسرے اپنی طرح کے لاحق اور مسبوق کے پیچھے اقتداء کرے تو یہ اقتداء درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ منفرد ہونے کی جگہ

میں اقتداء مفسد ہے جس طرح اس کا عکس مفسد ہے (لاحق اس کو کہتے ہیں جو ابتداء سے امام کے ساتھ شریک ہوا ہو مگر درمیان یا آخر نماز کسی عذر کی وجہ سے اس کی فوت ہو گئی ہو، اب اس کا حکم یہ ہے کہ یہ شخص امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی چھٹی ہوئی نماز پوری کرے گا، مگر اس میں وہ مقتدی کے حکم میں ہوگا، یعنی جس طرح مقتدی امام کے پیچھے رہ کر نماز ادا کرتا ہے اسی طرح یہ شخص امام کی فراغت کے بعد بھی نماز ادا کرے گا، اور مسبوق وہ ہے جو ایک دو رکعت ہو جانے کے بعد امام کے ساتھ ملا ہو، شروع سے امام کے ساتھ نہ ملا ہو،، یہ مسبوق بھی اپنی بقیہ نماز امام کے فارغ ہونے کے بعد پوری کرے گا مگر یہ اس بقیہ نماز میں منفرد کے حکم میں ہوگا جس طرح ایک تنہا شخص اپنی نماز ادا کر سکتا ہے اسی طرح یہ اپنی بقیہ نماز پوری کرے گا، فقہاء لکھتے ہیں کہ اب اگر ایک لاحق دوسرے لاحق کی اقتداء میں اپنی نماز پوری کرے گا تو نماز درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ جیسا بتایا گیا حکما دونوں ہی مقتدی ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کی اقتداء کیسے کر سکتے ہیں، اگر ان میں سے ایک امام بن جائے گا، تو وہ منفرد کے حکم میں ہو جائے گا اور یہ منفرد کے حکم میں ہو نہیں سکتا ہے،

اسی طرح ایک مسبوق دوسرے مسبوق کے پیچھے اپنی بقیہ نماز مقتدی بن کر پوری کرے گا تو نماز درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ بتایا گیا ہے کہ مسبوق حکما منفرد ہو جاتا ہے لہٰذا یہ مقتدی نہیں بن سکتا ہے لہٰذا ایک کا امام بننا اور دوسرے کا مقتدی، درست نہیں ہے، اسی طرح نہ لاحق کی نماز مسبوق کے پیچھے درست ہوگی اور نہ مسبوق کی لاحق کے پیچھے جو نمازیں سفر کی وجہ سے بدلتی ہیں جیسے ظہر، عصر اور عشاء ان نمازوں میں اوقات مقررہ کے بعد مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے درست نہیں ہوتی ہے خواہ مقیم نے تحریمہ وقت کے بعد کی ہو یا وقت کے اندر تحریمہ باندھا ہو مگر وقت نکل جانے کے بعد مسافر نے مقیم کی اقتداء کی ہو،

مسافر کے ذمہ قصر واجب ہے اور وقت نکل جانے کے بعد چار کی جگہ دو ہی پڑھنا ضروری ہے چار نہیں پڑھ سکتا ہے البتہ وقت کے باقی رہنے کی صورت میں اگر مسافر اقامت کی نیت کر لے گا تو دو کی جگہ چار پڑھے گا یا مسافر وقت کے اندر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھیگا تو بھی پوری چار رکعت پڑھے گا، مگر جب نماز کا وقت نکل گیا تو اب دو ہی اس کے ذمہ ہے دو کی جگہ چار کسی صورت میں نہیں پڑھ سکتا ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ بعد وقت مقیم کی اقتداء اس کے لئے درست نہیں ہے البتہ جو نمازیں سفر کی وجہ سے نہیں بدلتی ہیں جیسے فجر اور مغرب ان میں مسافر بعد وقت بھی مقیم کی اقتداء کر سکتا ہے،

مسافر کیلئے مقیم کی اقتداء

اگر مسافر نے مقیم کی اقتداء نماز کے اندر کی، اسکے بعد وقت نکلا تو اس صورت میں اقتداء درست ہوگی اور مسافر امام کی پیروی میں نماز پوری پڑھے گا، یعنی دو کی جگہ چار رکعتیں پڑھے گا، مگر وقت کے بعد دو کی جگہ چار نہیں پڑھ سکتا ہے، کیونکہ اب اس کا فرض دو کی جگہ چار نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا اگر مسافر بعد وقت کسی مقیم کی اقتداء کرے گا تو بہت سی چیزیں امام کیلئے سنت اور واجب ہونگی اور مقتدی کیلئے فرض، جیسے قعدہ اولی، قراءت۔

اور اسی طرح جو شخص سواری سے نیچے اترا ہوا ہے اس کی نماز اس شخص کے پیچھے درست نہیں ہے جو سواری پر سوار ہے اور ایک سواری پر سوار شخص کی نماز دوسری سواری پر سوار کے پیچھے درست نہیں ہوگی، البتہ دونوں ایک ہی سواری پر سوار ہوں تو ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہوگی، پہلی صورت میں جب دونوں دو سواری پر سوار ہیں مکان ایک نہیں پایا گیا، اس لئے ایک کی اقتداء دوسرے کیلئے درست نہیں ہے چنانچہ اگر سوار شخص نیچے اترے ہوئے کی اقتداء کرے گا تو بھی نماز درست نہیں ہوگی،

توتلے کی اقتداء

توتلے شخص کے پیچھے اس کی نماز نہیں جائز ہوتی ہے جو توتلا نہیں ہے صحیح تر قول یہی ہے جیسا کہ البحر الرائق میں مجتبیٰ کتاب سے منقول ہے، (الثغ (بروزن افضل) اس کو کہتے ہیں جس کی زبان سے ہے حروف کی جگہ دوسرا حرف نکلے، اصح کی قید اس لئے لگائی ہے کہ بعض علماء نے لکھا ہے توتلے کی امامت صحیح ہے جو مفتی بہ قول کے خلاف ہے) اور حلبی اور ابن الشحنہ نے لکھا ہے کہ توتلا ساری سعی و کاوش کے باوجود امی کی طرح ہے توتلا توتلے کی امامت تو کر سکتا ہے دوسرے اچھے کی نہیں اور خود اس کی نماز اس وقت درست نہیں ہوگی جب اس کے لئے کسی صحیح اچھے پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا ممکن ہو، یا وہ توتلا پن سے قراءت میں نکلنے کی سعی نہ کرے، یا بقدر فرض قراءت حاصل کرنے کی کوشش بلا توتلا پن نہ کرے (توتلے پر ضروری ہے کہ وہ صحیح قراءت کی جد وجہد جاری رکھے، اگر کوشش کے باوجود صحیح حرف نہ نکال سکے تو البتہ اس کی نماز درست ہوگی، کیونکہ جو اس پر واجب تھا اس پر اس نے عمل کیا، اور اگر بغیر سعی و کوشش ہی نماز پڑھنا شروع کردیا ہے اور قراءت کی صحت کی کوشش نہیں کی ہے تو نماز درست نہیں ہوگی، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ وہ بغیر توتلا پن بقدر فرض قراءت نہ کر سکتا ہو، اگر بقدر فرض بغیر توتلا پن قراءت کر لیتا ہے تو پھر تو اس پر کوشش ضروری نہیں ہے اور نہ دوسرے صحیح پڑھنے والے کی اقتداء ضروری ہے، کذا فی الشامی والمحیط)

اسی طرح اس شخص پر بھی صحیح تلفظ کی کوشش ضروری ہے جو حروف تہجی میں سے کوئی حرف نہ بول سکے یا فاء کو بغیر تکرار ادا نہ کر سکے، (ایسا شخص اگر بغیر سعی و کاوش نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی، فاء کے تکرار سے اشارہ کیا گیا ہے کہ ہکلا بھی توتلانے میں داخل ہے، کذا فی الشامی)

واعلم انه اذا فسد الاقتداء بای وجه كان لايصح شروعه فی صلوة نفسه لانه قصد المشاركة وهی غير صلوة الانفراد علی الصحيح محيط وادعی فی البحرانه المذهب قال المصنف لكن كلام الخلاصة يفيد ان هذا قول محمد خاصة قلت وقد ادعی فيما مربعد تصحيح السراج بخلافه ان المذهب انقلابها نقلا فتامل وحينئذ فالاشبه ما فی الزيلعی انه متی فسد لفقد شرط كطاهر بمعذورلم تنعقداصلاوان لاختلاف الصلوتين فتنعقد نفلا غيرمضمون وثمرته الانتقاض بالقهقهة ويمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل قدر ذراع او ارتفاعهن قدر قامة الرجل مفتاح السعادة اوطريق تمر فيه عجلة الة يجرها الثور اونهرتجری فيه السفن ولوزورقاولوفی المسجد اوخلاء ای فضاء فی الصحراء اوفی مسجد كبير جداكمسجد القدس يسع صفين فاكثرالا اذااتصلت الصفوف فيصح مطلقا كان قام فی الطريق ثلاثة وكذا اثنان عند الثانی لا واحد اتفاقا لانه لكراهة صلوته صار وجوده كعدمه فی حق من خلفه والحائل لا يمنع الاقتداء ان لم يشتبه حال امامة بسماع او رؤية ولو من باب مشبك يمنع الوصول فی الاصح ولم يختلف المكان حقيقة كمسجد وبيت فی الاصح قنية ولا حكما عند اتصال الصفوف ولو اقتدی من سطح داره المتصلة

بالمسجد لم يجز لاختلاف المكان درر وبحر وغيرهما واقره المصنف لكن تعقبه فى الشرنبلالية ونقل عن البرهان وغيره ان الصحيح اعتبارالاشتباه فقط قلت وفى الاشباه وزواهرالجواهر ومفتاح السعادةومجمع الفتاوىٰ والنصاب والخانية انه الاصح وفى النهر عن الزاد انه اختيارجماعة من المتاخرين

اقتداء فاسد ہو جائے تو کیا کرے

اگر کسی بھی وجہ سے اقتداء فاسد ہو گئی تو مقتدی کیلئے بطور خود اپنی نماز شروع کرنا صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے شرکت کا ارادہ کیا تھا کہ دوسرے کی اقتداء میں ادا کرے گا، اور منفرد کی نماز اس سے بالکل الگ ہے، دونوں میں کوئی جوڑ نہیں، اور بحر الرائق میں دعوی کیا ہے کہ صحیح نہ ہونا ہی صحیح مذہب ہے۔ مصنف نے کہا کہ صحیح نہ ہونے کا قول صرف امام محمدؒ کا قول ہے خلاصہ نامی کتاب کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے،

شارح کا قول ہے میں کہتا ہوں کہ صاحب البحر الرائق نے پہلے عورت کے محاذات کے مسئلہ میں اس کے خلاف دعوی کیا ہے وہ یہ کہ وہ نماز نفل سے بدل جاتا ہے (مسئلہ کی صورت منقولہ یہ ہے کہ اگر کوئی مرد عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک عورت نے اس کی اقتداء ظہر کی نیت سے کی اور مرد کے محاذ میں کھڑی ہو گئی تو اس صورت میں مرد کی نماز باطل ہو جائے گی، اس لئے کہ کو فرض میں اقتداء نہ صحیح مگر مذہب کے بموجب نفل میں اقتداء درست ہوئی اس مسئلہ سے یہ معلوم ہوا کہ جب بھی فرض میں اقتداء فاسد ہو جاتی ہے اور شروع نماز یقیناً سرے سے فاسد نہیں ہوتی، بلکہ نفل میں اقتداء باقی رہتی ہے) اسی وجہ سے بعد میں کہا گیا ہے فتأمل کہ یہاں اس تناقض میں غور کرے،

اس وقت میں جب کہ صاحب بحر کا کلام مذہب کے نقل میں دو طرح ہوا، تو ایسی صورت میں قواعد فقہیہ کے زیادہ مشابہ وہ قول ہے جو زیلعی میں ہے کہ جب شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے اقتداء فاسد ہو جیسے طاہر اپنی نماز معذور کے پیچھے پڑھے تو اس صورت میں سرے سے نماز منعقد ہی نہیں ہوگی، اور اگر دونوں نمازوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اقتداء فاسد ہو تو مقتدی کی نماز نفل ہو کر منعقد ہو گی مگر وہ غیر مضمون ہو گی یعنی اس کو فاسد کرنے سے اس کے ذمہ قضا لازم نہ ہو گی، اور اس کا ثمرہ قہقہہ کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یعنی اگر اقتداء کے فاسد ہونے کے بعد قہقہہ مار کر ہنسے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ وہ حاما نماز میں ہے اور اگر اقتداء کے فاسد ہونے کے بعد یہ کہا جائے نماز باقی نہیں رہی تو وضو نہیں ٹوٹے گا،

مردوں کے محاذات میں عورت کا ہونا

اگر مردوں کی نماز اور امام کے درمیان عورتوں کی صف حائل ہو، اور کوئی پردہ عورت و مرد کے درمیان بقدر ایک ہاتھ حائل نہ ہو تو مردوں کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اقتداء درست نہیں (اگر عورت کی صف پوری ہے اور اسکے پیچھے مردوں کی جتنی صفیں ہوں گی اخیر تک سب کی نماز فاسد ہو گی، اور اگر صرف تین عورتیں ہوں اور ان کے پیچھے مردوں کی صف پوری ہو، تو ان عورتوں کے مقابل جو تین مرد ہونگے، صرف ان کی نماز فاسد ہو گی، مگر عورتوں کے پیچھے جتنی صفیں ہوں گی، ان تین کے مقابل کے تمام صفوں کی تین تین مردوں کی نمازیں فاسد ہوں گی، اور اگر اگلی صف میں صرف دو یا ایک عورت ہو اور اس کے پیچھے مردوں کی کئی صفیں ہوں تو صرف عورت کے پیچھے جو پہلی صف ہے اس میں مقابل کے دو یا ایک مرد کی، نماز فاسد ہو گی، بقیہ صفوں کے

مردوں کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اور قیاس یہی چاہتا بھی ہے، مگر پہلی دوصورتوں میں کہ عورت کی صف پوری ہو یا ایک صف میں تین عورتیں ہوں تو عورتوں کے پیچھے جتنی صفیں ہوں گی سب صفوں کے مردوں کی نمازیں جو عورتوں کی سیدھ میں ہوں نمازیں فاسد ہوں گی یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس حکم حضرت عمرؓ کی ایک حدیث کی وجہ سے ہے جو آپ موقوفا و مرفوعا آئی ہے)

اقتداء کب درست نہیں ہوتی

اسی طرح اقتداء امام کی اس وقت بھی درست نہیں ہو گی، اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان ایسا راستہ حائل ہو جس سے گاڑی گذر سکے، شارح نے کہا کہ عجلہ اس گاڑی کو لیتے ہیں جس کو بیل کھینچتے ہیں، مگر حکم عام ہے کسی بھی گاڑی کے گذرنے کی گنجائش ہو تو اقتداء درست نہیں، اور اس وقت بھی اقتداء درست نہیں ہے جب کہ امام اور مقتدی کے درمیان ایسی نہر یا ندی حائل ہو، جس میں کشتی چل سکتی ہو، اگرچہ وہ چھوٹی ہی کشتی کے گذرنے کے لئے لائق گنجائش کیوں نہ ہو، اور گو وہ نہر مسجد میں ہو،

اسی طرح وہ خلاء بھی مانع اقتداء ہے جو میدان اور جنگل میں امام و مقتدی کے درمیان حائل ہو، یا کسی بہت بڑی مسجد میں حائل ہو جیسے مسجد بیت المقدس اور وہ خلاء دو صفوں یا زیادہ کی گنجائش رکھتا ہو، لیکن اگر صفیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں تو پھر راستہ اور نہر کا درمیان ہونا مانع اقتداء نہیں ہے مثلاً راستہ یا نہر پر بھی صفیں لگ گئی ہیں تو یہ راستہ اور نہر حائل نہ شمار ہوں گے، مگر شرط یہ ہے کہ راستہ یا نہر میں جو صف ہو، اس میں کم از کم دو آدمی ہوں، صرف ایک آدمی کا کھڑا ہونا کافی شمار نہ ہو گا اس لئے کہ تنہا اس طرح نماز پڑھنا مکروہ ہے،

(نہر میں صف کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کشتی باندھ کر پل بنا کر اس پر صفیں قائم کر دی جائیں، خلاء کے سلسلہ میں جنگل میدان کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ مسجد کے اندر اگر درمیان میں کئی صفوں کی جگہ چھوڑ کر بھی اقتداء کی جائے اور صف باندھی جائے تو نماز ہو جاتی ہے، اور گھر بھی صحیح قول کے مطابق اس باب میں مسجد کی طرح ہے کہ اس میں بھی درمیان میں خلاء رہنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، لیکن بڑا مکان اور بڑی مسجد مثل جنگل اور میدان کے ہے اور اس بڑے کی حد یہ ہے کہ اس کا صحن چالیس ہاتھ یا زیادہ کا ہو اور بعضوں نے ساٹھ ہاتھ کہا ہے مگر چالیس ہاتھ والا قول مختار ہے کذا فی الشامی)

اور امام و مقتدی کے درمیان کسی ایسی چیز کا حائل ہونا اقتداء کے لئے باعث فساد نہیں ہے، جب اس کی وجہ سے مقتدی پر اپنے امام کا حال مشتبہ نہ ہو، اس طرح کہ وہ اپنے امام کی آواز سنتا ہو یا اپنے امام کو دیکھ رہا ہو، اگرچہ یہ دیکھنا جھنجھری دار دروازہ سے ہو، جو پہونچنے کے لئے تو روک ہو مگر دیکھنے کے لئے نہیں، صحیح تر قول یہی ہے (طحطاوی نے لکھا ہے امام کی آواز سنتا ہو یا مکبر کی دونوں برابر ہے، اسیطرح امام کو دیکھ رہا ہو یا اس کے پیچھے والے مقتدی کو)

اور امام و مقتدی کے درمیان حائل اس وقت اقتداء کے لئے مضر نہیں ہے جب جگہ ایک ہو، مختلف نہ ہو جیسے مسجد اور کمرہ قنیہ میں ایسا ہی ہے، اور جب صفیں ملی ہوئی ہوں اور مسلسل ہوں تو درمیان کا راستہ یا نہر بھی حائل نہیں شمار ہوتا، بلکہ وہ ایک مکان کے حکم میں ہو جاتا ہے، اگر کوئی اپنے مکان کی چھت پر رہ کر اس امام کی اقتداء کرے جو مسجد میں نماز پڑھا رہا ہے اور اس کا وہ مکان مسجد سے ملا ہوا ہے تو اس کی یہ اقتداء درست نہیں ہو گی، کیونکہ مکان ایک نہیں ہے بلکہ دونوں دو ہے،

(عالمگیری میں ہے مسجد کا پڑوسی اگر امام مسجد کی اقتداء اپنے گھر میں کرے تو اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ اس کے مکان

اور مسجد کے درمیان شارع عام (سڑک) نہ ہو یا ہو مگر صفوں سے پر ہو)

وصح اقتداء متوضیء لامام معه بمتیمم ولو مع متوضیء بسور حمار مجتبی وغاسل بماسح ولوعلی جبیرۃ وقائم بقاعدیر کع ویسجدلانه صلی الله علیه وسلم صلی آخر صلوته قاعداوهم قیام وابوبکر رضی الله عنه یبلغهم تکبیرۃ وبه علم جواز رفع المؤذنین اصواتهم فی جمعة وغیرها یعنی اصل الرفع اماما تعارفوه فی زماننا فلا یبعد انه مفسد اذا الصیاح ملحق بالکلام فتح وقائم باحدب وان بلغ حدبه الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیره اولی وموم بمثله الا ان یومی الامام مضطجعا والمؤتم قاعدا او قائما هو المختار ومتنفل بمفترض فی غیر التراویح فی الصحیح خانیة وکانه لانها سنة علی هیئة مخصوصة فیراعی وصفها الخاص للخروج عن العهدۃ

وضو والے کی اقتداء تیمّم والے کے پیچھے

ایک شخص جس نے وضو کیا ہے مگر اب اس کے ساتھ پانی نہیں ہے وہ اگر کسی تیمم سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز درست ہوگی، گو اس تیمم والے امام نے تیمم کرنے سے پہلے گدھے کے جھوٹے پانی سے وضو کیا ہو، (اگر مقتدی کے ساتھ پانی ہوگا تو امام اس سے وضو کر سکتا ہے، اس لئے یہ قید لگائی، مگر یہ اس وقت ہے جب پانی نہ ہونے کی وجہ سے امام نے تیمم کیا ہو اور مقتدی نے وضو کیا ہو، لیکن اگر امام کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے تیمم کرتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے)

اسی طرح موزہ پر مسح کرنے والے کے پیچھے پیر دھونے والے کی نماز درست ہوتی ہے اگرچہ مسح اس ٹوٹے ہوئے حضو کی پٹی پر کیا ہو، (یعنی ایک شخص وضو یا غسل میں اپنے تمام اعضاء کو دھوتا ہے اور دوسرا کچھ حصہ دھوتا ہے اور کچھ حصہ پر مجبوری کی وجہ سے مسح کرتا ہے تو اس مسح کرنےوالے کے پیچھے اس دھونے والے کی نماز جائز ہے)

بیٹھنے والے کی اقتداء

جو کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا بیٹھ کر رکوع سجدہ سے نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، یہ جائز ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور مقتدی تمام کھڑے تھے اور آپؐ کی تکبیر حضرت ابو بکر صدیقؓ لوگوں کو پہنچا رہے تھے اور اسی تکبیر کے پہونچانے سے معلوم ہوا کہ موذن کیلئے جمعہ وغیرہ میں تکبیر کی آواز بلند کرنا درست ہے یعنی نفس بلند کرنے کا جواز ثابت ہے اور یہ موذنوں نے ہمارے زمانہ میں رائج کرلیا ہے، سو تعجب نہیں کہ یہ ان کی نماز کے لئے مفسد ہو، کیونکہ چیخنا کلام کرنے کے ساتھ ملحق ہے کذا فی فتح القدیر (حدیث میں ہے کہ رحمت عالم ﷺ جب بیمار ہوئے تو آپؐ نے صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آکر نماز شروع کرادی، اس اثناء میں آنحضرت ﷺ نے افاقہ محسوس کیا چنانچہ آپؐ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے جماعت کے لئے مسجد میں تشریف لائے اور حضرت صدیق اکبرؓ کی بائیں جانب بیٹھ گئے، حضرت صدیق اکبرؓ نے آپؐ کے پہونچنے کے بعد قراءت بند کردی، اور پیچھے ہٹ آئے آنحضر ﷺ آگے بڑھ گئے اور بیٹھے ہوئے دگوں کو نماز پڑھائی، اور حضرت ابو بکر صدیق اکبرؓ آپؐ کی تکبیر (اللہ اکبر کہنے کو) لوگوں کو بلند آواز سے پہونچاتے رہے، یہ

ظہر کی نماز تھی، اس سے معلوم ہوا کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے اور مقتدی کھڑے ہو کر تو درست ہے دوسرے یہ کہ مکبر نماز میں امام کی آواز اللہ اکبر لوگوں کو بلند آواز سے پہونچا سکتا ہے، اگر امام کی آواز نہ پہونچتی ہو، اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو خواہ مخواہ مکبر کا آواز بلند کرنا مکروہ ہے، ائمہ اربعہ اسی کے قائل ہیں کذا فی الدار)

کبڑے کی امامت

کبڑے کے پیچھے کھڑے ہونے والے کی نماز درست ہے اگر چہ اس کا کبڑا پن رکوع کو پہونچ گیا ہو، قول معتمد یہی ہے اسی طرح لنگڑے کی امامت بھی درست ہے کہ اس کے پیچھے کھڑے ہونے والے نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن لنگڑے کے بجائے دوسرا جو لنگڑا نہ ہو، اس کی امامت بہتر ہے،

جو امام اشارہ سے نماز پڑھتا ہو اس کے پیچھے وہ مقتدی نماز پڑھ سکتے ہیں جو اشارے سے نماز پڑھتے ہوں، یعنی امام و مقتدی دونوں ہی اشارہ سے نماز پڑھنے والے ہوں، مگر یہ صورت البتہ جائز نہیں ہے کہ امام لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھتا ہو اور مقتدی بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر اشارے سے نماز پڑھتے ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقتدی امام سے قوی الحال ہیں، کذا فی البحر۔

نفل والے کے پیچھے فرض کی اقتداء

اور نفل پڑھنے والے کے لئے فرض پڑھنے والے کی اقتداء درست ہے البتہ تراویح کی نماز فرض پڑھنے والے کے پیچھے درست نہیں ہے، صحیح قول یہی ہے کذا فی الخانیہ، اس لئے کہ تراویح ایک مخصوص قسم کی سنت ہے، لہٰذا اس ذمہ داری کے ادا ہونے کے لئے اس کی خاص وضع کا لحاظ رکھا جائے گا، (یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ نفل کی ہر رکعت میں قراءت فرض ہے، اس کے خلاف فرض نماز کی صرف پہلی دو رکعتوں میں فرض ہے، اور اخیر والی دو رکعتوں میں سنت ہے، تو اخیر والی رکعتوں میں نفل پڑھنے والا اگر اقتداء کرتا ہے تو یہ ایسا ہوا کہ فرض قراءت والے نے سنت قراءت والے کی اقتداء کی، جو صحیح نہیں ہے اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ نفل پڑھنے والے نے جب امام کی اقتداء کر لی تو وہ امام کا تابع ہو گیا اور جب اس کے حق میں قراءت سنت ہے تو اب اسکی پیروی میں نفل پڑھنے والے کیلئے بھی قراءت سنت ہی قرار پائے گی، کذا فی الطحطاوی)

صح اقتداء متنفل بمتنفل ومن یری الوتر واجبا بمن یراہ سنة ومن اقتدی فی العصر وھو مقیم بعد الغروب بمن احرم قبلة للاتحاد واذا اظھر حدث امامه وکذا کل مفسد فی رأی مقتد بطلت فیلزم اعادتھا لتضمنھا صلوة المؤتم صحة وفساد ا کمایلزم الامام اخبار القوم اذا امھم وھو محدث او جنب اوفا قد شرط او رکن وھل علیھم اعادتھا ان عدلا نعم والا ندبت وقیل لا لفسقه باعترافه ولو زعم انه کافر لم یقبل منه لان الصلوة دلیل الاسلام واجبر علیه بالقدر الممکن بلسانه اوبکتاب اورسول علی الاصح لومعینین والالایلزمه بحر عن المعراج وصحح فی مجمع الفتاوی عدمه مطلقا لکونه عن خطأ معفو عنه لکن الشروح مرجحة علی الفتاوی واذا اقتدی امی وقاریء بامی تفسد صلوة الکل للقدرة علی القرائة بالاقتداء بالقاری سواء علم به اولا نواہ اولا علی المذھب او استخلف الامام امیا فی الاخر ین ولو فی التشھد اما بعدہ فتصح لخروجه بصنعه تفسد صلوتھم لان کل رکعة صلوة فلا

تخلوعن القرائۃ ولو تقدیرا وصحت لو صلی کل من الامی والقاریء وحدہ فی الصحیح بخلاف حضور الامی بعد افتتاح القاریٔ اذا لم یقتد بہ وصلی منفردا فانھا تفسد فی الاصح لما مر.

چند جزئیات

فروع یعنی بعض وہ ضروری مسائل جن کا شارح نے یہاں اضافہ کیا ہے، نفل پڑھنے والے کی نماز دوسرے نفل پڑھنے والے کے پیچھے درست ہوتی ہے، جو شخص وتر کو واجب سمجھتا ہے اس کی نماز وتر اس شخص کے پیچھے درست ہے جو وتر کو سنت سمجھ کر پڑھتا ہے، اور ایک سلام سے تینوں رکعتیں پڑھتا ہے کذا فی الطحطاوی، مقیم شخص عصر کی نماز میں بعد غروب آفتاب اس شخص کی اقتداء کرے جس نے آفتاب کے غروب سے پہلے عصر کی نیت کی تھی، اسلئے کہ دونوں کی نماز میں اتحاد ہے (مقیم کی قید لگا کر یہاں اشارہ کیا، مسافر وقت کے بعد اقتداء اس صورت میں کرے گا، تو یہ جائز نہیں ہوگا) طحطاوی نے لکھا ہے کہ یہاں اتحاد والی علت تینوں اوپر والے مسائل میں ہے نفل پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرے، وتر والا وتر والے کی اقتداء کرے اور عصر پڑھنے والا عصر پڑھنے والے کی اقتداء کرے،

جب امام بے وضو نماز پڑھائے

مقتدی پر جب یہ منکشف ہو جائے کہ اس کے امام نے بغیر وضو نماز پڑھائی ہے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اس کا دوبارہ پڑھنا اس پر لازم ہوگا، اس لئے کہ مقتدی کی نماز کی صحت کا مدار امام کی نماز پر تھا، امام کی نماز فاسد ہوئی تو مقتدی کی بھی فاسد ہوگئی، اس کی صحیح ہوتی تو مقتدی کی بھی درست ہوتی، یہی حکم ہر اس فاسد کرنے والی صورت کا ہوگا جس میں امام کی نماز مقتدی کی رائے میں باطل ہو جائے (ماحصل یہ ہے کہ نماز پڑھ چکنے کے بعد امام کے اقرار سے یا گواہوں کی گواہی سے معلوم ہوا کہ امام نے وضو کے بغیر نماز پڑھادی ہے، یا امام سے کوئی ایسی بات ہوگئی ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے تو مقتدی پر لازم ہے کہ وہ فرض کو دوبارہ پڑھے، یہاں باطل سے مراد یہ ہے کہ سرے سے نماز نہیں ہوئی)

امام کا فرض

جس طرح خود امام کے لئے لازم ہے کہ اگر اس نے بے وضو نماز پڑھی ہے یا حالت جنابت میں پڑھی ہے یا کسی ایسی شرط یا رکن کو ترک کر دیا ہے، جس سے نماز نہیں ہوتی ہے کہ وہ قوم کو اس کی خبر کردے، اس خبر کی وجہ سے مقتدیوں پر واجب ہے کہ اگر امام کو وہ عادل سمجھتا ہے تو اپنی نماز دوبارہ ادا کرے، اور اگر امام عادل نہیں ہے تو مقتدی کے لئے دوبارہ نماز پڑھنا مستحب ہوگا، اور بعضوں نے کہا کہ جب امام فاسق ہے کہ اس نے جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھائی ہے اور بعد میں مقتدیوں کو خبر دی ہے تو وہ اس فعل کی وجہ سے فاسق ہو گیا لہٰذا مقتدیوں پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اس لئے فاسق کی خبر دین کے باب میں قابل اعتماد نہیں ہوتی ہے، البتہ اگر معلوم ہو کہ امام نے تقوی کی وجہ سے اس کی خبر دی ہے تو نماز کا اعادہ مقتدی کریں گے، اور اگر امام خود کو کافر سمجھے یعنی نماز کے بعد کہے کہ وہ کافر ہے تو اس کی یہ بات نہیں مانی جائیگی اس لئے کہ نماز پڑھنا مسلمان ہونے کی دلیل ہے اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسلام قبول کرے، کیونکہ وہ اس صورت میں اپنے کلام سے مرتد ہو گیا ہے،

امام جس نے بے وضو نماز پڑھی ہے اسکا فرض ہے کہ جس طرح ہو، مقتدیوں کو خبردار کردے زبان سے کہہ کر ہو یا خط لکھ کر ہو یا قاصد بھیج کر ہو صحیح تر قول کے بموجب اسے خبر دینا لازم ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ مقتدی معلوم اور متعین ہوں، اور اگر

مقتدی کے متعلق کوئی علم نہیں تھا کہ کون کون تھے، تو اطلاع دینا اس پر لازم نہیں ہے، کذا فی البحرالرائق عن المعراج، حلبی نے لکھا ہے کہ اگر صورت یہ ہو کہ کچھ مقتدی تو معلوم ومتعین ہوں اور کچھ معلوم ومتعین نہ ہوں تو معلوم کو خبر کرنا لازم ہے، اور مجمع الفتاوی میں اس بات کی تصحیح کی ہے کہ اس پر مطلقا یہ خبر لازم نہیں ہے خواہ نماز کا فاسد ہونا متفق علیہ ہو یا اس میں اختلاف ہو، اس لئے یہ فعل امام سے خطاء ہوا ہے اس کے قصد وارادہ کو کوئی دخل نہیں ہے اور خطاء معاف ہے، مگر ہدایہ کی شرحوں میں خبر دینے کو لکھا ہے اور اسی قول کو ترجیح دی ہے لہٰذا مجمع الفتاوی کا قول اس کے مقابلہ میں مرجوح ہے، قابل التفات نہیں۔

اُمّی کی امامت

کسی امی کی اقتداء امی اور پڑھنے والے دونوں نے کی، تو اس صورت میں سب کی نماز فاسد ہوگی، خواہ امام کو اس کی خبر ہو یا نہ ہو اور اس نے قاری کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو، اس لئے کہ قاری کے موجود ہونے کی وجہ سے قراءت پر قدرت پائی گئی، کہ سب کے سب پڑھنے والے شخص کی اقتداء کرتے، مذہب قوی یہی ہے، اسی طرح اس وقت بھی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر امام اخیر کی دو رکعتوں میں اپنا خلیفہ کسی ان پڑھ کو کردے، خواہ یہ خلیفہ بنانا تشہد میں ہی کیوں نہ ہوا ہو، البتہ تشہد کے بعد امی کو خلیفہ بنایا ہے تو نماز درست ہو جائے گی، اس لئے کہ امام اپنے فعل سے امامت سے نکلا ہے، نماز اس لئے فاسد ہوئی کہ ہر رکعت ایک علیحدہ نماز ہے، جو قراءت سے خالی نہیں ہے خواہ یہ قرأت تقدیری ہو، اور امی میں تقدیری قرأت بھی نہیں پائی جاتی، اور اگر پڑھنے والے اور امی میں سے ہر ایک نے الگ الگ تنہا تنہا نماز پڑھی ہے تو ہر ایک کی نماز درست ہوئی، البتہ قاری (پڑھنے پر قادر) نماز پڑھ رہا تھا کہ ان پڑھ (امی) آیا اور اس نے اس کی اقتداء نہیں کی، بلکہ اپنی نماز الگ پڑھی تو اس صورت میں امی کی نماز نہیں ہوگی، فاسد ہوگی صحیح تر قول یہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امی کو اس کے پیچھے پڑھنے سے قراءت پر حکما قدرت ہوئی تھی مگر بایں طور ترک کر دیا۔

واعلم ان المدرك من صلاها كاملة مع الامام واللاحق من فاتته الركعات كلها اوبعضهالكن بعد اقتدائه بعذر كغفلة وزحمة وسبق حدث وصلوةخوف ومقيم ايتم بمسافر وكذا بلا عذر بان سبق امامه فى ركوع وسجود فانه يقضى ركعة وحكمه كمؤتم فلا يأتى بقرأة ولاسهوولايتغير فرضه بنية اقامة ويبدأ بقضاء ما فانه عكس المسبوق ثم يتابع امامه ان امكنه ادراكه والاتابعه ثم صلى ما نام فيه بلا قراءة ثم ما سبق به بها ان كان مسبوقا ايضاولوعكس صح واثم لترك الترتيب والمسبوق من سبقه الامام بهااوببعضها وهو منفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ وان قرأ مع الامام لعدم الاعتداد بها لكراهتها مفتاح السعادة فيما يقضيه اى بعد متابعته لامام فلوقبلها فالاظهرالفساد ويقضى اول صلوته فى حق قرأة واخرهافى حق تشهد فمدرك ركعةمن غير فجرياتى بركعتين بفاتحة وسورة وتشهد بينهما وبرابعة الرباعى بفاتحة فقط ولا يقعد قبلها .

لاحق، مدرک اور مسبوق

جاننا چاہئے کہ مدرک اصطلاح فقہ میں اس مقتدی کو کہتے ہیں، جس نے امام کیساتھ پوری نماز پڑھی ہو، اور لاحق اصطلاح فقہ میں اس مقتدی کو کہا جاتا ہے کہ جس نے ابتداء نماز

میں امام کی اقتداء کی ہو، مگر اسکے بعد اسکی کل رکعتیں یا بعض رکعتیں چھوٹ گئی ہوں اور امام کیساتھ نماز شروع کرنے کے بعد یہ رکعتیں کسی عذر کی وجہ سے چھوٹی ہوں جیسے غفلت سے یا بھیڑ کی وجہ سے، یا وضو جاتے رہنے اور ٹوٹ جانے سے، یا خوف کی نماز کی وجہ سے، یا مقیم تھا جس نے مسافر کی اقتداء کرلی ہو، (غفلت کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ امام کیساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہو، اس کے بعد کھو گیا اس کو خبر رہی کہ کیا ہو رہا ہے، اور اس درمیان میں امام اپنی کئی رکعتیں پڑھ چکا، پھر مقتدی کو ہوش آیا، اسی طرح بھیڑ کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ امام کیساتھ ملا تھا مگر جمعہ یا عید وغیرہ کی بھیڑ کی وجہ سے ایک رکعت امام کے ساتھ نہیں ادا کرسکا، بے وضو ہونا یہ کہ نماز کی حالت میں وضو ٹوٹ گیا اور اس کی وجہ سے وضو کرنے چلا گیا اور اس درمیان میں امام نے ایک دو رکعت پڑھ لی، پھر وہ آکر ملا، اور خوف کی نماز میں یہ ہوتا ہے امام فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک کو دشمن کے مقابلہ پر چھوڑ دیتا ہے اور ایک حصہ کی امامت کرتا ہے، یہ حصہ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلا جاتا ہے، اور جو حصہ دشمن کے مقابلہ ہوتا ہے وہ آکر امام کے پیچھے آدھی نماز پڑھتا ہے، اس طرح پہلا حصہ جس نے پہلے نصف نماز امام کے ساتھ پڑھی ہے، وہ لاحق ہوا اور دوسرا حصہ مسبوق، یہاں لاحق مراد ہے مقیم جب مسافر امام کی نیت کرتا ہے تو امام دو رکعت پر سلام پھیر دیتا ہے اس کے بعد مقیم کو دو رکعتیں بطور خود پوری کرنی پڑتی ہیں، ان دو رکعتوں میں مقتدی مقیم لاحق کے حکم میں ہوتا ہے) اور اسی طرح رکعتیں بلا عذر چھوٹ جائیں اس طرح کہ مقتدی اپنے امام سے پہلے ایک رکوع سجدہ کرلے ایسا شخص ایک رکعت امام کے بعد پڑھے گا تو وہ اس رکعت میں لاحق شمار ہوگا،

لاحق کا حکم مقتدی کی طرح ہے کہ وہ فوت شدہ رکعت کی ادائیگی میں نہ قرأت کریگا، اور اگر اس کے پڑھنے میں کوئی موجب سجدہ سہو ہوگیا ہے تو وہ سجدہ سہو نہ کرے گا، اور اس کا فرض اقامت کی نیت سے نہیں بدلے گا یعنی اگر لاحق فوت شدہ نماز پڑھنے میں اقامت کی نیت کرے گا تو اس کے ذمہ چار رکعتیں نہیں ہونگی بلکہ دو ہی رہیں گی،

لاحق کے احکام

لاحق اپنی چھٹی ہوئی نماز اس طرح پڑھے گا کہ پہلے وہ رکعتیں ادا کرے گا جو چھوٹ گئی ہیں، پھر اس کے بعد امام کی پیروی کرے گا، گویا مسبوق کے الٹا کرے گا، (کیونکہ مسبوق اپنی بقیہ نماز میں قرأت بھی کریگا، لاحق قرأت نہیں کرے گا، اگر بقیہ نماز کے پوری کرنے میں سہو ہوا ہے تو مسبوق سجدہ سہو کرے گا، لاحق سجدہ سہو نہیں کریگا، اقامت کی نیت سے مسبوق کی نماز دو سے چار رکعت ہوجائے گی، لاحق کی نماز نہیں بدلے گی، دو کی دو ہی رہے گی، مسبوق پہلے امام کی پیروی کریگا پھر بقیہ نماز پڑھے گا، لاحق پہلے چھوٹی ہوئی نماز ادا کرے گا پھر امام کی پیروی کرے گا)

امام کے ساتھ جو نماز درمیان میں لاحق نہیں پڑھ سکا ہے پہلے اسے ادا کرے گا، پھر اگر امام کا پالینا ممکن ہوگا تو امام کی متابعت کرے گا، پھر اگر لاحق مسبوق بھی ہو تو اس صورت میں لاحق پہلے وہ نماز بلا قرأت پڑھے گا جس میں وہ سو گیا تھا پھر جو چھوٹ گئی ہے وہ قرأت کیساتھ پڑھے گا (لاحق کے مسبوق ہونیکی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً ایک شخص ظہر کی دوسری رکعت میں ملا تھا، مگر تیسری اور چوتھی رکعت میں سو گیا اور اس طرح اسکی یہ دو رکعتیں رہ گئی تھیں، ان دو میں وہ لاحق ہوگیا، اب وہ جب بیدار ہوا تو پہلے وہ تیسری اور چوتھی رکعت بلا قرأت پڑھے گا وہ حکماً امام کے پیچھے تھا، پھر پہلی رکعت جو نہ ملی تھی وہ پڑھے گا اس میں مسبوق ہے لہٰذا اس پہلی رکعت میں قرأت کرے گا، شامی نے لکھا ہے کہ مصنف کی عبارت واضح نہیں ہے)

لاحق جو مسبوق بھی ہے اگر الٹا کرے کہ پہلے چھٹی ہوئی نماز پڑھے جس میں مسبوق تھا پھر وہ رکعتیں جس میں وہ سو گیا تھا تو بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن ترتیب کے خلاف کرنے کی وجہ سے گنہ گار بھی ہوگا اس لئے کہ ترتیب جو بتائی گئی ہے وہ واجب ہے، (امام زفرؒ کے نزدیک نماز صحیح نہیں ہوگی ،اس لئے کہ وہ ترتیب کو فرض کہتے ہیں شامی)

مسبوق کے احکام

مسبوق وہ مقتدی ہے کہ امام اس سے پہلے سب رکعتیں یا بعض رکعتیں پڑھ چکا ہو، اور یہ ان کو نہ پاسکا ہو، (مثلاً چوتھی رکعت کے رکوع کے بعد کوئی جماعت میں ملا ہے تو اسکی کل رکعتیں چھوٹ گئیں، اور اگر دوسری تیسری رکعت میں ملا ہے تو ایک دو رکعتیں اس کو امام کے ساتھ نہیں ملیں)

(مقتدی کی اس طرح کل چار قسمیں ہوئیں اول مدرک دوم لاحق سوم مسبوق چہارم وہ جو لاحق و مسبوق دونوں ہو) مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نمازوں میں منفرد کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب اپنی بقیہ نماز پوری کرنے کھڑا ہوگا تو ثنا) یعنی سبحانك اللهم بھی پڑھے گا، تعوذ (اعوذ بالله من الشيطان الرجيم) بھی پڑھے گا اور قرأت بھی کرے گا، گو اس نے امام کے پیچھے قرأت کی ہو تو بھی ان بقیہ رکعتوں میں قرأت کرے گا امام کے پیچھے پڑھنا شمار نہیں ہوگا ورنہ پڑھنے کے درجہ میں قرار پائیگا اس لئے کہ مقتدی کا امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ ہے امام کے ساتھ نماز ختم کرنے کے بعد بقیہ چھٹی ہوئی نماز مسبوق ادا کرنے کھڑا ہوگا، اگر امام کی فراغت سے پہلے پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی،

مسبوق نماز کس طرح پوری کرے

اور مسبوق باب قرأت میں نماز کی ابتداء کی طرح ہے اور تشہد کے باب میں اخیر نماز کی طرح، یعنی فوت شدہ رکعتوں کو قرأت کے حق میں شروع نماز سمجھے، اور تشہد کے حق میں امام کیساتھ جو رکعتیں پڑھی ہیں، ان کو بھی ملالیوے، اب وہ شخص جس نے ایک رکعت پائی اور یہ فجر کی نماز کے علاوہ نمازوں میں پائی، تو وہ اپنی بقیہ نماز اس طرح ادا کرے گا، کہ پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور سورہ دونوں ملائے گا اور ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر تشہد پڑھے گا، اس لئے کہ ایک رکعت ملی تھی، ایک بعد میں پڑھی تو دو رکعت ہو گئی، اب قعدہ اول کرے گا، پھر کھڑا ہو کر دوسری رکعت پڑھے گا اور اس میں بھی سورۂ فاتحہ اور سورہ ملائے گا، یہ درحقیقت تیسری رکعت ہوئی، اس کے بعد چوتھی رکعت میں صرف فاتحہ پڑھیگا، سورہ نہیں پڑھے گا اور اب اس کے بعد قعدہ اخیرہ کیلئے بیٹھے گا،

الا في اربع فكمقتد احدها لا يجوز الاقتداء به وان صح استخلافه في حد ذاته لاحالة القضاء فلااستثناء اصلا كمازعم في الاشباه نعم لونسي احدالمسبوقين فقضي ملاحظا للاخر بلااقتداء صح وثانيها ياتي بتكبيرات التشريق اجماعا ،وثالثها لو كبرينوى استيناف صلوته وقطعها يصير مستائفا وقاطعا ، للاولى بخلاف المنفرد كما سيجيء ورابعها لو قام الى قضاء ما سبق به وعلى الامام سجدتاسهو ولو قبل اقتدائه فعليه ان يعود وينبغي ان يصبر حتى يفهم انه لاسهو على الامام ولو قام قبل السلام هل يعتد بادائه ان قبل قعود الامام قدر التشهد لا وان بعده نعم و كره تحريما الا لعذر كخوف حدث وخروج وقت فجرو جمعة وعيد ومعذور وتمام مدةمسح ومرور مار بين يديه فان فرغ قبل سلام امامه ثم تابعه فيه

صحت ولو لو یعد کان علیه ان یسجد للسهو فی اخر صلوته استحسانا قید بالسهو لان الامام لو تذکر سجدة صلبیة او تلاویة فرضت المتابعة وهذا کله قبل تقیید ما قام الیه بسجدة اما بعده فتفسد فی صلبیة مطلقا وکذا فی تلاویة وسهوان تابع والا لا ولو سلم ساهیا ان بعد امامه السهو والا لا ولو قام امامه لخامسة فتابعه ان بعد القعود تفسد والا لا حتی یقید الخامسة بسجدة ولو ظن الامام السهو فسجد له فتابعه فبان ان لا سهو فالاشبه الفساد لا قتدائه فی موضع الانفراد والله اعلم.

مسبوق کہاں مقتدی کی طرح ہے

مسبوق چار مسئلوں میں منفرد نہیں ہے بلکہ مقتدی کی طرح ہے، ان چار میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے، مسبوق کی اقتداء جائز نہیں ہے جس طرح مقتدی کی اقتداء درست نہیں اور منفرد کے پیچھے درست ہے، گو مسبوق کو مسبوق ہونے کی حالت میں خلیفہ بنادینا درست ہے، البتہ قضاء کی حالت میں اسکا خلیفہ بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے پہلے خلیفہ ہو سکتا ہے مگر مسبوق جب اپنی بقیہ نماز پوری کرنے لگے تو اس وقت اس کی اقتداء جائز نہیں ہے،

ایک صورت یہ ہے کہ دو شخص ایک رکعت کے بعد آکر جماعت میں ملے اور ساتھ ملے مگر ان میں ایک کو یاد نہیں رہا کہ کتنی رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں اور کتنی رکعتیں باقی ہیں چنانچہ اس نے اپنے ساتھ آنے والے کو دیکھ کر بقیہ رکعتیں ادا کیں، اقتداء نہیں کی، بلکہ اس کو دیکھ دیکھ کر یہ جانا کہ میری بھی اتنی رکعتیں چھٹی ہیں، اور اسی طرح نماز ادا کی تو یہ جائز ہے،

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسبوق بالاتفاق تکبیرات تشریق کہے گا یعنی ۹ / ذی الحجہ کی صبح سے لیکر ۱۳ ذی الحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض باجماعت کے بعد وہ واجب تکبیر تشریق کہے گا، حالانکہ منفرد پر امام اعظمؒ کے نزدیک تکبیرات تشریق نہیں ہیں،

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مسبوق اپنی بقیہ نمازوں میں سے کچھ پڑھ کر اپنی نماز از سر نو پڑھے اور اسکو قطع کرنے کی نیت سے تکبیر کہے گا تو وہ از سر نو نماز پڑھنے والا ہو جائے گا اور پہلی نماز کو توڑنے والا، حالانکہ منفرد مستانف نہیں ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا،

چوتھا مسئلہ جس میں مسبوق مقتدی کی طرح ہوتا ہے یہ ہے کہ اگر مسبوق اپنی چھٹی ہوئی نماز پوری کرنے کھڑا ہوا، اور حال یہ ہے کہ امام پر سہو کے دو سجدے تھے، اگر وہ سہو مسبوق کے مقتدی بننے سے پہلے ہوا ہو، تو اس وقت مسبوق پر واجب ہے کہ کھڑا نہ رہے، بلکہ پلٹ کر بیٹھ جائے اور امام کیساتھ سجدہ سہو ادا کرے اسی لئے مسبوق کا فریضہ یہ ہے کہ وہ امام کے سلام کے بعد تھوڑا سا صبر کرے، تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہیں ہے، جب دوسرا سلام پھیردے تب مسبوق اپنی بقیہ نماز کیلئے کھڑا ہو،

مسبوق کا امام کے سلام سے پہلے کھڑا ہو جانا

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اگر مسبوق امام کے دوسرے سلام سے پہلے ہی کھڑا ہو جائے تو کیا اس کا رکوع وغیرہ ادا کرنا درست ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسبوق اپنے امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے کھڑا ہوا اپنی بقیہ نماز ادا کرنا شروع کردے گا، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اور بقدر تشہد امام کے بیٹھنے کے بعد مسبوق کھڑا ہوا ہے تو معتبر ہوگا،

مسبوق کا امام کے بقدر تشہد بیٹھنے سے پہلے اپنی مابقیہ کی تکمیل کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ تحریمی ہے، ہاں اگر کوئی عذر

شرعی ہو تو کھڑا ہونا مکروہ تحریمی نہ ہوگا، وہ عذر جیسے مسبوق کو خطرہ ہو کہ انتار کنے سے وضو جاتا رہے گا، یا یہ خوف ہو کہ فجر کی نماز کا وقت یا جمعہ کا وقت یا عید کی نماز کا وقت نکل جائے گا، یعنی مسبوق کو یہ خوف ہو کہ اگر میں امام کے ساتھ اس کے سلام پھیرنے تک بیٹھا رہا اور اس کے بعد اپنی چھٹی ہوئی رکعت یا رکعتیں پوری کیا تو اتنی دیر میں آفتاب نکل آئیگا، یا جمعہ یا عید کا وقت جاتا رہے گا، یا وہ معذور ہو یا اس کو خطرہ ہو کہ اس درمیان مسح خفین کی مدت ختم ہو جائے گی، یا نماز پڑھتے ہوئے سامنے سے لوگ گذرنا شروع کردیں گے ماحصل یہ ہے کہ ان عذروں کے ہونے کی صورت میں مسبوق کا امام کے دونوں سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ تحریمی نہیں ہوگا (اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سلام تک امام کی متابعت (پیروی) واجب ہے اور پہلے کھڑے ہونے میں یہ پیروی باقی نہیں رہے گی)

سلام سے پہلے کھڑا ہونا اور اگر مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا اور امام کے سلام سے پہلے اس نے بقیہ نمازیں پوری کرلیں اور اس کے بعد اپنے امام کے سلام پھیرنے سے پہلے وہ مل گیا، تو اس کی نماز صحیح ہوگی (بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اس کی نماز اس صورت میں فاسد ہوگی، کیونکہ جب مسبوق کھڑا ہو گیا تو وہ بقیہ کے پڑھنے میں منفرد کے حکم میں ہو گیا، اب وہ پھر اقتداء کیسے کرے گا مگر یہاں پر فتویٰ یہی ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس نے ارکان سے فراغت پانے کے بعد اقتداء کی ہے تو یہ ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے قصداً اس وقت حدث کیا اور وضو توڑ لیا) اور اگر مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کھڑا ہو گیا اور پلٹ کر امام کیساتھ سجدۂ سہو میں شریک نہیں ہوا، تو اس مسبوق کو چاہئے کہ اپنی نماز پوری کر لینے کے بعد سجدہ سہو کرے، استحسان کا تقاضہ یہی ہے،

سجدہ سہو کے قید کی وجہ مصنف نے اوپر کے قول میں یہ قید لگائی کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر امام پر سجدہ صلبیہ اس نماز کا باقی ہو یا سجدہ تلاوت ہو، تو ان سجدوں میں مسبوق کے لئے امام کی پیروی فرض ہوگی، ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، (کیونکہ سجدہ صلبیہ فرض ہے، اس کے ترک سے نماز جائز نہیں ہو سکتی ہے، رہ گیا سجدہ تلاوت، تو گویہ سجدہ واجب ہے، مگر اس وجہ سے چونکہ قعدہ اخیرہ ختم ہو جاتا ہے اس لئے اس کے بعد کا قعدہ فرض ہے، اور امام کی فرض میں پیروی فرض ہے، اس کے چھوڑنے سے نماز نہیں ہوگی کذا فی الحلبی)

مگر مسبوق کا کھڑا ہونے کے بعد پھر لوٹ کر سجدہ سہو یا سجدہ صلبی میں امام کی پیروی اس وقت تک ہے جب تک مسبوق نے کھڑے ہو کر اپنی اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، اور اگر مسبوق نے اپنی اس رکعت میں سجدہ ملا لیا ہے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس نے لوٹ کر امام کی پیروی کی ہو یا نہ کی ہو، دونوں صورتوں میں اس کی نماز نہیں ہوئی، کیونکہ دو رکن ایک سجدہ صلبی دوسرے قعدہ اخیرہ امام کے ساتھ اس نے چھوڑ دیا ہے، سجدہ ملانے کے بعد مسبوق کی ایک رکعت الگ سے ہو گئی جس سے اس کا منفرد ہونا مستحکم ہو گیا، اب وہ ختم نہیں ہو سکتا ہے، اسی طرح سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو کی صورت میں بھی مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی، یہاں بھی یہی بات ہوئی کہ ایک رکعت پڑھ کر امام کی پیروی کرنے سے اس کا منفرد ہونا ختم نہیں ہوا، جو ایک رکعت الگ پڑھنے سے ہوا تھا،

مسبوق کا امام کے ساتھ سلام پھیرنا امام کے سلام پھیرنے پر اگر مسبوق نے بھی بھول کر سلام پھیرا ہے تو دیکھا جائے گا اگر امام کے سلام کے بعد مسبوق کا سلام پھیرنا واقع ہوا ہے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہے، اس لئے کہ وہ اس حالت میں منفرد ہے، اور اگر مسبوق نے سلام امام کے ساتھ پھیرا ہے یا امام سے پہلے تو مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہیں ہے، اس لئے ان دونوں صورتوں میں مسبوق مقتدی ہے اور خود مقتدی کے سہو سے مقتدی پر کچھ لازم نہیں ہوتا ہے،

اور اگر مسبوق کا امام پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو گیا، اور مسبوق نے اس کی پیروی کی، امام اگر قعدۂ اخیرہ کے بعد کھڑا ہوا ہے تو مسبوق کی نماز فاسد ہو گی، اس لئے امام کے قعدہ اخیرہ کے بعد مسبوق منفرد کے حکم میں ہو گیا تھا، اور اسکے باوجود اس نے امام کی پیروی کی، اور اگر امام نے قعدہ اخیرہ نہیں کیا اور کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اس لئے کہ امام کی نماز قعدہ اخیرہ کے بغیر پوری نہیں ہوئی ہے تو اس وقت پیروی سے کچھ نقصان نہیں ہو گا، جب تک امام اس پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے پانچویں رکعت کا سجدہ کرتے ہی امام کی نماز نفل ہو جائیگی اور اس حال میں اسکی پیروی سے مسبوق کی نماز فاسد ہو گی،

اور اگر امام کو خیال گذرا کہ اس پر سجدہ سہو ہے اور اس نے سجدہ سہو کر لیا اور مسبوق نے اس میں اس کی پیروی کی، اس کے بعد معلوم ہوا کہ امام پر سجدہ سہو نہیں تھا تو اس صورت میں فقہی قواعد سے مشابہ یہ ہے کہ مسبوق کی نماز فاسد قرار پائے گی، اس لئے کہ اس نے اس وقت پیروی کی ہے کہ جب وہ مسبوق منفرد کے حکم میں تھا، (مگر شامی نے، فیض نامی کتاب سے نقل کیا ہے کہ مفتی بہ یہ ہے کہ فاسد نہیں ہو گی، واللہ اعلم

باب الاستخلاف

اعلم ان لجواز البناء ثلثة عشر شرطا كون الحدث سماويا من بدنه غير موجب لغسل ولا نادروجود ولم يؤد ركنا مع حدثاومشي ولم يفعل منافيا او فعلاله منه بدولم يتراخ بلا عذر كرحمة ولم يظهرحدثه السابق كمضى مدة مسحه ولم يتذكر فائتة وهو ذو ترتيب ولم يتم المؤتم فى غيرمكانه ولم يستخلف الامام غيرصالح لها سبق الامام حدث سماوى لا اختيار للعبد فيه ولا فى سيه كسفرجلة من شجرة وكحدثه من نحو عطاس على الصحيح غيرمانع للبناء كما قدمناه ولوبعدالتشهد لياتي بالسلام استخلف اى جازله ذلك ولوفى جنازة باشارة اوجرلمحراب ولولمسبوق ويشيرباصبع لبقاء ركعة وباصبعين لركعتين ويضع يده على ركبته لترك ركوع وعلى جبهته لسجودوعلى فمه لقرأة وعلى جبهته ولسانه لسجود تلاوة اوصدره لسهوما لم يجاوزالصفوف لوفى الصحراء ما لم يتقدم فحده السترة او موضع السجودعلى المعتمد كالمنفردوما لم يخرج من المسجد اوالجبانة او الدارلوكان يصلي فيه لانه على امامته مالم يجاوزهذاالحدولم يتقدم احد ولو بنفسه مقامه ناويا الامامة وان لم يجاوزه حتى لوتذكرفائتة اوتكلم لم تفسدصلوة القوم لانه صار مقتديا.

خلیفہ بنانے کا بیان

امام کا بوقت ضرورت مقتدی کو خلیفہ بنانا

کبھی کبھی امام کو نماز کے درمیان کوئی ایسی بات پیش آجاتی ہے کہ اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ خلیفہ اس کی جگہ نماز پڑھائے، مثلاً امام کا وضو ٹوٹ گیا تو ایسے وقت وہ اپنے کسی مقتدی کو اپنی جگہ آگے بڑھادیگا اور خود وضو کرنے چلا جائے گا، اس باب میں اسی طرح کے مسائل بیان کئے جائیں گے، چنانچہ اس کی تفصیل شروع کرتے ہیں،

بناء کی تیرہ شرطیں

جتنی نماز ہو چکی ہے اس سے آگے اس کو پوری کرنے کیلئے اس پر بنیاد رکھنے کی تیرہ شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وضو کا ٹوٹنا قدرتی اور غیر اختیاری ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا تعلق نمازی کے بدن سے ہو، یعنی اسکے جسم سے نجاست نکلے، باہر سے نہ لگے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ وضو کا ٹوٹنا ایسا نہ ہو جس سے غسل کرنا واجب ہوتا ہو مثلاً ایسا نہ ہو کہ فکر کے دباؤ سے انزال ہو گیا ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ حدث (وضو کا ٹوٹنا نادر الوجود نہ ہو، پانچویں شرط یہ ہے کہ نمازی نے کوئی رکن حدث کے ساتھ ادا نہ کیا ہو، مثلاً سجدہ کی حالت میں وضو ٹوٹا اور اپنا سر اس نے ادا کی نیت سے اٹھایا تو اب بنا درست نہیں ہو گی، چھٹی شرط یہ ہے کہ کوئی رکن چلنے کے ساتھ ادا نہ کیا، ساتویں شرط ہے کہ کوئی فعل اس نے نماز کے مخالف نہ کیا ہو، جیسے کھانا وغیرہ کھانا، آٹھویں شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جس سے وہ بچ سکتا تھا، مثلاً پانی نزدیک تھا مگر اس کو چھوڑ کر دور چلا گیا، نویں شرط یہ ہے کہ بلا عذر اس نے تاخیر نہ کی ہو، دسویں شرط یہ ہے کہ اس حدث سے پہلے کا کوئی حدث ظاہر نہ ہوا ہو، جیسے موزہ پر مسح کی مدت کا گذر جانا کہ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، گیارہویں شرط یہ ہے کہ اس کو کوئی قضا نماز یاد نہ آئی ہو اگر وہ ترتیب والا ہے، کیونکہ ترتیب والے کو فوت شدہ نماز یاد آجاوے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے بارہویں شرط یہ ہے کہ مقتدی نے اپنی جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نماز پوری نہ کی ہو، تیرھویں شرط یہ ہے کہ امام نے ایسے شخص کو خلیفہ نہیں بنایا ہو جو لائق امامت نہیں ہے، مثلاً عورت یا نابالغ کو اگر خلیفہ بنادیا گیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی،

امام کا کسی مقتدی کو خلیفہ بنانا

امام کا وضو کسی ایسے سبب سے ٹوٹ گیا کہ نہ اس میں بندہ کو کوئی اختیار تھا اور نہ اسکے سبب میں، جیسے کسی درخت سے ایک پھل ٹوٹ کر نمازی کے سر پر گرا اور اسکے سر سے خون نکل آیا، چھینک کی وجہ سے ریاح خارج ہو گئی اور وضو ٹوٹ گیا، تو اس صورت میں وضو کرنے کے بعد اگلی نماز پڑھنا یعنی پہلی رکعتوں پر اس کی بنیاد رکھنے میں کوئی مانع نہیں ہے امام اس صورت میں اپنا خلیفہ اپنے کسی مقتدی کو بنا سکتا ہے اگر چہ امام کا وضو تشہد پڑھنے کے بعد ٹوٹا ہو، تاکہ خلیفہ امام کی جگہ آکر درود پڑھ کر سلام پھیرے اور نماز ختم کرائے، گو خلیفہ نماز جنازہ میں بنانا پڑے، خلیفہ یا اشارہ کے ذریعہ بنائے گا، یا اسکو محراب کی طرف کردے گا، اگر چہ وہ مقتدی جس کو خلیفہ بنا رہا ہے مسبوق ہی کیوں نہ ہو،

خلیفہ کس طرح بنائے

اور امام جس مقتدی کو پہلی جگہ بطور خلیفہ امام بنائے، امام کو چاہئے کہ وہ اس کو انگلیوں کے اشارہ سے بتادے کہ اتنی رکعتیں باقی رہ گئی ہیں، جو تم کو پوری کرانی ہیں، ایک رکعت باقی ہو تو ایک انگلی دکھائے اور دو رکعت باقی ہوں تو دو انگلیاں دکھا کر بتائے، اور رکوع رہ گیا ہو تو اس کے زانو پر ہاتھ رکھ کر اشارہ

کر دے، اور سجدہ رہ گیا ہو تو پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے، اور قرأت سے خلیفہ کو شروع کرنا ہو تو اس کیلئے اشارہ منہ پر ہاتھ رکھ کر کرے، اور سجدہ تلاوت کا اشارہ پیشانی اور زبان دونوں پر انگلی رکھ کر کرے، اور سجدہ سہو کیلئے اشارہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر کرے گا، (مختصر یہ کہ زبان سے نہیں بولے گا، مذکورہ اشاروں کے ذریعہ مقتدی کی رہنمائی کر کے وضو کے لئے جائے گا۔

خلیفہ کب بنائے گا اور صفوں سے نکلنے سے پہلے ہی امام اپنا خلیفہ بنائے گا لیکن اگر وہ جنگل اور میدان میں ہے تو اس کی حد سترہ اور سجدہ کرنے کی جگہ ہے یعنی اس حد سے باہر نکلنے سے پہلے خلیفہ بنا دے گا. معتمد قول یہی ہے، ماحصل یہ ہے کہ اس کی حد دائیں بائیں اور پیچھے صفوں کا کنارہ ہے اور آگے سترہ یا سجدہ کی جگہ ہے، سترہ اگر ہے تو وہ، ورنہ سجدہ کی جگہ اگر امام ان حدود سے خلیفہ بنائے بغیر نکل گیا ہے تو اب اس کے لئے خلیفہ بنانا درست نہیں ہے، تنہا نماز پڑھنے والے کی حد بھی سترہ ہے یا پھر سجدہ کی جگہ، اگر اس خیال سے منفرد چلا کہ اس کا وضو ٹوٹ چکا ہے اور سجدہ کی جگہ سے نکلنے کے بعد یقین ہوا کہ وضو نہیں ٹوٹا تھا تو اب وہ بنا نہیں کر سکتا ہے بلکہ پوری نماز اسے از سر نو پڑھنا ہو گی، اور منفرد کے دائیں بائیں اور پیچھے حد اتنا ہی ہے جتنا سجدہ کی جگہ آگے کی طرف،

خلیفہ بنانے کا حق کب تک رہتا ہے اور اگر یہ حدث (وضو ٹوٹنا) اسے مسجد میں پیش آیا ہے یا عید گاہ میں یا کسی کمرہ میں تو اس وقت تک اسے خلیفہ بنانے کا حق ہو گا جب تک وہ مسجد کے حدود یا عید گاہ کے حدود یا کمرہ سے نہیں نکلا ہے، اس لئے کہ ان حدود سے نکلنے سے پہلے وہ اپنی امامت پر قائم سمجھا جائے گا، ان حدود سے نکل جانے اور اپنی جگہ کسی کو امام کر دینے یا خود سے کسی امام کی جگہ چلے جانے سے اس کی امامت ختم ہو جاتی ہے یعنی وہ مسجد کے حدود کے اندر رہی تھا مگر اس کی جگہ دوسرا امام بن گیا تھا، یا اس نے بنا دیا تھا تو بھی اس کی امامت باقی نہیں رہی، اور اب وہ مقتدی امام بن جائے گا، جو امام کی جگہ آ چکا ہے،

خلیفہ کے امام کی جگہ آ جانے کے بعد اگر امام کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ فوت شدہ نماز باقی ہے، یا اس نے اس وقت بات کی، تو اب اس کے اس فعل سے قوم کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اس لئے کہ اب وہ امام مقتدی بن چکا ہے، امام باقی نہیں رہا،

ولو كان الماء فى المسجد لم يحتج للاستخلاف واستينافه افضل تحرز ا عن الخلاف ويتعين الاستيناف ان لم يكن تشهدلجنون اوحدث عمدا اوخروجه من مسجد بظن حدث اواحتلام بنوم اوتفكراونظراومس بشهوة اواغماء اوقهقهة لندرتها وكذا يجوزله ان يستخلف اذا حصر عن قرأة قدر المفروض لحديث ابى بكر الصديق رضى الله تعالى عنه فانه لما احس بالنبى ﷺ حصر عن القراءة فتاخر فتقدم النبى ﷺ واتم الصلوة فلو لم يكن جائزا لما فعله بدائع وقالا تفسد و بعكس الخلاف لوحصر ببول اوغائط ولوعجز عن ركوع وسجود هل يستخلف كالقرأة لم اره لخجل اى لاجل خجل اوخوف اعتراه ولا يستخلف اجماعا لونسي القراءة اصلا لانه صارا ميا اواصابه عطف علي المنفي بول كثير اى نجس مانع من غيرسبق حدثه فلو منه فقط بنى او كشف عورته في الاستنجاء او المرأة ذراعها للوضوء اذا لم يضطرله فلواضطرلم تفسد اوقرأ فى حالةالذهاب او الرجوع لا دائه

رکنامع حدث اومشی بخلاف تسبیح فی الاصح اوطلب الماء بالاشارة اوشراه بالمعاطاة للمنافاةاو جاوز ماء الی اخرالا قدرصفین اولنسیان او زحمة اوکونه بئرالان الاستقاء یمنع البناء علی المختاراومکث قدراداء رکن وان لم ینو الاداء بعدسبق الحدث الا لعذر کنوم ورعاف واذا ساغ له البناء توضأفور الکل سنة وبنی علی ما مضی بلا کراهةویتم صلوته ثمه وهواولی تقلیلا للمشی اویعودالی مکانه لیتحد مکانها کمنفرد فانه مخیر وهذا کله ان فرغ خلیفته والا عاد الی مکانه حتمالو بینهمامایمنع الاقتداء کالمقتدی اذاسبقه الحدث واعلم انه ان تعمدعملا ینافیهابعدجلوسه قدرالتشهد ولوبعدسبق حدثه تمت لتملم فرائضها نعم تعاد لترك واجب السلام ولو وجد المنافی بلا صنعه قبل القعود بطلت اتفاقا ولوبعده بطلت فی المسائل الاثنی عشریة عنده وقالاصحت ورجحه الکمال وفی الشرنبلالیة والا ظهر قولهما بالصحة فی الاثنی عشریة

خلیفہ بنانا جائز ہے واجب نہیں

امام کا وضوٹوٹ گیا اور پانی مسجد میں موجود تھا، تو اس صورت میں خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ خلیفہ بنانا صرف جائز ہے، واجب نہیں ہے، اور امام جب تک مسجد کے اندر موجود رہتا ہے وہ امام باقی رہتا ہے وہ وضو کر کے پھر امامت کرا سکتا ہے، اور اگر خلیفہ بنادے کا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں،

خلیفہ بنانے سے بہتر ازسرنو لوٹانا ہے

وضوٹوٹ جانے کی صورت میں دوبارہ ازسرنو نماز کا دہرانا خلیفہ بنانے سے بہتر ہے، تاکہ اختلاف ائمہ سے بچ جائے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وضوٹوٹ جانے کی صورت میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام کا اپنی جگہ کسی مقتدی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے، اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دوبارہ شروع سے نماز دہرا لے تو زیادہ اچھا ہے تاکہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی درست ہو جائے،

ان صورتوں میں ازسرنو نماز پڑھنا ضروری ہے

ایسی صورت میں نماز کا ازسرنو پڑھنا طے اور متعین ہے جب کوئی نادر واقعہ پیش آئے، اس میں خلیفہ بنانے کی اجازت نہیں ہے، جیسے کوئی جنون کی وجہ سے تشہد میں نہیں بیٹھا یا جان بوجھ کر وضو توڑ لیا، یا اس شبہ میں مسجد سے نکل آیا کہ اسکا وضوٹوٹ گیا ہے یا اس کو سونے میں احتلام ہو گیا، یا فکر کی وجہ سے یا کسی کو دیکھنے کی وجہ سے غایت شہوت میں منی نکل آئی یا بیہوشی یا قہقہہ مار کر ہنسنے کی وجہ سے ایسا ہوا تو ان تمام صورتوں میں بنا نہیں کرے گا بلکہ وضو کر کے پوری نماز شروع سے پڑھے گا، اس لئے کہ یہ سب چیزیں بہت کم ہوا کرتی ہیں، اس لئے ان صورتوں میں بنا کی اجازت نہیں ہے،

امام کی جب زبان بند ہو جائے تو کیا کرے

اس وقت خلیفہ بنانا درست ہے جب امام بقدر فرض قراءت نہیں کر سکا، اس کی زبان خود بخود بند ہو گئی، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ امامت کر رہے تھے جب صدیق اکبرؓ نے محسوس کیا کہ نبی کریم ﷺ جماعت میں تشریف لے آئے ہیں، تو ان کی قراءت بند ہو گئی اور پیچھے ہٹ آئے اور نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز پوری کرائی، تو

اگر یہ جائز نہ ہوتا، تو خود سرور کائنات ﷺ ایسا نہیں کرتے کذا فی البدائع، (اور اگر مقدار فرض کے برابر قرأت کر چکا ہے تو خلیفہ بنانا درست نہیں ہے کذا فی الہدایہ، اور صاحبین رحمہا اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قراءت فرض کی مقدار نہیں پڑھا ہے اور اس کی زبان بند ہو گئی ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس کو دوبارہ شروع سے نماز دہرانا ہو گی،

خلیفہ بنانے کے چند مسائل

اگر پیشاب یا پاخانہ کے دباؤ کی وجہ سے قرآن پڑھنے سے زبان بند ہو گئی ہے تو صاحبینؒ کہتے ہیں کہ اس صورت میں خلیفہ بنانا درست ہے اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ خلیفہ بنانا درست نہیں ہے گویا پہلے مسئلہ کے بالکل الٹا ہے،

اب سوال یہ ہے کہ اگر امام رکوع اور سجدہ کرنے سے عاجز ہو جائے جس طرح وہ کبھی قراءت سے عاجز ہو جاتا ہے تو وہ اپنا خلیفہ مقتدی کو بنائے گا یا نہیں، مصنف کہتے ہیں کہ اس کا جواب میں نے نہیں دیکھا ہے، علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ میں نے صاحب درمختار کے قلم سے خزائن الاسرار کے حاشیہ پر یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ ظاہر کلام فقہاء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں خلیفہ نہ بنائے، کیونکہ خلیفہ بنانا خلاف قیاس چیز ہے، اس لئے اس پر ہر جگہ قیاس مناسب نہیں ہے،

اگر قرأت بالکل بھول جائے تو اس پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں خلیفہ نہیں بنائے گا، اس لئے کہ امام اس صورت میں امی ہو گیا اور مقتدی کی نماز باطل ہو گئی، اسی طرح امام کو پیشاب کی اتنی زیادہ مقدار لگ جائے کہ جس کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوتی ہے اور یہ سابق حدث سے نجاست لگی ہے، جو حالت نماز میں نکلی ہے تو بنا کرنا درست ہوگا (مثلاً امام کو نکسیر پھوٹی اور وہ درہم سے زیادہ اس کے کپڑے میں لگ گیا، تو اس نجاست سے اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، وضو کے ساتھ کپڑا دھو کر بنا کر سکتا ہے لیکن اگر یہ نجاست خود باہر نکلی ہوئی نہیں تھی بلکہ باہر سے لگی ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی)

ستر کھولنا

اگر مرد استنجا میں اپنا ستر کھولے گا یا عورت وضو کے واسطے اپنی کلائی کھولے گی، اور یہ کھولنا اضطرار اور مجبوری کی وجہ سے نہیں ہے تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائیگی، اور اگر مرد نے ستر مجبوری اور اضطرار کی وجہ سے کھولا ہے یا عورت نے کلائی کسی مجبوری سے کھولی ہے تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہو گی، (مجبوری اور اضطرار کا حاصل یہ ہے کہ ستر پوشی کیساتھ استنجا ممکن نہ ہو، یا کلائی کھولے بغیر وضو نہ ہو سکتا ہو، یہ صورت درمیان نماز میں حدث کے بعد پیش آئی ہے اس کا بیان ہے)

نماز میں وضو ٹوٹ جانے کے بعد قرأت

اسی طرح درمیان نماز میں حدث لاحق ہونے کے بعد وضو کرنے چلا اور جاتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے اس نے قرآن پڑھا، تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے ایک رکن حدث کی حالت میں ادا کیا یا وضو کے لئے چلنے کی حالت میں، اس صورت میں بھی بنا کرنا درست نہیں ہے از سر نو ادا کرنا ہو گی، لیکن اگر اس نے وضو کو جاتے ہوئے سبحان اللہ کہا ہے تو نماز فاسد نہیں ہو گی، زیادہ صحیح مذہب یہی ہے، شامی نے لکھا ہے کہ اصح مذہب قرأت کے باب میں بھی یہی ہے کہ نماز فاسد نہیں ہو گی، گو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسد ہو جائے گی

اشارہ سے پانی طلب کرنا

اسی طرح جس کو اثنائے نماز میں حدث لاحق ہوا، اور اس نے اشارہ سے پانی طلب کیا اور خاموشی کے ساتھ قیمت رکھ دی اور پانی لے لیا زبان سے کچھ نہیں بولا، تو اس صورت میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اشارہ کرنا یا لین دین کرنا نماز کے مخالف ہے لہٰذا بنا درست نہیں ہو گی بلکہ از

سر نو نماز پڑھنی پڑے گی، اور خلیفہ بنانا بھی درست نہ ہوگا،

نزدیک کا پانی چھوڑ کر آگے بڑھنا

یا جسکو نماز میں حدث لاحق ہوا تھا وہ جب وضو کرنے چلا تو اس نے نزدیک کا پانی چھوڑ دیا خواہ بھول کر اس نے ایسا کیا یا بھیڑ دیکھ کر آگے بڑھ کیا یا کنواں ہونے کی وجہ سے ایسا کیا اور دو صفوں کی مقدار اگر نزدیک والے پانی سے آگے چلا گیا، تو اس صورت میں بنا کرنا درست ہے، اس لئے کہ ایسا اس نے مجبوراً کیا ہے،

یا حدث لاحق ہونے کے بعد ایک رکن ادا کرنے کی مقدار اپنی جگہ رکا رہا اور وضو کے لئے نہیں نکلا اگرچہ اس نے رکن کے ادا کرنے کا قصد نہ کیا تو بھی بنا کرنا اور خلیفہ بنانا درست نہیں ہے، مگر یہ رکنا اور تاخیر کسی عذر کی وجہ سے ہو، جیسے سو گیا تھا یا نکسیر پھوٹنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے تو خلیفہ بنانا اور بنا دونوں درست ہے، یعنی امام اپنی جگہ کسی مقتدی کو خلیفہ بنادے گا اور صرف جو باقی رکعتیں ہیں اسی کا پورا کرنا لازم ہوگا، پڑھی ہوئی رکعتیں بیکار نہیں ہونگی ۔

حدث کے بعد فوراً وضو

حدث لاحق ہونے والے امام کو جب پڑھی ہوئی رکعتوں کو باقی رکھتے ہوئے آگے بڑھنا درست ہو تو اس کو چاہئے کہ حدث لاحق ہوتے ہی خلیفہ بنادے اور نکل کر فوراً وضو کرے، وہاں بالکل نہیں ٹھہرے، اور وضو کی تمام سنتوں کو ادا کرے، جلدی کی وجہ سے وضو کی سنتوں کو ترک نہ کرے اور وضو کے بعد بقیہ نماز کی رکعتوں کو اس طرح ادا کرے کہ اس میں کوئی کراہت نہ آنے پائے اور اگر خلیفہ نے جماعت کی نماز ختم نہیں کی ہے تو وہ وضو کرے اپنی جگہ پلٹ کر آئے اور جماعت میں مل جائے، یہ اس پر واجب ہے اگر اس کے اور امام کے درمیان اقتداء کرے گا اور اگر خلیفہ نے نماز ختم کرلی ہے، تو اسکو اختیار ہے کہ وہ وضو کی جگہ ہی اپنی بقیہ نماز پوری کرے، یا وہ پلٹ کر اپنی جگہ پہونچ کر پوری کرے، وضو کی جگہ نماز پوری کرنے میں کم چلنا پایا جائے گا اور اپنی جگہ جانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ نماز کی جگہ متحد ہوگی، یہ نہیں کہ دو رکعت ایک جگہ ادا ہوئی اور بقیہ دوسری جگہ، (مختصر یہ کہ دونوں صورتوں میں فائدہ ہے)

تشہد کے بعد منافی نماز فعل کا کرنا

واضح رہے کہ اگر نمازی تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر کوئی ایسا کام کرے جو نماز کے منافی ہے، خواہ اس نے ایسا حدث لاحق ہونے کے بعد کیا ہے، تو اس کی نماز درست ہوگی، اس لئے کہ نماز کے تمام فرائض ادا ہوچکے، البتہ سلام پھیرنے کا وجوب اس سے ترک ہوگیا ہے، اسکے نتیجہ میں نماز دہرائی جائے گی، اور اگر تشہد کی مقدار ابھی بیٹھا نہیں تھا کہ اس نمازی سے بے اختیاری میں کوئی ایسا کام ہوگیا جو نماز کے منافی تھا تو پھر صاحبین اور امام اعظمؒ سبھوں کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوجائے گی،

بارہ مسائل جن میں نماز باطل ہوتی ہے

اور اگر تشہد کی مقدار بیٹھ چکا تھا تب بے اختیاری میں منافی نماز کسی فعل کا اس سے ارتکاب پایا گیا ہے، تو بارہ مسئلوں میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسکی نماز باطل ہوگی، اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی اس کی نماز صحیح ہوجائیگی، اور ابن الہمامؒ نے صاحبین کو قول کو ہی ترجیح دی ہے، اور شرنبلالیہ میں ہے کہ ان بارہ مسائل میں صاحبین کا قول زیادہ ظاہر ہے، یعنی کہ یہ نماز درست ہوگی، (امام ابو حنیفہؒ اس لئے باطل فرماتے ہیں کہ ان کے نزدیک خروج بصنعہ بھی فرض ہے، یعنی اپنے اختیار سے نماز سے باہر آنا فرض ہے، اور صاحبین کے نزدیک یہ فرض نہیں ہے)

وھی ما ذکرہ بقولہ کما تبطل ولو فرغ بالفاء کما فی الدر لکان اولی بقدرۃ المتیمم علی الماء واما مسئلۃ رویۃ المتوضیء المؤتم بمتیمم الماء ففیھا خلاف زفر فقط وتنقلب نفلا ومضی مدۃ مسحہ ان وجد ماء ولم یخف تلف رجلہ من برد والا فیمضی علی الاصح کما مر فی بابہ وتعلم امی ٰایۃ ای تذکرہ او حفظہ بلا صنع ولو کان الامی مقتدیا بقاریٔ علی علیہ الاکثر لکن فی الظھیرۃ صحح الصحۃ قال الفقیہ وبہ ناخذ ووجود العاری ساترا تصح بہ الصلوٰۃ ومثلہ لو صلی بنجاسۃ فوجد ما یزیلھا اواعتقت الامۃ ولم تتقنع فورا ونزع الماسح خفہ الواحد بعمل یسیر فلو بکثیر تتم اتفاقا وقدرۃ موم علی الارکان وتذکر فائتۃ علیہ او علی امامہ وھو صاحب ترتیب والوقت متسع وتقدیم القاریء امیا مطلقا وقیل لا فساد لو کان استخلافہ بعد التشھد بالاجماع وھو الاصح کمافی الکافی لانہ عمل کثیر وطلوع الشمس فی الفجر وزوالھا فی العید ودخول وقت من الثلثۃ علی مصلی القضاء ودخول وقت العصر بان بقی فی قعدتہ الی ان صار الظل مثلیہ فی الجمعۃ بخلاف الظھر فانھا لا تبطل وزوال عذر المعذور بان لم یعد فی الوقت الثانی وکذا خروج وقتہ وسقوط جبیرۃ عن برء

بارہ مختلف فیہ مسائل وہ بارہ مسئلے جن میں نماز امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باطل ہوتی ہےاور صاحبین کے نزدیک باطل نہیں ہوتی یہ ہیں،

پہلا مسئلہ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تیمم کرنے والا جب پانی پر قادر ہو جاتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے یعنی پانی نہ ملنے یا استعمال پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد اسے پانی پر قدرت ہو گئی، اس طرح کہ پانی آگیا یا استعمال پر قدرت ہو گئی، تو اب اس کی نماز امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باطل ہو گی، اور صاحبین کے نزدیک صحیح۔

شارح نے بتایا کہ اگر مصنف لفظ "کما" کی جگہ فالا کر تفریع کرتا جیسا کہ درر نامی کتاب میں کیا گیا ہے تو بہت بہتر ہوتا، درمیان میں شارح نے یہ بھی بتایا کہ اگر امام تیمم کر کے نماز پڑھا رہا تھا اور مقتدی وضو کر کے نماز پڑھ رہا تھا کہ مقتدی نے پانی دیکھ لیا تو اس صورت میں صاحبین اور امام ابو حنیفہؒ تینوں کہتے ہیں کہ نماز کا وصف باطل ہو جائے گا اور وہ نفل قرار پائے گی، اس میں صرف امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہو گی، اور بارہ مسائل، جن کا یہاں ذکر ہے وہ ہیں جن میں صاحبین اور امام صاحبؒ کا اختلاف ہے،

دوسرا مسئلہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ نمازی مسح علی الخفین کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا کہ تشہد کے بعد اسکی مدت پوری ہو گئی، اور اس نے پانی پالیا اور وضو کرنے کی صورت میں اس کے پاؤں کے تلف ہونے کا خطرہ نہیں ہے، تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ نماز فاسد ہو جائے گی، اور صاحبین کہتے ہیں فاسد نہیں ہو گی،

تیسرا مسئلہ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ امی نماز پڑھ رہا تھا اور تشہد کے بعد اس کو بلا اختیار آیت یاد آگئی یا دوسروں سے سنکر یاد ہو گئی، اگرچہ وہ امی کسی قاری کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا تو بھی اس صورت میں اس مقتدی کی نماز فاسد

ہوگی، اکثر فقہاء کا قول یہی ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ نماز فاسد ہوگی اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ نہیں فاسد ہوگی، لیکن فتاوی ظہیریہ میں لکھا ہے کہ نماز صحیح ہوگی، اور فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ آسانی کی غرض سے اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے (اس کے صحیح ہونے کی وجہ البحر الرائق میں یہ لکھی ہے کہ مقتدی دراصل امام کے تابع ہوتا ہے جب امام نے قرأت کی، تو گویا مقتدی نے قرأت کی، لہٰذا مقتدی کی نماز شروع بھی کامل طور پر ہوئی، اور جب آیت یاد ہوگئی تو بھی کامل ہی رہی، ماحصل یہ ہے کہ مقتدی کی نماز کا شروع حصہ ناقص نہیں ہے کہ بعد والی صورت کامل قرار دیکر کہا جائے کہ کامل کی بنیاد ناقص پر پڑی،

چوتھا مسئلہ چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص ننگا نماز پڑھ رہا تھا اس نے بعد تشہد ایسا لباس پالیا جو ستر کو ڈھانپنے والا اور پاک تھا، تو امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی اور صاحبین کے نزدیک درست، اور اسی کے مانند یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نجاست کیساتھ اس وجہ سے نماز پڑھ رہا تھا، کہ اسکو پانی نہیں ملا تھا کہ اسکو دور کرے، پھر تشہد کے بعد اس کو ایسی چیز مل گئی جس سے نجاست کو وہ دور کر سکتا ہے، تو اس صورت میں بھی امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اور صاحبینؒ کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح ایک لونڈی سر کھولے نماز پڑھ رہی تھی کیونکہ اس کیلئے سر ستر میں داخل نہیں تھا، کہ تشہد کے بعد وہ آزاد ہوگئی، مگر اسکے باوجود اس نے فوراً سر کو نہیں چھپایا امام اعظمؒ کے نزدیک اسکی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی، (یہاں اس چوتھے مسئلہ میں ان دو مزید مسئلوں کا شارح نے اضافہ کیا ہے)

پانچواں مسئلہ پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ مسح خفین والا نماز پڑھ رہا تھا کہ اس نے تشہد کے بعد معمولی حرکت سے موزہ کو نکال لیا، تو امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی لیکن اگر مسح علی الخفین والا اسی عمل کثیر سے تشہد کے بعد موزہ نکالیگا تو پھر سبھوں کے نزدیک نماز ہو جائے گی، اس لئے کہ خروج بصنعہ پایا گیا، جس کو امام اعظمؒ فرض کہتے ہیں،

چھٹا مسئلہ چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ مجبوری کی وجہ سے ایک شخص اشارہ سے نماز ادا کر رہا تھا کہ تشہد کے بعد اس کی مجبوری دفعۃً دور ہوگئی اور وہ رکوع اور سجدہ کرنے پر قادر ہوگیا اس صورت میں امام اعظمؒ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی،

ساتواں مسئلہ ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کے ذمہ کچھ نمازیں قضا تھیں اور وہ صاحب ترتیب تھا مگر اس کو یہ یاد نہ تھا، وقتی نماز ادا کر رہا تھا کہ تشہد کے بعد اس کو اپنی قضا نماز یاد آگئی، اور اگر وہ مقتدی تھا تو اسے اپنے امام کے ذمہ نماز کا باقی رہنا یاد آگیا اور وقت میں اتنی گنجائش تھی کہ قضا اور وقتی دونوں ادا کر سکتا تھا، اس صورت میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی، (اور اگر قضا نماز یاد آئی مگر وقت میں دونوں نمازوں کے ادا کرنے کی گنجائش نہیں تھی، تو پھر اس کی نماز امام اعظمؒ کے نزدیک بھی فاسد نہیں ہوگی، اور فساد کی صورت میں بھی امام ابو حنیفہؒ بالکلیہ فاسد نہیں کہتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ یہ فساد موقوف رہے گا، اگر پانچ اور نمازیں قضا کی یاد کے باوجود پڑھ لیگا تو یہ نماز موقوف بھی جائز ہو جائے گی، البتہ اگر قضا شدہ کو ادا کر لے گا تو یہ فاسد ہو جائے گی)

آٹھواں مسئلہ آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ جو امام نماز قراءت کے ساتھ ادا کر رہا تھا اس کو حدث لاحق ہوا اس نے اپنی جگہ امی کو خلیفہ بنادیا، خواہ تشہد سے پہلے خواہ بعد، تو امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائیگی اور

صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر تشہد کے بعد امی کو خلیفہ بنائے گا تو متفقہ طور پر نماز فاسد نہیں ہوگی اور یہی قول صحیح تر ہے جیسا کہ کافی نامی کتاب میں مذکور ہے، اور فاسد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے لہٰذا اس کی وجہ سے آخری فرض بھی ادا ہوگیا، (حلبی نے ان آٹھوں مسئلوں پر اعتراض کیا ہے کہ "مطلقاً" کی قید شارح کو نہیں بڑھانی چاہئے تھی، اس لئے کہ یہ سارے مسائل بعد تشہد والے ہیں اور مختلف فیہ ہیں اور تشہد کے پہلے امی کو خلیفہ بنانے سے جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے صاحبین کے نزدیک بھی فاسد ہوتی ہے لہٰذا بعد تشہد والی صورت ہونی چاہئے مگر چونکہ صحیح تر قول میں فاسد نہ ہونا ہے لہٰذا یہ اختلافی مسئلہ باقی نہیں رہا واللہ اعلم)

نواں مسئلہ

نواں مسئلہ یہ ہے کہ صبح کی نماز پڑھ رہا تھا کہ تشہد کے بعد آفتاب نکل آیا امام ابو حنیفہؒ کہیں گے کہ نماز فاسد ہو جائیگی اور صاحبین کہیں گے کہ فاسد نہیں ہوگی، شارح نے اس میں اضافہ کیا ہے کہ کوئی عید کی نماز ادا کر رہا تھا کہ تشہد کے بعد آفتاب ڈھل گیا، تو امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائیگی، اور صاحبین کے نزدیک فاسد نہیں ہوگی، یا کوئی اپنی قضا نماز ادا کر رہا تھا کہ تشہد کے بعد تین مکروہ وقتوں میں سے کوئی وقت آگیا یعنی آفتاب نکل آیا، یا استواء شمس (زوال) کا وقت ہوگیا یا آفتاب ڈوب گیا اس صورت میں بھی امام اعظمؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائیگی، صاحبین کے یہاں نہیں ہوگی،

دسواں مسئلہ

دسواں مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز میں عصر کا وقت اس طرح داخل ہوگیا کہ امام قعدہ میں بیٹھا تھا کہ سایہ دو مثل ہوگیا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ ظہر میں یہ صورت پیش آجائے تو ظہر کی نماز باطل نہیں ہوگی)

گیارہواں مسئلہ

گیارہواں مسئلہ یہ ہے کہ تشہد کے بعد معذور کا عذر دور ہوگیا اس طرح کہ وہ عذر دوسرے وقت میں لوٹ کر کے نہیں آنے والا ہے، تو اس صورت میں بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح معذور کی نماز بھی باطل ہوگی، جبکہ معذور نماز پڑھ رہا تھا اور تشہد کے بعد نماز کا وقت ختم ہوگیا اس لئے کہ وقت ختم ہو جانے سے معذور کی طہارت باطل ہو جاتی ہے، جب طہارت نہ رہی تو نماز کس طرح ہوگی،

بارہواں مسئلہ

بارہواں مسئلہ یہ ہے کہ نمازی نے ٹوٹے ہوئے عضو پر پٹی باندھ رکھی تھی اور وضو میں اس پر مسح کر کے وہ نماز ادا کر رہا تھا مگر تشہد کے بعد وہ جبیرہ والی پٹی گر گئی تو اس کی وجہ سے اس کا وضو جاتا رہا اور اسی کے ساتھ نماز بھی فاسد ہوگئی،

واعلم انه لا تنقلب الصلوة فی هذه المواضع العشرين نفلا اذا بطلت الا فی ثلث فيما اذا تذكر فائتة او طلعت الشمس اوخرج وقت الظهر فی الجمعة كما فی الجوهرة زاد فی الحاوی والمومی اذا قدرعلی الاركان ويزاد مسئلة المؤتم بتيمم كما قدمنا والظاهران زوالها فی العيد ودخول الاوقات المكروهة فی القضاء كذلك ولم اره

اوپر کے بیس مسئلوں میں چار کا حکم

جاننا چاہئے کہ یہ کل بیس جگہیں ہیں کہ جب نماز باطل ہو جاتی ہے تو وہ نفل نہیں ہوتی، سوائے تین جگہوں کے کہ ان میں باطل ہونے کے بعد وہ نفل قرار پاتی ہے، ان تینوں جگہوں میں سے پہلی جگہ یہ ہے کہ جب نماز میں قضا شدہ نماز یاد آجائے، دوسری جگہ یہ کہ

جب نماز فجر میں سورج نکل آئے، اور تیسری جگہ یہ کہ جب جمعہ کی نماز میں ظہر کا وقت ختم ہو جائے، جوہرہ نامی کتاب میں ایسا ہی ہے، اور حاوی نامی کتاب میں چوتھی صورت کا اضافہ کیا ہے وہ یہ کہ اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع سجدہ پر قادر ہو جائے تو ان چار صورتوں میں یہ نمازیں نفل کے حکم میں ہو جائیں گی، شارح کہتے ہیں کہ پانچویں کا اضافہ یہ ہونا چاہئے کہ مقتدی وضو کر کے کسی تیمم والے کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا کہ اس نے پانی دیکھ لیا تو اس صورت میں یہ نماز بھی نفل ہو جائے گی، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، اور ظاہر یہ ہے کہ آفتاب جب عید کی نماز میں ڈھل جائے یا قضا نماز ادا کرتے ہوئے اوقات مکروہہ داخل ہو جائے تو ان دو صورتوں میں بھی یہ نمازیں نفل ہو جائیں گی، لیکن میں نے اس کو صراحتاً نہیں دیکھا، (شارح نے بیس جگہ اس لئے کہا کہ بارہ جگہ تو متن میں تھی اور آٹھ مسائل درمیان درمیان میں شارح نے اضافہ کیا تھا، ان بارہ مسائل کا غور سے مطالعہ کریں، ان میں آٹھ کا اضافہ ملے گا)

ولو استخلف الامام مسبوقا او لاحقا او مقیما وهو مسافر صح والمدرك اولى ولو جهل الكمية قعد في كل ركعة احتياطا ولو مسبوقا بركعتين فرضنا القعدتين ولو اشار له انه لم يقرأ في الاولين فرضت القرأة في الاربع فلو اتم المسبوق صلوة الامام قدم مدركا للسلام ثم لو اتى بما ينافيها كضحك تفسد صلوته دون القوم المدركين لتمام اركانها وكذا تفسد صلوة من حاله كحاله للمنافي في خلالها وكذا تفسد صلوة الامام الاول المحدث ان لم يفرغ فان فرغ بان توضأ ولم يفته شيء لا تفسد في الاصح لما مر انه كمؤتم وتفسد صلوة مسبوق عند الامام بقهقهة امامه وحدثه العمد في اي بعد قعوده قدر التشهد الا اذا قيد ركعته بسجدة لتاكد انفراده ولو تكلم امامه او خرج من مسجده لا تفسد اتفاقا لانهما منهيان لا مفسد ان ولذا يلزم المدركين السلام ويقومون في القهقهة بلا سلام بخلاف المدرك فانه كالامام اتفاقا ولو لاحقا ففي فساد صلوته تصحيحان صحح في السراج الفساد وفي الظهيرية عدمه وظاهر البحر والنهر تائيد الاول

امام کا اثنائے نماز میں وضو ٹوٹ جائے یا اسکو کوئی معذوری پیش آجائے تو وہ اپنا خلیفہ مسبوق (جسکی رکعت چھوٹی ہوئی ہو) کو بنائے یا لاحق کو، دونوں درست ہے، یا مسافر امام ہو، اور وہ اپنا خلیفہ کسی مقیم کو بنائے تو یہ بھی جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ امام اس شخص کو اپنا خلیفہ بنائے جو شروع نماز سے اسکے ساتھ نماز میں شریک رہا ہے جسکو اصطلاح میں مدرک کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ شخص نماز کو صحیح طور پر امام کی طرح پوری کرے گا،

خلیفہ بنانے میں دھیان

(مسبوق لاحق اور مدرک تینوں کی تعریف پہلے گذر چکی ہے، مسبوق وہ ہے جس کو شروع کی ایک دو رکعت نہ ملی ہو، اور لاحق وہ ہے جو ملا تو ابتداء میں مگر درمیان میں کسی وجہ سے اس کی ایک آدھ رکعت امام کے ساتھ رہ گئی، وہ نہ پڑھ سکا اور مدرک وہ ہے جس کی کوئی رکعت نہ ابتداء میں باقی رہی اور نہ درمیان میں، اگر مسبوق کو امام نے خلیفہ بنادیا ہے تو وہ نماز کس طرح پوری کرے گا وہ اپنی جگہ تفصیل سے آئے گا، یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اگر امام نے لاحق کو خلیفہ بنادیا تو وہ نماز کی تکمیل کس طرح کرے گا،

لاحق نماز کیسے پوری کرے گا

لاحق جب خلیفہ بن کر امام کی جگہ آئے گا تو پہلے اشارہ سے بتائے گا کہ میری پیروی مقتدی ابھی نہ کریں، جب تک میں فوت شدہ نماز نہ پڑھ چکوں، پھر وہ سب سے پہلے اپنی فوت شدہ نماز پڑھ لے، مقتدی اپنی جگہ جوں کا توں رہے جب یہ فوت شدہ پڑھ چکے گا تو اب اس کے بعد جہاں سے امام کی نماز رہ گئی ہے اس کو شروع کرے گا اس میں مقتدی اس کی پیروی کریں گے،

مسافر امام نے مقیم کو خلیفہ بنایا، تو کیا کرے

اور اگر وہ امام جو مسافر تھا اس نے اپنا خلیفہ کسی مقیم کو کردیا اور مقتدیوں میں مسافر و مقیم دونوں طرح کے لوگ ہیں، تو اس مقیم خلیفہ کو چاہئے کہ وہ پہلی دو رکعتیں پوری کر چکے تو اپنی جگہ کسی مسافر مقتدی کو خلیفہ بنادے، کہ وہ سلام پھیر کر نماز ختم کرائے، اب سلام کے بعد جو مقتدی مقیم ہیں وہ اپنی بقیہ دو رکعتیں تنہا تنہا بغیر قرأت کے پڑھیں گے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ امام مسبوق اور لاحق کو خلیفہ نہ بنائے بلکہ مدرک کو بنائے اور خود مسبوق و لاحق کے لئے بھی بہتر یہ ہے کہ جب اس کو خلیفہ بنایا جائے تو وہ قبول نہ کرے کذافی الشامی)

مسبوق کس طرح پوری کرے

اور اگر مسبوق خلیفہ ہوا ہے مگر اس کو معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ امام کتنی رکعتیں پڑھ چکا ہے، تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ مسبوق (جو خلیفہ ہے) ہر رکعت میں بیٹھے، تاکہ قعدۂ اخیرہ رہنے نہ پائے (تفصیل یہ ہے کہ مسبوق جو خلیفہ بنایا گیا ہے اس کو اور دوسرے مقتدی کو اگر امام کی مقدار معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعت پڑھ چکا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ مثلاً مقتدی بھی سب مسبوق ہی ہوں تو خلیفہ ایک رکعت پڑھ کر بیٹھے گا، پھر وہ کھڑا ہو کر اپنی بقیہ نماز پوری کرے گا اور مقتدی اس میں اس کا ساتھ نہ دیں بلکہ وہ اس کی فراغت تک صبر کریں، جب یہ خلیفہ سلام پھیر چکے اس وقت مقتدی اپنی اپنی بقیہ نماز پوری کریں، کذافی النہر الفائق)

اور اگر خلیفہ ہونے والے مسبوق کی دو رکعتیں فوت شدہ تھیں تو اس صورت میں اس پر ہم دو قعدے فرض کہیں گے، ایک قعدہ امام کی نیابت کی وجہ سے اور دوسرا خود اس کا قعدہ اخیرہ، اور اگر مسبوق کو خلیفہ بناتے وقت امام نے اشارہ کیا تھا کہ میں نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی ہے، تو اب مسبوق پر چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہو گی، دو رکعتوں میں امام کی قائم مقامی کی وجہ سے اور دو میں خود اپنی وجہ سے (اسی مسئلہ میں چیستاں ہے کہ بتاؤ کونسا نمازی ہے جس پر اس کی چاروں رکعتوں میں قرأت فرض ہے)

بہر حال جب مسبوق جو امام کی قائم مقامی کر رہا ہے، امام نماز پوری کر چکے تو اب کسی مدرک (جو شروع سے امام کے ساتھ تھا) کو آگے کردے تاکہ وہ سلام پھیرے اور اس کے ساتھ بقیہ مقتدی بھی جن کی نماز پوری ہو چکی ہے، (اس کے بعد مسبوق اپنی بقیہ نماز پوری کرے گا) چنانچہ جب مسبوق امام کی بقیہ نماز پوری کر چکے گا (اور اپنی جگہ کسی مدرک کو خلیفہ بنادے گا تو اب اگر وہ کوئی ایسی حرکت کرے گا جو نماز کے منافی ہے مثلاً ہنس دے تو اس سے صرف مسبوق کی نماز فاسد ہو گی، جو مقتدی مدرک ہیں ان کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اس لئے کہ ان کی نمازیں پوری ادا ہو چکی ہیں، البتہ ان مقتدیوں کی نماز فاسد ہو گی جو خلیفہ کی طرح مسبوق ہیں، اس لئے کہ ان کی نماز کے درمیان میں نماز کے خلاف حرکت پائی گئی،

اسی طرح امام اول کی نماز بھی فاسد ہو گی اگر وضو کرنے کی وجہ سے اس کی کوئی رکعت رہ گئی ہے اس لئے یہ نماز کے

خلاف حرکت اس کی بھی نماز درمیان میں ہی واقع ہوئی، لیکن اگر پہلے امام کی کوئی رکعت درمیان میں رہنے نہیں پائی ہے وہ وضو کر کے جلد آ گیا تھا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، مذہب صحیح یہی ہے، اسلئے کہ یہ امام اول مقتدی کی طرح ہے۔

مقدار تشہد کے بعد امام کا قہقہہ مارنا

امام ٹھٹھا مار کر ہنسے یا جان بوجھ کر وضو توڑے اور یہ حرکت اس نے قعدہ اخیرہ میں تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کی ہے تو اس کی وجہ سے مسبوق مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ ابھی درمیان نماز میں ہے، لیکن اگر مسبوق تشہد کی مقدار بیٹھ کر اور امام کی متابعت کو چھوڑ کر اٹھ چکا ہے اور اس نے اپنی رکعت میں سجدہ ملالیا ہے تو پھر امام کی اس حرکت کا اس کی نماز میں کوئی اثر نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ اب منفرد کے حکم میں ہو چکا ہے،

قعدہ اخیرہ میں مقدار تشہد کے بعد اگر مسبوق کا امام بول پڑا، یا مسجد سے نکل گیا تو بالاتفاق مدرک کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ بولنا اور مسجد سے نکلنا مفسد نہیں ہے بلکہ وہ نماز کو پورا ہونے سے روک دینے والی حرکت ہے، اور اسی وجہ سے مدرکین (شروع سے شریک رہنے والوں) پر سلام پھیرنا لازم ہے یعنی اگر امام تشہد کے بعد بول دے یا مسجد سے باہر چلا جائے تو جو مقتدی ابتداء سے شریک ہوں ان پر واجب ہے کہ وہ سلام پھیر کر اپنی نماز ختم کریں، البتہ اگر امام قہقہہ مار کر ہنسے، یا قصداً اپنا وضو توڑے تو مقتدی کو چاہئے کہ بغیر سلام اٹھ کھڑے ہوں، اس لئے کہ یہ دونوں فعل نماز کو فاسد کرنے والے ہیں لہٰذا اس سے مدرک کی نماز فاسد نہیں ہوگی، جس طرح قہقہہ سے خود امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اس کی بھی فاسد نہیں ہوگی،

اگر مقتدی لاحق ہو اور امام بعد تشہد قہقہہ مار کر ہنسے یا عمداً حدث کرے تو لاحق کی نماز کے باب میں دو قول ہیں، سراج نامی کتاب میں لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اور فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی اور البحر الرائق اور النہر الفائق سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے (البحر الرائق میں ہے کہ "اس صورت میں امام کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذمہ نماز کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا، بخلاف لاحق کے")

ولواحدث الامام لاخصوصية له فى هذا المقام فى ركوعه اوسجوده توضأ وبنى واعادهما فى البناء على سبيل الفرض مالم يرفع راسه منهما مريد اللاداء اما اذا رفع راسه مريدابه اداء ركن فلايبنى بل تفسدولولم يردالاداء فروايتان كما فى الكافى وفى المجتبى وبتأخر محدود باولا يرفع مستويا فتفسد ولوتذكر المصلى فى ركوعه اوسجوده انه ترك سجدة صلبية او تلاوية فانحط من ركوعه بلا رفع او رفع من سجوده فسجدها عقب التذكراعادهمااى الركوع والسجود ندبالسقوطه بالنسيان وسجدللسهوولواخرها لاخر صلوته قضاها فقط ولوام واحدا فقط فاحدث الامام اى وخرج من المسجد والا فهوعلى امامته كما مر تعين الماموم للامامة لو صلح لها اى لامامةالامام بلا نية لعدم المزاحم والا يصلح كصبى فسدت صلوة المقتدى اتفاقا دون الامام على الاصح لبقاء الامام اماما والموتم بلا امام هذا اذا لم يكن يستخلفه فان استخلفه فصلوة الامام والمستخلف كليهماباطلة اتفاقاولوام رجل رجلا فاحدثا وخرجا من المسجد تمت صلوة الامام او بنى على صلوته

و فسدت صلوۃ المقتدی لما مر ،اخذہ رعاف یمکث الی انقطاعہ ثم یتوضأ و یبنی لما مر

رکوع یا سجدہ میں وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے

امام اگر اپنے رکوع یا اپنے سجدہ میں بے وضو ہوگیا یعنی اسکا وضو ٹوٹ گیا تو وہ وضو کرے گا اور اسی پر بنا کرے گا، اس طرح کہ پہلے وہ ان دونوں کو دوبارہ ادا کرے گا، اور بطور فرض کے اس رکوع یا سجدہ کو لوٹائے گا جس میں حدث ہوا ہے، پھر بقیہ رکعتوں کو، شارح نے بتایا کہ مقتدی یا منفرد کو ایسی صورت پیش آئے تو وہ بھی ایسا ہی کرے، لہٰذا یہ مسئلہ امام کیلئے مخصوص نہیں ہے مگر بنا کی صورت اس وقت ہے جب امام نے رکوع یا سجدہ سے اپنا سر اس کی ادائیگی کے ارادہ سے نہ اٹھایا ہو، اور اگر ایک رکن کی ادائیگی کا ارادہ کر کے ایسا کیا ہے یعنی جس رکوع یا سجدہ میں حدث ہوا تھا اس سے سر یہ سمجھ کر اٹھایا تھا کہ یہ رکن ادا ہو جائے گا، تو اس پر بنا کرنا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا وہ بنا نہیں کرے گا، بلکہ اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس کو اب پوری نماز از سر نو پڑھنا ہوگی، اور اگر اس رکوع یا سجدہ سے اٹھایا مگر ادائیگی کا ارادہ نہیں تھا تو اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ بنا کرے، اور دوسری یہ ہے کہ فاسد ہو گی بنا نہ کرے اور مجتبیٰ میں ہے کہ جب رکوع میں حدث لاحق ہو، تو اس کو چاہئے کہ وہ اسی طرح جھکا ہوا پیچھے ہٹے، سیدھا کھڑا ہو کر نہ ہٹے، ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی، (طحطاوی نے لکھا ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہاں سے ہٹ کر سر اٹھائے، اس لئے کہ اگر وہاں سے ہٹ کر سیدھا کھڑا ہوگا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی،

سجدہ کا رہ جانا رکوع یا سجدہ میں یاد آئے

اگر ایک نمازی کو اپنے رکوع یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس سے نماز یا تلاوت والا سجدہ چھوٹ گیا ہے پس وہ رکوع سے سر اٹھائے بغیر سجدہ کیلئے جھک پڑا یا سجدہ میں یاد آیا اور اپنے سجدہ سے سر اٹھایا اور جو سجدہ رہ گیا تھا اسکو یاد کر کے پھر سجدہ کر لیا، تو مستحب یہ ہے کہ اس رکوع اور سجدہ کو دوبارہ کرے، جس میں چھوٹا ہوا سجدہ یاد آیا ہے، واجب اس لئے نہیں ہے کہ بھول سے چھٹا تھا قصداً نہیں چھوڑا تھا اور سجدہ سہو بھی کریگا، اور اگر چھوٹے ہوئے سجدہ کو نماز کے اخیر میں ادا کرنا چاہے تو اس صورت میں صرف اسی سجدہ کی قضا کرے جو رہ گیا تھا، اس رکوع اور سجدہ کا اعادہ واجب نہیں ہے، اور نہ مستحب، جس میں یہ یاد آیا تھا، البتہ سجدہ سہو اس صورت میں بھی واجب ہوگا، اس لئے کہ سجدے میں ترتیب باقی نہ رہ سکی، اور اس سجدہ سہو سے جو نقصان واقع ہوا ہے اس کی تلافی ہو جائے گی،

امام کو حدث ہو اور مقتدی صرف ایک ہو

اگر کوئی شخص صرف ایک ہی مقتدی کا امام ہو اور اسی کو حدث لاحق ہو جائے یعنی اس کا وضو ٹوٹ جائے چنانچہ وہ امام وضو کے خیال سے مسجد سے باہر نکل آئے، تو وہ مقتدی اس کی جگہ امامت کے لئے خود بخود متعین ہو جائیگا، اس لئے کہ کوئی دوسرا مقتدی نہیں ہے، جو اس کا مزاحم ہو مگر شرط یہ ہے کہ اس مقتدی میں امام بننے کی صلاحیت ہو، مثلاً وہ عاقل و بالغ ہو، اور اگر اس مقتدی میں امام بننے کی صلاحیت نہ ہو، مثلاً وہ مقتدی نابالغ ہو تو پھر اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن امام کی نماز مذہب اصح کے مطابق فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ امام خود امام باقی ہے، اور مقتدی کی نماز اس لئے فاسد ہوگی کہ وہ بغیر امام کے رہ گیا، مگر صرف اس نابالغ مقتدی کی نماز اس وقت فاسد ہوگی اور امام کی بچ جائے گی، جب حدث لاحق ہونے کے بعد امام اس کو خلیفہ نہ بنائے، لیکن اگر امام نے اس مقتدی کو خلیفہ بنا دیا ہے تو پھر بالاتفاق مقتدی اور امام دونوں کی نماز باطل قرار پائے گی، شارح نے بتایا کہ امام کے مسجد سے باہر ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر امام مذکور حدث لاحق ہونے کے بعد مسجد سے باہر

نہیں نکلے گا تو امام اپنی امامت پر باقی رہے گا اور مقتدی خود بخود اس کی جگہ امام نہیں بن جائے گا،

اور اگر ایک شخص دوسرے شخص کی امامت کر رہا تھا کہ دونوں کو ہی حدث لاحق ہو گیا اور دونوں کے وضو ٹوٹ گئے اور دونوں مسجد سے باہر نکل آئے تو امام کی نماز پوری ہے وہ اپنی نماز پر بنا کرے گا، اس لئے کہ یہ امام باقی ہے اور مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ وہ بغیر امام کے رہ گیا، جب کسی نمازی کی نکسیر پھوٹ گئی اور خون آنے لگا تو وہ خون کے بند ہونے تک رکا رہے، پھر وضو کر کے بنا کرے گا کیونکہ رکنا عذر کے لئے مانع نہیں ہے، واللہ اعلم۔

باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها

عقب العارض الاضطراری بالاختیاری يفسدها التكلم هو النطق بحرفين اوحرف مفهم كع وف امراولو استعطف كلبا اوهرة او ساق حمارا لا تفسد لانه صوت لا هجاء له ، عمده وسهوه قبل قعوده قدر التشهد سيان وسواء كان ناسيا او نائما اوجاهلا اومخطيأ او مكرهاهوالمختار وحديث رفع عن امتي الخطأ محمول على رفع الاثم وحديث ذى اليدين منسوخ بحديث مسلم ان صلوتنا هذه لايصلح فيها شيء من كلام الناس، الا السلام ساهيا للتحليل اى للخروج من الصلوة قبل اتمامها على ظن اكمالها فلا يفسدبخلاف السلام على انسان للتحية او على ظن انها ترويحة مثلا اوسلم قائما فى غير جنازة فانه يفسدها مطلقا وان لم يقل عليكم ولو ساهيا فسلام التحية مفسد مطلقا وسلام التحليل ان عمدا ورد السلام ولو سهوا بلسانه لا بيده بل يكره على المعتمد نعم لوصافح بنية السلام قالوا تفسدا كانه لانه عمل كثير وفى النهر عن صدرالدين الغزى فقال: .

سلامك مكروه على من ستسمع ومن بعدما ابدى يسن ويشرع
مصل وتال ذاكر ومحدث خطيب ومن يصغى اليهم ويسمع
مكرر فقه جالس لقضائه ومن بحثوا فى الفقه دعهم لينفعوا
مؤذن ايضا لو مقيم مدرس كذا الاجنبيات الفتيات امنع
ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم ومن هو مع اهل له يتمتع
ودع كافرا ايضا ومكشوف عررة ومن هو فى حال التغوط اشنع

ودع اكلا الا اذا كنت جائعا ، وتعلم منه انه ليس يمنع وقد زدت عليه المتفقه على استاذه كما فى القنية والمغنى ومطير الحمام والحقته فقلت وكذلك استاذ مغن مطير فهذا اختام والزيادة تنفع ، وصرح فى الضياء بوجوب الردفى بعضها وبعدمه فى قوله سلام عليكم بجزم الميم .

باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا

اس باب میں ان چیزوں کی تفصیل

وہ چیزیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا جن سے کراہیت آجاتی ہے

ہے جن سے نماز فاسد ہو جاتی یا جو نماز میں مکروہ تحریمی یا تنزیہی بھی ہیں، مصنف نے اضطراری عوارض بیان کرنے کے بعد اختیاری عوارض کا بیان شروع کیا ہے عوارض دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جن میں اختیار کو کوئی دخل نہیں ہوتا، دوسرے وہ جن میں اختیار کو دخل ہوتا ہے،

(اس باب میں اختیاری عوارض کی تفصیل ہوگی اور اس کے احکام بیان ہونگے جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، پہلے ان کا بیان شروع کیا جارہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں)

کلام کی تعریف

(کلام) بولنا نماز کو فاسد کرتا ہے، اور کلام نام ہے دو حرف یا ایک ایسے حرف کا بولنا جس سے مطلب سمجھ میں آتا ہو جیسے ع اور ق کہ یہ ایک ایک حرف ہے مگر یہ دونوں امر کے صیغے ہیں اور دونوں (سمجھانے والے) معنی رکھتے ہیں ع کا معنی ہے حفاظت کر اور ق کا معنی ہے تو بچا، اس تعریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک بے معنی حرف کا بولنا کلام میں داخل نہیں ہے، اگر کتا یا بلی کو بلانا چاہا، یا گدھے کو ہانکا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ ایسی آوازیں ہیں جن کے ہجے نہیں ہیں، مگر نماز میں یہ آوازیں نکالنا گو مفسد نہیں مگر مکروہ ضرور ہیں کذا فی الطحطاوی۔ تشہد کی مقدار بیٹھنے سے پہلے جان بوجھ کر کلام کرے یا بھول کر دونوں برابر ہے، یعنی نماز دونوں صورتوں میں فاسد ہوگی البتہ اگر تشہد کی مقدار قعدہ اخیرہ میں بیٹھ چکا تھا تو اسکے بعد کلام سے نماز فاسد ہوگی، اسی لئے یہاں قعود سے پہلے کی قید لگائی گئی ہے،

بولنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے

پھر یہ بولنا خواہ بھول سے ہو یعنی اس کو یاد نہیں رہا کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے یا سوتے میں ہو کہ نماز میں نیند آگئی اور اس میں بولا، یا جہالت کی وجہ سے بولا یعنی اس کو معلوم نہیں تھا کہ بات کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے، اس لئے بولا تھا یا غلطی سے بولا، کہ ارادہ قرأت کا تھا اس سے بولنا صادر ہو گیا، یا کسی کے دباؤ کی وجہ سے نماز میں بولا، ان تمام صورتوں میں اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، مذہب مختار یہی ہے،

(فقہاء اصولیوں اور اہل لغت کے نزدیک نسیان اور سہو میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر حکماء دونوں میں یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ نسیان نام ہے، اگر کوئی چیز قوت مدرکہ اور حافظہ دونوں سے نکل جائے تو اس کو نسیان کہتے ہیں، اور اگر صرف قوت مدرکہ سے چیز نکل جائے مگر قوت حافظہ میں باقی رہے تو اسے سہو کہا جاتا ہے اور سہو اور خطا میں فرق یہ ہے کہ سہو والا ذرا سی آگاہی کے بعد فوراً خبردار ہو جاتا ہے مگر خطا والا آگاہ کرنے کے بعد بھی متنبہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ دیر کے بعد اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے، عبارت عربی میں ہو المختار کے متعلق شامی کا بیان ہے کہ اس کا تعلق صرف نیند میں بولنے سے ہے اس لئے کہ اختلاف اسی میں ہے کہ نماز کی حالت میں اگر کوئی سو جائے اور اس میں بولے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں، فخر الاسلام کہتے ہیں اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، بقیہ علماء کہتے ہیں فاسد ہو جاتی ہے بقیہ صورتوں میں حنفیوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے سب فساد نماز کے قائل ہیں دوسرے مسلک کے لوگ البتہ اس میں اختلاف کرتے ہیں)

ایک اشکال اوراس کا حل

باقی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ میری امت سے بھول چوک معاف ہے تو اس حدیث کا تعلق گناہ کی معافی سے ہے کہ گناہ نہیں ہوگا، یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی (اس حدیث کے صحیح الفاظ یہ ہیں وان اللہ وضع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ، ابن ماجہ وغیرہ میں انہی الفاظ کیساتھ یہ حدیث آتی ہے، کہ میری امت سے بھول چوک اور جس پر وہ مجبور کئے جائیں معاف ہے کوئی پکڑ نہیں ہوگی)

حدیث ذوالیدین

باقی ذوالیدین والی حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے مغرب یا عشاء کی نماز پڑھائی، اور دو رکعتوں پر سلام پھیر کر اٹھ گئے اور مسجد میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، اس کے بعد ذوالیدین (صحابی) نے عرض کیا یا رسول اللہ! نماز کم ہوئی یا آپؐ بھول گئے، آپؐ نے فرمایا میں نہ تو بھولا نہ نماز کم ہوئی، انہوں نے عرض کیا کوئی بات تو ضرور ہوئی، اس پر آپؐ نے دوسرے صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ کیا ذوالیدین جو کہتے ہیں وہ صحیح ہے، صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں جیسا وہ عرض کرتے ہیں ویسا ہی ہوا، یعنی رکعتیں پوری نہیں ہوئیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور جو رکعتیں رہ گئی تھیں اس کو پڑھایا اور سجدہ سہو کیا،

اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بولنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے گفتگو فرمائی اور اس کے باوجود نماز باقی رہ گئی تھی صرف اسے ہی ادا فرمایا اس کے متعلق شارح لکھتے ہیں کہ یہ ذوالیدین والی حدیث مسلم کی اس حدیث سے منسوخ ہو چکی ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ان صلوتنا ھذہ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس" ہماری نماز میں آدمی کی سی بات چیت کی گنجائش نہیں ہے، اس میں تو صرف تکبیر، تسبیح، اور قرأت ہونی چاہئے، اور بس (گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ذوالیدین والا واقعہ پہلے ہوا، جب کلام سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی، بعد میں وہ حکم بدل گیا اور رحمت عالم ﷺ نے صراحت سے فرمادیا کہ اب کلام سے نماز فاسد ہو جائے گی،)

سلام کا حکم

اگر کوئی بھول کر نماز کے ختم ہونے سے پہلے اس خیال سے سلام پھیر دے کہ نماز ختم ہوگئی تو اس سلام سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن اگر کوئی نماز میں کسی کو بطور سلام (دعائے زندگی) سلام لے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، یا کوئی اس نیت سے سلام پھیر دے کہ تراویح کی نماز ہے یا حالت قیام میں سلام پھیرے اور وہ جنازہ کی نماز نہیں تھی، تو ان دونوں صورتوں میں بھی نماز فاسد ہو جائیگی، اگرچہ صرف سلام کا لفظ کہا اور علیکم نہ کہا ہو، اور اگرچہ اس نے بھول کر سلام پھیرا ہو، بہر حال نماز فاسد ہو جائے گی، پس (اس میں شبہ نہیں کہ) تعظیماً جو سلام کیا جاتا ہے اس سے نماز مطلقاً فاسد ہو جاتی ہے خواہ اس نے بھول کر کیا ہو یا قصداً، اور نماز سے باہر آنے والا سلام اس وقت مفسد ہے جب جان بوجھ کر ہو، ورنہ نہیں، (آدمی کو سلام کرنا کلام میں داخل ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور تراویح کی نیت سے جو سلام پھیرا اس سے اس وجہ سے نماز فاسد ہوتی ہے کہ اس سلام میں نماز کے ختم کر دینے کی نیت کی، اور حالت قیام کا سلام اس لئے نماز کو فاسد کرتا ہے کہ سلام کا وہ محل نہیں ہے اور جنازہ کی نماز میں چونکہ سلام کھڑے ہو کر ہی ہوتا ہے اس لئے اسمیں سہواً سلام معاف ہے، نماز جنازہ فاسد نہیں ہوگی، جس طرح کوئی قعدہ میں سہواً سلام پھیرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی)

زبان سے کوئی کسی کے سلام کا جواب دے تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، گو ایسا بھول کر کیا ہو لیکن اگر ہاتھ کے اشارے سے جواب دے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ مکروہ ہو جاتی ہے، قابل اعتماد قول یہی ہے، ہاں اگر سلام کی نیت سے

کوئی مصافحہ کرے تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اس لئے کہ یہ عمل کثیر میں داخل ہے،

کہاں کہاں اور کب سلام کرنا مکروہ ہے

النہر الفائق میں صدر الدین الغزی کی یہ نظم نقل کی گئی ہے جس میں ان مقامات کو یکجا کیا گیا ہے جہاں سلام کرنا مکروہ ہے (ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے) اے مخاطب! تیرا ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، جن کو میں یہاں ذکر کرتا ہوں، ان کے علاوہ جگہوں میں سلام مسنون و مشروع ہے جن کو سلام کرنا مکروہ ہے وہ یہ ہیں ایک نمازی، دوسرے تلاوت قرآن میں مشغول تیسر ذکر الٰہی اور وعظ میں مشغول، چوتھے جو حدیث بیان کر رہا ہو، پانچویں خطبہ پڑھنے والے کو اور پھر ان کو جو ان پانچوں چیزوں میں سے کسی کو غور سے سن رہا ہو، اسی طرح فقہ کا تکرار کر رہا ہو اس کو اور اس قاضی کو جو فیصلہ کے لئے بیٹھا ہو سلام کرنا مکروہ ہے اور ان کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے جو علمی مباحثہ میں یا تکرار میں لگے ہوں، اسی طرح مؤذن کو (جو اذان دے رہا ہو سلام کرنا مکروہ ہے، یا تکبیر کہنے والے کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے، اور جو درس دے رہا ہو اس کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے اور جوان اجنبی عورتوں کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے روکا گیا ہے (اس سے لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اجنبی بوڑھی عورتوں کو سلام کرنے میں مضائقہ نہیں) اور جو شطرنج یا اس جیسا دوسرا کھیل کھیل رہا ہو اس کو بھی سلام کرنا مکروہ ہے جیسے شراب خور، جواری، غیبت کرنے والا، کبوتر باز اور گانے بجانے والے، ان لوگوں کو سلام کرنا مکروہ ہے، اور اسکو بھی سلام کرنا مکروہ ہے جو اپنی بیوی سے بوس و کنار میں مشغول ہو، اس طرح کافر کو بھی سلام نہ کر اور نہ اس کو جس کا ستر کھلا ہوا ہے یا جو پیشاب پائخانہ کر رہا ہو، کہ ان کو سلام کرنا سب سے بدتر ہے، جو کھانا کھا رہا ہو اس کو بھی سلام مت کر ہاں اگر تم بھوکے ہو اور تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تم کو ساتھ کھانے سے نہیں روکے گا، بلکہ بلالیگا تو پھر تمہارے لئے کھانے والے کو سلام کرنا جائز ہے،

صاحب النہر الفائق لکھتے ہیں کہ ان پر میں نے اضافہ کیا ہے کہ شاگرد کا اپنے استاذ کو اس وقت سلام کرنا مکروہ ہے جب وہ پڑھانے میں مشغول ہوں، اسی طرح گانے والے اور کبوتر اڑانے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے بس یہاں آکر مکروہات کا سلسلہ ختم ہوا،

سلام کب واجب ہے اور کب واجب نہیں

ضیاء نامی کتاب میں صراحت کی ہے کہ بعض صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب ہے، اگر کوئی سلام علیکم میم کے جزم کے ساتھ کہے تو جواب واجب نہیں ہے یعنی اگر السلام علیکم کہے یا سلامٌ علیکم کہے تو جواب واجب ہے، لیکن اگر سلام میں میم کو صرف جزم دے سلام علیکم کہے تو اس کا جواب واجب نہیں ہے اس لئے کہ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے،

(خزائن الاسرار میں جلال الدین سیوطی کی نظم نقل کی گئی ہے جس میں کہ ان لوگوں کا ذکر ہے جن پر سلام کا جواب واجب نہیں، چنانچہ اسکا ترجمہ یہ ہے ان لوگوں پر سلام کا جواب واجب نہیں ہے جو نماز پڑھ رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو، یا پانی پی رہا ہو، یا قرأت میں مشغول ہو یا دعا یا ذکر میں مشغول ہو یا خطبہ پڑھنے میں یا لبیک کہنے میں مشغول ہو، یا پیشاب پائخانہ کر رہا ہو، یا اذان یا تکبیر کہہ رہا ہو، یا سلام کرنے والا نابالغ لڑکا ہو یا مدہوش ہو یا جوان عورت ہو یا فاسق ہو، یا سویا ہوا آدمی ہو یا اونگھنے والا ہو یا جماع کی حالت میں ہو، یا غسل خانہ میں ہو ان صورتوں میں سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے کذافی الشامی)

والتنحنح بحرفين بلاعذر اما به بان نشأ من طبعه فلا او بلا غرض صحيح فلو لتحسين صوته اوليهتدى امامه او الاعلام انه فى الصلوة فلا فساد على الصحيح ، والدعاء بما يشبه

كلا منا خلافا للشافعي والانين هو قوله أه بالقصر والتاوه هو قوله آه بالمد والتافيف اف او تف والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع اومصيبة قيد للاربعة الا لمريض لا يملك نفسه عن انين وتاوه لانه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وان حصل حروف للضرورة لا لذكر جنة او نار فاو اعجبته قراء ة الامام فجعل يبكي ويقول بلى او نعم او ارى لا تفسد سراجية لدلالته على الخشوع.

کس وقت کھنکھارسے نماز فاسد ہوتی ہے

نماز میں بلا عذر دو حرفوں سے کھنکھارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، (جیسے اُح۔اُح کرنا) اور اگر کھنکھارنے میں زیادہ حروف نکلیں تو بدرجہ اولی نماز فاسد ہو گی، اور بلا حروف کھنکھارنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے گو بلا عذر کے ہو، البتہ مکروہ ہے، لیکن عذر کی وجہ سے اس طرح کھنکھارنا کہ اس کی طبیعت سے خود بخود تکلیف پیدا ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ بغیر کسی صحیح غرض کے کھنکھارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اگر اپنی آواز کو درست کرنے کیلئے کھنکھارے یا اس لئے کہ امام کو ہدایت ہو جائے، اور وہ غلطی چھوڑ کر درستی پر آجائے، یا اس لئے کھنکھارے تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے، خالی نہیں تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اور نہ اس کا یہ فعل مکروہ ہو گا، مذہب صحیح یہی ہے (قاعدہ میں کھنکھارنا ہر طرح کی نماز کیلئے مفسد ہونا چاہئے تھا کہ یہ کلام کے درجہ میں ہے مگر چونکہ ضرورت کیلئے کھنکھارنے کا ثبوت حدیث میں ہے اس لئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رات میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتا اور آپؐ نماز میں مشغول ہوتے تو میرے لئے کھنکھار دیتے تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ آپؐ اس وقت عبادت میں مشغول ہیں)

کس دعا سے نماز فاسد ہوتی ہے

ان الفاظ سے دعا مانگنا بھی نماز کو فاسد کر دیتا ہے جو آدمیوں کی گفتگو کے مشابہ ہو، البتہ امام شافعیؒ اس کو مفسد نہیں مانتے (آدمیوں کی گفتگو کے مشابہ ہونے کا ماحصل یہ ہے کہ نہ وہ قرآن میں ہو، نہ حدیث میں یا پھر یہ کہ اس کا بندوں سے طلب کرنا محال نہ ہو جیسے نماز میں کہے الٰہی مجھکو نمک تیل دیدے وغیرہ اس سے نماز فاسد ہو جائیگی،)

آہ اُف کرنا

الف کے مد اور الف کے قصر کیساتھ آہ کرنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور اُف تف کہنے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، یا ایسی آواز سے رونا کہ اس سے حروف پیدا ہوں اس سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے، مگر یہ کہ آہ اُف کرنا اور رونا، درد یا مصیبت کی وجہ سے ہو، شارح نے بتایا کہ درد اور مصیبت کی قید اُح کے ساتھ بھی ہے اور آہ کے ساتھ بھی، اسی طرح اُف کیساتھ بھی، اور رونے کیساتھ بھی، مگر اس بیمار کی نماز اُف اور آہ کرنے سے نہیں فاسد ہوتی ہے، جو اپنے آپ کو اس آواز سے روکنے پر قادر نہیں ہے، اس لئے کہ ایسے وقت اس کا آہ کرنا ایسا ہے جس طرح چھینکنا اور کھانسنا اور ڈکارنا اور جمائی لینا، اگرچہ حروف پیدا ہوں کہ یہ سب نماز کو فاسد نہیں کرتے ہیں اس وجہ سے کہ یہاں مجبوری اور ضرورت ہے،

(النہر الفائق میں ہے کہ بلا آواز آنسو کے ساتھ رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، اسی طرح آنسو کے ساتھ آواز کے ساتھ روئے مگر حروف پیدا نہ ہوں تو بھی نماز فاسد نہیں ہوتی کذافی الشامی)

اگر آہ کرنا جنت دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی مقتدی کو امام کی قرأت

مدہ اور بھلی معلوم ہوئی پس وہ رو رو کر کہنے لگاہاں کیوں نہیں، یا" جی ہاں یا" بیشک "تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی کذا فی السراجیہ، اور اس وجہ سے فاسد نہیں ہوگی کہ یہ الفاظ نماز میں خشوع وخضوع کو بتاتے ہیں جو نماز میں مطلوب ہے (اس خشوع کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی صرف خوش آوازی اور عمدہ لہجہ پر نماز میں رودے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، (جنت دوزخ کے نام پر آہ کا مطلب ہے جنت کی طلب یا دوزخ سے پناہ اس لئے مفسد نہیں اور مصیبت اور درد کی وجہ سے آہ کرنا افسوس کو بتاتا ہے لہٰذا یہ کلام الناس کے مشابہ ہوا لہٰذا مفسد نماز مانا گیا)

ویفسدها تشمیت عاطس لغیره بیرحمك الله ولومن العاطس لنفسه لاوبعکسه التامین بعدالتشمیت وجواب خبرسوء بالاسترجاع علی المذهب لانه بقصد الجواب صار ککلام الناس و کذا یفسدها کل ماقصد به الجواب کان قیل امع الله اله فقال لا اله الا الله او ما مالك فقال الخیل والبغال والحمیراومن این جئت فقال وبئر معطلة وقصر مشید اوالخطاب کقوله لمن اسمه یحیٰ اوموسی یا یحیٰ خذ الکتاب بقوة او وما تلك بیمینك یا موسی مخاطبا لمن اسمه ذلك او لمن بالباب ومن دخله کان امنا.

جواب دینے سے نماز کا فاسد ہونا

نمازی کا دوسرے چھینکنے والے کو یرحمک اللہ سے جواب دینا نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن اگر خود اپنی چھینک پر یرحمک اللہ کہے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اس کے برعکس چھینک کے جواب کے بعد آمین کہنے کا حکم ہے یعنی اگر خود اپنی چھینک کے جواب میں یرحمك الله کے بعد آمین کہے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر غیر کے یرحمك الله کے جواب میں آمین کہے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کذا فی الطحطاوی)

بری خبر کے جواب میں انا لله وانا الیه راجعون پڑھنا نماز کو فاسد کرتا ہے صحیح مذہب یہی ہے اس لئے کہ جواب کے ارادہ سے یہ جملہ پڑھتا کلام الناس کے مشابہ ہو جاتا ہے، اسی طرح ہر وہ جملہ نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے جس سے نمازی نے کسی کے جواب کا قصد کیا ہو، گو وہ جواب والا جملہ قرآن میں پایا جاتا ہو مثلاً کسی نے کہا کہ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ؟ نمازی نے جواب میں کہا (لا اله الا الله) (اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے) یا کسی نے کہا کہ ترا مال کیا ہے؟ نمازی نے کہا والخیل والبغال والحمیر (گھوڑے، خچر اور گدھے) یا کسی نے کہا کہ تو کہاں سے آیا ہے، تو نمازی نے اس کے جواب میں پڑھا وبئر معطلة وقصر مشید (بیکار کنویں اور مضبوط محل سے) توان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی،

اسی طرح اگر ان جملوں سے خطاب مقصود ہو تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے نمازی اس شخص سے جس کا نام یحییٰ تھا، نماز میں کہا یا یحیٰ خذ الکتاب بقوة (اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے تھام لے) یا جس کا نام موسیٰ تھا اس سے کہا ماتلك بیمینك یا موسی (اے موسیٰ ترے دائیں ہاتھ میں کیا ہے) یا دروازے پر ایک شخص تھا اس کو دیکھ کر نمازی نے بطور خطاب پڑھا ومن دخله کان امنا (جو کوئی اس میں داخل ہوگا اس کو کوئی خوف نہیں) ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی، گو خطاب میں ہر جگہ آیت قرآنی کا حصہ پڑھا ہے۔

سمع اسم الله تعالی فقال جل جلاله او النبی ﷺ فصلی علیه اوقراء ة الامام فقال صدق الله ورسوله تفسدان قصد جوابه ولو سمع ذکر الشیطان فلعنه تفسد وقیل لا حوقل

لدفع الوسوسة ان لا مور الدنيا تفسد لا لا مور الأخرة ولو سقط شيء من السطح فبسمل اودعى لاحداوعليه فقال آمين تفسد ولا يفسد فى الكل عند الثانى والصحيح قولهما عملا بقصد المتكلم حتى لوامتثل امرغيره فقيل له تقدم فتقدم اودخل فرجة الصف احد فوسع له فسدت بل يمكث ساعة ثم يتقدم برأيه قهستانى مغريا للزاهدى ومرو ياتى قنية وقيد بقصد الجواب لانه او لم يرد جوابه بل اراد اعلامه بانه فى الصلوة لاتفسد اتفاقا ابن ملك وملتقى

فروع۔ شارح کی طرف سے اضافہ کئے ہوئے مسائل

نمازی نے نماز میں اللہ تعالی کا نام سن کر کہا جل جلالہ یا نبی کریم ﷺ کا نام سن کر درود پڑھنے لگا ﷺ یا نمازی امام کی قرأت سن کر کہنے لگا صدق اللہ ورسولہ (اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا) توان کلمات سے نماز فاسد ہو جائے گی، بشرطیکہ نمازی نے یہ کلمات کہنے والے کے جواب کے ارادہ سے کہا ہو، (مطلب یہ ہے کہ اگر یہ جملے اس نے تعظیم اور ثنا کے ارادے سے کہے ہیں تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی اور زبان سے اس طرح کہنا معتبر ہے کہ کم از کم خود سن لے، اگر اس طرح کہا کہ وہ خود بھی نہیں سن سکا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کذافی الشامی)

اسی طرح اگر نمازی نے شیطان کا ذکر سنکر اس پر لعنت بھیجی تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور ایک قول ضعیف یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اگر نمازی امور دنیا سے وسوسے کے دور ہونے کیلئے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، لیکن امور آخرت سے وسوسہ کے دور ہونے کے لئے یہی لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی،

اگر چھت سے کوئی چیز گری اور اس آواز کو سنکر نمازی نے بسم اللہ پڑھی، یا کسی کیلئے دعا یا بد دعا ہوئی اور نمازی نے آمین کہا تو اس صورت میں اسکی نماز فاسد ہو جائے گی، مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اوپر کی صورتوں میں جن میں جوابا قرآنی آیتیں پڑھی گئیں، نماز فاسد نہیں ہوگی اور امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی، اور انہی کا قول صحیح اور درست ہے اس لئے کہ بولنے والے کے ارادہ و قصد پر عمل کر کے انہوں نے فتوی دیا ہے، (امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ گذشتہ الفاظ قرآن کے ہیں یا ثنا کے درجے کے اور یہ متکلم کے قصد سے نہیں بدلتے ہیں، البتہ خطاب کی صورت میں بدل جاتے ہیں، اس لئے اس میں تو نماز فاسد ہوگی بقیہ میں فاسد نہیں ہوگی، لیکن شیطان پر لعنت کرنے کی صورت میں نمازی نے الفاظ قرآن کو دہرایا ہے تب تو اس صورت میں بھی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوگی اور دوسرے الفاظ سے لعنت کی ہے تو فاسد ہوگی،)

یہاں تک کہ اگر نمازی اپنے غیر کا حکم مانے گا تو بھی اس کی نماز فاسد ہو جائے گی مثلاً اس سے کسی نے کہا کہ آگے بڑھ جا اور وہ آگے بڑھ گیا، یا کوئی صف میں گھسا اور نمازی نے جگہ دیدی یعنی اس کیلئے جگہ کشادہ کردی تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، ایسی صورت میں جب کوئی آگے بڑھنے کو کہے یا صف میں گھسنے لگے تو فوراً نہ آگے بڑھے اور نہ فوراً جگہ دے بلکہ تھوڑے سے توقف کے بعد اپنی رائے سے آگے بڑھے اور جگہ دے تاکہ اسکی نماز فاسد نہ ہونے پائے، قہستانی میں زاہدی سے اسی طرح نقل کیا ہے، یہ مسئلہ پہلے بھی باب الامامت میں گذر چکا ہے اور آگے بھی آئے گا لہذا بے خبر نہ رہنا چاہئے،

ماتن نے ہر جگہ قید لگائی ہے کہ نمازی جواب کے ارادے سے ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہوگی، اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی نمازی جواب کے ارادے سے ان جملوں کو نہیں کہے گا بلکہ اس کا منشاء یہ جتانا ہو کہ وہ نماز میں ہے تو اس صورت میں

نماز فاسد نہیں ہوگی، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس کو ابن ملک نے بھی بیان کیا ہے اور ملتقی میں بھی ہے،

وفتحه على غير امامه الا اذا اراد التلاوة وكذا الآخذ الا اذا تذكر فتلا قبل تمام الفتح بخلاف فتحه على امامه فانه لا يفسد مطلقا لفاتح واخذ بكل حال الا اذا سمعه الموتم من غير مصل ففتح به تفسد صلوة الكل وينوى الفتح لا القراءة ولوجرى على لسانه نعم او آرى ان كان يعتادها فى كلامه تفسد لانه من كلامه والا لا لانه قران واكله وشربه مطلقا ولو سمسة ناسيا الا اذا كان بين اسنانه ماكول دون الحمصة كما فى الصوم هو الصحيح قاله الباقانى فابتلعه اما المضغ فمفسد كسكر فى فيه يبتلع ذوبه ويفسدها انتقاله من صلوة الى مغايرتها ولومن وجه حتى لوكان منفردا فكبر ينوى الاقتداء اوعكسه صارمستانفا بخلاف نية الظهر بعدر كعةالظهر الااذا تلفظ بالنية فيصير مستانفا مطلقا وقرأته من مصحف اى مافيه قرآن مطلقا لانه تعلم الا كان حافظا لما قرأه وقرأ بلا حمل وقيل لا تفسد الا بآية واستظهره الحلبى وجوزه الشافعىؒ بلا كراهة وهما بها للتشبيه باهل الكتاب اى ان قصده فان التشبه بهم لا يكره فى كل شىء بل فى المذموم وفيما يقصد به التشبه كما فى البحر

لقمہ لینا دینا

نمازی کا اپنے امام کے سوا دوسرے کو لقمہ دینا مفسد نماز ہے، لیکن اگر بغرض تلاوت پڑھے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی اسی طرح دوسری نماز پڑھنے والے سے یا غیر نمازی سے نمازی کا لقمہ لینا بھی مفسد نماز ہے، لیکن اگر خود یاد کر کے پڑھے یعنی لقمہ لینے سے پہلے اسکو خود یاد آجائے اور پڑھے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی،

لیکن اگر مقتدی اپنے امام کو لقمہ دے گا تو اس سے نہ لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہوگی اور نہ لقمہ لینے والے کی (امام) کی خواہ امام اس قدر پڑھ چکا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہے، یا اس نے ابھی اس قدر نہ پڑھا ہو، پھر اس نے پہلی مرتبہ لقمہ دیا ہو یا دوسری تیسری مرتبہ کسی صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ اگر مقتدی کسی ایسے شخص سے سنکر لقمہ دے جو نماز میں شریک نہیں ہے، اور امام نے لقمہ لے لیا، تو سب کی نماز فاسد ہو جائیگی، (لقمہ دینے والے نے جب ایسے شخص سے سن کر لیا جو نماز میں شریک نہیں تھا، تو اس کی نماز فاسد ہوئی، اب اس نے امام کو بتایا اور امام نے اسے لے لیا تو اس کی نماز فاسد ہوئی اور جب امام کی نماز فاسد ہوئی تو پھر اس کی وجہ سے سارے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگئی، کذا فی الشامی)

مقتدی جب اپنے امام کو لقمہ دے تو اس صورت میں اسکی نیت بتانے کی ہونی چاہئے نہ کہ قرأت کی، اس لئے کہ قرأت امام کے پیچھے ممنوع ہے اور لقمہ دینا جائز ہے (لقمہ دینے والے کو چاہئے کہ پہلے تھوڑا توقف کرے پھر لقمہ دے فوراً لقمہ دینا مکروہ ہے، اس لئے کہ امام عموماً دوبارہ پڑھ کر خود نکال لیتا ہے، اسی طرح امام کو بھی چاہئے کہ فوراً لقمہ لینے کیلئے رک نہ جائے تاکہ مقتدی مجبور ہو، یہ بھی مکروہ ہے بلکہ اسکو سعی چاہئے کہ دوبارہ پڑھ کر نکال لے جائے یا ایسی دوسری آیت پڑھنا شروع کردے جس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہ ہو، یا دوسری سورت شروع کردے یا اگر بقدر واجب قرأت کر چکا ہو تو رکوع میں چلا جائے کذا فی الشامی)

تکیہ کلام کا زبان پر آجانا

اگر نمازی کی زبان پر کلمہ نعم یا ارے آجائے اور وہ اس کلمہ کا عادی تھا یعنی اپنی بات چیت میں اس کا یہ بولنا تکیہ کلام ہو چکا تھا تو اس صورت میں اسکی نماز فاسد ہو جائیگی، اسلئے کہ وہ اس

کاکلام سمجھا جائے گا اور اگر یہ کلام اسکا تکیہ کلام نہیں ہے، تو اس کی زبان پر آجانے سے نماز فاسد نہیں ہو گی، اسلئے کہ یہ لفظ قرآن میں ہے (شامی میں ہے کہ لفظ ارے ان لوگوں کے نزدیک قرآن نہیں ہے جو نظم قرآن الفاظ و معنی دونوں کو قرار دیتے ہیں)

کھانا پینا مفسد نماز ہے

نمازی کا نماز میں کھانا اور پینا خواہ تھوڑا ہو، خواہ بہت، دانستہ جان بوجھ کر ہو یا نادانستہ (بھول کر) اگرچہ وہ ایک تل ہی بھول کر کیوں نہ کھائے یا ایک قطرہ پانی کیوں نہ پی جائے اس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، البتہ اگر نمازی کے دانتوں میں کوئی کھانے کی چیز اٹک کر رہ گئی ہو اور وہ چنے سے کم ہو تو اس کے کھانے سے نماز فاسد نہیں ہو گی جیسے دانتوں سے چنے سے کم چیز نکال کر کوئی نگل جائے تو اس سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا، باقانی نے کہا یہی قول صحیح ہے۔ اور کسی کھانے کی چیز چبانے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسے نمازی کے منہ میں شکر ہو، اور وہ اس کے پگھلنے والے حصے کو نگلتا جارہا ہو (البتہ صرف کسی چیز کے مٹھاس کا منہ میں رہنا مفسد نماز نہیں ہے، مثلاً کسی نے مٹھائی کا ٹکڑا کھا کر نماز شروع کی اور اس کی مٹھاس منہ میں باقی ہو، تو اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی)

نماز سے اسکے مغائر کی طرف منتقل ہونا

نماز کو نمازی کا یہ فعل بھی فاسد کر دیتا ہے کہ وہ ایک نماز سے اس کے مغائر کی طرف منتقل ہو جائے خواہ یہ مغائرت کسی بھی اعتبار سے ہو یہانتک کہ پہلے منفرد کی حیثیت سے نماز پڑھ رہا تھا پھر اللہ اکبر کہہ کر اقتدا کی نیت کرلے، یا مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھ رہا تھا اور اللہ اکبر کہہ کے تنہا نماز کی نیت کرے تو اس صورت میں وہ از سر نو نماز پڑھنے والا ہو جائے گا، یعنی پہلے جس نماز کو شروع کر رکھا تھا وہ فاسد ہو جائے گی، اور اللہ اکبر کے بعد جس کو شروع کیا ہے اس کو ابتداء سے انتہا تک پوری کرے گا، ہاں البتہ اگر ظہر کی ایک یا دو رکعت پڑھنے کے بعد پھر ظہر کی نیت کرے گا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی اس لئے کہ ایک ہی نماز کی دوبارہ نیت کی، لیکن اگر نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرے گا تو پھر نماز باطل ہو جائے گی اور یہ اس لئے کہ اس کے تلفظ سے گویا کلام پایا گیا، اور کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے،

قرآن دیکھ کر پڑھنا

قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح کسی بھی چیز میں آیات قرآنی لکھی ہو اگر اس کو دیکھ کر پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائیگی خواہ محراب کے اوپر لکھی ہو یا نیچے زمین پر، پھر وہ تھوڑا پڑھے یا بہت، پڑھنے والا امام ہو یا منفرد، بغیر دیکھے اس کو پڑھنا ممکن ہو ہر صورت میں نماز فاسد ہو گی، اس لئے کہ اس طرح پڑھنا سیکھنا ہے، یعنی جہاں قرآن لکھا ہوا ہے وہ اسے سیکھتا ہے اور یہ نمازی اسے سیکھتا جاتا ہے اور یہ مسلم ہے کہ تعلیم و تعلم نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے، البتہ اگر وہ اس کا حافظ ہے یعنی اس کو وہ یاد تھا اور اس نے اس قرآن یا جس پر قرآن لکھا ہوا ہے اس کو اٹھائے بغیر پڑھا ہے تو نماز فاسد نہیں ہو گی، اس میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ایک آیت دیکھ کر پڑھے تو وہ مفسد ہے اس سے کم نہیں، حلبی نے اس کو ظاہر کہا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت سے نماز جائز ہو جاتی ہے، اور امام شافعیؒ نے دیکھ کر پڑھنے کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے صاحبین نے کراہت کے ساتھ جائز کہا ہے، اس لئے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت پائی جاتی ہے کہ وہ بھی نماز میں توریت وانجیل کو دیکھ کر پڑھتے ہیں، یعنی کراہت اس وقت ہو گی جب نمازی اہل کتاب سے مشابہت کا قصد کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز میں اہل کتاب کی مشابہت مکروہ نہیں ہے بلکہ صرف مذموم چیزوں میں مشابہت مکروہ ہے اور اس چیز میں مکروہ ہے جس میں مشابہ ہونے کا ارادہ کیا جائے۔

کتاب الصلوٰۃ . مسلسل

و یفسد ها کل عمل کثیر لیس من اعما لها ولا لاصلاحها وفیه اقوال خمسة اصحها مالایشك بسببه الناظرمن بعید فی فاعله انه لیس فیها وان شك ان فیهام لا فقلیل لکنه یشکل بمسئلة المس والتقبیل فتأمل فلاتفسد برفع یدیه فی تکبیرات الزوائد علی المذهب وماروی من السفاد فشا ذ وَ یفسد ها سجوده علی نجس وان اعاوه علی طاهر فی الاصح بخلاف یدیه و رکبیته علی الظاهر وَ یفسد ها اداء رکن حقیقة اتفاقا او تمکنه منه بسنته وهو قدر ثلث تسبیحات مع کشف عورة اونجاسته مانعة اووقوع لزحمة فی صف نساء اوامام امام عند الثانی و هوا المختار فی الکل لانه احوط قاله الحلبی وصلوته علی مصلی مضرب نجس البطانة بخلاف غیرمضرب ومسبوط علی نجس ان لم یظهر لون اوریح وتحویل صدره عن القبلة اتفاقا بغیرعذرفلوظن حدثه فاستدبر القبلة ثم علم عد مه ان قبل خروجه من المسجد لا تفسد و بعده فسدت.

عمل کثیر کا حکم اور ہر وہ عمل کثیر نماز کو فاسد کرتا ہے جو نماز کے اعمال سے نہ ہو، اور نہ نماز کی اصلاح کے لئے ہو (اعمال نماز کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی رکوع یا سجدہ زیادہ کرلیگا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی اگرچہ یہ عمل کثیر ہے اسلئے کہ یہ نماز کے اعمال میں سے ہے، اسی طرح نماز کی اصلاح کے لئے جو عمل کثیر ہو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، جیسے حالت نماز میں وضو ٹوٹ جائے اور نمازی وضو کے لئے صف سے نکل کر جائے اور پھر آکر مل جائے۔ کذا فی الشامی)

عمل کثیر کی تعریف میں پانچ قول ہیں ان میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ عمل کثیر اسکو کہتے ہیں کہ دور سے دیکھنے والا اس نمازی کو وہ فعل کرتے ہوئے دیکھ کر یہ کہنے میں شک نہ کرے کہ یہ نماز میں نہیں ہے (دور سے دیکھنے والے کی مراد یہ ہے کہ اسکو اسکی خبر نہ ہو کہ اس نے نماز شروع کر رکھی ہے دوسری تعریف یہ ہے کہ جو کام عادتاً دو ہاتھوں سے کیا جاتا ہو وہ کثیر ہے اگرچہ نمازی اسے ایک ہی ہاتھ سے کیوں نہ کرے، جیسے پگڑی اور پائجامہ کا باندھنا۔ اور جو کام عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو، وہ قلیل ہے، گو نمازی اسے دونوں ہاتھوں سے کرے، جیسے ٹوپی کا پہننا اور اتارنا، تیسری تعریف یہ ہے کہ تین حرکتیں پیہم اور متصل اگر ہوں تو کثیر ہے اور اس سے کم ہوں تو قلیل چوتھا قول یہ ہے کہ عمل کثیر وہ ہے کہ اسکے کرنیوالا جدا گانہ مجلس میں مقصود بالذات سمجھ کر کرے، پانچواں قول یہ ہے کہ جس کو خود نمازی عمل کثیر سمجھے وہ کثیر ہے کذا فی الشامی)

اگر دیکھنے والا دیکھ کر شک میں پڑ جائے کہ یہ شخص نماز میں ہے یا نہیں تو یہ قلیل ہے لیکن چھونے اور بوسہ لینے کے مسئلہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس میں غور کرلیا جائے۔ (وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نماز میں تھی کہ اسکے شوہر نے اس کو شہوت کے ساتھ چھو دیا، یا بغیر شہوت کے بوسہ لے لیا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس عورت کی نماز فاسد ہوگئی، حالانکہ اس میں اس سے کوئی

نفل سرزد نہیں ہوا، یہ مسئلہ بعد میں آرہا ہے)

تکبیرات زوائد میں دونوں ہاتھوں کے اٹھانے سے مذہب قوی کی بنیاد پر نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور نماز کے فاسد ہونے کی جو روایت آئی ہے وہ شاذ ہے اور روایت درروایت کے خلاف ہے (طحطاوی کا بیان ہے کہ یہاں تکبیرات زوائد سے مراد عیدین کی تکبیرات زوائد نہیں ہیں بلکہ رکوع کرتے اور اس سے اٹھتے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مراد ہے، حضرت مکحول نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے ہوئے ہاتھوں کا اٹھانا مفسد نماز ہے، اسی کو شاذ کہا گیا ہے کیونکہ یہ عمل کثیر کی تعریف میں داخل نہیں ہے کہ دیکھنے والا اس کو نماز میں نہ سمجھے گا)

ناپاک چیز پر سجدہ کرنا ناپاک چیز پر نمازی کا سجدہ کرنا نماز کو فاسد کرڈالتا ہے گو اس نے اس سجدہ کو پاک چیز پر دوبارہ کرلیا ہو، لیکن دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کو ناپاک جگہ پر رکھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، ظاہر روایت یہی ہے (یہ طرفین ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ناپاک جگہ پر سجدہ کرنے سے صرف سجدہ فاسد ہوتا ہے، نماز فاسد نہیں ہوتی، لہٰذا اگر اس نے پھر اس سجدہ کو دوبارہ پاک جگہ پر دہرالیا ہے تو نماز ہوگئی، اور طرفین کہتے ہیں کہ جب سجدہ فاسد ہوا تو نماز بھی فاسد ہوگئی، اسلئے کہ نماز قابل قسمت نہیں ہے جب ایک جز فاسد ہوا تو کل نماز فاسد ہوگئی، باقی ہاتھوں اور گھٹنوں کے ناپاک جگہ میں رکھنے سے نماز اس وجہ سے فاسد نہیں ہوتی ہے کہ ان کا زمین پر رکھنا شرط نہیں ہے کذا فی الشامی)

ستر کا کھلنا کھلے ہوئے ستر کے ساتھ ایک رکن کو حقیقتاً ادا کرنے میں یا سنت کے مطابق ایک رکن کے ادا کرنے کے برابر کھلے ہوئے ستر کے ساتھ توقف کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا اتنی ہی دیر اسقدر نجاست لگے رہنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جس کے ساتھ نماز نہیں ہوتی ہے، یا اتنی دیر بھیڑ کی وجہ سے عورتوں کی صف میں چلے جانے یا امام کے آگے ہو جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور ان مسائل میں یہی قول مختار و پسندیدہ ہے کیونکہ زیادہ احتیاط اسی میں ہے، ایک رکن ادا کرنے کی مقدار تین دفعہ سبحان اللہ کہنے کے برابر ہے، (حاصل یہ ہے کہ ستر کا کھلنا بقدر چوتھائی عضو جو کہ مانع نماز ہے اگر یہ کھل گیا اور اسی حالت میں اس نے کوئی رکن ادا کرلیا تب تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر واقعی ایک رکن ادا نہیں کیا مگر اتنے عرصہ کھلے رہا کہ اس میں ایک رکن ادا کرسکتا تھا، یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار کھلا رہا تو صرف امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نماز فاسد ہوگی، اور یہی حکم بدن یا کپڑے پر نجاست لگ جانے اور نجاست پر کھڑے ہونے اور عورتوں کی صف میں جاپڑنے اور امام سے آگے ہو جانیکا ہے کہ ان صورتوں میں اگر کوئی رکن ادا کرلیا تو نماز بالاتفاق فاسد ہوگئی، اور اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے برابر صرف ٹھہرا رہا تو صرف امام ابو یوسفؒ کے یہاں فاسد ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے)

دوتہ سلی ہوئی جانماز جس کا استر ناپاک ہے اس پر نماز پڑھنا نماز کو فاسد کرڈالتا ہے، البتہ اگر سلی ہوئی نہیں ہے بلکہ نیچے اوپر بچھی ہوئی ہے اور نچلا کپڑا ناپاک ہے اور اوپر کا پاک، تو اس پر نماز پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اسی طرح اگر ناپاک زمین یا فرش پر چٹائی بچھا کر نماز پڑھی اور نجاست کا رنگ یا اس کی بو ظاہر نہیں ہوئی تو بھی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر رنگ یا بو آگئی تو نماز نہیں ہوگی)

بلا عذر قبلہ سے نمازی کا اپنے سینہ کو پھیر لینا نماز فاسد کردیتا ہے، اس میں سب کا اتفاق ہے (شامی نے لکھا ہے کہ مگر صرف منہ کا پھیر لینا مکروہ ہے خواہ سارا منہ پھیرے یا تھوڑا، لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی)

نماز میں نمازی کو خیال ہوا کہ اسکا وضو ٹوٹ گیا ہے اور اس نے قبلہ کی طرف پیٹھ کرلی پھر علم ہو گیا کہ وضو نہیں ٹوٹی ہے اگر یہ علم اسے مسجد سے باہر آنے سے پہلے ہوا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر مسجد سے باہر چلے جانے کے بعد علم ہوا تو نماز فاسد ہو جائیگی،

فروع مشى مستقبل القبله هل تفسدان قدرصف ثم وقف قدر ركن ثم مشى ووقف كذلك وهكذا لاتفسدوان كثرمالم يختلف المكان و قيل لا تفسد حالة العذر مالم يستدبر القبلته استحسانا ذكره القهستاني وهل يشترط فى المفسد الاختيارفى الاحبازية نعم وقال الحلبى لافان من دفع اوجذبته الدابة خطوات اووضع عليها اواخرج من مكان الصلوة او مص ثديها ثلاثا اومرة ونزل لبنها اومسها بشهوة اوقبلها بدونها فسدت لا لوقبلته ولم يشتها والفرق ان فى تقبيله معنى الجماع معه حجر فرمى به طائرالم تفسد ولو انسانا تفسد كضرب ولومرة لانه مخاصمة اوتاديب اوملاعبة وهوعمل كثيرذكره الحلبى بقى من المفسدات ارتداد بقلبه وموت وجنون واغماء وكل موجب لوضؤاوغسل و ترك ركن بلا قضاء وشرط بلاعذر ومسابقةالمؤتم بركن لم يشاركه فيه امامه كان ركع ورفع راسه قبل امامه ولم يعده معه اوبعده وسلم مع الامام و متابعة المسبوق امامه فى سجود السهو بعد تاكد انفراده اما قبله فتجب متابعته وعدم اعادته الجلوس الاخير بعد اداء سجدة صلبية اوتلاوية تذكرها بعد الجلوس وعدم اعادة ركن اداه نائما وقهقهة امام المسبوق بعد الجلوس الاخير ومنها مدالهمز فى التكبيركمامرومنها القراء ة بالا لحان ان غيرالمعنى والا لا الا فى حرف مدولين اذا فحش والا لا بزازيته.

فروع۔ شارح کے اضافہ کردہ مسائل

نماز میں قبلہ کی طرف چلنا

نمازی قبلہ کی طرف منہ کر کے اگر چلے تو اسکی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اگر وہ ایک صف کی مقدار چلا، پھر ایک رکن کے برابر ٹھہرا پھر چلا پھر اتنا ہی ٹھہرا، اور اسی طرح رک رک چلتا رہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اگر چہ وہ اسی طرح زیادہ دور تک رک رک کر چلتا رہا، جب تک جگہ نہیں بدلے گی، نماز فاسد نہیں ہوگی، (مثلاً اگر مسجد میں ہے تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہوگا، اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، جب باہر ہو جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی، اور بغیر رکے ہوئے مسلسل دو صفوں کی مقدار قبلہ کی طرف منہ کر کے چلے گا تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی) اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی عذر رہا اور اس کی وجہ سے قبلہ کی طرف بہت چلا ہے اور جگہ بھی بدل گئی ہے تو بھی نماز فاسد نہیں ہوگی جب تک کہ وہ قبلہ کی طرف پیٹھ نہ کرے استحسان کا تقاضا یہی ہے اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ نماز کے فاسد ہونے میں کیا اس باب میں اختیار شرط ہے، حبازیہ نامی کتاب میں ہے کہ ہاں شرط ہے اور حلبی نے کہا کہ قابو ہونا شرط نہیں ہے (اور اسی قول کو طحطاوی نے ترجیح دیا ہے، چنانچہ اس پر مسائل متفرع کر رہے ہیں۔)

بلا اختیار نمازی جگہ سے ہٹ جائے

چنانچہ جس نمازی کو دھکا لگا، یا اس کو چوپائے نے کھینچ لیا اور وہ اس کی وجہ سے چند قدم چلا، یا نمازی اٹھا کر سواری پر رکھ دیا گیا، یا اس کو نماز کی جگہ سے باہر نکال دیا گیا، یا نمازی عورت کی چھاتی کو تین مرتبہ نماز میں چوسا گیا، یا ایک دفعہ چوسا گیا اور اس چوسنے سے دودھ اترا، یا نمازی عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بغیر شہوت اس نمازی عورت کا بوسہ لیا، تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی، ان میں سے کسی صورت میں نمازی کا اختیار نہیں پایا گیا ہے مگر بااین ہمہ اس کی نماز فاسد ہوئی ہے۔

عورت نمازی مرد کا بوسہ لے

لیکن اگر عورت کسی نمازی مرد کا بوسہ نماز میں لے گی اور مرد کو اس کی خواہش نہیں تھی تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، ان دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ مرد کے عورت کا بوسہ لینے کو جماع کے معنی میں لیا گیا ہے (اور عورت اگر نمازی مرد کا بوسہ لے تو وہ جماع کے معنی میں نہیں ہے، اس کی وجہ یہ کہ اگر عورت نماز میں تھی اور شوہر نے بوسہ لے لیا ہے تو چونکہ جماع کا فاعل مرد ہوا کرتا ہے جب یہ دواعی جماع میں سے کوئی حرکت کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر مرد نماز میں تھا اور عورت نے بوسہ لیا ہے تو عورت جماع کی فاعل نہیں ہوا کرتی ہے اس لئے اس کی طرف کوئی داعیہ جماع کے معنی میں نہیں ہو گا جب مرد میں اس کی طرف شہوت نہ ہو)

نمازی اپنے پاس کے پتھر کو پھینکے تو کیا حکم ہے

اگر نمازی کے پاس پتھر ہو اور وہ اس سے کسی پرندہ کو پھینک کر مارے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی، اور اگر اس نے وہ پتھر کسی آدمی پر پھینکا ہے تو پھر اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے کسی کو مارنے سے نماز فاسد ہوتی ہے گو ایک ہی مرتبہ مارے، یہ اس لئے کہ یا ایسا وہ دشمنی کی وجہ سے کر رہا ہے یا ادب دینے کے لئے یا مذاق اور کھیل سے، اور کوئی شبہ نہیں کہ یہ عمل کثیر ہے اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے،

طحطاوی نے لکھا ہے منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر زمین سے پتھر اٹھا کر پھینکا ہے تو نماز فاسد ہو گی اور اگر خود اسکے پاس پتھر تھا اس کو پھینکا ہے تو نماز فاسد نہیں ہو گی، اس سے معلوم ہوتا ہے پرند اور آدمی پر پھینکنے میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر عمل کثیر ہے تو دونوں میں فرق سمجھ میں نہیں آتا)

ارتداد مفسد نماز ہے

نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں میں دل سے مرتد ہونا بھی ہے یعنی اگر نمازی دل میں کفر کا اعتقاد کر لے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح نماز میں نمازی مر جائے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی (چنانچہ اگر امام قعدہ اخیرہ کے بعد مر جائے گا تو مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائیگی اور ان کو شروع سے لوٹانا ہو گی)

پاگل پن اور بے ہوشی سے نماز فاسد ہوتی ہے

نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں میں پاگل ہونا اور بے ہوش ہونا ہے کہ نماز میں کوئی پاگل ہو جائے یا بے ہوش تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی، اور اس کو وہ نماز بعد صحت لوٹانا ہو گی،

موجب وضو اور غسل مفسد نماز ہے

ہر وہ فعل بھی نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے جسکی وجہ سے وضو کرنا واجب ہو، یا غسل کرنا واجب قرار پائے (شامی نے کہا کہ مصنف نے صاحب نہرالفائق کی پیروی میں

موجب وضو کو مفسد نماز قرار دیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کہ ہر موجب وضو مفسد نماز ہو ہاں اگر حدث مراد لیا جائے تو صحیح ہوگا)

رکن نماز کا ادا نہ کرنا مفسد ہے

کسی رکن نماز کا نماز میں نہ ادا کرنا بھی نماز کو فاسد کر ڈالتا ہے، مثلاً کسی نے ایک سجدہ چھوڑ دیا اور سلام سے پہلے اسے ادا نہیں کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح کسی شرط نماز کو بغیر عذر چھوڑ دینے سے بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے (مثلاً شرائط نماز میں وضو ہے ستر کا چھپانا ہے، استقبال قبلہ (قبلہ کی طرف منہ کرنا) ہے ان میں سے کسی کو بلا عذر چھوڑ دے گا تو نماز نہیں ہوگی، البتہ عذر تھا اور چھوڑ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی)

امام سے پہلے رکن ادا کرنا مفسد ہے

اگر کوئی مقتدی کسی رکن کو اپنے امام کے کرنے سے پہلے کرلے اور امام اس کو اس میں کرتے ہوئے نہ پائے جیسے مقتدی امام کے رکوع میں جانے سے پہلے رکوع میں چلا گیا اور امام کے رکوع میں پہونچنے سے پہلے اس نے رکوع سے سر اٹھالیا اور پھر اس رکوع کو اس نے نہ امام کے ساتھ ادا کیا اور نہ اس کے بعد، اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیا اس صورت میں مقتدی کی نماز نہیں ہوگی (طحطاوی نے لکھا ہے کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کی قید کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں تھی)

مسبوق کا سجدہ سہو میں پیروی کرنا

سجدہ سہو میں مسبوق کا مستحکم منفرد ہو جانے کے بعد اپنے امام کی پیروی کرنا کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اگر وہ منفرد مستحکم طور پر نہیں ہوا ہے تو اس پر امام کی پیروی واجب ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جس کو ایک دو رکعت امام کے ساتھ نہ ملی تھی وہ امام کے تشہد پڑھ چکنے کے بعد یا امام کے سلام کے بعد اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ایک رکعت علیحدہ پڑھ چکا تھا یا اس کا سجدہ کر لیا تھا، اس وقت امام نے سجدہ سہو کیا اور وہ اس میں شریک ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ مسبوق جب امام کے بعد اپنی ایک رکعت پڑھ لیتا ہے یعنی اس کا سجدہ کر لیتا ہے تو اس کا منفرد ہونا پختہ ہو جاتا ہے۔

قعدہ کے بعد نمازی کو یاد آیا کہ اسکے ذمہ ایک سجدہ صلبیہ یا سجدہ تلاوت رہ گیا ہے چنانچہ سجدہ صلبیہ یا سجدہ تلاوت کو ادا کرنے کے بعد اس نے پھر دوبارہ قعدہ اخیرہ نہیں لوٹایا تو اس سے اسکی نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ ایک رکن ادا نہیں ہوا۔ سونے کی حالت میں جس رکن نماز کو ادا کیا ہے اگر اسکو دوبارہ نہیں ادا کریگا تو اس سے بھی نماز فاسد ہو جائیگی طحطاوی نے کہا ہے کہ یہ صورت ترک شرط میں داخل ہے، اس لئے کہ ارکان کا حالت اختیار میں ادا کرنا شرط ہے اور نیند کی حالت میں یہ شرط پائی نہیں جاتی ہے۔

امام کا کھل کھلا کر ہنسنا

نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں میں مسبوق کے امام کا قعدہ اخیرہ کے بعد کھل کھلا کر ہنسنا ہے (مطلب یہ ہے کہ تشہد کے مقدار بیٹھنے کے بعد اگر امام کھل کھلا کر نماز میں ہنس پڑے گا تو مقتدیوں میں جو مسبوق ہوں گے ان کی نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ امام اور ان مقتدیوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی جو شروع سے شریک ہیں بلکہ پوری قرار پائے گی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسبوق نماز کا درمیان ہوگا اس لئے فاسد ہوگی امام و مدرک کے تمام ارکان کے بعد ہوگا لہٰذا یہ خروج بصنعہ میں داخل ہوگا)

اللہ اکبر کے ہمزہ کا کھینچنا

اللہ اکبر کہنے میں ہمزہ کے کھینچنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ پہلے بھی گذرا، یعنی اگر رکوع اور سجدہ کی تکبیر میں ہمزہ کو کھینچا تو نماز فاسد ہو گئی، اور تکبیر تحریمہ میں ہمزہ کوئی

پہنچے گا تو اس کی نماز شروع ہی نہیں ہوگی،

لحن کے ساتھ قرأت مفسدات نماز میں قرأت کا لحن کے ساتھ پڑھنا بھی ہے مگر فاسد ہونے کیلئے شرط یہ ہے کہ اس لحن سے معنی بدل جائے (مثلاً رب العالمین کو رب العلمین پڑھ دے) لیکن اگر اس سے معنی میں تغیر نہیں ہوگا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، مگر حروف مد اور لین میں اگر حد سے زیادہ الحان کرے گا تو معنی نہ بدلنے کے باوجود نماز فاسد ہو جائے گی، اور حد سے زیادہ الحان نہیں کرے گا تو فاسد نہیں ہوگی، بزازیہ میں ایسا ہی ہے (الحان کہتے ہیں زیر، زبر اور پیش کو لحنوں کی رعایت سے بڑھا کر پڑھنا کہ زیر سے ی بڑھ جائے زبر سے الف آجائے اور پیش کو بڑھا کر پڑھنے سے واؤ بڑھ جائے حروف علت تین ہیں واو، الف، اور یاء ان تینوں کے پہلے کی حرکت اگر ان کے موافق ہو تو ان کو حروف مد کہتے ہیں جیسے واؤ کے پہلے پیش ہو، الف کے پہلے زبر اور یاء کے پہلے زیر، اور اگر ان حروف کے پہلی کی حرکت موافق نہ ہو تو حروف لین کہتے ہیں جیسے واؤ کے پہلے زیر زبر ہو یا ی کے پہلے زبر ہو، الف کے پہلے زبر کے علاوہ کوئی حرکت ممکن ہی نہیں اس لئے حروف لین صرف دو ہوتے ہیں)

ومنها زلة القارئ فلو فی اعراب اوتخفيف مشدد وعكسه او بزيادة حرفا كثر نحو الصراط الذين اوبوصل حرف بكلمة نحوايا كنعبد اوبوقف وابتداء لم تفسد وان غير المعنى به يفتىٰ بزازية الا تشديد رب العالمين واياك نعبد فبتركه تفسد ولو زاد كلمة او نقص كلمة او نقص حرفا او قدمه اوبدله باخرنحو من ثمرة اذا اثمرو استحصد تعالى جدر بنا انفرجت بدل انفجرت اياب بدل اواب لم تفسد مالم يتغير المعنى الا مايشق تمييزه كالضاد والظاء فاكثر هم لم يفسد ها وكذا لوكرر كلمة وصحح الباقانی الفساد ان غير المعنى نحو رب رب العالمين للاضافة كما لوبدل كلمة بكلمة و غير المعنى نحوان الفجار لفی جنات وتمامه فی المطولات.

غلط پڑھنے کا حکم نماز کو فاسد کرنے والی چیزوں میں ایک پڑھنے والے کا غلط پڑھنا ہے، لہذا اگر غلطی اعراب میں ہو جیسے نعبد کی باء کو پیش کی جگہ زبر پڑھ دے یا غلطی سے مشدد پڑھنے کی جگہ تخفیف سے بلا مشدد پڑھے یا اس کے برعکس تخفیف (غیر مشدد) کو مشدد پڑھ دے یا ایک یا زیادہ حرف پڑھانے میں غلطی ہو، جیسے صراط الذین کی جگہ الصراط الذین پڑھ دے (الف لام زیادہ کر کے) یا غلطی کسی حرف کے ملانے میں ہو، جیسے ایاک نعبد میں ایا الگ پڑھے اور ک کو نعبد میں ملا کر پڑھے یا وقف کرنے اور ابتداء کرنے میں غلطی ہو جیسے لا الہ پر وقف کرے اور الا اللہ سے ابتداء کرے تو ان صورتوں میں گو معنی بدل جائے مگر نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی پر فتویٰ ہے کذافی البزازیہ (شامی نے لکھا ہے کہ شارح کی عبارت کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسائل مذکورہ میں نماز فاسد نہیں ہوتی، حالانکہ ایسا بزازیہ میں نہیں ہے، بلکہ اس میں یہ ہے کہ اعراب کی غلطی میں نماز فاسد نہیں ہوتی ہے گو کہ معنی بدل جائے اور باقی صورتوں میں معنی بدل جانے کی صورت میں اکثر مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسا کہ متقدمین کا قول ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے)

نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن رب العالمین اور ایاک نعبد میں تشدید ترک کر دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یعنی رب کی باء اور ایاك کے یا کو مشدد نہ پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر قرأت میں کوئی کلمہ بڑھادے یا گھٹادے یا کوئی حرف کم کر دے یا مقدم کر دے جیسے من ثمرہ اذا ثمر میں استحعد پڑھ دے یا جزاء سیۃ سیئۃ مثلھا میں ایک سیئۃ کو کم کر دے یا تعال جد ربنا میں آخر سے الف کم کر کے بغیر الف پڑھے یا مقدم کر دے کہ الفجرت کی جگہ انفرجت پڑھ دے یا اَوّاب کی جگہ اَیَاب پڑھ دے یعنی واؤ کو الف سے بدل دے، ان صورتوں میں جب تک معنی نہ بدلے گا نماز فاسد نہیں ہو گی (یعنی بدلنے کی صورت میں امام محمدؒ اور امام حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اگر وہ لفظ جس سے بدلا ہے وہ اگر قرآن میں ہے تو نماز فاسد نہیں ہو گی اور اگر قرآن میں نہیں ہے تو فاسد ہو گی)

ایک حرف دوسرے حرف سے بدلنے میں اگر معنی بدل گیا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی لیکن ایسے حرف سے بدلنے میں فاسد نہیں ہوتی ہے جن میں تمیز دشوار ہے جیسے ضاد اور ظاء ان میں ایک دوسرے سے بدل گیا ہے تو اکثر فقہاء کہتے ہیں نماز فاسد نہیں ہو گی (ہاں دانستہ ایسا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، بے اختیاری میں ایسا ہو جائے یا پڑھنے والے کو تمیز ہی نہ ہو تو فاسد نہیں ہو گی)

کسی کلمہ کو دوبارہ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے مگر باقانی نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ کلمہ کے دوبارہ پڑھنے سے معنی بدل جائیں گے تو نماز فاسد ہو جائے گی، جیسے کوئی رَبُّ الْعَالَمِیْن کو رَبُّ رَبُّ الْعَالَمِیْن پڑھ دے کہ اس میں اضافت ہو گئی، جس طرح اگر کسی ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدل دے اس سے معنی بدل جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے جیسے کوئی اِنَّ الْفُجَّار لفی جحیم کی جگہ انَّ الْفُجَّار لفی جَنّات پڑھ دے، اس کی پوری تفصیل بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔

(شامی نے کہا ہے کہ ایک کلمہ کو دوبارہ پڑھنے سے نماز اس وقت فاسد ہو گی جب پڑھنے والا مضاف اور مضاف الیہ کو جانتا ہو، اور اگر وہ اس کو نہ جانتا ہو، اور نہ اس نے اضافت کا ارادہ کیا ہے بلکہ مخارج کی درستی کے لئے کلمہ کو دوبارہ ادا کیا ہو، یا زبان سے بے ساختہ نکل گیا ہو، تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے)

(جو مفسدات نماز یہاں شمار کئے گئے ان کے علاوہ بعض صورتیں وہ بھی مفسدات کی ہیں جو پہلے ابواب میں گذریں، مثلاً عورت کا محاذ میں ہونا، خلیفہ ایسے کو بنانا جو قابل امامت نہ ہو، امام کا بغیر خلیفہ بنائے مسجد سے باہر چلے جانا، حدث لاحق ہونے کے بعد ایک رکن کے برابر ٹھہرا رہنا، حالت حدث میں کسی ایک رکن کا ادا کرنا، نماز میں کسی مخالف نماز فعل کا صادر ہونا وغیرہ شارح نے اس لئے دوبارہ ذکر نہیں کیا کہ پہلے ذکر آچکا ہے)

ولایفسده انظره الی مکتوب وفهمه ولو مستفهما و ان کره ومرورمارفی الصحراء اوفی مسجد کبیر بموضع سجوده فی الاصح او مروره بین یدیه الی حائط القبلة فی بیت ومسجد صغیر فانه کبقعة واحدة مطلقا ولو امرأة او کلبا اومروره اسفل من الدکان امام المصلی لوکان یصلی علیها ای الدکان بشرط محاذاة بعض اعضاء المار بعض اعضائه وکذاسطح وسریروکل مرتفع دون قامة المار وقیل دون السترة کما فی عزرالاذکار وان اثم المار لحدیث البزار لویعلم المار ماذاعلیه من الوزر لوقف اربعین خریفا فی ذلك

المرور لوبلاحائل لو ستارة تر تفع اذا سجد وتعود اذا قام ولو كان فرجة فللداخل ان يمر على رقبة من لم يسدها لانه اسقط حرمة نفسه فتنبه.

نماز فاسد نہیں ہوتی

لکھی ہوئی چیز کو دیکھنا اور سمجھنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے، اگر چہ جان بوجھ کر سمجھا ہو، گو دانستہ سمجھنا مکروہ ہے اس لئے کہ لکھی ہوئی چیز کو دانستہ سمجھنا نماز کے خلاف فعل ہے (اور اگر اتفاقاً نظر پڑ گئی اور بلا قصد وارادہ سمجھ میں آ گیا تو یہ مکروہ بھی نہیں ہے کذافی الطحطاوی)

کسی گذرنے والے کا صحرا یا بڑی مسجد میں نمازی کے سجدہ کی جگہ میں گزرنا نماز فاسد نہیں کرتا ہے صحیح تر قول یہی ہے، (مطلب یہ ہے کہ نمازی کے پاؤں سے لیکر سجدہ کی جگہ تک کسی جگہ سے گذرنا مفسد نماز نہیں ہے اور تمر تاشی کہتے ہیں کہ سجدہ کی جگہ سے آگے جہاں تک نمازی کی نگاہ سجدہ کی جگہ کو تاکنے میں پڑتی ہے اس سے بھی گزرنا مفسد نماز نہیں ہے ماحصل یہ ہوا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا تو گناہ مگر نمازی کی اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور گذرنے کی حد جس میں گناہ ہے صحیح تر قول میں پاؤں کی جگہ سے سجدہ کی جگہ تک ہے اور ثمر تاشی کے قول میں پاؤں کی جگہ سے سجدہ کی جگہ کے آگے تک جہاں تک نمازی کی نگاہ سجدہ کرتے وقت جاتی ہے)

نماز کے سامنے سے گذرنا

کمرہ اور چھوٹی مسجد میں نمازی کے سامنے اس کے پاؤں سے لیکر قبلہ تک میں کسی جگہ سے گذرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے، اس لئے کہ کمرہ اور چھوٹی مسجد ایک مکان کے حکم میں ہے خواہ عورت گذرے یا کتا یا کوئی اور، نماز فاسد نہیں ہوگی (جو لوگ کہتے ہیں کہ عورت یا کتا یا گدھے کے گذرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے پہلے یہ حکم رہا ہوگا بعد میں منسوخ ہو گیا)

اور اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے کہ اگر کوئی دوکان (اونچی جگہ) میں نماز ادا کر رہا تھا اور اس کے نیچے سے گذرنے والا اسکے سامنے سے اس طرح گزرے کہ اسکے بعض اعضاء نمازی کے بعض اعضاء کے مقابل ہو جائیں اور یہی حکم ہے چھت اور تخت کا اور ہر بلند چیز کا جو گزرنے والے کے قد سے اونچائی میں کم ہو، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سترہ یعنی ایک ہاتھ سے کم ہو، جیسا کہ غرد الا ذکار میں ہے (بحر الرائق میں مقدار سترہ کو غلط کہا ہے کیونکہ پھر سواری پر چڑھ کر نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ نہیں ہوتا)

اگر چہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کی صورت میں گذرنے والا گنہگار ہوتا ہے جیسا کہ بزاز کی حدیث میں ہے کہ اگر گذرنے والے کو یقین آ جائے کہ اس گذرنے کیوجہ سے اس پر گناہ کا کتنا بار ہوگا تو یقیناً وہ چالیس برس ٹھہرا ہوا رہے مگر نمازی کے سامنے سے گذرنے کی جرأت نہیں کرے، لیکن یہ گناہ اس وقت گذرنے والے کو ہوگا جبکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو، اگر چہ وہ حائل چیز ایسا ہی سترہ ہو، جو سجدہ کرتے وقت دور ہو جاتا ہو اور قیام کے وقت پھر سترہ بن جاتا ہو،

نمازی کے سامنے سے گذرنے کی متعدد صورتیں

(حلیہ میں اس مسئلہ میں چار صورتیں لکھی ہوئی ہیں پہلی یہ کہ گذرنے والے کیلئے گنجائش ہے کہ وہ نمازی کے آگے سے نہ گذرے پھر یہ کہ نمازی نے راستہ بھی نہیں روک رکھا ہے، اس صورت میں گناہ صرف گذرنے والے کو ہوگا، دوسرے یہ کہ نمازی نے راستہ روک رکھا ہے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے تو اس صورت میں نمازی کو گناہ ہوگا تیسرے یہ کہ

نمازی نے راستہ روک رکھا ہے مگر گذرنے والے کے لئے دوسری طرف سے گذرنے کا راستہ ہے اس صورت میں دونوں گنہگار ہوں گے، چوتھی صورت یہ ہے کہ نمازی نے راستہ تو نہیں روک رکھا ہے لیکن گذرنے والے کے لئے دوسرا راستہ نہ ہو تو اس میں کوئی گنہگار نہیں ہوگا، سترہ کی صورت یہ ہے کہ ایک بالشت موٹی رسی یا اور کئی چیز چھت میں لٹک رہی ہو، جب نمازی سجدہ میں جاتا ہو تو وہ سر کی حرکت سے اس کی کمر یا گردن پر چلی جاتی ہو، اور جب کھڑا ہوتا ہو پھر وہ بدستور سامنے لٹکتی رہتی ہو تو اس طرح کے سترہ کے ہوتے ہوئے بھی گذرنے والے کو گناہ نہیں ہوگا اور سترہ کا اختیار حالت قیام میں ہے)

اگلی صف میں جگہ ہو تو جایا جائیگا

اگر اگلی صف میں کوئی جگہ خالی ہو تو نماز میں آنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اس شخص کی گردن پھلانگ کر آگے جائے جس نے اس خالی جگہ کو نہیں بھرا ہے اس لئے کہ اس نے خود اپنی عزت کھوئی ہے، لہٰذا اسے خبردار رہنا چاہئے یعنی اس کے سامنے سے گذرنا گناہ نہیں ہے (شامی نے لکھا ہے کہ ایک شخص کے ساتھ ایسی چیز ہے جو سترہ بن سکتی ہے اور وہ نمازی کے سامنے سے گذرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس چیز کو نمازی کے سامنے ڈالدے اور گذر جائے اور دوسری طرف پہونچ کر اسے اٹھائے اور اگر دو شخص نمازی کے سامنے سے گذرنا چاہتے ہوں اور سترہ نہ ہو تو چاہئے کہ ایک شخص نمازی کے سامنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا اس کے سامنے سے گذر جائے، پھر یہ شخص نمازی کے سامنے کھڑا ہو جائے تاکہ اسکے آڑ میں پہلا شخص گذر جائے، اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ نمازی کے سامنے اگر کوئی ہو تو وہ ایک طرف اٹھ کر آ سکتا ہے، یا نمازی کے سامنے کوئی چیز ہو تو ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا سکتا ہے۔)

ویغرز ندبا بدائع الامام وکذا المنفرد فی الصحراء ونحوها سترة بقدر ذراع طولا وغلظ اصبع لتبدو للناظر بقربه دون ثلثة اذرع علی حذاء احدحا جبیه لا بین عینیه والا یمن افضل ولایکفی الوضع ولاالحظ وقیل یکفی فیحظ طولا وقیل کالمحراب ویدفعه هو رخصة فترکه افضل بدائع قال الباقانی فلو ضربه فمات لاشئی علیه عندالشافعی خلافا لنا علی مایفهم من کتبنا بتسبیح او جهر بقرأة او اشارة ولایزاد علیها عند نا قهستانی لابهما فانه یکره والمرأة تصفق لا ببطن علی بطن ولو صفق اوسجت لم تفسد وقدترکا السنة تاتار خانیة وکفت سترة الامام للکل ولو عدم المرور والطریق جازترکها وفعلها اولی.

سترہ کا حکم

امام اور منفرد کیلئے مستحب ہے کہ وہ صحراء اور اس جیسی جگہ میں اپنے ابرو کے سامنے تین ہاتھ کے فاصلہ کے اندر ایک سترہ کھڑا کرے جو ایک ہاتھ لمبا اور انگلی کے برابر ہوتا ہو، تاکہ گذرنے والے کو نظر آ سکے، سترہ آنکھوں کے سامنے نہ رکھے بلکہ کسی ابرو کے سامنے ہونا چاہئے اور دائیں ابرو کے مقابل سترہ کا رکھنا یا گاڑنا افضل ہے (حلبی میں صراحت ہے کہ سنت یہ ہے کہ نمازی اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہ ہو، اور ایک ہاتھ لمبائی کم سے کم ہے اسی طرح موٹائی کم از کم انگلی کے برابر ہونی چاہئے اس سے کم نہ ہو، زیادہ لمبا اور زیادہ موٹا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بحرالرائق میں ہے کہ قوی مذہب یہ ہے کہ موٹائی کا پتہ اعتبار نہیں ہے)

سترہ کا گرا کر زمین پر رکھنا کافی نہیں ہوتا ہے اور نہ صرف خط کا سامنے کھینچنا کافی ہوتا ہے ایک کمزور قول البتہ ہے کہ خط

کھینچ دینا کافی ہو جاتا ہے اس قول کے مطابق خط کھینچے تو لمبائی میں کھینچے اور بعضوں نے کہا ہے کہ محراب کی طرح کھینچے (فتح القدیر میں سترہ نہ ہونے کی صورت میں خط کھینچنے کو کافی سمجھا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اتباع سنت بہتر ہے یعنی سترہ رکھنا، خط والا قول امام محمدؒ سے مروی ہے چنانچہ اس قول سے یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی سترہ نہ ہونے کی صورت میں اپنے سامنے کتاب یا کپڑا ڈال لے گا تو بھی وہ سترہ کا کام دے جائے گا اس لئے کہ وہ خط سے تو زیادہ نمایاں یقیناً رہے گا)

گذرنے والے کو روکنا

سترہ ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں نمازی سترہ کے اندر گذرنے والے کو سبحان اللہ کہہ کر یا ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے یا قرأت میں بلند آواز کے ساتھ گذرنے سے روکنے کی سعی کرے گا، شارح نے بتایا کہ یہ روکنا رخصت ہے عزیمت نہیں ہے یعنی ضروری نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ روکنے کی سرے سے سعی نہ کرے کہ نماز کی حالت میں ایسی حرکت نماز کے مناسب نہیں ہے کذانی البدائع، باقانی نے کہا کہ اگر نمازی نے گذرنے والے کو گذرنے کیوجہ سے مارا اور مر گیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر نہ قصاص ہے اور نہ دیت، لیکن ہماری کتابوں سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے، وہ امام شافعیؒ کے قول کے خلاف ہے، کہ احناف کے نزدیک گذرنے والے سے لڑنا یا حالت نماز میں اس کو مارنا درست نہیں ہے کذانی القہستانی روکنے کیلئے صرف سبحان اللہ کہے، یا صرف اشارہ کرے دونوں کو جمع نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے۔

(باقی جس حدیث میں ہے کہ سامنے گذرنے والے سے جنگ کرے کہ وہ شیطان ہے وہ منسوخ ہے چنانچہ امام زیلعیؒ نے سرخسیؒ سے نقل کیا ہے جنگ کرنے کا حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب نماز کے اندر کام کرنا مباح تھا اب اسکی اجازت باقی نہیں رہی (کذانی الشامی)

عورت گذرنے والے کو کیسے خبردار کرے

اور عورت اپنے سامنے سے گذرنے والے کو خبردار کرنے کیلئے تالی بجائے مگر اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے اندروالے حصہ کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مار دے، کہ اس میں عمل بھی تھوڑا ہے، اور ہتھیلی کو ہتھیلی پر مارنے سے جو دلکش آواز پیدا ہوتی ہے وہ بھی نہ پیدا ہونے پائے، اگر اس کے برعکس مرد گذرنے کو روکنے کے لئے تالی بجائے اور عورت سبحان اللہ کہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ سنت کے تارک کہے جائیں گے کذانی تاتارخانیہ۔

امام کے سامنے کا سترہ تمام نمازیوں کے لئے کافی ہوگا، یعنی اگر امام کے سامنے سترہ ہو اور کوئی سترہ کے باہر سے گذرے اور مقتدیوں کے سامنے سے بھی گذرتا چلا جائے تو وہ گنہگار نہیں ہوگا،

اگر ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں سے کوئی نہ گذرتا ہو اور اس کا منہ راستہ کی طرف نہ ہو، تو اس صورت میں سترہ چھوڑ دینا جائز ہے، یوں ایسی جگہ بھی سترہ کا رکھنا بہتر ہے (یوں بھی راستہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، کیونکہ راستہ چلنے کیلئے بنا ہے لہذا اس سے بچنا ہی اچھا ہے کذانی البحر)

وكره هذة تعم التنزيهية التى مرجعها خلاف الاولى فالفارق الدليل فان نهيا ظنى الثبوت ولا صارف فتحريمية والافتنزيهية سدل تحريما للنهى ثوبه اى ارساله بلا لبس معتاد وكذا القباء بكم الى وراء ذكره الحلبى كشد ومنديل يرسله من كتفيه فلو من احدهما لم يكره كحالة عذر وخارج صلوة فى الاصح وفى الخلاصة اذا لم يدخل يده فى كم الفرجية

المختار انه لایکره وهل یرسل الکم اویمسك خلاف والاحوط الثانی قهستانی وَ کره کفه ای رفعه ولو لتراب کشمر کم او ذیل وعبثه به ای ثوبه وبجسده للنهی الالحاجة ولاباس به خارج صلوة .

نمازی کا کپڑا لٹکانا

کپڑے کا بغیر اس کو پہنے ہوئے لٹکانا مکروہ ہے، شارح کہتا ہے کہ کراہت مکروہ تنزیہی اور مکروہ تحریمی دونوں کو شامل ہے تنزیہی کا ما حصل یہ ہے کہ خلاف اولیٰ ہے، پس تحریمی اور تنزیہی میں فرق کرنے والی چیز دلیل ہے، اگر دلیل کراہت ایسی ممانعت شرعی ہے، جس کا ثبوت ظنی ہے اور تحریم سے استحباب کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں ہے تو وہ مکروہ تحریمی ہے ورنہ مکروہ تنزیہی (شامی نے کہا دونوں میں فرق کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اگر مکروہ ترک واجب کو شامل ہے تو تحریمی ہوگا اور اگر ترک سنت کو شامل ہے تو مکروہ تنزیہی)

کپڑا کا اس طرح لٹکانا "سدل" کہا جاتا ہے یہ مکروہ تحریمی ہے، یعنی معمول کے مطابق بغیر پہنے ہوئے کپڑا نمازی اپنے بدن پر لٹکائے (سر پر رکھ کر یا گردن پر ڈال کر اسی کراہت میں قبا کا اس طرح پہننا بھی داخل ہے جس کی آستین پشت کی طرف ہو، (یعنی اس کی کشادہ بغلوں میں سے ہاتھ نکال کر آستین کو پیچھے ڈال لینا سدل میں داخل ہے اور مکروہ ہے اس کو حلبی نے ذکر کیا ہے، امام سرخسیؒ نے سدل کی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ مثلاً چادر یا دوسرا کپڑا نمازی اپنے سر یا مونڈھے پر رکھ کر اس کے کناروں کو چھوڑ دے، یہ مکروہ ہے لہٰذا کرتے کے دامن اور عمامہ کے شملہ کا لٹکنا اس میں داخل نہیں ہو سکے گا کذا فی الشامی)

دوپٹہ اور رومال کی طرح کی چیز کا مونڈھے پر رکھ کر دونوں طرف لٹکا لینا مکروہ ہے، لہٰذا اگر صرف ایک مونڈھے کی طرف لٹکا لیگا تو یہ مکروہ نہ ہوگا جیسے حالتِ عذر اور نماز سے باہر اس طرح لٹکانا مکروہ نہیں ہے اس باب میں زیادہ صحیح قول یہی ہے۔

سدل مکروہ ہے

خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ فرجیہ (جو قبا کی طرح کا کپڑا ہوتا ہے) اس کی آستین میں اگر نمازی ہاتھ نہ ڈالے تو مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے اس صورت میں آستین کو لٹکتا چھوڑ دے یا پکڑے اس میں اختلاف ہے، مگر زیادہ احتیاط یہ ہے کہ آستین کو پکڑے (قاضی خاں وغیرہ میں ہے کہ فرجیہ کا بغیر آستین میں ہاتھ ڈالے ہوئے پہننا مکروہ ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی سدل موجود ہے، فرجیہ قبا کی طرح کا لباس ہوتا ہے جو قمیص پر پہنا جاتا ہے۔)

نماز میں کپڑا اٹھانا

نمازی کا نماز میں کپڑے کا اٹھانا اگرچہ مٹی لگنے کے خوف سے ہو مکروہ ہے، جس طرح نماز میں آستین چڑھا کر یا دامن اٹھا کر داخل ہونا مکروہ ہے اور نمازی کا اپنے کپڑے اور بدن سے نماز میں کھیلنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے اس سے روکا گیا ہے مگر ضرورت کی وجہ سے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے جیسے خارش کیوجہ سے کھجلانے پر مجبور ہو، نماز سے باہر اگر کوئی اپنے کپڑے یا بدن سے کھیل کرے تو البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (وضو کے لئے کسی نے آستین چڑھائی تھی اور رکعت ملنے کیلئے جلدی اسی طرح جماعت میں مل گیا، تو ایسی صورت میں افضل یہ ہے کہ عمل قلیل سے نماز کے اندر آستین کو اتار لے حدیث میں ہے کہ تین چیزیں مکروہ ہیں نماز میں بیہودہ حرکت کرنا، روزہ کی حالت میں فحش باتیں کرنی اور قبرستان میں ہنسنا)

وصلوة فی ثیاب بذلة یلبسها فی بیته ومهنة ای خدمة ان له غیرهاوالالا واخذ درهم ونحوه فی فیه لم یمنعه من القراء ة فلو منعه تفسد وصلوته حاسرا ای کاشفا راسه للتکاسل

ولا باس به للتذلل واماللاهانة بها فكفرلو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتكوير اوعمل كثيروصلوته مع مدافعة الاخبثين اواحدهما اولريح للنهي وعقص شعره للنهي عن كفه ولو يجمعه اوادخال اطرافه في اصوله قبل الصلوة اما فيها فمفسد وقلب الحصى للنهي الالسجوده التام فيرخص مرة وتركهااولى وفرقعة الاصابع وتشبيكها ولو منتظر الصلوة او ماشيا اليهاللنهي ولا يكره خارجها لحاجة والتخصر وضع اليدعلى الخاصرة للنهي ويكره خارجهاتنزيهاوالالتفات بوجهه كله اوبعضه للنهي وببصره يكره تنزيها وبصدره تفسدكما مر وقيل قائله قاضي خان تفسدبتحويله والمعتمدلا واقعاؤه كالكلب للنهي وافتراش الرجل ذراعيه للنهي وصلوته الى وجه انسان ككراهة استقباله فالاستقبال لومن المصلي فالكراهة عليه والا فلعے المستقبل ولو بعيد اولا حائل وردالسلام بيده اوبرأسه كما مر

میلے کچیلے کپڑوں میں نماز ادا کرنا

میلے کچیلے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، جن کو کام کے وقت گھر پہنے رہتے ہیں، اور خدمت و محنت کے کام کے کپڑوں میں نماز اسوقت مکروہ تنزیہی ہے جبکہ دوسرے کپڑے موجود ہوں، اور اگر دوسرے کپڑے اسکے پاس نہ ہوں تو مکروہ نہیں ہے (خدمت و محنت کے کپڑوں سے وہ کپڑے مراد ہیں جن کو پہن کر دوسروں کے پاس نہ جاتا ہو) درہم اور اس جیسی چیز کا منہ میں نماز کی حالت میں ڈالنااگر وہ قرأت کے لئے مانع نہ ہو تو مکروہ ہے اور اگر وہ قرأت کیلئے مانع ہو یعنی انہیں منہ میں ڈال کر قرآن صحیح نہ پڑھ سکتا ہو، یا ایسے الفاظ نکلیں جو قرآن کے نہ ہوں تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے (قاضی خاں نے اس کراہت کو تنزیہی کہا ہے)

سرکھول کر نماز مکروہ ہے

سستی کیوجہ سے سرکھول کر نماز ادا کرنا مکروہ ہے اور اگر انکساری اور تذلل کیوجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر سرکھول کر نماز پڑھنے سے نماز کی اہانت مقصود ہو تو یہ کفر ہے (شامی نے نقل کیا ہے کہ گرمی کیوجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے)

نماز کی حالت میں نمازی کی سر سے ٹوپی گر جائے تو اسے اٹھا کر سر پر رکھ لینا افضل ہے (کہ یہ عمل قلیل ہے) لیکن اگر اس کو لپیٹنا پڑے یا اس کے اٹھانے میں عمل کثیر کی ضرورت پڑے تو گری ہوئی ٹوپی کا نماز کی حالت میں سر پر رکھنا افضل نہیں ہے)

پائخانہ پیشاب کے دباؤ کے وقت نماز

پائخانہ یا پیشاب کو دبا کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا ان میں سے کسی ایک کے دباؤ کے وقت بھی نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرح ریح کے دباؤ کے وقت، حدیث میں اس حالت کے اندر نماز سے منع کیا گیا ہے، پہلے ان سے فراغت کرے پھر وضو کر کے اطمینان سے نماز پڑھے۔

بالوں کا گوندھنا

اپنے بالوں کا جوڑا بنانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس کو روکنے سے روکا گیا ہے خواہ بالوں کو جمع کر کے ہو، خواہ اس کے کناروں کو اندر داخل کر کے ہو، یہ کراہت نماز کے باہر میں ہے لیکن اگر نماز کے اندر کوئی جوڑا باندھے یا اس کے کناروں کو جڑوں کی طرف سمیٹے تو اس سے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی عقص بالوں کے گوندھنے کو کہتے ہیں

یہاں یہ مراد ہے کہ بالوں کو سر پر جمع کر کے گوند سے چپکائے یا تاگے سے باندھے یا گوندھ کر اسے لپیٹے حدیث میں اس طرح کرنے سے روکا گیا ہے۔

سجدہ کی جگہ کا صاف کرنا نماز میں نمازی کے لئے سنگ ریزوں اور کنکر کا ہٹانا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، لیکن سجدہ میں وہ رکاوٹ ڈال رہا ہو تو ایک مرتبہ ہٹا دینے میں کراہت نہیں ہے تا کہ سجدہ پورے طور پر ادا ہو سکے، لیکن ایک مرتبہ کا بھی ترک کر دینا اولیٰ ہے (آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تو نماز میں ہو تو کنکروں کو مت ہٹا، لیکن اگر اس کا ہٹانا ضروری ہی ہو ایک مرتبہ ہٹا لے متن میں پورے سجدہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر بغیر کنکروں کے ہٹائے سجدہ ادا نہیں ہو سکتا ہو تو بہر حال اسکو ہٹانا درست ہو گا گو ایک مرتبہ سے زیادہ ہٹانا پڑے کذا فی الشافی)

انگلیوں کا چٹخانا اور مکروہ ہے انگلیوں کو چٹخانا اور ایک ہاتھ کی انگلیوں کا دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا، نماز میں تو یہ مکروہ ہے ہی اگر نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو یا نماز کے لئے جا رہا ہو تو بھی انگلیوں کو چٹخانا مکروہ ہے، اس لئے کہ حدیث میں اس سے روکا گیا ہے ہاں نماز سے باہر انگلیوں کے چٹخانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ اس کی ضرورت پڑتی ہے (ابن ماجہ میں حدیث آئی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تم نماز میں ہو تو انگلیاں نہ چٹخایا کرو اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب تم نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے ہو اور تیسری حدیث میں ہے جب تم نماز کے لئے جا رہے ہو، اور نماز سے باہر کی مراد یہ ہے کہ نہ وہ نماز پڑھ رہا ہو، نہ نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھا ہو اور نہ نماز کے لئے جاتا ہو)

کمر پر ہاتھ رکھنا نماز کے اندر ہاتھوں کا کمر پر رکھنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ اس سے روکا گیا ہے اور نماز سے باہر اس طرح کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح مکروہ تحریمی ہے کہ نمازی نماز کے اندر چہرہ کو اِدھر اُدھر پھیرے خواہ تھوڑا ہو یا پورے طور پر، اس لئے کہ حدیث میں اس سے بھی منع کیا گیا ہے (حدیث میں ہے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے سے بچو، اس لئے کہ یہ موجب ہلاکت ہے)

اِدھر اُدھر دیکھنا اور بغیر چہرہ پھیرے ہوئے نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ تنزیہی ہے اور بغیر عذر کے سینہ پھیر کے اِدھر اُدھر دیکھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، چنانچہ پہلے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے، اور قاضی خاں میں ہے کہ منہ کے پھیرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن قابل اعتماد قول یہ ہے کہ صرف منہ پھیرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مکروہ ہے۔

اُکڑو بیٹھنا نماز میں کتے کی طرح اکڑو بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ اس طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے، (اقعاء اکڑو بیٹھنے) کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ دونوں سرین پر بیٹھے اور دونوں رانوں کو کھڑا کر کے دونوں گھٹنے چھاتی سے لگائے اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھے اس نشست کو کتے کی طرح بیٹھنے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ اسی طرح بیٹھتا ہے اور کرخیؒ نے اکڑو بیٹھنے کی تشریح یہ کی ہے کہ دونوں پاؤں کو کھڑا کر کے ان کی ایڑیوں پر بیٹھے اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے، امام زیلعیؒ نے کہا کہ بیٹھنے کا یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے اس لئے کہ مکروہ تنزیہی ہے، مکروہ تحریمی نہیں ہے)

کلائیوں کا بچھانا نماز میں مرد کا اپنی دونوں کلائیوں کا بچھانا مکروہ ہے اس واسطے کہ حدیث میں اس سے روکا گیا ہے۔

آدمی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا کسی آدمی کے منہ کی طرف رخ کر کے نمازی کا نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جس طرح خود نمازی کی طرف رخ کرنا مکروہ ہے پس اگر نمازی کی طرف سے منہ کرنا ہوگا تو کراہت اس کے ذمہ آئے گی ورنہ اس شخص پر جو نمازی کی طرف اپنا رخ کر رہا ہے اگر وہ رخ کرنے والا دور ہو اس میں اور نمازی میں کوئی آڑ نہ ہو (رخ ہونے کی صورت میں یہ قید کہ درمیان میں کوئی آڑ نہ ہو، اس سے حاصل یہ ہے کہ اگر نمازی اور رخ کرنے والے کے درمیان کوئی آدمی حائل ہو جسکی پشت نمازی کی طرف ہو، یا کوئی دیوار وغیرہ ہو تو پھر مکروہ نہ ہوگا)

سلام کا جواب دینا نمازی کا کسی کے سلام کا جواب اپنے ہاتھ سے دینا یا سر کے اشارہ سے مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔

فروع بلابأس بتکلم المصلی واجابته برأسه کما لوطلب منه شئی لواری درهما وقیل اجید فا ومأبنعم اولا اوقیل کم صلیتم فاشار بیده انهم صلوا رکعتین اما لو قیل له تقدم فتقدم او دخل احد الصف فوسع له فورافسدت ذکره الحلبی وغیره خلافا لما مرعن البحر.

فروع۔ شارح کی طرف سے چند جزئیات کا اضافہ

اشارہ سے جواب نمازی کے سر کے اشارہ سے جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے نمازی سے کسی نے کوئی چیز مانگی یا اس کو روپیہ پیسہ دکھایا اور پوچھا کہ یہ کھرا ہے نمازی نے اشارہ سے ہاں یا نہیں کہا، یا نمازی سے دریافت کیا گیا کہ تم نے کتنی رکعتیں پڑھیں چنانچہ اس نے اسکے جواب میں اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیا کہ دو رکعتیں پڑھی ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (لاباس) مضائقہ نہیں (کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ یا سر کے اشارہ سے جواب دینا بہتر ہے، کذا فی الطحطاوی)

لیکن اگر کسی نے نمازی سے کہا کہ آگے بڑھ جاؤ، چنانچہ وہ آگے بڑھ گیا، یا کوئی شخص صف میں آ کر ملا اور نمازی نے فوراً اس کے لئے جگہ خالی کر دی تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی حلبی وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے، یہ اس قول کے خلاف ہے جو بحر الرائق سے پہلے نقل کیا گیا (بحر الرائق میں یہ ہے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے اور طحطاوی نے کہا کہ یہی فاسد نہ ہونے والا قول قابل اعتماد ہے اور فاسد ہونے والا قول کمزور ہے چنانچہ پہلے بھی اس کا کمزور ہونا گذر چکا ہے)

وَ کره التربع تنزیها لترك الجلسة المسنونة بغیرعذر ولایکره خارجها لانه علیه الصلوة والسلام کا ن جل جلوسه مع اصحابه التر بع وکذا عمر رضی الله تعالیٰ عنه والتثاوب ولوخارجها ذکره مسکین لانه من الشیطان والانبیاء محفوظون منه وتغمیض عینیةللنهی الا لکمال الخشوع وقیام الامام فی المحراب لاسجوده فیه وقد ماه خارجه لان العبرة للقدم مطلقاوان لم یشتبه حال الامام ان علل بالتشبیه وان بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه فی نفی الکراهة وانفراد الامام علی الدکان للنهی وقدرالارتفاع بذراع ولاباس بمادونه وقیل مایقع به الامتیاز وهو الاوجه ذکره الکمال وغیره وَ کره عکسه فی الاصح

وهذا كله عند عدم العذر كجمعة وعيد فلو قاموا على الرفرف والامام على الارض اوفى المحرام لضيق المكان لم يكره كما لو كان معه بعض القوم في الاصح وبه جرت العادة في جوامع المسلمين و من العذر ارادة التعليم اوالتبليغ كما بسط في البحر وقد منا كراهة القيام في صف خلف صف فيه فرجة للنهي وكذاالقيام منفرد او ان لم يجد فرجة بل يجذب احدا من الصف ذكره ابن الكمال لكن قالوا في زماننا تركه اولىٰ فلذاقال في البحر يكره وحده الا اذا لم يجد فرجة.

نماز میں چار زانو بیٹھنا نمازی کا نماز میں بلا عذر چار زانو بیٹھنا مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ اس نے مسنون بیٹھنے کا جو طریقہ تھا اسے چھوڑ دیا، البتہ نماز سے باہر چار زانو (آلتی پالتی مار کر) بیٹھنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ عموماً چار زانو بیٹھا کرتے تھے، اور حضرت عمرؓ کی بھی اسی طرح نشست ہوا کرتی تھی (شرح منیۃ المصلی میں ابن الحصام کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے، اس سے ان لوگوں کا رد بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ نماز سے باہر بھی چار زانو بیٹھنا مکروہ ہے)

جمائی لینا جمائی لینا مکروہ ہے گو نماز سے باہر ہو، اس کو ملا مسکین نے ذکر کیا ہے اس لئے کہ جمائی لینا شیطان کے تصرف سے ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس سے محفوظ ہوتے ہیں (حدیث میں آیا ہے کہ جمائی لینا شیطان کی جانب سے ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اسے اپنی کوشش بھر روکو اس سے معلوم ہوا کہ اگر خود بخود جمائی آئی ہے تو وہ مکروہ تنزیہی ہے، اور قصداً جمائی لے تو مکروہ تحریمی ہوگا۔

آنکھیں بند کرنا نماز میں اپنی آنکھوں کا بند کرنا مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ اس سے روکا گیا ہے، لیکن اگر خشوع کے پورے طور پر حاصل ہونے کے لئے آنکھیں بند کی ہیں تو مکروہ نہیں ہوگا (بدائع میں وجہ کراہت بیان کی ہے کہ سنت یہ ہے کہ نمازی اپنے سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھے اور آنکھوں کے بند کرنے سے یہ سنت ترک ہوتی ہے)

محراب میں کھڑا ہونا امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے البتہ محراب میں سجدہ کرنا مکروہ نہیں ہے اس طرح کہ اسکے دو پاؤں محراب سے باہر ہوں، اس لئے کہ اندر اور باہر ہونے میں قدم کا اعتبار ہوتا ہے، باقی محراب میں کھڑا ہونا مطلقاً مکروہ ہے خواہ امام کا حال مقتدیوں پر مشتبہ نہ ہو اور خواہ مسجد میں محراب ہو یا نہ ہو، اور مکروہ ہونے کی علت اگر اہل کتاب سے مشابہت کو قرار دی جائے اور یا امام کے مشتبہ ہونے کو کہا جائے اور محراب میں کھڑے ہونے سے کچھ اشتباہ نہ ہوتا ہو تو پھر مکروہ نہ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا (حاصل یہ ہے کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر نامی کتاب میں امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے اور اس کی تفصیل نہیں دی ہے، اس وجہ سے مشائخ نے اس کی علت میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق مختلف باتیں کہیں ہیں، بعضوں نے کہا کہ محراب ایک الگ حجرے کی طرح ہو جاتا ہے تو اس میں کھڑا ہونا اہل کتاب کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ بھی اپنے امام کیلئے جدا جگہ بناتے ہیں، ہدایہ میں بھی اسی سبب پر اکتفا کیا ہے اور امام سرخسیؒ کے یہاں بھی مختار قول یہی ہے اور بعض فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ اس طرح دائیں اور بائیں کے مقتدیوں پر امام کا حال مشتبہ رہے گا لہٰذا مکروہ

ہو گا، شارح لکھتے ہیں کہ کراہت کیوجہ اگر امام کے حال کا مشتبہ ہو جانا ہے تو جس صورت میں اسکا حال مشتبہ نہ ہو گا، کراہت نہیں ہوگی اور اگر کراہت کیوجہ اہل کتاب کی مشابہت ہے تو ہر صورت میں مکروہ ہو گا، امام کا حال مقتدیوں پر مشتبہ ہو یا نہ ہو کذا فی الشامی)

امام کا اونچی جگہ ہونا

امام کا دو کان پر کھڑا ہونا مکروہ ہے اس لئے کہ حدیث میں اس سے روکا گیا ہے اور دو کان کی بلندی کا اندازہ ایک ہاتھ کیا گیا ہے اگر امام کی جگہ ایک ہاتھ بلندی سے کم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور بلندی کے سلسلہ میں بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ جس سے امتیاز پیدا ہو جائے اور یہی قول زیادہ مضبوط ہے اس کو کمال الدین جیسے محقق نے ذکر کیا ہے، بدائع میں بھی امتیاز کو ظاہر الروایۃ قرار دیا گیا ہے اور حدیث کے مطابق بھی یہی قول ہے (طحطاوی نے کہا کہ (کتہ بفتح دال اور تشدید کاف اس اونچی جگہ کو کہتے ہیں جو بیٹھنے کے لئے بنائی جائے اور حدیث کا مقتضا یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہو کذا فی الشامی)

اس کے برعکس بھی مکروہ تنزیہی ہے کہ مقتدی ایک ہاتھ بلندی پر ہوں اور صرف امام نشیب میں صحیح تر قول میں ایسا ہی ہے، اس میں بظاہر امام کی حقارت معلوم ہوتی ہے اور طحطاوی میں ہے کہ یہ صورت مکروہ نہیں ہے کذا فی الشامی۔

ان تینوں مسائل میں کراہت اس وقت ہے جبکہ جمعہ اور عید کا عذر نہ ہو، ورنہ عید اور جمعہ کی بھیڑ اور جگہ کی تنگی کیوجہ سے ایسا ہو کہ مقتدی بالاخانوں پر کھڑے ہوں اور امام زمین پر یا محراب میں تو یہ مکروہ نہیں ہے، جیسے ایسا اس صورت میں مکروہ نہیں ہے جب امام کے ساتھ بعض مقتدی بھی ہوں، یعنی امام چبوترہ پر ہو اور کچھ مقتدی بھی اس کے ساتھ اس پر ہوں اور بقیہ مقتدی نیچے تو مکروہ نہیں ہو گا چنانچہ مسلمانوں میں جمعہ اور عید کے موقع پر ایسی عادت ہو گئی ہے، کہ اگر امام چبوترہ پر ہوتا ہے تو اس کیساتھ کچھ مقتدی بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور ان عذروں میں تعلیم یا تبلیغ کا عذر بھی معقول ہے کہ امام تنہا بلندی پر اس لئے کھڑا ہو کہ مقتدی اس کے افعال کو دیکھ کر سیکھیں یا مقتدی بلندی پر اس لئے کھڑا ہو کہ وہ بلند آواز سے تکبیر کہے تاکہ تمام صفوں تک اس کی آواز پہنچ سکے ایسی صورت ہو تو اس کا بلند جگہ پر ہونا مکروہ نہیں ہو گا، اور اگر اس طرح کا عذر نہیں ہے تو ایک مقتدی کا تنہا بلند کھڑا ہونا مکروہ ہو گا کذا فی الشامی۔

اگلی صف میں جگہ کے باوجود پچھلی صف میں ہونا

اور ہم باب الامامت میں پہلے ذکر کر چکے ہیں ایسی صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے جس میں کھڑے ہونے کی گنجائش ہو، اسلئے کہ اس طرح کرنے سے روکا گیا ہے، اسی طرح صف کے پیچھے تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے گو اس کے لئے اگلی صف میں کھڑے ہونے کی گنجائش نہ ہو، ایسی صورت میں اس کو چاہئے کہ اپنے سامنے سے اگلی صف کے ایک آدمی کو کھینچ لے، اس کو ابن کمال نے ذکر کیا ہے، لیکن صاحب قنیہ وغیرہ نے کہا کہ موجودہ دور میں اگلی صف سے نہ کھینچنا ہی بہتر ہے اس لئے کہ لوگ مسائل سے پورے طور پر واقف نہیں ہوتے ہیں اسی وجہ سے بحر الرائق میں یہ عبارت ہے یکرہ وحدہ الا اذا لم یجد فرجۃ یعنی تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے مگر اس وقت مکروہ نہیں ہے جب صف میں کوئی جگہ نہ ملے۔

ولبس ثوب فیه تماثیل ذی روح وان یکون فوق راسه وبین یدیه اوبحذائه یمنة اویسرة اومحل سجوده تمثال ولوفی وسادة منصوبة لا مفروشة واختلف فیما اذا کان التمثال خلفه والاظهر الکراهة ولا یکره لو کانت تحت قدمیه اومحل جلوسه لانها مهانة

اوفی یدہ عبارۃ الشمنی بدنہ لانھا مستورۃ بثیابہ اوعلی خاتمہ بنقش غیر مستبیر قال فی البحرومفادہ کراھۃالمستبین لا المستتربکیس اوصرۃ اوثوبٍ آخرواقرہ المصنف اوکانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائھا الناظر قائما وھی علی الارض ذکرہ الحلبی اَوْ مقطوعۃ الرأس اوالوجہ او ممحوۃ عضو لا تعیش بدونہ اولغیرذی روح.لا یکرہ لانھا لا تعبدو خبرجبریل مخصوص بغیرالمھانۃ کما بسطہ ابن الکمال واختلف المحدثون فی امتناء ملائکۃ الرحمۃ بما علی النقدین فنفاہ عیاض واثبتہ النووی ویکرہ تنزیھا عدالای والسوروالتسبیح بالیدفی الصلوۃ مطلقاولونفلا اما خارجھا فلایکرہ کعدہ بقلبہ او بغمزہ انامله و علیہ یحمل ما جاء من صلوۃ السبیح.

تصویر والا کپڑا

نماز کے لئے اس کپڑے کا پہننا مکروہ ہے جس میں جاندار کی تصویریں ہوں اور تصویر کا نمازی کے سر کے اوپر ہونا سامنے ہونا سجدہ کی جگہ میں ہونا اور دائیں بائیں ہونا بھی مکروہ ہے، اگرچہ وہ تصویر ایسے تکیہ اور گدے میں ہو جو کھڑا رہتا ہو، بچھا ہوا نہ ہو، (تمثال صرف جاندار کی صورت کو کہتے ہیں اور تصویر کا لفظ عام ہے جاندار اور غیر جاندار دونوں کی تصویر پر بولا جاتا ہے، جاندار کی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے ہیں جس میں کتا یا تصویر ہو)

تصویر کا ہونا

اس صورت میں اختلاف ہے جب جاندار کی تصویر نمازی کے پیچھے ہو، مگر ظاہر یہ ہے کہ وہاں بھی مکروہ ہے (اس لئے کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر نامی کتاب میں اس کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے، جو ان کی آخری تالیف ہے) ہاں اگر جاندار کی تصویر نمازی کے پاؤں کے نیچے ہو یا بیٹھنے کی جگہ میں دبی ہوئی ہو تو مکروہ نہیں ہے اسلئے کہ اس صورت میں تصویر ذلت کی حالت میں رہتی ہے، یا تصویر ہاتھ کے اندر ہو تب بھی مکروہ نہیں ہے، کیونکہ وہ نمازی کے کپڑوں میں پوشیدہ رہتی ہے، شارح نے بتایا کہ شمنی کی عبارت میں "فی یدہ" کی جگہ "فی بدنہ" ہے یعنی خود نمازی کے بدن میں تصویر کا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

تصویر کے اس کے ہاتھ میں ہونے سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ وہ پھر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر کیسے رکھے گا جو سنت ہے اور سنت کا چھوڑنا مکروہ ہے، پھر مکروہ نہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے، ہاں اگر ہاتھ میں گدی ہوئی ہو تو ہو سکتا ہے۔

انگوٹھی پر تصویر ہونا

یا تصویر نمازی کی انگوٹھی پر ہو مگر وہ ظاہر نہ ہو مٹی مٹی سی ہو تو بھی مکروہ نہیں، بحر الرائق میں کہا ہے کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر تصویر انگوٹھی پر صاف ظاہر ہے تو مکروہ ہوگا، وہ تصویر بھی مکروہ نہیں ہے جو تھیلی یا بٹوے پر یا دوسرے کپڑے میں چھپی ہوئی ہو یا تصویر اس قدر چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کو اس کے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آتی ہو، جب وہ کھڑا ہو، اور تصویر زمین پر ہو، یا تصویر ایسی ہو جس کا سر یا چہرہ کٹا ہوا ہو یا اس تصویر کا ایسا عضو مٹا ہوا ہو کہ جس کے بغیر آدمی زندہ نہیں رہتا ہے یا وہ تصویر کسی بے جان کی ہو، یہ مکروہ نہیں ہیں کیونکہ اس طرح کی تصویروں کی پوجا نہیں کی جاتی ہے (شامی نے صراحت کی ہے کہ سر کٹا ہوا ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس تصویر کا سر مٹا دیا گیا ہو یا وہ حصہ کاٹ دیا گیا ہو، یا بنانے والے نے بنایا ہی نہ ہو، یا بنا کر روشنائی پھیر کر ختم کر دیا گیا ہو یا کھرچ ڈالا ہو، ان صورتوں میں کراہت ختم ہو جائے گی)

حدیث جبرئیل

حضرت جبرئیل علیہ السلام والی حدیث اس تصویر کے باب میں مخصوص ہے جو ذلیل نہ ہو چنانچہ ابن الکمال نے اس کو شرح وبسط سے بیان کیا ہے، (یہ دراصل ایک مقدر سوال کا جواب ہے سوال کی تقریر یہ ہے کہ اگر تصویر کے مکروہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تصویر ہوتی ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، چنانچہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے آنے کا وعدہ فرمایا تھا، جب وقت مقرر پر تشریف نہیں لائے تو آپ نے فرمایا کہ وعدہ کے خلاف تو نہیں کر سکتے تھے پھر دیکھا تو چارپائی کے نیچے کتا کا بچہ نظر آیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ یہ کب آگیا، انہوں نے عرض کیا مجھے خبر نہیں، چنانچہ وہ کتے کا پلاّ نکالا گیا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ کتے کے بچے کی وجہ سے گھر میں نہیں آسکے اس لئے کہ جہاں کتا اور تصویر ہوتی ہے وہاں نہیں جاتے،

اس حدیث کی بنیاد پر سوال یہ ہے کہ تصویر ذلیل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں کراہت ہونی چاہئے اس لئے کہ حدیث میں کوئی قید نہیں ہے اور اگر تصویر میں کراہت عبادت کی مشابہت کی وجہ سے ہے، تو تصویر سر پر یا سامنے ہو تب مکروہ ہونی چاہئے دائیں بائیں ہونے میں کراہت نہیں ہونی چاہئے۔

شارح کے جواب کا حاصل یہ ہے جہاں تصویر کی کراہت مذکور ہے اس سے مراد وہی تصویر ہے جو ذلیل نہ ہو، کیونکہ نسائی اور ابن حبان میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دروازے پر آکر رک گئے اور بتایا کہ پردہ پر جو تصویر ہے وہ مانع ہے اگر اس کو رکھنا ہی ہو تو تصویر کے سر کاٹ ڈالیں یا ان کے گدے اور بچھونے بنوالیں کذا فی الشامی۔

محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ روپیہ پیسے پر تصویر ہوتے ہوئے رحمت کے فرشتے نہیں آتے ہیں یا آتے ہیں، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ چھوٹی تصویر فرشتوں کی آمد کیلئے مانع نہیں ہے اور نوویؒ نے کہا کہ اس کے ہوتے ہوئے فرشتے نہیں آتے۔

(شامی نے لکھا ہے کہ قاضی عیاضؒ کا قول علماء حنفی کے مطابق ہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے گھر میں چھوٹی تصویر رکھنا مکروہ نہیں ہے یعنی جو تصویر اسقدر چھوٹی ہو کہ اس سے نماز مکروہ نہیں ہوتی ہے تو ایسی تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ نہیں ہوگا اور جو نماز میں کراہت پیدا کرتی ہے اسکا رکھنا بھی مکروہ ہے باقی تصویر بنانا خواہ چھوٹی ہو یا بڑی دونوں کا بنانا حرام ہے)

نماز میں آیتوں کا شمار

نماز میں آیتوں، سورتوں اور سبحان اللہ کہنے کی تعداد کا گننا مکروہ تنزیہی ہے خواہ نماز نفل ہی کیوں نہ ہو، البتہ نماز سے باہر شمار کرنے میں کراہت نہیں ہے، جیسے نمازی کا دل میں شمار کرنا مکروہ نہیں اور اسی طرح انگلی کے پوروں پر اور صلوۃ التسبیح میں جو گننے کی بات آئی ہے اس میں بھی مراد دل میں گننا ہے یا انگلی کے پوروں پر۔

فروع لاباس بانخاذ المسبحة بغير رياء كمابسط فى البحر

فروع۔ شارح کے اضافہ کردہ مسائل

تسبیح رکھنا

تسبیح کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بشرطیکہ مقصد ریاکاری نہ ہو، جیسا کہ بحر الرائق میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (یہ لفظ مسبحہ ہے یا سبحہ اس کے معنی یہاں تسبیح کے ہیں، جو ایک تاگے میں پروئے ہوئے دانے ہوتے ہیں اور تسبیح کے رکھنے کی دلیل یہ حدیث ہے جو ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے کہ میں

آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک عورت کے پاس گیا اس کے پاس (سامنے) کچھ گٹھلیاں یا کنکریاں رکھی ہوئی تھیں جن پر وہ وظیفہ پڑھتی تھیں آپ نے دیکھ کر فرمایا میں تجھکو اس سے زیادہ آسان اور افضل بتائے دیتا ہوں تم اس طرح پڑھا کرو۔

سُبْحَانَ اللّٰه عَدَدَمَاخلق فِي السَّمَاءِ سُبْحَانَ اللّٰه عَدَدَمَافِي الارْضِ وسُبْحَانَ اللّٰه عَدَدَمَابَيْنَ ذَالِكَ وسُبْحَان اللّٰه عدَدَ ماهُوَالْخَالِقُ وَالْحَمْدُ لله مثلُ ذَالِكَ وَاللّٰه اكبرمثل ذالك ولا اله الا الله مثل ذالك ولاحول ولاقوة الابالله مثل ذالك یعنی جس طرح سبحان الله کاورد ماہو الخالق تک ہے اسی طرح الحمد لله الله اکبر لا اله الا الله اور لا حول ولا قوة الا بالله کو بھی پڑھا کرو، مثلاً الحمدلله عدد ماخلق في السماء الحمد لله عدد مافي الارض الحمد لله عدد مابين ذالك الحمد لله عدد ماهو الخالق اسی طرح اور بھی۔

اس حدیث میں گٹھلیوں یا کنکریوں پر شمار کرنے سے آپ نے منع نہیں کیا بلکہ آسان تر طریقہ بتایا، تسبیح میں ان گٹھلیوں کو یکجا پرو لیتے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے، پھر تسبیح کا رکھنا صوفیاء میں بہت پہلے سے رائج ہے، البتہ اگر مقصد نام و نمود ہو تو مکروہ ہے کذا فی الشامی)

لايكره قتل حية اوعقرب ان خاف الاذىٰ ذالامر للاباحة لانه منفعة لنافالاولى ترك الحية البيضاء لخوف الاذىٰ مطلقا ولو بعمل كثيرعلى الاظهر لكن صحح الحلبى الفساد ولايكره صلوةالى ظهرقاعد اوقائم ولويتحدث الا ذاخيف الغلط بحديثه ولاالى مصحف اوسيف مطلقااوشمع وسراج اونارتوقد لان المجوس انما تعبد الجمرلاالنارالموقدة قنية اوعلى بساط فيه تماثيل ان لم يسجد عليهالمامرفروع يكره اشتمال الصماء والاعتجاروالتلثم والتنخم وكل عمل قليل بلا عذركتعرض لقملة قبل الاذىٰ وترك كل سنة او مستحب وحمل الطفل و ماورد نسخ بحديث ان فى الصلوة لشغلا

سانپ بچھو کا نماز میں مار ڈالنا

نمازی کو اگر تکلیف کا خوف ہو تو اس کیلئے سانپ اور بچھو کا قتل کرنا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ حکم اباحت ہی کیوجہ سے ہے، اس لئے کہ اس میں ہمارے لئے نفع ہے لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ سفید سانپ کو چھوڑ دے نہ مارے تاکہ اذیت میں مبتلا نہ ہونے پائیں (حدیث میں ہے کہ دو سیاہ چیزوں سانپ اور بچھو) کو قتل کر ڈالو۔ یہاں اعتراض یہ ہو رہا تھا کہ جب مارنیکا حکم ہے تو مارنا مستحب ہونا چاہئے تھا اور متن میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ مکروہ نہیں ہے یعنی کراہت کی نفی کی گئی ہے۔ شارح کی طرف سے جواب یہ ہے کہ امر یہاں اباحت کیلئے آیا ہے یعنی اگر مار دالیگا تو اسے کوئی گناہ نہیں ہوگا بلکہ بہتر ہے اور اگر نہ مارے تو وہ گنہگار بھی نہیں، تو اس میں نمازی کا فائدہ ہے اور سفید سانپ کو نہ مارنے کیوجہ یہ ہے کہ حدیث میں اس کو جن کہا گیا ہے لہٰذا جنات و آسیب سے محفوظ رہنے کے لئے اس کا نہ مارنا ہی اولیٰ ہوگا مارنے میں نقصان کا خطرہ ہے اور نہایہ میں ہے کہ جب ایذاء کا خطرہ نہ ہو تو پھر سانپ بچھو کا نماز میں مارنا مکروہ ہے۔

ایذا کے خوف کے وقت مارنے میں قطعاً کراہت نہیں ہے چاہے عمل کثیر کا مرتکب ہونا پڑے لیکن حلبی نے اس کی تصحیح کی ہے کہ نماز میں عمل کثیر سے ان کو مارنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

انسان کی پشت کی طرف نماز

بیٹھے یا کھڑے ہوئے انسان کی پشت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں اگر چہ وہ باتیں کر رہا ہو، لیکن اگر اس کی باتوں کیوجہ سے بہک جانے کا خوف ہو تو بے شک مکروہ ہے۔

قرآن وغیرہ کی طرف نماز

قرآن رکھا ہو، اس کی طرف یا لٹکی ہوئی یا رکھی ہوئی تلوار کی طرف یا موم بتی کی طرف یا آگ کی طرف جو روشن ہو رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ مجوسی انگارے کی عبادت کرتے ہیں روشن آگ کی نہیں کرتے کذا فی القنیہ اس سے معلوم ہوا کہ انگارے کی طرف نماز ادا کرے گا تو اس سے کراہت آجائے گی۔

اس فرش پر بھی نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے جس پر تصویریں ہوں بشرطیکہ تصویروں پر سجدہ نہ کرنا پڑے اس کی وجہ پہلے گذر چکی کہ فرش پر تصویر اس کی ذلت کی طرف اشارہ ہے۔

چادر وغیرہ لپیٹنا

چادر کو سر سے پیر تک اس طرح لپیٹنا کہ کہیں ہاتھ باہر نہ نکل سکے نماز میں مکروہ ہے اسی طرح پگڑی یا دوپٹہ کا سر پر اس طرح لپیٹ کر نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ سر کا درمیانی حصہ کھلا رہے کراہت کیوجہ یہ ہے کہ حدیث میں اس سے روکا گیا ہے اور منہ پر اس طرح کپڑا لپیٹنا کہ ناک اور منہ چھپ جائے مکروہ ہے کہ آتش پرست آگ کی عبادت کیوقت اسی طرح کرتے ہیں اور سانس پر زور دیکر رینٹھ نکالنا بھی نماز میں مکروہ ہے (طحطاوی نے ابوالسعود سے نقل کیا ہے کہ منہ پر ڈھاٹے باندھنا یعنی کپڑا لپیٹنا مکروہ تحریمی ہے اور خرخر کر کے رینٹھ نکالنے کا حکم وہی ہے جو کھنکھارنے کا ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی) بلا عذر ہر عمل قلیل مکروہ تنزیہی ہے جیسے کاٹنے سے پہلے جوں کا مار ڈالنا۔

سنت و مستحب کا چھوڑنا

ہر سنت اور مستحب کا چھوڑنا مکروہ تنزیہی ہے (شامی نے کہا کہ اگر وہ سنت مؤکدہ ہو تو عجب نہیں کہ اس کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہو، اور بغیر ضرورت بچہ کو نماز میں اٹھالینا مکروہ ہے اور حدیث میں جو اسطرح کا واقعہ کہیں آیا ہے تو وہ دوسری حدیث سے منسوخ ہے جس حدیث میں صراحت ہے ان فی الصلوٰۃ شغلا بے شک نماز ایک مشغولی ہے جو دوسری باتوں کیلئے مانع ہے (منسوخ کا ذکر کر کے جو سوال ہوتا تھا اسکا جواب دیا ہے صحیحین کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز میں اپنی چھوٹی نواسی امامہ کو اٹھالیا کرتے تھے اور جب سجدہ کرتے تو اتار دیا کرتے تھے، اس کا جواب دیا کہ پہلے اس کی ابتداء اسلام میں اجازت تھی بعد میں باقی نہیں رہی، نماز میں دوسرے کاموں سے قطعاروک دیا گیا۔

ویباح قطعها لنحوقتل حية وندّابة وفورقدروضياع ماقيمته درهم له اولغيره ويستحب لمدافعة الاخبثين وللخروج من الخلاف ان لم يخف فوت وقت او جماعة ويجب لا غاثة ملهوف وغريق وحريق لا لنداء احد ابويه بلااستغاثة الا فى النفل فان علم انه يصلى لاباس ان لا يحبيه و ان لم يعلم اجابة.

نیت کا توڑنا کہاں مباح ہے

نمازی کا نماز کی نیت کو بعض موقع پر توڑنا مباح ہے اگر چہ وہ نماز فرض ہو مثلاً سانپ کا قتل کرنا، سواری کا بھاگ جانا، ہانڈی کا ابلنا اور ایسی چیز کا ضائع ہونا جس کی قیمت

ایک درہم ہو، خواہ وہ چیز نمازی کی ہو یا کسی دوسرے کی (اسی طرح اگر خطرہ ہو کہ بھیڑیا بکری کو اٹھائے جائے گا تو یہ درست ہے نماز چھوڑ کر بھیڑیئے کو بھگائے)

نمازی کا پیشاب پائخانہ کے دباؤ کے وقت نماز کی نیت کا توڑنا مستحب ہے اسی طرح اختلاف سے نکلنے کے واسطے بھی، مگر شرط یہ ہے کہ جماعت یا وقت کے نکل جانے کا خوف نہ ہو (پہلے گذر چکا ہے کہ پیشاب پائخانہ کے دباؤ کے وقت نماز مکروہ تحریمی ہے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان حالات میں نماز کی نیت توڑنا واجب کہنا چاہئے تھا اگرچہ جماعت چھوٹ جائے، اور اختلاف سے نکلنے کی صورت یہ ہے کہ مثلاً نماز میں کسی اجنبی عورت کو چھو دیا تو اس وقت مستحب ہے کہ نماز کو توڑ دے اس لئے کہ اس صورت میں امام شافعی کے نزدیک نماز نہیں ہوتی ہے، فریاد کرنے والے ڈوبنے والے اور جلنے والے کی مدد کے لئے نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہوتا ہے۔ طحطاوی لکھتے ہیں کہ بظاہر ایسے وقت نماز چھوڑنا فرض ہونا چاہئے اسی طرح جب کسی اندھے کو کنویں میں گرتے دیکھ رہا ہو)

ماں یا باپ پکارے تو فرض نماز کا توڑنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ فریاد نہ کرے، البتہ نفل نماز صرف ماں باپ کے پکارنے پر ہی توڑ دے گا، اس لئے کہ اس حالت میں جواب دینا واجب ہے البتہ اگر ماں باپ کو معلوم ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس صورت میں جواب نہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر ان کو اس کا نماز پڑھنا معلوم نہ ہو تو اسکو جواب دینا چاہئے (ماں باپ سے یہاں اصول مراد ہیں اس میں دادا دادی، نانا نانی بھی داخل ہیں لہذا ان کے پکارنے کا بھی وہی حکم ہوگا جو ذکر کیا گیا)

ویکرہ تحریما استقبال القبلة بالفرج ولو فی الخلاء بالمدبیت التغوط وکذا استدبارهافی الاصح کماکره لبالغ امساك صبی لیبول نحوهاوکما کره مدرجلیه فی نوم اوغیره الیها ای عمد الانه اساء ة ادب قاله ملا باکیراوالی مصحف اوشئی من الکتب الشرعیة الاان یکون علی موضع مرتفع عن المحاذاة فلا یکره قاله الکمال وکما کره غلق باب المسجد الا لخوف علی متاعه به یفتی.

توابع نماز کی مکروہات

یہاں تک تو نماز کے اندر کے مکروہات کا بیان تھا، اب ان مکروہات کا بیان شروع ہو رہا ہے جو نماز کے باہر کے ہیں مگر ان کے توابع میں داخل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

پیشاب پائخانہ کرتے وقت شرمگاہ کا رخ قبلہ کی طرف کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر پائخانہ کی چہار دیواری کے اندر ہو، اسی طرح قبلہ کی طرف ان حالات میں پیٹھ کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے صحیح تر قول یہی ہے شارح نے بتایا کہ خلاء مد کے ساتھ ہے پائخانہ کے مکان کو کہتے ہیں (حدیث نبوی ہے کہ جب تم پائخانہ پیشاب کرو تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو اور نہ پیٹھ بلکہ اس کو دائیں یا بائیں کرو۔ یہ حکم مرد یا عورت دونوں کیلئے ہے اور یہ کراہت پیشاب و پائخانہ کرتے وقت ہے پانی سے آب دست لیتے وقت کراہت تحریمی نہیں ہے اور سمت میں عضو کا لحاظ ہوتا ہے۔ سینہ کا لحاظ نہیں ہوتا)

جس طرح بالغ کیلئے مکروہ تحریمی ہے کہ وہ بچہ کو قبلہ رخ پیشاب کرائے (اس لئے کہ جو بالغ ہونے کے بعد بچہ کے لئے حرام) ہے بالغ کا نابالغ کے ساتھ حالت نابالغی میں وہ فعل کرانا بھی حرام ہے جیسے زیور یا ریشم مرد کو پہننا حرام ہے لہذا اگر کوئی

بالغ آدمی نابالغ کو زیور یا ریشم پہنائے گا تو اس کا یہ فعل بھی حرام ہوگا کذا فی الشامی) اسی طرح سونے وغیرہ میں قصداً قبلہ کی طرف پاؤں کرنا مکروہ ہے (اس لئے کہ اس میں بے ادبی ہے اس کو ملا باکیر نے بیان کیا ہے) (طحطاوی نے کہا کہ عمداً کا مطلب یہ ہے کہ بغیر کسی عذر اور بغیر کسی سہو نسیان کے پھیلائے لہٰذا اگر بھول کر یا عذر کیوجہ سے پھیلائے گا تو مکروہ نہیں ہوگا، اس حکم میں بالغ اور سمجھدار لڑکا دونوں برابر ہے)

پاؤں پھیلانا قرآن مجید یا کسی شرعی کتاب حدیث تفسیر اور فقہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے البتہ اگر یہ کتابیں اونچی جگہ پر ہوں تو پاؤں پھیلانا مکروہ نہ ہوگا اس کے قائل کمال الدین محقق ہیں (شامی نے کہا کہ اگر کتاب بہت دور رکھی ہو تب بھی اس طرح پاؤں پھیلانا مکروہ نہ ہوگا)

مسجد کا دروازہ بند کرنا جس طرح مسجد کے دروازہ پر تالا ڈالنا مکروہ ہے لیکن اگر نماز کے بعد سامان کی حفاظت کی غرض سے تالا ڈال دیا جائے تو مکروہ نہیں ہوگا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے (مسجد کے دروازہ پر تالا لگانے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ بظاہر نمازیوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا معلوم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ (اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ظالم نہیں ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کی یاد سے منع کرے) اس وجہ سے اوقات نماز میں بند کرنا مکروہ ہوگا چاہے سامان کے ضائع ہونے کے خوف ہی سے کیوں نہ ہو)

وَکرہ تحریما الوطئی فوقه والبول والتغوط لانه مسجد الی عنان السماء واتخاذه طریقابغیرعذر وصرح فی القنیة بفسقه باعتیاده وادخال نجاسة فیه وعلیه فلایجوز الاستصباح بدهن نجس فیه ولا تطیینه بنجس ولاالبول والفصد فیه ولو کان فی اناء ویحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم والا فیکره وینبغی لداخله تعاهد نعله وخفه وصلوته فیهما افضل لاَ یکره ماذکر فوق بیت جعل فیه مسجد بل ولا فیه لانه لیس بمسجد شرعا واما المتخذلصلوة جنازة اوعید فهو مسجدفی حق جوازالاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافی حق غیره به یفتیٰ نهایة فحل دخوله لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حیاض واسواق لاقوارع.

مسائل مساجد مسجد کی چھت پر بیوی سے صحبت کرنا، پیشاب یا پاخانہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ مسجد زمین کے نیچے سے لیکر آسمان کی بلندی تک مسجد ہی کے حکم میں ہے بلا عذر مسجد کو گذرگاہ بنانا بھی مکروہ ہے اور قنیہ نامی کتاب میں صراحت کی ہے کہ مسجد سے گذرنے کی عادت بنالینا آدمی کے فاسق ہونے کے لئے کافی ہے، مسجد میں نجاست کا لیجانا مکروہ ہے، اور اسی پر یہ مسئلے نکلے ہیں کہ مسجد میں ناپاک تیل کا چراغ جلانا جائز نہیں ہے، اور نہ مسجد کی لیپائی نجس مٹی سے جائز ہے اور نہ مسجد میں پیشاب کرنا جائز ہے اور نہ فصد کھلوانا، اگرچہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں پیشاب کرے یا خون لیا جائے یہ بھی درست نہیں ہے (عالمگیری میں ہے کہ جس آدمی کے بدن میں نجاست لگی ہو اس کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے، اور جس گارے میں ناپاک پانی پڑا ہو اس سے مسجد کا لیپنا مکروہ ہے)

مسجد میں بچے اور پاگل کا لیجانا

لڑکوں اور پاگلوں کا مسجد میں داخل کرنا اس وقت حرام ہے جبکہ گمان غالب ہو کہ یہ مسجد کو ناپاک کردیں گے اور اگر گمان غالب نہ ہو تو اندر لیجانا مکروہ ہے (شامی نے کہا کہ یہاں حرام سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور لڑکوں اور پاگلوں کو مسجد کے اندر لیجانے سے روکنے کی وجہ حدیث مرفوع ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لڑکوں، پاگلوں خرید و فروخت اور شور و غل کرنے، تلوار سونتنے اور حدود کے قائم کرنے سے منع فرمایا ہے اور جمعہ کے دن معطر کرنے کا حکم دیا ہے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مسجد کے ناپاک ہونے کا گمان غالب نہ ہو تب بھی لڑکوں کا مسجد میں لیجانا مکروہ تنزیہی ہے کہ ان کو پیشاب پائخانہ کا کوئی شعور نہیں ہوتا)

مسجد کے آداب

مسجد میں جو لوگ داخل ہوں ان کو چاہئے کہ اپنے موزوں اور جوتوں کو دیکھ بھال لیا کریں کہ ان میں کہیں نجاست لگی ہوئی نہ ہو، یوں اگر موزے اور جوتے پاک وصاف ہوں تو ان میں نماز پڑھنا افضل ہے (اور افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ یہودی جوتے پہن کر نماز پڑھنے کو برا جانتے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہود کی مشابہت نہ کرو اور جوتے جب پاک وصاف ہوں اور ان میں نماز پڑھو لیکن شامی نے لکھا ہے کہ اس دور میں چونکہ جوتے کی پاکی کا دھیان بالکل باقی نہ رہا اس لئے عرف عام کی وجہ سے آج کل مسجد میں جوتے پہن کر جانا بے ادبی میں داخل ہے کہ اس سے مسجد کے فرش کے آلودۂ نجاست ہونے کا خدشہ رہتا ہے اور عہد نبویؐ میں یہ اندیشہ نہیں تھا)

البتہ جس گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ بنائی گئی ہو، اس کی چھت پر جماع کرنا اور پیشاب و پائخانہ مکروہ نہیں ہوگا، بلکہ خود اس گھر میں بھی بلکہ اس جگہ میں بھی یہ چیزیں مکروہ نہیں ہوں گی، اس لئے کہ وہ گھر اور جگہ شرعاً مسجد نہیں ہے، البتہ احتیاط رکھی جائے کہ وہ جگہ ناپاک نہ ہونے پائے۔

جنازہ کی جگہ اور عید گاہ کا حکم

وہ جگہ جو نماز جنازہ اور نماز عید کے لئے بنائی گئی ہے وہ صرف اقتداء کے جائز ہونے کے اندر مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ اس کی صفوں میں دوری واقع ہو، یہ لوگوں پر آسانی کے لئے کیا گیا ہے، اقتداء کے سوا اور کسی حکم میں مسجد نہیں ہے، اسی پر فتویٰ بھی ہے کذا فی النہایہ (گویہ جگہ مسجد نہیں ہے مگر چونکہ ایک خاص کام کے لئے ہے اور وہ نماز ہی ہے اس لئے اسے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے) مگر اس عید گاہ اور جنازہ پڑھنے والی جگہ میں جنبی اور حائضہ کا داخل ہونا جائز ہوگا جس طرح انکے لئے فناء مسجد، خانقاہ مدرسہ اور حوضوں، بازاروں کی مسجدوں میں جانا جائز ہے، شارح عام کی مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے (فناء مسجد وہ جگہ جو مسجد سے بالکل ملی ہوئی ہو اور اس جگہ اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ نہ ہو، اور حوض کی مسجد سے وہ چبوترہ مراد ہے جو حوض کے کنارے وضو کے بعد تحیۃ الوضو کی نماز کے لئے بنادیا جاتا تھا کہ جو کوئی وضو کرے وہاں دو رکعت پڑھ لے، اور بازار کی مسجد سے وہ چبوترہ مراد ہے جو سرائے وغیرہ میں نماز کے لئے تاجر بنالیا کرتے تھے، ماحصل یہ ہے کہ ان جگہوں کو مسجد کا درجہ حاصل نہیں ہے، باقی جو مسجد سڑک کے کنارے ہوتی ہے وہ حقیقتاً مسجد ہے اگر اس میں امام و مؤذن مقرر نہ ہوں کذا فی الشامی)

ولاباس بنقشه خلامحرابه فانه يكره لانه يلهى المصلى ويكره التكلف بدقائق النقوش ونحوها خصوصا فى جدار القبلة قاله الحلبى وفى حظر المجتبىٰ وقيل يكره فى

المحراب دون السقف والمؤخرانتهى وظاهره ان المراد بالمحراب جدار القبلة فليحفظ بجص وماء ذهب لوبماله الحلال لامن مال الوقف فانه حرام وضمن متوليه لوفعل النقش اوالبياض الا اذا خيف طمع الظلمة فلابأس به كافي والا اذا كان لا حكام البناء او الواقف فعل مثله لقولهم انه يعمرالوقف كما كان و تمامه في البحر.

مسجد میں نقش و نگار محراب والے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ مسجد میں نقش و نگار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے محراب میں نقش و نگار مکروہ ہے اس لئے کہ اس کا نقش و نگار نمازی کو غافل کر سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے دھیان بٹ سکتا ہے لیکن مسجد میں باریک اور خوشنما نقش و نگار وغیرہ مکروہ ہے خصوصیت سے قبلہ والی دیوار میں، اس کو سبھی نے بیان کیا ہے، اور مجتبیٰ نامی کتاب کے باب الحظر والاباحۃ میں مذکور ہے کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ محراب میں نقش و نگار وغیرہ مکروہ ہے چھت اور پچھلی دیوار میں مکروہ نہیں ہے انتہی اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ محراب سے مراد فقہ کی کتابوں میں قبلہ والی دیوار کا اندرونی حصہ مراد ہے جو نمازیوں کے بالکل سامنے ہوتا ہے اسے یادرکھنا چاہیے۔

اگر کوئی اپنے حلال مال سے مسجد کو چونے اور سونے کے پانی سے منقش کرے، اس میں وقف کا مال خرچ نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، ہاں وقف سے نقش و نگار یا سونے کا پانی چڑھانا حرام ہے اور متولی اس کا ذمہ دار قرار پائے گا ہاں اگر وقف کا مال بہت سا ہو اور خطرہ ہو کہ ظالم اسکو چھین لیں گے تو اس وقت اس پیسے سے نقش و نگار کرا دینا اور بیل بوٹے میں لگا دینا مباح ہوگا۔ البتہ متولی نقش و نگار کا اس وقت ضامن نہیں ہوگا جب وہ نقش مسجد کی مضبوطی کی نیت سے کرے یا خود وقف کرنے والے نے ایسا کیا ہو، اس لئے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ وقف کی تعمیر اس طرح کی جائے جیسے پہلے تھی اور اس کی پوری تفصیل بحرالرائق میں ہے (مال حلال کی قید اس لئے لگائی کہ مال حرام سے مسجد کا نقش نگار و مکروہ تحریمی ہے اور مسجد سے مسجد کا اندرونی حصہ مراد ہے)

فروع افضل المساجد مكة ثم المدينة ثم القدس ثم قبا ثم الاقدم ثم الاعظم ثم الاقرب ومسجد استاذه لدرسه اولسماع الاخبار افضل اتفاقا ومسجد حيه افضل من الجامع والصحيح ان ما الحق بمسجد المدينة ملحق به في الفضيلة نعم تحرى الاول اولى وهو مائة في مائة ذراع ذكره ملا على في شرح لباب المناسك ويحرم فيه السؤال ويكره الاعطاء وقيل ان تخطى وانشاد ضالة وشعر الامافيه ذكر ورفع صوت بذكر الا لمتفقهة والوضؤ الا فيما اعد لذلك و غرس الاشجار الا لنفع كتقليل نزويكون للمسجد.

مراتب مساجد کل مساجد میں افضل مکہ مکرمہ کی مسجد ہے (کیونکہ اس میں کعبہ ہے قرآن پاک میں ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاس) پھر مدینہ منورہ کی مسجد نبویؐ (جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کو چھوڑ کر دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں کے برابر ہے) پھر مسجد قدس یعنی بیت المقدس ہے (حدیث میں اس کی فضیلت بھی آئی ہے) پھر مسجد قبا ہے (جس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ ان چاروں مسجد کے بعد افضل وہ مسجد ہے جو سب سے قدیم پھر جو سب سے قریب ہو (یہ ترتیب حلیہ نامی کتاب نے اجناس سے نقل کی ہے اور

بحر الرائق میں بیت المقدس کے بعد جامع مسجدوں کو لکھا ہے ان کے بعد محلّہ کی مسجدوں کو ان کے بعد شارع عام کی مسجدوں کو اور جامع مسجد سے مراد کشادہ وسیع مسجد لی ہے جس میں بڑی جماعت ہوتی ہے اور ان مسجدوں میں افضل وہ جو سب سے قدیم ہو جیسے مسجد قبا پھر وہ جس میں جماعت بڑی ہوتی ہو پھر وہ جو سب سے قریب ہو کذا فی الشامی)

لیکن اپنے استاذ کی مسجد سے قدیم اور سب سے بڑی اور سب سے قریب سے بھی اس وقت افضل ہے جب استاذ سے سبق پڑھنا ہو یا حدیث سننا ہو، اس میں کسی کا اختلاف نہیں (اور اس کے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جماعت کا ثواب بھی حاصل ہوتا ہے اور تحصیل علم کا بھی)

محلہ کی مسجد کی اہمیت

اور اپنے محلّہ کی مسجد (پنجوقتہ نماز کیلئے) جامع مسجد سے افضل ہے شامی نے کہا کہ جامع مسجد سے وہ مسجد مراد ہے جس میں محلّہ کی مسجد سے جماعت بڑی ہوتی ہے، بلکہ خانیہ میں ہے اگر محلّہ کی مسجد میں کوئی مؤذن نہ ہو تو اس میں جا کر اذان دے اور نماز پڑھے اگر چہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ محلّہ کی مسجد کا حق زیادہ ہے اور اگر محلہ میں دو مسجدیں ہوں تو اس میں جائے جو پہلے بنی تھی اگر دونوں کا فاصلہ برابر ہو، ورنہ جو زیادہ قریب ہو اس میں جائے)

مسجد نبویؐ میں اضافہ شدہ حصہ کا حکم

صحیح یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبویؐ میں جو حصہ بعد میں ملایا گیا ہے وہ ثواب میں اصل مسجد کے برابر ہے، یعنی اس اضافہ شدہ حصہ میں بھی ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر قرار پائے البتہ اصل مسجد (عہد نبویؐ والی) کی جستجو اولی ہے اور اصل مسجد عہد نبویؐ میں جو تھی اس کا طول ایک سو ہاتھ تھا اور اسی قدر عرض، اس کو ملا علی قاری نے اپنی کتاب لباب المناسک کی شرح میں ذکر کیا ہے (اب اصل مسجد کا نشان بنا دیا گیا ہے تاکہ وہ اضافہ شدہ ممتاز رہے اور لوگوں کو اس کی تلاش اور جاننے میں سہولت رہے)

مسجد میں مانگنا اور دینا

ہر حال میں مسجد میں سوال کرنا (مانگنا) حرام ہے اور سوال کرنے والے کو مسجد میں دینا مکروہ ہے اور بعضوں نے کہا کہ دینا مکروہ اس وقت ہے جب جب سوال کرنے والا لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر ادھر سے ادھر ہو، ورنہ دینا مکروہ نہیں ہے، (باب الحظر والاباحۃ میں شارح نے اسی پچھلے قول کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ حضرت علیؓ کا مسجد میں سائل کو انگوٹھی دینا ثابت ہے کذا فی الطحطاوی)

کھوئی ہوئی چیز کا مسجد میں تلاش کرنا

کھوئی ہوئی چیز کا مسجد میں تلاش کرنا اور اشعار پڑھنا مکروہ ہے مگر جن اشعار میں حمد و نعت ہو ان کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جب کسی کو مسجد میں گمشدہ مال تلاش کرتے دیکھو تو کہو کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو وہ واپس نہ دے، اشعار کے متعلق ابو للیث نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر ان میں نعمت خداوندی کا ذکر، نصیحت اور متقیوں کا ذکر ہو تو ان کا پڑھنا بہتر ہے اور ان میں تاریخ بیان کی گئی ہے تو مباح ہے اور اگر کسی مسلمان کی ہجو ہو یا بیوقوفی کا ذکر ہو تو حرام ہے اور اگر خط و خال کا تذکرہ ہو تو مکروہ ہے اور حدیث میں جہاں اشعار پڑھنے سے روکا گیا ہے اس سے برے اشعار مراد ہیں۔

مسجد میں ذکر جہری

مسجد میں بآواز بلند ذکر کرنا مکروہ ہے، البتہ مسئلہ مسائل سیکھنے سکھانے کے سلسلہ میں آواز بلند کرنے میں کراہت نہیں ہے (ذکر جہری جس کو مسجد میں مکروہ کہا گیا ہے اس میں یہ قید ہونی چاہئے

...جہری مسجد میں مکروہ ہے جس میں ریا کا اندیشہ ہو یا نمازی کی تکلیف کا، اگر یہ نہیں ہے تو پھر مکروہ نہیں بلکہ افضل ہے بعض ... ذکر خفی (آہستہ ذکر) کو ترجیح دیا ہے، یہ اپنے اپنے ذوق کی بات ہے بہر حال جس ذکر جہری سے نمازی کی نماز میں خلل ہو، ... کراہت میں شبہ نہیں)

مسجد میں وضو اور غسل

مسجد کے اندر وضو کرنا مکروہ ہے (اس لئے کہ اس کے پانی سے گھن آتی ہے کیونکہ عموماً تھوک اور رینٹھ سے خالی نہیں ہوتا۔ البتہ جو جگہ وضو کے لئے بنائی گئی ہو وہاں وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے طحطاوی نے کہا کہ جنبی کے مسجد میں نہانے کا بھی یہی حکم ہے)

مسجدوں میں درخت لگانا

مسجد میں درخت کا لگانا مکروہ ہے لیکن اگر درخت لگانا مسجد کے کسی نفع کیلئے ہو تو مکروہ نہیں ہے، جیسے مسجد کی نمی کا کم کرنا مقصد ہو اور مسجد کا وہ درخت اور اس کا پھل مسجد کا ہو گا وہ یا اس کی قیمت مسجد کے کام میں خرچ کی جائے گی، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رطوبت زمین میں بڑھ جاتی ہے تو ستون نہیں جمتے اس رطوبت کو کم کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس زمین پر درخت لگا دیا کرتے ہیں، اگر مسجد میں بھی ایسی نوبت آئے تو درخت لگانے کی اجازت ہے ورنہ مسجد میں درخت لگانا جائز نہیں ہے، عالمگیری میں البتہ ہے کہ اگر لوگوں یعنی نمازیوں کو درخت کے سایہ سے آرام ہوتا ہو اور اس کی وجہ سے مسجد میں تنگی نہ ہو اور نہ جماعت میں خلل پڑے تو اس کے لگانے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر ذاتی نفع پیش نظر ہو، یا اس کی وجہ سے نظام جماعت میں خلل ہوتا ہو یا تنگی یا کفار کی عبادت گاہوں سے مشابہت پیدا ہوتی ہو تو درخت لگانا مکروہ ہے یہ سارے مسجد سے متعلق احکام ہیں جو زمین مسجد میں داخل نہ ہو، اس میں درخت لگانے میں مضائقہ نہیں، گو وہ مسجد سے ملی ہوئی ہو۔

واکل ونوم الا لمعتکف و غریب واکل نحو ثوم ویمنع منه وکذا کل موذو لو بلسانه وکل عقد الا لمعتکف بشرطه والکلام المباح وقیده فی الظهیریة بان یجلس لاجله لکن فی النهر الاطلاق اوجه وتخصیص مکان لنفسه ولیس له از عاج غیره منه ولو مدرسا واذا ضاق فللمصلی از عاج القاعدو لو مشتغلا بقراء ة او درس بل ولا هل المحله منع من لیس منهم عن الصلوة فیه ولهم نصب متول و جعل المسجدین واحد او عکسه لصلوة لا لدرس او ذکر فی المسجد عظة وقرآن فاستماع العظة اولی ولا ینبغی الکتابة علی جدر انه ولا باس برمی عش خفاش و حمام لتنقیته

مسجدوں میں کھانا اور سونا

مسجد کے اندر کھانا اور سونا مکروہ ہے لیکن اعتکاف کرنے والے اور مسافر کے لئے مسجد میں کھانا اور سونا مکروہ نہیں ہے لہسن جیسی بدبودار چیز جیسے کچا پیاز مولی وغیرہ کھا کر آنے والوں کو مسجد میں آنے سے روکا جائے گا اور اسی طرح ہر اس شخص کو روکا جائے گا جو ایذا پہونچانے والا ہو خواہ وہ اپنی زبان سے ہی کیوں نہ اذیت دیتا ہو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس بدبودار درخت میں سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، اس لئے کہ جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہونچتی ہے، یہاں موذی سے مراد وہ شخص ہے جس

کے منہ سے بدبو آتی ہو یا جس کے پسینے سے بدبو اٹھتی ہو اور زبانی اذیت سے مراد غیبت اور چغلی وغیرہ ہے کذا فی الطحطاوی)

مسجد میں معاملہ کرنا مسجد میں معاملہ کرنا جیسے خرید و فروخت وغیرہ مکروہ ہے مگر اعتکاف والے کیلئے اسکی اجازت ہے مگر اس کی شرطوں کیساتھ (اور وہ شرط یہ ہے کہ اس چیز کو خود اس کو یا جو اس کی پرورش میں ہو، ان کو ضرورت ہو دوسری شرط یہ ہے کہ سامان مسجد میں نہ منگو لیا جائے کذا فی الطحطاوی)

مسجد میں گفتگو کرنا مسجد میں مباح کلام کرنا بھی مکروہ ہے اور فتاوی ظہیریہ میں یہ قید لگائی ہے کہ گفتگو کیلئے ہی مسجد میں بیٹھا ہو، لیکن نہر الفائق میں مطلقاً بغیر کسی قید کے گفتگو کو مکروہ کہا ہے خواہ جس نیت سے بھی بیٹھا ہو (شامی کہتے ہیں کہ نہر الفائق کی بحث کے مخالف منقول ہے اور اس میں بہت حرج بھی ہے)

کسی جگہ کا مخصوص کرنا اپنے لئے مسجد میں کسی خاص جگہ کو مخصوص کر لینا مکروہ ہے اس مخصوص جگہ سے غیر شخص کا ہٹا دینا اس کیلئے جائز نہیں ہے اگر چہ وہ غیر شخص درد دینے والا ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر جگہ تنگ ہو تو نمازی کے لئے جائز ہے کہ بیٹھنے والے کو ہٹادے گو وہ بیٹھنے والا درس تدریس اور قرأت ہی میں مشغول کیوں نہ ہو، مسجد کی تنگی کی صورت میں اہل محلہ کو البتہ اختیار ہے کہ وہ دوسرے محلہ والوں کو اس میں نماز سے روک دیں (شامی نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے بیٹھنے سے صف میں خلل پڑتا ہو تو اس شخص کا اٹھا دینا بھی نمازیوں کو جائز ہے)

متولی کا تقرر محلہ والوں کو جائز ہے کہ اپنی مسجد کیلئے متولی مقرر کریں جو مسجد کا انتظام کرے اور محلہ کی دو مسجدوں کو نماز کیلئے ایک کر دینا بھی درست ہے اور ایک مسجد دو کر لینا بھی لیکن درس اور ذکر کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے (اس لئے کہ مسجدیں درس و ذکر کیلئے نہیں بنائی جاتی ہیں اور نہ ان کا یہ بنیادی مقصد ہے بلکہ مسجدوں کا بنیادی فرض نمازوں باجماعت ادا کرنا ہے گو درس و ذکر کی حرج نہ ہونے کی وقت اجازت ہے)

مسجد میں وعظ اور تلاوت قرآن دونوں ہو رہا ہو تو اس صورت میں وعظ کا سننا افضل ہے (شامی نے لکھا ہے کہ یہ حکم عوام کیلئے ہے، اور جو لوگ قرآن سے مناسبت رکھتے ہوں ان کے لئے قرآن سننا بہتر ہے بلکہ ضروری ہے)

مسجد کی دیواروں پر لکھنا مسجد کی دیواروں پر قرآن پاک کی آیات کا لکھنا مناسب نہیں ہوتا ہے (اس لئے کہ اس کے گرنے کے وقت اسکی پامالی ہوگی اور تختیوں پر کچھ لکھ کر دروازوں پر چپکانے کا بھی یہی حکم ہے کذا فی الطحطاوی)

مسجد سے گھونسلا نکالنا صفائی کیلئے مسجد سے چمگادڑ اور کبوتر کے گھونسلوں کے پھینک دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (صفائی کی قید کو اس حدیث کے خلاف نہ سمجھا جائے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو ان کے گھروں میں رہنے دو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھونسلوں کا پھینکنا جائز نہیں ہے۔ شارح نے وضاحت کر دی کہ یہ دور کرنا مسجد کی صفائی کے لئے ہے تاکہ فرش گندہ نہ ہو، جو شرعاً مطلوب ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں جو حکم ہے وہ مسجد کے علاوہ جگہوں کیلئے ہے)

باب الوتر والنوافل

کل سنة نافلة ولاعکس هوفرض عملاوواجب اعتقاد اوسنة ثبوتا بهذا وفقرا بین الروایات وعلیه فلایکفر بضم فسکون ای لا ینسب الی الکفرجاحده وتذکره فی الفجر مفسدله کعکسه بشرطه خلافا لهما و لکنه یقضی ولا یصح قاعد او لا راکبا اتفاقا وهوثلث رکعات بتسلیمة کالمغرب حتی لونسی القعود لا بعود ولوعاد ینبغی الفساد کماسیجئی ولکنه یقرأفی کل رکعة منه فاتحةالکتاب وسورةاحتیاطاوالسنة السور الثلث وزیادة المعوذتین لم یختر ها الجمهور ویکبر قبل رکوع ثالثه رافعا یدیه کما مر ثم یعتمد وقیل کالداعی ویقنت فیه ویسن الدعاء المشهور ویصلی علی النبی صلی الله علیه وسلم به یفتی وصح الجدبالکسر بمعنی الحق وملحق بمعنی لا حق ونحفد بدال مهملة نسرع فان قرأبذال معجمة فسدت خانیة کا نه لانه کلمة مهملة مخافتا علی الاصح مطلقا ولو اما مالحدیث خیر الدعاء الخفی وصح الاقتداء فیه ففی غیره اولیٰ ان لم یتحقق منه مایفسد ها فی اعتقاد ہ فی الاصح کما بسطه فی البحر بشافعی مثلا لم یفصله بسلام لا ان فصله علی الاصح فیهما للاتحاد و ان اختلف الاعتقاد .

نماز وتر اور سنن ونوافل کا بیان

وتر واو کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے اور کسرہ کے ساتھ بھی، لغت میں اس کے معنی عدد طاق کے آتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں تین رکعتوں کا نام ہے جس کی تفصیل بعد میں آرہی ہے اور نفل کے معنی لغت میں زیادتی کے آتے ہیں اور شریعت میں اس عبادت کو کہتے ہیں جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے اور اگر کوئی نہ کرے تو عذاب بھی نہیں ہوتا۔

ہر سنت نفل ہے مگر اس کا الٹا نہیں ہے، یعنی ہر نفل سنت نہیں ہے، (اس جملہ لانے کا حاصل یہ ہے کہ اس میں سنتوں کا بیان بھی ہوگا، گو عنوان میں صرف نوافل اور وتر کا لفظ آیا ہے سنت کا نہیں آیا ہے، اس لئے کہ سنت نفل میں داخل ہے)

وتر کی اہمیت وتر عمل کے لحاظ سے فرض ہے اور اعتقاد کے اعتبار سے واجب ہے اور سنت سے ثابت ہے فقہاء نے اس طرح تمام روایات میں تطبیق دی ہے (حاصل یہ ہے کہ جس طرح فرض کی ادائیگی ضروری ہے وتر کی

ادائیگی بھی ضروری ہے جس طرح فرض میں ترتیب ہے وتر میں بھی ترتیب ہے اور جس طرح فرض کی قضاء ہوتی ہے وتر کی بھی ہوتی ہے اور جس طرح فرض کا چھوڑ دینا گناہ ہے اس کا ترک کرنا بھی گناہ ہے اور اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھے، اور یہ سنت رسول اللہ سے ثابت ہے قرآن سے ثابت نہیں ہے چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبح کرنے سے پہلے وتر ادا کرو، یہ امر کا صیغہ ہے جس سے عموماً وجوب ثابت ہوتا ہے اور تمام روایات میں تطبیق کی مراد یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے وتر کے باب میں تین روایتیں منقول ہیں ایک فرض ہونے کی، دوسری واجب ہونے کی اور تیسری سنت ہونے کی، ان تینوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ عمل کے اعتبار سے فرض فرمایا، اور اعتقاد کے لحاظ سے واجب اور چونکہ حدیث نبوی (سنت) سے ثابت ہے اس لئے سنت کہا۔

چنانچہ اسی وجہ سے وتر کے منکر کو کافر نہیں کہا جائے گا کہ یہ فرض عملی ہے، اور اسی وجہ سے فجر کے فرضوں میں صاحب ترتیب کو اگر وتر کا رہ جانا یاد آجائے، تو اس کی نماز فجر فاسد ہو جائے گی جیسے کسی کو نماز وتر میں یہ یاد آجائے کہ اس کے ذمہ کوئی فرض باقی رہ گئی ہے تو شرط پائے جانے کے وقت نماز وتر فاسد ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وقت تنگ نہ ہو اور نمازیں چھ نہ ہو گئی ہوں، اس لئے ان عذروں کے وقت ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی، البتہ اس مسئلہ میں صاحبین یہ کہتے ہیں کہ فجر میں وتر کے یاد آنے سے وہ فاسد نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہے، لیکن نماز وتر کی قضاء ہوتی ہے اور اس میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سب کا اتفاق ہے کہ وتر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے اور نہ سواری پر سوار ہونے کی حالت میں ادا کرنا درست ہے، گویہ طے ہے کہ سنت کی قضا نہیں ہوتی ہے اور یہ کہ نماز سنت سواری پر سوار ہو کر پڑھی جاسکتی ہے (ماحصل یہ ہے کہ صاحبین کہتے ہیں کہ وتر گو سنت ہے مگر اس کو خصوصی امتیاز حاصل ہے وہ یہ کہ عام سنتوں کے خلاف اسکی قضاء بھی ہوتی ہے اور اسے بیٹھ کر یا سواری پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے)

نماز وتر کی رکعتیں

نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں، جو ایک سلام سے پڑھی جاتی ہے جیسے مغرب کی فرض نماز ایک سلام سے تین رکعتیں ادا ہوتی ہیں یہاں تک کہ اگر قعدہ اول میں نماز وتر پڑھنے والا بھول کر کھڑا ہو جائے تو پھر وہ پلٹ کر نہیں بیٹھے گا اس حالت میں اگر کھڑا ہو کر بیٹھ جائے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے (مطلب یہ ہے کہ بیچ کا قعدہ وتر میں بھی واجب ہے اس میں درود نہیں پڑھا جائے گا اور دوسری رکعت میں قعدہ بھول کر کھڑا ہو جانے کے بعد بیٹھنے سے نماز اسوجہ سے فاسد ہو گی، کہ قیام جو فرض تھا، اس کو چھوڑ کر واجب (قعدہ) کی طرف پلٹا ہے جو اسے نہیں کرنا چاہئے تھا (بخلاف نفل کے کہ اس میں دوسری رکعت کا قعدہ بھول کر کوئی کھڑا ہو جائے اور بیٹھ جائے تو اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہو گی اس لئے کہ اس کو بیٹھ جانا ہی چاہئے تھا، کذا فی الطحطاوی)

وتر پڑھنے کی ترکیب

لیکن وتر کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ بھی پڑھے گا اور کوئی ایک سورہ بھی (یا اس کا کوئی حصہ) احتیاط یہی ہے (اور اس احتیاط کیوجہ سے صاحبینؒ کا یہ قول ہے کہ وہ وتر کو سنت کہتے ہیں، اور سنت کی ساری رکعتوں میں، قرأت کی جاتی ہے اور وتر کی تین رکعتوں میں تین صورتوں کا پڑھنا مسنون ہے پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلى، دوسری میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو الله احد اور معوذتین کی زیادتی کو جمہور

فقہاء نے پسند نہیں کیا ہے یعنی تیسری رکعت میں قل هو الله احد کے بعد سورہ فلق اور سورہ ناس کا ملانا پسندیدہ نہیں ہے۔

وتر کی تیسری رکعت میں جب الحمدللہ کے بعد سورہ پڑھ چکے تو نمازی کو چاہئے کہ تیسری رکعت کے رکوع کرنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھائے اور کانوں تک لیجا کر باندھ لے جیسا کہ گذر چکا اور بعضوں نے کہا ہے ہاتھ باندھنے کے بجائے کھلا ہوا رکھے جس طرح دعا کرنے والے کھلا رکھتے ہیں۔ تکبیر کے بعد جب ہاتھ اٹھا کر باندھ لے تو دعائے قنوت پڑھے، اور مسنون یہ ہے کہ دعائے قنوت وہ پڑھے جو مشہور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اسی پر فتویٰ ہے مشہور دعائے قنوت یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَانَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ اور درود وہی ہے جو التحیات کے بعد پڑھا کرتے ہیں یا صرف اتنا پڑھے وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ وآله وسلم۔

شامی میں یہ بھی صراحت ہے جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو، وہ یہ آیت اس کی جگہ پڑھے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ یا تین مرتبہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ کہہ لے، یا تین مرتبہ یَا رَبِّ کہہ لے۔

دعائے قنوت آہستہ پڑھے

دعائے قنوت آہستہ پڑھے زیادہ صحیح قول یہی ہے اگر چہ وہ امام ہی کیوں نہ ہو، پھر یہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے، بہترین دعا وہ ہے جو آہستہ ہو (منشاء یہ ہے کہ مقتدی ہو یا امام دونوں کو دعاء قنوت آہستہ پڑھنا چاہئے اور آہستہ پڑھنے کی جو علت بیان کی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ آہستہ پڑھنا واجب نہیں ہے، کذافی الشامی)

وترغیر وتر میں شافعی کی اقتداء

وتر اور غیر وتر دونوں میں حنفی کا کسی شافعی کے پیچھے اقتدا کرنا درست ہے مگر اس وقت جب کہ وہ شافعی المذہب وتر کی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرلے، یعنی وہ ایک سلام سے تین رکعتیں ادا کرتا ہو، اور شافعی کی اقتداء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام سے کوئی ایسی بات پائی نہ جائے جو حنفی مقتدی کے نزدیک نماز کو فاسد کر دینے والا ہو، اس بات میں صحیح تر قول یہی ہے جیسا کہ اس مسئلہ کو شرح وسط کے ساتھ بحر الرائق میں بیان کیا گیا ہے۔

اس وقت حنفی کے لئے شافعی امام کی اقتدا درست نہیں ہے جبکہ وہ امام وتر کی دو رکعت پر سلام پھیرتا ہو اور ایک رکعت کو الگ کر کے دوسرے سلام سے پورا کرتا ہو زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں شرطوں کے ساتھ اقتدا درست ہے، اس لئے کہ دونوں کی نیت ایک ہے گو ان دونوں امام اور مقتدی کا اعتقاد ہو یعنی امام کا اعتقاد یہ ہو کہ وتر سنت ہے اور مقتدی کی نیت یہ ہے واجب ہے مگر نیت دونوں کی بہر حال وتر کے ادا کرنے کی ہے، (غیر وتر سے مراد یہاں نفل اور فرض ہے کہ ان نمازوں میں بھی ایک حنفی شافعی امام کی اقتداء کر سکتا ہے اور یہ بدرجہ اولیٰ درست اس لئے ہے کہ ان دونوں نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں کی نیت ایک ہوتی ہے وتر کی طرح اختلاف نہیں ہوتا ہے)

وَ لذا ينوى الوترلا الوترالواجب كمافى العيدين للاختلاف وياتى الماموم بقنوت

الوتر ولو بشافعي يقنت بعد الركوع لانه مجتهد فيه لاالفجر لانه منسوخ بل يقف ساكنا على الاظهر مرسلا يديه ولو نسيه اى القنوت ثم تذكره فى الركوع لا يقنت فيه لفوات محله ولايعود الى القيام فى الاصح لا ن فيه رفض الفرض للواجب فان عاد اليه وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلوته لكون ركوعه بعد قرأة تامة وسجد للسهو قنت اولا لزواله عن محله ركع الامام قبل فراغ المقتدى من القنوت قطعه وتابعه ولو لم يقرأمنه شيأ تركه ان خاف فوت الركوع معه بخلاف التشهد لان المخالفة فيها هو من الاركان او الشرائط مفسدة لا فى غير ها درر .

وتر کی نیت اور یہی وجہ ہے کہ وتر میں صرف وتر کی نیت کرے گا "وتر واجب" کی نیت نہیں کرے گا، جس طرح عیدین کی نماز میں صرف عید کی نماز کی نیت کرے "عید واجب" کی نیت نہ کرے اس لئے کہ عیدین کے باب میں بھی اختلاف ہے ایک فریق نے عیدین کی نماز کو واجب کہا ہے اور دوسرے نے اسے سنت قرار دیا ہے (مطلقاً وتر صرف عید کہنے میں اور واجب ہے تو بھی اس کو شامل ہوگا اور اگر سنت ہے تو بھی شامل ہوگا، اور اس طرح امام و مقتدی کی نیت یکساں ہوگی)

مقتدی کا قنوت پڑھنا مقتدی دعائے قنوت وتر میں رکوع کے بعد پڑھے گا اگر وہ شافعی امام کے پیچھے اقتدا کر رہا ہے کیونکہ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ میں اس باب میں اختلاف ہے کہ دعائے قنوت کب پڑھی جائے رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد، حنفیہ کہتے ہیں کہ رکوع سے پہلے پڑھے اور شافعیؒ کہتے ہیں کہ رکوع کے بعد پڑھے یہاں شافعی امام کی رعایت میں بعد رکوع پڑھنے کا حکم ہے۔

فجر کی نماز میں قنوت نہ پڑھے حنفی نماز فجر میں دعائے قنوت نہیں پڑھے گا اس لئے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے اور جو چیز منسوخ ہو چکی ہے اس میں اقتداء درست نہیں ہوتی ہے اور شافعی امام کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کر رہا ہے تو حنفی مقتدی کو چاہئے کہ خاموش کھڑا رہے اور اپنے ہاتھ چھوڑے رکھے رہے۔ مختلف فیہ مسئلہ میں غیر حنفی امام کی اقتداء درست ہے مگر ہر چیز میں مشابہت ضروری نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ چند قبیلوں نے ایک مرتبہ دھوکہ دیکر ستر یا اسی صحابہ کرام کو مار ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت متاثر ہوئے اور آپ ان کے لئے کچھ دنوں تک نماز فجر میں بد دعا فرماتے رہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان پر فتح فرمادی تو آپ نے بد دعا کرنے کو بند کر دیا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک وقتی بات تھی چنانچہ اب بھی مصائب عمومی کے وقت نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے کی اجازت ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب دوسری رکعت کے رکوع سے امام اٹھتا ہے تو وہ اور سارے مقتدی اپنے اپنے ہاتھ پیچھے چھوڑ دیتے ہیں اور امام دعائے قنوت نازلہ پڑھتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں دعائے قنوت نازلہ جونہی ختم ہوتی ہے امام اور مقتدی سب سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔

وتر میں قنوت بھول جانا وتر پڑھتے ہوئے اگر نمازی دعائے قنوت بھول جائے اور تیسری رکعت کی قرأت ختم کر کے جب رکوع میں پہونچا تو اس کو یاد آیا کہ اس نے دعائے قنوت نہیں پڑھی ہے تو اب وہ

رکوع کی حالت میں دعائے قنوت نہیں پڑھے گا اس لئے کہ اس کا محل رکوع سے پہلے حالت قیام میں تھا اب وہ جگہ جاچکی ہے اور نہ وہ اس کے لئے رکوع چھوڑ کر پھر قیام کی طرف پلٹے گا کیونکہ اس صورت میں دعائے قنوت کے لئے جو واجب ہے اس رکوع کو چھوڑنا لازم آئے گا جو فرض ہے اور واجب کے لئے فرض کا ترک درست نہیں ہے صحیح تر یہی روایت ہے جو نقل کی گئی اور اسی پر فتویٰ ہے گو دوسری روایت یہ بھی ہے کہ رکوع کو چھوڑ کر قیام کرے اور دعائے قنوت پڑھے پھر دوبارہ رکوع کرے۔

قنوت بھول کر رکوع میں چلا جائے

چنانچہ کوئی نمازی جو دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا تھا، رکوع چھوڑ کر پھر کھڑا ہو گیا اور دعائے قنوت پڑھ کر دوبارہ رکوع نہیں کیا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ اس کا پہلا رکوع قرأت کے پورا کرنے کے بعد ہوا تھا، البتہ اس صورت میں وہ سجدہ سہو کرے گا، خواہ اس نے دعاء قنوت پڑھی ہو یا نہیں پڑھی ہو، کیونکہ قنوت کی جگہ چھوٹ چکی ہے اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اس نے رکوع میں دعائے قنوت پڑھی ہو، دوسری یہ کہ رکوع سے اٹھ کر پڑھی ہو اور دوبارہ رکوع کیا ہو، تیسری یہ کہ رکوع سے سر اٹھا کر دعائے قنوت پڑھی اور دوبارہ رکوع نہیں کیا چوتھی یہ کہ سرے سے دعائے قنوت پڑھا ہی نہیں، نہ رکوع میں پڑھی اور نہ رکوع سے اٹھ کر ان چاروں صورتوں میں سجدہ سہو کرنا ہوگا اس لئے کہ دعائے قنوت اپنی جگہ نہیں رہی کذا فی الحلبی۔

وتر کی جماعت میں مقتدی کے ختم قنوت سے پہلے امام کا رکوع میں جانا

وتر کی نماز جماعت سے ہو رہی تھی ابھی مقتدی دعائے قنوت سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ امام قنوت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو اس صورت میں مقتدی باقی قنوت چھوڑ دے گا اور امام کے ساتھ اس کی پیروی میں رکوع میں چلا جائے گا، اگر مقتدی کو امام کے ساتھ رکوع ملنے کی توقع نہ ہو یعنی رکوع چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو، بخلاف تشہد کہ امام تشہد پڑھ کر اٹھ گیا اور مقتدی کا تشہد ابھی پورا نہیں ہوا تھا تو مقتدی کو چاہئے کہ اس کو پورا کر کے اٹھے اور امام کے ساتھ ملے اس لئے کہ ان چیزوں میں امام کی مخالفت جو ارکان یا شرائط میں داخل ہیں نماز کو فاسد کر ڈالتی ہے اور اگر وہ ارکان اور شرائط میں نہیں ہے تو وہاں مخالفت سے نماز فاسد نہیں ہوتی، (شامی نے لکھا ہے کہ یہاں وجہ یہ بیان کرنی چاہئے کہ چونکہ دعائے قنوت پڑھنا سنت ہے اور رکوع میں امام کی پیروی واجب ہے اور سنت کی ادائیگی میں جب واجب کے ترک ہونے کا خوف ہو تو سنت کو چھوڑا جا سکتا ہے بخلاف تشہد کہ اسکا پورا کرنا واجب ہے اور امام کی پیروی بھی واجب ہے تو اس صورت میں ایک واجب کے لئے دوسرے واجب کا ترک کرنا ضروری نہیں ہے)

قنت فی اولی الوتر او ثانیته سهو الم یقنت فی ثالثته اما لو شك انه فی ثانیته او ثالثته کرره مع القعود فی الاصح والفرق ان الساهی قنت علی انه موضع القنوت فلا یتکرر بخلاف الشاك ورجح الحلبی تکراره لهما واما المسبوق فیقنت مع امامه فقط ویصیر مدرکا بادراك رکوع الثالثة.

اگر پہلی یا دوسری رکعت میں قنوت پڑھے

وتر پڑھنے والے وتر کی پہلی یا دوسری رکعت میں بھول کر دعائے قنوت پڑھ لی تو اب وہ تیسری رکعت میں دعائے قنوت نہیں

پڑھے گا اور اگر وتر پڑھنے والے کو شک ہو جائے کہ وہ وتر کی دوسری رکعت میں ہے یا تیسری رکعت میں تو اس کو چاہئے کہ وہ دونوں میں دعائے قنوت پڑھے اس طرح کہ شک والی دوسری میں قنوت پڑھ کر قعدہ کرلے پھر اٹھ کر رکعت پوری کرے اور اس میں بھی دعائے قنوت پڑھے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ تیسری رکعت وہ ہو یا یہ ہو، اور فرق یہ ہے کہ بھولنے والے نے اس خیال سے دعائے قنوت پڑھی کہ ہو سکتا ہے اس کی جگہ وہی ہو اس لئے اس کو مکرر نہیں کہا جائے گا بخلاف شک کی صورت کے اور حلبی نے کہا ہے کہ راجح یہ ہے کہ بھولنے والا بھی دوبارہ دعائے قنوت پڑھے اور جس کو شک ہو گیا ہے وہ بھی مکرر پڑھے (شامی نے لکھا ہے کہ حلیہ اور بحر میں بھی ایسا ہی ہے)

وتر میں جس کی رکعت چھوٹ گئی ہو

اور وہ شخص جو وتر میں مسبوق ہے یعنی امام کے ساتھ اس کی ایک یا دو رکعت چھوٹ گئی ہے تو وہ صرف اپنے امام کے ساتھ ایک ہی مرتبہ دعائے قنوت پڑھے گا اس لئے کہ اس کی آخری رکعت وہی ہے جو اس نے امام کے ساتھ پائی اور جب ایک مرتبہ امام کے ساتھ پڑھ چکا ہے تو اب دوبارہ پڑھنا اس کے لئے درست نہیں ہے۔

وہ شخص آکر امام کے ساتھ وتر کی تیسری رکعت کے رکوع میں ملا تو گویا اس نے اس پوری رکعت کو پالیا اور قنوت پانے والا ہو گیا اب وہ جو دو رکعت تنہا پڑھے گا اس میں دعائے قنوت نہیں پڑھے گا اس لئے کہ یہ حکما اس کی پہلی اور دوسری رکعت ہے اور پہلی دوسری رکعت دعائے قنوت کی جگہ نہیں ہے، اس کی تیسری رکعت وہی ہے جس کا رکوع اس نے امام کے ساتھ پایا تھا، کذا فی الطحطاوی)

ولا يقنت لغيره الالنازلة فيقنت الامام فى الجهرية وقيل فى الكل فائدة خمس يتبع فيها الامام قنوت وقعود اول وتكبير عيد وسجدة تلاوة وسهو واربعة لايتبع فيها زيادة تكبير عيد اوجنازة وركن وقيام الخامسة وثمانية تفعل مطلقا الرفع لتحريمة والثناء وتكبير انتقال وتسميع وتسبيح وتشهد وسلام وتكبير تشريق .

قنوتِ نازلہ

دعائے قنوت وتر کے سوا دوسری نمازوں میں نہیں ہے، مگر اس وقت جب مسلمانوں پر مصیبت آپڑی ہو ایسے وقت میں امام ہر جہری نماز میں دعائے قنوت پڑھے گا اور بعض فقہاء نے کہا کہ تمام نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھے گا، خواہ وہ جہری ہو یا سری۔

(جہری نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنا بحر الرائق میں شرح نقایہ سے مذکور ہے اور اشباہ میں غایۃ نامی کتاب سے نقل کیا گیا ہے کہ مصیبت کے وقت امام فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھے اور منیۃ المصلی کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک مصائب کے وقت قنوت نازلہ مخصوص طور پر نماز فجر میں ہے اس کے سوا دوسری کسی جہری یا سری نماز میں نہیں ہے، سری نمازوں میں صرف امام شافعیؒ قنوت نازلہ پڑھنے کے قائل ہیں دوسرا کوئی نہیں اور بحر الرائق میں لکھا ہے کہ یہ محدثین کا مذہب ہے نماز فجر میں قنوت نازلہ دوسری رکعت کے رکوع سے اٹھنے کے بعد پڑھا جاتا ہے شرنبلالی نے اس کی صراحت کی ہے کذا فی الشامی)

امام کی متابعت

امام کی پیروی پانچ باتوں میں کی جاتی ہے یعنی اگر ان کو امام کرے گا تو مقتدی بھی کرے گا اور اگر امام نہ کرے گا تو مقتدی بھی نہیں کرے گا وہ پانچ چیزیں یہ ہیں (۱) قنوت پڑھنا (۲) قعدہ اولیٰ (۳) تکبیر عید (۴) سجدہ تلاوت (۵) سجدہ سہو، اگر امام ان کو ادا کرے گا تو مقتدی بھی ان میں اس کی پیروی کرے گا اور ادا کرے گا اور سہواً امام سے رہ جائیں تو مقتدی بھی چھوڑ دے اور امام کی پیروی کرے، اور چار چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں امام کی پیروی نہیں کی جائے گی یعنی اگر امام ان کو کرے گا تو بھی مقتدی ان کو نہیں کرے گا وہ چار چیزیں یہ ہیں (۱) تکبیر عید میں زیادتی مثلاً اگر امام تین تکبیر کے بعد چوتھی تکبیر زیادہ کرے گا تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دے گا (۲) تکبیر جنازہ کا زیادہ کرنا کہ اگر امام جنازہ چار تکبیر سے زیادہ کہے گا تو مقتدی اس میں اس کا ساتھ نہ دے گا (۳) کسی رکن کا زیادہ کرنا مثلاً ایک رکوع کے بجائے امام دو رکوع ایک رکعت میں کرے گا تو مقتدی اس دوسرے رکوع میں اس کی پیروی نہیں کرے گا (۴) امام کا پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو جانا کہ اسمیں بھی مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔

امام کی عدم متابعت

آٹھ باتیں ایسی ہیں کہ ان کو مطلقاً کیا جائے گا یعنی ان کو امام کرے یا نہ کرے دونوں حالتوں میں مقتدی ان کو کرے گا (۱) تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھوں کا اٹھانا (۲) سبحانك اللهم کا پڑھنا (۳) ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت اللہ اکبر کہنا (۴) سمع اللہ لمن حمدہ کہنا یعنی امام اس کو نہ بھی کہے گا تو بھی مقتدی ربنالك الحمد کہے (۵) رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کہنا (۶) امام جب قعدہ اولی کیلئے بیٹھے تو مقتدی کا التحیات پڑھنا البتہ اگر امام اس قعدہ اولیٰ میں نہیں بیٹھے گا تو مقتدی بھی نہیں بیٹھیں گے جیسا کہ پہلے گذر چکا (۷) سلام پھیرنا یعنی اگر امام نماز ختم کرنے کے لئے سلام نہ پھیرے بلکہ اس کی جگہ کچھ اور بول پڑے یا سجدہ سے نکل جائے تو اس وقت بھی مقتدی سلام پھیریں گے (۸) تکبیر تشریق یعنی ۹ر ذی الحجہ کی نماز فجر سے لیکر ۱۳ر ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض باجماعت نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا یعنی امام نہ بھی کہے تو بھی مقتدی اسے کہیں۔

وسن مؤكدا اربع قبل الظهر و اربع قبل الجمعة و اربع بعدها بتسليمة فلو بتسلمتين لم تنب عن السنة و كذا لو نذرها لايخرج عنه بتسليمتين وبعكسه يخرج و ركعتان قبل الصبح وبعد الظهر والمغرب والعشاء شرعت البعدية لجبر النقصان والقبلية لقطع طمع الشيطان ويستحب اربع قبل العصر وقبل العشاء وبعدها بتسليمة وان شاء ركعتين و كذا بعد الظهر لحديث التر مذى من حافظ على اربع قبل الظهر واربع بعد ها حرمه الله على النار وست بعد المغرب ليكتب من الاوابين بتسليمة اوثنتين اوثلث والاول ادوم واشق وهل تحسب المؤكدة من المستحب ويؤدى الكل بتسليمة واحدة اختار الكمال نعم وحرر اباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب واقره فى البحر والمصنف و السنن اكدها سنة الفجر اتفاقا ثم الاربع قبل الظهر فى الاصح لحديث من تركها لم تنله شفاعتى ثم الكل سواء وقيل بوجوبها فلاتجوز صلوتها قاعدا ولاراكبا اتفاقا بلاعذر على الاصح ولايجوز تركها لعالم

صار مرجعا فی الفتاوی بخلاف باقی السنن فله ترکها الحاجة الناس الی فتواه ویخشی المکفر علی منکرها وتقضی اذا فاتت معه بخلاف الباقی ولو صلی رکعتین تطوعا مع ظن ان الفجر لم یطلع فاذا هو طالع او صلی اربعا فوقع رکعتان بعد طلوعه لاتجزیه عن رکعتیها علی الاصح تجنیس لان السنة ما واظب علیه الرسول صلی الله علیه وسلم بتحریمة مبتدأة۔

سنن مؤکدہ

سنت مؤکدہ چار رکعتیں ظہر کی فرض سے پہلے ہیں اور چار رکعتیں جمعہ کے فرض سے پہلے اور چار رکعتیں جمعہ کے فرض کے بعد جو ایک سلام سے ادا ہوں گی، اگر ان چار رکعتوں کو دو سلام سے کوئی پڑھے گا تو یہ سنت کے قائم مقام نہیں ہوں گی اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی چار رکعت کی نذر مانے اور اس کو دو سلاموں کے ساتھ ادا کرے تو نذر ادا نہیں ہوگی، اور اگر کسی نے چار رکعت کی نذر دو سلاموں کے ساتھ مانی تھی اور اس نے ایک سلام سے چاروں رکعت ادا کی تو اس صورت میں اس کی نذر ادا ہو جائے گی۔

اور سنت مؤکدہ دو رکعت فجر کی فرض کے پہلے ہے اور دو رکعت ظہر کی فرض کے بعد، اسی طرح مغرب کی فرض کے بعد بھی دو رکعت ہے اور عشاء کے فرض کے بعد بھی فرض کے بعد جو سنتیں ہیں وہ فرض میں نقصان کی تلافی کیلئے ہیں اور فرض کے پہلے والی سنتیں شیطان کی طمع (لالچ) کی کاٹ کیلئے ہے (یعنی نماز فرض میں بھول کیوجہ سے اگر کوئی کمی ہو گئی ہے تو بعد والی سنتیں اس کمی کو پورا کر دیں گی ان سنتوں کے مؤکدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان نمازوں کو پابندی سے پڑھتے تھے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ چار رکعت سنت ظہر کی فرض سے پہلے اور دو اس کے بعد، اسی طرح دو رکعت مغرب کی فرض کے بعد اور دو عشاء کی فرض کے بعد پڑھا کرتے تھے اور دو رکعت نماز فجر کے فرض سے پہلے پڑھتے تھے بحر الرائق میں ہے کہ سنن مؤکدہ کے چھوڑنے سے آدمی اسی طرح گنہ گار ہوتا ہے جس طرح واجب کے چھوڑنے سے)

سنن غیر مؤکدہ

اور مستحب سنت غیر مؤکدہ چار رکعتیں عصر کے فرض سے پہلے ہیں اور چار رکعتیں عشاء کے فرض سے پہلے، اور چار عشاء کے فرض کے بعد اور یہ سب ایک سلام سے پڑھی جائیں گی، اور اگر کوئی چاہے تو عشاء کے بعد صرف دو رکعتیں ہی پڑھے اسی طرح ظہر کے بعد، اس لئے کہ ترمذی میں حدیث ہے کہ جو کوئی قبل ظہر کی چار رکعتوں کو پابندی سے پڑھے گا اور چار بعد ظہر تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو حرام کر دے گا، یعنی جہنم کی آگ میں وہ ڈالا نہیں جائے گا۔

چھ رکعتیں مغرب کے فرض بعد بھی مستحب ہیں جو ان کو پڑھے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے والوں میں لکھا جائے گا یہ چھ رکعتیں اوابین کی ایک سلام سے بھی پڑھ سکتا ہے اور دو سلام سے بھی اور تین سلام سے بھی مگر ایک سلام سے پڑھنے میں زیادہ شاق ہوتی ہے اور دریا، (اس لئے کہ نفس کو مسلسل چھ رکعت نماز میں رہنا پڑتا ہے اسی لئے شامی نے نقل کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیرے)

ایک سوال یہ ہے کہ کیا سنت مؤکدہ کو مستحب میں شمار کیا جائے گا اور یہ کل ایک سلام سے ادا کی جائیں گی؟

کمال نے پسند کیا ہے کہ ہاں ایسا ہوگا،

(فتح القدیر میں ہے کہ وہ چار رکعتیں جو نماز ظہر کے بعد مستحب ہیں اور عشاء کے فرض کے بعد، وہ چاروں الگ مستحب

ہیں ان دو سنتوں کے علاوہ جو ظہر کے فرض یا عشا کے فرض کے بعد ہیں، یا ان کو ملا کر چار ہیں، پھر اگر دو سنت مؤکدہ کے ساتھ مل کر چار مستحب ہیں تو کیا ان کیساتھ مل کر ایک ہی سلام میں (چاروں رکعتیں ادا ہو جائیں گی یا نہیں اس کے جواب میں اکثر علماء یہ لکھتے ہیں کہ ایک سلام سے یہ سنت مؤکدہ اور مستحب دونوں ادا نہ ہوں گی اور خود کمال الدین یہ لکھتے ہیں کہ اگر نماز دو سنت مؤکدہ اور دو مستحب دونوں کو ملا کر چار رکعت ایک سلام سے پڑھ لے گا تو بھی دونوں ادا ہو جائیں گی اور دو سلام سے پڑھے گا تو بھی تفصیل کیلئے شامی دیکھئے)

مغرب سے پہلے نفل

کمال الدین نے مغرب کی فرض سے پہلے دو ہلکی رکعت کا پڑھنا مباح قرار دیا ہے اور صاحب بحر الرائق اور مصنف نے بھی اسے برقرار رکھا ہے (ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی مغرب کی فرض سے پہلے دو رکعت ہلکی سی پڑھ لے تو یہ مباح کے درجہ میں ہوگا، یہ نہ تو مستحب ہے اور نہ مکروہ مگر پڑھنے والے کو بہت اختصار کے ساتھ ادا کرنا چاہئے)

سنتوں میں سب سے زیادہ مؤکد

سنتوں میں سب سے زیادہ مؤکد فجر ہے جو فرض سے پہلے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اس میں سب کا اتفاق ہے پھر صحیح تر قول میں اس کے بعد درجہ ظہر سے پہلے کی چار سنتوں کا ہے اس لئے کہ حدیث نبوی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ان سنتوں کو چھوڑ دے گا وہ میری شفاعت نہیں پائے گا اس کے بعد بقیہ سنتوں کا درجہ ہے یعنی یہ سب برابر ہیں (یہاں شفاعت سے مراد وہ شفاعت ہے جو درجات کی بلندی کیلئے ہوگی، ورنہ شفاعت عظمٰی سب کے لئے عام ہوگی)

بعض فقہاء نے فجر کی سنت کو واجب کہدیا ہے، تو اس صورت میں اس سنت کا بیٹھ کر یا سواری پر ادا کرنا بالاتفاق جائز نہ ہوگا جب تک کوئی عذر شرعی نہ ہو، فجر کی سنتوں کا چھوڑنا اس عالم دین کیلئے کسی حال میں جائز نہیں ہوگا جس کی طرف لوگ فتاوی کے لئے رجوع کرتے ہیں بخلاف باقی سنتوں کے کہ جب لوگوں کا فتوی حاصل کرنے کے لئے ہجوم ہو تو اس وقت ان کا چھوڑ دینا درست ہوگا (شامی نے لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ فتوی دینے کے وقت جب لوگوں کا ہجوم ہو اور سنت پڑھنے کی مہلت نہ ہو تو سنت فجر کے علاوہ دوسری سنتوں کو چھوڑ سکتا ہے مگر جونہی اس ہجوم سے فراغت ملے پڑھ لے، جیسے جماعت چھوٹنے کا اندیشہ ہو تو سنتوں کو چھوڑ کر جماعت میں ملے گا، اور پھر بعد میں ادا کرے گا۔

جو شخص فجر کی سنتوں کا منکر ہے اس پر کفر کا خوف ہے یعنی جو اس کی مشروعیت کا انکار کرے تب اگر سنت فجر فرض کے ساتھ فوت ہو جائے تو اس وقت اس سنت کی بھی قضا کی جائے گی بخلاف اور سنتوں کے کہ اس کی قضا کسی حالت میں نہیں ہے گو وہ فرض کے ساتھ قضا ہوئی ہوں۔

اگر کسی نے دو رکعت نفل اس خیال سے پڑھی کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی ہے رات باقی ہے پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے، یا نماز پڑھی چار رکعتیں مگر دو رکعت صبح ہو جانے کے بعد ادا ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں یہ دو رکعت فجر کی سنت کی جگہ کافی نہیں ہوں گی، صحیح تر مذہب یہی ہے کذا فی التجنیس اس لئے کہ جس سنت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پابندی سے فجر کی سنت کے طور پر پڑھا ہے اس واسطے ترجمہ سے شروع کیا ہے یہ مسئلہ [illegible] دوسرے مسئلہ کی بیان کی گئی ہے تجنیس

میں لکھا ہے کہ اگر کسی نے رات سمجھ کر دو رکعت پڑھی مگر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو یہ فجر کی سنت کی جگہ کافی سمجھی جائے گی اور نہر الفائق نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

وتكره الزيادة على اربع في نفل النهار وعلى ثمان ليلا بتسليمة لانه لم يزد والافضل فيهما الرباع به لمليمة وقالا في الليل المثنى افضل قيل وبه يفتي ولايصلي على النبي صلى الله عليه وسلم في القعدة الاولى في الاربع قبل الظهر والجمعة وبعدها ولو صلى ناسيا فعليه السهو وقيل لاشمنى ولايستفتح اذا قام الى الثالثة منها لانها لتاكدها اشبهت الفريضة وفي البواقي من ذوات الاربع يصلي على النبي ويستفتح ويتعوذ ولو نذر الا ن كل شفع صلوة وقيل لا ياتي في الكل وصححه في القنية

ایک سلام سے کتنی رکعتیں پڑھی جائیں

ایک سلام میں چار رکعتوں سے زیادہ پڑھنا دن کی نفلوں میں مکروہ ہے اور رات کی نفلوں میں ایک سلام میں آٹھ رکعتوں سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے زیادہ حدیث میں کہیں نہیں آیا ہے دن میں ایک سلام سے زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں مذکور ہیں اور رات میں آٹھ رکعتیں اور افضل یہ ہے کہ نفل ایک سلام سے چار چار رکعتیں پڑھے خواہ دن ہو خواہ رات اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے اور کہتے ہیں کہ فتوی صاحبین کے ہی قول پر ہے۔

سنت مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں درود

جو چار سنتیں ظہر یا جمعہ سے پہلے پڑھی جاتی ہیں یا جمعہ کے بعد، ان کے قعدہ اولی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں پڑھا جائے گا یعنی قعدہ اولی میں التحیات کے بعد درود نہیں پڑھیں گے اور کوئی بھول کر پڑھ لے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے، مگر مفتی بہ یہ ہے کہ سجدہ سہو کرے گا (شامی نے لکھا ہے کہ جو چار سنتیں جمعہ کے بعد پڑھی جاتی ہیں اگر اسکے قعدہ اولی میں درود کوئی پڑھ لے تو اس پر سجدہ سہو کا واجب ہونا مسلم نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس سنت کا حکم دوسری سنت موکدہ جیسا نہیں ہے کیونکہ ان چار رکعتوں کو دو سلام سے بھی پڑھنا جائز ہے) ان سنتوں میں جب تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہوگا تو اس میں سبحانک اللھم نہیں پڑھے گا اس لئے کہ یہ سنتیں مؤکدہ ہونے کی وجہ سے فرض کے مشابہ ہوگئی ہیں)

غیر مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ میں درود

غیر موکدہ کے اولی میں درود:۔ ان سنن مؤکدہ کے علاوہ باقی سنن غیر مؤکدہ میں جو چار رکعتیں پڑھی جائیں تو ان کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پڑھیں گے اور تیسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بعد ثناء بھی پڑھیں گے اور تعوذ بھی، اگر وہ نذر کی نماز ہو اس لئے کہ نفل نماز کی ہر دو رکعت الگ مستقل نماز ہے اور بعض فقہاء کہتے ہیں کہ ان تمام نوافل میں بھی قعدہ اولیٰ میں درود نہ پڑھے اور نہ تیسری رکعت میں ثناء پڑھے، قنیہ میں اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

وكثرة الركوع والسجو احب من طول القيام كما في المجتبىٰ ورجحه في البحر لكن نظر فيه في النهر من ثلثة اوجه ونقل عن المعراج ان هذا قول محمد وان مذهب

الامام افضلية القيام وصححه في البدائع قلت وهكذا رايته بنسختي المجتبى معزيا لمحمد فقط فتنبه وهل طول قيام الاخرس افضل كالقارئ لم اره

رکوع اور سجدے میں دیر تک رہنا افضل ہے یا قرأت

رکوع اور سجدہ میں دیر تک رہنا لمبے قیام سے زیادہ پسندیدہ ہے جیسا کہ مجتبیٰ نامی کتاب میں مذکور ہے اور اسی کو بحر الرائق نے ترجیح دیا ہے، لیکن نہر الفائق نامی کتاب میں تین وجوہ سے اعتراض کیا ہے (پہلی وجہ یہ بیان کی ہے کہ قیام کا لمبا ہونا اس لئے بہتر ہے کہ اس میں قرأت بہت ہوگی اور چاہے پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھ جائے ہوگا فرض ہی باقی رکوع اور سجدہ کی تسبیحوں کا دیر تک پڑھنا یہ اس درجہ میں نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں مسئلہ کا موضوع نفل ہے اور یہ مسنون ہے کہ اس کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے تیسری وجہ یہ ہے کہ قرأت میں فضیلت ہے)

صاحب نہر الفائق نے معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے کہ کثرت رکوع و سجود کا افضل ہونا امام محمدؒ کا قول ہے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ قیام افضل ہے بدائع میں اس قول کی تصحیح کی ہے، میں نے بھی مجتبیٰ کے اس نسخہ میں یہی دیکھا ہے جو نسخہ میرے پاس ہے۔

کیا گونگے کا لمبا قیام بھی قاری کی طرح زیادہ افضل ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ میری نظر سے نہیں گذرا (رحمتی محشی نے لکھا ہے کہ چونکہ گونگے کا قیام قرأت کے حکم میں ہے گو وہ نہیں پڑھتا ہے اس لئے بلا شبہ اس کے لئے بھی قیام کا طول افضل ہوگا۔

ويسن تحية رب المسجد وهي ركعتان واداء الفرض اوغيره وكذا دخوله بنية فرض اواقتداء ينوب عنها بلا نية وتكفيه لكل يوم مرة ولا تسقط بالجلوس عند نا بحر قلت و في الضياء عن الفوت من لم يتمكن منها لحدث اوغيره يقول ندبا كلمات التسبيح الاربع اربعا.

تحیۃ المسجد

تحیۃ المسجد مسنون ہے اس کی دو رکعتیں ہیں مسجد میں آکر فرض یا اس کے علاوہ نماز کا ادا کرنا اور ایسا ہی فرض نماز یا اقتداء کی نیت سے مسجد میں داخل ہونا تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جاتا ہے اس کیلئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، (تحیۃ المسجد دراصل رب المسجد کے لئے تحیت ہے نہ کہ مسجد کے لئے اس لئے کہ تحفہ صاحب مکان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے مکان کے لئے نہیں ہوتا)

دن میں ایک مرتبہ تحیۃ المسجد ادا کر لینا پورے دن کیلئے کافی ہوتا ہے، مگر احناف کے نزدیک صرف مسجد میں بیٹھنے سے تحیۃ المسجد ذمہ سے ادا نہیں ہوتا ہے، بلکہ نماز پڑھنے سے ادا ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ جب تم مسجد میں آؤ تم اس وقت نہ بیٹھو جب تک دو رکعت نہ پڑھ لو اس سے معلوم ہوا کہ داخل ہوتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھ لے پھر بیٹھے، مگر اسکا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بیٹھنے کے بعد پڑھے گا تو تحیۃ المسجد ادا نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی ادا ہو جائے گا کیونکہ ابن حبان میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تحیۃ المسجد دو رکعتیں ہیں لہٰذا اٹھو اور اسے پڑھو کذا فی الشافی۔

شارح کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں قوت القلوب سے ضیاء نامی کتاب میں نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص وضو نہ ہونے کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے تحیۃ المسجد کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ چاروں تسبیحات کے الفاظ چار چار مرتبہ کہہ لے اور وہ چار تسبیحات یہ ہیں، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر

ولوتكلم بين السنة والفرض لايسقطها ولكن ينقص ثوابها وقيل تسقط وكذا كل عمل ينافي التحريمة على الاصح قنية وفي الخلاصة لو اشتغل ببيع اوشراء او اكل اعادها وبلقمة اوشربة لاتبطل ولوجئى بطعام ان خاف ذهاب حلاوته اوبعضها تناوله ثم سنن الا اذا خاف فوت الوقت ولو اخرهاالآخر الوقت لاتكون سنة وقيل تكون. فروع الاسفاربسنة الفجر افضل وقيل لانذر السنن واتى بالمنذور فهوالسنة وقيل لا اراد النوافل ينذرها ثم يصليها وقيل لا .

سنت و فرض کے درمیان گفتگو کرنا

سنت اور فرض کے درمیان گفتگو کرنا سنت کو ساقط نہیں کرتا ہے، البتہ اس کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں (ان کو دوبارہ پڑھے اگر وہ فرض کے پہلے کی سنتیں ہوں) مگر یہ قول زیادہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس پر عمل ہے اور ایسا ہی ہر عمل جو تحریمہ کے مخالف ہو صحیح تر قول کے بموجب سنتوں کو ساقط نہیں کرتا ہے البتہ ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔

خلاصہ نامی کتاب میں ہے کہ اگر کوئی خرید و فروخت میں مشغول ہو جائے یا کھانے پینے میں تو سنتوں کو پھر سے پڑھے اور اگر ایک لقمہ یا ایک گھونٹ پینے میں لگجائے تو اس سے سنتیں باطل نہیں ہوں گی۔

کھانا لایا گیا، اب اگر نمازی کو خوف ہو کہ اسکی لذت جاتی رہے گی یا کم ہو جائے گی تو اس کو چاہئے کہ پہلے کھانا کھائے پھر سنتیں پڑھے مگر جب یہ خطرہ ہو کہ وقت جاتا رہے گا تو پہلے سنتیں پڑھ لے پھر کھانا کھائے (ماحصل یہ ہے کہ کھانے کے بے مزہ ہونے کی صورت میں تاخیر تو کر سکتا ہے سنتیں چھوڑ نہیں سکتا)

اور اگر سنتوں کو آخر وقت تک کے لئے موخر کر دے تو پھر وہ سنتیں نہیں ہوں گی اور ایک قول یہ ہے کہ وہ سنتیں ہو جائیں گی شامی نے کہا کہ دوسرا قول درست ہے کہ سنت ہو جائیں گی یعنی اگر درمیان میں گفتگو کر لے یا کھانا کھائے یا کوئی مخالف کام کرے تو اس سے سنتیں ساقط نہیں ہوتی ہیں، اسی طرح مؤخر کرنے سے بھی سنتیں ہو جاتی ہیں بشرطیکہ وقت باقی ہو۔

سنت فجر

فجر کی سنت کا صبح روشن ہونے کے بعد پڑھنا افضل ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایسا کرنا افضل نہیں ہے بلکہ صبح ہوتے ہی اول وقت میں پڑھنا افضل ہے (شامی نے نقل کیا ہے، کہ فجر کی سنتوں میں تین چیزوں کا لحاظ بہتر ہے اول پہلی رکعت میں قل یاایہا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھنا دوسرے ان سنتوں کو اول وقت میں پڑھنا تیسرے یہ کہ سنت گھر پر پڑھے یا مسجد کے دروازہ پر، حدیث میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب صبح طلوع ہوتی معلوم ہوتی تو اٹھ کر دو ہلکی رکعتیں پڑھتے پھر دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے، تا آنکہ مؤذن جماعت شروع کرتے وقت خدمت میں حاضر ہوتا تو جا کر فرض کی امامت فرماتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنت اول وقت میں افضل ہے،

سنت کی نذر ماننا کوئی سنت پڑھنے کی نذر مانے اور اسے ادا کرے تو وہ نماز سنت ہی ہوگی اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ سنت نہیں ہوگی (نہر الفائق میں لکھا ہے کہ نذر کیوجہ سے اس کا سنت ہونا جاتا رہے گا) (رہیں گی تو سنت ہی مگر اس کی ادائیگی واجب ہے)

نفل کی نذر نوافل کا ارادہ کرے تو اس کی نذر مان لے پھر اس کو ادا کرے اور ایک قول یہ ہے کہ نذر نہ کرے، راجح یہ ہے کہ خواہ مخواہ جو واجب نہیں اس کو واجب نذر کے ذریعہ نہ بنائے کہ وہ اس کے ذمہ دین ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے جو سہولت دے رکھی ہے اس سے فائدہ اٹھائے)

ترك السنن ان رآها حقاائم والاكفر الافضل فى النوافل غيرالتراويح المنزل لالخوف شغل عنها والاصح افضلية ماكان اخشع واخلص وندب ركعتان بعد الوضؤ يعنى قبل الجفاف كمافى الشرنبلالية عن المواهب و ندب اربع فصاعدا فى الضحىٰ من بعد الطلوع الى الزوال ووقتها المختار بعد ربع النهاروفى المنية اقلها ركعتان واكثر ها اثنا عشرو اوسطها ثمان وهو افضلها كما فى الزخائر الاشرفية لثبوته بفعله وقوله عليه السلام و اما اكثر ها فبقوله فقط وهذا لو صلى الاكثر بسلام واحد اما لو فصل فكل مازاد افضل كما افاده ابن حجر فى شرح البخارى و من المندوبات ركعتا السفر و القدوم منه .

سنتوں کا ترک سنتوں کو حق یقین کرتے ہوئے چھوڑنا گناہ ہے ورنہ اگر سنت کو حق نہیں جانتا ہے اور پھر چھوڑتا ہے تو کافر ہو جائے گا کہ اس صورت میں حقارت پائی گئی تراویح کے علاوہ دوسرے نوافل کے لئے بہتر یہ ہے کہ انہیں گھر میں پڑھے البتہ اگر یہ خوف ہو کہ گھر میں جا کر کامیابات میں مشغول ہو جائے گا اور نفل رہ جائیگی تو پھر مسجد میں پڑھنا بہتر ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جہاں زیادہ خلوص اور خشوع حاصل ہو وہاں پڑھنا افضل ہے (حدیث نبویؐ ہے کہ فرض نماز کے علاوہ اور نمازوں کا گھر میں پڑھنا بہتر ہے باقی تراویح چونکہ جماعت سے پڑھی جاتی ہے اس لئے اس کا مسجد میں ہونا بہتر ہے اسی طرح تحیۃ المسجد کی نماز کیلئے بھی مسجد ہی بہتر ہے اور نماز سورج گہن کی بھی گھر سے باہر بہتر ہے اور معتکف بھی مسجد میں ہی نوافل ادا کرے گا کہ ایام اعتکاف میں مسجد ہی اس کا سب کچھ ہے)

تحیۃ الوضوء وضو کرنے کے بعد اعضاء خشک ہونے سے پہلے دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی پڑھنا مستحب ہے (اور یہ بھی مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھے اور دوسری میں اخلاص)

نماز چاشت آفتاب نکل جانے کے بعد سے لیکر زوال کے پہلے تک چار یا زیادہ رکعتیں چاشت کی پڑھنا بھی مستحب ہے (اور افضل یہ ہے کہ چوتھائی دن کے بعد پڑھے جب آفتاب اوپر آجائے) منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ نماز چاشت کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں، اور اوسط درجہ میں آٹھ رکعتیں، اور یہی آٹھ رکعتیں پڑھنا افضل ہے جیسا کہ ابن الشحنہ کی کتاب ذخائر اشرفیہ میں مذکور ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل دونوں سے آٹھ رکعتیں ثابت ہیں اور بارہ رکعتوں کا ثبوت صرف آپ کے قول سے ہے۔

یہ آٹھ رکعتیں اس وقت افضل ہیں جب بارہ رکعتوں کو ایک سلام سے ادا کرے اور جدا کر کے پڑھے گا تو پھر جتنی زیادہ رکعتیں چاہے پڑھ سکتا ہے اسی کو افضل کہا جائے گا جب کہ ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرح میں صراحت کی ہے (طحطاوی میں لکھا ہے کہ مذہب حنفیہ میں دن کی نماز ایک سلام میں چار رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی جائیں گی کہ ایسا مکروہ ہے)

سفر میں جاتے ہوئے اور واپسی پر نماز

مستحب نمازوں میں دو رکعت نماز سفر میں روانہ ہونے کے وقت پڑھنا مستحب ہے اور دو رکعت سفر سے واپس ہوتے وقت (ان نمازوں کی بھی حدیث میں فضیلت آئی ہے اور یہ بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں جاتے ہوئے دو رکعتوں کو اپنا قائم مقام بنا کر جانا بہتر ہے اس سے بہتر کوئی نائب نہیں اور سفر سے عموماً آپ دن میں آتے اور آتے ہی مسجد میں تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے)

وصلوة الليل واقلها على مافي الجوهرة ثمان ولو جعله اثلاثا فالاوسط افضل ولو انصافافالا خير افضل واحياء ليلة العيدين والنصف من شعبان والعشر الا خير من رمضان والاول من ذى الحجة ويكون بكل عبادة تعم الليل او اكثره و منها ركعتا الاستخارة واربع صلوة التسبيح بثلث مائة تسبيحة وفضلها عظيم و اربع صلوة الحاجة وقيل ركعتان وفى الحاوى انها اثنا عشر بسلام واحد وبسطناه فى الخزائن .

نماز تہجد

اور تہجد کی نماز مستحب ہے اور تہجد کم سے کم آٹھ رکعتیں ہیں جیسا کہ جوہرہ نامی کتاب میں بیان کیا ہے اور رات کے تین حصے بنائے تو درمیانی حصہ میں تہجد کی نماز ادا کرنا افضل ہوگا اور اگر رات کو دو حصوں میں تقسیم کرے تو اخیر حصہ میں تہجد ادا کرنا افضل ہوگا دوسری نوافل نمازوں سے تہجد کی زیادہ فضیلت آئی ہے اور حدیث میں اس نماز کے بڑے فضائل بیان کئے گئے ہیں چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل تہجد کی نماز ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ نماز تہجد مستحب ہے یا سنت ہے کیونکہ قولی دلیلوں سے مستحب معلوم ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پابندی سے تہجد کی نماز ادا فرمائی ہے اس سے سنت معلوم ہوتی ہے شامی نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ تہجد کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرض تھی اور ہمارے حق میں سنت معلوم ہوتی ہے کہ چنانچہ حلیہ میں لکھا ہے کہ تہجد سنت ہے تہجد کی رکعتوں میں بھی اختلاف ہے مگر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور اوسط چار اور زیادہ آٹھ رکعتیں۔

عید بقرعید کی راتوں میں جاگنا

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتوں میں جاگنا مستحب ہے اور پندرہویں شب شعبان میں جاگنا بھی مستحب ہے اور رمضان کی اخیر دس راتوں میں اور ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتوں میں جاگنا بھی مستحب ہے اور ہر رات میں ایک حصہ عبادت کیلئے ہو، پوری رات ہو یا اکثر حصہ (یعنی معتبر یہ ہے کہ عبادت کیلئے تمام رات جاگے یا رات کے زیادہ حصے میں، اب وہ خواہ نوافل میں یہ گذارے یا تلاوت قرآن تسبیح و تقدیس میں مشغول رہے یا اذکار و اوراد میں یا حدیث پڑھے یا سنے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص عشاء کی نماز پڑھے اور اس کی نیت یہ ہو کہ صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں گا تو اس کو پوری رات جاگنے کا ثواب ملے گا، کذافی الشامی)

نماز استخارہ

مستحب نمازوں میں دو رکعت نماز استخارہ بھی ہے (یعنی جب کوئی اہم کام پیش آئے اور اسکے کرنے نہ کرنے میں تردد لاحق ہو تو اس کو چاہئے کہ دو رکعت نفل پڑھے اور اس کے بعد دعائے استخارہ پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ اس دعائے استخارہ کے اول و آخر حمد و صلوٰۃ پڑھے، اور بہتر یہ ہے کہ اس کی پہلی رکعت میں سورہ کافرون پڑھے اور دوسری رکعت میں اخلاص، اور چاہئے کہ یہ عمل وہ سات مرتبہ کرے پھر اس کے بعد جو بات اسکے دل میں آئے اس پر عمل کرے انشاء اللہ اسی میں اس کیلئے بہتری ہوگی، شرعۃ الاسلام میں ہے کہ نماز کے بعد دعائے استخارہ پڑھ کر قبلہ رخ سورہے خواب میں اگر سفیدی یا سبزی دیکھے تو اس کام کو کرے کہ وہ اس کے لئے اچھا ہے اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو نہ کرے کہ وہ اس کے حق میں بہتر نہیں ہے)

صلوٰۃ التسبیح

چار رکعتیں صلوٰۃ التسبیح کی بھی مستحب ہیں یہ تین سو تسبیحات کیساتھ ہے اور اس نماز کی بڑی فضیلت ہے (حدیث میں عبد اللہ بن مبارکؒ کی روایت ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے پندرہ بار سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر کہے پھر سورہ پڑھنے کے بعد یہ تسبیح دس بار پڑھے پھر رکوع میں دس بار پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں دس بار پھر سجدہ میں دس مرتبہ پھر پہلے سجدہ سے اٹھ کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں دس مرتبہ اسی طرح چاروں رکعتوں میں پچھتر پچھتر بار پڑھے یہ کل تین سو بار ہو جائیں گی پہلی رکعت میں الهكم التكاثر پڑھے اور دوسری میں والعصر تیسری میں قل یا ایها الکافرون اور چوتھی میں قل هو الله احد یہ نماز اوقات مکروہہ کے علاوہ ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے عالمگیری میں ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھے رکوع اور سجدہ میں اس کی تسبیح سبحان ربی العظیم اور سبحان ربي الاعلی پڑھے اسکے بعد تسبیح سبحان اللہ الخ تسبیحات کی گنتی دل میں کرے یا انگلی کے پوروں سے قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعاء پڑھے۔

اللهم انی اسالك الهدى و اعمال اهل اليقين وهنا صحة اهل التوبة و عزم اهل الصبر وجد اهل الخشية وطلب اهل الرغبة وتعبد اهل الورع وعرفان اهل العلم، حتى اخافك اللهم انی اسالك مخافة تجزنی عن معاصيك حتى اعمل بطاعتك عملا استحق به رضاك و حتى انا صحك بالتوبة خوفا منك وحتى اخلص لك النصيحة حبا لك حتى اتوكل عليك في الامور حسن ظن بك سبحان خالق النور.

نماز حاجت

اور مستحب ہے حاجت کے لئے چار رکعتیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں ہیں اور حاوی میں ہے کہ صلوٰۃ حاجت ایک سلام سے بارہ رکعتیں ہیں، اور خزائن الاسرار میں اس کو میں نے تفصیل سے بیان کیا ہے (تجنیس. خزانۃ الفتاوی میں اسکی چار رکعتیں لکھی ہیں، بلکہ تجنیس میں یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ حاجت عشاء کے بعد پڑھی جائے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی تین مرتبہ اور باقی رکعتوں میں الحمد اور قل ھو اللہ احد معوذتین ایک ایک بار پڑھے استخارہ اور اس میں فرق یہ ہے کہ نماز استخارہ آئندہ کے کام کے لئے ہے اور نماز حاجت فوری ضرورت کے لئے)

وتفرض القرأة عملا فى ركعتى الفرض مطلقا اما تعيين الاولیين فواجب على المشهور وكل النفل للمنفرد لان كل شفع صلوة لكنه لا يعم الرباعية المؤكدة فتأمل.

نماز قرأت

فرض کی دو رکعتوں میں عملاً قرأت فرض ہے خواہ وہ کوئی بھی دو رکعتیں ہوں مگر پہلی دو رکعتوں کی تعیین واجب ہے مذہب مشہور یہی ہے (عملاً کا مطلب یہ ہے کہ اعتقادی طور پر فرض نہیں ہے کہ اگر کوئی اسکا انکار

کر دے تو وہ کافر ہو جائے گا البتہ وہ سخت گنہ گار ہوگا،

اورنفل کی ہر رکعت میں منفرد کیلئے عملاً قرأت فرض ہے اس لئے کہ نفل کا ہر شفعہ علیحدہ نماز ہے، لیکن یہ حکم چار رکعت والی سنت مؤکدہ کو شامل نہیں پس غور کرے (ان کو اس لئے شامل نہیں گردانا گیا۔ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسکے قعدہ اولیٰ میں درود نہیں ہے اور نہ تیسری رکعت کے شروع میں ثنا ہے سنت مؤکدہ مؤکدہ ہونے سے فرض کے مشابہ ہے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے، اسی وجہ سے ان سنن میں دونوں رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں چونکہ نفل ہے اس لئے ہر رکعت میں قرأت فرض ہے اور درود کا قعدہ اولیٰ میں نہ پڑھنا یا تیسری رکعت کے ابتداء میں ثناء کا نہ پڑھنا بسبب مشابہت فرض ہے۔

وكل الوتراحتياطالزم نفل شرع فيه بتكبيرة الاحرام اوبقيام الثالثة شروعا صحيحا قصدا الا اذا شرع متنفلا خلف مفترض ثم قطعه واقتدى ناويا ذلك الفرض بعدتذكره اوتطوعا آخراوفي صلوة ظان اوامي او امرأة او محدث يعني وافسده في الحال اما لو اختار المضى ثم افسده لزمه القضاء ولوعند غروب وطلوع واستواء على الظاهر فان افسده حرم لقوله تعالى ولاتبطلوا اعمالكم الا بعذر ووجب قضاؤه ولو فساده بغير فعله كتيمم راى ماء ومصلية او صائمة حاضت .

نفل جو لازم ہو جاتی ہے

اور احتیاط کے تقاضے سے وتر کی ہر رکعت میں قرأت فرض عملی ہے اور وہ نفل نماز لازم ہو جاتی ہے جس کو تکبیر تحریمہ کے ساتھ شروع کیا یا ایک دوگانہ کی تکمیل کر کے تیسرے رکعت کے لئے کھڑا ہوا، اور یہ شروع کرنا قصدا ہو اور صحیح طور پر ہو، (ماحصل یہ ہے کہ قصداً صحیح شروع کرنے کے بعد اگر وہ فاسد ہو جائے گی تو اس کی قضا لازم ہوگی) البتہ اس نفل کی اس وقت قضا لازم نہیں ہوگی جبکہ اس نے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل کو شروع کیا ہو اور پھر فرض کے یاد آنے کے بعد اس نفل کو توڑ کر اسی فرض کی نیت سے اقتداء کر لی یا دوسری نفل کی نیت سے اقتداء کی پہلے مسئلہ کی صورت یہ ہوئی کہ ایک شخص نے یہ سمجھ کر کہ وہ ظہر کی نماز پڑھ چکا ہے ظہر کی جماعت میں نفل کی نیت سے شامل ہو گیا، پھر اس کو یاد آیا کہ اس نے اب تک نماز ظہر نہیں پڑھی ہے لہٰذا نفل کی نیت توڑ دی اور پھر ظہر کی نیت سے اسی جماعت میں مل گیا تو اب جس نفل کو ابھی توڑا ہے اس کی قضا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگی دوسرے مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ظہر کی جماعت میں نفل کی نیت سے شریک ہوا، پھر اس نفل کی نیت کو توڑ دیا اور دوسرے نفل کی نیت سے اسی جماعت میں ملا تو اب اس پر اس نفل کی قضا لازم نہیں ہوگی)

جب نفل کی لازم نہیں

اور جس شخص کو فرض کا گمان ہو اور کوئی اس کی اقتداء کر لے تو اس پر بھی قضا لازم نہیں ہوگی (مثلاً ایک شخص نے عشاء کی فرض کی نیت سے نماز شروع کی اس خیال سے کہ اس نے ابھی عشاء کی فرض نہیں پڑھی ہے اس شخص کے پیچھے ایک دوسرا شخص نفل نماز کی نیت سے مل گیا، اب اس کے امام کو یاد آیا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ چکا ہے اسکے ذمہ باقی نہیں ہے لہٰذا اس نے نیت توڑ دی تو اس صورت میں نہ اس امام پر قضا ہے اور نہ اس کے مقتدی پر) (شامی نے لکھا ہے بحر الرائق نے لکھا ہے کہ مقتدی پر قضا لازم ہوگی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس مسئلہ میں دو روایتیں ہوں)

اسی طرح اس وقت بھی قضا لازم ہو گی جب وہ ان پڑھ یا عورت یا بے وضو والے کی اقتداء کرے اس لئے کہ اس کی نماز کی ابتداہی صحیح نہیں ہوئی اور مقتدی کو چاہئے کہ جو نہی امام نماز کو چھوڑے یہ نماز کو فاسد کر دے تب قضا لازم نہیں ہو گی اور اگر مقتدی نے نماز کا پڑھنا ہی پسند کیا پھر کچھ دیر کے بعد اس کو فاسد کیا تو اس پر قضا لازم ہو گی (اس مسئلہ کا تعلق اس صورت سے ہے جب فرض باقی رہنے کے گمان سے اس نے شروع کیا ہو اور کوئی اس کی اقتدا کرے ، اس کا تعلق امی عورت کی اقتداوالی صورت سے نہیں ہے)

اوقات مکروہہ میں نفل شروع کرنے سے لازم

اور نفل نماز کی قضا اس وقت بھی شروع کرنے سے ذمہ میں لازم ہو جاتی ہے جب اس نے نماز آفتاب کے غروب یا طلوع کے وقت یا استواء شمس کے وقت شروع کیا ہو لہٰذا اگر نفل شروع کرنے والا اس کو فاسد کرے گا تو اس کا یہ فعل حرام ہو گا اس لئے کہ ارشاد خداوندی ہے لا تبطلوا اعمالکم یعنی اپنے کاموں کو باطل نہ کرو البتہ اگر کوئی عذر ہو تو اسوقت فاسد کرنا پڑے گا اور یہ فعل حرام نہیں ہو گا جیسے اوقات مکروہہ میں شروع کرنا، کہ اس صورت میں فاسد کرنا ہی افضل ہے اور اس نفل کی قضا ضروری ہے اگرچہ نماز کا فساد نمازی کے فعل سے نہ ہو جیسے تیمم سے نماز پڑھنے والا جب نماز میں پانی کو پالے یا نماز پڑھنے والی یا روزہ رکھنے والی عورت کو حیض آجائے کہ اس صورت میں نماز اور روزہ کے فاسد ہونے میں اس کے اختیار کو کوئی دخل نہیں ہے البتہ اس کی قضا اس کے ذمہ ضروری ہو گی اسی طرح اگر عذر کیوجہ سے خود فاسد کرے گا تو بھی اس کے ذمہ قضا واجب ہو گی۔

واعلم ان مایجب علی العبد بالتزامه نوعان مایجب بالقول وهو النذرو سیجئی و مایجب بالفعل وهو الشروع فی النوافل ویجمعها قوله من النوافل سبع تلزم الشارع اخذا لذلك مما قاله الشارع صوم صلوة طواف حجه رابع عكوفه عمره احر امه السابع وقضی رکعتین لو نوی اربعا غیر مؤکدة علی اختیار الحلبی وغیره ونقض فی خلاك الشفع الاول اوالثانی ای وتشهد للاول والایفسد الکل اتفاقا والاصل ان کل شفع صلوة الابعارض اقتداء او نذر اوترك قعود اول کما یقضی رکعتین لوترك القرأة فی شفعیه اوتركها فی الاول فقط اوالثانی اواحدی رکعتی الثانی اواحدی رکعتی الاول او الاول واحدی الثانی لاغیر لان الاول لمابطل لم یصح بناء الثانی علیه فهذه تسع صور للزوم رکعتین وَ قضی اربعا فی ست صور لو ترك القرأة فی احدی کل شفع او فی الثانی واحدی الاول وبصورة القرأة فی الکل تبلغ ستة عشر لکن بقی ما اذا لم یقعد او قعد ولم یقم الثالثة او قام ولم یقیدها بسجدة اوقیدها فتنبه ومیز المتداخل وحکم موتم ولو فی تشهد کامام .

نوافل کا لازم ہونا

جان لینا چاہئے کہ بندہ پر خود اس کے لازم کرنے سے جو چیز واجب کی جاتی ہے ، اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اس کے قول کیوجہ سے واجب ہوتی ہے اور اس کو اصطلاح میں نذر کہتے ہیں اور اس کا

حکم آگے آئے گا دوسری قسم وہ ہے جو بندہ پر بندہ کے فعل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور وہ نوافل کا بطور خود شروع کر دینا ہے ایک شاعر نے ان نوافل کو اپنے اشعار میں جمع کر دیا ہے جو شروع کرنے سے واجب ہوتے ہیں۔

ترجمہ:۔ سات نوافل ہیں جو شروع کرنے والوں پر لازم ہو جاتی ہیں اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے مستنبط ہوئے ہیں (۱) نفل نماز (۲) نفل روزہ (۳) نفل طواف (۴) نفل حج (۵) معتکف کا اعتکاف کرنا (۶) نفل عمرہ (۷) نفل احرام

(جب کوئی طواف شروع کر دے گا اس کو سات پھیرے پورے کر دینے لازم ہوں گے جس اعتکاف میں روزہ شرط ہے وہ کم از کم ایک دن کا ہوتا ہے، ورنہ ایک ساعت کا بھی روزہ والا اعتکاف شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے جیسے رمضان کا اعتکاف ہے کہ شروع کرنے سے لازم ہو جائے گا)

نوافل کی قضاء

اگر کسی نے سنت غیر مؤکدہ میں سے چار رکعت کی نیت کی اور اس نے پہلے یا دوسرے شفعہ کے درمیان نیت توڑ دی تو حلبی وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ دو رکعت کی قضا کرے گا شارح نے کہا کہ دوسرے دوگانہ میں نیت توڑنے کی شرط یہ ہے کہ نمازی پہلے دوگانہ کا تشہد پڑھ چکا ہو، یعنی مقدار تشہد بیٹھ چکا ہو، اگر پہلے دوگانہ کے بعد اس کا مقدار بیٹھا نہیں تھا اور دوسرے دوگانہ میں اس نے نیت توڑی ہے تو پھر اس کو چاروں رکعتوں کی قضا لازم ہوگی اس لئے کہ اس طرح دونوں ہی دوگانے فاسد ہو گئے۔

سنت مؤکدہ کی قضاء

یہ اوپر والا حکم غیر مؤکدہ کا ہے اور جو سنت مؤکدہ ہے اگر اس میں چار کی نیت کی تھی اور نیت توڑی ہے خواہ اول دوگانہ میں نیت توڑی ہے خواہ دوسرے میں چاروں رکعتوں کی قضا کرے گا کیونکہ یہ مؤکدہ ایک سلام سے شروع ہے اور ان کے دونوں دوگانوں کا حکم ایک نماز کا ہے، البتہ اگر اخیر قعدہ میں مقدار تشہد کے بعد توڑے گا تو قضا لازم نہیں ہوگی۔

نفل کی نیت توڑنا

نفل میں قعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس کا ہر دوگانہ (یعنی اس کی ہر دو رکعت) علیحدہ نماز ہے البتہ اقتداء یا نذر یا قعدہ اولیٰ کے چھوڑ دینے سے چاروں کا ایک حکم ہو جاتا ہے جیسے کوئی ظہر کی جماعت میں نفل کی نیت سے شریک ہو اور پھر نیت توڑ دے تو اب اس کو چار نفل کی قضا کرنی ہوگی۔

نفل میں قرأت کا ترک کرنا

اگر نفل کے دونوں دوگانوں میں قرأت چھوڑ دے یا صرف پہلے دوگانہ میں قرأت چھوڑ دے یا صرف دوسرے دوگانہ میں چھوڑ دے یا دوسرے دوگانہ کی ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دے یا پہلے دوگانے کی ایک رکعت میں پہلے دوگانہ میں اور دوسرے دوگانہ کی ایک ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دے تو ان صورتوں میں دو رکعت کی قضا کرے گا، ان کے علاوہ صورتوں میں نہیں، مذکورہ صورتوں میں صرف دو رکعت کی قضا اس لئے ہے کہ اول دوگانہ جب باطل ہو گیا تو اب اس پر دوسرے دوگانہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں ہے مختصر یہ کہ نو صورتیں ہیں جن میں دو رکعت کی قضا لازم ہوتی ہے۔

چھ صورتوں میں چار رکعت کی قضا کرے ہر دوگانہ کی ایک ایک رکعت میں قرأت چھوڑ دے یا دوسرے دوگانہ میں چھوڑ دے، پہلے دوگانہ کی پہلی رکعت میں اور ہر رکعت میں قرأت کی مختلف صورتیں ملانے سے سولہ صورتیں بن جائیں گی (ان

صورتوں کو جن کا اوپر ذکر ہوا "مسائل ثمانیہ" کہتے ہیں یعنی آٹھ مسائل ان میں سے چھ صورتوں میں دو رکعتوں کی قضا لازم ہوتی ہے اور دو صورتوں میں چار کی چنانچہ متن میں ان آٹھ صورتوں کا ذکر کیا گیا ہے مگر پہلی چھ صورتوں میں نو صورتیں بنتی ہیں اور اخیر دو صورتوں میں چھ صورتیں اس طرح کل پندرہ صورتیں ہو جاتی ہیں اور چاروں رکعت میں قرأت کی صورت ملالی جائے تو سولہ صورتیں ہو جائیں گی نقشہ نیچے دیکھیں۔

رکعت اول	.	.	ق	ق	ق	ق	.	.	.	ق	.	ق	.	ق	.	ق
رکعت دوم	.	.	ق	ق	ق	.	ق	ق	.	.	ق	.	ق	.	ق	ق
رکعت سوم	.	ق	.	ق	.	ق	ق	ق	.	ق	.	.	ق	.	.	ق
رکعت چہار		ق			ق	ق	ق		ق	.	ق	ق	.	.	.	ق
	دو رکعت لازم ہوں	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃.	چار قضا لازم ہوں	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃	چار لازم ہوں

ق۔ قرأت کی علامت ہے اور جہاں قرأت نہیں کی جائے وہاں نقطہ لگایا گیا ہے۔

نفل میں قعدہ کا چھوڑنا

لیکن وہ دو صورت باقی رہی جس میں نمازی نے قعدہ نہ کیا ہو، (اول صورت یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت نہیں کی، اور پہلا قعدہ بھی نہیں کیا، دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری دونوں رکعتوں کو فاسد کر دے ا۔کا حکم یہ ہے کہ چاروں رکعت کی قضا کرے،

یا دوسری رکعت میں بیٹھا اور تیسری رکعت کے لئے نہیں اٹھا تو اس صورت میں دو رکعتوں کی قضا کرے گا، یا تیسری رکعت کے لئے اٹھا اور اس میں سجدہ نہیں ملایا، یا اس تیسری رکعت کا سجدہ بھی کر لیا، لہٰذا غور کرے اور داخل ہونے والی صورتوں کو تمیز کرے، (یعنی پہلے دوگانہ میں قرأت چھوڑ دی اور تیسری رکعت سجدہ کرنے سے پہلے یا اس کا سجدہ کرنے کے بعد فاسد کر دی تو اس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک دو رکعتوں کی قضا کرے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چار رکعت کی قضا کرے گا کذا فی النہر، متداخل سے مراد وہ صورتیں ہیں جو ظاہر میں مختلف ہیں مگر ان کا حکم ایک ہے)

اور مقتدی کا حکم امام کی طرح ہے گو اس نے تشہد میں آکر امام کی اقتداء کی ہو (منشا یہ ہے کہ) اگر امام چار رکعت والی نفل پڑھ رہا تھا اور کسی نے آکر اس میں اس کی اقتداء کی ہے تو جن صورتوں میں امام پر چار رکعت کی قضا لازم آئے گی مقتدی پر بھی چار کی ہی قضا لازم آئے گی، گو وہ آکر امام کے ساتھ تشہد میں ملا ہو۔

ولاقضاء لو نوی اربعا وقعد قدر التشهد ثم نقض لانه لم يشرع فی الثانی اوشرع فی فرض ظانا انه عليه فذكر اداءة انقلب نفلا غير مضمون لانه شرع مسقطا لا ملتزما او صلى اربعا فاكثر و لم يقعد بينهما استحسانا لانه بقيامه جعلها صلوة واحدة فتبقی واجبة و الخاتمة هی الفريضة وفی التشريح صلى الف ركعة ولم يقعد الا فی آخرها صح خلافا لمحمدؒ ويسجد للسهو ولا يثنی ولا يتعوذ فليحفظ.

کب قضا نہیں ہوتی

اس شخص پر قضا نہیں ہے جس نے چار رکعت کی نیت کی ہو اور پہلی دو رکعت پر تشہد کی مقدار بیٹھ کر نیت توڑ دی ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دوسری دونوں رکعتیں شروع ہی نہیں کی اور پہلی دو رکعتیں پوری ہو چکیں اس شخص پر بھی قضا نہیں ہے جس نے فرض نماز اس خیال سے شروع کی کہ فرض اس پر باقی ہے پھر اس کو یاد آیا کہ فرض پہلے وہ ادا کر چکا ہے تو اب اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی اور اگر یہ اس نماز کو فاسد کرے گا تو اس پر اس نماز کی قضا لازم نہیں ہو گی اس لئے کہ ابتداء میں اس کی نیت اپنے ذمہ سے فرض کی ادائیگی کی تھی کسی الگ نماز کو لازم کرنے کی نیت نہیں تھی اس پر بھی از روئے استحسان قضا نہیں ہے جس نے چار یا زیادہ رکعتیں پڑھیں مگر درمیان میں نہیں بیٹھا، اس لئے کہ نمازی نے درمیانی قعدہ چھوڑ کر تمام نماز کو ایک کے حکم میں کر دیا، تو درمیانی قعدہ واجب باقی رہ گیا اور قعدہ اخیرہ میں ٹھہرا (ماحصل یہ ہے نفل کی ہر دو رکعت علیحدہ مستقل نماز ہوتی ہے اور اسکا قعدہ فرض ہوتا ہے اور ترک فرض سے نماز نہیں ہوتی ہے لہٰذا پہلی دو رکعت کو فاسد ہونا چاہئے تھا مگر چونکہ یہ پہلی دو رکعتوں کے بعد نہ بیٹھ کر کھڑا ہو گیا اس طرح کے عمل سے اس نے تمام نماز کو ایک کر دیا، تو فرض نماز کے قاعدہ کے اعتبار سے درمیانی قعدہ واجب ہوا اور اخیر فرض اور فرض اس نے ادا کیا ہے وہ ترک نہیں ہوا ہے)

ہزار رکعت ایک سلام

ترشیح نامی کتاب میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے ہزار رکعتیں ایک سلام سے پڑھیں اور درمیان میں کہیں نہیں بیٹھا، بلکہ اس کی آخری رکعت میں جاکر قعدہ کیا تو اسکی یہ نماز صحیح ہو جائیگی البتہ درمیانی قعدہ چھوڑنے کی وجہ سے جو واجب تھا اس پر سجدہ سہو واجب ہو گا کسی دوگانہ کے شروع میں نہ ثنا پڑھے گا اور نہ اعوذ باللہ مگر امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں درمیانی قعدہ چھوڑ دینے کی وجہ سے اس کی دو رکعت جس کو شفعہ کہتے ہیں، باطل ہو جاتا ہے اس لئے یہ کہ اس کی صحت کے مخالف ہیں۔

ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدا لا مضطجعا الا بعذر ابتداء وكذا بناء بعد الشروع بلا كراهة في الاصح كعكسه بحروفيه اجر غير النبى صلى الله عليه وسلم على النصف الا بعذر ولا يصلى بعد صلوة مفروضة مثلها في القرأة او في الجماعة اولا تعاد عند توهم الفساد للنهى ومانقل ان الامام قضى صلوة عمرة فان صح نقول كان يصلى المغرب والوتر اربعا بثلث قعدات.

نفل بیٹھ کر ادا کرنا

قیام پر قادر ہونے کے باوجود نفل نماز کر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے، البتہ لیٹ کر نہیں پڑھ سکتا ہے ہاں اگر کوئی عذر شرعی ہو بیٹھ نہیں سکتا ہے تو لیٹ کر بھی نفل پڑھ سکتا ہے یہ نفل بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ابتداء میں بھی ہے اور درمیان میں بھی ہے یعنی نفل نماز پڑھنا پہلے کھڑے ہو کر شروع کیا تھا پھر درمیان میں بیٹھ کر اس نے نماز پوری کی اس میں کوئی کراہت نہیں ہے صحیح تر مذہب یہی ہے جیسے اس کے برعکس بھی بلا کراہت درست ہے یعنی ابتداء میں نفل نماز بیٹھ کر شروع کی تھی بعد میں کھڑے ہو کر پوری کی کذا فی البحر۔

جو لوگ بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھتے ہیں ان کا ثواب آدھا گھٹ جاتا ہے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھ کر نفل نماز پڑھنے کا ثواب پورا ہی رہتا ہے، آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے، بندہ کو البتہ آدھا ملتا ہے ہاں اگر کوئی عذر ہو اور بیٹھ

کر پڑھے تو پھر بندہ کا ثواب بھی کم نہیں ہوتا بلکہ اس صورت میں بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

فرض نماز کے بعد کی نمازیں

فرض نماز کے بعد کوئی ایسی نماز نہیں پڑھے جو قرأت یا جماعت میں فرض نماز کی طرح ہو (مثلاً ظہر کے بعد کوئی چار سنتیں اس طرح پڑھے کہ پہلی دو میں قرأت کرے اور دوسری دو رکعتوں کو فرض کی طرح خالی پڑھے تو یہ نماز مکروہ ہوگی) اور نماز کے فاسد ہونے کا جب صرف وہم ہو تو اس وقت نماز دھرائی نہیں جائے اس لئے کہ اس سے روکا گیا ہے۔ (یعنی ایک بار نماز ادا کرلی، پھر وسوسہ کیوجھ سے شبہ ہوگیا کہ پڑھی ہوئی نماز فاسد ہوگئی ہے تو اس وقت اس نماز کا دوبارہ پڑھنا مکروہ ہے البتہ نماز میں خلل ہونا ثابت ہو جائے کہ واقعی کوئی واجب رہ گیا ہے تو اس صورت میں نماز کا لوٹانا واجب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

امام ابو حنیفہؒ کے متعلق یہ تو نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنی عمر بھر کی نماز کی قضا کی یعنی دوبارہ پڑھی اولاً یہ صحیح نہیں ہے کہ آپ نے ایسا ہی کیا ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ واقعہ درست ہے تو ہم کہیں گے کہ آپ وتر اور مغرب کی نماز کی قضا میں چار رکعت پڑھتے ہوں گے اور تین قعدہ کرتے ہوں گے یعنی دوسری رکعت کے بعد قعدہ اولی کرتے ہوں گے اور تیسری کے بعد بھی اور پھر چوتھی کے بعد بھی، کہ اگر پہلی مغرب صحیح ہوئی ہے تو یہ اس کے قائم مقام ہو جائے اور اگر وہ صحیح تھی تو یہ نفل ہو جائے گی اور چونکہ نفل تین نہیں ہوتی ہے اس لئے یہ چار کرلی گئی، اور ایک رکعت کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ويقعد في كل نفله كما في التشهد على المختار ويتنفل المقيم راكبا خارج المصر محل القصر مؤميا فلو سجد اعتبر ايماء لانها انما شرعت بالايماء الى اىّ جهة توجهت دابته ولو ابتداء عند نا او على سرجه نجس كثير عند الا كثر ولو سيرها بعمل قليل لاباس به ولو افتتح النفل راكبا ثم نزل بنى وفى عكسه لا لان الاول ادّى اكمل مما وجب والثانى بعكسه ولو افتتحها خارج المصرثم دخل المصر اتم على الدابة بايماء وقيل لا بل ينزل وعليه الاكثر قاله الحلبى وقيل يتم راكبا مالم يبلغ منزله قهستانى ويبنى قائما الى القبلة او قاعد او لو ركب تفسد لانه عمل كثير بخلاف النزول ولو صلى على دابة فى شق محمل وهويقدرعلى النزول بنفسه لاتجوزالصلوة عليها اذاكانت واقفةالا ان تكون عيدان المحمل على الارض بان ركزتحته خشبة.

نفل بیٹھ کر پڑھنے کا طریقہ

نفل نماز اس طرح بیٹھ کر پڑھے جس طرح نمازی تشہد میں بیٹھتا ہے مختار قول یہی ہے (فقیہ ابو اللیث نے کہا کہ اسی پر فتوی ہے) مسافر کے لئے شہر سے باہر جہاں قصر کرنا درست ہوتا ہے وہاں مقیم سواری پر اشارہ سے نفل نماز ادا کر سکتا ہے اگر وہ سواری پر سجدہ بھی کرے گا تو اس کو اشارہ ہی سمجھا جائے گا کیونکہ سواری پر نماز کی ادائیگی صرف اشارہ سے ہی جائز کہی گئی ہے، اس نفل میں جس طرف اس کی سواری کا جانور جارہا ہے اسی طرف رخ کرے گا، اگرچہ ہمارے نزدیک وہ نفل شروع کرتے وقت ہی کیوں نہ ہو، یعنی سواری پر نماز پڑھنے میں

قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں ہے نہ نیت کرتے وقت اور نہ درمیان نماز میں البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ نیت کے وقت اس کا قبلہ رخ ہونا ضروری ہے پھر اسکے بعد کسی طرف بھی منہ ہو اور گو اس سواری کی زین پر زیادہ نجاست ہی کیوں نہ ہو، تو بھی اکثر کے نزدیک اس پر نفل پڑھنا درست ہے (جب مقیم نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے تو مسافر تو بدرجہ اولیٰ سواری پر نفل پڑھ سکتا) (شامی میں ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی اصح ہے اور اگر جانور یا رکاب پر نجاست ہو تب بھی یہی حکم ہے)

نفل نماز سے متعلق مسائل

سواری پر نفل نماز پڑھتے ہوئے اگر اس نے تھوڑے عمل سے سواری کو ہانکا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے یعنی اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، نفل نماز شروع تو کی سواری پر پھر وہ سواری سے اتر گیا تو اس صورت میں اسی پہلی نماز کو پورا کرے جس کو اس نے سواری پر شروع کیا تھا البتہ اس کے برعکس میں بنا کی اجازت نہیں ہوگی یعنی ایک شخص نے نماز شروع کی زمین پر رہتے ہوئے پھر وہ جانور پر سوار ہو گیا تو اس صورت میں زمین والی نماز پوری نہیں کر سکتا ہے، بلکہ اس کو از سر نو نماز پڑھنا ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اول نماز کامل شروع کی گئی تھی اور دوسری اس کے برعکس ہے یعنی زمین پر جس وقت نماز شروع کی تھی تو اس کے لئے رکوع سجدہ کرنا ضروری تھا اب جس سواری پر سوار ہو گیا تو اب اشارہ سے پڑھنا جائز ہے اور پہلی صورت میں جب سواری پر شروع کیا تھا، تو اشارہ سے رکوع سجدہ ادا کرنا اس کے ذمہ تھا اور جب اترا تو سجدہ اور رکوع کرنا واجب ہو گیا (لہٰذا دونوں صورتوں کا فرق ظاہر ہے)

نفل نماز سواری پر شہر سے باہر شروع کی پھر شہر میں داخل ہوا

نفل نماز کسی نے شہر سے باہر شروع کی تھی پھر وہ اندرون شہر آ گیا تو اس صورت میں وہ نماز کو سواری پر ہی اشارہ سے پورا کرے گا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شہر میں داخل ہونے کے بعد سواری پر نماز پورا نہیں کر سکتا ہے بلکہ وہ اتر کر پورا کریگا اکثر فقہاء کا قول یہی ہے اس کو حلبی نے بیان کیا ہے اور قول ضعیف یہ ہے کہ سواری پر ہی اس نماز کو پورا کرے گا جب تک وہ اپنی منزل پر نہیں پہونچ لے گا، البتہ منزل پر پہونچ جانے کے بعد اتر کر پورا کرے گا کذا فی القہستانی۔

نفل کے کچھ اور مسائل

سواری سے اتر کر اس کی بقیہ رکعتوں کو جب وہ سواری سے نیچے زمین پر پوری کرے گا تو اب قبلہ روبرو ہو کر پوری کرے گا۔ کسی نے نفل پڑھنا زمین پر شروع کیا تھا پھر درمیان میں سواری پر چڑھ کر اسے پورا کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی اس لئے کہ نیچے سے اوپر چڑھنا عمل کثیر ہے البتہ اوپر سے نیچے اترنا عمل کثیر نہیں ہے لہٰذا اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

اگر کسی نے اونٹ پر اس کے محمل میں ایک طرف نماز ادا کی حالانکہ وہ اس سے اترنے پر بطور خود قادر تھا، تو اس صورت میں اس کی نماز فرض اور واجب اونٹ پر درست نہیں ہوگی جبکہ اس کا اونٹ کھڑا ہوا ہو، البتہ جبکہ محمل کے پائے زمین سے مل رہے ہوں مثلاً محمل کے نیچے لکڑی کا ڈ دی گئی ہو جس سے محمل زمین پر ٹکا ہوا ہے اونٹ کی پیٹھ پر اس کا بار نہیں ہے تو اس پر نماز جائز ہوں (فرض و واجب نماز بغیر شرعی عذر سواری پر پڑھنا درست نہیں ہے عذر یہ ہے کہ چور وغیرہ کا خوف ہو یا درندہ کا خطرہ ہو تو [illegible] بھی جائز ہوگی۔

[illegible] الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیر اولا تسیر

فیہی صلوٰۃ علی الدابۃ فتجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمم لافی غیرھا ومن العذر المطر وطین یغیب فیہ الوجہ وذھاب الرفقاء ودابۃ لاترکب الابعناء اوبمعین ولو محرما لان قدرۃ الغیر لاتعتبر حتی لوکان مع امہ مثلا فی شقی محمل واذا انزل لم تقدر ترکب وحدھا جازلہ ایضا کما افادہ فی البحر فلیحفظ. وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو وافقۃ لتعلیلھم بانھا کالسریر ھذا کلہ فی الفرض والواجب بانواعہ وسنۃ الفجر بشرط ایقافھا للقبلۃ ان امکنہ والا فبقدر الامکان لئلا یختلف بسیر ھا المکان وامافی النفل فتجوز علی المحمل والعجلۃ مطلقافرادی لابجماعۃ الاعلی دابۃ واحدۃ.

جانور والی گاڑی پر نماز کی ادائیگی

گاڑی پر نماز پڑھنے کا حال یہ ہے کہ اگر اس گاڑی کا جوا جانور کے کندھے پر ہو اور گاڑی چلتی ہو یا چلتی نہ ہو تو یہ نماز گاڑی پر کہی جائے گی اور اس طرح نماز پڑھنا ان عذروں کی صورت میں جائز ہوگا جن کا تذکرہ تیمم کی بحث میں گذر چکا، اس کے علاوہ حالت میں اس گاڑی پر نماز درست نہیں ہوگی (وہ عذر جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مال کا خوف یا جان کا خطرہ ہو یا عورت کو کسی بدکار کے حملہ آور ہونے کا) اور وہ عذر جس کی وجہ سے گاڑی پر نماز جائز ہوتی ہے ان عذروں میں بارش کا برسنا ہے اور زمین کا اس طرح کیچڑ والی ہونا ہے کہ جس پر چہرہ دھنس جائے اور غائب ہو جائے ٹھہر نہ سکے اور ساتھیوں کا چھوٹ جانا ہے اور جانور کا ایسا ہونا کہ بغیر مددگار اور شفقت کے اتر کر پھر سوار نہ ہو سکے اگرچہ وہ مددگار محرم ہو اس لئے کہ غیر کی قدرت کا اعتبار نہیں ہے (شامی میں ہے کہ اگر کسی کے پاس سواری نہیں ہے اور زمین ایسی ہے کہ وہ تمام کی تمام اس طرح گارا بنی ہوئی ہے کہ اس پر سجدہ نہیں ہو سکتا ہے تو اس صورت میں وہ کھڑا ہو کر اشارہ سے نماز ادا کرے گا)

اسی طرح اگر کوئی اپنی ماں کے ساتھ محمل کے ایک طرف سوار ہو اور دوسری طرف اسکی ماں ہو اور حال یہ ہو کہ اگر یہ شخص اترتا ہے تو پھر اس کی ماں اکیلی سوار نہیں رہ سکتی ہے بلکہ الٹ کر وہ گر جائے گی تو اس صورت میں اس مرد کو محمل میں نماز پڑھنا جائز ہے چنانچہ اسکو بحر الرائق میں بیان کیا ہے لہٰذا اس کو یاد رکھنا چاہئے (ماحصل یہ ہے دو سواروں میں سے ایک کا اس طرح ہونا کہ وہ تنہا نہ ٹھہر سکے دوسرے کے حق میں عذر ہے)

اور اگر گاڑی کا جوا بیل وغیرہ پر نہ ہو اور وہ کھڑی ہو چلتی نہ ہو تو اس میں نماز ادا کرنا جائز ہے اس علت کیوجہ سے جس کو فقہاء نے بیان کیا ہے کہ زمین پر کھڑی ہوئی گاڑی تخت کے مثل ہے (رہ گئی ریل تو اس کا حکم جانور والی گاڑیوں سے مختلف ہے پہلے زمانہ میں اختلاف رہا ہو، مگر اب ریل میں نماز پڑھنا بلا اختلاف جائز ہے اگر ریل ایسی ہے کہ اس میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو کھڑا ہو کر نماز ادا کرے گا اور اگر ریل اس طرح چلتی ہو کہ اس میں کھڑا رہنا مشکل ہو تو بیٹھ کر ادا کرے گا مگر آج کل عموما ریلیں ایسی ہیں جن میں کھڑے ہو کر نماز میں گرنے کا کوئی خطرہ نہیں رہتا ہے اب ریل کے ہر ڈبہ میں بیت الخلا ہوتا ہے اور اس میں پانی بھی ہوتا ہے وہ پانی پاک ہوتا ہے اس سے وضو کر سکتا ہے،

عذروں کا اعتبار

ان سب عذروں کا اعتبار، فرض وواجب قسم کی نمازوں میں ہے یا فجر کی سنت میں بشرطیکہ سواری کو قبلہ کی جانب کھڑا کیا گیا ہو، اگر ایسا ممکن ہو، اور قبلہ رخ کھڑا کرنا ممکن نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو اسی قدر کھڑا رکھے تاکہ اس کے چلنے سے مکان مختلف نہ ہو (ماحصل یہ ہے کہ نفل کے علاوہ نمازوں میں مکان کا متحد ہونا اور قبلہ رخ ہونا شرط ہے اگر ایسا ہو سکتا ہے تو بغیر عذر ان کو ساقط نہیں کیا جائے گا۔

(لہٰذا اگر سواری کو قبلہ رخ کھڑا کر سکتا ہے تو ضرور ایسا کرنا چاہئے، باقی اگر ایسا ہو کہ سواری کو کھڑا تو کر سکتا ہے، مگر قبلہ رخ نہیں کر سکتا، تو کھڑا کرنا لازم ہے تاکہ مکان کا متحد ہونا تمام نماز میں حاصل ہو جائے اور اگر قبلہ رخ کر سکتا ہے مگر کھڑا نہیں کر سکتا تو حلیہ میں لکھا ہے کہ قبلہ رخ کرنا ضروری ہے اور شارح کے قول بقدر امکان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اور واجب کی قسم سے مراد وتر اور نماز نذر ہے اور اس نفل کی قضا ہے جس کو شروع کر کے توڑ دیا ہو)

نفل نماز محمل میں

اور رہی نفل نماز تو اس کا محمل یا گاڑی پر ادا کرنا جائز ہے خواہ گاڑی کھڑی ہو یا چل رہی ہو قبلہ رخ ہو یا قبلہ رخ نہ ہو، اترنے پر قادر ہو یا قادر نہ ہو، لیکن نفل نماز کا تنہا پڑھنا درست ہے، جماعت سے پڑھنا درست نہیں ہے، مگر ایک جانور پر جماعت کیساتھ بھی درست ہے خواہ مقتدی پیچھے بیٹھا ہو یا محمل اسکے برابر ہو کذا فی الشامی،

ولوجمع بين نية فرض ونفل ولوتحية رجح الفرض لقوته وابطلها محمد والائمة الثلثة ولونذر ركعتين بغيرطهرلزماه به عنده اى ابى يوسف كما لو نذر بغير قرأة اوعريا نا اوركعة وكذا نصف ركعة عند ابى يوسف وهوالمختاروا هدره الثالث اى محمد او نذر عبادة فى مكان كذا فاداه فى اقل من شرفه جاز لا ن المقصود القربة خلافا لزفر والثلثة ولونذرت عبادة كصوم وصلوة فى غدفحاضت فيه يلزمها قضاؤها لانه يمنع الاداء لاالوجوب ولو نذرتها يوم حيضها لا لانه نذربمعصية.

ایک نماز میں کئی نماز نیت

نمازی اگر ایک ہی نماز میں فرض اور نفل دونوں کی نیت کرے اگرچہ وہ نفل تحیۃ المسجد ہو یا تحیۃ الوضو تو اس صورت میں فرض کو ترجیح ہوگی..........وہ ان دونوں میں قوی ہے اور امام محمدؒ اور بقیہ ائمہ ثلثہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس طرح کی نیت کو باطل قرار دیا ہے (یعنی اس صورت میں وہ نماز فرض ہوگی اور نمازی کو نفل کا ثواب نہیں ملے گا بخلاف اس کے کہ کئی نفلوں کی ایک ساتھ کوئی نیت کرے جیسے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو اور نماز چاشت ان سب کی نیت دو ہی رکعت میں کی تو نمازی کو سب نمازوں کا ثواب ملے گا کذا فی الطحطاوی)

بغیر طہارت نذر ماننے سے نذر کا واجب

اگر کسی نے دو رکعت نماز کی نذر مانی مگر بغیر طہارت کے تو بھی وہ ذمہ طہارت کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لازم ہو جائیں گی. جیسے کوئی بغیر قرأت نماز کی نذر مانے یا یہ مانے کہ ننگے ہو کر نماز ادا کرے گا تو یہ نماز نذر ماننے والے کے ذمہ قرأت اور ستر عورت کے ساتھ لازم ہوگی یا کسی نے ایک رکعت یا آدھی رکعت نماز کی نذر مانی تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں اس پر دو رکعت نماز کا ادا کرنا ضروری ہوگا مذہب مختار یہی ہے اور امام محمدؒ ایسی نذر کو باطل قرار دیتے ہیں یعنی یہ نذر ہی نہیں ہوئی لہٰذا اس پر کچھ

لازم نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ نذر معصیت ہے اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نماز کا اپنے اوپر لازم کرنا اس چیز کا بھی لازم کرنا ہے جن کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور چونکہ عذر والے کے حق میں بغیر طہارت نماز عبادت ہے اسی وجہ سے امی کے حق میں بغیر قرأت نماز عبادت ہے لہٰذا یہ نذر معصیت نہیں ہوگی (کذافی الشامی)

یا نذر مانا کہ مکان متعین میں عبادت کرے گا پھر اس نے اس عبادت کو اس جگہ میں ادا کیا جس کا شرف مکان نذر کی نسبت سے کم تھا تو اس کی یہ ادائیگی درست ہوگی اس لئے کہ مقصود قربت تھی اور وہ ہر جگہ کی عبادت سے حاصل ہے البتہ امام زفرؒ اور دیگر تینوں اماموں نے اس کی مخالفت کی ہے۔

نذر حیض کے ساتھ

اگر کوئی عورت کسی عبادت کی نذر کل کیلئے مانے جیسے اس نے کہا کہ اگر ایسا ہو گیا تو کل نماز پڑھونگی یا روزے رکھونگی پھر اس کل کے دن میں وہ حائضہ ہوگئی تو اس عورت پر اسکی قضا دوسرے دن لازم ہوگی اس لئے کہ حیض عبادت کی ادائیگی سے مانع ہوا ہے، واجب ہونے کو وہ نہیں روکتا ہے اور اگر عورت نے اپنے حیض کے دن نماز یا روزہ کی نذر مانی مثلاً یہ کہ جس دن حیض آئے گا اس دن دس رکعت نفل پڑھونگی یا روزہ سے رہونگی تو اس صورت میں اس پر قضاء لازم نہیں ہوگی، اس لئے کہ یہ نذر معصیت ہے کیونکہ حیض کا دن نماز روزہ کے منافی ہے لہٰذا یہ نذر ہی درست نہیں ہوئی۔

والتراویح سنة موكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء اجماعا ووقتها بعد صلوة العشاء الى الفجر قبل الوتر وبعده فى الاصح فلوفاته بعضها وقام الامام الى الوتر اوترمعه ثم صلى مافاته ويستحب تاخير ها الى ثلث الليل اونصفه ولا تكره بعد ه فى الاصح ولاتقضى اذافاتت اصلاولا وحده فى الاصح فان قضا هاكانت نفلا مستحبا وليس بتراويح كسنة مغرب وعشاء.

نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے

تراویح مردوں اور عورتوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے پابندی سے ہمیشہ ادا کیا ہے یعنی حضرت عمرؓ، عثمانؓ حضرت علیؓ اور حسینؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے بعد عہد فاروقی میں تراویح کی جماعت پر اجماع صحابہ قائم ہوا ہے (یہاں خلفاء راشدین سے ان کی اکثریت مراد ہے حضرت عمرؓ سے لیکر آج تک اس پر تمام امت کا عمل اور اتفاق رہا ہے کسی نے انکار نہیں کیا شرح منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ اکثر علماء نے اس کے مسنون ہونے پر اجماع نقل کیا ہے، اور اسکے سنت مؤکدہ ہونے کی تصحیح ہدایہ وغیرہ میں کی گئی ہے اور اجماع کی قید یہاں لگائی گئی ہے کہ روافض کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے جو یا تو صرف مردوں کے حق میں سنت بتاتے ہیں یا سرے سے سنت ہی نہیں کہتے، سنن سعید بن منصور میں حضرت عروہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مردوں کا امام حضرت ابی بن کعبؓ کو مقرر فرمایا اور تمیم داریؓ عورتوں کو نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ کذافی الشامی)

تراویح کا وقت

تراویح کی نماز کا وقت نماز عشاء کے بعد سے لیکر فجر تک ہے وتر کے پہلے بھی اس کا وقت ہے اور وتر کے بعد بھی صحیح تر قول یہی ہے (تراویح کے اوقات میں تین اقوال ہیں اول یہ کہ اس کا وقت تمام شب ہے تو اس قول پر تراویح کا وقت آفتاب کے غروب سے لیکر طلوع فجر تک ہوا دوسرا قول یہ ہے کہ تراویح کا وقت عشاء اور وتر

کے درمیان ہے یعنی عشاء کی فرض کے بعد اور نماز وتر سے پہلے، اور تیسرا قول وہی ہے جو متن والے نے نقل کیا ہے یعنی عشاء کے بعد سے فجر تک وتر کے پہلے بھی اور بعد بھی مگر بحر الرائق میں ہے کہ پہلے قول کی کسی نے تصحیح نہیں کی ہے اور دوسرے قول کو خلاصہ میں صحیح کہا گیا ہے۔

سایۃ البیان میں دوسرے قول کو متوارث وماثور کہا گیا ہے اور تیسرے قول کو ہدایہ خانیہ اور محیط وغیرہ میں صحیح کہا گیا ہے اور کافی نامی کتاب میں اسی تیسرے قول کو جمہور کا قول کہا گیا ہے (کذافی الشامی)

پس اگر نمازی کی کچھ تراویح چھوٹ گئی ہو اور امام وتر پڑھنے کیلئے کھڑا ہو گیا ہو تو وہ شخص امام کے ساتھ پہلے وتر پڑھے گا پھر اس کے بعد وہ تراویح کی ان رکعتوں کو ادا کرے گا جو اسکی امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی ہے، اس سے یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جس نے عشاء کی فرض نماز نہ پڑھی ہو تو وہ بغیر فرض پڑھے ہوئے جماعت تراویح میں شریک نہ ہو۔

رات کی ایک تہائی یا نصف تک نماز تراویح کا مؤخر کرنا مستحب ہے اور صحیح تر قول یہ ہے کہ نصف رات کے بعد تراویح پڑھنا مکروہ نہیں ہے البتہ ضعیف قول یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد تراویح مکروہ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ تراویح عشاء کے تابع ہے اور اعشاء کے فرض آدھی رات کے بعد مکروہ ہے تو یہ بھی مکروہ ہوگی اور مکروہ نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تراویح رات کی نماز ہے اور رات کی نماز کے لئے افضل یہ ہے کہ اخیر شب میں ہو۔

تراویح کی قضاء

تراویح جب چھوٹ جائے تو وہ قطعاً قضا نہیں کی جائے گی نہ جماعت کے ساتھ اور نہ تنہا صحیح تر قول یہی ہے لہٰذا اگر تراویح کی قضا پڑھے گا تو یہ نفل مستحب ہو جائیں گی یہ تراویح نہیں ہوں گی جیسے مغرب اور عشاء کی سنتوں کے چھوٹ جانے سے ان کی قضا نہیں کی جاتی ہے، اور اصح کے مقابلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ دوسری نماز تراویح کے وقت کے آنے تک تنہا اس کی قضا پڑھ سکتا ہے۔

والجماعة فيها سنة على الكفاية فى الاصح فلوتر كها اهل مسجد ا ثموالا لوترك بعضهم وكل ماشرع بجماعة فالمسجد فيه افضل قاله الحلبى وهى عشرون ركعة حكمته مساواة المكمل للمكمل بعشرتسليمات فلو فعلها بتسليمة فان قعد لكل شفع صحت بكراهة والانابت عن شفع واحدبه يفتى يجلس ندبا بين كل اربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوترويخيرون بين تسبيح وقرأة وسكوت وصلوة فرادى نعم تكر صلوة ركعتين بعد كل ركعتين والختم مرة سنة و مرتين فضيلة وثلثا افضل ولا يترك الختم لكسل القوم لكن فى الاختيار الافضل فى زماننا قدر ما لايثقل عليهم واقره المصنف و غيره وفى المجتبى عن الامام لو قرأثلثا قصاراً او آية طويلة فى الفرض فقد احسن ولم يسئى فما ظنك بالتراويح وفى فضائل رمضان للزاهدى افتى ابو الفضل الكرمانى والوبرى انه اذا اقرأ فى التراويح الفاتحة واية او ايتين لا يكره و من لم يكن عالما باهل زمانه فهو جاهل.

تراویح کی جماعت مسجد میں

اصح قول کے مطابق تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے، اگر کسی مسجد والے سب کے سب تراویح پڑھنا چھوڑ دیں گے تو وہ سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض پڑھ لیں گے اور بعض چھوڑ دیں گے تو پھر وہ گنہگار نہیں ہونگے (سنت کفایہ کا منشا بھی یہی ہے کہ کچھ لوگ تراویح مسجد میں پڑھ لیں گے تو یہ سنت سب کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی) جن نمازوں کا جماعت سے پڑھنا جائز ہے ان نمازوں کی جماعت کا مسجد میں ہونا افضل ہے حلبی اسی کے قائل ہیں (جیسے تراویح نماز کسوف کہ یہ نمازیں جماعت سے پڑھنے کا حکم ہے لہذا انکی جماعت مسجد میں کرنا افضل ہوگا)

تراویح کی رکعتیں

تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں اس کی حکمت مکمل (پورا کرنے والی) کا مکمل (جن کو پورا کیا جارہا ہے) کے برابر ہونا ہے (منشا یہ ہے کہ نوافل فرائض کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں کہ جو کمی یا خامی فرض میں رہتی ہے اس کی نوافل سے تلافی ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ دن رات کی پنجوقتہ فرض سترہ رکعتیں ہیں اور تین وتر کل بیس رکعتیں ہیں، اس لئے تراویح کو بھی بیس ہی رکعت رکھا گیا، تاکہ اس بیس کے نقصان کی تلافی اس بیس تراویح سے ہو سکے، اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے اور اس کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اس مسئلہ پر حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی مد ظلہ کی کتاب رکعات تراویح پڑھنا مفید ہوگا)

بیس رکعات دس سلاموں سے

تراویح کی بیس رکعتیں دس سلاموں سے پڑھی جائیں گی یعنی دو دو رکعت کر کے، لہذا اگر کسی نے ایک ہی سلام سے بیس رکعتیں اس طرح پڑھی ہیں کہ ہر دو رکعت پر بیٹھا ہے تو کراہت کے ساتھ تراویح کی نماز ادا ہو جائے گی اور اگر دو دو رکعت پر بیٹھا نہیں ہے بلکہ جاکر اخیر میں بیسویں رکعت پر بیٹھا ہے تو یہ صرف دو رکعت کے قائم مقام ہو گی، فتوی اسی پر ہے (یعنی شروع سے تراویح کا دس سلاموں سے بیس رکعت پڑھنا منقول ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ رات میں نفل کی نماز ایک سلام سے آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے بیس رکعتوں کا ایک سلام سے پڑھنا مکروہ ہوگا)

تراویح میں بیٹھنا

اور ہر چار رکعت کے بعد چار رکعت کے مقدار بیٹھے کہ یہ مستحب ہے اور یہ اسی طرح پانچویں ترویحہ اور وتر کے درمیان بیٹھنا بھی مستحب ہے اور یہ جو ہر چار رکعت بعد چار رکعت کی مقدار بیٹھنے کی اجازت ہے اس میں نمازی کو اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے خواہ قرآن پڑھے چاہے خاموش بیٹھا رہے، چاہے الگ الگ نفلیں پڑھے البتہ ہر دو رکعت کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ بیٹھنے کی جگہ ہر چار رکعتوں کے بعد ہے، دو رکعت کے بعد نہیں ہے (قہستانی میں ہے کہ ہر چار رکعت کے بعد تراویح میں تین مرتبہ یہ دعاء پڑھ لیا کرے سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَیِّ الَّذِی لَايَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ نَسْاَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ (کذا فی الطحطاوی)

تراویح میں ختم قرآن

تراویح میں پورے قرآن کا ایک مرتبہ پڑھنا سنت ہے اور دو ختم پڑھنا فضیلت رکھتا ہے اور تین ختم پڑھنا افضل ہے پورے قرآن کا ختم کرنا تراویح میں لوگوں کی سستی کیوجہ سے چھوڑا نہ جائے (قرآن مجید کی کل آیتیں چھ ہزار سے کچھ اوپر ہیں اور پورے مہینہ رمضان میں تراویح کی کل رکعتیں چھ سو ہیں، اگر مہینہ

تین دن کا مان لیا جائے تو اس طرح ہر رکعت میں دس آیتیں پڑھا کرے گا تو بآسانی ایک ختم ہو جائے گا کذا فی الطحطاوی)

لیکن اختیار نامی کتاب میں یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں افضل اس قدر پڑھنا ہے جو نمازیوں پر بوجھل نہ ہو اور مصنف وغیرہ نے اسی قول کو برقرار رکھا ہے، اور مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اگر فرض میں تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت پڑھے تو یہ بہتر ہے اس وجہ سے کہ نہیں ہوجائے گا، لہٰذا تراویح میں تمہارا خیال کیا ہے (مطلب یہ ہے کہ تراویح کی ایک رکعت میں اس قدر پڑھنا بدرجہ اولیٰ بہتر ہوگا) اور زاہدی نے فضائل رمضان میں لکھا ہے کہ ابوالفضل کرمانی اور وبری نے فتویٰ دیا ہے کہ تراویح میں اگر کوئی شخص سورہ فاتحہ اور ایک یا دو آیت پڑھتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا اور جو اپنے زمانہ والوں سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے (یہاں آیت سے ایک بڑی آیت مراد ہے جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو، ورنہ مکروہ تحریمی ہوگا کذا فی الشامی۔ شارح کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر لوگوں میں سستی آجائے اور وہ پورے قرآن کے ختم کو نماز میں پڑھنے سے بددل ہوں، سن نہیں سکتے ہوں، تو اتنے پر اقتصار کرنے کی گنجائش ہے کہ مسجدیں آباد رہیں اور لوگ جماعت چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اور اگر ایسا نہ ہو تو ایک ختم قرآن والی سنت ادا کرے)

ویاتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشهد الا ان یمل القوم فیاتی بالصلوٰة ویکتفی باللهم صل علی محمد لانه الفرض عند الشافعی ویترك الدعوات ویجتنب المنكرات هذرمة القراة وترك تعوذوتسميةوطمانينةوتسبيح واستراحة وتكره قعدا لزيادة تاكدها حتى قيل لا تصح مع القدرة على القيام كما يكره تاخير القيام الى ركوع الامام للتشبيه بالمنافقين ولو تركوا الجماعة فى الفرض لم يصلوا التراويح جماعة لانها تبع فمصليه وحده يصليها معه ولو لم يصلها اى التراويح بالامام او صلاها مع غيره له ان يصلى الوتر معه بقى لو تركها الكل هل يصلون الوتر بجماعة فليراجع.

ہر دو رکعت پر ثنا وغیرہ

امام اور مقتدی دونوں تراویح کی ہر دو رکعت پر ثنا پڑھیں گے اور امام قعدہ میں تشہد کے بعد درود اور درود کے بعد کی دعا بھی پڑھے گا لیکن اگر قوم تھک جائے تو تشہد کے بعد صرف درود پڑھے اور اس میں بھی اللّٰھم صل علی محمد پر اکتفا کرے اس لئے کہ درود کا پڑھنا امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اس لئے اس کا پڑھنا ضروری ہے البتہ درود کے بعد کی دعا کو چھوڑ دے گا تو اس کی گنجائش ہے اور غیر مشروع باتوں سے بچے یعنی جلد از جلد اور بہت تیز نہ پڑھے اور نہ بسم اللہ اور اعوذ باللہ پڑھنا چھوڑے اور نہ اطمینان اور تعدیل ارکان اور رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کو ترک کرے اور اسی طرح جلسہ استراحت یعنی چوتھی رکعت کے بعد بیٹھنے کو بھی نہ چھوڑے۔

تراویح بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے

تراویح کا بیٹھ کر پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ تراویح کی زیادہ تاکید آئی ہے، یہاں تک کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جب تک کوئی تراویح کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہے اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ (البتہ جب کوئی کھڑا ہو کر پڑھنے پر قادر نہ ہو تو اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے، بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ سلف سے ایسا ثابت نہیں ہے) جس طرح تراویح میں مقتدی کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اس وقت تک

بیٹھا رہے جب تک امام رکوع میں نہ جانے جب وہ رکوع میں جانے لگے تو جلدی سے اٹھ کر مل جائے اس لئے کہ ایسا کرنا منافقوں سے مشابہت رکھتا ہے (بعض مقتدی ایسا کرتے ہیں کہ وہ بیٹھے رہتے ہیں نماز تراویح میں شریک نہیں ہوتے انتظار میں رہتے ہیں کہ امام رکوع میں جانے لگے گا تو اٹھ کر مل جائیں گے، ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ فعل منافقوں سے ملتا جلتا ہے قرآن پاک میں منافقوں کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے واذاقاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یعنی وہ جب نماز کیلئے اٹھتے ہیں تو سست کی طرح)

عشاء کی جماعت نہ پڑھی جائے تو تراویح کا حکم

اگر سارے لوگ عشاء کی فرض نماز باجماعت چھوڑ دیں گے تو وہ تراویح کی نماز جماعت کیساتھ نہیں پڑھیں گے، اس لئے کہ تراویح کی جماعت فرض کے تابع ہے، لہٰذا جس شخص نے تنہا فرض نماز پڑھی ہے وہ تراویح امام کیساتھ پڑھے گا، لیکن اگر نماز تراویح امام کیساتھ نہیں پڑھی ہے یا دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہے تو اس کیلئے امام کے ساتھ وتر پڑھنا جائز ہے (اس سے یہ مراد ہے کہ فرض نماز باجماعت پڑھی اور تراویح باجماعت نہیں پڑھی تو اس صورت میں بھی وتر جماعت سے پڑھے گا کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر اس نے فرض نماز تنہا ادا کی ہے تو اس صورت میں وتر نماز کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھے کذا فی الشامی)

باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر سب نے تراویح کی جماعت نہیں کی تو کیا یہ لوگ وتر باجماعت پڑھ سکتے ہیں اس کا حکم تلاش کرنا چاہئے (شامی نے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ وتر جماعت سے نہیں ادا کریں گے، اس لئے کہ وتر کی جماعت اس وقت سلف سے مسنون ہے کہ جب انہوں نے تراویح کی نماز جماعت سے ادا کی ہو، لہٰذا وتر کی جماعت تراویح کی جماعت کے تابع قرار پائی)

ولايصلى الوتور لا التطوع بجماعة خارج رمضان اى يكره ذلك على سبيل التداعى بان يقتدى اربعة بواحد كما فى الدررو لا خلاف فى صحة الاقتداء اذلا مانع نهر وفى الاشباه عن البزازية يكره الاقتداء فى صلوة رغائب وبرأة وقدر الا اذاقال نذرت كذا ركعة بهذا الامام جماعةً انتهى قلت وتتمة عبادة البزازية من الامامة ولا ينبغى ان يتكلف كل هذا التكلف لامرمكروه وفى التاتارخانية لولم ينوالامامة لا كراهة على الامام فليحفظ وفيه اى رمضان يصلى الوتروقيامه بهاوهل الافضل فى الوترالجماعة ام المنزل تصحيحان لكن نقل شارح الوهبانية ما يقتضى ان المذهب الثانى واقره المصنف وغيره.

رمضان کے علاوہ مہینوں میں نفل اور وتر کی جماعت نہیں ہے

رمضان کے علاوہ مہینوں میں نہ نماز وتر باجماعت پڑھی جائے گی اور نہ نفل نماز اس لئے کہ غیر رمضان میں ان نمازوں کو جماعت کے ساتھ بطور تداعی پڑھنا مکروہ ہے اس طرح کہ چار شخص ایک شخص کے پیچھے پڑھیں جیسا کہ درر میں صراحت ہے لیکن اقتداء کے صحیح ہونے میں خلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہاں اقتداء کیلئے کوئی مانع نہیں ہے (چار کی قید اس لئے لگائی کہ اگر نماز نفل میں ایک دو شخص پیچھے آکر مل جائیں تو یہ بلا کراہت درست ہے) (شامی نے لکھا ہے کہ نفل میں اگرچہ اقتدا درست ہے مگر اس کو جماعت کا ثواب نہیں ملے گا)

صلوٰۃ براۃ وغیرہ

اشباہ میں بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ رغائب برأت اور قدر کی نمازوں میں اقتدا کرنا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں اقتداء کرسکتا ہے جب وہ کہے کہ اس نے اس امام کیساتھ اتنی رکعت جماعت سے پڑھنے کی نذر مانی تھی، شارح کہتے ہیں کہ باب الامامۃ میں بزازیہ کی بقیہ عبارت یہ ہے کہ ایک مکروہ امر کیلئے یہ سراپا تکلف مناسب نہیں ہے، (صلوۃ غائب ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں پڑھی جاتی ہے یہ نماز ۴۸۰ھ میں ایجاد ہوئی چنانچہ علماء نے اس کی برائی اور اس نماز کے پڑھنے والوں کی حماقت میں کتابیں لکھیں یہی وجہ ہے کہ منیۃ المصلی نامی کتاب کی شرح لکھنے والوں نے صراحت کی ہے کہ اس نماز کے باب میں جو حدیث روایت کی گئی ہے سب موضوع اور باطل ہے اہل روم اس نماز کو باجماعت پڑھنے کیلئے یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اسکی نذر مان لیتے ہیں تاکہ واجب ہوجائے نفل باقی نہ رہے تاکہ کوئی اس کو مکروہ قرار نہ دے سکے، اور نماز برأت سے شعبان کی پندرھویں رات کی نماز نفل مراد ہے اور صلوۃ قدر سے رمضان کی ستائیسویں رات میں جو نماز بطور نفل پڑھی جاتی ہے وہ مراد ہے ان سب میں بھی جماعت مکروہ ہے ہذا نماز کو جماعت سے ادا کرنے کیلئے نذر ماننے کا تکلف نہیں کرنا چاہئے کذافی الشامی) اور تتارخانیہ میں لکھا ہے کہ اگر امام امامت کی نیت نہیں کرے گا تو اسکے حق میں کراہت ثابت نہیں ہوگی، لہٰذا اس کو یاد رکھنا چاہئے۔

رمضان میں وتر وتراویح کی جماعت

رمضان میں وتر و تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہئے (قیام رمضان سے تراویح کی نماز مراد ہے) یہ سوال البتہ رہ جاتا ہے کہ وتر میں جماعت افضل ہے یا گھر میں تنہا پڑھنا تو دونوں قول کی تصحیح کی گئی ہے لیکن وہبانیہ کے شارح نے جو نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر پر پڑھنا افضل ہے اور اسی کو مصنف نے باقی رکھا ہے (حلبی نے کہا کہ اوپر شارح نے جو قاعدہ لکھا ہے کہ "جو نمازیں جماعت سے مشروع ہوتی ہیں ان کو مسجد میں پڑھنا افضل ہے" اس قاعدہ کا تقاضہ یہ ہے کہ رمضان میں وتر کا مسجد میں جماعت سے ادا کرنا افضل ہے، اور اسی قول کو راجح ہونا چاہئے چنانچہ اسی پر علماء و محدثین کا عمل بھی چلا آرہا ہے)

باب ادراك الفريضة

شرع فيها اداء خرج النافلة والمنذورة والقضاء فانه لا يقطعها منفرد اتم اقيمت اى شرع فى الفريضة فى مصلاه لااقامة المؤذن ولاالشروع فى مكان وهو فى غيره يقطعها لعذر احراز الجماعة كما لو ندت دابته او فارقدرها اوخاف ضياع درهم من مال اوكان فى النفل فحيى بجنازة وخاف فوتها قطعه لامكان قضائه ويجب القطع لنحوا نجاء غريق او حريق ولو دعاه احدا بويه فى الفرض لايجيبه الا ان يستغيث به وفى النفل ان علم انه فى الصلوة فدعاه لا يجيبه والا اجابه قائما لان القعود مشروط للتحلل وهذا قطع لاتحلل ويكتفى بتسليمة واحدة هو الاصح غاية ويقتدى بالامام وهذا ان لم يقيد الركعة الاولى بسجدة او قيدها بها فى غير رباعية اوفيها و لكن ضم اليها ركعة اخرى وجوبا ثم يأتم احراز

النفل والجماعة وان صلی ثلثا منها ای الرباعیة اتم منفردا ثم اقتدی بالامام متنفلا ویدرك بذلك فضیلة الجماعة حاوی الافی العصر فلایقتدی لکراهة النفل بعده.

(جماعت فرض حاصل کرنیکا بیان)

(اس باب میں جہاں فرض کی جماعت حاصل کرنے اور پانے کا بیان ہے اسی کیساتھ دوسرے مسائل بھی مناسبت کیوجہ سے ذکر کیے گئے ہیں) نمازی نے فرض نماز کی ادائیگی کیلئے نیت باندھی اور نماز شروع کی کہ اسی اثناء میں اسی فرض کی جماعت اسکی ہی نماز پڑھنے کی جگہ میں شروع ہوگئی تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ اس جماعت کیوجہ سے وہ اپنے اس فرض کی نیت توڑ کر چھوڑ دے جس کو اسنے شروع کیا تھا، اور جماعت میں ملجائے، شارح نے بیان کیا کہ فرض کی قید سے نفل اور نذر کی نماز نکل گئی قضاء نماز نکل گئی کہ اگر ان نمازوں کو وہ پڑھ رہا ہو اور جماعت شروع ہو جائے تو پھر اپنی نماز کو نہ چھوڑے اور شروع کرنے کی مراد مؤذن کی تکبیر نہیں ہے بلکہ فرض نماز کا شروع کرنا ہے (مطلب یہ ہے کہ تکبیر شروع ہوتے ہی نہیں توڑے گا بلکہ جب امام تکبیر تحریمہ کہے گا تب وہ فرض کو چھوڑ کر جماعت میں ملے گا اسی طرح اگر اس نے نماز گھر میں شروع کی تھی اور جماعت مسجد میں شروع ہوئی تو وہ اپنی نیت نہیں توڑے گا)

نمازی کب نماز چھوڑ سکتا ہے

جس طرح وہ نمازی جو نماز میں مشغول ہے اس کے لئے جائز ہے کہ جب اس کی سواری کا جانور بھاگ جائے یا عورت کی ہانڈی جو وہ پکارہی تھی ابل پڑی یا نمازی کی ایک درہم کے برابر قیمت کی چیز ضائع ہورہی ہو تو وہ نیت توڑ کر نماز چھوڑ دے گا، یا وہ نفل نماز پڑھ رہا ہو کہ اسی حال میں جنازہ لایا گیا اور اس کو اس کے چھوٹ جانے کا خوف ہو تو وہ نفل نماز کی نیت توڑ دے گا اور نماز جنازہ میں شریک ہوگا اس لئے کہ نفل کی قضا کر سکتا ہے، (لیکن اگر کوئی فرض نماز میں مشغول ہو اور جنازہ آجائے تو وہ فرض کو چھوڑ کر جنازہ میں نہیں ملے گا اس لئے کہ فرض کی اہمیت جنازہ کی نماز سے بڑھی ہوئی ہے)

نیت کا توڑنا کب ضروری ہے

نماز کا اسوقت چھوڑ دینا اور نیت توڑ دینا واجب اور فرض ہے جب کہ کوئی ڈوب رہا ہو یا جل رہا ہو یا اس طرح کا کوئی موقع ہو کہ اس کو بچانے کی جد و جہد کرے، فرض نماز میں پڑھنے کی حالت میں اگر والدین میں سے کوئی بلائے تو وہ نیت توڑ کر جواب نہیں دے گا لیکن اگر ان میں سے کوئی فریاد کرے اور اس کے لئے بلائے تو وہ نیت توڑ کر جواب دے گا اور اس فریاد میں ماں باپ اور غیر سب برابر ہیں، اور اگر نماز نفل میں مشغول ہو اور ماں باپ کو علم ہو کہ بیٹا نماز میں مشغول ہے پھر والدین میں سے کوئی بلائے، تو اس صورت میں جواب نہیں دے گا اور اگر والدین کو نفل نماز پڑھنے کا علم نہیں ہے تو نیت توڑ کر جواب دے گا۔

نماز کب توڑی جائے

(صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے کہ نماز کا توڑنا کبھی حرام ہوتا ہے کبھی مستحب کبھی مباح اور کبھی واجب اگر کوئی عذر نہ ہو تو نماز توڑنا حرام ہوگا، اور جماعت میں ملنے کیلئے توڑنا مستحب ہے

اور مال ضائع ہو رہا ہو تو نماز کی نیت توڑنا مباح ہے اور جان بچانے کیلئے نماز کی نیت توڑنا واجب ہے کذا فی الشامی)

نیت جماعت کیلئے حالت قیام میں توڑے

جن حالتوں میں نماز کی نیت توڑنے کا حکم ہے یا اس کی اجازت ہے ان حالتوں میں نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں نیت توڑے گا اس لئے کہ نماز میں بیٹھنا اس وقت ہے، جب حلال کرنے کے لئے ہو اور یہاں نماز کو قطع کرنا اور توڑنا ہے، حلال کرنا نہیں ہے لہٰذا نماز کی نیت توڑنے میں صرف ایک سلام پر اکتفا کرے زیادہ صحیح یہی ہے اور اقتداء امام کے پیچھے کرے (یعنی اپنی نماز کو کھڑے ہونے کی حالت میں ایک سلام سے توڑ کر امام کے ساتھ مل جائے)

تنہا والی نماز جماعت کیلئے کب توڑے

یہ نماز کا توڑنا اور امام کیساتھ ملنا اس صورت میں ہے جب کہ اس نے پہلی رکعت کا سجدہ ابھی نہیں کیا ہو یا سجدہ کیا ہو مگر وہ نماز دو رکعت والی ہو جیسے فجر یا تین رکعت والی ہو جیسے مغرب اور اگر چار رکعت والی میں سجدہ کیا ہو تو اس میں دوسری رکعت بطور وجوب کے ملائے تو گنہگار نہیں ہو گا، پھر امام کی اقتداء کرے تو تاکہ جماعت بھی مل جائے اور نفل کا ثواب بھی مل جائے (مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ ایک فرض نماز تنہا شروع کر چکا تھا پھر اسی فرض کی جماعت شروع ہو گئی، تو اگر اس نے اب تک پہلی رکعت کا سجدہ نہیں کیا تھا تو اس کو چاہئے کہ نیت توڑ کر جماعت میں مل جائے اور اگر وہ پہلی رکعت کا سجدہ کر چکا تھا تب جماعت شروع ہوئی ہے اور یہ نماز فجر کی نماز تھی یا مغرب کی نماز جس کو اس نے تنہا شروع کیا تھا تو بھی نیت توڑ کر جماعت کیساتھ مل جائے۔ اور وہ ظہر یا عصر یا عشاء کی نماز تھی اور پہلی رکعت کا سجدہ کر چکا تھا اس کے بعد جماعت شروع ہوئی تھی تو اب اس پر واجب یہ ہے کہ اپنی اس نماز میں ایک رکعت اور ملالے تاکہ یہ دو رکعت نفل ہو جائے اور دو رکعت پر اس کو ختم کر کے جماعت میں ملکر فرض ادا کرے اس طرح دونوں نمازوں کا ثواب مل جائے گا اور اگر نماز فجر یا مغرب میں جس کو اسنے تنہا پڑھنا شروع کیا تھا اس کی دوسری رکعت میں سجدہ ملا چکا تھا تب جماعت شروع ہوئی تھی، تو اب وہ اپنی اسی نماز کو پوری کرے گا نیت توڑ کر جماعت میں نہیں ملے گا کذا فی الشامی)

اور اگر وہ چار رکعتوں والی نماز میں سے تین رکعت پڑھ چکا تھا تب جماعت شروع ہوئی تو اب وہ نیت نہیں توڑے گا بلکہ وہ اس کو تنہا پوری کرے گا، پھر نفل کی نیت سے امام کی اقتداء کرے گا، اور اس کی وجہ سے وہ جماعت کا ثواب حاصل کرے گا، البتہ عصر کی نماز ہو گی تو وہ نفل کی نیت سے جماعت میں نہیں ملے گا اس لئے کہ نماز عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے (تین رکعت پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا تھا پھر جماعت کھڑی ہوئی)

والشارع فی نفل لایقطع مطلقا ویتمه رکعتین وکذاسنة الظهر وسنة الجمعة اذا اقیمت اوخطب الامام یتمها اربعا علی القول الراجح لانها صلوة واحدة ولیس القطع للاکمال بل للابطال خلافا لما رجحه الکمال وکره تحریما للنهی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیه اولا الا لمن ینتظم به امر جماعة اخری اوکان الخروج لمسجد حیه ولم یصلوا فیه اولا ستاذه لدرسه او لسماع الوعظ اولحاجة ومن عزمه ان یعود نهر والا لمن صلی الظهر والعشاء وحده مرة فلایکره

خروجه بل تركه للجماعة الا عند الشروع في الاقامة فيكره لمخالفته الجماعة بلا عذر بل يقتدى متنفلا لما مرّ الا لمن صلى الفجر والعصر والمغرب مرة فيخرج مطلقا وان اقيمت لكراهة النفل بعد الاولين وفي المغرب احد المحظورين البتيراء او مخالفة الامام بالاتمام وفي النهر ينبغي ان يجب خروجه لان كراهة مكثه بلا صلوٰة اشد قلت افاد القهستاني ان كراهة التنفل بالثلث تنزيهية وفي المضمرات لو اقتدى فيه لاساء.

سنت اور نفل پڑھتے ہوئے جماعت کا شروع کرنا

اور جس نے نفل شروع کر رکھی ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو وہ اس نماز کی نیت توڑ کر جماعت میں نہیں ملے گا، بلکہ دو رکعت پوری کرے گا، پھر اس کے بعد جماعت میں ملے گا یہی حال ظہر اور جمعہ کی سنت کا ہے کہ اگر وہ ظہر یا جمعہ سے پہلے والی سنت پڑھ رہا تھا کہ ظہر کی جماعت شروع ہو گئی یا جمعہ کا خطبہ شروع ہو گیا تو راجح قول یہ ہے کہ یہ اپنی چاروں رکعتیں سنت کی پوری پڑھے گا اس لئے کہ یہ چاروں رکعتیں ایک نماز کے حکم میں ہیں، لہٰذا یہاں درمیان میں قطع کرنا باطل کرنے کیلئے ہو گا پورا کرنے کیلئے نہیں ہو گا، بخلاف اس قول کے جس کو کمال نے ترجیح دی ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ دو رکعت پر سلام پھیر کر جماعت میں مل جائے اور ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے (یہ جو کہا قطع کرنا کمال کیلئے نہیں ہو گا اس کا مطلب یہ ہے کہ تنہا فرض پڑھ رہا تھا اس کو توڑ کر جماعت میں ملا تو تنہا کی نماز کے اعتبار سے جماعت کی نماز افضل ہے لہٰذا وہاں تو کمال کے لئے توڑنا ہوا، بخلاف سنت کے کہ بعد میں پڑھ سکتا ہے اس وقت نہیں پڑھے فرض کے بعد پڑھ لیگا کوئی فرق نہیں۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنا

جس شخص نے اب تک نماز نہیں پڑھی ہے اس کا اس مسجد سے نکلنا مکروہ تحریمی ہے جس میں اذان ہو چکی ہے شارح نے کہا کہ ماتن نے غالب کو اختیار کیا ہے یعنی عموماً یہی ہوتا ہے کہ وقت ہو جانے پر اذان ہو جاتی ہے ورنہ اذان ہونے سے مراد یہ ہے کہ نماز کا وقت ہو جائے خواہ مسجد میں اذان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، ماحصل یہ ہے کہ کسی شخص کو مسجد میں نماز کا وقت ہو جائے تو اس کے لئے وہاں سے بغیر نماز پڑھے نکلنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ حدیث میں اس سے روکا گیا ہے یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔

لیکن مسجد سے بعد اذان اس شخص کے لئے نکلنا مکروہ نہیں ہے جس نے ظہر اور عشاء کی نماز تنہا ایک مرتبہ پڑھ لی ہو، البتہ اس کے لئے جماعت کا ترک کرنا باعث کراہت ہے یعنی جماعت کا انتظار کئے بغیر اکیلا پڑھنا مکروہ ہوا، ہاں اگر تکبیر ہو چکی ہو تو اس شخص کے لئے بھی مسجد سے نکلنا مکروہ ہو گا اس وجہ سے کہ بظاہر بلا عذر جماعت کی مخالفت لازم آتی ہے اس کو چاہئے کہ تکبیر ہونے کے بعد ظہر اور عشاء کی جماعت میں نفل کی نیت سے مل جائے جیسا کہ گذر چکا، نفل اور جماعت دونوں کا ثواب مل جائے گا۔

اور اگر وہ عصر فجر اور مغرب کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے تو وہ مسجد سے اذان کے بعد بھی ہر حال میں نکل سکتا ہے بلکہ تکبیر کے بعد بھی نکل سکتا ہے کیونکہ اس کیلئے نفل کی نیت سے ملنا ان نمازوں میں مکروہ ہے فجر اور عصر کے بعد تو نفل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اس لئے یہ مکروہ تحریمی ہے اور مغرب میں تین رکعت ہوتی ہے اور نفل میں تین رکعت نہیں ہے، اور اگر وہ ایک رکعت اس میں اپنی طرف سے ملاتا ہے تو امام کی مخالفت لازم آتی ہے نہر الفائق میں ہے کہ ایسے شخص کا اس وقت نکل آنا واجب ہونا چاہئے اس لئے کہ جماعت کے

وقت اس طرح ٹھہرنا کہ وہ نماز سے علیحدہ رہے زیادہ مکروہ ہے (اس لئے کہ یہ بظاہر جماعت کی مخالفت کی صورت ہے) شارح کہتے ہیں کہ تین رکعت نفل پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور مضمرات میں یہ ہے کہ اگر یہ شخص جو مغرب پڑھ چکا ہے مغرب کی جماعت میں ملے گا تو برا کرے گا غایۃ البیان میں لکھا ہے کہ تین رکعت نفل پڑھنا بدعت ہے، قاضی خاں نے جامع صغیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ تین رکعت نفل پڑھنا حرام ہے صاحب بحر الرائق لکھتے ہیں کہ جب حدیث میں ممانعت ہے تو معلوم ہوا کہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

واذاخاف فوت ركعتي الفجر لاشتغاله بسنتها تركها لكون الجماعة اكمل والا بان رجا ادراك ركعة في ظاهر المذهب وقيل التشهد واعتمده المصنف والشرنبلاني تبعاللبحر لكن ضعفه في النهر لا يتركها بل يصليها عند باب المسجد ان وجد مكانا والا تركها لان ترك المكروه مقدم على فعل السنة ثم ماقيل يشرع فيها ثم يكبر للفريضة او ثم يقطعها ويقضيها مردود بان درء المفسدة مقدم على جلب المصلحة.

سنت فجر کی اہمیت

فجر کے وقت جب نمازی کو اس کا خوف ہو کہ اگر وہ فجر کی سنت پڑھے گا تو اس کی فرض کی دونوں رکعتیں جماعت سے چھوٹ جائیں گی، ایسے خوف کے وقت جماعت کی خاطر سنت ترک کر دے گا، اس لئے کہ جماعت کی نماز سنت کی نسبت کامل تر ہے، یعنی جماعت کی نماز کا ثواب منفرد کی نماز سے بروئے حدیث پچیس یا ستائیس گنا زیادہ ہے پھر جماعت چھوڑنے والے کیلئے بہت ساری وعیدیں آئی ہیں، جو وعید سنت فجر کے ترک پر نہیں ہے، اور اگر اس کو جماعت چھوٹ جانے کا خوف نہ ہو اس طرح کہ اس کو امید ہو کہ سنت پڑھ کر فرض کی ایک رکعت جماعت سے پالے گا تو سنت کو نہ چھوڑے بلکہ اس کو مسجد سے باہر دروازہ پر پڑھ لے اگر وہاں جگہ ہو، ورنہ سنتوں کو ترک کر دے اس لئے کہ مکروہ کا نہ کرنا سنت کے کرنے پر مقدم ہے یعنی جب جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت مسجد میں سنت پڑھنا مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر فرض کی التحیات بھی ملنے کی توقع ہو تو بھی سنت پڑھ لے اور اسی قول پر مصنف اور شرنبلالی نے صاحب بحر کی پیروی میں اعتماد کیا ہے، لیکن نہر الفائق میں اس قول کو ضعیف کہا گیا ہے (شامی نے نہر الفائق کی تردید کی ہے اور فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مصنف کی تائید کی ہے، مسجد کے دروازہ میں پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر جگہ ہو تو مسجد سے باہر پڑھے اور اگر باہر جگہ نہ ہو تو مسجد میں کسی ستون کی آڑ میں پڑھے اور سب سے زیادہ مکروہ یہ ہے کہ جہاں فرض نماز ہو رہی ہو وہاں کھڑا ہو کر پڑھے، اور اگر فجر کی سنت جماعت شروع ہونے سے پہلے شروع کر چکا ہے تو جہاں پڑھ رہا ہے پڑھ لے کوئی کراہت نہیں ہے۔

ایک قول کی تردید

یہ جو کہا گیا ہے کہ سنت فجر کو شروع کر کے توڑ دے اور اس کے بعد جماعت میں مل جائے اور فرض کے بعد اس سنت کی قضا کرے یہ قول مردود ہے، اس وجہ سے کہ مفسدہ کا دفع کرنا جلب مصلحت سے مقدم ہے (یہ دراصل فقیہ اسمٰعیل زاہدی کے قول کی تردید ہے جنہوں نے کہا تھا کہ فجر کی جماعت ہو رہی ہو تو سنت کو شروع کر کے توڑ دے تاکہ وہ ذمہ میں واجب ہو جائے اور فرض کے بعد اس کے پڑھنے میں کوئی ممانعت باقی نہ رہے اس طرح کہ سنت کا پڑھنا تو طلوع آفتاب سے پہلے مکروہ ہے واجب کا نہیں، امام سرخسی نے اس کی تردید کر دی ہے کہ یہ واجب نذر سے بڑھ کر نہیں ہے جب فجر کے فرض کے بعد نذر والی نماز کے پڑھنے کا حکم نہیں ہے تو اس کی کیسے اجازت ہوگی، اس کے علاوہ کسی عبادت کو فاسد کرنے کی نیت سے شروع کرنا ممنوع ہے تو اس خرابی کو ختم کرنا دیگر سنت سے مقدم ہے۔

ولا يقضيها الا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده فى الاصح لورود الخبر بقضائها فى الوقت المهمل بخلاف القياس فغيره عليه لا يقاس بخلاف سنة الظهر وكذا الجمعة فان خاف فوت ركعة يتركها ويقتدى ثم ياتى بها على انها سنة فى وقته اى الظهر قبل شفعه عند محمد وبه يفتى جوهره واما ما قبل العشاء فمندوب ولا يقض اصلاً

فجر کی سنت کی قضا کب ہے

فجر کی سنتوں کی قضا نہیں پڑھے گا لیکن اگر اس کی فرض بھی قضاء ہو گئی ہے تو اس کے ساتھ سنت فجر کی بھی قضا پڑھے گا اور صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ قضا بھی زوال آفتاب سے پہلے اگر فرض پڑھ رہا ہے تب پڑھے گا زوال کے بعد نہیں، اس لئے کہ حدیث میں اس کی قضا کا تذکرہ اس وقت مہمل میں خلاف قیاس آیا ہے لہٰذا اس وقت کے علاوہ وقت کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا (مہمل وقت اس وقت کو کہتے ہیں جو کسی فرض نماز کا وقت نہ ہو، اور یہ وقت طلوع آفتاب سے لیکر آفتاب کے ڈھلنے تک ہے، اور حدیث میں یہ واقعہ لیلۃ التعریس کے نام سے مشہور ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ آخیر رات میں آرام کے لئے لیٹ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم دیکھتے رہنا صبح ہوتے ہی بیدار کرنا، اتفاق سے انکی آنکھ بھی لگ گئی اور نیند آگئی، اور جب آفتاب نکل چکا تو بیدار ہوئے اس فجر کی نماز قضا ہو گئی، آپ نے فرمایا یہاں سے چلے چلو کچھ دور نکل کر جب آفتاب ذرا بلند ہوا فجر کی سنتیں پڑھ کر باجماعت فرض پڑھی گئی، اسی حدیث کو بنیاد بنا کر فقہاء کہتے ہیں کہ بس اسی وقت میں فرض کے ساتھ سنت کی قضا ہو سکتی ہے، بعد میں نہیں، اور بعض علماء نے کہا کہ اس وقت کے علاوہ میں اگر فجر کی قضا فرض ادا کرے تو اس وقت بھی سنت کی قضاء کریگا)

ظہر اور جمعہ کی سنت کے وقت فرض کا شروع کرنا

اس کے خلاف ظہر جمعہ کی سنت ہے کہ اگر نمازی کو خوف ہو کہ فرض کی ایک رکعت چھوٹ جائے گی تو وہ سنت ظہر اور سنت جمعہ چھوڑ کر فرض جماعت کے ساتھ مل کر نماز ادا کرے گا، فرض کے بعد اسی وقت میں پہلے والی سنت پڑھے گا، امام محمدؒ کہتے ہیں کہ پہلی چار سنت جو رہ گئی ہے اس کو بعد فرض دو رکعت سنت سے پہلے پڑھے، پھر دو رکعت سنت بعد میں پڑھے اور اسی پر فتویٰ ہے اور وہ سنت جو عشاء کے پہلے ہے وہ غیر مؤکدہ ہے اس کی قضا نہیں ہے۔

ولا يكون مصليا بجماعة اتفاقاً من ادرك ركعة من ذوات الاربع لانه منفرد ببعضها لكنه ادرك فضلها ولو بادراك التشهد اتفاقاً لكن ثوابه دون المدرك لفوات التكبيرة الاولى واللاحق كالمدرك لكونه موتما حكما وكذا مدرك الثلاث لا يكون مصليا بجماعة على الاظهر وقال السرخسى للاكثر حكم الكل فضعفه فى البحر واذا امن فوت الوقت تطوع ما شاء قبل الفرض والا لا بل يحرم التطوع لتفوية الفرض وياتى بالسنة مطلقا ولو صلى منفرداً على الاصح لكونها مكملات واما

فی حقه علیه الصلوۃ والسلام فلزیادۃ الدرجات ثم قول الدرر وان فاتة الجماعة مشکل بما مر فتدبر

جماعت پڑھنے والا کب شمار ہوگا

چار رکعت والی فرض نماز کی جس نے صرف ایک رکعت پائی ہے اس کو بالاتفاق جماعت سے نماز پڑھنے والا نہیں کہا جائے گا، اس لئے کہ وہ اس کے زیادہ حصہ میں منفرد ہے لیکن اس ایک رکعت پانیوالے کو جماعت کا ثواب ملے گا، اگرچہ وہ التحیات میں ملا ہو، اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں، لیکن اس ایک رکعت پانے والے کا ثواب پوری جماعت پانے والے سے کم ہوگا۔ اس لئے کہ اس نے تکبیر اولی نہیں پائی ہے، اور وہ شخص جس کی بیچ کی نماز امام کے ساتھ چھوٹ گئی ہے وہ ثواب میں مدرک کی طرح ہے جس نے پوری نماز امام کے ساتھ ادا کی ہے، اس لئے کہ لاحق مقتدی کے حکم میں ہے، (حاصل یہ ہوا کہ مدرک کو سب سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور اتنا ہی لاحق کو اور مسبوق کو ان دونوں سے ثواب کم ملتا ہے)

اسی طرح چار میں سے تین رکعت پانے والا بھی جماعت سے نماز پڑھنے والا نہیں کہا جائے گا ظاہر قول یہی ہے اور امام سرخسی نے کہا ہے کہ جس نے زیادہ رکعت امام کے ساتھ پائی ہے وہ جماعت سے پڑھنے والا ہوگا، اس لئے کہ اکثر کو کل کا حکم حاصل ہوتا ہے، لیکن صاحب بحر الرائق نے اس قول کو کمزور بتایا ہے۔

فرض سے پہلے نفل

وقت کے ختم ہو جانے کا خوف نہ ہو تو نمازی فرض کے پہلے جتنی نفل نماز چاہے پڑھ سکتا ہے، البتہ اگر وقت کے نکل جانے کا خدشہ ہو تو نفل نہیں پڑھے گا۔ بلکہ ایسے وقت میں نفل پڑھنا حرام ہوگا اس وجہ سے فرض کو چھوڑ دینا لازم آئے گا (البتہ فجر کے وقت میں فرض سے پہلے دو سنت سے زیادہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے)

سنت موکدہ کا حکم

سنت ہر حال میں ادا کرے گو وہ فرض نماز تنہا پڑھ رہا ہو، صحیح تر قول یہی ہے، اس لئے کہ سنتیں فرض نماز کو مکمل کرنے والی ہیں، باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ سنتیں درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں (یہ گذر چکا ہے کہ سنت کی دو قسمیں ہیں ایک موکدہ دوسری غیر موکدہ، سنت موکدہ پانچوں وقت میں ملا کر بارہ رکعتیں ہیں دو فجر میں چھ ظہر میں دو مغرب میں اور دو عشاء میں یہ موکدہ سنتیں ضرور پڑھنی چاہئیں خواہ فرض نماز جماعت کے ساتھ پڑھے، خواہ اکیلا۔ البتہ ایک روایت یہ ہے کہ تنہا فرض پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ سنت پڑھے یا نہیں پڑھے، مگر راجح یہی ہے یہ بھی پڑھے ہاں جب وقت تنگ ہو تو چھوڑ سکتا ہے)

ایک عبارت کا مطلب

درر نامی کتاب میں صاحب درر نے جو یہ لکھا ہے کہ "سنتیں پڑھے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے" ایک مشکل مسئلہ ہے لہٰذا خوب غور کر لے کہ اس قول کا ماحصل کیا ہے؟ (یہ دراصل ایک اعتراض ہے کہ جب پہلے یہ لکھ چکے کہ اگر یہ خطرہ ہو کہ جماعت نہیں ملے گی تو سنت چھوڑ دے اور جماعت میں مل جائے مگر صاحب درر کہتے ہیں کہ فرض چھوٹ جائے تو بھی سنت پڑھے" یہ پہلے قول کے خلاف ہے جواب یہ ہے کہ یہاں صاحب درر کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے ماقبل کا دھیان نہیں دیا، انہوں نے یہ لکھا ہے کہ ایک شخص کی جماعت چھوٹ

گئی، لہٰذا اس نے ارادہ کیا کہ اب اکیلا ہی فرض ادا کرے گا، سوال یہ ہے کہ اس حالت میں وہ سنت پڑھے گا یا نہیں، بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ سنت نہ پڑھے صرف فرض پڑھ لے، اس لئے کہ سنتیں اسوقت پڑھی جاتی ہیں جب فرض کو جماعت سے ادا کرے، صاحب درر وہاں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگرچہ اس کی جماعت چھوٹ چکی ہو اور اس کو تنہا فرض پڑھنا ہے تو بھی وہ سنت مؤکدہ پڑھے، سنتوں کو نہیں چھوڑے)

ولو اقتدی بامام راکع فوقف حتی رفع الامام راسه لم یدرك الدؤتم الرکعة لان المشارکة فی جزء من الرکن شرط ولم توجد فیکون مسبوقا فیاتی بها بعد فراغ الامام بخلاف ما لو ادرکه فی القیام ولم یرکع معه فانه یصیر مدرکا لها فیکون لاحقا فیاتی بها قبل الفراغ و متی لم یدرك الرکوع معه تجب المتابعة فی السجدتین وان لم تحسباله ولا تفسد بترکهما فلو لم یدرك الرکعة ولم یتابعه لکنه اذا سلم الامام فقام واتی برکعة فصلوته تامة وقد ترك واجبا النهر عن التجنیس ولو رکع قبل الامام فلحقه امامه فیه صح رکوعه وکره تحریما ان قراء الامام قدر الفرض والا لا یجزیه ولو سجد الموتم مرتین والامام فی الاولی لم تجزه سجدته عن الثانیة وتمامه فی الخلاصة

رکوع نہ پانے سے وہ رکعت نہیں جاتی رہتی ہے

ایک امام رکوع میں تھا کہ نمازی آکر اس کے پیچھے کھڑا ہوا، ابھی وہ رکوع میں نہیں گیا تھا کہ امام نے رکوع سے سر اٹھالیا تو اس صورت میں اس نمازی نے وہ رکعت نہیں پائی، اس وجہ سے کہ اس رکعت کے ہر رکن کے کسی حصہ میں امام کے ساتھ شرکت ضروری ہے اور وہ شرکت یہاں رکوع میں نہیں پائی گئی، لہٰذا یہ مقتدی اس میں مسبوق ہوگا، اور اس کو یہ رکعت امام کے سلام پھیرنے کے بعد تنہا ادا کرنا ہوگی، اس کے خلاف اگر نمازی امام کو حالت قیام میں پائے اور امام کے ساتھ رکوع میں نہیں گیا تو اس صورت میں وہ حکماً اس رکعت کا پانے والا ہوگا، اور وہ اس رکعت میں لاحق ہوگا، اس لئے اس کو چاہئے کہ پہلے جلدی سے رکوع کرے، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھتا رہے۔

اور جب مقتدی رکوع میں امام کو نہ پاسکے تو بھی اس پر واجب ہے کہ اس کے دونوں سجدوں میں امام کی پیروی کرے اور اس کے ساتھ سجدے میں جائے اگرچہ یہ دونوں سجدے مقتدی کے حق میں شمار نہیں ہوں گے کیونکہ جب وہ اس چھٹی ہوئی رکعت کو پڑھے گا تو اس وقت بھی اس کو اس کے دونوں سجدے کرنے ہوں گے اور یہی وجہ ہے کہ اگر مقتدی رکوع نہ ملنے سے اس کے دونوں سجدوں کو چھوڑدے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

لہٰذا اگر امام کے ساتھ رکوع نہیں پایا اور اس نے اس کیوجہ سے دونوں سجدوں میں امام کی پیروی نہیں کی مگر جب امام نے سلام پھیرا تو اس نے اٹھ کر ایک رکعت پڑھ لی تو اس طرح اس کی نماز پوری ہو جائے گی، البتہ وہ ایک واجب کا ترک کرنے

والا ہوا کہ سجدہ ملا اور پھر بھی نہیں کیا۔

مقتدی کا رکوع میں امام سے پہلے جانا

مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا پھر امام نے رکوع میں اس کو پالیا، تو اس صورت میں اس مقتدی کا رکوع درست ہو گیا، مگر مقتدی کا یہ فعل مکروہ تحریمی ہوا کہ امام کے مقدارِ فرض قرأت کے بعد وہ اپنے امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا، (اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام سے پہلے مقتدی کو رکوع اور سجدہ کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اس کے لئے وعید بیان فرمائی ہے، اور اگر مقتدی امام سے پہلے رکوع میں چلا گیا تھا اور امام نے رکوع میں جانے کے بعد اس کو رکوع میں نہیں پایا یعنی مقتدی کے رکوع سے سر اٹھا لینے کے بعد امام رکوع میں گیا ہے یا مقتدی نے اسوقت رکوع کیا جب تک کہ امام نے واجب قرأت نہیں پوری کی تھی، تو یہ رکوع مقتدی کے لئے کافی نہیں ہوگا، دوبارہ رکوع کرنا چاہئے، ورنہ اس کی نماز باطل ہوگی)

دوسرا سجدہ امام کے سجدہ سے پہلے کرنا

امام پہلے ہی سجدہ میں تھا کہ مقتدی نے دو سجدہ کر لئے تو مقتدی کو اس کا یہ دوسرا سجدہ رکعت کے دوسرے سجدہ کی جگہ کافی نہیں ہوتا، اس کی تفصیل خلاصہ نامی کتاب میں ہے (مطلب یہ ہے کہ امام ابھی پہلے ہی سجدہ میں تھا کہ مقتدی نے دو سجدے کر لئے تو یہ دوسرا سجدہ معتبر نہیں ہوگا، اس پر دوسرے سجدہ کا اعادہ واجب ہے، ورنہ نماز فاسد ہو جائے گی)

باب قضاء الفوائت

لم يقل المتروكات ظنا بالمسلم خيرا اذ التاخير بلا عذر كبيرة لا تزول بالقضاء بل بالتوبة او الحج و من العذر العدو وخوف القابلة موت الولد لانه عليه الصلوٰة والسلام اخرها يوم الخندق ثم الاداء فعل الواجب فى وقته و بالتحريمة فقط بالوقت يكون اداء عندنا وبركعة عند الشافعیؒ والاعادة فعل مثله فى وقته لخلل غير الفساد لقولهم كل صلوٰة اديت مع كراهة التحريم تعاد اى وجوبا فى الوقت واما بعده فندبا والقضاء فعل الواجب بعد وقته واطلاقه على غير الواجب كالتى قبل الظهر مجازا

باب قضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کی قضا کا بیان)

مصنف نے باب قضاء المتروکات نہیں کہا یعنی "فوت شدہ" کہ جگہ "چھوڑی ہوئی نماز" نہیں کہا اس کی وجہ یہ ہے مسلمانوں سے بہتر گمان رکھا جانا عمدہ ہے کیونکہ نمازوں میں بلا عذر تاخیر گناہ کبیرہ ہے اس کی تلافی قضا سے نہیں ہوتی ہے بلکہ ..ن کے لئے توبہ کرنا ہوتا ہے، یا حج کرنے سے معاف ہوتا ہے (ماحصل یہ ہے متروکات سے ذہن اس طرف جاتا کہ جان بوجھ ..ر نماز چھوڑ دی ہے اور کسی مسلمان کے متعلق ایسا سمجھنا مناسب نہیں ہے کہ وہ جان کر نماز چھوڑ دے گا، اس لئے متروکات کی جگہ فوائت کہا یعنی وہ نمازیں جو رہ گئیں، بلا قصد چھوٹ گئیں، گناہ کبیرہ جس طرح توبہ سے معاف ہوتا ہے اسی طرح حج مقبول سے بھی معاف ہوتا ہے)

کب نماز کو موخر کرنا درست ہے وہ عذر جس کی وجہ سے نماز موخر کی جاتی ہے دشمن کا ہونا ہے، بچہ جتانے والی دائی کا یہ خوف ہے کہ بچہ مر جائے گا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم خندق میں دشمن کی وجہ سے کئی نماز قضا فرمائی تھی، یعنی نہیں پڑھ سکے تھے، بعد میں قضا کی (غزوۂ خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار وقت کی نماز قضا ہوئی، کچھ رات گذرنے کے بعد آپ نے پہلے ظہر کی نماز پڑھی. پھر عصر کی، پھر مغرب کی، پھر عشاء کی، اس سے معلوم ہوا کہ جب دشمن گھیرے ہوئے ہو تو نماز کو موخر کیا جا سکتا ہے)

اداء ادا کہتے ہیں واجب کو اس کے وقت میں ادا کرنا، ہمارے نزدیک وقت کے اندر صرف تحریمہ ادا ہو جانے سے واجب ادا ہو جائے گا، اور امام شافعیؒ کے یہاں ایک رکعت ادا ہونے سے واجب ادا ہوتا ہے (یعنی احناف کے نزدیک وقت کے اندر اگر صرف تحریمہ ادا ہو گیا تو نماز ادا ہو گئی، اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ وقت کے اندر جب تک ایک رکعت ادا نہ ہوگی اس وقت تک اسے ادا نہیں کہا جائے گا۔

اعادہ اعادہ کہتے ہیں کسی خلل کی وجہ سے مثل واجب کو وقت واجب میں ادا کرنا، اور یہ خلل فساد کے سوا ہو، اس لئے کہ فقہاء کہتے ہیں کہ جو نمازیں کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائیں گی ان کا وقت میں لوٹانا واجب ہوتا ہے، اور وقت کے بعد اس کا اعادہ مستحب ہے (دوسری کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ لازم ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعادہ خواہ وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں اس کا اعادہ لازم ہے)

قضاء اور قضاء کے یہ معنی ہے کہ واجب کو اس کے وقت کے بعد ادا کیا جائے اور جو واجب نہیں ہے جیسے ظہر کی سنت اس کے لئے قضا کا لفظ بولنا مجازاً ہے، حقیقتاً ایسا نہیں۔

(یہ چند اصطلاحات تھیں جن کو مصنف نے یہاں بیان کردیا، تاکہ آگے مسائل کے سمجھنے میں آسانی ہو اب آگے مسائل کا بیان شروع کر رہے ہیں)

الترتیب بین الفروض الخمسة والوتر اداءً وقضاء لازم یفوت الجواز بفوته للخبر المشهور من نام عن صلوة وبه یثبت الفرض العملی وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وَوَاجبٌ وسنة لف ونشر مرتب وجمیع اوقات العمر وقت للقضاء الا الثلثة المنهیة کما مر فلم یجز تفریع علی اللزوم فجر من تذکر انه لم یوتر لوجوبه عنده الا استثناء من اللزوم فلا یلزم الترتیب اذا ضاق الوقت المستحب حقیقة اذ لیس من الحکمة تفویت الوقتیة لتدارك الفائتة ولو لم یسع الوقت کل الفوائت فالاصح جواز الوقتیة مجتبیٰ وفیه ظن من علیه العشاء ضیق وقت الفجر فصلاها وفیه سعة یکررها الی الطلوع وفرضه الاخیر اونسیت الفائتة لانه عذر اوفاتت ست اعتقادیة لدخولها فی حد التکرار المقتضی بخروج وقت السادسة علی الاصح ولو متفرقة اوقدیمة علی المعتمد لانه متی اختلف الترجیح رجح اطلاق المتون بحر اوظن ظنا معتبرا ای یسقط لزوم الترتیب ایضاً بالظن المعتبر کمن صلی الظهر ذاکر التركه الفجر فسد ظهره فاذا قضی الفجر ثم صلی العصر ذاکراً للظهر جاز العصر اذ لا فائتة علیه فی ظنه حال اداء العصر وهو ظن معتبر لانه مجتهد فیه۔

نمازوں میں ترتیب

پانچوں فرض نماز اور وتر کے درمیان ادا اور قضا دونوں صورت میں ترتیب لازم ہے، فرض اور وتر کا درست ہونا ترتیب کے فوت ہونے سے فوت ہو جاتا ہے، یہ لازم ہونا اس حدیث مشہور کی وجہ سے ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من نام عن صلوٰۃ الخ" (یعنی جو کوئی کسی نماز کے وقت سو جائے یا وہ نماز کو بھول جائے اور اس کو اس وقت یاد آئے جب وہ دوسری نماز کی جماعت میں ہو تو چاہئے کہ اس جماعت کو پڑھ لے اس کے بعد اس نماز کو پڑھے جو نماز جماعت میں یاد آئی تھی کہ وہ پڑھنے سے رہ گئی ہے) اس حدیث سے ترتیب کا فرض عملی ہونا ثابت ہوتا ہے (صدر الشریعہ نے ترتیب کو فرض کہا ہے اور صاحب محیط نے شرط قرار دیا ہے،

اور معراج میں واجب کہا ہے، عموماً فرض کا اطلاق اعتقادی چیزوں پر ہوتا ہے اور یہ ترتیب فرض عملی ہے، یہ بھول سے ساقط ہو جاتی ہے مگر شرط حقیقی بھول سے ساقط نہیں ہوتی، اسی طرح واجب کے ساقط ہونے سے صحت فوت نہیں ہوتی ہے لیکن ترتیب کے ساقط ہونے سے صحت فوت ہو جاتی ہے، اس لئے مصنف نے ترتیب کو لازم کہا ہے)

نمازوں کی قضاء فوت شدہ فرض نماز کی قضا فرض ہے، واجب نماز کی قضا واجب اور سنت کی قضا سنت ہے، اور تمام عمر میں قضا نماز پڑھ سکتا ہے قضاء کے لئے یہ ساری عمر وقت ہے سوائے اُن تین وقتوں کے جن کے متعلق گذر چکا ہے کہ ان میں نماز نہیں پڑھی جائے، اور یہ وقت ہیں (۱) آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت (۲) اس کے زوال کا وقت جب آفتاب سر پر آجائے، (۳) اور غروب آفتاب سے پہلے جب آفتاب میں زردی آجائے۔ ان اوقات میں نماز مکروہ تحریمی ہے، ان وقتوں کے سوا اور وقتوں میں قضا نماز صحیح ہے اگرچہ صبح اور عصر کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

کب اور کہاں ترتیب لازم ہے چونکہ تمام فرائض اور وتر میں ترتیب لازم ہے اس لئے اس شخص کی فجر کی نماز جائز نہیں ہوتی جس کو اسوقت یاد ہو کہ اس نے رات میں نماز وتر نہیں پڑھی تھی، اس لئے کہ نماز وتر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے، لیکن اگر نماز کا وقت مستحب تنگ ہو تو البتہ فجر پڑھنا جائز ہوگا، اس وجہ سے کہ ایک فوت شدہ نماز کے لئے وقتی نماز کا فوت کر دینا کوئی حکمت کی بات نہیں ہے، (نماز کے جائز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر کا فاسد ہونا ملتوی رہے گا اس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور وقت کے تنگ ہونے کا ماحصل یہ ہے کہ اگر وہ فوت شدہ نماز پڑھتا ہے تو وقتی نماز کے لئے اس کا مستحب وقت باقی نہیں رہتا ہے، مثلاً عصر میں آفتاب زرد پڑ جاتا ہے تو اس صورت میں ترتیب ساقط ہو جائے گی اور حقیقۃً تنگ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ صرف نمازی کے گمان کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ واقعی وقت تنگ ہو قضا کی اس میں گنجائش نہ ہو)

ترتیب کہاں لازم نہیں اور اگر وقت میں تمام فوت شدہ نمازوں کے ادا کی گنجائش نہ ہو تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ وقتی نماز کا پڑھنا جائز ہوگا، کذا فی المجتبیٰ، (مثلاً صبح کا وقت اس قدر ہے کہ اس میں وہ صبح کے علاوہ صرف وتر پڑھ سکتا ہے عشاء نہیں پڑھ سکتا تو بعض فقہاء کہتے ہیں جب تک وتر نہیں پڑھ لیگا اس کی صبح کی نماز نہیں ہوگی اور مجتبیٰ نامی کتاب میں اصح اس کو کہا ہے کہ صبح کی نماز جائز ہوگی گو وہ وتر بھی نہ پڑھے۔

وقت کی تنگی مجتبیٰ میں یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص کے ذمہ عشاء کی نماز باقی تھی، صبح کو اس نے خیال کیا کہ فجر کا وقت تھوڑا سا رہ گیا ہے، چنانچہ اس نے اس میں فجر کی نماز ادا کرلی فجر پڑھنے کے بعد وقت میں اور وسعت معلوم ہوئی مگر خیال یہی رہا کہ فجر کی ہی نماز ہو سکتی ہے اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ اس نے فجر کی نماز دوبارہ پڑھی، پھر اندازہ ہوا کہ ابھی اور وقت ہے مگر فجر کی ادائیگی کے لائق چنانچہ پھر اس نے سہ بارہ فجر کی نماز ادا کی تو جو نماز اخیر میں پڑھی گئی، وہی اس کی فرض نماز ہوگی بقیہ نفل کے درجہ میں ہو جائیں گی، اور اگر نمازی کو گمان ہو کہ اتنا وقت ہے کہ عشاء اور فجر دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں تو پھر وہ پہلے عشاء کی نماز ادا کرے بعد میں فجر کی کذا فی الشامی)

بھول جانا اس وقت بھی ترتیب لازم نہیں ہوتی ہے جب نمازی فوت شدہ نماز کو بھول گیا ہو یا اس لئے کہ ترتیب کے ساقط ہونے کے عذروں میں سے یہ بھی ایک عذر ہے، اور اس وقت بھی ترتیب لازم نہیں ہوتی ہے جب کسی کے ذمہ میں چھ نمازیں (فرض اعتقادی) ہو جائیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چھ نمازیں اس تکرار کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں جو تنگی کو چاہتی ہیں (مطلب یہ ہے کہ یہ ممکن ہے کہ چھ نمازوں سے کم میں تکرار نہیں ہو سکے جیسے ایک دن کی مسلسل پانچ

نمازیں لیکن جب فوت شدہ نمازیں چھ ہو جائیں گی تو پھر یقیناً اس میں ایک نماز مکرر ہوگی، اور تکرار کی صورت میں ترتیب کا واجب قرار دینا باعث حرج ہوتا ہے اس لئے چھ نمازوں کو جن میں یقینی طور پر تکرار ہے ترتیب کے ساقط کرنے کا موجب قرار دیا، اور چھ فرض نمازوں میں اعتقادی کی قید لگانے کا منشا یہ ہے کہ وتر جو فرض عملی ہے وہ نکل جائے اور یہ اس شمار میں نہ آئے اس لئے کہ گو وتر اور فرض کے درمیان بھی ترتیب ہے مگر اس کا وقت وہی ہے جو نماز عشا کا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ چھ نمازوں کے قضا ہو جانے سے جو ترتیب ساقط ہوتی ہے وہ ترتیب ہے جو وقتی نماز اور فوت شدہ کے درمیان ہو یا دو فوت شدہ نمازوں کے درمیان ہو، مگر دو وقتی نمازوں کے درمیان اس کی وجہ سے ترتیب ساقط نہیں ہوتی ہے مثلاً جس کی چھ نمازیں فوت ہو چکی ہیں اس کو بھی عشا اور وتر کے درمیان ترتیب لازم ہوگی کذا فی الشامی)

زیادہ نمازوں کے فوت ہونے سے چھ نمازوں کے فوت ہونے سے ترتیب چھٹی نماز کے وقت کے ختم ہونے کے بعد ساقط ہوگی صحیح تر مذہب یہی ہے وہ چھ نمازیں مذہب معتمد کی بنیاد پر خواہ متفرق ہو، خواہ قدیم ہوں، اس لئے کہ جب ترجیح میں اختلاف ہوتا ہے تو اس وقت متون کے اطلاق کو ترجیح دی جاتی ہے کذا فی البحر۔ امام محمدؒ کہتے ہیں چھٹی نماز میں وقت کے داخل ہونے کا اعتبار ہے، یعنی چھٹی نماز کے وقت کے داخل ہونے کے ساتھ ہی ترتیب ساقط ہوتی ہے، مگر ترجیح اُس قول کو ہے جس میں کہا گیا ہے کہ چھٹی نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کے بعد ساقط ہوتی ہے۔

معتبر گمان اور ترتیب کا لزوم گمان معتبر سے بھی ساقط ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے ظہر کی نماز اس یاد کے ساتھ پڑھی کہ اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو اس کی ظہر کی یہ نماز فاسد ہوگئی، بس جب اس نے فجر کی نماز کی قضا کی پھر اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی، حالانکہ اس کو نماز ظہر یاد تھی، تو اس صورت میں اس کی نماز درست ہوگی، اس وجہ سے کہ اس کے گمان کے مطابق جس وقت وہ نماز عصر ادا کر رہا تھا اس کے ذمہ کوئی فوت شدہ نماز نہیں تھی، اور گمان کا اعتبار کیا گیا ہے اس لئے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

وفی المجتبیٰ من جهل فرضية الترتيب يلحق بالناسی واختاره جماعة من ائمة بخاریٰ وعليه يخرج مافی القنية صبی بلغ وقت الفجر وصلی الظهر مع تذكره جاز ولايلزم الترتيبُ بهذا العذر ولايعود لزوم الترتيب بعد سقوطه بكثرتها ای الفوائت يعود الفوائت الی القلة بسبب القضاء لبعضها علی المعتمد لان الساقط لايعود وكذا لايعود الترتيب بعد سقوطه بباقی المسقطات السابقة من النسيان والضيق حتی لوخرج الوقت فی خلال الوقتية لاتفسد وهو مؤدهو الاصح لكن فی النهر والسراج عن الدراية لوسقط للنسيان والضيق ثم تذكر او اتسع الوقت يعود اتفاقاًو نحوه فی الاشباه فی بيان الساقط لايعود فليحرد

ترتیب کی فرضیت کا علم نہ ہونا

مجتبیٰ نامی کتاب میں ہے کہ جو شخص ترتیب کی فرضیت کو نہیں جانتا ہو اس کو بھولنے والے سے لاحق کیا جائے گا اور جس طرح بھولنے والے پر ترتیب لازم نہیں ہے اسی طرح نہ جاننے والے پر بھی ترتیب لازم نہیں ہوگی، بلکہ ترتیب ساقط ہو جائے گی، علماء کی ایک جماعت نے اس کو پسند کیا ہے، اور اسی قول پر وہ مسئلہ متفرع ہے جو قنیہ میں مذکور ہے کہ ایک لڑکا فجر کے وقت بالغ ہوا، اور اس یاد کے باوجود کہ اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے ظہر کی نماز پڑھی تو اس صورت میں اس کی یہ نماز ظہر جائز ہوگی، اور وہ اس عذر کی وجہ سے کہ عموماً اس عمر میں ترتیب کے لازم ہونے کا علم نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس پر ترتیب لازم نہیں ہوگی کذا فی النہر (اس کو بھی علماء نے بھولنے والے مسئلہ سے ملحق قرار دیا ہے لہٰذا بنیادی سبب جس کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوتی ہے تین ہی رہے جن کو متن والے نے ذکر کیا ہے ایک وقت کا تنگ ہونا، دوسرے بھولنا اور تیسرے فوت شدہ نماز کا چھ یا زیادہ ہو جانا کذا فی الشامی)

قضاء کی کمی سے ترتیب نہیں لوٹتی

جو ترتیب چھ یا زیادہ نمازوں کے فوت ہونے سے ساقط ہوئی ہے، وہ ترتیب اس وقت لوٹ کر نہیں آئے گی جب ان میں سے کچھ نمازوں کی قضا کے بعد یہ چھ یا زیادہ نمازیں گھٹ کر پانچ یا اس سے کم رہ جائیں، قابل اعتماد مذہب یہی ہے، اس لئے کہ جو چیز ایک مرتبہ ساقط ہو چکی ہے دوبارہ نہیں آتی ہے۔

(اس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک شخص کے ذمہ سال بھر کی قضا نمازیں تھیں، اس کی وجہ سے ترتیب اس سے ساقط ہو چکی تھی، اب اس نے ان نمازوں کی قضا پڑھنی شروع کی اور پڑھتے پڑھتے قضا بس پانچ یا اس سے کم ایک دو رہ گئی تو اس صورت میں ترتیب کا لزوم اس کے ذمہ لوٹ کر نہیں آئے گا، چنانچہ اگر اس قضا شدہ نماز کو یاد کر کے وقتی نماز ادا کرے گا تو اس کی وقتی نماز جائز ہوگی، اور معتمد کی قید اس لئے لگائی ہے کہ غیر معتمد قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جب فوت شدہ نمازیں پڑھتے پڑھتے چھ سے کم رہ جائیں تو پھر ترتیب لوٹ آئے گی، ہدایہ میں اسی غیر معتمد قول کو پسند کیا گیا ہے مگر کافی نامی کتاب میں اس کو رد کیا ہے اور اس میں اور محیط اور معراج نامی کتاب میں اول قول پر فتویٰ نقل کیا ہے یعنی کم ہو جانے سے ترتیب نہیں لوٹتی ہے، البتہ اگر کل قضاء ادا کر چکے گا اور فوت شدہ نمازوں میں سے کوئی نماز اس کے ذمہ باقی نہیں رہ جائے گی تو اب اس کے بعد وہ صاحب ترتیب ہو جائے گا۔

وقت کی تنگی یا بھول سے جو ترتیب ساقط ہوتی ہے وہ نہیں لوٹتی

بھول یا وقت کی تنگی کی وجہ سے جو ترتیب ساقط ہوتی ہے، یہ ترتیب بھی نہیں لوٹتی ہے، یہاں تک کہ اگر وقتی نماز ادا کرتے ہوئے وقت ختم ہو جائے تو بھی وقتی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور وہ اس نماز کا ادا پڑھنے والا کہا جائے گا، اس باب میں صحیح تر یہی ہے، لیکن نہر الفائق اور سراج نامی کتابوں میں درایہ سے نقل کیا ہے کہ اگر نسیان یا وقت کی تنگی کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوئی ہے، پھر اس کو قضا نماز یاد آگئی اور وقت کے اندر اس کے ادا کرنے کی گنجائش ہے تو بالاتفاق ترتیب لوٹ آئے گی اور اسی کے مثل اشباہ نامی کتاب میں ہے جہاں اس کے مصنف نے یہ باب باندھا ہے کہ "ساقط شدہ چیز لوٹ کر نہیں آتی ہے" لہٰذا اس کی تنقیح کرنی چاہئے، (گویا صاحب مجتبیٰ اور صاحب درایہ کے بیان

میں جو اختلاف نظر آتا ہے اس کو دور کرنا چاہئے، چنانچہ اسے لوگوں نے اس طرح دور کیا ہے کہ مجتبیٰ میں ترتیب کے نہ لوٹنے کی بات اس صورت میں ہے کہ وقت نکل چکا ہو اور درایہ میں ترتیب کے لوٹ آنے کی بات اس صورت میں ہے کہ وقت باقی ہو اور اس میں دونوں نمازوں کی گنجائش ہو، اس طرح دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں رہ جاتا ہے، اسی طرح بھولنے کے بعد یاد آنے کی صورت میں مجتبیٰ میں اس پر محمول ہے کہ نماز پڑھنے کے بعد فوت شدہ نماز یاد آئی ہو اور درایہ میں اس پر محمول ہے کہ وقتی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے یاد آئی ہو کذا فی الحلبی)

وفساد اصل الصلوة بترك الترتيب موقوف عند ابی حنيفة سواء ظن وجوب الترتيب اولا فان كثرت و صارت الفوائت مع الفائتة ستا ظهر صحتها بخروج وقت الخامسة التی هی سادسة الفوائت لان دخول وقت السادسة غير شرط لانه لوترك فجر يوم و ادى باقی صلوته انقلبت صحيحة بعد طلوع الشمس والا بان لمتصر ستا لا يظهر صحتها بل تصير نفلا و فيها يقال صلوة تصح خمساً و اخرى تفسد خمسا

اصل نماز فاسد نہیں ہوتی

ترتیب کے ترک کی وجہ سے اصل نماز کا فاسد ہونا ابو حنیفہؒ کے نزدیک موقوف ہے برابر ہے کہ نمازی نے ترتیب کے واجب ہونے کا گمان کیا ہو یا نہ کیا ہو، لہٰذا اگر وہ نمازیں بہت ہو جائیں یعنی فوت شدہ نماز کے ساتھ مل کو وہ نمازیں جن کا فاسد ہونا موقوف ہے چھ نمازیں ہو جائیں تو پانچویں نماز کے وقت نکلنے کے وقت جو فوت شدہ نماز کے ساتھ مل کر چھٹی شمار میں ہوں گی ان پانچوں نمازوں کی صحت لوٹ آئے گی، اس لئے کہ چھٹی نماز کے وقت کا داخل ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ اگر ایک شخص نے کسی دن کی نماز فجر نہیں پڑھی ہو اور اسی دن کی بقیہ اور نمازیں ادا کرلی ہیں اس طرح کہ اس کو یہ یاد تھا کہ فجر کی نماز اس نے نہیں پڑھی ہے تو دوسرے دن آفتاب کے طلوع ہونے پر اس کی یہ پڑھی ہوئی نمازیں صحیح ہو جائیں گی۔

شامی نے لکھا ہے کہ شارح نے اصل نماز کا فاسد ہونا کہا ہے مگر حال یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک "اصل نماز" فاسد نہیں ہوتی ہے بلکہ نماز کا وصف فاسد ہوتا ہے یعنی اس نے فرض کی نیت سے نماز پڑھی تھی مگر فرض ادا نہیں ہوا، یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اس کی محنت بالکل اکارت جاتی ہے بلکہ اس کو نفل نماز کا ثواب مل جاتا ہے، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ شارح اصل کے بجائے وصف صلوٰۃ کہتا۔

اسی طرح "سادسۃ الفوائت" بھی نہیں کہنا چاہئے تھا اس کی جگہ "سادسۃ الصلوٰۃ" کہتے، اس لئے کہ پچھلی پانچوں نمازیں فوت نہیں ہوئی ہیں بلکہ ان نمازوں کو اس نے ادا کیا ہے۔

چھ نمازوں کے بعد صحت کا لوٹنا

اور اگر یہ فاسدہ نمازیں چھ نہیں ہوں گی تو پھر ان پانچوں کی صحت نہیں لوٹے گی اور ان سے فرض ادا نہیں ہوگی، بلکہ یہ نمازیں نفل ہو جائیں گی،

یعنی اگر فوت شدہ نماز فجر کو دوسرے دن فجر کے وقت نماز سے پہلے یا بعد مگر آفتاب نکلنے سے پہلے پڑھے گا تو جن نمازوں کا فاسد ہونا موقوف تھا وہ فاسد ہو جائیں گی اور وہ نفلیں بن جائیں گی، اور اگر اس فوت شدہ نماز کو طلوع آفتاب تک نہیں پڑھے گا تو سب درست ہو جائیں گی، اور اسی ایک نماز کے متعلق معمہ کے طور پر کہا جاتا ہے کہ ایک نماز پانچ نمازوں کو درست کر ڈالتی ہے اور دوسری ایک نماز پانچ فرض نمازوں کو فاسد کر ڈالتی ہے (یعنی یہی فوت شدہ نماز ہے کہ اگر اس کے بعد مسلسل پانچ نمازیں پڑھے اور اس پانچویں نماز کے وقت نکل جانے کے بعد فوت شدہ نماز کو پڑھے گا تو پانچوں پڑھی ہوئی نمازیں صحیح ہو جائیں گی اور اگر اس پانچویں نماز کے وقت نکلنے سے پہلے فوت شدہ نماز کی قضا کرے گا تو پڑھی ہوئی پانچوں نماز فاسد ہو جائیں گی)

ولومات وعليه صلوات فائتة واوصى بالكفارة يعطى لكل صلوة نصف صاع من بركالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم وانما يعطى من ثلث ماله ولو لم يترك مالا يستقرض وارثه نصف صاع مثلا ويدفعه لفقير ثم يدفعه الفقير للوارث ثم وثم حتى يتم ولو قضاها ورثته بامره لم تجز لانها عبادة بدنية بخلاف الحج لانه يقبل النيابة ولو ادى للفقير اقل من نصف صاع لم تجز ولو اعطاه الكل جاز ولو فدى عن صلوة فى مرضه لا يصح بخلاف الصوم

فوت شدہ نماز کا فدیہ اور اگر ایک شخص مر گیا اور اس کے ذمہ بہت سی فوت شدہ نمازیں ہیں اور اس نے کفارہ دینے کی وصیت کی ہے تو ہر نماز کے بدلے میں نصف صاع (پونے دو سیر) گیہوں کفارہ کے طور پر دیا جائے گا جیسے ایک آدمی کی طرف سے نصف صاع گیہوں صدقہ فطر کا دیتے ہیں (اگر وہ فوت شدہ نماز کی ادائیگی پر قادر تھا اور پھر ادا نہیں کیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ کفارہ کی وصیت کر جائے، صاع کی تحقیق صدقہ فطرہ کے باب میں انشاء اللہ کی جائے گی ہر نماز کے بدلہ پونے دو سیر گیہوں دے، یا اس کا آٹا، یا ستو، یا ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر جو دے یا کھجور یا پھر پونے دو سیر گیہوں کی قیمت دیدے یا ساڑھے تین سیر جو یا چھوارے کی قیمت دے)

نماز وتر کا فدیہ جس طرح فرض نماز کا کفارہ دیا جائے گا اسی طرح وتر نماز کا بھی کفارہ دینا ہوگا، گویا ہر ایک دن میں پانچ فرض اور ایک وتر کل چھ نمازوں کا کفارہ ادا کرنا ہوگا، اور اسی طرح ایک روزہ کا کفارہ بھی نصف صاع گیہوں ہے یا ایک صاع جو یا چھوارہ۔

فدیہ کی ادائیگی کے لئے بوقت مجبوری حیلہ نماز اور روزے کا یہ کفارہ میت کے چھوڑے ہوئے مال کی تہائی سے دیا جائے گا اور اگر میت نے کچھ بھی نہ چھوڑا ہو یا اس قدر نہ ہو کہ وہ کل نماز و روزہ کا کفارہ ہو سکے تو میت کا وارث یہ تدبیر کرے کہ مثلاً نصف صاع (پونے دو سیر) گیہوں قرض لے۔ اور وہ فقیر کے حوالہ کرے پھر فقیر اس پر قبضہ کر کے وہ بطور ہبہ میت کے وارث کو دیدے اور وارث پھر فقیر کو ہبہ کر دے اسی طرح اتنی مرتبہ یہ لین دین ہو کہ کفارہ ادا ہو جائے (مگر یہ حیلہ وارث کے ذمہ واجب نہیں ہے اسی کے

ساتھ یہ تکلیف سے بھی خالی نہیں)

میت کی طرف سے اسکے وارث کا نماز روزہ ادا کرنا

اور اگر میت کے وارثین اس کے حکم سے اس کی فوت شدہ نمازوں کی قضا کریں تو یہ نمازیں اس کی طرف سے درست نہیں ہوں گی، اس لئے کہ نماز عبادت بدنی ہے جس کے لئے ہر مکلف کو حکم ہے کہ وہ خود اسے ادا کرے، دوسرے کے ادا کرنے سے وہ اس کی طرف سے ادا نہیں ہوتی ہے حج اس کے خلاف ہے کہ نیابت کو قبول کرتا ہے یعنی اگر وارث میت کی طرف سے حج کردے گا تو اس کے ذمہ سے فرض ساقط ہو جائے گا، اگرچہ میت نے اس کی وصیت نہ کی ہو، اس لئے کہ حدیث میں صراحت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو اس کے مردہ باپ کی طرف سے حج کرنیکی اجازت مرحمت فرمائی تھی کذافی الطحطاوی)

فدیہ نماز، فطرہ اور کفارۂ یمین کی ادائیگی کا طریقہ

حکم یہ ہے کہ کفارہ میں صدقہ فطر کی طرح فدیہ دے گا، للہٰذا اگر میت کا وارث ایک فقیر کو نصف صاع (پونے دو سیر) سے کم دے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا اور اگر سارا غلہ اسی ایک فقیر کو دیدے گا تو یہ درست ہوگا (بتانا یہ چاہئے کہ صدقہ فطر اور اس کفارہ میں اتنا فرق ہے کہ ایک فقیر کو فطرہ میں نصف صاع سے کم بھی دے سکتا ہے اور یہ دینا درست ہے اور نماز روزہ کے کفارہ میں ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دینا درست نہیں ہے، اور اسی طرح یمین، ظہار اور افطار کا بھی کفارہ ہوتا ہے اس میں فقہا نے لکھا ہے کہ عدد شرط ہے مثلاً دس فقیر کو دینا ہے تو دس کو ہی دینے سے ادا ہوگا ایک فقیر کو کل رقم دینا درست نہیں ہے۔ مگر نماز روزہ کے کفارہ میں کل فدیہ کی رقم ایک فقیر کو دینا بھی درست ہے کذافی الشامی)

مرض الموت میں خود فدیہ دینا

میت اگر اپنے مرض الموت میں خود اپنی نماز کا فدیہ دے گا تو یہ درست نہیں ہوگا للہٰذا اس پر واجب یہ ہے کہ وہ وصیت کر جائے البتہ روزہ کا فدیہ اپنی طرف سے اپنے مرض الموت میں دے گا تو یہ دینا اس کے لئے درست ہوگا، مگر اس کی صحت اس کی موت کے بعد ثابت ہوگی۔

ویجوز تاخیر الفوائت وان وجبت علی الفور لعذر السعی علی العیال وفی الحوائج علی الاصح سجدۃ التلاوۃ والنذر المطلق و قضاء رمضان موسع و ضیق الحلوانی کذا فی المجتبٰی و یعذر بالجهل حربی اسلم ثمه ومکث مدۃ فلا قضاء علیه لان الخطاب انما یلزم بالعلم اوبدلیله ولم یوجد کما لا یقضی مرتد مافاته زمنها ولا ماقبلها الا الحج لانه بالردۃ لیصیر کالکافر الاصلی ولذا یلزم باعادۃ فرض اداہ ثم ارتد عقبه وتاب ای اسلم فی الوقت لانه حبط بالردۃ قال اللہ تعالیٰ و من یکفر بالایمان فقد حبط عمله و خالف الشافعیؒ بدلیل فیمت و هو کافر قلنا افادت عملین وجزائین احباط العمل والخلود فی النار فالاحباط بالردۃ والخلود

بالموت علیھافلیحفظ۔

قضاؤں میں تاخیر کی گنجائش

فوت شدہ بہت ساری نمازیں جو ذمہ میں واجب ہیں گو اس کے لئے واجب یہ ہے کہ فوراً ادا کی جائیں لیکن عذر کیوجہ سے ان نمازوں کو دیر سے ادا کرنا جائز ہے، عذر جیسے بال بچوں کے لئے کمانا ہو یا دوسری اپنی ضرورتیں ہوں تو صحیح تر قول کے بموجب دیر سے بھی ادا کی جاسکتی ہیں (مختصر یہ کہ جس طرح اور جتنی فرصت ملے تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر سکتا ہے، البتہ چھوڑنا نہیں چاہئے)

سجدہ تلاوت وغیرہ کی قضا میں وسعت

سجدہ تلاوت (جو خارج نماز میں واجب ہوا ہے) نذر مطلق اور رمضان کے روزے کی قضا ان تینوں کی ادائیگی میں وسعت دی گئی ہے یعنی ان تینوں کو جب موقع ہو ادا کرے البتہ حلوانی نے اس میں تنگی پیدا کی ہے وہ کہتے ہیں فوراً ادا کرے، دیر نہیں ہونی چاہئے۔

حربی کے لئے عذر

جو حربی دار الحرب میں مسلمان ہوا ہے اور اس کے بعد وہیں کچھ مدت رکا رہا اس کو اس کے احکام و مسائل نہ جاننے کی وجہ سے معذور رکھا جائے گا لہٰذا اس پر قضا واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ شریعت کا خطاب علم یا دلیل علم کی بنیاد پر لازم ہوتا ہے اور وہ دونوں اس کے ساتھ نہیں پائے گئے، (دلیل علم سے مراد دار الاسلام میں ہونا ہے کہ یہاں اسلام کے فرائض ہر شخص جانتا ہے لہذا یہاں جہالت کا عذر نہیں سنا جائے گا اور جس قدر نمازیں فوت ہوئی ہیں ان کی قضا کرے گا کذا فی الشامی)

مرتد پر زمانہ ردّت کی نماز قضا

جو لوگ مرتد ہو گئے ہوں اور پھر اسلام قبول کر لیا وہ زمانہ ردت کی اُن نمازوں کی قضا نہیں پڑھیں گے جو انہوں نے چھوڑ دی تھیں اور ان پر زمانہ ردّت کے پہلے کی نمازوں کی قضا نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مرتد ہونے کی وجہ سے اصلی کافر کی طرح ہو جاتا ہے تو جس طرح کافر پر اصلی زمانہ کفر کے وقت کی نمازوں کی قضا نہیں ہے اسی طرح اس پر بھی نہیں ہے البتہ حج کی قضا کرے گا یعنی اس کا اعادہ ضروری ہے۔

چونکہ مرتد اصلی کافر کی طرح ہو جاتا ہے اس لئے اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس فرض کا اعادہ کرے جس کو اس نے اس وقت ادا کیا تھا پھر مرتد ہو گیا تھا اور پھر اسی نماز کے وقت میں مسلمان ہو گیا، کیونکہ مرتد ہونے سے اس کا فرض مذکور باطل ہو گیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُہٗ، یعنی جو شخص ایمان سے پھر کر کفر اختیار کرلے گا اس کا عمل اکارت جائے گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص پر فرض کا اعادہ لازم نہیں ہے اس لئے کہ قرآن میں آیا ہے فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ، ہم احناف کہتے ہیں کہ اس آیت میں دو کاموں اور دو جزاؤں کا فائدہ پہنچایا گیا ہے۔ دو جزاؤں میں ایک عمل کا باطل ہونا ہے اور دوسرے دوزخ میں ہمیشہ رہنا، اس میں پہلی جزاء ردّت کی ہے اور دوسری حالتِ ارتداد میں مرنے کی ہے، للہذا اس کو یاد رکھنا چاہئے (وہ پوری آیت یہ ہے وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اُولٰئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ)

فروع صبی احتلم بعد صلوٰۃ العشاء و استیقظ بعد الفجر لزمہ قضاءھا صلی فی مرضہ بالتیمم والایماء مافاتہ فی صحتہ صح ولا یعید لو صح کثرت الفوائت نوی اول ظھر علیہ او آخرہ وکذا الصوم لو من رمضانین ھو الاصح وینبغی ان لا یطلع غیرہ علی قضائہ لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا واللہ اعلم۔

رات میں بالغ ہونے سے عشاء کی قضاء

ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد سویا، نیند میں اس کو احتلام ہوا، اب فجر کے بعد وہ جاگا تو اس کے لئے لازم ہوگا کہ وہ عشاء کی نماز کی قضا پڑھے اسلئے کہ سونے سے پہلے وہ نابالغ تھا اور اس نے عشاء کی نماز اس حالت میں پڑھی تھی تو وہ نفل کے درجہ میں ہوئی۔ اب جب رات میں احتلام ہوا تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ رات ہی میں بالغ ہو گیا لہٰذا عشاء کی نماز بلوغ کے بعد اس پر فرض ہو گئی گو وہ اس وقت سویا ہوا تھا مگر سونا خطاب شرعی کے لئے مانع نہیں ہے، تو اب وہ فجر کے بعد جب جاگا ہے تو اس کیلئے فرض ہے کہ غسل کرنے کے بعد عشا کی نماز کی قضا پڑھے۔

بیمار نے بیماری میں تیمم کر کے اشارہ سے وہ نماز پڑھی جو اس کی صحت کے زمانہ میں فوت ہو گئی تھی تو اس سے اس کی یہ نماز درست ہو گی، تندرست ہونے کے بعد اس نماز کو دوبارہ نہیں پڑھے گا۔

فوت شدہ نماز کی نیت

فوت شدہ نمازیں ذمہ میں زیادہ تعداد میں ہو گئی ہوں تو نیت میں اس طرح کہے کہ پہلی نماز ظہر ادا کر رہا ہے جو اس کے ذمہ میں تھی پھر اس کے بعد دوسری ظہر کا نام لے، اور یہی حال ہے اگر کسی کے دو رمضان کے روزے قضا ہو گئے ہوں، یعنی نیت کرے کہ پہلے رمضان کے روزے کی قضا رکھتے ہیں پھر یہ جب ادا ہو جائے تو نیت کرے کہ دوسرے رمضان کے روزے کی قضا کرتے ہیں، گویا تعین کا طریقہ اس طرح اختیار کیا جائے گا۔

قضاء نمازیں چھپ کر ادا کی جائیں

مناسب یہ ہے کہ جو شخص نمازوں کی قضا پڑھے اس پر دوسروں کو مطلع نہ ہونے دے یعنی قضا نمازیں چھپ کر پڑھے اور یہ اس وجہ سے کہ نماز کو اس کے وقت سے ٹالنا معصیت ہے اور گناہ و معصیت کو ظاہر نہیں کر سکتا ہے، یہ بُری بات ہے چنانچہ شامی نے کہا ہے قضا نماز علی الاعلان پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

بَاب سَجود السهو

من اضافة الحكم الى سببه واولاه بالفوائت لانه لاصلاح مافات وهو النسيان والشك واحد عند الفقها والظن الطرف الراجح والوهم الطرف المرجوح يجب له بعد سلام واحد عن يمينه فقط لانه المعهود وبه يحصل التحليل وهو الاصح بحر عن المجتبى وعليه توالى بتسليمتين سقط عنها لسجود ولو سجد قبل السلام جاز وكره تنزيها وعند مالك قبله فى النقصان وبعده فى الزيادة فيعتبر القاف بالقاف والدال بالدال سجدتان ويجب ايضاً تشهد وسلام لان سجود السهو يدفع التشهد دون القعدة لقوتها بخلاف الصلبية فانها ترفعهما وكذا التلاوية على المختار وياتى بالصلوة على النبى صلى الله عليه وسلم والدعاء فى القعود الاخير فى المختار وقيل فيهما احتياطا

باب سجود السهو

(سجدۂ سہو کے احکام ومسائل)

سجود السہو میں حکم کی اضافت سبب کی طرف ہے دراصل یہ اس طرح ہے "وجوب سجود السهو" گویا اس میں مضاف محذوف ہے اور یہ بتاتا ہے بعض صورتوں میں سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ اس باب کو باب الفوائت کے بعد متصل اس لئے بیان کیا ہے کہ سجدہ سہو اس چیز کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے جو نماز میں فوت ہو جاتی ہے، جس طرح جو نماز وقت پر نہیں پڑھی جاتی ہے اس کی قضا پڑھتے ہیں تاکہ نماز چھوٹ جانے کی تلافی ہو جائے، اسی طرح کسی واجب کے رہ جانے سے جو نقصان ہوتا ہے سجدہ سہو سے اس کی تلافی کرتے ہیں

چند اصطلاحیں فقہا کے نزدیک نسیان اور شک ایک چیز ہے اور "ظن" طرفِ غالب کو کہتے ہیں اور "وہم" طرفِ مغلوب ومرجوح کو (حکم کے اعتبار سے ان تینوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ از روئے لغت "نسیان" اور "سہو" میں فرق نہیں ہے ضرورت کے وقت جو یاد نہ آئے اسی کو سہو بھی کہتے ہیں اور اسی کو نسیان بھی، اور جب کسی چیز کے ہونے نہ ہونے میں کسی جانب کو ترجیح دیئے بغیر تردد ہو تو اس کو شک کہتے ہیں، اور اگر اس میں کسی

جانب کو ترجیح حاصل ہو تو اس کی "ظن" کہیں گے اور جس جانب کو ترجیح نہ ہو یعنی وہ مرجوح ہو تو اس کو "وہم" اور جمع الجوامع میں ہے کہ "سہو" اس کا نام ہے کہ معلوم چیز میں غفلت ہو جائے مگر معمولی تنبیہ سے خبر دار ہو جائے، اور جس معلوم کو بالکل بھول جائے و نسیان کہلاتا ہے' یہ چند اصطلاحی چیزیں جن کی وضاحت پہلے کر دی گئی ہے۔

سجدہ سہو کیسے کیا جائے

نمازی پر بھول کیوجہ سے دو سجدے صرف ایک سلام کے بعد واجب ہوتے ہیں جو سلام دائیں طرف ہوتا ہے کیونکہ داہنی طرف سجدہ سہو کے لئے سلام پھیرنا پہلے سے چلا آتا ہے اور ایک ہی سلام سے نماز سے نکلنا بھی حاصل ہو جاتا ہے اور یہی صحیح تر ہے، جس کو مجتبیٰ سے بحر نے نقل کیا ہے، (سہو کے سلسلہ میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص سے نماز میں بھول ہو جائے اس کو چاہئے کہ دو سجدے کرے)

دونوں طرف سلام پھیرنے سے

اور ایک سلام کے بعد سجدہ سہو کرنے پر یہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کوئی دونوں طرف سلام پھیر دے گا تو اس سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا۔

(یعنی پہلا سلام دو چیزوں کے لئے ہے اول نماز سے حلال ہونے کے لئے دوسرے قوم کی تحیۃ و سلامتی کے لئے اور دوسرا سلام صرف قوم کی تحیۃ کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا یہ دوسرا سلام کلام کے مشابہ ہو گیا، اسی وجہ سے اگر کوئی دوسرا سلام بھی پھیر دے گا تو پھر وہ سجدہ سہو نہیں کرے گا، بلکہ اب اس کو دوبارہ پڑھنا پڑے گی دونوں سلام پھیرنے کے بعد صرف سجدہ سہو سے بات نہیں بنے گی)

سلام سے پہلے سجدہ سہو

اور اگر کوئی سجدہ سہو ایک سلام پھرے بغیر کرے تو یہ جائز تو ہو گا مگر مکروہ تنزیہی ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں کوئی نقصان ہوا ہے تو سجدہ سہو سلام پھرے بغیر کرے اور اگر نماز میں کوئی زیادتی ہو گئی ہے، تو اس کے لئے سجدہ سہو ایک سلام پھیرنے کے بعد کرے لہٰذا امام موصوف کے نزدیک قبلیت کا قاف نقصان کے قاف کے ساتھ معتبر ہے اور لفظ بعد کی دال زیادہ کی دال کے ساتھ ہے (امام مالکؒ کا یہ مقصد ہے کہ اگر نماز میں کسی واجب کی کمی ہوئی ہے اور اس کیوجہ سے سجدہ سہو اس پر واجب ہوا ہے، تو بغیر سلام پھیرے ہوئے سجدہ سہو کریگا اور اگر اس سے کسی واجب کی زیادتی ہوئی ہے تو سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے، کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا کہ اگر نماز میں واجب کی کمی اور زیادتی دونوں ہوئی ہو تو کیا کرے سجدہ سہو سلام کے بعد کرے یا پہلے، راوی کا بیان ہے کہ امام مالکؒ اس کا اس وقت کوئی جواب نہیں دے سکے)

سجدہ سہو کے واجبات

سجدہ سہو میں دو سجدے واجب ہوتے ہیں اور التحیات پڑھنا واجب ہوتا ہے اور سلام کا پھیرنا، اس لئے کہ سہو کا سجدہ التحیات کے پڑھنے کو ختم کر دیتا ہے مگر قعدہ کو دور نہیں کرتا ہے اس لئے کہ قعدہ اخیرہ سجدہ سہو سے قوی ہوتا ہے کیونکہ وہ فرض ہے اور سجدہ سہو واجب، البتہ سجدۂ نماز قعدہ اخیرہ اور التحیات دونوں کو بیکار کر ڈالتا ہے اور قول مختار پر یہی حال سجدہ تلاوت کا ہے یعنی گو یہ سجدہ تلاوت واجب ہے مگر چونکہ یہ قرأت کے تابع ہے اور قرأت کا رکن، اس لئے اس کو بھی اس کا حکم دیدیا گیا ہے، اور سجدہ سہو کے بعد قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد

درود بھی پڑھے گا اور درود کے بعد کی دعاء بھی پڑھے گا، مختار قول یہی ہے، اور کہا گیا ہے کہ احتیاطاً دونوں قعدوں میں پڑھے، (مگر یہ قول ضعیف ہے، اس پر عمل نہیں ہے)

اذا كان الوقت صالحاً فلو طلعت الشمس فى الفجر او احمرت فى القضاء اووجد منه ما يقطع البناء بعد السلام سقط عنه فتح و فى القنية لو بنى لنفل على فرض سهافيه لم يسجد بترك متعلق يجب واجب مما مرفى صفة الصلوة سهواً فلا سجود فى العمد واجب قيل الافى اربع ترك القعدة الاولى وصلوته فيه على النبى صلى الله عليه وسلم و تفكره عمدا حتى شغله عن ركن و تاخير سجدة الركعة الاولى الى آخر الصلٰوة نهروان تكرر لان تكراره غير مشروع كركوع متعلق بترك واجب قبل قراءة الواجب لوجوب تقديمها ثم انما يتحقق الترك بالسجود فلو تذكر ولو بعد الرفع من الركوع الا انه فى تذكر الفاتحة يعيد السورة ايضا و تاخير قيام الى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن و قيل بحرف و فى الزيلعى الاصح وجوبه باللهم صلى على محمد۔

کن اوقات میں سجدہ سہو جائز نہیں

سجدہ سہو اس وقت کرے جب وقت کے اندر اس کی صلاحیت ہو، لہٰذا اگر نمازِ فجر میں سلام کے بعد آفتاب نکل آئے یا نماز قضا میں آفتاب سرخ ہو جائے یا نمازی کی طرف سے ایسی کوئی حرکت پائی جائے جو نماز کی بنا کو قطع کر دے یعنی سلام کے بعد نماز کے منافی کوئی عمل ظاہر ہو تو ان حالتوں میں اس سے سجدہ سہو ساقط ہو جائے گا کذا فی الفتح (آفتاب کی سرخی میں قضا نماز کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا کہ اگر اسی دن کی عصر کی نماز پڑھتا ہو اور یہ کیفیت ہو جائے یعنی آفتاب سرخ ہو جائے تو سجدہ سہو ساقط نہیں ہو گا)

قنیہ نامی کتاب میں ہے کہ اگر کسی نے نفل کی بنا اُس فرض نماز پر کی ہے جس میں اس سے بھول ہوئی ہے تو وہ اس صورت میں سجدہ سہو نہ کرے یعنی فرض کے بعد سجدہ سہو نہ کرے بلکہ نفل کے اخیر میں کرے۔

سہو کے دو سجدے اس وقت واجب ہوتے ہیں جب نمازی بھول کر کسی واجب کو چھوڑ دے ان واجبات نماز سے جن کی تفصیل باب صفات الصلوۃ میں گذر چکی ہے، لہٰذا اگر واجب کو قصداً کسی نے چھوڑا ہے تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اس نماز کو دوبارہ پڑھے۔

قصداً واجب کا ترک کرنا

جان بوجھ کر واجب کے چھوڑنے میں سجدہ سہو نہیں ہے مگر قول ضعیف یہ ہے کہ چار صورتوں میں قصداً چھوڑنے سے بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، اور اسکی نماز فاسد نہیں ہوتی، اول قعدہ اولی کا قصداً چھوڑنا، دوم قعدہ اولی میں عمداً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا یعنی التحیات کے بعد

درود پڑھنا۔ سوم عمداً اتنی دیر نماز کے اندر سوچنے میں لگادینا کہ وہ ایک رکن کے برابر ہو جائے۔ چہارم پہلی رکعت کے بعد سجدہ کو اخیر نماز تک موخر کرنا کذافی النہر، (علامہ قاسم نے کہا ان صورتوں کی کوئی اصل نہ روایت میں ہے اور نہ درایت میں،

تکرار واجب سے سجدہ سہو

اگر واجب کا ترک ایک نماز میں مکرر ہو جائے تب بھی ان کے لئے سجدہ سہو دو ہی واجب ہوں گے یعنی ایک ہی مرتبہ اس لئے کہ سجدہ سہو کا تکرار جائز نہیں ہے (بحر الرائق میں ہے کہ اگر کوئی نمازی ایک نماز کے سارے واجبات بھول جائے تب بھی اس کے ذمہ سہو کے دو ہی سجدے لازم ہوں گے کذافی الشامی)

ترک واجب

ترک واجب کی مثال جیسے واجب قرأت سے پہلے رکوع کرنا اس لئے کہ قرأت کا رکوع پر مقدم کرنا واجب ہے، ترک قرأت اس وقت ثابت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں چلا جائے، لہٰذا اگر اس کو قرأت سجدے سے پہلے یاد آجائے اگرچہ رکوع سے اٹھنے کے بعد ہی یاد آیا ہو، تو بھی اس کو چاہئے کہ وہ قرأت کی طرف پلٹے اور قرأت کرے اور قرأت کے بعد پھر رکوع کرے، مگر جب سورہ فاتحہ کا پڑھنا یاد آجائے تو وہ الحمد کے ساتھ سورہ کا بھی اعادہ کرے گا، یعنی رکوع یا قومہ میں یاد آیا کہ اس نے سورۃ پڑھی ہے مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھی ہے تو اس کو چاہئے کہ الحمد (یعنی سورہ فاتحہ) بھی پڑھے اور اس کے ساتھ سورۃ بھی، تاکہ دونوں کی ترتیب قائم رہ جائے (اور خلاصہ میں ہے کہ قرأت کی طرف عود کرے یا نہ کرے ہر صورت میں سجدہ سہو ادا کرے کذافی الطحطاوی)

تیسری رکعت میں تاخیر

اور ترک واجب کی ایک مثال تیسری رکعت کے لئے اٹھنے میں دیر کرنا ہے، وہ اس طرح کہ التحیات کے بعد ایک رکن کے برابر اسی چیز کا اضافہ کردے اور ایک کمزور قول یہ ہے کہ التحیات پر ایک حرف کا بڑھادینا بھی موجب سہو ہے، اور زیلعی میں یہ ہے کہ اس باب میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ التحیات کے بعد اگر قعدہ اولیٰ میں اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد بڑھادے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا (پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ جب تک وَعَلٰی آلِ محمد بھی نہ بڑھائے گا سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، شامی نے صراحت کی ہے کہ سجدہ سہو کے واجب ہونے کے لئے (درود شریف کے اضافہ کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اگر قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد ایک رکن کے برابر خاموش بیٹھا رہے گا یا قرآن پڑھے گا تب بھی سجدہ سہو واجب ہوگا، اور مناقب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امام اعظم نے خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں ہیں کہ مجھ پر جو شخص درود پڑھتا ہے تم اس پر سجدہ سہو کس طرح واجب کرتے ہو، امام اعظمؒ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اس وجہ سے واجب کیا کہ اس نے بھول کر پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو پسند فرمایا)

والجھر فیما یخافت فیه للامام وعکسه لکل مصلے فی الاصح والاصح تقدیره بقدر ما تجوز به الصلوة فی الفصلین وقیل قائله قاضیخان یجب السھو بھما ای بالجھر والمخافتة مطلقاً ای قل اوکثر وھو ظاھر الروایة واعتمده الحلوانی علی منفرد متعلق یجب ومقتد بسھو امامه ان سجد امامه لوجوب المتابعة لابسھوه

اصلا۔

آہستہ کی جگہ بلند آواز میں قرأت

اور جیسے ان نمازوں میں قرأت بلند آواز سے پڑھنا جن میں آہستہ پڑھنے کا حکم ہے اور اسی طرح اُن نمازوں میں آہستہ قرأت کرنا جن میں بلند آواز سے قرأت کا حکم ہے ان دونوں صورتوں میں بھی ہر نمازی پر سجدہ سہو واجب ہوگا (طحطاوی میں ہے کہ شارح سے ادا کرنے میں غلطی ہوئی ہے ان کو اس طرح کہنا چاہئے کہ آہستہ قرأت کی جگہ جہر کرنے سے ہر نمازی پر سجدہ سہو واجب ہے اور اس کے عکس میں صرف امام پر کیونکہ جہری نماز میں منفرد پر جہر واجب نہیں ہے تاکہ اس کے ترک سے اس پر سجدہ سہو کو واجب کہا جائے)

سری نماز میں کس مقدار میں جہر کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے

یہ مسئلہ کہ جہر (بلند آواز) میں کس قدر اخفا کرنے (آہستہ پڑھنے) سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور سر (آہستہ پڑھنے) میں کتنا جہر کرنے سے، اس باب میں صحیح تر یہ ہے کہ جہر و اخفا یعنی بلند آواز سے پڑھنا اور آہستہ پڑھنا اتنی آیتوں کا جن سے نماز جائز ہو جاتی ہے دونوں نمازوں میں جہری میں بھی اور سری میں بھی (اس لئے کہ کچھ کا سر میں جہر ہو جانا اور جہر میں سر ہونا ایسا ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے اور ایک ضعیف قول یہ ہے جس کے قائل قاضی خاں ہیں کہ سری میں جہر کرنے سے اور جہری میں سر کرنے سے مطلقاً سجدہ سہو واجب ہوتا ہے خواہ وہ مقدار تھوڑی ہو یا بہت، اور یہی ظاہر الروایہ ہے اور اسی پر حلوانی نے اعتماد کیا ہے مگر شارح نے پہلے قول کو اصح کہا ہے (صحیحین میں حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف الحمد پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو آیت سنا دیتے تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آہستہ پڑھنے کی جگہ بلند آواز سے کچھ کلمات پڑھ دینا جائز ہے اور اس میں سجدہ سہو نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ شارح نے قول اول کو اصح کہا ہے۔

منفرد مقتدی پر سجدہ سہو

واجب کے چھوڑنے سے سجدہ سہو منفرد پر بھی واجب ہوتا ہے اور مقتدی پر بھی، مگر مقتدی پر اس کے امام کے سہو کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اگر اس کا امام سجدہ سہو کرے گا تو اس کی پیروی میں مقتدی کو بھی کرنا ہوگا، مقتدی کے خود اپنے سہو سے اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا ہے نہ سلام سے پہلے اور نہ سلام کے بعد کیونکہ اگر سلام سے پہلے مقتدی سجدہ سہو کرلے گا تو امام کی مخالفت لازم آئے گی اور امام کے سلام کے بعد وہ نماز سے نکل چکا ہوگا۔

والمسبوق یسجد مع امامه مطلقاً سواء کان السهو قبل الاقتداء او بعده ثم یقضی ما فاته ولو سها فیه سجد ثانیا وکذا اللاحق لکنه یسجد فی آخر صلوته ولو سجد مع امامه اعاد والمقیم خلف المسافر کالمسبوق وقیل کاللاحق۔

مسبوق پر سجدہ سہو

مسبوق جس کی رکعت امام کے ساتھ رہ گئی ہو وہ اپنے امام کے ساتھ ہر حال میں سجدہ سہو کرے گا خواہ یہ بھول امام سے اس کے ملنے سے پہلے ہوئی ہو یا اس کے ملنے کے بعد ہوئی ہو،

سجدہ سہو کے بعد: جب امام سلام پھیرے گا تو اس کے بعد مسبوق اپنی چھٹی ہوئی رکعتوں کو پورا کرے گا اور اگر مسبوق اپنی ان چھٹی ہوئی رکعتوں میں جن کو وہ امام کے بعد پوری کر رہا ہے کوئی موجب سہو بات کرے گا تو یہ اس میں وہ تنہا الگ سے سجدہ سہو کرے گا، اس لئے کہ یہ اپنی ان رکعتوں میں منفرد کے حکم میں ہے۔

لاحق پر سجدہ سہو

اسی طرح لاحق پر بھی اپنے امام کے بھول سے سجدہ سہو واجب ہے مگر لاحق اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے گا اور اگرچہ اس نے اپنے امام کے ساتھ سجدہ سہو کر لیا تھا تو بھی اپنی نماز کے اخیر میں دوبارہ سجدہ سہو کرے گا، اس لئے کہ ملنے کے وقت اس نے عزم کیا تھا کہ وہ پوری نماز میں اپنے امام کی پیروی کرے گا اور جب اس کے امام نے اخیر نماز میں سجدہ سہو کیا ہے تو یہ بھی ایسا ہی کرے گا۔

مقیم مقتدی مسافر امام کے پیچھے کیسے سجدہ سہو کرے

مقیم جو مسافر کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے وہ مسبوق کی طرح ہے اور بعضوں نے کہا کہ وہ لاحق کی طرح ہے، مسبوق کی طرح مانا جائے تو مقتدی اپنے مسافر امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا، جس طرح مسبوق اپنے امام کی پیروی میں سجدہ سہو میں شریک ہوتا ہے اور اگر لاحق کی طرح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنی نماز کے اخیر میں سجدہ سہو کرے (مطلب یہ ہوا کہ ایک مقیم ایک مسافر امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا، امام سے بھول ہوئی اور اس نے سجدہ سہو کیا تو اب سوال یہ ہے کہ مقیم مقتدی کیا کرے، تو پہلا قول تو یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے اور اس کے سلام کے بعد اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرے اور دوسرا قول جس کے قائل امام کرخی ہیں یہ ہے کہ مقیم مقتدی سجدہ سہو میں امام کی پیروی نہ کرے، بلکہ امام کے سلام کے بعد جب وہ اپنی بقیہ دو رکعتیں پوری کر لے تب وہ سجدہ سہو کرے)

سها عن القعود الاول من الفرض ولو عملياً واما النفل فيعود مالم يقيده بالسجدة ثم تذكره عاد اليه و تشهد و لا سهو عليه فى الاصح مالم ليستتم قائما فى ظاهر المذهب وهو الاصح فتح والا اى وان استقام قائما لا يعود لاشتغاله بفرض القيام و سجد للسهو لترك الواجب فلو عاد الى القعود و بعد ذالك تفسد صلوته لرفض الغرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعى وقيل لا تفسد لكنه يكون مسيأ ويسجد لتاخير الواجب وهو الاشبه كما حققه الكمال وهو الحق بحر وهذا فى غير الموتم اما الموتم فيعود حتما و ان خاف فوت الركعة لان القعود فرض عليه بحكم المتابعة سراج وظاهره انه لولم يعد بطلت بحر قلت وفيه كلام والظاهر انها واجبة فى الواجب و فرض فى الفرض نهر ولنا فيها رسالة حافلة فراجعها ولو سها عن القعود الاخير كله او بعضه عاد ويكفى كون كلا الجملتين قدر التشهد مالم يقيدها بسجدة لان مادون الركعة محل الرفض و سجد للسهو لتاخير القعود و ان قيدها

بسجدة عامداً اوناسيا تحول فرضه نفلاً برفعه الجبهة عند محمد و به يفتي لان تمام الشي بآخره فلو سبقه الحدث قبل رفعه توضاء وبنى خلافاً لابي يوسفؒ حتى قال زه صلوة فسدت اصلحها الحدث والعبرة للامام حتى لو عاد ولم يعلم به القوم حتى سجد والم تفسد صلوتهم مالم يتعمد واالسجود و فيه يلغزای مصل ترك القعود الاخير وقيد الخامسة بسجدة ولم يبطل فرضه۔

قعدہ اولیٰ بھول کر اٹھنے والا کیا کرے

کوئی نمازی فرض نماز کا قعدہ اولی بھول گیا اور بیٹھنے کے بجائے اٹھنے لگا پھر اسے قعدہ یاد آ گیا تو اس پر واجب ہے کہ بیٹھ جائے اور التحیات پڑھے اور یہی صحیح تر قول میں اس پر اس کی وجہ سے سجدہ سہو واجب نہیں ہے جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہو چکا ہو، ظاہر مذہب یہی ہے اور یہی صحیح تر بھی ہے کذافی الفتح شارح نے بتایا کہ فرض عام ہے خواہ اعتقادی ہو جیسے پنجوقتہ نماز یا فرض عملی ہو جیسے وتر، اس باب میں دونوں کا حکم ایک ہے (اور اگر وہ نماز نفل ہو تو قعدہ کے لئے کھڑے ہونے کے باوجود اس وقت تک پلٹ سکتا ہے جب تک اس نے اس قیام کا سجدہ نہ کیا ہو)

فرض و وتر کا قعدہ بھول کر کھڑا ہو گیا تو کیا کرے

اگر فرض و وتر کے قعدہ اولیٰ کو بھول کر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو اب وہ قیام کو چھوڑ کر التحیات کے لئے نہیں بیٹھے گا اس لئے کہ قیام فرض ہے لہذا اس میں مشغول ہونے کے بعد واجب کے لئے لوٹنا درست ہے اور اس واجب کے چھوڑنے کی تلافی کے لئے سجدہ سہو کرے گا فرض و وتر میں اگر قعدہ اولیٰ کو چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا اور یاد آنے پر بیٹھ گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس وجہ سے کہ اس نے غیر فرض کے لئے فرض کو چھوڑ دیا، اس قول کی زیلعی نے تصحیح کی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہو گی مگر وہ بُرا کرنے والا قرار دیا جائے گا، مگر اس پر سجدہ سہو واجب ہو گا کہ اس نے قعدہ اولیٰ کے لئے بیٹھنے میں تاخیر کی ہے اور یہ دوسرا قول حق سے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ اس کی کمال الدین نے تحقیق کی ہے کذافی البحر، (محقق کمال الدین کہتے ہیں قعدہ کی طرف پلٹ آنے سے واجب کے لئے فرض کو چھوڑنا نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ تاخیر کرنا ہے جیسے کسی کو رکوع میں یاد پڑے کہ اس نے سورت نہیں پڑھی ہے اور وہ کھڑا ہو کر سورت پڑھے تو نماز فاسد نہیں ہوتی ایسا ہی اس صورت میں بھی نماز فاسد نہیں ہو گی کذافی الشامی)

مقتدی کھڑا ہو جائے تو کیا کرے

اور یہ تفصیل کہ اگر سیدھا نہ کھڑا ہوا ہے تو بیٹھ جائے ورنہ پلٹ کر نہ بیٹھے غیر مقتدی کے لئے ہے یعنی یہ امام اور منفرد کے لئے ہے، باقی رہا مقتدی وہ یقینی طور پر بیٹھ جائے، اگرچہ اس کو اس رکعت کے چھوٹنے کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ مقتدی پر بیٹھنا فرض ہے کیونکہ جب امام بیٹھا ہوا ہے تو اس پر بھی بیٹھنا ضروری ہو گا کذافی السراج۔

(اس کی صورت یہ ہے کہ امام دو رکعتوں کے بعد بیٹھ گیا اور مقتدی بھول کر سیدھا کھڑا ہو گیا امام کے ساتھ قعدہ میں

نہیں بیٹھا تو مقتدی پر واجب ہے کہ وہ بھی بیٹھ جائے اور بیٹھ کر التحیات پڑھے اگرچہ اس مقتدی کو یہ ڈر ہو کہ التحیات پڑھنے سے امام کے ساتھ تیسری رکعت نہیں ملے گی کذافی الشامی)

قعدہ کی متابعت (پیروی) کو فرض کہنے کے ظاہر قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی اگر قیام سے پلٹ کر قعدہ میں نہیں آئے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی (بحر) شارح کہتے ہیں کہ اس تعلیل میں کلام ہے اور ظاہر یہ ہے کہ واجب نماز میں پیروی واجب ہے اور فرض نماز میں فرض (نہر) متابعت (پیروی کرنے) کے سلسلہ میں میرا ایک جامع رسالہ ہے اس کو دیکھیں (طحطاوی نے کہا ہے کہ فرض نماز میں پیروی کو فرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس فرض کو مقتدی ادا کرے اگرچہ امام کے ادا کر چکنے کے بعد ہو، البتہ امام سے پہلے ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ قعدہ کے کسی جزء میں بھی شرکت ضروری ہے)

زائد رکعت میں سجدہ ملانے سے بیٹھ سکتا ہے

اور اگر نمازی پورے قعدہ اخیرہ کو بھول جائے یا اس کے کسی حصہ کو بھول جائے اور زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو جب تک اس نے زائد رکعت میں سجدہ نہیں ملایا ہے رکعت کو چھوڑ دے اور وہ پلٹ کر بیٹھ جائے۔ اس لئے کہ ابھی جو رکعت سے کم ہے اس کا ترک کرنا ہے اور چونکہ قعدہ اخیر میں بیٹھنے میں تاخیر ہوگئی ہے، اس لئے سجدہ کرے۔ شارح نے کہا کہ دونوں ملا کر اگر تشہد کے مقدار ہو گیا ہے تو وہ کافی ہے (یعنی قعدہ اخیر میں نمازی تھوڑی دیر بیٹھکر اٹھ گیا اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد مثلاً گفتگو کی تو اگر دونوں، دفعہ کامل کر بیٹھنا التحیات کی مقدار بھر ہو چکا ہے تب تو نماز درست ہوگئی ورنہ فاسد ہو جائے گی کذافی الشامی)

قعدہ اخیرہ میں بھول کر کھڑا ہو گیا اور اس کا سجدہ کرلیا

قعدہ اخیرہ بھول کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس کا سجدہ بھی کر لیا خواہ جان بوجھ کر کیا ہو یا بھول کر کیا ہو تو سجدہ کے بعد اس کی یہ فرض نماز نفل سے بدل جائے گی۔ (سجدہ پورا امام محمدؒ کے نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب نمازی سجدہ سے سر اٹھا لے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صرف سر کے زمین پر رکھنے سے ہو جاتا ہے، فتویٰ اس باب میں امام محمدؒ کے قول پر ہے کیونکہ کسی چیز کو پورا ہونا اس کے اخیر تک پہونچ جانے سے ہوتا ہے (یہ اختلاف سجدہ کے باب میں ہے، باقی فرض کا نفل سے بدل جانا اس کے قائل امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ ہیں اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ زائد رکعت میں سجدہ مل جانے کے بعد جبکہ وہ قعدہ اخیرہ میں نہیں بیٹھا ہے اس کی فرض باطل ہو گئی)

سجدہ کی تکمیل

سجدہ کب ہوتا ہے اس میں امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے اختلاف کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اب اسی بنیاد پر کہتے ہیں کہ نمازی کو زائد رکعت کے سجدہ میں جبکہ اس نے ابھی سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا حدث لاحق ہو گیا اور اس کا وضو ٹوٹ گیا تو اس کو چاہئے کہ وضو کر کے قعدہ اخیرہ کرے اور نماز پوری کرے یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے، امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اس کی نماز تو سجدہ میں جاتے ہی فاسد ہو گئی پھر حدث سے اس کی اصلاح کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ ان کے یہاں سر کو زمین پر رکھتے ہی سجدہ ہو گیا اب قعدہ اخیرہ کی گنجائش نہیں رہی اس لئے اس کی فرض نفل سے بدل گئی لہذا فرض کی اصلاح

نہیں ہو سکتی ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ کی تکمیل سر اٹھانے کے بعد ہوتی ہے اور ابھی سر اٹھا نہیں تھا اس لئے ابھی فرض باطل نہیں ہوئی ہے لہٰذا اس کی اصلاح قعدہ اخیرہ کر کے ہو سکتی ہے۔

زائد رکعت میں امام کے سجدہ کا اعتبار

اور زائد رکعت میں جس سجدہ کے لگ جانے سے قعدہ اخیرہ کی طرف پھر لوٹنے کا موقع نہیں رہتا ہے اس میں امام کے سجدہ کا اعتبار ہے، مقتدیوں کے سجدہ کا اعتبار نہیں ہے یہاں تک کہ اگر امام کھڑے ہونے کے بعد بیٹھ گیا اور مقتدیوں کو اس کا علم نہیں ہوا تا آنکہ انہوں نے سجدہ کر لیا تو اس سے ان مقتدیوں کی فرض نماز نفل سے نہیں بدلے گی جب تک کہ مقتدی قصداً امام کی پیروی میں زائد رکعت کا سجدہ نہ کر لیں۔

اسی مسئلہ میں یہ چیستان پوچھتے ہیں کہ وہ کونسا نمازی ہے کہ اس نے قعدہ اخیرہ بھی چھوڑ دیا زائد رکعت میں سجدہ بھی ملا لیا اور پھر بھی اس کی فرض باطل نہیں ہوئی۔

وضم سادسةً ولوفی العصر والفجر ان شاء لاختصاص الکراهة والاتمام بالقصد ولا یسجد للسهو علی الاصح لان النقصان بالفساد لا ینجبر وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر و التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح ثم الاصح ان القوم ینتظرونه فان عاد تبعوه وان سجد للخامسة سلموا لانه تم فرضه اذ لم یبق علیه الا السلام وضم الیها سادسة ولو فی العصر وخامسة فی المغرب ورابعة فی الفجر به یفتی لتصیر الرکعتان له نفلا والضم هنا آکدا ولا عهدة لوقطع ولا بأس باتمامه فی وقت کراهة علی المعتمد وسجد للسهو فی الصورتین لنقصان فرضه بتاخیر السلام فی الاولٰی وترکه فی الثانیة والرکعتان لا ینوبان عن السنة الراتبة بعد الفرض فی الاصح لان المواظبة علیهما انما کانت بتحریمة مبتداءة ولو اقتدی به فیما صلاهما ایضاً وان افسد قضاهما به یفتی نقایه۔

پانچویں کے بعد چھٹی رکعت

جب قعدہ اخیرہ میں نہیں بیٹھے اور پانچویں رکعت کا سجدہ کر لے تو اگر وہ چاہے تو اس میں چھٹی رکعت بھی ملا سکتا ہے خواہ وہ عصر ہی کی نماز کیوں نہ ہو یہاں چھٹی رکعت کا عصر میں ملانا مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ کراہیت اس وقت ہے جب قصداً نفل پڑھ رہا ہو، یہاں یہ صورت نہیں ہے پھر یہ نفل عصر کے بعد بھی نہیں ہے کیونکہ ابھی فرض کہاں پڑھی ہے، اور یہ جو کہا اگر چاہے تو ملا لے، اس وجہ سے کہا کہ اس نفل کا شروع کر کے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے جس کو قصداً شروع کیا ہو یہاں نفل کی نیت سے نماز شروع نہیں کی تھی، اس لئے اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ ضروری نہیں ہے، اسی طرح فجر میں تین پڑھ چکا ہو تو چوتھی رکعت ملا سکتا ہے اور اصح قول پر وہ سجدہ سہو بھی نہیں کرے گا اس لئے کہ فساد کی تلافی سہو سے نہیں ہوا کرتی ہے قعدہ اخیرہ فرض تھا۔

جب ادا نہ ہو سکا تو اس کی نماز فرض باطل ہو گئی (یہاں چھٹی رکعت سے مراد زائد رکعت ہے، یہ عصر میں ہو گی اور فجر میں زائد رکعت چوتھی ہو گی، ظہر و عشاء میں بھی اس صورت میں زائد رکعت ملائے گا، مگر یہاں بھی ملانا واجب نہیں ہے کیونکہ قصداً یہ نفل نہیں شروع کی ہے، شارح نے مغرب کی نماز کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا کہ اس میں پانچویں رکعت نہیں ملائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً مغرب کے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے دوسرے نفل کی طاق رکعتیں مکروہ ہیں)

قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد اُٹھ جانا

اور اگر وہ نمازی چوتھی یعنی آخری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھا ہے (خواہ وہ آخری رکعت دوسری ہو یا تیسری یا چوتھی) پھر وہ کھڑا ہو گیا تو وہ پلٹ کر قعدہ اخیرہ کے لئے بیٹھے گا اور بیٹھ کر سلام پھیرے گا کیونکہ بیٹھ کر سلام پھیرنا مسنون طریقہ ہے، لیکن اگر وہ کھڑے کھڑے سلام پھیر دے گا تو بھی نماز صحیح ہو جائے گی، پھر صحیح تر قول یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں التحیات کے بعد اگر امام کھڑا ہو جائے گا تو بھی مقتدی بیٹھے رہیں گے اور امام کے بیٹھنے کا انتظار کریں گے، اور جب امام پلٹ کر بیٹھے گا اور سلام پھیرے گا تو مقتدی سلام میں اس کی پیروی کریں گے اور اگر امام کے انتظار میں مقتدی بیٹھے رہیں اور امام بجائے بیٹھنے کے پانچویں رکعت کا سجدہ کرلے تو مقتدی اس کے بعد بطور خود سلام پھیر دیں گے اس لئے کہ ان کی نماز پوری ہو چکی تھی، سلام پھیرنے کے سوا مقتدی کے ذمہ کچھ باقی نہیں رہ گیا تھا، البتہ امام پانچویں رکعت کے بعد اس میں چھٹی رکعت ملائے گا (ظہر عشا اور) عصر میں بھی، اور اگر مغرب کی نماز تھی اور امام نے چوتھی رکعت کا سجدہ کر لیا ہے تو اس میں پانچویں رکعت ملائے گا اور نماز فجر میں چوتھی ملائے گا، اسی پر فتویٰ ہے اور ایک مزید رکعت اس لئے نمازی ملائے گا تاکہ اس کی دو رکعت نفل ہو جائے، اور یہاں ملانے کی زیادہ تاکید آئی ہے۔

سجدہ سہو

اور اگر کوئی زائد والی رکعت کے بعد اس میں دوسری رکعت نہیں ملائے ایک ہی رکعت پر نماز ختم کر ڈالے تو اس پر قضا لازم نہیں ہو گی، اس لئے کہ اس نے اس نفل کو بالقصد شروع نہیں کیا ہے، کراہت کے اوقات میں بھی اس کے پورا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، معتمد قول یہی ہے، یعنی زائد رکعت فجر میں بھی لگا سکتے ہیں اور عصر میں بھی، کیونکہ یہ نفل قصداً شروع نہیں کی ہے، اور دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کرنا ہو گا، یعنی زائد رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور پلٹ کر بیٹھ گیا ہو، یا زائد رکعت کا سجدہ کر لیا اور اس سجدہ سہو کی وجہ یہ ہے کہ پہلی صورت میں اس سے سلام پھیرنے میں تاخیر ہوئی اور دوسری صورت میں سلام ترک ہوا ہے۔

زائد رکعتیں سنت موکدہ کے قائم مقام نہیں

اور قعدہ اخیرہ میں التحیات پڑھ کر بھول سے جو نمازی کھڑا ہو چکا تھا اور اس میں اس نے دو رکعت زیادہ پڑھ لی تھی، اب اس کی یہ دو زیادہ رکعتیں، فرض کے بعد والی سنت موکدہ کے قائم مقام نہیں ہوں گی صحیح تر قول یہی ہے اس لئے کہ سنت موکدہ جو فرض کے بعد ہے وہ مستقل تحریمہ کے ساتھ ہے، دوسری نماز کے ضمن میں نہیں ہے۔

اگر کوئی نمازی امام کی ان دو زائد رکعتوں میں اقتدا کرے گا تو وہ نمازی ان دونوں زائد رکعتوں کو بھی پڑھے گا یعنی یہ مقتدی بھی چھ رکعتیں پڑھے گا اور اگر مقتدی ان دو رکعتوں کو فاسد کر دے گا۔ تو صرف ان ہی دو کی قضا کرے گا، اسی پر فتویٰ

ہے کذا فی النقایہ۔

ولو ترك القعود الاولى فى النفل سهواً سجد ولم تفسد استحسانا لانه كما شرع ركعتين شرع اربعا ايضاً و قد منا انه يعود مالم يقيد الثالثة بسجدة و قيل لا واذا صلى ركعتين فرضا او نفلا وسها فيهما فسجد له بعد السلام ثم شفع عليه لم يكن له ذلك البناء اى يكره تحريما اراد بناء لئلا يبطل سجوده بلا ضرورة بخلاف المسافر اذا نوى الاقامة لانه لولم يبن بطلت ولو فعل ما ليس له من البناء صح بناءه لبقاء التحريمة و يعيد هو والمسافر سجود السهو على المختار لبطلانه بوقوعه خلال الصلوة سلام من عليه سجود السهو يخرجه من الصلوة خروجاً موقوفا ان سجد عاد اليها والا لا وعلى هذا فيصح الاقتداء به ويبطل وضوءه بالقهقهة ويصير فرضه اربعا بنية الاقامة ان سجد للسهو فى المسائل الثلاث والا يسجد لا تثبت الاحكام المذكورة كذا فى غاية البيان و هو غلط فى الاخيرتين والصواب انه لا يبطل وضوءه ولا يتغير فرضه سجد او لا لسقوط السجود بالقهقهة وكذا بالنية لئلا يقع فى خلال الصلوة وتمامه فى البحر والنهر ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويا للقطع لان نية يغير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة او يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسى السهو او سجدة صلبية او تلاوية يلزمه ذلك ما دام فى المسجد سلم مصلى الظهر على راس الركعتين توهما اتمامها واتمها اربعا و سجد للسهو لان السلام ساهيا لا يبطل لانه دعاء من وجه بخلاف مالو سلم على ظن ان فرض الظهر ركعتان بان ظن انه مسافر او انها الجمعة او كان قريب عهد بالاسلام فظن ان فرض الظهر ركعتان او كان فى صلوة العشاء فظن انها التراويح فسلم او سلم ذاكرا ان عليه ركنا حيث تبطل لانه سلام عمداً وقيل لا يبطل حتى يقصد به خطاب آدمى۔

نفل کے قعدہ اولیٰ کو چھوڑنا

اگر کوئی نفل نماز میں بھول سے قعدہ کو چھوڑ دے تو وہ سجدہ سہو کرے اور استحسان کی رو سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لئے کہ جب اس نے دو رکعتیں شروع کی تھیں اسی وقت اس نے چار رکعت کو بھی شروع کیا تھا، اور یہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ جب تک اس نے تیسری

رکعت کا سجدہ نہیں ملایا ہے نمازی کو پلٹ کر قعود کرنا چاہیے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ سیدھا کھڑا ہو جانے کے بعد پھر وہ قعدہ میں واپس نہیں آئے اس لئے کہ اب اس کی نفل نمازیں فرض کی طرح ہو گئیں (یعنی قیاس یہ چاہتا ہے کہ ان نفل نمازوں کو فاسد ہو جانا چاہئے کیونکہ اس کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے اور قعدہ اخیرہ فرض ہے (قیاس کا تقاضہ تھا کہ ان نفلوں کو فاسد ہو جانا چاہئے کیونکہ اس کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے اور قعدہ اخیرہ فرض ہے جو اس میں نہیں پایا گیا مگر از روئے استحسان فاسد قرار نہیں دی گئی)

دو رکعت میں بھول

ایک شخص نے دو رکعت نماز فرض یا نفل پڑھی اور اس نماز میں اس سے بھول ہو گئی چنانچہ اس نے ایک سلام پھیر کر حسب قاعدہ اس بھول کے لئے سجدہ سہو کیا، پھر اس نے ان دو رکعتوں پر دوسری دو رکعت کی بنا ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس کے لئے اس بنا کی گنجائش نہیں ہے، یعنی ایسا کرنا اس کے لئے مکروہ تحریمی ہے اس وجہ سے کہ اس کا سجدہ سہو بلا ضرورت بیکار نہ ہونے پائے (کیونکہ سجدہ سہو واجب ہے اور ایک واجب کا بلا ضرورت باطل کرنا جائز نہیں ہے)

ہاں البتہ وہ مسافر جس نے دو رکعتیں پڑھیں اور ان میں اس نے سجدہ سہو کیا اور اس کے بعد اقامت کی نیت کر لی اور انہی دو رکعتوں میں دو رکعت اور ملا کر چار کر دینا چاہا تو اس کو اختیار ہے ایسا کر سکتا ہے اسلئے کہ اگر وہ بنا نہ کرے حالانکہ اقامت کی نیت کی وجہ سے اس پر چار رکعت واجب ہو چکی ہے تو اس کی یہ دو رکعت پڑھی ہوئی بے کار جاتی ہے اور اگر بنا کر لے گا تو صرف سجدہ سہو جو واجب ہے وہ باطل ہو گا۔ فرض باقی رہ جائے گا، لہٰذا فرض کی وجہ سے واجب کے باطل کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، اسی وجہ سے اختیار دیا گیا ہے۔

سجدہ سہو کے بعد بنا کیا تو

سجدہ سہو کے بعد باوجود اس کے کہ اس کو بنا نہیں کرنا چاہئے تھا اس نے بنا کر ہی لیا تو اس کی بنا جائز و درست ہو گی اس لئے کہ ابھی تحریمہ باقی ہے البتہ اب اسے سجدہ سہو کو دوبارہ اخیر نماز میں کرنا ہو گا، اسی طرح وہ مسافر جس نے سجدہ سہو کے بعد اقامت کی نیت کر لی ہے مزید دو رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ سجدہ کرے گا مذہب مختار یہی ہے کیونکہ پہلا سجدہ سہو درمیان میں پڑ جانے کی وجہ سے باطل ہو گیا (دوسرا غیر مختار قول یہ ہے کہ سجدہ سہو کو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ جس جگہ بھی وہ ہوا ہے اس سے نقصان کی تلافی ہو چکی ہے لہٰذا اب ضرورت باقی نہیں ہے)

سجدہ سہو والا سلام پھیر دے تو

جس شخص کے ذمہ سجدہ سہو واجب تھا اس نے سجدہ سہو کئے بغیر سلام پھیر دیا تو یہ سلام اس نمازی کو نماز سے باہر کر دے گا مگر اس کا یہ باہر ہونا موقوف ہو گا یعنی اگر اس سلام کے بعد وہ سجدہ سہو کرے گا تو پھر وہ نماز میں لوٹ آئے گا اور اگر سلام کے بعد سجدہ سہو نہیں کرے گا تو نماز میں پلٹ کر نہیں آئے گا۔

پہلے مسئلہ پر تفریع

مسئلہ یہ ہے کہ سلام پھیر دینے سے وہ نماز سے نکل جاتا ہے جبکہ وہ اس کے بعد سجدہ سہو نہیں کرتا ہے اور سجدہ سہو کرتا ہے تو نماز میں باقی رہتا ہے تو اب اس پر متفرع کرتے ہوئے کہتے ہیں

کہ ایسے شخص کی اقتدا درست ہوگی جس نے سلام پھیر دیا ہے مگر اس پر سجدہ سہو باقی ہے، اور اس صورت میں قہقہہ مار کر ہنسنے سے اس کا وضوٹوٹ جائے گا اور اقامت کی نیت سے اس کی نماز دو کی جگہ چار ہو جائے گی بشرطیکہ اس نے ان تینوں مسئلوں میں ان چیزوں کے بعد سجدہ سہو کر لیا ہو، اور اگر سجدہ سہو سلام کے بعد نہیں کیا ہے تو یہ احکام مذکورہ ثابت نہیں ہونگے کذافی غایۃ البیان (صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک امام پر سجدہ سہو تھا مگر اس نے آخری سلام پھیر دیا اب اگر ایک شخص نے اس کی اقتدا کی تو اس کی اقتدا درست نہیں ہوگی اسی طرح سلام کے بعد اور سجدہ سہو سے پہلے اس نے قہقہہ لگایا یا مسافر تھا اقامت کی نیت کر لی اور پھر اس کے بعد سجدہ سہو کیا تو قہقہہ کی صورت میں وضوٹوٹ جائے گا اور اقامت کی نیت سے اس کے ذمہ دو کے بجائے چار رکعت ہو جائے گی اور اگرہ قہقہہ اور نیت امامت کے بعد اس نے سجدہ سہو نہیں کیا تو نہ وضوٹوٹے گا اور نہ فرض دو کی جگہ چار ہوگی)

مسئلوں کی تحقیق

اخیر والے دو مسئلوں میں جو حکم بیان کیا گیا ہے کہ سجدہ سہو کرنے کی صورت میں وضوٹوٹ جائے گا اور اقامت کی نیت سے فرض دو کی بجائے چار ہو جائیں گے لیکن اگر سجدہ سہو نہیں کیا ہے تو نہ وضو ٹوٹے گا اور نہ دو چار ہوں گے شارح کہتے ہیں کہ یہ دونوں مسئلے یہاں غلط بیان کئے گئے ہیں درست یہ ہے کہ قہقہہ سے نہ اس کا وضوٹوٹے گا اور نہ اقامت کی نیت سے نماز دو کے بجائے چار ہوگی خواہ وہ اس کے بعد سجدہ سہو کرے اور خواہ نہ کرے دونوں صورتوں میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سلام کے بعد وہ ٹھٹھامار کر ہنسا تو اب اس کی وجہ سے اس سے سجدہ سہو ساقط ہو گیا اس لئے کہ سلام کے بعد تو نکلنا موقوف تھا مگر اس قہقہہ کے بعد جو نماز کے مخالف فعل ہے نماز سے قطعی طور پر نکل گیا، اور سجدہ اس پر باقی نہیں رہا لہٰذا وضو کے ٹوٹ جانے کا سوال صحیح نہیں ہے باقی اقامت کی نیت سے دو کی جگہ چار ہونا تو اگر یہ سجدہ سہو سے پہلے تبدیلی درست ہوئی ہے تو سجدہ سہو درمیان میں آگیا اس صورت میں اس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہے، اس کی تفصیل بحرالرائق میں ہے۔

سجدہ سہو بھول کر سلام پھیر لینا

سجدہ سہو کو بھول کر نمازی نے سلام پھیر دیا تھا یہ نیت کر کے کہ وہ نماز کو ختم کر رہا ہے لیکن اس سلام کے بعد اگر وہ قبلہ رخ سے پھرا نہیں ہے اور نہ بات چیت کی ہے تو اس کو چاہئے کہ سجدہ سہو کرے کیونکہ اس کی نماز ختم کرنے کی نیت معتبر نہیں قرار پائی تاکہ مشروع چیز بیکار نہ جائے، ہاں اگر قبلہ سے رخ پھیرلے گا یا بات چیت کر لے گا تو اس کا تحریمہ باطل ہو جائے گا اور اب اس کے لئے سجدہ سہو کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

اگر نمازی سجدہ سہو یا سجدہ تلاوت یا سجدہ نماز بھول جائے تو جب تک وہ مسجد سے نہیں نکلا ہے اس پر ان سجدوں کا کرنا لازم ہوگا، یعنی بھولنے کے بعد مسجد میں ہی تھا کہ یاد آگیا تو کر لینا لازم ہوگا۔

ظہر کی نماز پڑھتے وقت یہ سمجھ کر کہ اس کی چار رکعت ہو چکی ہے دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا تو اس کو چاہئے کہ وہ چار رکعت پوری کرے اور سجدہ سہو کرے اس لئے کہ بھول کر سلام پھیرنا نماز کو باطل نہیں کرتا ہے اس لئے کہ سلام بھی ایک طرح کی دعا ہے اور دعا نماز کو قطع نہیں کرتی۔

لیکن اگر اس نے دو رکعت پر یہ جان کر سلام پھیرا ہے کہ ظہر کی نماز دو ہی رکعت ہے مثلاً یہ سمجھ کر کہ اس نے اپنے کو مسافر سمجھا یا اسے جمعہ کی نماز سمجھ لیا یا وہ نو مسلم تھا اس لئے واقعتاً اس نے ظہر کی نماز کو دو ہی رکعت یقین کیا یا عشا کی نماز میں تھا اور اس کو تراویح سمجھ لیا چنانچہ دو رکعت پر سلام پھیر دیا یا سلام اس حال میں پھیرا کہ اس کو یاد تھا کہ اس کے ذمہ ایک رکن باقی ہے تو سب صورتوں میں اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ اس کا یہ سلام پھیرنا عمداً پایا گیا ہے (پہلی صورت جو اوپر مذکور ہوئی اس میں اور اس میں اتنا فرق ہے کہ وہاں نماز کے پورا ہونے کا صرف خیال تھا اور یہاں یقین تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ اسوقت تک نماز فاسد نہیں ہوتی ہے جب تک سلام سے کسی آدمی کو مخاطب کرنا مقصود نہ ہو۔

والسهو فى صلوة العيد و الجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرين عدمه فى الاوليين لدفع الفتنة كما فى جمعة البحر واقره المصنف وبه جزم فى الدرر واذا شك فى صلوته من لم يكن ذلك اى الشك عادة له وقيل من لم يشك فى صلاة قط بعد بلوغه وعليه اكثر المشائخ بحر عن الخلاصة كم صلى استانف بعمل مناف وبالسلام قاعداً اولى لانه المحلل وان كثر شكه عمل بغالب ظنه ان كان له ظن للحرج والا اخذ بالاقل لتيقنه وقعد فى كل موضع توهمه موضع قعوده ولو واجباً لئلا يسير تاركا فرض القعود او واجبه۔

سجدہ سہو عام نمازوں میں

سجدہ سہو نماز عید، نماز جمعہ، نماز فرض، نماز نفل سب میں برابر ہے یعنی ہر ایک کے لئے سجدہ سہو ہے، اور متاخرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ نماز عید اور نماز جمعہ میں سجدہ سہو نہیں ہے 'تاکہ کوئی فتنہ برپا نہ ہونے پائے جیسا کہ بحر الرائق کے باب الجمعہ میں اس کی صراحت ہے اور مصنف نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے اور اسی پر صاحب درر نے یقین کیا ہے (فتنہ سے یہاں مراد یہ ہے کہ چونکہ عید اور جمعہ میں بھیڑ ہوتی ہے تو ہو سکتا ہے سجدہ سہو کرنے سے کچھ لوگ جو دیہات وغیرہ کے ہوں تردد میں پڑ جائیں کہ یہ کیا ہوا، اس بنیاد پر متاخرین نے کہا ہے کہ ان نمازوں میں سجدہ سہو نہ کرنا ہی اولیٰ ہے۔

تعداد رکعت میں شک ہو تو کیا کرے

جس کو نماز میں عام طور پر شک کی عادت نہیں اس کو اگر اپنی نماز میں شک ہو جائے اور بعضوں نے کہا کہ اس کو شک ہو جائے جس کو بالغ ہونے کے بعد بھی شک نہیں ہوا تھا اور شک اس میں ہوا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہے تو ایسا شخص اپنی نماز دوبارہ شروع سے پڑھے اور اس نماز کو قطع کر دے، اپنے کسی عمل سے جو نماز کے منافی ہو اور بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر سلام پھیر دے اس سے اس کی پہلی نماز ختم ہو جائے گی اس کے بعد دوبارہ نئے تحریمہ سے اس نماز کو ادا کرے۔

اور اگر اس کو بکثرت شک ہوا کرتا ہے کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی تو ایسا شک کرنے والا اپنے گمان غالب پر عمل کرے گا اگر اس کو ایسا گمان ہو تاکہ وہ تنگی میں مبتلا نہ ہو، کیونکہ یقین کامل پر عمل کرنے کا حکم اس کے لئے تنگی کا باعث ہوگا، اور اگر

گمان غالب نہ ہو یعنی کسی طرف رجحان نہ ہو تو پھر کم رکعتوں کو شک کی صورت میں اختیار کرے اس لئے کہ یہ تو متیقن ہی ہے مثلاً شک ہے کہ تین رکعت ہوئی یا چار رکعت، تو تین مان لے اور جہاں جہاں قعدہ کا توہم ہو وہاں قعدہ کرے اگرچہ وہ قعدہ واجب ہو، تاکہ وہ عمداً فرض کا چھوڑنے والا نہ ہو، اور اس طرح اس کا فرض ادا ہو جائے۔ مختصر یہ کہ اس صورت میں قعدہ اخیرہ کے لئے اول رکعت میں بھی بیٹھے گا اور دوسری رکعت میں بھی، جہاں جہاں قعدہ اخیر ہونے کا گمان ہو سکتا ہے۔

واعلم انه اذا شغله ذلك الشك فتفكر قدر اداء ركن ولم يشتغل حالة الشك بقراءة ولا تسبيح ذكره في الذخيرة وجب عليه سجود السهو في جميع صور الشك سواء عمل بالتحري او بنى على الاقل فتح لتاخير الركن ولكن في السراج انه يسجد للسهو في اخذ الاقل مطلقاً وفي غلبة الظن ان تفكر قدر ركن فروع اخبره عدل بانه ما صلى الظهر اربعاً وشك في صدقه و كذبه اعاد احتياطاً و لو اختلف الامام والقوم فلو الامام على يقين لم يعدو الا اعاد بقولهم

شک میں مشغول ہونیکی وجہ سے تاخیر

اگر یہ شک نمازی کو اس طرح مشغول کرے کہ ایک رکن کی مقدار اس شک میں گذر جائے اور اس حالتِ شک میں قرأت اور تسبیح میں مشغول نہیں تھا تو شک کی ان تمام صورتوں میں اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا خواہ اس نے ظن غالب پر عمل کیا ہو اور اس کی وجہ سے سوچنے میں تاخیر ہوئی ہو یا اول رکعت پر بنیاد رکھی ہو اور اس معاملہ میں سوچنے کی وجہ سے یہ دیر ہوئی ہو اور یہ سجدہ سہو اس پر رکن کے موخر ہونے کی وجہ سے واجب ہے (البتہ اگر فکر ایک رکن کی وائیگی سے کم مقدار تک رہی ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔

لیکن سراج نامی کتاب میں یہ ہے کہ نمازی شک کی صورت میں جب اقل رکعت پر بنیاد رکھے تو سجدہ سہو کرے، خواہ اس نے ادائے رکن کی مقدار تاخیر کی ہو یا اتنی مقدار تاخیر نہیں کی ہو، اور غلبہ ظن کی صورت میں اگر فکر بقدر رکن کرے گا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

دوسرا خبر دے کہ اتنی رکعت ایک نے پڑھی

ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس کو ایک سچے آدمی نے بتایا کہ تم نے چار رکعت نہیں پڑھی ہے، نمازی کو اس خبر دینے والے کے سچے اور جھوٹے ہونے میں شک ہو گیا تو اس صورت میں نمازی کو چاہئے کہ احتیاطاً اپنی نماز دوبارہ پڑھ لے اور اگر نمازی کو یقین ہو کہ اس نے پوری چار رکعت پڑھی ہے تو پھر وہ خبر دینے والے کا کوئی لحاظ نہ کرے کذا فی الطحطاوی۔

تعداد رکعت میں امام و مقتدی کا اختلاف

اور اگر نماز کی رکعتوں میں امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہو جائے تو اگر امام کو رکعتوں کی تعداد کا یقین ہے کہ اتنی پڑھی ہے جتنی اس کو پڑھنی چاہئے تو وہ نماز نہیں لوٹائے گا اور اگر خود اس کو یقین نہ ہو تو مقتدیوں کے کہنے کے مطابق نماز کو دُہرا دے

(طحطاوی نے لکھا ہے کہ پہلی صورت میں امام کو یقین ہے اور اس کی وجہ سے اس نے نماز نہیں لوٹائی مقتدی اپنی نماز کا اعادہ کرے کیونکہ خود ان کے گمان میں انکی نماز فاسد ہے)

شك انها ثانية الوتر ام ثالثة قنت وقعد ثم صلى اخرى وقنت ايضاً فى الاصح شك هل كبر للافتتاح اولا او حدث اولا او اصابه نجاسة اولا او مسح راسه اولا استقبل ان كان اول مرة والالاواختلف لوشك فى اركان الحج فظاهر الرواية البناء على الاقل عليك بالاشباه فى قاعدة اليقين لايزول بالشك

وتر کی رکعتوں میں شک وتر پڑھنے والے کو اس میں شک ہو گیا کہ یہ وتر کی دوسری رکعت ہے یا تیسری ہے تو وہ اس میں بھی قنوت پڑھے گا اور قعدہ کرے گا اور اس کے بعد والی رکعت میں بھی قنوت پڑھے گا اور قعدہ بھی کرے گا، صحیح تر قول یہی ہے۔

نمازی کا بعض امور میں شک نمازی کو شک ہو گیا کہ اس نے شروع کی تکبیر تحریمہ کہی ہے یا نہیں کہی ہے یا یہ شک ہو گیا کہ اس کو حدث ہوا ہے یا نہیں یا اس میں شک ہوا کہ اس کے کپڑے میں نجاست لگی یا نہیں، یا اس میں شک ہوا کہ اس نے وضو کے اندر اپنے سر کا مسح کیا تھا یا نہیں، تو اگر اس کو پہلی مرتبہ اس طرح کا شک ہوا ہے تو وہ دوبارہ از سر نو نماز پڑھے ورنہ نہیں (یعنی پہلی صورت میں ازسرِ نو نماز پڑھے اور دوسری صورت میں وضو کرے اور تیسری صورت میں نجاست کو دھو کر پاک کرے اور چوتھی صورت میں سر کا مسح کرے۔ اور اگر یہ شک پہلی دفعہ نہیں ہوا ہے بلکہ ہوتا ہی رہتا ہے تو پھر اس شک کا اعتبار نہیں ہے طحطاوی نے صراحت کردی ہے یہ مسئلہ اس شک سے متعلق ہے جو نماز یا وضو کی حالت میں ہوا ہو اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد جو شک ہوا ہے وہ قابل اعتبار نہیں ہے۔

ارکان حج میں شک اس باب میں اختلاف ہے کہ جب کسی کو حج کے ارکان میں شک پیدا ہو جائے تو وہ کیا کرے، ظاہر روایت یہ ہے کہ کمتر پر بنا کرے مثلاً طواف زیارۃ میں شک ہوا کہ اس نے تین چکر لگائے یا چار، تو اس صورت میں اس کو تین تسلیم کر کے چار چکر اور لگائے، شارح نے کہا کہ ناظرین کو چاہئے کہ یہ مسائل وہ الاشباہ والنظائر کے اس قاعدہ میں دیکھیں جس میں بیان کیا گیا ہے "الیقین لایزول بالشک" کہ یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوا کرتا ہے، (ظاہر روایت کے مقابل دوسرا قول یہ ہے کہ حج کرنے والا غلبہ ظن پر عمل کرے کیونکہ رکن کا تکرار اور اس پر زیادتی حج کے لئے مفسد نہیں ہے، اور بحر الرائق میں اسی قول کو اکثر فقہاء کی طرف منسوب کیا ہے واللہ اعلم)

باب صلوۃ المریض

من اضافت الفعل لفاعله اول محله و مناسبته کونه عارضا سماویا فتاخر سجود التلاوۃ ضرورۃ من تعذر علیه القیام ای کله لمرض حقیقی وحده ان یلحقه بالقیام ضرر به یفتی قبلها او فیها ای الفریضة او حکمی بان خاف زیادته او بطوء برئه بقیامه او دوران رأسه اووجد لقیامه الماشدیدا اوکان لوصلی قائما سلس بوله او تعذر علیه الصوم کما مر صلی قاعدا ولو مستندا الی وسادۃ وانسان فانه یلزمه ذلك علی المختار کیف شاء علی المذهب لان المرض اسقط عنه الارکان فالهیئات اولی و قال زفر کالتشهد قیل و به یفتی برکوع و سجود و ان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزوماً بقدر ما یقدر و لو قدر آیة او تکبیرۃ علی المذهب لان البعض معتبر بالکل و ان تعذر الیس تعذرهما شرطا بل لعذر السجود کاف لا القیام اومأ بالهمز قاعدا وهو افضل من الایماء قائما لقربه للارض ویجعل سجوده اخفض من رکوعه لزوما ولا یرفع الی وجهه شیئا یسجد علیه فانه یکره تحریما فان فعل بالبناء للمجهول ذکره العینی وهو یخفض راسه لسجوده اکثر من رکوعه صح علی انه ایماء لا سجود الا ان یجد حجم قوۃ الارض والا یخفض لا یصح لعدم الایماء

باب صلوٰۃ المریض

(بیمار سے متعلق احکام اور مسائلِ نماز)

اس باب میں نماز کی نسبت بیمار کی طرف ایسی ہے جس طرح فعل کی نسبت فاعل کی طرف ہوتی ہے یعنی بیمار کا نماز پڑھنا یا یہ کہا جائے کہ نماز کی نسبت بیمار کی طرف ایسی ہے جیسے فعل کی نسبت محل کی طرف ہوتی ہے یعنی بیماری کی حالت میں نماز ادا کرنا۔

اب رہی یہ بات کہ اس باب کو پہلے باب سجود السہو سے کیا تعلق ہے کہ اس کے بعد اسے ذکر کیا گیا، تو بتایا کہ بیماری بھی ایک آسمانی عارضہ ہے جو انسان کو لاحق ہوتی ہے جس طرح بھولنا ایک آسمانی عارض ہے جو بلا ارادہ قدرتی طور پر پیش آتا ہے، یعنی ان دونوں طرح کے آدمیوں کے عمل کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے اس اعتبار سے دونوں میں مناسبت ہے، یہی وجہ ہے کہ سہو کے بعد متصلاً یہ باب رکھا گیا اور سجدۂ تلاوت کو موخر کر دیا گیا، تاکہ وہ ان دونوں میں حائل نہ ہو۔

کون لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں

جس شخص پر نماز کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو یعنی کسی بیماری کیوجہ سے وہ پورے طور پر نہیں کھڑا ہو سکتا ہو، یہ دشواری اس شخص میں پہلے سے ہو یا خود اس نماز فرض میں لاحق ہوئی ہو، یا وہ عذر حکمی کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکے مثلاً اس کو اندیشہ ہو کہ کھڑے ہونے سے بیماری بڑھ جائے گی یا بیماری اس کی وجہ سے دیر میں جائے گی، یا کھڑے ہونے سے سر چکراتا ہو، یا درد بڑھ جاتا ہو، یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے پیشاب جاری ہو جاتا ہو یا روزہ رکھنا دو بھر ہو جانے کا خطرہ ہو ان تمام عذروں کی وجہ سے وہ شخص نماز بیٹھ کر پڑھے گا، اگرچہ تکیہ پر بیٹھ کر ہو یا کسی آدمی سے ٹیک لگا کر ہو کیونکہ قول مختار کے مطابق یہ بیٹھنا اس پر لازم ہے، اور جس طرح بیٹھنے میں سہولت ہو بیٹھے، اس لئے کہ بیماری نے اس سے ارکان اور ہیئت کو ساقط کر دیا ہے یعنی کسی خاص ہیئت پر بیٹھنا اس کے لئے ضروری نہیں ہے اور اس عذر کی تعریف جس کیوجہ سے بیٹھ کر نماز درست ہوتی ہو یہ ہے کہ کھڑے ہونے سے اس شخص کو نقصان پہنچتا ہو، اسی تعریف پر فتوی دیا گیا ہے، اور بیماری کی تعریف یہ ہے کہ جس کے آنے سے مزاج کا اعتدال جاتا رہے۔

امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والا اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد میں نمازی بیٹھتے ہیں اور کچھ لوگوں نے کہا کہ اسی پر فتوی ہے، اگر التحیات والی نشست پر بیٹھنے میں نمازی کو اپنے مرض کی وجہ سے تکلیف نہ ہو تو اسی کو اختیار کرے اور اگر اس ہیئت پر بیٹھنے میں دشواری ہو تو پھر جس طرح بیٹھنے میں اطمینان و سہولت ہو وہی اختیار کرے۔

معذور آدمی جو بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ اپنی نماز رکوع اور سجدوں کے ساتھ ادا کرے یعنی ان ارکان کو

بھی ادا کرے انکے لئے اشارہ نہ کرے کیونکہ جن ارکان کو وہ کامل طور پر ادا کر سکتا ہے بغیر عذر اس کو ناقص نہیں کرنا چاہئے۔

جتنی دیر کھڑا رہ سکتا ہو کھڑا رہے

اور وہ بیمار جو تھوڑی دیر قیام پر قادر ہو، اگرچہ یہ کھڑا ہونا لاٹھی کے سہارے ہو یا دیوار کے سہارے اس پر واجب ہے کہ جتنی دیر وہ کھڑا ہو سکتا ہے لازمی طور پر کھڑا ہو، اگرچہ اللہ اکبر کہنے کی مقدار بڑی ہو یا ایک آیت پڑھنے کی مقدار ہو، مذہب کی روایت یہی ہے اس لئے کہ تھوڑی دیر کھڑا ہونا بھی اسی طرح قابل اعتبار ہے جس طرح پوری نماز میں کھڑا ہونا، یعنی جس طرح پوری نماز میں کھڑے ہونے پر قادر ہونے سے پوری نماز میں کھڑا ہونا لازم ہوتا ہے اسی طرح جتنی دیر کم سے کم کھڑا ہونے پر قادر ہے اتنی ہی دیر کھڑا ہونا اس پر بھی لازم ہے (علماء نے صراحت کی ہے کہ اگر وہ کچھ دیر کھڑا ہو سکتا ہے تو نمازی کو چاہئے کہ ابتداء میں کھڑا ہو جائے تکبیر تحریمہ کے بعد جتنی دیر بآسانی کھڑا رہ سکتا ہے رہے ورنہ بیٹھ جائے اور بیٹھ کر نماز پوری کرے، معمولی بات کیوجہ سے بیٹھ کر جو لوگ نماز پڑھتے ہیں معلوم ہوا کہ انکی نماز نہیں ہوتی ہے، حد یہ ہے کہ بعض لوگ گھر سے مسجد پیدل چل کر آتے ہیں اور امام کے ساتھ جب نماز میں ملتے ہیں تو بیٹھ کر پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ ان کو کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے جب کھڑا نہ رہ سکے اس وقت بیٹھ جائے)

جب رکوع سجدہ نہ کر سکے

اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا رکوع اور سجدہ کرنے سے مجبور ہو تو اس کو اشارہ سے رکوع سجدہ کرنا چاہئے اور رکوع کے لئے جس قدر سر کو جھکائے اس سے یقینی طور پر سجدہ کے لئے زیادہ جھکائے کوئی شے اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور جب مجبوری کیوجہ سے اشارہ ہی سے نماز پڑھ سکتا ہو تو کھڑا ہو کر اشارہ سے پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز ادا کرے۔

شارح نے کہا کہ رکوع اور سجدہ دونوں کا ساتھ دشوار ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر کوئی رکوع تو کر سکتا ہو مگر سجدہ پر قادر نہ ہو تو وہ بھی دونوں کے لئے نماز میں اشارہ سے کام لے سکتا ہے۔ اگر کوئی اونچی چیز زمین پر رکھی ہوئی ہو اور اس پر کوئی سجدہ کرے تو یہ جائز ہے اس میں مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیماری کی حالت میں ایک تکیہ پر سجدہ کیا تھا جو زمین پر رکھا ہوا تھا۔

کسی اونچی چیز پر سجدہ

اگر کوئی چیز زمین سے سجدہ کرنے کے لئے اٹھائی گئی لیکن نمازی نے اس پر سجدہ کرنے میں اپنا سر رکوع کی نسبت سے زیادہ پست کیا تو یہ سجدہ درست ہو جائے گا اس لئے کہ یہ اشارہ ہی میں شمار ہوگا اس کو سجدہ نہیں کہا جائے گا البتہ اگر اس سجدہ کرنے میں زمین کی سختی کو پائے گا تو بے شک یہ سجدہ ہی ہوگا، اور اگر اس پر سجدہ کرنے میں سر کو پست کرنا نہیں پڑا ہے تو پھر یہ درست نہیں ہوگا کیونکہ پھر یہ اشارہ نہیں ہوا (اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی چیز خوب اوپر اٹھا کر سر سے لگادے نمازی کو بالکل جھکنا نہ پڑے یا جھکنا پڑے مگر رکوع سے کم یا اس کے برابر، تو ان صورتوں میں سجدہ جائز نہیں ہوگا کذا فی الشامی)

وان تعذر القعود ولو حكما اومأ مستلقيا على ظهره ورجلاه نحو القبلة غير انه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل الى القبلة ويرفع راسه ليسيرا ليصير وجهه

بغیر شرائط کے پڑھی گئی ہیں وہ دوبارہ نہیں پڑھی جائیں گی، ظاہر الروایۃ یہی ہے کذافی البدائع (قیام فرض تھا مجبوری ہوئی ساقط ہو گیا، بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت حاصل ہو گئی، رکوع سجدہ فرض تھا، جب ان پر قدرت نہیں رہی اجازت دیدی گئی کہ ان کے لئے اشارہ کافی ہے اسی طرح استقبال قبلہ اور ستر کا چھپانا شرط ہے مگر مجبوری کے وقت یہ بھی ساقط ہو جاتے ہیں، ان کی پابندی ختم ہو جاتی ہے، شارح یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جو نمازیں بغیر ارکان اور شرائط کے ادا کی گئی ہیں وہ لوٹائی نہیں جائیں گی،) نماز کا وقت البتہ ساقط نہیں ہوتا ہے۔

جس نمازی کو رکعات وغیرہ یاد نہ رہے

اور اگر بیمار پر اونگھ کی بیماری کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد مشتبہ ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی یا سجدے مشتبہ ہو جائیں اور یاد نہ رہے کہ اس نے کتنے سجدے کئے تو اس حال میں اس پر نماز کا ادا کرنا لازم نہیں ہے اور اگر وہ نمازوں کو دوسرے کو سکھانے اور بتانے سے ادا کرے گا تو یہ اس لائق ہے کہ وہ اس کی طرف سے کافی ہو جائے کذافی القنیہ (دراصل یہاں اس پر یہ اعتراض ہے کہ دوسرے کو بتانا سیکھنا اور سکھلانا ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، یہاں کیوں جائز ہو جائے گی جواب یہ ہے کہ یہاں یہ بتانا یاد دہانی کے درجہ کی چیز ہے جیسے مکبّر جو امام کی تکبیر اللہ اکبر کو مقتدی تک پہونچاتا ہے یہ سیکھنا سکھانا نہیں ہے کذافی الشامی)

آنکھ وغیرہ کے اشارہ سے نماز نہیں ہوتی

مجبور آدمی سر کے اشارہ سے بلا شبہ نماز ادا کر سکتا ہے، مگر اپنی آنکھ، اپنے دل اور اپنے ابرو کے اشارہ سے نماز ادا نہیں کر سکتا ہے البتہ امام زفرؒ اس کے قائل ہیں کہ سر کے اشارہ سے جب نماز ادا کرنے کی قدرت نہ ہو تو دل کے اشارے سے نماز ادا کرے گا، جو کہتے ہیں کہ ان کے اشارہ سے نماز نہیں ہوتی وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں جو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عمرانؓ سے مروی ہے کہ اگر سر سے اشارہ نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو زیادہ قبول کرنے والا ہے کذافی البحر۔

ولو عرض له مرض فی صلوته یتم بما قدر علی المعتمد ولو صلی قاعد ابرکوع وسجود فصح بنی ولو کان یصلی بالایماء فصح لا یبنی الا اذا صح قبل ان یومی بالرکوع والسجود کما لو کان یومی مضطجعاً ثم قدر علی القعود ولم یقدر علی الرکوع والسجود فانه یستانف علی المختار لان حالة القعود اقوی فلم یجز بنائوه علی الضعیف وللمتطوع الاتکاء علی شی کعصا وجد ارمع الاعیاء ای التعب بلا کراهة وبدونه یکره وله القعود بلا کراهة مطلقاً هو الاصح ذکره الکمال وغیره

نماز میں بیماری لاحق ہونا

اگر نمازی کو نماز پڑھتے ہوئے بیماری پیدا ہو جائے تو وہ اب جس طرح قادر ہو اس انداز سے نماز پوری کرے قول معتمد یہی ہے یعنی بیٹھ کر پڑھ سکتا ہو بیٹھ کر پھر رکوع سجدے کیساتھ ادا کر سکتا ہے تو رکوع سجدے کے ساتھ، اور اس پر قادر نہ ہو سر کے اشارہ سے، بیٹھ کر پڑھنے پر قادر نہ ہو تو

لیٹ کر پڑھے البتہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ از سر نو پڑھے مگر فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

اور اگر ایک بیمار شخص بیٹھ کر رکوع سجود کرکے نماز ادا کر رہا تھا کہ وہ نماز ہی کی حالت میں صحت مند ہو کر کھڑے ہونے پر قادر ہو گیا تو بقیہ نماز وہ کھڑے ہو کر پوری کرے گا اور اگر بیماری کی وجہ سے وہ اشارے کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا تھا کہ تندرست ہو گیا تو وہ از سر نو نماز دوبارہ پڑھے گا، پہلی نماز پر بنا نہیں کرے گا البتہ اگر وہ رکوع کا سجود کے لئے اشارہ کرنے سے پہلے ہی تندرست ہو گیا تھا تو پھر اس کو بنا کی اجازت ہے۔

جس طرح کوئی لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھ رہا تھا پھر وہ حالت نماز میں ہی بیٹھ کر پڑھنے پر قادر ہو گیا مگر رکوع اور سجود پر قدرت نہیں ہو سکی تو مذہب مختار یہ ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے گا اس لئے کہ بیٹھنے کی حالت لیٹنے کی حالت سے قوی تر ہے اس لئے کہ قوی کی بنیاد ضعیف پر درست نہیں ہوگی

نماز نفل میں سہارا لینا اور بیٹھ کر پڑھنا

نفل نماز پڑھنے والے کے لئے لاٹھی یا دیوار کا سہارا لینا جائز ہے اگر وہ تھک گیا ہو البتہ بغیر تھکان سہارا لینا مکروہ ہے کیونکہ بے ادبی ہے یہ ہے کہ نفل نماز والا بلا کراہت ہر حال میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے صحیح تر مذہب یہی ہے اس کو کمال وغیرہ نے ذکر کیا ہے یعنی جس نے نماز کھڑے ہو کر شروع کی تھی مگر درمیان نماز میں بیٹھ کر نماز پوری کی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے جب کہ ابتدا سے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے تو درمیان میں بیٹھ جانے میں کیا حرج ہے؟

صلی الفرض فی فلك جار قاعدا بلا عذر صح لغلبة العجز واساء وقالا لا یصح الا بعذر وهو الاظهر برهان والمربوطة فی الشط كالشط فی الاصح والمربوطة بلجة البحران كان الريح يحركها شديدا فكالسائرة والافكالواقفة ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت ولو ام قوما فی فلكين مربوطتين صح والالا

کشتی میں نماز

چلتی کشتی میں نمازی اگر اپنی فرض نماز بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھے گا تو اس کی نماز درست ہوگی اس لئے کہ کشتی میں عموماً دوران سر کا عذر ہوا کرتا ہے لیکن اگر کھڑے ہو کر پڑھنا ممکن تھا تو بیٹھ کر پڑھنا برا ہوا، اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنے سے درست نہیں ہوتی اور ظاہر تر یہی ہے کذا فی البرہان (حاوی قدسی نے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے کذا فی الشامی)

اور کنارے پر بندھی ہوئی کشتی صحیح تر قول میں مثل کنارہ کے ہے یعنی اس کشتی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے، اور وہ کشتی جو سمندر کی موج میں بندھی ہوئی ہو اور تیز ہوا اس کو ہچکولے دے رہی ہو تو وہ کشتی فرض نماز کے مسئلہ میں چلنے والی کشتی کے حکم میں ہے اور اگر تیز ہوا اس کو ہچکولے نہ دے رہی ہو تو وہ کھڑی ہوئی کشتی کے حکم میں ہے یعنی پہلی صورت میں اس کشتی میں بیٹھ کر فرض نماز درست ہوگی اور دوسری صورت میں جائز نہیں۔

کشتی میں نماز کے وقت استقبال قبلہ

اور کشتی میں نماز پڑھنے کی صورت میں یہ لازم ہے کہ نماز شروع کرتے وقت نمازی کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اس وقت جبکہ کشتی

گھوم جائے، یعنی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نمازی بہر حال قبلہ رخ رہے کشتی کا سمت گھوم جانے جس کی وجہ سے اس کا قبلہ بدل جائے تو اس کو بھی نماز ہی کی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم جانا چاہئے، اور اگر قبلہ رخ نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں نماز پڑھنے میں دیر کرے، جب تک وقت کے نکل جانے کا خوف پیدا نہ ہو جائے، اخیر وقت میں پھر بحالت مجبوری جیسے نماز پڑھنے پر قادر ہو پڑھ لے۔

اگر کوئی امام ایک ایسی جماعت کی امامت کرے جو دو بندھی ہوئی کشتیوں میں کھڑے ہوں تو یہ صحیح ہے مگر یہ کہ دونوں کشتیاں ملی ہوئی پاس پاس ہوں اور اگر ایسا نہ ہوگا تو پھر امامت درست نہیں ہوگی۔

ومن جن او اعمی علیه ولو بفزع من سبع او آدمی یوماً و لیلة قضی الخمس وان زادت وقت صلوة سادسة لا لحرج فلو افاق فی المدة فان لافاقته وقت معلوم قضی والا لا زال عقله ببنج او خمر او دواء لزمه القضاء وان طالت لانه بصنع العباد كالنوم ولو قطعت یداه رجلاه من المرفق والكعب وبوجهه جراحة صلی بغیر طهارة ولا یمم ولا یعید هو الاصح وقد مر فی التیمم وقیل لا صلوة علیه وقیل یلزمه غسل موضع القطع

پاگل اور بے ہوش پر کب قضا ہے کب نہیں

جو شخص پاگل ہو جائے یا اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے اگر یہ کسی درندے کے خوف سے ہو یا کسی آدمی کے خوف سے اور اسی حال میں ایک دن اور ایک رات گذر جائے تو وہ جنون اور بے ہوشی کے ختم ہونے کے بعد ان پانچ وقتوں کی قضا کرے گا اور اگر اس کا جنون اور بے ہوشی چھٹی نماز کے وقت تک بڑھ جائے تو پھر وہ نمازوں کی قضا نہ کرے گا اس لئے کہ اس میں اس پر تنگی ہے اور اگر دن رات کے درمیان میں ہوش آتا رہا ہو اور جنون جاتا رہتا ہو اور افاقہ کا وقت متعین ہو تب تو قضا پڑھے ورنہ نہیں کیونکہ جب اس کا وقت متعین نہیں ہے تو وہ افاقہ قابل اعتماد نہیں کذا فی الطحطاوی۔

بھنگ وشراب سے عقل جاتی رہے تو نماز کا حکم کیا ہے

نمازی کی عقل اگر بھنگ یا شراب یا کسی اور دوا سے زائل ہوئی ہے تو اس پر اس بے عقلی کے زمانہ کی نمازوں کی قضا لازم ہے اگرچہ عقل کے زائل ہونے کی مدت لمبی ہو، اس لئے کہ یہ عقل کا زائل ہونا خود بندہ کے فعل سے لاحق ہوا ہے جیسے کوئی سو رہے تو اس زمانہ کی نمازوں کی قضا ضروری ہوتی ہے ساقط نہیں ہوتی، اسی طرح خود کچھ کھا کر بے ہوش ہوا ہے تو اس کی وجہ سے بھی نماز ساقط نہیں ہوگی۔

جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں کیسے نماز پڑھے

اگر کسی نمازی کے دونوں ہاتھ کہنی سے اور پاؤں ٹخنے سے کٹے ہوئے ہوں اور اس کے چہرہ پر زخم ہو تو ایسا شخص بغیر وضو اور بغیر تیمم نماز پڑھے گا، اور پھر ان نمازوں کو وہ لوٹائے گا بھی نہیں، صحیح تر مذہب یہی ہے اور

یہ مسئلہ تیمم میں گذر چکا اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ ایسے شخص پر نماز ہی نہیں ہے مگر یہ قول ضعیف ہے اور بعضوں نے کہا کہ کٹی ہوئی جگہوں کا دھونا اس پر لازم ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ اس کو وضو کرانے والا موجود ہو ورنہ نہیں۔

فروع امكن الغريق الصلوة بالايماء بلا عمل كثير لزمه الاداء والا لا امره الطبيب بالاستلقاء لبزغ الماء من عينه صلى بالايماء لان حرمة الاعضاء كحرمة النفس مريض تحته ثياب نجسة وكلما بسط شئ تنجس من ساعته صلى على حاله وكذا لولم يتنجس الا انه يلحقه مشقة بتحريكه

ڈوبنے والے کی نماز ایک آدمی ڈوب رہا تھا مگر وہ اس حال میں بھی بلا عمل کثیر اشارہ سے نماز ادا کر سکتا ہے تو اس کو نماز ادا کرنا لازم ہے اور اگر بغیر عمل کثیر ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو پھر اس پر قضا لازم ہے (بلا عمل کثیر کا مطلب یہ ہے کہ تختہ کا سہارا مل گیا ہو یا تیرنا جانتا ہو)

چت لیٹنے والے کی نماز کا طریقہ مسلمان طبیب حاذق نے چت لیٹے رہنے کا اس وجہ سے حکم دیا کہ آنکھ سے پانی نکالا گیا تھا تو ایسا شخص اشارہ سے نماز پڑھے گا اس لئے کہ اعضاء انسانی کی حرمت جان کی حرمت کے برابر ہے یعنی جس طرح جان کا بچانا فرض ہے اعضا کا بچانا بھی فرض ہے۔

بیمار ہمیشہ نجس کپڑے میں رہنے والا ایک بیمار کے جسم کے نیچے ناپاک کپڑے ہوں اور جب بھی کوئی چیز اس کے نیچے بچھائی جاتی ہے فوراً ناپاک ہو جاتی ہے تو وہ اسی حال میں نماز پڑھے گا یا وہ ناپاک تو فوراً نہ ہوتے ہوں مگر بیمار کو اٹھانے بٹھانے میں بہت مشقت ہوتی ہو تو بھی اسی حال میں نماز ادا کرے گا یعنی نیچے ناپاک کپڑے ہوتے ہوئے بھی، کیونکہ یہ اس کے لئے حکماً پاک قرار دیا جائے گا۔

باب سجود التلاوة

من اضافة الحكم الى سببه تجب بسبب تلاوة آية اے اكثرها مع حرف السجدة من اربع عشرة آية اربع فى النصف الاول وعشر فى النصف الثانى منها اولى الحج اما ثانية فصلوتية لاقترانها بالركوع و ص خلافاً للشافعیؒ واحمدؒ ونفى مالك سجود لمفصل بشرط سماعها فالسبب التلاوة وان لم يوجد السماع كتلاوة الاصم والسماع شرط فى حق غير التالى ولو بالفارسية اذا اخبر او بشرط الا يتمام اى الاقتداء بمن تلاها فانه سبب لوجوبها ايضا وان لم يسمعها ولم يحضرها للمتابعة ولو تلاها المؤتم لم يسجد المصلى اصلا لا فى الصلوة ولا

بعدها بخلاف الخارج لان الحجر ثبت لمعنيين فلا يعدوهم حتي لو دخل معهم سقطت و لا تجب على من تلافي ركوعه او سجوده اوتشهده للحجر فيها عن القراءة

باب سجود التلاوة

(سجدۂ تلاوت کے مسائل واحکام)

سجدہ کی اضافت تلاوۃ کی طرف ایسی ہے جیسے حکم کی اضافت سبب کی طرف ہوتی ہے یعنی آیات سجدہ کی تلاوت کی وجہ سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔

پورے قرآن پاک میں سجدہ کی چودہ آیتیں ہیں ان میں سے کسی ایک آیت کے پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے شارح نے صراحت کی ایک آیت کا اکثر حصہ بھی حرف سجدہ کے ساتھ پڑھنا پوری کے پڑھنے کے حکم میں ہے چنانچہ پوری آیت کی جگہ اگر کوئی آیت سجدہ کا اکثر حصہ مع حرف سجدہ پڑھے گا تو اس کی وجہ سے بھی سجدہ تلاوت واجب ہوگا، ان چودہ سجدوں میں سے چار سجدہ تو قرآن کے نصف اول میں ہیں اور بقیہ دس سجدے نصف ثانی میں ہیں لو پر تلاوت کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی پڑھنے کے بجائے آیت کو صرف لکھے گا یا اس کے ہجے کرے گا تو پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوگا کذا فی الطحطاوی، تلاوت کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عام ہے کہ ان آیتوں میں سے کوئی آیت نماز کے اندر پڑھے یا خارج نماز میں، قرآن دیکھ کر پڑھے یا زبانی ہر صورت میں سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔

سورہ نمل اور حم سجدہ میں آیت سجدہ

سورہ نمل میں سجدہ تلاوت رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم، پر ہے اور سورہ صٓ میں "حُسْنَ مَاٰب" پر اور حٰم سجدہ میں "لَایَسْاَمُوْن" پر اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس سورت میں سجدہ تَعْبُدُوْن پر ہے مگر حدیث میں حضرت وائل بن حجرؓ اور ابن عباسؓ سے لَایَسْاَمُوْن پر مروی ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ لایسأمون پر سجدہ کیا جائے اس لئے کہ یہ بعد میں ہے اور ایک آیت کی تاخیر مضر نہیں ہے اور ایک آیت کی تقدیم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہی دلیل سورہ صٓ میں بھی ہے گو زیلعی نے لکھا ہے کہ سجدہ "اَنَاب" پر ہے۔

چودہ سجدے

ان چودہ سجدوں میں سے ایک سورہ حج میں ہے اور وہ اس کا پہلا سجدہ ہے اور سورہ حج میں دوسرا سجدہ سجدہ تلاوت نہیں ہے بلکہ اس دوسرے سجدے سے مراد نماز کا سجدہ ہے اسلئے کہ یہ سجدہ رکوع سے متصل ہے اور ایک سجدہ تلاوت سورہ صٓ میں ہے لیکن امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ سورہ صٓ میں سجدہ تلاوت نہیں ہے اور اس کے بجائے یہ حضرات سورہ حج میں ایک دوسرا سجدہ مانتے ہیں گویا اس سورہ حج میں یہ حضرات دو سجدے مانتے ہیں

ما حصل یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کی تعداد ان دونوں اماموں کے نزدیک بھی چودہ ہی ہے۔ البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے یعنی سورہ نجم، اذاالسماءانشقت اور اقرأباسم میں ان کے نزدیک سجدہ نہیں ہے۔ اس طرح ان کے نزدیک بجائے چودہ کے صرف گیارہ سجدے ہیں۔

(ایک مسئلہ یہ یاد رکھا جائے کہ شافعیؒ امام کے پیچھے اگر کسی حنفی نے نماز پڑھی اور امام نے سورہ حج کے دوسرے سجدے پر سجدہ تلاوت کیا جس کو حنفی سجدہ تلاوت نہیں مانتے تو حنفی مقتدی پر اس صورت میں واجب یہ ہے کہ وہ اپنے امام شافعی کی اس میں پیروی کرے اور وہ اس کے ساتھ سجدہ کرے، البتہ اگر نماز سے باہر کوئی حنفی اس سورہ حج کے دوسرے سجدہ والی آیت کو سن لے تو اس پر سجدہ تلاوت نہیں ہوگا۔ کذافی الطحطاوی)

سجدہ تلاوت کا وجوب

سجدہ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے، کہ ان آیات سجدہ میں کسی آیت کو سنے، لہٰذا سجدہ تلاوت کے تین سبب ہیں اول تلاوت آیت سجدہ اگرچہ وہ خود نہ سنے جیسے بہرے آدمی کا پڑھنا، دوسرے آیت سجدہ کا کسی آدمی سے سننا یہ شرط اس لئے ہے کہ جس نے خود نہ پڑھا ہو، بلکہ صرف سنا ہو اگرچہ فارسی میں ہو مگر اس وقت جبکہ اس کو بتایا گیا ہو کہ یہ آیت سجدہ ہے، اگر اس کو آیت سجدہ ہونا اس فارسی ترجمہ کا معلوم نہ ہو تو اس پر سجدہ نہیں ہے اور تیسرے وہ مقتدی جس کے امام نے آیت سجدہ پڑھی ہے، اس لئے کہ اقتدا کرنا بھی سجدہ تلاوت کے واجب ہونے کا سبب ہے اگرچہ مقتدی نے امام سے آیت سجدہ پڑھتے ہوئے نہ سنا ہو، اور گو وہ آیتِ سجدہ کے پڑھتے وقت موجود بھی نہ ہو، یعنی اس مقتدی کے اقتدا سے پہلے گو امام نے آیت سجدہ پڑھ لی ہو تو بھی مقتدی پر سجدہ واجب ہے اس لئے کہ اس پر امام کی متابعت ضروری ہے (اقتدا کی وجہ سے جو سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے اس کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ امام سجدہ تلاوت کرے اور اگر امام سجدہ نہیں کرے گا تو مقتدی پر بھی وہ واجب نہیں ہوگا گو اس نے امام کو آیت سجدہ پڑھتے ہوئے سنا ہو، کذافی شرح المنیہ۔

اور اگر آیت سجدہ مقتدی پڑھے گا تو اس صورت میں نماز پڑھنے والا ہرگز سجدہ نہیں کرے گا نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے بعد، (یعنی نہ خود پڑھنے والا کرے گا نہ امام سجدہ کرے گا اور نہ اس کے ساتھ والے دوسرے مقتدی) بخلاف اس شخص کے جو نماز سے باہر ہے، اس لئے کہ وہ سجدہ کرے گا کیونکہ قرأت کی ممانعت معین شخصوں کے لئے ثابت ہوئی ہے، لہٰذا ان سے وہ ممانعت تجاوز نہیں کرے گی حتی کہ اگر وہ ان کے ساتھ خارج نماز میں داخل ہوگا تو اس سے بھی سجدہ تلاوت ساقط ہو جائے گا (خارج سے وہ شخص مراد ہے جو بالکل نماز نہ پڑھتا ہو یا وہ دوسری نماز پڑھتا ہو، خواہ وہ تنہا پڑھتا ہو، خواہ دوسرے امام کے ساتھ ہو)

سجدہ کب واجب نہیں

اس شخص پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے جو آیت سجدہ اپنے رکوع یا اپنے سجدہ یا اپنے تشہد میں پڑھے اس لئے کہ ان ارکان نماز میں قرأت سے منع کیا گیا ہے (اور مرغینانی نے کہا کہ اس صورت میں بھی اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا اور وہ نماز کے اندر ہی اس سجدہ کو ادا کرے گا، وہ کہتے ہیں یہ درست ہے کہ رکوع وغیرہ میں قرأت کی ممانعت ہے جیسے جنبی (ناپاک) کو قرأت سے روکا گیا ہے مگر جنبی اگر پڑھے گا تو سجدہ اس پر واجب ہو جاتا ہے اسی رکوع میں پڑھنے والے پر بھی واجب ہوگا اور شامی نے بھی اسی کو ترجیح دیا ہے کہ سجدہ واجب ہے)

بشروط الصلوة المتقدمة خلا التحريمة ونية التعيين ويفسدها ما يفسدها وركنها السجود او بدله كركوع مصل و ايماء مريض وراكب وهى سجدة بين تكبيرتين مسنونتين جهرا وبين قيامين مستجين بلا رفع يد و تشهد و سلام و فيها تسبيح السجود فى الاصح على من كان متعلق تجب اهلا لوجوب الصلوة لانها من اجزائها اداء كالاصم اذا تلاها او قضاء كالجنب والسكران و النائم فلا تجب على كافر وصبى ومجنون وحائض ونفساء قرؤا اوسمعوا لانهم ليسوا اهلا لها وتجب بتلاوتهم يعنى المذكورين خلا المجنون المطبق فلا تجب بتلاوته لعدم اهلية ولو قصر جنونه فكان يوما و ليلة او اقل تلزمه تلا اوسمع وان كثر لا تلزمه بل تلزم من سمعه على ماحرره ملاخسر ولكن جزم الشرنبلالى باختلاف الرواية و نقل الوجوب بالسماء من المجنون عن الفتاوى الصغرى والجوهرة قلت و به جزم القهستانى

سجدہ تلاوت کیسے ادا کیا جائے اور کب

سجدہ تلاوت ان شرطوں کے ساتھ واجب ہے جو شرطیں پہلے نماز کے لئے بیان ہو چکی ہیں جیسے طہارت، ستر عورت اور استقبال قبلہ وغیرہ) البتہ اس کے لئے تحریمہ اور نیت کی تعین شرط نہیں ہے البتہ مطلقاً یہ نیت کہ یہ سجدہ تلاوت ہے شرط ہے۔

سجدہ تلاوت کو وہ تمام چیزیں فاسد کر ڈالتی ہیں جو نماز کو فاسد کرنے والی ہیں (جیسے قصداً حدث کرنا، قہقہہ مار کر ہنسنا، بات کرنا وغیرہ اور فاسد ہونے کی صورت میں اس کا لوٹانا واجب ہے شامی نے لکھا ہے کہ عورت کے محاذات سے سجدہ تلاوت فاسد نہیں ہوتا ہے اور سجدہ تلاوت کے اندر قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے) سجدہ تلاوت کے ارکان میں سے ایک رکن سجدہ کرنا ہے یا سجدہ کا بدل ادا کرنا، جیسے نماز پڑھنے والے کا رکوع کرنا اور بیمار اور سوار کا اشارہ کرنا۔ (نماز کی حالت میں رکوع سے سجدہ تلاوت ادا ہو جاتا ہے مگر نماز سے باہر اگر کوئی سجدہ تلاوت کے لئے رکوع کرے گا تو وہ کافی نہیں ہوگا، بیمار نے حالت صحت میں آیت سجدہ کی تلاوت کی تھی اور بیماری کی حالت میں اس نے اس کو اشارہ سے ادا کیا تو یہ بھی درست ہے۔

سجدہ تلاوت کا وجوب اور اس کی ادائیگی

اور اگر سجدہ تلاوت سوار ہونے کی حالت میں شہر سے باہر واجب ہوا تھا تو وہ سجدہ سواری پر اشارہ کے ساتھ ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا، گو وہ درمیان میں اتر کیوں نہ گیا ہو، لیکن اگر سجدہ تلاوت زمین پر پڑھنے کی حالت میں واجب ہوا تھا تو اس کا سواری پر ادا کرنا کافی نہ ہوگا کذا فی الشامی)

سجدہ تلاوت کے ادا کا طریقہ

سجدہ تلاوت کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ اکبر بلند آواز سے کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور ایک سجدہ کر کے اللہ اکبر کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو جائے اور تسہ

ہونے کی حالت میں آواز اللہ اکبر کہنے میں بس اتنی بلند ہونی چاہئے کہ وہ خود سُن سکے، اور اگر امام ہو تو اتنی آواز بلند کرے کہ دوسرے مقتدی بھی اس کو سن لیں اور اس کو فقہاء نے اس طرح ادا کیا ہے کہ سجدہ تلاوت ایک سجدہ ہے جو وہ بلند مسنون تکبیروں اور دو مستحب قیام کے درمیان میں کیا جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستحب یہ ہے کہ کھڑا ہو کر تکبیر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور پھر تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے اٹھ کر کھڑا ہو جائے، اس میں اللہ اکبر کہنے کے بعد ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس میں تشہد ہے اور نہ سلام، البتہ مذہب اصح کے مطابق سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلیٰ سجدہ میں تین بار پڑھی جائے گی (فتح القدیر میں ہے کہ فرض نماز میں اگر سجدہ تلاوت ادا کیا ہے تب تو یہی تسبیح پڑھے لیکن اگر نفل نماز یا نماز سے خارج ادا کیا ہے تو یہ تسبیح بھی پڑھ سکتا ہے اور دوسری دعا بھی جو احادیث میں آئی ہے جیسے **سجدو جھی الذی خلقه الخ**)

سجدہ تلاوت کن لوگوں پر واجب ہے

سجدہ تلاوت اس شخص پر واجب ہے جو وجوب نماز کے لائق ہو ادا کے طور پر یا قضا کے طور پر یعنی اس وقت وہ نماز کے واجب ہونے کے لائق ہو جیسے بہرا شخص جس نے آیت سجدہ کی تلاوت کی ہو اور بطور قضاء کی مثال جیسے جنُبی اور مدہوش اور سونے والا یعنی (جنُبی آیت سجدہ سنے گا تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہو گا مگر پاک ہونے کے بعد ادا کرے گا، اسی طرح مدہوش، ہوش میں آنے کے بعد، مدہوش میں عقل ہوتی ہے اس لئے اس پر واجب قرار دیا گیا ہے اسی طرح سونے والا نیند میں آیت سجدہ پڑھے اور جاگنے پر کوئی اسے بتائے کہ تو نے پڑھا ہے تو اصح قول یہ ہے کہ اس پر بھی واجب ہے) شارح نے بتایا کہ وجوب سجدہ کے لئے نماز کے واجب ہونے کی اہلیت اس لئے معتبر ہے کہ سجدہ تلاوت نماز کے اجزاء میں سے ہے یعنی جب یہ آیت نماز کی حالت میں پڑھی جاتی ہے تو یہ سجدہ جزء نماز بن جاتا ہے۔

ان پر سجدہ واجب نہیں

لہٰذا سجدہ تلاوت کافر، نابالغ، مجنون، اور حیض و نفاس والی عورت پر واجب نہیں ہے خواہ یہ سب خود آیت سجدہ پڑھیں یا کسی سے سنیں، اس لئے واجب نہیں ہے کہ یہ نماز کے اہل نہیں ہیں نہ ادا کے اہل ہیں اور نہ قضاء کے، مگر ان سب کے پڑھنے کی وجہ سے دوسرے سننے والوں پر سجدہ تلاوت واجب ہو گا، سوائے اس پاگل کے پڑھنے کے جس کو افاقہ نہ ہوتا ہو اور اس کا جنون چھ یا زیادہ نمازوں تک برابر باقی رہتا ہو کہ اگر ایسے پاگل سے کوئی سُن لگا تو سجدہ واجب نہ ہو گا، کیونکہ یہ نماز کا اہل نہیں ہوتا ہے لیکن اگر اس پاگل کا جنون مختصر ہو ایک دن ایک رات تک یا اس سے بھی کم تو اس پر سجدہ لازم ہے خواہ وہ خود پڑھے یا دوسرے سے سنے، اور اگر جنون ایک رات دن سے زیادہ ہو جائے تو خود اس پر سجدہ لازم نہیں ہو گا مگر جو اس سے آیت سجدہ سنے گا، اس پر واجب ہو گا، اس بیان کے مطابق جس کو ملا خسرو نے منقح کر کے بیان کیا ہے، اور شرنبلا نے اختلافِ روایت پر یقین کیا ہے اور مجنون سے سننے سے سجدہ کا واجب ہونا فتاویٰ صغریٰ اور جوہرہ سے نقل کیا ہے شارح کہتے ہیں کہ اسی پر قہستانی نے بھی یقین کیا ہے (شرنبلا نے کہا ہے کہ اگر کوئی مجنوں سے آیت سجدہ پڑھتے ہوئے سنے تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہو گا یا نہیں دو روایتیں ہیں اور دونوں کی تصحیح کی گئی ہے ان میں صحیح یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں ہو گا کذا فی الشامی)

لا تجب بسماعه من الصدی او الطیر و من کل تال حرفا و لا بالتهجی اشباه و لا من

الموتم لوکان السامع فی صلوتہ ای صلوۃ الموتم بخلاف الخارج کمامر۔

صدائے بازگشت اور پرندہ کو پڑھتے سننے کا حکم

صدائے بازگشت اور پرندہ سے آیت سجدہ سننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا ہے یعنی گونج سے پلٹ کر جو آواز سنائی دیتی ہے یا طوطا وغیرہ کے پڑھنے کو سنے تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوگا، اسی طرح ایک ایک حرف علیحدہ کر کے یا ہجے کر کے جو آیت سجدہ کو پڑھتا ہو اس کو سنے تو اس طرح سننے سے بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا ہے کذا فی الاشباہ۔

اور نہ اس مقتدی سے سننے والے پر سجدہ واجب ہے جو سننے والا مقتدی کی نماز میں ہو یعنی دونوں ایک ہی نماز پڑھ رہے ہوں، ہاں اگر مقتدی سے وہ شخص نے جو نماز سے باہر ہے تو اس پر واجب ہوگا۔

وھی علی التراخی علی المختار ویکرہ تاخیرھا تنزیھا ویکفیہ ان یسجد عدد ما علیہ بلا تعیین ویکون مودیا وتسقط بالحیض والردۃ ان لم تکن صلوتیۃ فعلی الفور لصیرورتھا جزءمنھا وفیاثم بتاخیرھا ویقضیھا مادام فی حرمۃ الصلوۃ ولو بعد السلام فتح ثم ھذہ النسبۃ ھی الصواب وقولھم صلوتیۃ خطاء قالہ المصنف لکن فی العنایۃ انہ خطاء مستعمل وھو عند الفقہاء خیر من صواب نادر ومن سمعھا من امام ولو باقتدائہ بہ فائتم بہ قبل ان یسجد الامام لھا سجد معہ ولو ایتم بعدہ لایسجد اصلا کذا اطلق فی الکنز تبعا للاصل وان لم یقتد بہ اصلاً سجدھا وکذا لو اقتدی بہ فی رکعۃ اخری علی ما اختارہ البزدوی وغیرہ وھو ظاھر الھدایۃ ولو تلاھا فی الصلوۃ سجدھا فیھا لاخارجھا لما مر وفی البدائع واذا لم یسجد اثم فتلزمہ التوبۃ الا اذا افسدت الصلوۃ بغیر الحیض فلو بہ تسقط عنھا السجدۃ ذکرہ فی الخلاصۃ فیسجدھا خارجھا لانھا لما فسدت لم یبق الامجرد التلاوۃ فلم تکن صلوتیۃ ولو بعد ما سجدھا لم یعدھا ذکر فی القنیۃ ویخالفہ مافی الخانیۃ تلاھا فی نفل فافسدہ قضاہ دون السجدۃ الا ان یحمل علی ما اذا کان بعد سجودھا۔

سجدہ تلاوت فوراً واجب ہے یا اس میں مہلت ہے

سجدہ تلاوت تراخی کے طور پر واجب ہوتا ہے یعنی امام محمدؒ کے نزدیک اس کی ادائیگی پوری عمر کے کسی بھی حصہ میں کر سکتا ہے اور یہی قول مختار ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک۔ فوراً واجب ہے یعنی تاخیر کرنے سے گنہ گار ہوگا بشر طیکہ یہ سجدہ نماز کے اندر کا نہ ہو کہ وہ بالاتفاق فی الفور واجب ہے اس لئے کہ ایسا سجدہ نماز کا جزء ہو جاتا ہے اس سجدہ کی تاخیر سے گنہ گار ہوگا جب تک نماز کے مخالف کوئی فعل سر زد نہیں ہوا ہے نماز کے بعد فوراً ادا کرے اگرچہ سلام پھیرنے

کے بعد ہی کیوں نہ ہو کذا فی الفتح شارح نے کہا کہ نماز سے باہر والے کے لئے سجدہ تلاوت میں تاخیر مکروہ تنزیہی ہے اور اس کو یہ کافی ہے کہ اس پر جتنے سجدہ تلاوت ہیں بلا تعین ادا کردے حیض کی وجہ سے سجدہ تلاوت ساقط ہو جاتا ہے اور مرتد سے بھی ساقط ہو جاتا ہے کذا فی التجنیس۔

امام سے آیت سجدہ سننا

جو شخص آیت سجدہ کو اپنے امام سے سنے اگر چہ وہ امام اسی شخص کی اقتدا کی وجہ سے بنا ہو اور اس نے امام کے سجدہ تلاوت کرنے سے پہلے اس کی اقتدا کر لی تو یہ امام کے ساتھ سجدہ تلاوت کرے گا اور اگر امام کے سجدہ کر چکنے کے بعد اس نے اقتدا کی ہے تو وہ سجدہ نہیں کرے گا نہ نماز کے اندر اور نہ نماز کے باہر، کنز میں اسی طرح مطلقاً بیان کیا ہے اور اگر اس نے امام کی اقتدا نہیں کی نہ اس رکعت میں اور نہ دوسری رکعت میں تو وہ سجدہ تلاوت کرے گا اسی طرح دوسری رکعت میں اقتدا کرنے کی صورت میں بھی سجدہ کرے گا مگر نماز سے فراغت کے بعد، جیسا کہ بزدوی نے نقل کیا ہے اور ہدایہ میں بھی یہی ہے۔

نماز کے اندر کا سجدہ تلاوت اسی میں ضروری ہے

اگر اس نے آیت سجدہ نماز کے اندر پڑھی ہے تو پھر وہ نماز کے اندر ہی اس کو ادا کرے گا، نماز سے باہر نہیں، اس لئے کہ نماز کے اندر کا سجدہ نماز کا جز ہو جاتا ہے، اور بدائع میں ہے کہ اگر وہ نماز کے اندر اس سجدہ کو ادا نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا لہٰذا اس کو توبہ کرنا لازم ہوگی اس لئے کہ اس نے واجب کو ترک کیا ہے اور اگر وہ نماز فاسد ہو گئی جس میں آیت سجدہ پڑھی تھی تو پھر سجدہ تلاوت نماز کے باہر کرے گا۔ اسلئے کہ جب نماز فاسد ہو گئی تو اب صرف سجدہ تلاوت رہ گیا، لہٰذا وہ نماز کے اندر باقی نہیں رہا، اور اگر نماز حیض کی وجہ سے فاسد ہوئی ہے تو سجدہ بھی ساقط ہو گیا۔

سجدہ تلاوت کی نماز کا فاسد ہونا

اور اگر سجدہ تلاوت ادا کرنے کے بعد نماز فاسد ہو گئی ہے تو اب یہ سجدہ دوبارہ ادا نہیں ہوگا جیسا کہ قنیہ میں ہے اور خانیہ میں اس کے مخالف یہ ہے کہ نماز نفل میں آیت سجدہ پڑھی پھر اس نفل کو فاسد کر دیا تو نفل کی قضا کرے گا، سجدہ کی قضا نہیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فاسد ہونے سے سجدہ تلاوت بھی ذمہ میں باقی نہیں رہتا، اور متن والی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فاسد ہونے کی صورت میں نماز سے باہر سجدہ کرے گا۔ البتہ اگر یہ کہا جائے کہ خانیہ کی مراد یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کرنے کے بعد نفل نماز فاسد کی گئی ہے تب نماز سے باہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

و تودی برکوعٍ و سجودٍ غیر رکوع الصلوٰۃ و سجودھا فی الصلوٰۃ و کذا فی خارجھا ینوب عنھا الرکوع فی ظاھر المروی بزازیۃ لھا ای للتلاوۃ و تودی برکوع صلوٰۃ اذا کان الرکوع علی الفور من قراءۃ آیۃ او آیتین و کذا الثلث علی الظاھر کما فی البحران نواہ ای کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجح و تودی بسجودھا کذلک ای علیٰ لفور و ان لم ینوہ بالاجماع و لو نواھا فی رکوعہ و لمینوھا الموتم لم

تجزہ ویسجد اذا سلم الامام ویعید القعدة ولو ترکھا فسدت صلوته کذا فی القنیه و ینبغی حمله علی الجھریة نعم لورکع وسجد لھا فوراً ناب بلانیةٍ ولو سجد لھا فظن القوم انه رکع فمن رکع رفضه وسجد لھا ومن رکع وسجد سجدة اجزأته عنھا و من رکع وسجد سجدتین فسدت صلوته لانه انفرد برکعةٍ تامة

رکوع اور سجدہ کے ذریعہ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی

سجدۂ تلاوت حالتِ نماز میں ایسے رکوع اور سجدہ کرنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے جو رکوع اور سجدہ نماز کے لئے نہ ہو اور اسی طرح نماز سے خارج میں بھی رکوع قائم مقام سجدہ کا ہو جاتا ہے کذافی البزازیہ (مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور اُس سجدۂ تلاوت کے لئے مستقل رکوع کیا یعنی یہ رکوع نماز کا نہیں تھا یا اس سجدۂ تلاوت کے لئے نماز کے سجدہ کے علاوہ دوسرا سجدہ کیا تو ان صورتوں میں سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا اسی طرح خارج نماز میں اگر سجدہ تلاوت کو رکوع اور سجدہ سے ادا کرے تو بھی ادا ہو جائے گا مگر رکوع سے ادا کرنے میں یہ شرط ہے کہ وہ پڑھنے کے فوراً بعد ہو، اگر تاخیر ہو گی تو پھر اس کے لئے سجدہ ہی کرنا ہو گا خواہ یہ نماز کے اندر ہو یا باہر کذافی الشامی)

سجدۂ تلاوت نماز کے رکوع سے بھی ادا ہو جاتا ہے جبکہ اس کے بعد ایک یا دو آیت پڑھنے سے پہلے رکوع فوراً ہو جائے اور اسی طرح تین آیتوں سے پہلے بھی رکوع ہو جائے گا تو اس سے بھی ادا ہو جائے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کی نیت کی ہو، یعنی نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور اس کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہیں پڑھا اور رکوع میں چلا گیا اور نیت یہ کی کہ یہ رکوع سجدۂ تلاوت کے لئے کرتا ہوں تو سجدہ ادا ہو جائے گا طحطاوی نے کہا کہ اس میں نماز کے رکوع ہونے کی بھی نیت کرے یعنی دونوں کی نیت ہو ورنہ صرف تلاوت کا رکوع ہو گا نماز کا رکوع ادا نہیں ہو گا الگ سے کرنا ہو گا۔

اسی طرح نماز کے سجدہ سے بھی سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے جب کہ آیت کے فوراً بعد سجدہ کیا ہو گو اس میں سجدہ تلاوت کی نیت نہ بھی کی ہو اس میں اختلاف نہیں ہے (مطلب یہ ہے کہ مختصر نماز کا رکوع کرے پھر فوراً سجدہ میں چلا جائے اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ رکوع اور قومہ تین آیتوں سے کم وقت نہیں لے گا)۔

امام نے اپنے رکوع میں سجدہ تلاوت کی ادائیگی کی بھی نیت کر لی مگر مقتدی نے نہیں کی تو امام کی نیت مقتدی کے لئے کافی نہیں ہو گی مقتدی اپنا سجدۂ تلاوت امام کے سلام پھیرنے کے بعد کرے گا اور اسی کے ساتھ قعدہ کا اعادہ کرے گا اور اگر قعدہ نہ کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ سجدہ تلاوت سے قعدہ اخیرہ لغو ہو جاتا ہے، اور اس صورت کو جہری نماز پر محمول کرنا چاہئے، اسلئے کہ مقتدی کو سری نماز میں امام کا پڑھنا معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔

رکوع کے بعد فوراً سجدہ کرنا

ہاں اگر رکوع کرنے کے فوراً بعد نماز کے لئے سجدہ کیا تو یہ "سجدہ نماز" مقتدی کے لئے سجدۂ تلاوت کے قائم مقام بلا نیت بھی ہو جائے گا اور اگر امام نے تلاوت کا سجدہ کیا اور اس کو مقتدیوں نے یہ سمجھا کہ امام نے رکوع کیا، پس جو شخص رکوع میں ہو اس کو چاہئے کہ وہ رکوع کو چھوڑ کر سجدۂ

تلاوت کرے اور جس نے رکوع کیا اور ایک سجدہ کیا تو اس کے لئے یہ سجدہ تلاوت کے سجدہ کے لئے کافی ہوگا اور جس نے رکوع کے بعد دو سجدے کئے تو اس کی نماز فاسد ہو گئی اس وجہ سے کہ اس کی تنہا یہ ایک رکعت ہو گئی اور ایک کی زیادتی نماز کو فاسد کرنے والی ہے۔

ولو سمع المصلی السجدة من غیره لم یسجد فیها لانها غیر صلوتیة بل یسجد بعدها لسماعها من غیر محجور ولو سجد فیها لم تجزه لانها ناقصةٌ للنهی فلا یتاوی بها الکامل واعاده ای السجود لما مر الا اذا تلاها المصلی غیر المؤتم ولو بعد سماعها سراج دونها ای الصلوٰة لان زیادة مادون الرکعة لایفسد الا اذا تابع المصلی التالی فتفسد لمتابعته غیر امامه ولا تجزئه عما سمع تجنیس وغیره وان تلاها فی غیر الصلوة فسجد ثم دخل فی الصلوة فتلاها فیها سجد اخریٰ ولو لم یسجد اولا کفته واحدة لان الصلوتیة اقوی من غیرها فستتبع غیرها وان اختلف المجلس ولو لم یسجد فی الصلوة سقطتا فی الاصح واثم۔ کما مر

غیر نمازی سے نماز میں آیت سجدہ سننا

اگر نماز پڑھنے والا حالت نماز میں غیر شخص سے آیت سجدہ سنے تو وہ تلاوت کا سجدہ نماز میں نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ تلاوت نماز کے اندر نہیں ہوئی ہے بلکہ یہ شخص اپنی نماز پوری کرنے اور فارغ ہونے کے بعد اس سجدہ تلاوت کو ادا کرے گا اس لئے کہ اس نے اس آیت کو اس شخص سے سنا ہے جس پر کوئی روک نہیں ہے بلکہ وہ نماز سے باہر تھا اور آزاد تھا۔

اور اگر نمازی نے غیر نمازی سے آیت سجدہ سن کر نماز کے اندر اس سجدہ تلاوت کو ادا کر لیا، تو یہ سجدہ کافی نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ اس کا یہ سجدہ ناقص ہے اس کی اس کو اجازت نہیں تھی، تو اس ناقص سے کامل کیسے ادا ہوگا، چنانچہ وہ اس سجدہ کو دوبارہ ادا کرے گا، کیونکہ پہلے ناقص ادا ہوا تھا لیکن اگر اس کو مقتدی کے علاوہ اور نمازی نے پڑھا ہے اگر چہ اس کو غیر سے سننے کے بعد ہو، تو پھر وہ سجدہ کا اعادہ نہیں کرے گا۔

(اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، اس نے آیت سجدہ پڑھی، یہ پڑھنا اس کا کسی سے سننے کے پہلے ہو یا سننے کے بعد ہو، چنانچہ اس نے اسکے لئے نماز کے اندر سجدہ تلاوت کیا تو اس صورت میں وہ سجدہ کو دوبارہ ادا نہیں کرے گا، غیر مقتدی کی قید اس لئے لگائی کہ مقتدی کا آیت سجدہ کو پڑھنا معتبر نہیں ہے اس سنی ہوئی آیت کے لئے سجدہ تلاوت نماز کے بعد ادا کرے گا کذا فی الشامی)

اس سجدۂ تلاوت کرنے کی وجہ سے وہ نماز کا اعادہ نہیں کرے گا، اس وجہ سے کہ ایک رکعت سے کم کی زیادتی سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے البتہ اگر نمازی تلاوت کرنے والے کی پیروی کرے گا یعنی اس کے ساتھ یہ بھی سجدہ کریگا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ اس نے ایسے شخص کی پیروی کی جو اس کا امام نہیں تھا اور نمازی کا یہ سجدہ سنی ہوئی آیت سجدہ کی طرف

سے کافی نہیں ہوگا۔

آیت سجدہ باہر بھی پڑھے اور نماز میں بھی

اور اگر آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھی اور پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت کیا پھر اس کے بعد نماز میں داخل ہوا، اور اسی آیت سجدہ کو اس نے پھر نماز میں پڑھا تو وہ اس کے لئے دوسرا سجدہ کرے گا اور اگر اس نے پہلے سجدہ نہیں کیا تھا تو نماز کے اندر کا یہ سجدہ اس کو دونوں کے لئے کافی ہو جائے گا، اس وجہ سے کہ نماز کے اندر کا سجدہ اپنے غیر سے قوی تر ہے لہذا وہ اپنے غیر کو تابع بنالے گا گو مجلس بدل جائے۔

(بحر الرائق میں ہے کہ دونوں سجدوں کی طرف سے ایک سجدہ اس وقت کافی ہوگا جب کہ دونوں کی مجلس ایک ہو اور اگر ایسا نہیں ہے مثلاً خارج صلوۃ کی مجلس الگ تھی اور یہ الگ، جبکہ نماز میں اس کو دہرایا ہے تو ایسی صورت میں نماز کے اندر سجدۂ تلاوت کرنے سے پہلے کا سجدہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، اس کے لئے نماز کے بعد دوسرا سجدہ کرنا ہوگا) اور اگر اس نے نماز کے اندر سجدہ نہیں کیا ہے تو صحیح تر قول میں دونوں سجدے ساقط ہو جائیں گے اور وہ گنہگار ہوگا جیسا کہ پہلے گذرا۔

ولو کررها فی مجلسین تکررت و فی مجلس واحد لا تتکرر بل کفته واحدة و فعلها بعد الاولی اولی قنیه و فی البحر التاخیر احوط و الاصل ان مبناها علی التداخل دفعاً للحرج بشرط اتحاد الآیة و المجلس و هو تداخلٌ فی السبب بان یجعل الکل کتلاوة واحدة فتکون الواحدة سبباو الباقی تبعا لها و هو الیق بالعبادة لان ترکها مع وجود سببها شنیع لا تداخل فی الحکم بان یجعل کل تلاوة سبباً للسجدة فتداخلت السجدات فاکتفی بواحدة لانه الیق بالعقوبة لانها للزجر و هو ینزجر بواحدة فیحصل المقصود و الکریم یعفو مع قیام سبب العقوبة و افاد الفرق بقوله فتنوب الواحدة فی تداخل السبب عما قبلها و عما بعد ها و لا تنوب فی تداخل الحکم الاّ عما قبلها حتی لو زنی فحدثم زنی فی المجلس حدثانیا و اسداء الثوب ذاهبا و آئبا و انتقاله من غصن شجرة الی غصن آخر و سبحه فی نهر او حوض تبدیل للمجلس اوالآیة فتجب سجدة او سجدات اخریٰ بخلاف زوایا مسجدٍ و بیتٍ و سفینة سائرة وفعل قلیل کاکل لقمتین و قیام ورد سلام و کذا دابة یصلی علیها لان الصلوة تجمع الاماکن و لولم یصل تتکرر کما تتکرر لو تبدل مجلس سامع دون تال حتی لو کررها راکبا یصلی و غلامه یمشی تتکرر علی الغلام لا الراکب لا تتکرر فی عکسه و هو تبدل مجلس التالی دون السامع علی المفتی به و هذا یفید ترجیح

سببية السماع

آیت سجدہ دو مجلس میں پڑھنا

اور اگر اس نے آیت سجدہ کو دو مجلسوں میں پڑھا ہے تو سجدے بھی مکرر ہوں گے، البتہ ایک مجلس میں مکرر پڑھنے سے ایک ہی سجدہ دونوں کے لئے کافی ہوگا اور بہتر یہ ہے کہ پہلی آیت سجدہ پڑھنے کے بعد ہی فوراً سجدہ تلاوت ادا کرے اور بحر الرائق میں لکھا ہے کہ تاخیر میں زیادہ احتیاط ہے۔

تکرار سجدہ کی وجوہات

تین چیزیں ہیں جن کی وجہ سے سجدہ دوبارہ کرنا واجب ہوتا ہے اول آیت کا اختلاف، کہ مجلس تو ایک ہے مگر اس میں مختلف آیات سجدہ اس نے پڑھیں یا سنیں تو اس صورت میں وہ جتنی آیتیں پڑھے گا اتنے ہی سجدے اس پر واجب ہوں گے دوسرے سننے کا اختلاف، کہ پہلے ایک آیت سجدہ سنی پھر دوسری آیت سجدہ سنی، تو اس صورت میں بھی متعدد سجدے ہیں تیسرے مجلس کا اختلاف، کہ اس کی وجہ سے بھی متعدد سجدے کرنے ضروری ہوتے ہیں، مجلس کا اختلاف دو قسم پر ہے ایک حقیقی کہ ایک مجلس سے دوسری مجلس میں دو قدم سے زیادہ چل کر پہونچے اس میں شرط یہ ہے کہ دونوں مکانوں کا حکم ایک نہ ہو مثلاً چھوٹی مسجد اور کمرہ جو ایک مکان کے حکم میں ہے اگر دونوں کے مختلف گوشوں میں ہو تو یہ دو مکانوں کے حکم میں نہیں ہوگا لہٰذا اگر ایک ہی آیت سجدہ کو مسجد یا کمرہ کے مختلف کونوں میں پڑھے گا تو اس صورت میں ایک ہی سجدہ واجب ہوگا دوسری قسم اختلاف کی حکمی ہے کہ دو دفعہ پڑھنے کے درمیان عمل کثیر کیا ہو، مثلاً خرید و فروخت، یا عقد نکاح یا کھانا کھانا یا تین قدم چلنا گو جگہ ایک ہی ہو مگر اتنے سے فصل ہو تو سجدے مکرر کرنے ہوں گے ہاں اگر دونوں کے درمیان عمل قلیل کیا ہے مثلاً آیت سجدہ پڑھ کر ایک گھونٹ پانی پی لیا یا ایک دو قدم چلا تو سجدہ تلاوت ایک ہی کافی ہوگا۔ اور جس جگہ ایک سجدہ کئی بار پڑھنے پر کافی ہو، وہاں دوبارہ سجدہ کرنا مستحب نہیں ہے کذا فی الشامی۔

سجدہ تلاوت کا قاعدہ

اور بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ سجدہ کی بنیاد تداخل پر ہے یعنی ایک سجدہ دوسرے کے تابع ہو جاتا ہے کہ ہر بار سجدہ کے واجب ہونے سے حرج اور دقت واقع نہ ہو مگر یہ تداخل اس شرط پر ہے کہ آیت اور مجلس ایک ہو یعنی ایک ہی آیت کو ایک ہی مجلس میں بار بار پڑھنے سے ایک ہی سجدہ کافی ہوتا ہے اسی طرح ایک آیت کو خود پڑھا پر اسی مجلس میں اس آیت کو دوسرے سے سنا تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

اور بار بار سجدہ کا نہ کرنا تداخل سبب میں ہے کہ تمام دفعہ کے پڑھنے کو ایک دفعہ پڑھنا قرار دیا جائے لہٰذا سب کا سبب ایک ہی قرار پائے گا ایک سجدہ ایک تلاوت کا ہوا اور باقی ساری تلاوتیں اسی کے تابع ہو گئیں اور عبادت میں اس کو تداخل فی السبب کہنا ہی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ سبب پائے جانے کے باوجود عبادت چھوڑنا برا ہے (ماحصل یہ ہے کہ اس کو تداخل فی الحکم نہ کہا جائے بلکہ تداخل فی السبب کہا جائے کیونکہ تداخل فی الحکم کا منشا یہ ہوگا عبادت کا سبب پایا گیا اور عبادت نہیں پائی گئی حالانکہ عبادت کی کثرت مطلوب ہے اس لئے تمام سببوں کو ایک قرار دے لیا تاکہ کوئی خرابی واقع نہ ہو چنانچہ آگے کہتے ہیں۔

یہ تداخل فی الحکم نہیں ہے کہ ہر تلاوت کو الگ ایک مستقل سجدہ کا سبب قرار دیا جائے پھر کہا جائے کہ سجدہ ایک

دوسرے میں داخل ہو گئے، لہٰذا ایک سجدہ پر اکتفا کیا گیا، اس لئے کہ اس طرح کا حکم سزا کے لئے مناسب تو ہے کیونکہ سزا جرم سے روکنے کے لئے ہوتی ہے اور آدمی سزا پاکر جرم سے رک جاتا ہے اور اس طرح مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اور سزا کا سبب قائم نہیں رہا اس کے باوجود رب العالمین سے توقع ہے کہ وہ اسے آخرت میں معاف کر دے (مثلاً ایک شخص نے دوبار شراب پی تو گو سبب دو ہیں مگر سزا ایک ہی دیجائے گی اور دوسری بار کی سزا اسی میں داخل ہو جائے گی۔

تداخل فی السبب اور تداخل فی الحکم

مصنف نے تداخل فی السبب اور تداخل فی الحکم کے درمیان فرق کو اس طرح ظاہر کیا ہے کہ ایک سجدۂ تلاوت تداخل فی السبب میں ایک مجلس میں پہلے پڑھی ہوئی آیت سجدہ اور سجدہ کے بعد پڑھی ہوئی آیت دونوں کی طرف سے کافی ہوگا (مثلاً ایک شخص نے ایک مجلس میں پانچ مرتبہ آیت سجدہ پڑھی اس طرح سے کہ تین مرتبہ پڑھ کر سجدہ تلاوت کر لیا پھر بعد میں وہی آیت دو مرتبہ پڑھی تو اب اس کے لئے دوبارہ سجدہ تلاوت کرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلا ہی سجدہ کافی ہے، کیونکہ جب اول تلاوت سبب قرار دی گئی تو بعد میں چار بار تلاوت اسی کے تابع قرار پائے گی، تداخل فی الحکم میں یہ صورت نہیں ہوتی ہے بلکہ تین مرتبہ کرنے کے بعد ایک سجدہ کر لیا تھا وہ اس کی طرف سے کافی ہو گیا اب جب دوبارہ پھر اسی مجلس میں وہ آیت پڑھی تھی تو پھر اس کے لئے ایک اور سجدہ کرنا ہوگا کیونکہ سجدہ کے بعد پھر سبب جدید پایا گیا) اور یہی وجہ ہے کہ ماقبل کے جرائم کی سزا ایک دفعہ میں ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کے بعد اسی مجلس میں پھر وہی جرم کیا تو اس کی دوبارہ سزا ہوگی مثلاً ایک شخص نے زنا کیا اسے اس پر حد لگائی گئی پھر اسی پر مجلس میں حد لگنے کے بعد اس نے پھر زنا کیا تو اب پھر دوبارہ حد لگائی جائے گی کیونکہ یہ دوسرا سبب پایا گیا۔

آیت سجدہ پڑھتے ہوئے کپڑے کے لئے تانا تنتے ہوئے آنا اور جانا ایک شاخ سے دوسری شاخ پر منتقل ہونا اور نہر اور حوض میں تیرنا مجلس یا آیت کا بدلنا ہے پس ایک یا چند سجدے واجب ہوں گے (مثلاً جاتے ہوئے پڑھنے پر ایک سجدہ اور واپس لوٹتے ہوئے پڑھنے پر دوسرا سجدہ، اسی طرح پہلی شاخ پر سنا تو ایک سجدہ اور دوسری شاخ پر اسی کو سنا تو دوسرا سجدہ واجب ہوگا پڑھنے والے کی مجلس بدلے گی اور سننے والے کے حق میں آیت کا بدلنا ہوگا۔

مسجد کمرہ اور عمل قلیل کا حکم

اس کے خلاف حکم ہے ایک مسجد، ایک کمرہ اور ایک چلتی ہوئی کشتی کے گوشوں کا یعنی ایک مسجد کے مختلف گوشوں میں چل کر یا ایک کمرہ کے مختلف گوشوں میں یا ایک چلتی ہوئی کشتی کے مختلف گوشوں میں ایک آیت سجدہ کو پڑھے گا تو صرف ایک سجدہ تلاوت واجب ہوگا، اسی طرح فعل قلیل کے فاصلہ سے پڑھنے سے بھی مجلس تبدیل نہیں ہوتی، مثلاً ایک آیتِ سجدہ پڑھ کر دو لقمہ منہ میں ڈالا پھر اسی آیت کو پڑھا اس صورت میں دو سجدے کے بجائے صرف ایک سجدہ واجب ہوگا فعل قلیل میں ہی درمیان میں کھڑا ہونا بھی داخل ہے اور سلام کا جواب دینا۔ اس سے بھی مجلس نہیں بدلتی ہے اسی حکم میں سواری کا وہ جانور ہے جس پر وہ نماز پڑھ رہا ہے وہ بھی ایک ہی مجلس کے حکم میں ہے کیونکہ نماز ان جگہوں کو ایک کے حکم میں کر دیتی ہے لیکن اگر سواری کے جانور پر نماز نہیں پڑھ رہا ہے تو پھر سجدے مکرر ہوں گے، اس لئے کہ سواری کا چلنا سوار کی طرف منسوب ہوا کرتا ہے تو ایسا ہو گیا گویا وہ خود چلتا اور پڑھتا ہے۔

جس طرح کہ سننے والے پر سجدہ مکرر عاید ہوتا ہے اگر سننے والے کی مجلس بدل جائے گو پڑھنے والے کی مجلس حکماً تبدیل

نہ ہو (جیسے آیت سجدہ کو سواری پر نماز پڑھتے ہوئے بار بار نمازی نے پڑھا اور اس کا غلام جو پیدل اس کے ساتھ چل رہا تھا اس نے سنا تو پڑھنے والے کی مجلس ایک ہوئی اور سننے والے کی کئی۔

لہٰذا پڑھنے والے پر ایک سجدہ تلاوت واجب ہوگا اور سننے والے پر کئی، ہاں اگر اس کے برعکس ہو تو سننے والے پر کئی سجدے نہیں ہوں گے مفتی بہ قول یہی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والے کی مجلس بدلتی رہے اور سننے والا ایک جگہ بیٹھا ہو وہ مجلس نہ بدلے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سننا بھی سبب ہے اور یہ سبب قابل ترجیح ہے۔

واما الصلٰوة على رسول الله صلى الله عليه وسلم فكذالك عند المتقدمين وقال المتاخرون تتكرر اذ لاتداخل فی حقوق العباد و اما العطاس فالاصح انه ان زاد على الثلاث لا يشمته الخلاصة وكره ترك آية سجدة وقراة باقی السورة لان فيه قطع نظم القرآن و تغيير تاليفه و اتباع النظم والتاليف مامور به بدائع ومفاده ان الكراهة تحريمية لايكره عكسه ولكن ندب ضم آية و آيتين اليهاقبلها او بعدهالدفع وهم التفضيل اذا لكل من حيث انه كلام الله فی رتبة و ان كان لبعضها فضيلة باشتماله علٰى صفات الله تعالٰى واستحسن اخفأها من سامع غير متهی للسجود واختلف التصحيح فی وجوبها على متشاغل بعسل و لا يسمعها والراجح الوجوب زجراً له عن تشاغله عن كلام الله تعالٰى فنزل سامعا لانه بعرضية اَنْ يَسْمَعَ ولو سمع آية سجدةٍ من قومٍ من كل واحدٍ منهم حرفاًلم يسجد لانه لم يسمعها من تال خانية فقد افاد ان اتحاد التالی شرطا مهمة لكل كلمة فی الكافی قليل من قرأ آے السجدة كلهافی مجلس وسجد لكل منهاكفاه الله تعالٰى ما اهمه وظاهره انه يقرؤها ولاء ثم يسجد يحتمل ان يسجد لكل بعد قرأتها وهو غير مكروه كمامر

ایک مجلس میں درود پڑھنے کی تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر درود پڑھنے کا قاعدہ متقدمین کے نزدیک اسی طرح ہے جیسے سجدہ تلاوت کا بیان کیا گیا، یعنی جب تک مجلس نہ بدلے ایک درود ایک مجلس کے لئے کافی ہے البتہ متاخرین کہتے ہیں کہ درود ہر مرتبہ نام لینے پر پڑھا جائے گا اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ بندوں کے حقوق میں تداخل نہیں ہے۔

چھینکنے والے کا جواب اور رہا چھینکنے والے کے جواب کا مسئلہ تو صحیح تو یہ ہے کہ اگر تین بار سے زیادہ ہو تو اس کا جواب نہ دے کذا فی الخلاصہ

آیت سجدہ چھوڑ کر قرآن پڑھنا قرآن اس طرح پڑھنا کہ آیت سجدہ کو چھوڑ دے اور باقی سورہ پڑھے تو مکروہ ہے اس لئے کہ اس طرح میں نظم قرآن کا قطع کرنا ہے اور اس کی ترکیب وترتیب کا بگاڑنا ہے، حالانکہ قرآن کے نظم اور اس کی ترتیب کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے کذافی البدائع، اس سے معلوم ہوا کہ آیت سجدہ کا چھوڑ چھوڑ کر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، (نظم قرآن کے اتباع کے متعلق ارشاد ربانی ہے "فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ" یعنی جب ہم قرآن پڑھیں تو تم اس کے پڑھنے کی اتباع کرو)

صرف آیات سجدہ پڑھنا اس کے برعکس کرنا یعنی آیت سجدہ کو پڑھنا اور بقیہ سورہ کو چھوڑ دینا مکروہ نہیں ہے مگر مستحب یہ ہے کہ اس آیت سجدہ کے ساتھ پہلے یا بعد میں ایک دو آیت ملائے تاکہ اس آیت کی فضیلت کا وہم پیدا نہ ہونے پائے کیونکہ اس لحاظ سے یہ اللہ تعالی کا کلام ہے تمام آیتیں ایک مرتبہ کی ہیں اگرچہ اس اعتبار سے بعض آیت کو فضیلت حاصل ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی صفات کا بیان ہے۔

آیت سجدہ کا آہستہ پڑھنا بہتر یہ ہے کہ آیت سجدہ ان لوگوں کو نہ سنایا جائے جو سجدہ تلاوت کے لئے آمادہ نہ ہوں، بلکہ ایسے موقع سے آہستہ پڑھا جائے (مثلاً سننے والا بے وضو ہو یا اس پر سجدہ کرنا شاق ہو تو آیات سجدہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ آیت سجدہ آہستہ پڑھے اور ایسا ہی اس وقت بھی آہستہ پڑھے جب سننے والے کا حال معلوم نہ ہو، کذافی الطحطاوی)

جو کام میں مشغولی کی وجہ سے نہ سنے وہ شخص جو کام میں مشغول ہو اور آیت سجدہ کو نہ سنے تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہے یا نہیں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ ایسے شخص پر سجدہ تلاوت واجب ہے تاکہ اس کو تنبیہ ہو سکے کہ وہ کیوں قرآن پڑھتے وقت کام میں مشغول رہا اور قرآن نہیں سنا لہٰذا اس کو سننے والے کے قائم مقام مان لیا گیا کیونکہ وہ ایسے موقع پر تھا اس کو وہ سننا چاہئے (لیکن منح الغفار نامی کتاب میں لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ایسے شخص پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، کیونکہ سجدہ کے واجب ہونے کی شرط اس کے لئے سننا تھا وہ شرط نہیں پائی گئی)

ایک ایک حرف مختلف آدمیوں سے سننا اور اگر آیت سجدہ کو ایک جماعت سے اس طرح سنے کہ ہر ایک شخص سے ایک ایک حرف سنا تو اس پر سجدہ نہیں ہے اس لئے کہ اس نے تلاوت کرنے والے سے نہیں سنا کذافی الخانیہ صاحب خانیہ نے بتایا کہ پڑھنے والے کا ایک ہونا شرط ہے یعنی اکثر آیت سجدہ ایک شخص پڑھے۔

ایک مفید بات کافی نامی کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص تمام آیات سجدہ کو جن کی تعداد چودہ ہے ایک مجلس میں پڑھے اور ہر ایک آیت کے لئے سجدہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر سے اور سجدہ کرنے والے کو پیش آنے والے حادثہ سے بچائے گا، اس کا ظاہر یہ ہے کہ کل چودہ آیات سجدہ کو پہلے ایک ساتھ یکے بعد دیگرے پڑھے، پھر چودہ سجدے کرے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ایک آیت پڑھتا جائے اور ہر ایک پر سجدہ کرتا جائے، بہرحال ان چودہ آیتوں کا ایک ساتھ

پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

وسجدة الشكر مستحبة به يفتی لكنها تكره بعد الصلوٰة لان الجهلة يعتقدونها سنة او واجبة وكل مباح يودی اليه فمكروه ويكره للامام ان يقرأها فی مخافتة ونحو جمعة وعيد الآن تكون بحيث تودی بركوع الصلوة اوسجودها ولو تلا علی المنبر سجدوسجد السامعون۔

سجدۂ شکر شکر کا سجدہ مستحب ہے اسی پر فتویٰ ہے لیکن اس سجدہ کا نماز کے بعد کرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاہل لوگ اس سجدہ کے سنت یا واجب ہونے کا اعتقاد کرنے لگیں گے، اور ہر وہ مباح اور جائز چیز جس کی وجہ سے اس کے واجب یا سنت ہونے کا اعتقاد ہونے لگے وہ مکروہ ہو جاتی ہے۔

(سجدہ شکر کی صورت یہ ہے کہ آدمی کسی نعمت کے ملنے پر شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ کرے تو یہ سجدہ صاحبین کے نزدیک مستحب ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے مگر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور قابل اعتماد بات یہ ہے کہ صاحبین کا اور امام ابو حنیفہؒ کا اختلاف سجدۂ شکر کے مسنون ہونے میں ہے، جائز ہونے میں نہیں ہے کذا فی الطحطاوی)

کہاں آیت سجدہ نماز میں نہ پڑھی جائے نماز کے امام کے لئے آیت سجدہ کا ان نمازوں میں پڑھنا جن میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے اسی طرح عید اور جمعہ جیسے مجمع میں پڑھنا مکروہ ہے مگر اس طرح پڑھنا مکروہ نہیں ہے کہ سجدہ تلاوت نماز کے رکوع اور سجدہ میں ادا ہو جائے۔

(سری نماز میں اس لئے مکروہ ہے کہ آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سجدہ تلاوت نہ کرے گا تو واجب کا چھوڑنا لازم آئے گا اور اگر کرے گا تو مقتدی کو اشتباہ ہوگا کہ یہ سجدہ کیسا؟ اور مجمع عام میں پڑھنے سے بھی یہ اشتباہ لازم آئے گا)

خطیب کا آیت سجدہ کو پڑھنا اور اگر آیت سجدہ خطیب نے منبر پر پڑھ دیا تو وہ خود بھی سجدہ کرے گا اور تمام سننے والے بھی سجدہ کریں گے (خطیب منبر پر سجدہ کر سکتا ہے تو اس پر کرلے گا ورنہ اس سے اتر کر، جو لوگ خطیب سے آیت سجدہ کو نہیں سنیں گے ان پر سجدہ نہیں ہے البتہ نماز میں مقتدی کے لئے سننے کی قید نہیں ہے، سنے تو بھی اور نہ سنے تو بھی دونوں حالتوں میں مقتدی سجدہ کرے گا کذا فی الخانیہ)

باب صلوۃ المسافر

من اضافة الشئی الی شرطه اومحله ولا یخفی ان التلاوة عارض هو عبادة والسفر عارض مباح الا بعارض فلذا اخر وسمی به لانه سیفر عن اخلاق الرجال من خرج من عمارة موضع اقامته من جانب خروجه وان لم یجاوز من الجانب الآخر وفی الخانیة ان کان بین الفناء والمصر اقل من غلوة و لیس بینهما مزرعة یشترط مجاوزته والا فلا قاصدا ولو کافرا ومن طاف الدنیا بلا قصد لم یقصر مسیرة ثلثة ایام ولیالیها من اقصر ایام السنة ولا یشترط سفر کل یوم الی اللیل بل الی الزوال و لا اعتبار علی الفراسخ علی المذهب بالسیر الوسط مع الاستراحات المعتادة حتی لو اسرع فوصل فی یومین قصر ولو لموضع طریقان احدهما مدة السفر و الآخر اقل قصر فی الاول لا الثانی

باب صلوۃ المسافر

(مسافروں کی نماز سے متعلق احکام ومسائل)

اس باب میں شے کی اضافت اس کی شرط کی طرف ہے یا اس کے محل کی طرف ہے یعنی قصر نماز کے لئے مسافر ہونا شرط ہے یا مسافر اس کا محل ہے جب تک آدمی مسافر نہ ہوگا نماز قصر نہیں پڑھے گا یہ بات مخفی نہیں ہے کہ تلاوت ایک عارضی اور پیش آنے والی چیز ہے مگر یہ عبادت ہے البتہ کسی عارض کی وجہ سے وہ عبادت سے نکل بھی جاتی ہے (جیسے نام و نمود اور شہرت کے لئے پڑھنا، یا ناپاک ہونے کی حالت میں پڑھنا) اور سفر بھی ایک عارضی چیز ہے اور یہ مباح ہے مگر کسی مانع کی وجہ سے اس کی اباحت ختم ہو جاتی ہے (جیسے رہزنی کے لئے سفر کرنا) یہی وجہ ہے کہ سفر کا حکم بعد میں بیان کیا گیا کہ یہ اصلاً مباح ہے اور تلاوت چونکہ اصلاً عبادت ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا، یوں دونوں عارضی ہیں، اور سفر کو سفر اس لئے کہا گیا کہ وہ لوگوں کے اخلاق سامنے آجاتے ہیں سفر ان کے اخلاق کو کھولد تا ہے، یا سفر زمین وزمانہ کے احوال کو ظاہر کرتا ہے اس لئے سفر کا نام سفر رکھا گیا)

قصر کہاں سے کرے گا

جو شخص اپنی جائے اقامت کی آبادی سے نکل پڑے یعنی جدھر سے چلا ہے اُدھر کی آبادی سے باہر ہو جائے گو دوسری جانب سے وہ آبادی سے نہ نکلا ہو تو وہ چار رکعتوں والی فرض نمازوں کو دو رکعت ادا کرے گا، اس آبادی کے باغات آبادی میں داخل نہیں ہیں، آبادی سے مراد صرف گھر اور مکانات ہیں، ان سے باہر آجائے گا تو وہ قصر پڑھے گا خواہ اس آبادی کے باغات وغیرہ ہی کیوں نہ ہوں، اور فتاویٰ خانیہ میں یہ ہے کہ اگر شہر اور فنائے شہر کے درمیان دو سو گز سے کم فاصلہ ہو اور دونوں کے درمیان کھیت نہ ہو تو اس فنائے شہر سے نکلنا بھی قصر کے لئے شرط ہوگی، ورنہ نہیں، (فنائے شہر اس میدان کو کہتے ہیں جو شہر کے نفع کے لئے ہو مثلاً مردوں کے دفن کرنے اور گھوڑوں کو رام کرنے کے لئے تو اگر یہ شہر سے متصل ہو اور بیچ میں کھیت نہ ہو، تو قصر کے لئے اس سے تجاوز کرنا بھی شرط ہے ورنہ نہیں۔

شرط یہ ہے کہ مسافر اپنی جائے اقامت سے سفر کا ارادہ کر کے نکلے اگرچہ اس نے حالت کفر میں اس کا ارادہ کیا ہو پھر مسلمان ہو گیا ہو تو وہ قصر پڑھے گا، اور جو شخص بلا ارادہ دنیا کا چکر لگائے وہ قصر نہیں کرے گا یعنی ایک ساتھ اس نے ۴۸ میل چلنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ تھوڑا تھوڑا چلتا رہا اور اس کا ارادہ بدلتا رہا۔

قصر کی مسافت

قصر کے لئے سال کے سب سے چھوٹے دن سے تین دن رات کے سفر کا ارادہ کرنا ضروری ہے اور سفر میں یہ شرط نہیں ہے کہ پورے دن رات تک چلتا رہے بلکہ صرف زوال تک چلنے کی شرط ہے (ہمارے ملک میں سب سے چھوٹا دن صبح صادق سے زوال تک ساڑھے چھ گھنٹے کا ہوتا ہے، اس طرح تین دن کے ساڑھے انیس گھنٹے ہوئے اور آدمی عموماً ایک گھنٹہ میں درمیانی چال سے ڈھائی میل ضرور چلے گا، اسلئے میل سے سفر کی مقدار ۴۸ میل مانی گئی ہے) اصل مسئلہ میں فراسخ یعنی میلوں کا اعتبار نہیں ہے، سفر تین دن رات کا درمیانی اور معقول چال سے معتبر ہے جس میں عادت کے مطابق آرام کرنا بھی داخل ہے، (اور اس چال سے پیدل چلنا مراد ہے یا پھر اونٹ سے، گھوڑے کی رفتار سے معتبر نہیں ہے اور نہ بیل گاڑی کی رفتار سے، کہ ایک بہت تیز ہے اور دوسری بہت سست) اگر تین دن کی راہ کو تیز چل کر دو دن میں طے کرلے گا تو وہ بھی قصر کرے گا اگر ایک جگہ کے لئے دو راستے ہوں ایک مدت سفر کے برابر، اور دوسرا اس سے مختصر، تو اس صورت میں اگر مدت سفر والے راستہ سے سفر کرے گا تو قصر کرے گا اور اگر مختصر راستہ سے وہاں پہونچے گا تو قصر نہیں کرے گا۔

صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوبا لقول ابن عباسؓ ان الله فرض علی لسان نبیکم صلوۃ المقیم اربعا والمسافر رکعتین ولذا عدل المصنف عن قولهم قصر لان الرکعتین لیستا قصراً حقیقة عندنا بل هما تمام فرضه والاکمال لیس رخصة فی حقه بل اساءة قلت وفی شروح البخاری ان الصلوات فرضت لیلة الاسراء رکعتین سفراً و حضراً الا المغرب فلما هاجر علیه الصلوۃ والسلام و اطمأن

بالمدینة زیدت الا الفجر لطول القراءة فیها و المغرب لانها وتر النهار فلما استقر فرض الرباعیة خفف منها فی السفر عند نزول قوله تعالی فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة وکان قصرها فی السنة الرابعة من الهجرة و بهذا تجتمع الادلة انتهی کلامهم فلیحفظ ولوکان عاصیا بسفره لان القبح المجاور لایعدم المشروعیة

مسافر کے لئے چار کی جگہ دو کامل نماز ہے

جو شخص تین دن یا (۴۸) میل سفر کے ارادہ سے نکلے گا تو وہ چار رکعتوں والی فرض نمازوں میں وجوبی طور پر قصر کرے گا اور چار کی جگہ دو رکعت پڑھے گا اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تم پر تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ فرض قرار دیا ہے کہ مقیم چار رکعت پڑھے اور مسافر دو رکعت، اور اسی وجہ سے مصنف نے فقہا کے لفظ قصر کو چھوڑ دیا اور اس کی جگہ دو رکعت پڑھنے کو کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں حقیقتاً ہمارے نزدیک قصر نہیں ہے، بلکہ دو رکعتیں ہی مسافر کے لئے پوری فرض نماز ہے اور اس کو چار رکعتیں پوری ادا کرنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ ایسا کرنا سنت کی مخالفت ہے ماحصل یہ ہے کہ مسافر کے لئے چار والی دو ہی رکعت فرض کی گئی ہے، بلکہ ابتداء میں سب کے لئے دو ہی رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر بعد میں یہ مقیم کے لئے چار ہو گئیں اور مسافر کے لئے دو کی دو ہی باقی رہیں صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے یہ روایت موجود ہے کذا فی الشامی۔

دلائل قصر

شارح کہتے ہیں کہ بخاری کی شرحوں میں آیا ہے کہ شب معراج میں نمازیں دو ہی رکعتیں فرض کی گئی تھیں، سفر کے لئے بھی اور (اقامت) کے لئے بھی سوائے مغرب کی نماز کے، کہ اس وقت کے لئے تین رکعت فرض ہوئی تھی، پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ میں قیام فرمایا تو مغرب و فجر کو چھوڑ کر بقیہ وقتوں میں دو رکعتیں زیادہ کر دی گئیں، فجر میں چار اس لئے نہیں کی گئی کہ اس میں قرأت لمبی ہوتی ہے اور مغرب میں اس وجہ سے اضافہ نہیں ہوا کہ وہ دن کی وتر اور طاق نماز ہے، اور پھر جب چار رکعتیں مقرر ہو چکیں تو سفر میں اس وقت تخفیف کر دی گئی جب قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ (تم پر اس میں کوئی تنگی نہیں ہے کہ نماز کو قصر کرو) اور یہ قصر کا واقعہ ۴ھ میں پیش آیا، شارحین کی اس تفصیل سے امام شافعیؒ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ دو سے چار ہوئیں اور پھر چار سے سفر میں دو، چنانچہ امام شافعیؒ اکیلے قائل ہیں کہ مسافر بھی چار کی چار پڑھ سکتا ہے مگر احناف کے یہاں اس کی اجازت نہیں ہے یہ کہتے ہیں کہ چار والی نماز کو دو ہی رکعت ادا کرے گا اگرچہ وہ اپنے سفر میں معصیت کرنے والا ہی کیوں نہ ہو مثلاً کوئی ڈکیتی کی نیت سے سفر کرے اس لئے کہ برائی کا لاحق ہونا جواز کو ختم نہیں کر سکتا ہے، قصر کا حکم اپنی جگہ ہے اور برائی الگ چیز ہے۔

حتی یدخل موضع مقامه ان سار مدة السفر و الا فیتم بمجرد نیة العود لعدم

استحکام السفر اوینوی ولو فی الصلوۃ اذا لم یخرج وقتها ولم یك لاحقاً اقامة نصف شهر حقیقة اوحکماً لمافی البزازیة وغیرها ولو دخل الحاج الشام وعلم انه لایخرج الامع القافلة فی نصف شوال اتم لانه کناوی الاقامة بموضع واحد صالح لها من مصر اوقریة اوصحراء دارنا وهو من اهل الاخبیة فیقصر ان نوی الاقامة فی اقل منه ای من نصف شهر اونوی فیه لکن فی غیر صالح کبحر اوجزیرة اونوی فیه لکن بموضعین مستقلین کمکة ومنٰی فلو دخل الحاج مکة ایام العشر لم تصح نیته لانه یخرج الی منی وعرفة فصار کنیة الاقامة فی غیر موضعها وبعد عوده من منی تصح کما لو نوی مبیته باحدهما اوکان احدهما تبعاً للآخر بحیث تجب الجمعة علی ساکنها للاتحاد حکماً اولم یکن مستقلاً برأیه کعبد وامرأة اودخل بلدة ولم ینوها ای مدة الاقامة بل ترقب السفر غدا اوبعده ولو بقی علی ذالك سنین الاان یعلم تاخر القافلة نصف شهر کما مرّ وکذا یصلی رکعتین عسکر دخل ارض حرب اوحاصر حصنا فیها بخلاف من دخلها بامان فانه یتم اوحاصر اهل البغی فی دارنا فی غیر مصر مع نیة الاقامة مدتها للتردد بین القرار والفرار

قصر کب تک کرے گا مسافر اس وقت تک نماز قصر کرتا رہے گا جب تک اپنی جائے اقامت میں داخل نہ ہو جائے اگر وہ مدت سفر (۴۸) میل کی نیت سے چلا ہے اور اگر اس نے مسافت سفر پوری نہیں کی تھی کہ واپسی کا ارادہ کر لیا تو اس نیت کے فوراً بعد اس کو قصر ختم کر کے پوری نماز ادا کرنی چاہئے اس وجہ سے کہ اس کا سفر مستحکم نہیں ہو سکا (اور اگر سفر کی مسافت چل کر واپس ہوا ہے تو قصر ہی کرتا رہے گا جب وہ واپس اپنی جائے اقامت میں داخل ہو جائے گا تو پھر پوری نماز پڑھے گا، چنانچہ شامی نے لکھا ہے کہ جیسے ابتداء میں قصر کے لئے شہر سے نکلنا شرط ہے ویسا ہی بقاء قصر کے لئے مدت سفر کا پورا ہونا بھی ضروری ہے)

یا مسافر اس وقت تک قصر کرتا رہے گا جب تک پندرہ دن ایک ایسی جگہ ٹھہرنے کی نیت نہ کر لے جو ٹھہرنے کے لائق ہو، وہ شہر ہو یا گاؤں ہو یا پھر وہ دار الاسلام کا صحراء ہو اور مسافر خیمہ زن لوگوں میں ہو، لیکن اگر مسافر اہل خیمہ میں نہ ہو اور وہ صحراء میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لے تو اس کی نیت معتبر نہیں ہو گی، شارح نے کہا کہ مسافر نے اگرچہ قیام کی نیت نماز پڑھنے کی حالت میں کی ہو اور نماز کا وقت باقی ہو اور مسافر لاحق نہ ہو تو اس صورت میں اس کو فرض دو کی جگہ چار پڑھنا ہو گی، اور اگر نماز میں اس نماز کا وقت ختم ہو گیا اور اسی میں اقامت کی نیت کی ہے تو اس کو پھر چار رکعتیں نہیں پڑھنا پڑیں گی، اسی طرح مسافر نے مسافر کے پیچھے اقتدا کیا اور وہ لاحق ہو گیا تو اس وقت بھی اقامت کی نیت معتبر نہیں ہو گی، یہ نیت پندرہ دن ٹھہرنے

کی حقیقت میں ہو یا حکمی طور پر ہو، دونوں معتبر ہیں حکمی طور کی مثال بزازیہ میں یہ دی ہے کہ اگر حاجی ملک شام میں داخل ہوا اور اس کو یقین ہے کہ وہ جب نکلے گا تو اس قافلہ کے ساتھ ہی نکلے گا جو ۱۵ شوال کو چلے گا، اس صورت میں وہ پوری نماز پڑھے گا، اس لئے کہ وہ مثل اقامت کی نیت کرنے والے کے ہو گیا۔

ان صورتوں میں قصر نہیں کرے گا

اور مسافر نے اگر پندرہ دنوں سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہے تو وہ حسب دستور قصر (دو رکعتیں پڑھے گا، یا نیت کی تو پندرہ ہی دن کی مگر ایسی جگہ میں اقامت کی نیت کی تھی جو قابل اقامت نہیں ہے، جیسے دریا یا ایسے جزیرہ میں ٹھہرنے کی نیت کی جس میں آبادی نہیں ہے، یا قابل اقامت جگہ میں ٹھہرنے کی نیت کرے لیکن دو مستقل جگھوں میں ملا کر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے جیسے مکہ اور منٰی میں، خواہ وہ دونوں شہر ہوں یا گاؤں ہوں یا ایک شہر اور ایک گاؤں ہو مختصر یہ کہ ان ساری صورتوں میں وہ مقیم نہیں ہو گا مسافر ہی باقی رہے گا۔

حاجی کی نیت اقامت ایام حج میں درست نہیں

لہٰذا اگر حاجی ذی الحجہ کے دس دنوں کے لئے مکہ میں داخل ہوا تو اس کی نیت اقامت درست نہیں ہو گی اسلئے کہ وہ منٰی اور عرفات بھی لازمی طور پر جائے گا تو یہ ایسا ہوا کہ جیسے اس نے اقامت کی نیت موضع اقامت کے سوا میں کی، یعنی ایک جگہ میں ٹھہرنے کی نیت نہیں ہوئی۔

البتہ منٰی سے چلنے کے بعد اقامت کی نیت کرنا درست ہے جیسے اگر اس نے رات میں رہنے کی نیت دونوں جگھوں میں سے کسی ایک متعین جگہ میں کی ہے تو یہ نیت درست ہو گی، مثلاً اس نے نیت کی کہ رات میں وہ منٰی میں رہے گا اور دن مکہ میں گذارے گا، اس لئے کہ اقامت میں رات کے رہنے کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا جب منٰی میں داخل ہو گا مقیم ہو جائے گا اور مکہ میں مسافر۔

تابع وماتحت کی نیت کا اعتبار نہیں

یا پھر ان دونوں جگھون میں سے ایک دوسرے کے تابع اس طرح ہو کہ اس کے رہنے والوں پر اتحاد حکمی کی وجہ سے جمعہ واجب ہوتا ہو جیسے ایک گاؤں شہر سے اس قدر قریب ہو کہ اس شہر میں جمعہ کی جو اذان دی جاتی ہو اس کی آواز آتی ہو تو ایسی دونوں جگھوں میں اقامت کی نیت درست ہے مثلاً یہ نیت کرے کہ شہر میں دس دن رہوں گا اور پانچ دن گاؤں میں، اس لئے کہ ایسے دو مقام حکماً ایک ہوتے ہیں۔

وہ شخص بھی نماز کو قصر کرے گا جو اپنی رائے میں مستقل نہ ہو بلکہ دوسرے کے تحت ہو جیسے غلام اور عورت (مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کا تابع ہو تو اقامت کی نیت میں آقا اور سردار کی نیت کا اعتبار ہو گا تابع اور ماتحت کی نیت کا اعتبار نہیں ہو گا، حکم آقا کی نیت پر لگایا جائے گا)

ایک ساتھ پندرہ دن کی نیت نہ کرنے والا قصر کرے گا

وہ شخص بھی سفر میں قصر کرتا رہے گا جو کسی شہر میں داخل ہوا مگر وہ کسی کام یا کسی شخص

کے انتظار میں مدت اقامت کی نیت نہ کرے، بلکہ اس کو توقع ہے کہ کل یا اس کے بعد سفر کرے گا، اگرچہ اس توقع اور امید پر برسوں بیت جائیں تو بھی وہ مسافر ہی رہے گا اور نماز قصر ہی پڑھے گا ہاں اگر اس کا یقین ہو جائے کہ رفقائے سفر پندرہ دنوں کے بعد روانہ ہوں گے تو پھر وہ بھی مقیم کے حکم میں ہو جائیں گے۔

دارالحرب میں رہنے والی فوج کا حکم

اسی طرح وہ لشکر بھی نماز قصر کرے گی اور وہ رکعت پڑھے گی جو دارالحرب (دشمنوں کی زمین) میں داخل ہوئی یا دارالحرب میں کسی قلعہ کے محاصرہ پر لگی ہوئی ہے یا جس لشکر نے دارالاسلام کے غیر شہری علاقہ میں باغیوں کا محاصرہ کر رکھا ہے تو اس نے مدت قامت کی نیت کر رکھی ہو، اس لئے کہ اس کے ٹھہرنے اور کوچ کرنے میں تردد ہے لہٰذا وہ مقیم نہیں ہوگی، البتہ وہ شخص جو دارالحرب میں امن کا پروانہ حاصل کر کے داخل ہوا ہے وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ اس کے قیام میں تردد نہیں ہے (باغی) اس کو کہتے ہیں جس نے خلیفہ وقت کی اطاعت سے انکار کر دیا ہے، شامی نے کہا کہ متن میں غیر شہری علاقہ کی قید کا کوئی فائدہ نہیں اگر شہر میں محاصرہ پر ہو تو بھی اس کی نیت اقامت درست نہیں ہوگی چنانچہ معراج الدرایہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

بخلاف اهل الاخبية كعرب و تركمان نووها فى المفازة فانها تصح فى الاصح وبه يفتى اذا كان عندهم من الماء والكلاء ما يكفيهم مدتها لان الاقامة اصل الا اذا قصدوا موضعا بينهما مدة السفر فيقصرون ان نووا سفرا و الا لا ولو نوى غيرهم الاقامة معهم لم يصح فى الاصح والحاصل ان شروط الاتمام ستته النية والمدة واستقلال الرائے وترك السير واتحاد الموضع وصلاحيته قهستانى

اہل خیمہ کی نیت اقامت جنگل میں

البتہ اگر اہل خیمہ (خیمہ بردوش لوگ) جیسے بدو اور ترکمان جنگل میں اقامت کی نیت کریں گے تو ان کی یہ نیت درست ہوگی صحیح تو قول یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان کے پاس پانی اور چارہ اتنا ہو کہ مدت اقامت تک کے لئے کافی ہو ان کی اقامت کی نیت اس وجہ سے درست ہے کہ یہی اصل اقامت ہے اور دوسرا ضعیف قول یہ ہے کہ یہ بھی قصر کریں کیوں کہ جنگل میں اقامت کی نیت ان کی بھی درست نہیں کذا فی الطحطاوی۔

اگر اہل خیمہ ایسی جگہ کا ارادہ کریں کہ ان دونوں جگہوں میں مدت سفر کا فاصلہ ہو تو وہ نیت سفر کے وقت نماز قصر پڑھیں گے اور اگر سفر کی نیت نہیں کریں گے تو پھر قصر نہیں کریں گے۔

اگر اہل خیمہ کے علاوہ لوگ ان کے ساتھ اقامت کی نیت کریں گے تو صحیح تر مذہب میں ان کی نیت اقامت درست نہیں ہوگی۔

سب کا حاصل یہ ہے کہ مسافر میں جب یہ چھ شرطیں پائی جائیں گی تو وہ پوری نماز پڑھیں گے قصر نہیں کریں گے اول اقامت کی نیت، دوم مدت اقامت پندرہ دنوں کی نیت، سوئم وہ مستقل رائے ہوں یعنی کسی کے تابع نہ ہوں، چہارم چلنے کو بند

کرنا اگر جنگل اور صحرا میں ہو شہر اور آبادی میں چلنا بند کرنے سے اقامت کی نیت نہیں ہوتی ہے۔ پنجم اقامت کی جگہ کا ہونا، ششم جگہ کا لائق اقامت ہونا کذی افی القہستانی

فلو اتم مسافر ان قعد فی القعدة الاولی تم فرضه و لٰكنه اساء لو عامداً لتاخير السلام و ترك واجب القصر و واجب تكبيرة افتتاح النفل و خلط النفل بالفرض و هذا لا يحل كما حرره القهستاني بعد ان فسر اساء باثم و استحق النار و ما زاد نفل كمصلي الفجر اربعا و ان لم يقعد بطل فرضه و صار الكل نفلا لترك القعدة المفروضة الا اذا نوى الاقامة قبل ان يقيد الثالثة بسجدة لنه يعيد القيام و الركوع لوقوعه نفلاً فلا ينوب عن الفرض و لو نوى في السجدة صار نفلاً

مسافر جس نے دو کی جگہ چار رکعت پڑھ لی

کسی مسافر نے اگر چار رکعتیں پڑھ لیں تو اگر وہ قعدہ اولیٰ میں بیٹھا ہے تو اس کا فرض ادا ہو جائے گا مگر اس نے برا کیا کہ دو کی جگہ چار رکعت پڑھی، دو فرض ہوں گی اور دو زائد نفل ہوں گی (جیسے کوئی فجر کے وقت دو کے بجائے چار رکعت پڑھ لے تو اس میں دو فرض قرار پائے گی اور دو نفل شارح نے بتایا کہ مسافر کا چار پڑھنا اس وقت بُرا ہوگا جب اس نے ایسا قصداً کیا ہو کیونکہ چار پڑھنے میں یہ خرابیاں ہوئیں اول سلام پھیرنے میں دیر ہوئی، دوم قصر جو واجب تھا اس کو چھوڑا، سوم نفل کی تکبیر تحریمہ جو ضروری تھی وہ رہ گئی چہارم نفل کو فرض کے ساتھ ملا دیا، حالانکہ یہ چاروں چیزیں درست نہیں تھیں چنانچہ قہستانی میں اس کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، قہستانی نے اس شرح سے پہلے یہ بھی لکھا ہے کہ اساء بڑا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ گنہ گار ہوا اور آگ کا مستحق ہوا، چنانچہ شامی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسافر کا بجائے قصر پوری نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

لیکن وہ مسافر جس نے قصر نماز میں دو کی جگہ چار رکعت پڑھ لی ہے اور وہ قعدہ اولی میں نہیں بیٹھا ہے تو اس مسافر کی فرض نماز باطل ہو گئی اور یہ ساری نماز اس کی نفل ہو گئی، اس لئے کہ پہلا قعدہ قصر والے کے لئے فرض تھا کیونکہ وہی اس کا آخری قعدہ تھا، لیکن اگر اس مسافر نے دوسری رکعت کے بعد اور تیسری رکعت کے سجدہ سے پہلے اقامت کی نیت کرلی ہے، تو اس کی فرض نماز باطل نہیں ہو گی، لیکن اس صورت میں اس مسافر کو تیسری رکعت کے قیام ور کوع کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تیسری رکعت کا قیام اور رکوع نفل کا ہوا تھا جو فرض کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ہے اور اگر تیسری رکعت کے سجدہ میں اقامت کی نیت کی ہے تو پھر یہ فرض نفل ہو جائے گی۔

وصح اقتداء المقيم بالمسافر في الوقت و بعده فاذا قام المقيم الى الاتمام لا يقرأ و لا يسجد للسهو في الاصح لانه كاللاحق و القعدتان فرض عليه و قيل لا قينه و ندب للامام هذا يخالف الخانية و غيرها ان العلم بحال الامام شرط لكن في حاشية الهداية للهندي الشرط العلم بحاله في الجملة لا في حال الابتداء و في شرح

الارشاد ینبغی ان یخبرهم قبل شروعه والا فبعد سلامه ان یقول بعد التسلیمتین۔ فی الاصح اتموا صلوتکم فانی مسافر لدفع تویهم انه سها و لو نوی الاقامة لا لتحقیقها بل لیتم صلوة المقیمین لم یصر مقیما

مقیم کی نماز مسافر کے پیچھے نماز کے وقتوں میں اور اس کے بعد بھی مقیم کا مسافر امام کی اقتدا کرنا درست ہے، لیکن جب مسافر امام کے سلام پھیر لینے کے بعد مقیم مقتدی اپنی بقیہ دو رکعتیں پوری کرنے کھڑے ہوں گے تو وہ ان رکعتوں میں قرأت نہیں کریں گے بلکہ سورہ الحمد للہ پڑھنے کی مقدار میں خاموش کھڑے رہیں گے پھر رکوع اور سجدہ کریں گے، مقیم سجدہ سہو بھی نہیں کرے گا، مقیم قرأت اس وجہ سے نہیں کرے گا کہ وہ لاحق کے حکم میں ہے اور مقتدی مقیم پر دونوں قعدے فرض ہیں، ایک امام کی پیروی میں اور دوسرا اس کے لئے اخیر ہونے کی جہت سے، اور بعضوں نے کہا کہ پہلا قعدہ اس پر فرض نہیں ہے۔

مسافر امام مقتدی کو بتادے کہ مسافر ہے مسافر امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ دونوں سلام پھیر کر مقتدیوں سے کہدے کہ تم اپنی نمازیں پوری کرلو میں مسافر ہوں، یہ کہنا اس وجہ سے مستحب ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ امام سے بھول ہوگئی ہے، شارح نے بتایا کہ یہ قول فتاویٰ خانیہ وغیرہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ مقتدی کے لئے اپنے امام کے حال کا جاننا شرط ہے، اور متن سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا امام مقیم ہے یا مسافر، تو اس طرح دونوں میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس کو زائل کرنے کے لئے شارح آگے لکھتا ہے کہ ہدایہ کے حاشیہ سندی میں یہ لکھا ہے کہ فی الجملہ امام کا حال معلوم ہونا چاہئے، یہ ضروری نہیں ہے کہ ابتدا ہی میں معلوم ہو لہٰذا اگر انتہا میں بھی معلوم ہوگیا تو بھی شرط پوری ہوگئی، اختلاف باقی نہیں رہا۔

شرح الارشاد میں لکھا ہے کہ امام مسافر کے لئے مناسب یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ کہدے کہ میں مسافر ہوں تم لوگ میرے سلام کے بعد اپنی نماز پوری کرلینا، اور اگر شروع میں نہ کہہ سکے تو اخیر میں کہہ دے۔

اگر کوئی امام جو مسافر ہے اقامت کی نیت صرف اس وجہ سے کرلے کہ وہ مقتدیوں کو پوری نماز پڑھادے اور حقیقت میں اقامت کی نیت نہ ہو تو اس صورت میں وہ امام مقیم نہیں ہوگا اور وہ جو چار رکعت پڑھے گا اگر قعدہ اولی میں بیٹھا ہے تو دو رکعت فرض ہوگی اور دو نفل، لیکن مقتدیوں کی نماز جنہوں نے ان کے پیچھے پوری پڑھی ہے فاسد ہوجائے گی، کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی نماز درست نہیں ہوتی ہے۔

و اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت و یتم لا بعده فیما یتغیر لانه اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدة لو اقتدى فی الاولیین او القراءة لو فی الاخریین

مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے اور مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز کا ادا کرنا درست ہے مگر وقت کے اندر، اور اس صورت میں مسافر مقتدی مقیم امام کی پیروی میں چار رکعتیں پڑھے گا یعنی امام کی

پیروی کی وجہ سے اس کی دو چار ہو جائے گی، وقت گذرنے کے بعد مسافر کا مقیم کے پیچھے ان نمازوں کا پڑھنا درست نہیں ہے جو بدل جاتی ہیں یعنی ظہر، عصر، اور عشاء اس وجہ سے کہ مقیم جو قضا پڑھ رہا ہے اس میں قعدہ اولی اس پر واجب ہے اور مسافر مقتدی پر فرض اسی طرح اخیر والی دو رکعتوں میں مقیم امام کے لئے قرأت سنت ہے اور مسافر اگر ان میں اقتدا کرے گا تو اس کے لئے وہ قرأت فرض ہے لہٰذا یکسانیت نہ پہلی رکعتوں میں ہو سکتی ہے اور نہ اخیر والی رکعتوں میں لیکن فجر اور مغرب میں وقت کے بعد بھی اقتدا درست ہے اس لئے کہ یہ نمازیں نہیں بدلتی ہیں۔

ویاتی المسافر بالسنن انکان فی حال امنٍ و قرارٍ والا بان کان فی خوف و فرار لایاتی بها هو المختار لانه ترك لعذر تجنيس قيل الاسنة الفجر والمعتبر فی تغيير الفرض آخر الوقت وهو قدر مايسع التحريمة فان كان المكلف فی آخره مسافراً وجب ركعتان والا فاربع لانه المعتبر فی السببيه عند عدم الاداء قبله الوطن الاصلی وهو موطن ولادته او تاهله او توطنه يبطل بمثله اذا لم يبق له بالاول اهل فلو يبقی لم يبطل بل يتم فيهما لاغير و يبطل وطن لاقامة بمثله و بالوطن الاصلی و بانشاء السفر والاصل ان الشئ يبطل بمثله وبمافوقه لابمادونه ولم يذكروطن السكنی و هو مانوی فيه اقل من نصف شهر لعدم فائدته وماصوره الزيلعی رواه فی البحر

سفر میں سنت موکدہ کا حکم

مسافر اگر امن و سکون کی حالت میں ہے تو سنت موکدہ ادا کرے گا اور اگر امن و سکون نہ ہو بایں طور کہ وہ خوفزدہ ہو جلدی میں تو ان سنتوں کو چھوڑ دیگا، مذہب مختار یہی ہے اس وجہ سے کہ یہ سنتوں کا چھوڑنا عذر کی وجہ سے ہے البتہ سنت فجر کے سلسلہ میں بعضوں نے کہا کہ اس کو حتی الوسع نہ چھوڑے کیونکہ اس کی زیادہ تاکید آئی ہے۔

سفر کی وجہ سے فرض کا چار سے دو ہونا یہ نماز کے اخیر وقت میں قابل اعتماد ہے اور وہ اخیر وقت اتنا ہو کہ اس میں تحریمہ باندھ سکتا ہو، لہٰذا اگر مسلمان عاقل بالغ جب اخیر وقت میں مسافر ہو گا تو اس پر واجب ہے کہ وہ چار کی جگہ دو پڑھے، اور اگر اس وقت مسافر نہیں ہے تو چار ہی پڑھنا واجب ہے اسلئے کہ سبب ہونے میں اخیر وقت کا اعتبار کیا گیا ہے اگر اس نے پہلے اس کو ادا نہیں کیا ہے (نماز کا سبب وجوب اگر اس نے اب تک ادا نہیں کیا ہے تو اس وقت کا آخری حصہ ہے لہٰذا اگر کوئی لڑکا اخیر وقت میں نابالغ سے بالغ ہو گیا، یا کوئی کافر مسلمان ہو گیا یا کسی مجنون کا جنون جاتا رہا۔ یا کوئی حیض و نفاس والی عورت پاک ہوئی تو اس وقت کی نمازوں کی قضا سب کے ذمہ لازم ہو جائے گی اسی طرح سفر و اقامت کے باب میں بھی اخیر وقت کا اعتبار کیا گیا ہے)

وطن اصلی کب باطل ہوتا ہے

وطن اصلی اپنے جیسے دوسرے وطن اصلی سے باطل ہو جاتا ہے جبکہ پہلے وطن میں اس کے گھر والے باقی نہ رہے ہوں اور اگر پہلے وطن میں اہل و عیال ہیں تو پھر وہ باطل نہیں ہو گا بلکہ جب وہ شخص وہاں پہونچے گا پوری نماز پڑھے گا اور دوسرے وطن میں بھی پوری نماز پڑھے گا، خواہ وہ

وہاں اقامت کی نیت کرے خواہ نہ کرے، اس لئے کہ یہ دونوں اس کا وطن اصلی قرار پایا ہے وطن اصلی کی تعریف شارح نے یہ کی ہے کہ وطن اصلی وہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا ہے یا جہاں اس نے شادی کرلی ہے یا جہاں اس نے وطن بنالیا ہو (وطن کی تین قسمیں ہیں ایک وطن اصلی جس کی تعریف گذر چکی، دوم وطن اقامت یعنی وہ جگہ جہاں اس نے پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی ہو، سوم سکنٰی جہاں آدمی پندرہ دن سے کم قیام کی نیت کرے وطن اصلی میں آدمی ہر حال میں مقیم رہتا ہے اگرچہ ایک ہی رات رہے مثلاً اثناء سفر میں وطن اصلی آگیا اور وہاں اس نے قیام کیا تو وہ پوری نماز پڑھے گا البتہ اگر اصلی وطن کے بجائے دوسرا وطن اصلی بنالیا ہو اور بال بچوں کو وہاں لے آیا ہو تو پہلا وطن اصلی باقی نہیں رہے گا اور اگر بال بچے پہلے وطن اصلی میں رہتے ہوں اور اس نے خود دوسری جگہ کو وطن اصلی بنالیا ہو تو اس صورت میں دونوں وطن اصلی کے حکم میں ہوں گے۔

وطن اقامت اور اس کا باطل قرار پانا وطن اقامت بھی اس جیسے دوسرے وطن اقامت کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے اور وطن اصلی سے بھی وطن اقامت ختم ہو جاتا ہے اور وہاں سے سفر اختیار کرنے سے بھی وطن اقامت باطل ہو جاتا ہے (یعنی اگر کسی جگہ پندرہ دن یا زیادہ کی نیت کرلی تھی تو وہ اس کا وطن تھا اب اگر اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیت کریگا تو پہلا وطن اقامت ختم ہو جائے گا اور یہ بن جائے گا اسی وطن اقامت سے چل کر جب وطن اصلی میں آجائے گا تو بھی وطن اقامت ختم ہو جائے گا البتہ پھر جب دوبارہ پندرہ دن یا زیادہ کی نیت کریگا تو وطن اقامت ہو جائے گا ورنہ نہیں، اسی طرح وطن اقامت سے سفر کی نیت سے چل پڑے گا اور اس سے نکل جائے گا تو بھی اب وہ وطن اقامت باقی نہیں رہے گا جب تک پھر پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیت نہ کرے اگر ایسا نہیں کیا ہے اور وہ اسی حال میں وہاں سے گذرا تو وہ اس جائے اقامت میں مسافر کے حکم میں ہوگا اور نماز قصر پڑھے گا)

قاعدہ کلیہ اس باب میں قاعدہ یہ ہے کہ چیز اپنی چیز یا اس سے اونچی چیز سے باطل ہوتی ہے اس سے کمتر سے باطل نہیں ہوا کرتی ہے یعنی وطن اصلی قوی تر ہے لہٰذا اس سے وطن اقامت باطل ہو جائے گا لیکن وطن اقامت سے وطن اصلی باطل نہیں ہوگا۔

وطن سکنٰی مصنف نے وطن سکنٰی کا ذکر نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور وطن سکنٰی اس کو کہتے ہیں جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی ہو اور زیلعی نے وطن سکنٰی کے لئے جو صورت مسئلہ بتائی ہے۔ بحر الرائق میں اس کو رد کر دیا گیا ہے (زیلعی نے صورت مسئلہ یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص اپنے شہر سے بلا نیت سفر کسی آبادی کی طرف گیا اور وہاں وہ پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کرلے، تو اس صورت میں وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ وہ مقیم کے حکم میں ہے پھر فرض کیا کہ وہ اس آبادی سے بغیر نیت سفر باہر روانہ ہوا، ابھی کہیں نہ رات گذری تھی اور نہ اپنے شہر پہنچا تھا کہ سفر کی نیت کرلی تو اب قصر کرے گا اس لئے کہ وہ مسافر ہو گیا اب اگر اتفاق سے وہ اسی آبادی سے گذرے گا تو اس میں وہ پوری نماز پڑھے گا کہ وہ اس کا وطن سکنٰی ہے کیونکہ وہ باطل نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ نہ تو اس نے چلتے وقت سفر کی نیت کی تھی بلکہ باہر نکل آیا اور نہ دوسری جگہ کو وطن سکنٰی بنایا اور نہ اپنے شہر گیا لہٰذا اس کا پہلا وطن سکنٰی باقی رہا باطل نہیں ہوا)

والمعتبر نية المتبوع لانه الاصل لا التابع كامرأة و فاها مهرها المعجل و عبد غير مكاتب و جندي اذا كان يرتزق من الامير او بيت المال و اجيروا سيرو غريم و تلميذ مع زوج و مولٰى و امير و مستاجر لف و نشر مرتب قلت فقيد المعية ملاحظ فى تحقق التبعية مع ملاحظة شرط آخر محقق لذلك و هو الارتزاق فى مسئلة الجندى و وفاء المهر فى المرأة و عدم كتابة العبد و به بان جواب حادثة جزيرة كريد سنة ثمانين و الف و لا بد من علم التابع بنية المتبوع فلو نوى المتبوع الاقامة و لم يعلم التابع فهو مسافر حتى يعلم على الاصح و فى الفيض و به يفتى كما فى المحيط و غيره و فعا للضرر عنه فما فى الخلاصة عبد مسافرام مولاه فنوى المولٰى الاقامة ان اتم صحت صلاتهما و الا لا مبنى على خلاف الاصح

سفر میں کسی کی نیت قابل اعتبار ہوتی ہے

اور سفر میں متبوع کی نیت کا اعتبار ہے اس لئے وہ اصل ہے اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ لہٰذا تابع کی نیت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے مثلاً عورت اپنے شوہر کے ساتھ سفر کرے تو مرد کی نیت کا اعتبار ہو گا، عورت کی نیت معتبر نہیں ہو گی، مگر شرط یہ ہے کہ شوہر نے اس کو مہر معجّل دیدیا ہو، اور اگر اس کو مہر ادا نہیں کیا ہے تو اس کی عورت اس کے تابع قرار نہیں پائے گی۔

کیونکہ مہر معجّل کے ادا کئے بغیر شوہر اس کو سفر میں نہیں لے جا سکتا ہے اور بیوی کو اس صورت میں اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ نہیں جائے، اسی طرح غیر مکاتب غلام کی نیت آقا کے ساتھ معتبر نہیں ہے۔ البتہ مکاتب غلام کی نیت کا اعتبار کیا گیا ہے۔ اس پر آقا کی اطاعت ضروری نہیں ہے اسی طرح فوجیوں کی نیت اس وقت معتبر نہیں ہے جب اس کا کمانڈر افسر اس کے ساتھ ہو اور کھانے کا وہی ذمہ دار ہو یا حکومت ذمہ دار ہو اور اگر فوجی اپنے پاس سے کھاتا ہو تو اس وقت اس کی نیت سفر کے باب میں معتبر ہو گی، اسی طرح مستاجر کے ساتھ مزدور کی نیت کا اعتبار نہیں ہے۔ شامی نے کہا ہے کہ مزدور کی نیت کا مزدوری پر رکھنے والے کے ساتھ اس وقت اعتبار نہیں ہو گا جب کہ مزدور کو مشاہرہ ملتا ہو، یا سالانہ طے ہو، لیکن اگر یومیہ ملتا ہے تو وہ معاملہ شام کو فسخ کر سکتا ہے، لہٰذا یومیہ والے مزدور کی نیت معتبر قرار دی گئی ہے، اسی طرح قید کرنے والے کے ساتھ قیدی کی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اور قرض خواہ کے ساتھ قرضدار کی نیت قابل اعتبار نہیں، بشرطیکہ قرض دار مفلس نہ ہو اور استاذ کے ساتھ شاگرد کی نیت کا اعتبار نہیں جبکہ اس کے کھانے کا ذمہ دار استاذ ہو، شامی نے لکھا ہے کہ اگر بالغ بیٹا باپ کی خدمت کرتا ہو تو اس کی نیت کا بھی اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

ماتحت کے شرائط

شارح کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ساتھ ہونے کی قید قابل لحاظ اس وقت ہے جب تبعیت (ماتحتی) بھی پائی جائے اور اس کے ساتھ دوسری شرط بھی پائی جائے اور وہ دوسری شرط جس کی

وجہ سے ماتحتی ثابت ہوتی ہے، وہ قیدی کے مسئلہ میں کھانا ملنا ہے اور عورت کے مسئلہ میں مہر معجّل کا ادا کر دینا ہے اور غلام کے مسئلہ میں مکاتب نہ ہونا ہے (شامی نے لکھا ہے کہ تابع جب اپنے متبوع کے ساتھ ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنے متبوع کے اقامت اور سفر کا حال معلوم کر لے۔ اگر وہ بتادے تو اس کے مطابق عمل کرے ورنہ جس حال میں ہو اسی پر عمل کرے یعنی سفر میں ہونے کی صورت میں قصر کرے اور حالت اقامت میں پوری نماز پڑھے)

ایک مسئلہ کا جواب

اس دوسری شرط سے جزیرہ کرید کے حادثہ ۱۰۸۰ھ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا (اس سنہ میں حادثہ یہ پیش آیا کہ لشکر شکست کھانے کے بعد منتشر ہو گیا کمانڈر اور امیر کے ساتھ نہیں رہا، نہ اس کی طرف سے ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام رہا، منشا یہ ہے کہ اس صورت میں وہ لشکری تابع نہیں رہے بلکہ خود مستقل رائے ہو گئے (طحطاوی نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کا مسئلہ بعد میں کسی شاگرد نے ملحق کر دیا ہے کیونکہ حادثہ سے پہلے شارح تصنیف سے ۱۰۷۱ھ میں فارغ ہو چکے تھے)۔

تابع کا متبوع کی نیت جاننا

تابع پر متبوع کی نیت کا جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر متبوع اقامت کی نیت کرلے اور تابع کو معلوم نہ ہو تو وہ اس وقت تک مسافر ہی رہے گا جب تک معلوم نہ ہو فیض میں ہے کہ اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ جیسا کہ محیط میں ہے یہ اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ تابع ضرر سے بچ سکے یعنی اگر دو کی جگہ اس پر چار رکعتیں لازم ہوں گی تو بظاہر اس میں اس کے لئے ضرر ہے۔

سفر میں غلام کی امامت

لہٰذا خلاصہ نامی کتاب میں جو مسئلہ ہے کہ ایک غلام اپنے آقا کا امام بنا اور آقا نے اقامت کی نیت کر لی، تو اگر غلام چار رکعتیں پڑھے گا تو اس صورت میں آقا اور غلام دونوں کی نماز درست ہو گی اور اگر دو پڑھے گا تو دونوں میں سے کسی کی نماز درست نہیں ہو گی اس مسئلہ کی بنیاد زیادہ صحیح قول کے خلاف پر ہے یعنی جس قول میں کہا گیا ہے کہ تابع کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کو آقا کی نیت کا علم ہو۔

نماز قضاء کی ادائیگی

قضا نماز، ادا نماز کے مشابہ ہے، سفر میں بھی اور اقامت میں بھی، اس وجہ سے کہ قضا ہو جانے کے بعد وہ متغیر نہیں ہوتی ہے (یعنی اگر سفر میں نماز قضا ہو گئی تھی اور حالت اقامت میں اس کو پڑھنا چاہا تو قصر ہی پڑھے گا اور اسی طرح جو نماز حالت اقامت میں قضا ہوئی ہے اور اس نے اس کو حالت سفر میں ادا کرنے کا ارادہ کیا تو پوری نماز پڑھے گا، اس لئے کہ نماز جس طرح واجب ہوتی ہے وقت کے بعد اسی طرح ادا کی جاتی ہے اس میں ردو بدل نہیں ہوا کرتا ہے، البتہ وقت کے اندر نیت کے بدل جانے سے نماز بدل جاتی ہے مسافر تھا وقت کے اندر اقامت کی نیت کر لی تو اب پوری نماز پڑھے گا، اسی طرح مقیم تھا اور وقت کے اندر سفر کی نیت کر لی اور اپنی آبادی سے باہر نکل گیا تو قصر پڑھے گا۔ یا مسافر تھا، مگر اس نے کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھی تو اب پوری نماز پڑھے گا۔

کشف الاسرار جلد اوّل ختم ہوئی۔ بقیہ کتاب الصلوۃ کے لئے جلد دوم دیکھیں۔

ناشر

مکتبہ فیض القرآن دیوبند 247554۔